عرفان

حصہ اول

حضرت فقیر نور محمد سروری قادری کلاچوی علیہ الرحمۃ

☆

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مری انتہائے نگارش یہی ہے

ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں
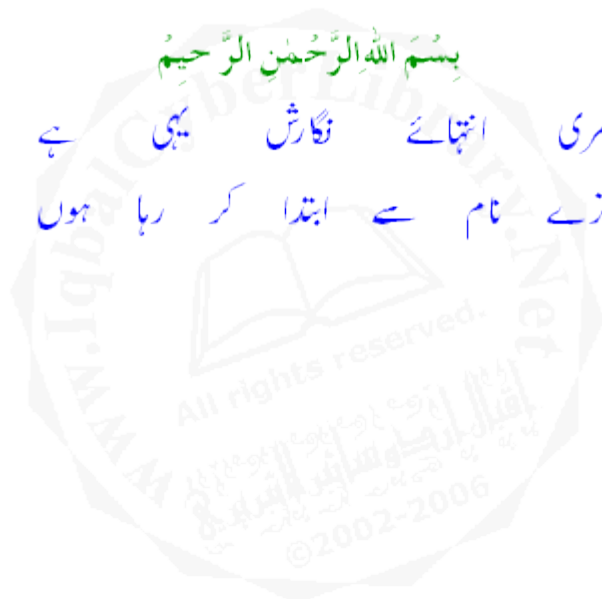
تعارف

عرفان کے تعارف کے بارے میں آج سے بیس سال پیشتر میرے جو جذبات تھے۔آج بھی وہی ہیں۔آج بھی جبکہ میرے تجربات ،مشاہدات اور معلومات میں گوناگوں اضافہ ہوا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میں عرفان کے شایان شان تعارف قلم بند کرنے کے فرض سے کماحقہ عہدہ برآ نہیں ہوسکوں گا۔تاہم چونکہ ناظرین پر اس کتاب کی اہمیت اور حقیقت واضح کرنا ضروری ہے اور یہ ایک ادبی روایت بھی ہے۔اس لیے میں اپنی کم مایگی کے احساس کے باوجود اپنے خیالات اور جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی حتی المقدور کوشش کروں گا اور فقط اس شرف ہی کو اپنی کامیابی اور خوش نصیبی کے لیے کافی تصور کروں گا جو مجھے اس نادر روزگار کتاب کو ناظرین سے متعارف کرانے کے سلسلے میں حاصل ہوگا۔

کتاب عرفان جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے مذہب و روحانیت اور فقر و تصوف کے اسرار و معارف اور حقائق کا ایک بیش بہا مجموعہ اور نایاب مرقع ہے اس کی تدوین اور ترتیب میں ان تمام امور کو مدنظر اور ملحوظ رکھا گیا ہے جو وقت کے ہمہ گیر تقاضوں سے مطابقت اور جدید اذہان کی تشفی اور تسلی کے لیے ضروری ہیں اس کے مطالعے سے مذہب اور روحانیت کا حقیقی مقصد اور مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

موجودہ خلائی اور جوہری (ایٹمی) عہد میں مادیت کو جو عروج اور فروغ حاصل ہوا ہے۔اس نے لوگوں کے ذہنوں کو یکسر بدل دیا ہے۔آج اکثر لوگ مذہبی کتابوں اور روحانی موضوعات کو طویل، خشک اور پیچیدہ مسائل کا مجموعہ سمجھ کر ان کے مطالعے سے گریز اور پہلوتہی کرتے ہیں اور وہ اپنے اس خیال میں کسی حد تک حق بجانب بھی ہوتے ہیں کیونکہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔آج دنیا اس مقام پر نہیں جہاں صدیوں پیشتر تھی۔انسانی علم اور تجربے نے آفاق کی وسعتوں کو چھان مارا ہے۔اب اس خاکی

نژاد انسان کے قدم چاند اور ستاروں کی سرزمینوں کو چھونے لگے ہیں اور وہ خلا اور کائنات کی تسخیر کے خواب دیکھ رہا ہے۔ انسانی علم نے خوردبینی ذرات کے بطون میں داخل ہو کر ان کی اندرونی دنیا کے ناقابل درک اسرار اور مخفی راز آشکار کر دیئے ہیں۔ لہٰذا موجودہ دنیا مکمل عقلی تشریح اور پوری علمی توضیح کے بغیر کسی چیز کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہونے کو تیار نہیں۔ لیکن عرفان میں اس موضوع کو حیرت انگیز اور محیر العقول مشاہدات، انوکھے و نرالے تجربات اور عجیب و غریب و جدید معلومات کے ذریعے اس قدر دلچسپ اور پر لطف بنایا گیا ہے کہ طبیعت بالکل کوفت اور گرانی محسوس نہیں کرتی۔ کتاب کا مطالعہ کرتے وقت قاری کو بسا اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی اس کے دماغ سے ظلمت کے پردے ہٹا رہا ہے اور وہ عالم روحانیت کا بہت نزدیک اور قریب سے مشاہدہ کر رہا ہے۔

اس مختصر سے دیباچے میں تفصیلاً یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ عرفان میں کیا کچھ ہے۔ یہ بات کتاب کا مطالعہ کرنے سے ہی تعلق رکھتی ہے لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ فقر و تصوف اور روحانیت کے موضوع پر اتنی دلچسپ اور پر از معلومات کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ یہ شرف برصغیر پاک و ہند میں صرف عرفان کے مصنفؒ ہی کو حاصل ہو سکا ہے۔ جس کے لئے آپ پوری اسلامی دنیا کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ آپ نے اردو زبان میں پہلی بار اتنی عجیب و غریب اور معیاری کتاب لکھ کر نہ صرف اردو دان اصحاب ہی پر احسان عظیم کیا ہے بلکہ اردو لٹریچر میں ایک بیش قیمت اضافہ کر کے اردو ادب پر بھی بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اس کے لیے آپ کا جس قدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔

موجودہ دور میں جہاں ایک طرف سائنسی ترقی کی بدولت وقت اور فاصلے پر قابو پایا جا رہا ہے اور ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی نوبت آ گئی ہے، آرام و آسائش اور عیش و عشرت کے سامانوں کی ہر طرف بہتات اور کثرت ہے وہاں دوسری طرف

پوری انسانیت انتہائی روحانی کرب، ذہنی انتشار، نفسیاتی پیچیدگی، گہری قلبی بے اطمینانی اور ہمہ گیر بے یقینی کے مصائب میں گرفتار ہو کر درد و الم، رنج و غم اور تکلیف سے بے طرح کراہ رہی ہے۔ مسلسل سسکیاں لے رہی ہے اور دم توڑ رہی ہے۔ مادی اور سائنسی ترقی انکے دکھوں کا مداوا نہیں کر سکی بلکہ سائنس نے سیاسی طالع آزماؤں اور ذاتی مصلحت اندیشوں کے تابع ہو کر انسان کے آلام میں بے انتہا اضافہ کر دیا ہے۔ پورا کرۂ ارض جہنم بنا ہوا ہے۔ ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ ہر طرف موت کا بازار گرم ہے۔ آج سماجی تضادات امارت و غربت کا فرق، عالمگیر ایٹمی اور خلائی جنگ کے خطرات، غذائی قحط، کمزور قوموں پر طاقتور قوموں کی یلغار، امراض، احتیاج، افلاس، زندگی سے مایوسی اور خودکشی کے اقدامات وغیرہ وغیرہ اپنے عروج پر ہیں۔ اس قدر عظیم عذاب اور عالمگیر ابتلاء، اس سے قبل کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اقتصادیات، نفسیات، عمرانیات اور جدید فلسفے کے ماہرین چاہے اس کی توجیہہ کچھ بھی کریں اور اس کے ظاہری اور فوری اسباب چاہے کچھ ہی بتائیں مگر اس کی اصلی وجہ مذہب و روحانیت، فقر و تصوف اور خود اپنے نفس کے عرفان سے انسانیت کی روگردانی اور غفلت ہے۔ آج کے دور میں مذہب اور روحانیت کی جس قدر شدید ضرورت ہے اس سے پہلے شاید ہی کبھی پڑی ہو۔ مذہب ہی ان عالمگیر دکھوں کا علاج ہے اور روحانیت ہی اس ابتلائے عظیم کا واحد مداوا ہے ورنہ وہ دن دور نہیں جب انسانیت انفرادی خودکشیوں کی بجائے اجتماعی خودکشی کی مرتکب ہو کر صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو جائے گی۔

عرفان کا موضوع خالصتاً فقر و تصوف اور روحانیت ہے اور اسلام کا ایک انتہائی ضروری پہلو ہے۔ جس کو مسلمانوں نے تقریباً فراموش کر دیا ہے۔ دین کے اس روحانی پہلو سے جس کو تصوف اور روحانیت کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی بے خبری اور غفلت کا یہ عالم ہے کہ آج اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر، عبادت، تزکیۂ نفس اور صفائے

قلب کے لئے مجاہدے اور ریاضت کے ایک ضابطے کے لیے بھی جو تصوف کے نام سے موسوم ہے ہمیں شرعی جواز اور سند پیش کرنے کی ضرورت پڑ رہی ہے اور فقر، طریقت اور معرفت جیسے مقدس علوم کو بھی خود مسلمانوں اور خصوصاً مسلمان علماء کی دست برد سے تحفظ کی حاجت پیش آ گئی ہے۔ بلکہ اب تو خود اسلام، قرآن اور سنت کو بھی عامۃ المسلمین سے نہیں بلکہ بزعم خود اپنے آپ کو اسلام کا علمبردار تصور کرنے والے ایسے علماء کی زبان اور قلم سے خطرہ لاحق ہے۔ جو مغربی مستشرقین اور عیسائی مبلغین کے پیش کردہ نظریات سے متاثر ہیں اور اسلامی عقائد اور روحانی اقدار کو مسخ کرنے کے درپے ہیں۔ انہوں نے فروعات کے علاوہ اصولی مسائل تک کو مشکوک کر کے رکھ دیا ہے۔ کتاب اور سنت اور کی نئی حیثیت متعین کرنے کی جسارت کی ہے۔ سنت کا سرے سے ہی انکار کر دیا ہے اور معجزات کی مادی تاویلیں شروع کر دی ہیں۔

دین اسلام کے دو رخ اور دو پہلو ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی و روحانی، ظاہری رخ اور پہلو شریعت ظاہرہ کے نام سے موسوم ہے۔ جسے علماء اور فقہاء نے اپنایا ہے اور باطنی و روحانی رخ کو فقر و تصوف اور طریقت کا نام دیا گیا ہے جسے فقراء صوفیاء اور اولیاء نے اختیار کیا ہے۔ علم تصوف اور فقر کا مقصد اسلام کے اسی دوسرے روحانی رخ کو ثابت کرنا اور اس کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ کائنات کی ہر شے ظاہری اور باطنی پہلوؤں میں بٹی ہوئی ہے۔ ہر چیز کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ خود ہمارا وجود روح اور جسم میں منقسم ہے۔ جسم ظاہر ہے اور روح باطن ہے۔ اصل شئے روح ہے۔ اسی پر جسم کی زندگی کا دارومدار ہے۔ تمام حقائق باطن میں مخفی اور پوشیدہ ہیں۔ اسی طرح اسلام میں شریعت گویا جسم ہے اور تصوف اور فقر اس کی روح ہے اور یہی اصلیت، حقیقت اور صداقت کا سرچشمہ ہے۔

رسول مقبول ﷺ کی حیات طیبہ کے یہی دونوں رخ قرآن اور احادیث سے

ثابت ہیں اور کوئی باشعور، ذی عقل اور صحیح العقیدہ مسلمان اس سے انکار نہیں کر سکتا آپ کی ذاب گرامی ظاہر و باطن کی جامع تھی اور آپ ہی سے یہ دونوں طریقے دنیا میں رائج ہوئے اور پھیلے ہیں۔ ظاہری بصارت کے ساتھ باطنی بصیرت بھی ضروری ہے اور شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کو اپنانا بھی لازمی ہے۔ آفاق کے ساتھ انفس بھی ہے اور عالم شہادت کے پہلو بہ پہلو عالم غیب بھی موجود ہے اور اس کے لیے دل کی بینائی درکار ہے۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب

آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

فقر و تصوف درحقیقت رسول اکرم ﷺ کی روحانی اور باطنی زندگی کی پیروی اور آپ کے طفیل حسب استعداد باطنی کمالات تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے اور یہ وہ لائحہ عمل ہے۔ جس کے ذریعے اسلام کے مذکورہ باطنی پہلو کو عملی طور پر ثابت کیا جاتا ہے۔ جب تک اسلام کا باطنی اور روحانی پہلو ثابت نہ ہو جائے اسلام مکمل طور پر سامنے نہیں آتا اور اس کی حقیقت پورے طور پر منکشف نہیں ہوتی اور جب تک رسول مقبول ﷺ کی باطنی اور روحانی زندگی کو نہ اپنایا جائے۔ مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان اور حقیقی معنوں میں مومن نہیں بن سکتا۔

ہم جو کچھ ظاہری مادی حواس کے ذریعے محسوس اور مشاہدہ کرتے ہیں کائنات کا ماحصل یہی کچھ نہیں بلکہ کائنات اس کے علاوہ اور بہت سی نادیدہ اشیاء اور غیر مرئی مخلوقات اور غیر محسوس دنیاؤں سے بھری پڑی ہے۔ ان کا مشاہدہ کرنے کے لئے باطنی حواس اور روحانی ادراک کی ضرورت ہے۔ ہر ظاہر کا ایک باطن ضرور ہے اور ہر وجود کے اندر ایک روح موجود ہے۔ یہاں تک کہ ہر ذرہ باطنی جوہری توانائی کا حامل ہے۔ اسی توانائی پر اس کے وجود و عدم زندگی و موت اور نیستی و ہستی کا انحصار ہے۔ تصوف اور فقر کائنات کی ان نادیدہ اشیاء غیر مرئی مخلوقات اور غیر محسوس

دنیاؤں سے ہمیں روشناس کرتا ہے اور عالم غیب اور عالم روحانیت سے ہمارا رشتہ استوار کرتا ہے مادی حواس اور عقل کی حدود جہاں ختم ہو جاتی ہیں۔ وہیں سے راہنمائی کا فرض تصوف ادا کرتا ہے اور جہاں ظاہری شرعی علوم کے حاملین کی عقل دینی مسائل حل کرنے سے عاجز آ جاتی ہے وہیں علم فقر و تصوف کے حاملین قیادت اور پیشوائی کی ذمہ داری سنبھالتے ہیں۔

ائمہ تصوف نے شرعی نصوص ہی سے تصوف کے مسائل اور اصول کا استنباط اور استخراج بالکل اسی طرح کیا ہے جس طرح ائمہ مجتہدین اور فقہاء نے شرعی مسائل کا قرآن وسنت اور اجماع وقیاس کی روشنی میں استنباط اور استخراج کیا ہے۔ تصوف کا ماخذ معلوم کرنے کے لیے ہمیں قرآن وحدیث، رسول پاک ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور صحابۂ کرام کی زندگی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اس بات میں اب ذرا بھی اشتباہ نہیں رہا کہ تصوف کا حقیقی ماخذ قرآن اور سنت ہیں اور فقر و تصوف باہم مترادف ہیں اور اسی کو شارع اسلام نے اپنے لیے باعث فخر قرار دیا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ جس وقت علومِ شریعت تالیف وتصنیف کا جامہ پہن کر کتابی شکل میں آنے لگے اور فقہاء نے فقہ و اصولِ فقہ اور کلام وتفسیر میں کتابوں کے ذخیرے مرتب کرنے شروع کیے تو صوفیاء نے بھی علم تصوف پر قلم اٹھایا۔ بعض نے وَرَع اور محسبہ کے مضمون کو لیا اور اس میں کتاب ترتیب دی۔ مثلاً قیشریؒ نے کتاب الرسالت لکھی اور سہروردیؒ نے عوارف المعارف تحریر کی۔ پھر امام غزالیؒ نے احیاء العلوم لکھ کر ہر دو امور کو جمع کیا۔ یعنی وَرَع ومحاسبہ پر تفصیلی بحث کی اور تصوف کے آداب واصطلاحات پر بھی کافی شافی گفتگو کی۔ اسی طرح علم تصوف جو صرف اس طریق عبادت یا ان احکام سے عبارت تھا۔ جو سینہ بسینہ بزرگوں سے چلے آ رہے تھے۔ اب کتابی شکل میں آ گیا اور آنے لگا اور اب تک آ رہا ہے اور یہ عمل صرف اسی علم تصوف کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ابتداء میں علوم تفسیر، حدیث وفقہ بھی سینہ

بسینہ منتقل ہوتے تھے۔ بعد میں ان میں تالیف وتصنیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ پھر صوفیائے کرام اور فقراءِ عظام کا مجاہدہ، مراقبہ، ذکر فکر اور عزلت نشینی ان کو فقہاء پر فضیلت اور فوقیت بخشتی ہے۔ کیونکہ مراقبہ اور مجاہدہ وغیرہ کی برکت سے ان کے لئے حواس سے پردے اٹھ جاتے ہیں اور وہ غیر مرئی عالم ان پر روشن ہو جاتے ہیں۔ جن کی صاحب علم ظاہر ہوا بھی نہیں پاسکتا صوفیاء کو اپنے اعمالِ عبادات اور مجاہدہ کے نتائج اور اثرات ہر لمحہ محسوس اور معلوم ہوتے رہتے ہیں اور ان کے اجر وثواب کا اندازہ ان کو صحیح طور پر ہوتا رہتا ہے۔

لفظ تصوف چاہے عجمی ہو یا عربی اور اس کے لغوی معنی چاہے اصحاب صفہ کے تاریخی پس منظر میں نظر آئیں یا صفائے قلب اور جامۂ ہائے صوف سے متعین ہوتے ہوں۔ مگر صدیوں سے اس کے اصطلاحی معنی صرف یہی متعین ہو کر رہ گئے ہیں کہ ارآن وسنت کی روشنی میں ایسی زندگی بسر کرنا، ایسے مشاغل اختیار کرنا اور تصورات، تفکرات، ذکر فکر، مجاہدات اور عبادات کا ایک ایسا متوازن لائحہ عمل اپنانا جس کے ذریعے تزکیۂ نفس تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح حاصل ہو۔ یاد رہے کہ نفس کے تزکیے اور تصفیے کے صرف مبہم اشارات ہی نہیں بلکہ واضح احکام سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔

عرفان فقر وتصوف اور روحانیت کے موضوع پر اپنی نوعیت کی اولین اور بے مثل و بے بدل کتاب ہے۔ اس میں دین کے اس اہم پہلو کو علوم جدید اور سائنسی معلومات کی روشنی میں جس خوبصورتی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

عرفان میں ملحدوں، نیچریوں، دہریوں اور مادہ پرستوں کے تمام بے بنیاد اعتراضات لغو خیالات اور باطل نظریات کے مدلل اور مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ خود ساختہ فریب کار پیروں، نام نہاد مکار صوفیوں، جنت فروش جھوٹے مشائخ اور خدا کے نام کی تجارت کرنے والے نقلی درویشوں کی چالبازیوں

اور تخریب کاریوں کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے جو تصوف کی ابجد تک سے بھی واقف نہیں۔ جو نفس، قلب، روح، لطائف اور الہام و القاء کے نام تک سے نا آشنا ہیں اور جنہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ شریعت، طریقت، معرفت، روشن ضمیری اور باطنی زندگی کس بلا کا نام ہے مگر اس کے باوجود وہ ہزاروں بندگان خدا کی بخشش اور نجات کے اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں اور جو محض اپنے ذاتی توہمات، باطل خیالات اور بے بنیاد تصورات کو روحانیت اور فقر و تصوف کا معیار سمجھے بیٹھے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں نے فقراء اور صوفیاء کو بدنام کر رکھا ہے۔ حضرت فقیر صاحبؒ نے ان لوگوں کے اعمال اور کردار پر ایک بالغ نظر نقاد کی حیثیت سے بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ آپ نے ان ظاہر بین اور روحانیت سے نا آشنا نام نہاد مسلمان علماء کے غلط اور یکطرفہ نظریات پر سے بھی پردہ اٹھایا ہے۔ جو اسلام کو محض سیاسی نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کے باطنی اور روحانی حقائق کا انکار کرتے ہیں اور تصوف کو عجمی تصورات اور عجمی عقائد و نظریات کا مجموعہ قرار دے کر اسے بدعت کہنے اور خارج از اسلام ثابت کرنے کی بے سود سعی کر رہے ہیں۔ یہ لوگ حدیث رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ (ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف رجوع کرتے ہیں) کے مقصد اور مفہوم کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس حدیث میں جہاد اکبر سے مراد جہاد بالنفس ہے۔ جو ظاہری جہاد سے افضل ہے۔ حضرت قبلہ فقیر صاحبؒ نے افضل جہاد یعنی جہاد بالنفس کی اہمیت پر زور دیا ہے جو اسلام کا ایک ضروری پہلو ہے لہٰذا عرفان کو اگر اس حدیث کی تفسیر کہہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

لیکن عرفان کو جس خصوصیت نے نادر روزگار روحانی شاہکار کی حیثیت اور امتیاز بخشا ہے وہ اس میں مندرج دو نایاب، مخفی اور سربستہ علوم کی تشریح اور ان کے عمل کی مکمل وضاحت اور ان کے فلسفے کا اولین انکشاف ہے۔ ان میں سے ایک علم تصور اسم ذات ہے اور دوم علم دعوت القبور ہے۔ عرفان میں انہی دو علوم کو خصوصیت کے

ساتھ اور نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے اور یہی دو علوم اس کتاب کا اصل موضوع ہیں۔ ان میں اول الذکر یعنی تصور انسانی خیالات اور پوشیدہ روحانی قوتوں کو ایک نقطے (اسم اللہ) پر مرکوز اور مجتمع کر کے ارادی قوت اور روحانی طاقت حاصل کرنے کا نام ہے اور موخر الذکر یعنی دعوت ارواح کی حاضرات کا عجیب وغریب اور حیرت انگیز علم ہے۔ آج ایک دنیا ایسے علوم کے پیچھے سرگرداں اور پریشاں ہے۔ جن کے ذریعے ارواح کی حاضرات ممکن ہو اور انسان ٹھوس روحانی قوتوں کا مالک بن سکے۔ ہزاروں اشخاص نے ایسے علوم کے پیچھے اپنی عمریں گنوا دی ہیں لیکن وہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکے۔ عرفان کے مصنفؒ نے ان محیر العقول علوم اور اس قیمتی اور سر بستہ راز کو تفصیل کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر کے کمال فیاضی اور بڑی دریا دلی سے کام لیا ہے۔ علم تصور شاید بعض اصحاب کے لیے نئی اور غیر معروف شئے ہو اور یہ اصطلاح اس سے قبل ان کی نظروں سے نہ گذری ہو۔ لیکن جہاں تک اس علم کی تاریخی حیثیت کا تعلق ہے یہ زمانہ قدیم سے مختلف صورتوں اور شکلوں میں رائج رہا ہے اور مختلف ناموں اور اصطلاحات سے یاد کیا گیا ہے کسی چمکدار چیز کو سامنے رکھ کر اور اس پر نظر جما کر اور توجہ مرکوز کر کے روحانی قوت حاصل کرنے کا طریقہ بہت پرانا ہے چنانچہ زمانہ قدیم سے یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے بعض لوگ بلور کی شفاف اور چمکدار قلم سامنے رکھ کر اس پر توجہ مرکوز کرتے تھے۔ بعض چراغ کی لو پر نظر جماتے تھے اور بعض آئینوں اور شیشے کے گولوں سے یہ کام لیتے تھے۔ بعض چاند او رسورج کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے کی مشق کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس سے نفس اور روح میں جلا پیدا ہوتی ہے اس کو بلور بینی، شمع بینی اور آئینہ بینہ وغیرہ مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا تھا۔ اس کی آخری اور ترقی یافتہ صورت مسمریزم اور ہپناٹزم کی شکل میں آج بھی دنیا میں اور خصوصاً ترقی یافتہ ممالک میں رائج ہے۔ ڈاکٹر مسمر اور مسٹر کیرو وغیرہ نے اس قسم کی کچھ مشقیں کر کے اور چند مادی اور سفلی کمالات دکھا کر

عالمگیر شہرت پائی ہے۔ مسمریزم اور ہپناٹزم وغیرہ میں صرف فرضی نقاط پر نظر جمانے کی مشق کر کے یہ مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔ عرفان میں مذکور تصور اگرچہ بادی النظر میں اصولی طور پر مسمریزم اور نظر کے ارتکاز کے دوسرے طریقہ ہائے تصور سے کچھ مماثلت رکھتا ہے مگر دراصل وہ اصولی طور پر بھی اور مقصدیت اور افادیت کے لحاظ سے بھی ان سب سے بہت کچھ مختلف ہے۔ اس میں نہ فرضی نقاط پر مشق کی جاتی ہے اور نہ شفاف اجسام پر بلکہ صرف اسمِ اللہ ذات کا تصور کیا جاتا ہے اس طریقے میں ابتداً کبھی اسمِ اللہ لکھا ہوا سامنے رکھ کر اور کبھی اس کے بغیر صرف تصور اور خیال میں اسے تحریر، مرقوم اور قائم کیا جاتا ہے اور پھر اسے دل و دماغ اور دیگر مطلوبہ اعضاء میں تصور کے ذریعے تحریر اور منتقل کیا جاتا ہے اور چونکہ اسم کا مسمّٰی کے ساتھ گہرا تعلق اور رابطہ ہوتا ہے۔ اس لیے اسم کے انتقال کے ساتھ ساتھ مسمّٰی کی ذاتی اور صفاتی تجلیات اور انوار بھی منتقل ہوتے رہتے ہیں جس سے اعضاء مذکور میں روحانی زندگی، روشنی اور احساس وقوت کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ اصطلاح گو حضرت فقیر صاحبؒ نے سلطان العارفین سلطان باہوؒ کی کتابوں سے اخذ کی ہے اور انہی کے فیض اور مہربانی اور باطنی توجہ سے آپ کو اس میں کمال حاصل ہوا ہے مگر اس کو پہلی بار شرح و بسط کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرنے کا سہرا صرف آپ کے سر ہے۔ تصور اسمِ اللہ ذات دراصل ذکرِ اللہ کا ایک افضل ترین، مکمل ترین اور بہتر طریقہ ہے۔

علم دعوت جیسا کہ مذکور ہوا ارواح کی حاضرات اور ان سے ہمکلام اور ملاقی ہونے کا علم ہے یہ اصطلاح بھی حضرت سلطان باہوؒ کی وضع کردہ ہے اور انہی کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ حضرت سلطان العارفینؒ کے تمام فقر کا دارومدار انہی علوم پر ہے یہی دو علوم ہی فقر کی انتہائی بلندیوں اور رفعتوں تک پہنچنے اور اعلیٰ ترین روحانی مراتب و درجات کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ مصنفؒ نے ان ہر دو علوم کا انکشاف اور وضاحت کر کے اور ان کی فلاسفی کھول کر دنیا کے سامنے پیش کر کے تصوف اور

روحانیت کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔

یاد رہے کہ ابتدا میں علوم فقہ اور علوم تصوف ہر دو سینہ بسینہ منتقل ہوتے تھے۔ اہل سلف ان کی ترتیب اور تدوین سے بے نیاز تھے۔ جب سلف کا زمانہ گذر گیا اور صدر اول ختم ہوا اور تمام علوم صناعت کے درجے میں آئے تو فقہاء مجتہدین نے فقہ میں صوفیاء نے تصوف میں ضروری ضروری قواعد اور قوانین ضبط کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ صوفیاء کرام نے کچھ خاص آداب و اصطلاحات وضع کیں۔ جو انہیں میں رائج اور مشہور رہوئیں۔ مروجہ اوضاع لغویہ چونکہ ان کے معانی و مطالب کی تعبیر سے عاجز اور قاصر تھیں۔ اس لیے صوفیاء نے چند اور الفاظ وضع کر لیے جو ان کے مطالب کو سہل طریقہ سے ادا کر سکتے ہیں اور یوں ان اصطلاحات نے ایک علیحدہ مستقل علم کی حیثیت اختیار کر لی۔ حضرت سلطان العارفینؒ اکابر صوفیاء میں سے ہیں۔ علم تصور اسم اللہ ذات اور علم دعوت القبور ذکور سینہ بسینہ منتقل ہونے والے روحانی علوم میں سے ہیں۔ حضرت سلطان العارفینؒ نے ان کی تدوین و ترتیب کی ضرورت محسوس کی اور ان کو الفاظ و اصطلاحات کا جامہ پہنا کر ان کو کتابی شکل دی۔ مگر آپ کی تمام کتابیں چونکہ فارسی زبان میں تھیں اور نایاب تھیں اس لیے یہ ہر دو علوم صدیوں تک پس منظر میں رہے اور ایک خزانے کی طرح پہلوی زبان کی کتابوں کے ویرانوں میں مدفون رہے اور اگر کسی نے ان کی کوئی ایک آدھ کتاب مطالعہ بھی کی تو وہ ان علوم کو سمجھ نہیں سکا اور نہ ہی ان سے استفادہ کر سکا۔ کیونکہ اول تو حضرت سلطان العارفینؒ نے کسی ایک کتاب تک ان علوم کو محدود نہیں رکھا تھا بلکہ اپنی تقریباً سو سے زائد فارسی تصانیف میں ان کو پھیلا دیا تھا۔ دوم آپ نے ان کلوم کا صرف اجمالی تذکرہ کیا تھا۔ انکی مکمل تفصیل اور پوری تشریح کی حاجت تھی۔ آت کی تمام کتابوں کے نہایت عمیق مطالعے، بڑی چھان بین، انتہائی کھوج اور وسیع و طویل ریسرچ و تحقیق کی ضرورت تھی۔ اس عظیم کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا کسی فرد واحد کے

بس کی بات نہ تھی۔ بلکہ یہ علماء اور صوفیاء کے ایک بہت بڑے ادارے اور اکیڈمی کا کام تھا اور اس کے لئے وسیع تجربات اور روحانی بصیرت اور عمل درکار تھا۔ لیکن بایں ہمہ اتنا مشکل اور عظیم کام حضرت فقیر صاحبؒ نے اپنی پوری عمر صرف کر کے تن تنہا باحسن وجوہ تکمیل تک پہنچا کر کمال کر دیا۔ حضرت فقیر صاحبؒ سب سے پہلے صاحب بصیرت بزرگ تھے۔ جنہوں نے پہلے خود ان علوم کو سمجھا، ان پر انتہا تک عمل کیا اور ان کو مکمل طور پر حاصل کیا اور پھر پہلی بار عرفان کی صورت میں اردو زبان کے ذریعے اسے دنیا کے سامنے پوری طرح کھول کر پیش کر کے یارانِ نکتہ دان کو صلائے عام دے دی۔

اس کے علاوہ یورپ کے علم الارواح (سپر چولزم) پر بھی پہلی بار آپ نے قلم اٹھا کر اس کی حقیقت واضح کی ہے اور اس پر نہایت مدلل اور بصیرت افروز بحث کر کے اس کی پوری تاریخ قلم بند کی ہیت۔ اس سے قبل کسی نے اردو زبان میں اس موضوع کو نہیں چھیڑا اور نہ ارواح اور علم روحانیت کے متعلق صحیح معلومات کسی نے اس طرح یکجا کی ہیں۔

عرفان کے متعلق بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو نثر میں فقر و تصوف اور روحانیت کے موضوع پر یہ پہلی طبع زاد، منفرد او عجیب و غریب کتاب ہے۔ فقر و تصوف اور روحانیت کے موضوع کو جس انوکھے، موثر اور دلکش انداز میں عرفان کے اندر پیش کیا گیا ہے۔ اس کی نظیر دنیا کی کسی زبان کی کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ عرفان معرفت کی کائنات، فقر کا خزینہ، تصوف کا بحرِ بیکراں، روحانیت کا جامع العلوم (انسائیکلوپیڈیا) اور طریقت کا گوہر نایاب ہے۔ جس نے بھی اس کو خلوص اور توجہ کے ساتھ پڑھا ہے اس نے اپنا دامن گوہر مقصود سے بھر لیا ہے۔ عرفان کے ہر لفظ میں مصنف کی روح کارفرما اور جلوہ گر ہے اور اس کا ہر حرف فی نفسہ کرامتوں کا حامل ہے۔ اس کے مندرجات میں بلا کی کشش، اس کی عبارتوں میں غضب کی

جاذبیت اور اس کے مضامین اور موضوعات میں بے انتہا تاثر اور ندرت موجود ہے۔

عرفان پہلی مرتبہ ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ جو بے حد مقبول ہوئی اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ نشر و اشاعت اور تشہیر و پراپیگنڈے کے فقدان کے باوجود درجنوں بار اس کی اشاعت ہو رہی ہے۔ جو شخص اسے صف ایک مرتبہ پڑھتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے اس کا گرویدہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ عرفان حضرت فقیر صاحبؒ کی زندگی کا عظیم ترین کارنامہ اور وقت کا بے مثل شاہکار ہے۔ عرفان دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں تصورِ اسمِ اللہ ذات کی افادیت تشریح اور اس کی پوری فلاسفی اور مکمل عمل اور پورا طریقہ درج ہے۔ دوسرے حصے میں دعوات، موکلات، جنات اور ارواح کی حاضرات کا مفصل بیان ہے۔

عرفان کے مطالعے سے یہ بات صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ مصنفؒ نے جس قدر باتیں لکھی ہیں وہ صرف زبانی قیل و قال تک محدود نہیں بلکہ مصنفؒ نے اپنے عملی تجربات اور عینی مشاہدات کو صفحۂ قرطاس پر بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ مصنفؒ نے جو کچھ دیکھا ہے وہی کچھ لکھا ہے۔ اور جو کچھ آپ کے ذاتی تجربات میں آیا ہے وہی کچھ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

سوانحی خاکہ

حضرت قبلہ کا نام نامی اور اسم گرامی فقیر نور محمد صاحبؒ سروری قادری تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت صوبہ سرحد کے ایک غیر معروف اور دور افتادہ مقام کلاچی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں ۱۸۸۳ء میں ہوئی۔ آج سے چھ سو سال قبل کے تاریخی پس منظر میں ہمیں آپ کا سلسلۂ نسب ایک نجیب الطرفین سید حضرت گیسو درازؒ سے ملتا ہوا نظر آتا ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب حضرت گیسو درازؒ نے اپنے عنفوان شباب میں کوہ سلیمان کی پرکشش وادیوں کو اپنا عارضی مسکن بنالیا۔ یہاں رہ کر آپ عقد و مناکحت کے رشتوں میں منسلک ہوئے اور پھر جب یہاں سے روحانی مصلحتوں کے پیش نظر عازم ہندوستان ہوئے تو ہندوستان کے مرکز دہلی سے ہوکر حیدر آباد دکن میں گلبرگہ کے مقام پر اپنی مستقل اور ابدی آرام گاہ بنالی۔ مگر کوہ سلیمان کی گل پوش اور حسین و جمیل وادیوں میں اپنے خون، نسل اور نسب کا ایک وسیع سلسلہ چھوڑ گئے۔ اسی شریف خون، نجیب نسل اور پاکیزہ نسب سے حضرت قبلہ فقیر صاحبؒ کا تعلق ہے۔ باطنی اور روحانی طور پر اور سلسلۂ طریقت کے لحاظ سے آپ سلطان العارفین حضرت سلطان باہو قدس اللہ سرہ العزیز کے ساتھ لازوال اور ابدی نسبت رکھتے ہیں اور ان دونوں نسبی اور روحانی مقدس رشتوں نے آپ کو فقر کا وہ ارفع اور اعلیٰ روحانی مقام بخشا ہے جس کی صدیوں سے کوئی نظیر نہیں ملتی۔

آپ حضرت سلطان العارفینؒ کے بے مثل، بے بدل اور لازوال فقر کے کامل مظہر مکمل نمونہ اور رما حقہ، آئینہ دار تھے۔ آپ کی زندگی کا سب سے بڑا کمال اور عظیم کارنامہ یہ ہے کہ حضرت سلطان العارفینؒ کا جو فقر کتابوں کی اوٹ میں جا کر ایک اجنبی زبان (فارسی) کے پردوں میں دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا اور جو تصوف کے مشکل اصطلاحات کے پس منظر میں چھپ کر قصۂ پارینہ اور داستان ماضی کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ اسے آپ نے مذکورہ دبیز پردوں اور حجابات سے

نکالا اور آسان، سہل اور عام فہم بنا کر از سر نو دنیا کے سامنے پوری آب و تاب کے ساتھ پیش کر دیا اور اس کی ایسی پر کشش تشریح اور دلکش توضیح کی کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ آپ نے حضرت سلطان العارفینؒ کی تصانیف کے قلزم بیکراں میں مسلسل تیس سال تک شناوری اور غواصی کرنے کے بعد دو ایسے نایاب اور منور گوہر ڈھونڈ نکالے جن کی چمک دمک اور ضیا پاشیوں سے پوری روحانی کائنات روشن ہے۔ ان دو نایاب گوہروں میں سے ایک گوہر تصور اسم اللہ ذات کا پاک شغل ہے اور دوسرا دعوت القبور کا بیش بہا طریق کار ہے۔ حضرت سلطان العارفینؒ کے لازوال فقر کا مقدس قصر انہی دو بنیادوں پر ایستادہ اور استوار ہے۔ دنیا گواہ ہے کہ اس بات کی نشاندہی سب سے پہلے حضرت فقیر صاحبؒ نے کی۔ آپ ہی اس فقر کے نشاۃ ثانیہ کرنے والے تھے اور آپ ہی اس فقر کے احیاء اور اجراء کنندہ تھے۔

یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ حضرت گیسو دراز کے نسبی سلسلے میں تقریباً چھ سو سال تک کوئی ایسی ہستی ظہور پذیر نہ ہو سکی جو فقر و تصوف کی ان بلندیوں اور رفعتوں تک پہنچ سکتی۔ جن تک حضرت فقیر صاحبؒ پہنچے تھے اور حضرت سلطان العارفینؒ کے روحانی طریقت کے سلسلے میں تقریباً چار سو سال کے عرصہ میں کوئی ایسی شخصیت منصۂ شہود پر نہ آ سکی جو ان کے فقر کا مکمل آئینہ دار ہوتی۔ حضرت فقیر صاحبؒ پر ایک طرف سے نسبی شرافتیں آ کر مرکوز ہو گئیں اور دوسری طرف سے سلسلۂ طریقت کی روحانی سعادتیں آپ کی ذات ستودہ صفات میں مجتمع ہو گئیں اور ان دو طرفہ نسبی شرافتوں اور روحانی سعادتوں کے مبارک اجتماع نے آپ کے اندر وہ روحانی کمال پیدا کر دیا جو اس نسبی اور روحانی سلسلے کے کسی فرد میں آج تک پیدا نہیں ہوا تھا۔ گویا نسبی سلسلے کی شرافتیں اور روحانی سلسلے کی سعادتیں ایک مقدس امانت کے طور پر آپ کے وجود مسعود کا انتظار کر رہی تھیں اور جب آپ کا ظہور ہوا تو ان شرافتوں اور سعادتوں نے آپ کی ذات والا صفات میں مل کر اور قران السعدین کی صورت

میں جلوہ گر ہو کر آپ کو اپنے وقت کی عظیم ترین روحانی شخصیت بنا دیا۔

آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی حضرت حاجی گل محمد صاحبؒ تھا۔ جو نہایت متقی اور پرہیز گار بزرگ تھے۔ حضرت فقیر صاحبؒ کے متعلق انہیں ابتدا ہی سے یقین تھا کہ یہ صاحب کمال نکلیں گے۔ چنانچہ انہیں اس سلسلے میں پہلے سے بشارت اور آگاہی بھی ہو چکی تھی۔

حضرت فقیر صاحبؒ نے ابتدائی تعلیم کلاچی میں پائی۔ عربی فارسی گھر پر پڑھتے رہے میٹرک کے بعد آپ نے اسلامیہ کالج لاہور میں داخلہ لے لیا لیکن وہاں آپ پر کچھ ایسی شدید روحانی کیفیات اور واردات طاری ہو گئیں کہ سب کچھ چھوٹ کر رہ گیا۔ سکول سے کالج تک پہنچنے اور پھر کالج چھوڑ کر تارک الدنیا ہونے اور درویشی اختیار کرنے تک آپ کو جن ذہنی اور داخلی کیفیات اور خارجی مساعد اور نامساعد حالات اور کش مکش سے گزرنا پڑا۔ وہ انتہائی دلچسپ روح پرور اور ہدایت آموز ہیں۔ ان کی تفصیل بہت طویل ہے اور حیاتِ سروری میں درج ہے۔ مختصراً یہ کہ آپ نے روحانی جذب وشوق کے تحت دنیاوی، ظاہری تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیا و مافیہا تک کو ترک کر دیا اور فقط اللہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے ہو کر رہ گئے۔ آپ کی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا اور آپ نے مکمل درویشانہ زندگی اختیار کر لی۔ ذکر الٰہی آپ کا دن رات کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ آپ نے آستانِ یار پر جا کر دم لیا۔ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار مقدس پر ایک کچے حجرے کو آپ نے اپنی کائنات بنا لیا۔ وہاں پہلے پہل آپ کی طبیعت کسی سے نہیں لگتی تھی۔ دل میں ایک عجیب اجنبیت سائی ہوئی تھی۔ درویشوں کے ہمراہ صرف آدھے پیٹ روکھی سوکھی کھانے، فرش خاک پر سونے، ایک گودڑی اوڑھنے اور تہبند باندھنے کے سوا اور کچھ میسر نہ تھا اور اسی میں دل مطمئن اور روح مسرور تھی۔ انہی ایام میں سلطان العارفینؒ کی ایک قلمی کتاب آپ کی نظروں سے گزری اس کا آپ نے بہت غور سے مطالعہ کیا۔

آپ نے یوں محسوس کیا گویا معرفت اور فقر کا ایک بیش بہا خزانہ ہاتھ آ گیا ہے۔ اس کے مطالعے میں اس قدر لطف آیا کہ برسوں حضرت سلطان باہوؒ کی کتابوں کے مطالعے میں گزار دیئے۔ ان کتابوں کو آپ نے پیر صحبت بنایا اور انہی سے سب کچھ حاصل کیا۔ ان کتابوں کی کتابت اور مطالعے کے دوران بعد میں یہ حالت ہو گئی کہ دن کے وقت آپ کو سلوک کے جس مقام، حال، منزل اور جس باطنی و روحانی معاملے اور واقعے کو لکھنے اور پڑھنے کا اتفاق ہوتا۔ رات کو حضرت سلطان العارفینؒ کی باطنی توجہ اور نوری نگاہ سے وہ منزل اور مقام طے ہو جاتا اور ہر تحریر شدہ معاملہ اور واقعہ مکمل طور پر آپ پر وارد اور منکشف ہو جاتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت سلطان العارفینؒ نے یہ سب کتابیں صرف میری ہی خاطر قلم بند فرما کر چھوڑی تھیں۔ کیونکہ آج تک ان کتابوں کو میری طرح نہ کوئی سمجھ سکا ہے اور نہ سمجھا سکا ہے اور نہ ہی ان سے کوئی اس قدر استفادہ کر سکا ہے۔ جس قدر میں نے کیا ہے۔

سفرِ آخرت

آپ نے عمر کے آخری پانچ سال پنجاب میں گزارے۔ اگست ۱۹۵۵ء میں پاکستان کے دوسرے حصوں کی طرح آپ کے آبائی شہر کلاچی میں بھی سیلاب آیا اور آپ کے مکان کو بمعہ مال واسباب بہا کر آپ کو درویش بے مایہ اور فقیر بے سرو سامان بنا گیا۔ آپ نے اپنے نقصان پر بجائے اظہار رنج وغم کے خوشی کا مظاہرہ کر کے فرمایا کہ ہم فقیر لوگ ہمیشہ خانہ ویران اور باطن معمور رہتے ہیں اور یہی ہمارا اصل شیوہ اور مقام ہے اس کے بعد آپ فیصل آباد چلے گئے اور آخر وقت تک وہیں قیام پذیر رہے۔ فیصل آباد میں اگرچہ آپ کو کافی آرام میسر تھا لیکن یہاں کی آب وہوا آپ کو راس نہ آئی اور آپ کو مختلف جسمانی عوارض لاحق ہو گئے۔ عمر بھی کافی ہو چکی تھی قویٰ مضمحل ہو گئے تھے اور عناصر میں اعتدال والی بات بھی مفقود تھی۔ چنانچہ جو مرض جان لیوا ثابت ہوا وہ جگر کی رسولیاں اور ورم تھا۔

وفات سے تین دن پیشتر رات کے وقت آپ کافی دیر تک مجھ سے گفتگو کرتے رہے اثناءِ گفتگو مجھ سے فرمایا۔ عبدالحمید! بہت پہلے کی بات ہے تم ابھی کمسن ہی تھے۔ ہم دربار حضرت سلطان العارفینؒ پر مقیم تھے ایک رات میں نے واقع میں دیکھا کہ میں تمہیں اپنے ہاتھوں میں اٹھالیتا ہوں اور اپنا سارا نور تمہارے وجود کے اندر بھر دیتا ہوں۔ پھر فرمایا۔ ایک اور واقعے میں میں نے دیکھا کہ میں تمہارا سر کاٹ کر اپنا سر تمہاری گردن پر جوڑ دیتا ہوں۔ پھر فرمایا۔ تمہاری والدہ نے تمہاری ولادت سے چند دن پیشتر اپنی گود میں سنہری قرآن مجید دیکھا تھا۔ مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے۔

۱۶ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو جب کمزوری کافی بڑھ گئی تو فرمایا میں وصیت کرنا چاہتا ہوں اور میں تمہیں اپنا روحانی جانشین مقرر کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ عرائض نویس کو بلایا گیا آپ نے اپنی وصیت اپنے سامنے لکھوائی۔ اس پر دستخط فرمائے جب وصیت نامہ مکمل ہو گیا تو میرے حوالے کر دیا۔ وصیت نامے کی رو سے آپ نے راقم الحروف

کو اپنا روحانی جانشین اور اپنے سلسلے کا روحانی سربراہ مقرر فرمایا۔ بعد میں ارشاد فرمایا۔ مجھے اب مزید زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہیں رہی، میں نے جو کام کرنا تھا وہ میں نے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا ہے۔ اب میں بڑی بے صبری کے ساتھ موت کی راہ دیکھ رہا ہوں پھر یہ شعر پڑھا

به مرگ خویش ہماں طور آرزو مندم
چنانکه بود به آب حیات اسکندر

۱۶ اکتوبر کے بعد ۱۷ اکتوبر کا دن بھی حسب معمول گزر گیا۔ رات ہوئی کائنات اندھیرے میں ڈوب گئی اور اسی کے ساتھ ہمارے دلوں پر بھی مایوسیوں اور نا امیدی کے گھمبیر اندھیرے چھا گئے۔ امید کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی اور آپ کی زندگی کا کوئی امکان بھی روشن دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ رات ہمارے لئے قیامت کی رات تھی۔ اسی رات وہ آفتاب عرفان غروب ہونے والا تھا۔ جس کی ضیاء پاشیوں نے ہزاروں تاریک دلوں کو منور کر دیا تھا۔ اسی رات وہ چراغ ہدایت گل ہونے والا تھا۔ جس نے کفر و الحاد اور دہریت کی شب تار میں بھٹکی ہوئی انسانیت کے لئے صراط مستقیم کی نشاندہی کی تھی۔ رات کے ایک بجے آپ نے جان آفرین کے سپرد کر دی اور داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

عمرہا در کعبه و بت خانه مے نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

احقر العباد

فقیر عبدالحمید سروری قادری ۱۹۸۲ء

اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیم

الحمد للہ رب العلمین و العاقبۃ للمتقین و الصلوۃ و السلام علیٰ رسولہ محمد و الہ و اصحابہ اجمعین

ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک خدائے تعالیٰ کی نسبت اقوام عالم کے ایک عام اور عالم گیر عقیدے کی طرف جب ہم خیال کرتے ہیں تو ہمیں خواہ مخواہ ماننا پڑتا ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی اس پوشیدہ اور مخفی ذات کے ساتھ ایک غیب الغیب باطنی رشتے کے ذریعے وابستہ اور مربوط ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ روشن خیال سائنسدان اور فلسفی سے لے کر ایک سادہ لوح بادیہ نشین وحشی تک تمام اعلیٰ اور ادنےٰ طبقے کے انسان اس ذات مقدس کی ایک اعلیٰ اور برتر ہستی، کمال، جلال اور جمال والی ذات اور صاحب قدرت وحکمت پاک وجود کے متعلق متفق الرائے ہیں۔ سب کے دل پر اس کے نام کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ اور ہر دماغ میں اس کی یاد طوعاً و کرہاً موجود ہے۔ گویا انسان کی مٹی اس کی یاد اور ذکر کے آب حیات سے گوندھی گئی ہے۔ اور اس کی طینت اور جبلت اپنے خالق کے نام سے تخمر ہے۔ واقعی آدمؑ کی مٹی کو ازل کے روز اسم اللہ ذات کی شراب ناب سے گوندھا گیا ہے جس کی مستی سے ہر دل مخمور ہے اور جس کے نشے سے ہر دماغ معمور ہے۔

۱۔

دوش دیدم کہ ملائک در میخانہ زوند
گل آدم بسر شتند و بہ پیمانہ زوند

۲۔

آسماں بار امانت نتو انست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زوند

ترجمہ۔ا۔کل میں نے فرشتوں کو میخانہ کھولتے ہوئے دیکھا جنہوں نے آدم کی مٹی گوندھ کر اس سے پیانہ بنایا۔

۲۔امانت کے بوجھ کو آسمان بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔لیکن قرعۂ فال مجھ دیوانے کے نام ڈال دیا گیا۔

جس فاضل فلسفی نے انسان کو متلاشی حق کا خطاب دیا ہے واقعی اس کا مبلغ علم انسانی حقیقت کو پوری طرح پا چکا ہے۔اور کسی شاعر کا یہ مقولہ ع عدم سے جانب ہستی تلاش یار میں آئے بالکل صحیح ہے۔غرض اللہ تعالےٰ واجب الوجود کی ہستی کا عقیدہ اس قدر عام،فطرتی اور عالم گیر ہے کہ اس عقیدے کے منکر کو اگر ایک قسم کا خبطی اور جنونی کہا جاوے تو بے جا نہ ہوگا۔زمین و آسمان کی یہ لامحدود عجیب وغریب صنعت اپنے صانع حقیقی کا پورا پورا پتہ دے رہی ہے۔کائنات عالم کا یہ منظم کارخانہ اپنے ازلی کاریگر کو پکار پکار کر بتا رہا ہے۔جب ہم اس کارخانۂ کائنات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو۔۔۔۔۔۔ا۔کل یعنی ازل کے روز میں نے دیکھا۔فرشتوں نے میخانۂ معرفت کا دروازہ کھولا اور (باقی اگلے صفحہ پر)۔۔۔۔۔اس کے تمام اصولوں کو کمال علم اور حکمت پر مبنی پاتے ہیں۔دنیا کی اس عظیم الشان مشینری کا پرزہ پرزہ ایک غالب قوت اور ایک زبردست حکمت کے مطابق چل رہا ہے۔یہاں تک کہ ٹھوس اور بے حس جامد اجزا کا ہر ذرہ قدرت کے ایک نہایت کارآمد اور منظم قانون کے موافق قائم ہے۔اور ایک دوسرے کے ساتھ مل رہا ہے اور بے جان اشجار کا ہر پتہ فطرت کے ایک محکم امر کے مطابق ہل رہا ہے۔قدرت کے اس بے قصور نظم و نسق اور فطرت کے اس بے فتور فیضان کو دیکھ کر ہر دانا دل اس حکیم اور علیم ذات والا صفات کے ماننے پر مجبور ہے۔اور ہر بینا آنکھ اس صانع حقیقی کے جمال لازوال سے مسحور ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار

ہر ورقے دفتر یست معرفت کرد گار

اللہ تعالی کی اس عجیب وغریب صنعت میں اس قدر حیرت انگیز نظم ونسق اور بے عیب تسلسل کو دیکھ کر انسانی عقل کمال حیرت واستعجاب میں کھو جاتی ہے۔ اور فہم و قیاس عاجز اور دنگ رہ جاتے ہیں۔

آدم کی مٹی کو شراب معرفت سے گوندھا اور پھر اسے پیانہ کی صورت دے دی اور معرفت کی شراب اس میں بطور امانت بھر دی۔ یہ وہ امانت تھی جس کے اٹھانے سے یہ لامحدود آسمان بھی عاجز آ گیا تھا۔ اس امانت کے سونپنے کا معاملہ گویا ایک قرعے اور فال کی حیثیت سے طے ہوا۔ اور قرعہ فال مجھ نادان انسان کے نام پر ہی ڈالا گیا۔ دانا آدمی کی نگاہ میں سبز درختوں کا ہر پتہ معرفت الٰہی کے دفتر کا ورق ہے

کہیں ذرہ برابر غلطی معلوم نہیں ہوتی۔ کہیں بد نظمی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی تربیت اور نگہبانی سے غفلت اور تساہل واقع نہیں ہوتا۔ کس قدر مکمل اور محکم انتظام ہے۔ کتنا قوی اور زبردست اہتمام ہے۔ دیکھنے والی آنکھ نہیں ورنہ اس چلمن میں سے وہ صانع حقیقی جھانک رہا ہے۔ دانا اور شنوا دل نہیں ورنہ وہ ذات بے ہمتا نقاب کثرت اٹھا اٹھا کر توحید کے نغمے سنا رہا ہے۔

۱۔

یار یست مرا ورائے پردہ

حسن رخ او سزائے پردہ

۲۔

عالم ہمہ پردۂ مصور

اشیا ہمہ نقش ہائے پردہ

۳۔

ایں پردہ مراز تو جدا کرد

انیست خود اقتضائے پردہ

۴۔

گوئیم کہ میان ما جدائی

ہرگز نکند غطائے پردہ

ایک دفعہ ایک اونٹوں کے چرانے والے جنگل کے بادیہ نشین سے کسی شخص نے اللہ تعالی کی ہستی کی بابت سوال کیا کہ اللہ تعالی کو کس طرح پہچانتا ہے۔تو اس نے کیا عمدہ جواب دیا کہ

البعرۃ تدل علی البعیر و الا قدام علی المسیز فالسمآء ذات ابراج و الارض ذات فجاج کیف لا یدلآن علی الصانع اللطیف الخبیر.

یعنی جنگل میں اونٹ کا گوبر اونٹ کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور زمین پر قدموں کے نشانات سے کسی چلنے والے کا پتہ لگتا ہے۔تو کیا یہ زمین وآسمان اپنے خالق اور صانع حق سبحان کا پتہ نہیں دیتے۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

ترجمہ۔۱۔پس پردہ میرا ایک محبوب ہے جس کے چہرے کا حسن پردے ہی کا مستحق ہے۔ ۲۔ساری کائنات ایک منقش پردہ ہے اور اس دنیا کی اشیاء اس پردے کے نقش و نگار ہیں۔۳۔اس پردے نے ہی مجھے تجھ سے جدا کر رکھا ہے اور پردے کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ۴۔میں کہتا ہوں کہ ہمارے درمیان جدائی نہیں ہو سکتی اس پردے کے چھا جانے سے۔یعنی میں سمجھتا ہوں کہ اس پردے کا چھا جانا ہمارے درمیان جدائی کا موجب نہیں ہو سکتا

اس سلسلہ آب وگل کا ذرہ ذرہ اس آفتاب عالم تاب کے انوار سے زندہ اور تابندہ ہے اور اس کائنات کا آئینۂ حق نماء اس کے عکس انوار جلال و جمال سے درخشندہ ہے تمام اہل بصارت بینایان زمان اور جملہ اہل بصیرت دانایان جہان اور کل راست باز منصف مزاج، سلیم العقل صادق انسان اس ذات مقدس یعنی اس قادر حق سبحان کے واحد پاک وجود کے ثنا خوان اور اس کی کمال حکمت اور قدرت کے مداح ہیں۔

شھداللہ ان ہ لا ال ہ الا ھو و الملئکۃ و اولوا العلم قآئما بالقسط

لا ال ہ الا ھو العزیز الحکیم ط ان الدین عند اللہ الاسلام ط

ترجمہ۔ گواہی دیتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تحقیق اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ اور تمام فرشتے اور جملہ اہل علم اس شہادت کی صداقت پر قائم ہیں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے۔ اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ تحقیق سچا دین اللہ تعالےٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔ ایک کور چشم، تاریکی پسند، الومنش ملحد کا انکار کس حساب میں ہے۔ اور ایک ظلمت گزین چمگادڑ مثال بے دین کی ہٹ دھرمی اور کفر کی کیا حقیقت ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

ترجمہ۔ اگر دن کے وقت چمگادڑ کچھ نہ دیکھ سکے تو اس میں چشمۂ آفتاب کا کیا قصور ہے۔

حالی مرحوم نے کیا اچھا کہا ہے۔

کانٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا
حلقہ ہے ہر اک گوش میں اٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھ کو جانا ہے ضرور

بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا
ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا
طوفاں میں ہے جبکہ جہاز چکر کھاتا
یا قافلہ وادی میں ہے سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا جب کہ ہے اٹھ جاتا واں
تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا
جب لیتے ہیں گھیر تیری قدرت کے ظہور
منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھ کو مجبور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ
خورشید کا شش جہت میں پایا جب نور
جب مایوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے
دشمن سے بھی نام ترا جپواتی ہے
ممکن ہے کہ سکھ میں بھول جائیں اطفال
لیکن انہیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

ملاحدۂ دہر یعنی نیچریوں کو کارخانۂ کائنات چلانے کے لئے ایک علت العلل اور فعال کل طاقت کے ماننے کے سوا چارہ نہیں، لیکن یہ کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں کہ مکون کائنات اور خالق موجودات ایک بے جان مادہ، بے حس نیچر اور بے ادراک و بے شعور ہیولے ہو۔ ایسے منظم، با قاعدہ اور علم و حکمت پر مبنی کارخانہ قدرت کو چلانے والی ذات کو حیات، قدرت، ارادہ، علم، سمع، بصر، اور کلام وغیرہ

صفات ذاتی سے متصف ہونا لازمی اور ضروری ہے۔ بے جان ہیولی، بے حس ایتھر اور بے شعور مادے کا یہ کام ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نیچریوں او دہریوں کو بے وقوفوں کی ایک الگ آبادی اور بستی بسانی چاہیے۔ اور کسی بے حس، بے جاں، بیوقوف و بے شعور دہریہ آدمی کو اس آبادی کا مختار، کارکن اور منتظم مقرر کر کے دیکھ لینا چاہیے کہ وہ بستی تھوڑے دنوں میں کس طرح پھولتی پھلتی اور ترقی کرتی ہے۔ یا کسی پاگل خانے میں جا کر بے شعوری کا تھوڑا سا نظارہ کر لینا چاہیے کہ وہاں بے شعوری کیا گل کھلا رہی ہے۔ اگر ایک لحظہ کے لئے بھی اس پر سے ذی شعور اور صاحب عقل انسانوں کی نگرانی اور حفاظت اٹھا دی جائے تو دیکھئے کیا طوفان بدتمیزی برپا ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام کارخانوں، فرموں اور مشینوں کو دیکھو۔ اور حکومت اور سلطنت کے جملہ محکموں اور شعبوں پر غور کرو۔ غرض اس آباد دنیا کی کسی شے، کسی کام اور شعبے پر دھیان کرو۔ سب کے سب علم شعور، قدرت اور حکمت وغیرہ صفات کے زیر اثر مرتب اور تیار ہوئے ہوں گے۔ اور انہی صفات کی حفاظت اور نگرانی میں چل رہے ہوں گے۔ جز سے کل کا قیاس کیا جاتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کائنات عالم کا یہ عظیم الشان کارخانہ جس کے ایک گوشے میں آفتاب چراغ کی طرح جل رہا ہے اور جس کا ہر پرزہ علم اور حکمت سے چل رہا ہے۔ اس نے ہر معمولی جز پر تو ذی عقل وہوش اور صاحب علم و حکمت ملازم، موکل اور مسلط ہوں۔ لیکن یہ کل کارخانۂ کائنات بدیں عظمت و وسعت بغیر کاریگر اور نگران کے خود بخود قائم اور چل رہا ہو۔

حضرت امام اعظمؒ نے ایک دہری کو دوران مناظرہ میں اس ایک ہی دلیل سے ساکت اور لاجواب کر دیا تھا۔ چنانچہ آپؒ نے فرمایا کہ اگر فرض کرو ایک بڑی جھیل ہو اور اس میں ایک کشتی چھوڑ دی جائے تو کیا وہ خود بخود بغیر کسی چلانے والے کے ایک مقررہ وقت پر ایک مخصوص مقام پر آیا کرے گی۔ تو اس دہری نے کہا کہ یہ ہرگز ممکن نہیں۔ اس پر آپؒ نے فرمایا کہ فضائے آسمانی کی اس بڑی وسیع نیلگوں جھیل

میں سورج اور چاند کیوں کر بغیر چلانے والے کے ابتداء سے آج تک روزمرہ وقت مقررہ پر ایک متعین مقام سے نکل کر ایک خاص مستقر اور مخصوص مقام پر جا کر غروب ہوتے ہیں۔۔۔۔عربی۔۔۔۔ترجمہ۔اور دیکھو کہ سورج ایک خاص مستقر اور معین راستے پر چل رہا ہے۔یہ تو خدائے غالب اور دانا کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے اور اسی طرح چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔یہاں تک کہ وہ گھٹتے گھٹتے کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔نہ تو سورج سے ہو سکتا ہے کہ اپنی دوڑ میں چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے۔اور سب مقررہ دائرے اور اندازے میں پھر رہے ہیں۔سو حضرت امام اعظمؒ صاحب کی اس مسکت دلیل سے دہری نادم اور تائب ہو گیا۔

دہریوں کا یہ کہنا کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ مذہب نے خدا کو ایک ذات واحد قرار دے کر اس کی عظمت اور وسعت کو محدود کر دیا ہے۔اس کے بجائے مادے اور نیچر کا مفہوم زیادہ وسیع معنی کا حامل ہے۔ان نادانوں نے اللہ تعالیٰ کی بے مثل و بے مثال اور لم یزل و لایزال مقدس غیر مخلوق ذات کو اپنی ہیچ مداں اور ہیچ میرز ناتواں خاکی جان پر قیاس کر لیا ہے کہ جسے نہ اپنی کی سمجھ ہے اور نہ اپنے گھر اور مکان کی خبر ہے اور نہ اپنے کنبے اور خاندان ک آگاہی رہتی ہے۔اسلامی خدا کی عظیم الشان ہستی تو ان کی کوتاہ مادی عقل اور فہم سے بہت بالاتر ایک ایسی لامحدود محیط کل منزہ اور مقدس ہستی ہے کہ وہاں اسم اور رسم، وصف ولغت ظہور وبطون، کلیت وجزئیت اور عمومیت وخصوصیت وغیرہ اعتبارات اور اشارات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ وہ جملہ اعتبارات وتعینات واضافات سے بالکل پاک ہے۔بلکہ قید واطلاق اور تعین سے بھی مبرا اور منزہ ہے۔وہاں مردہ مادے اور ناچیز نیچر کی کیا حقیقت ہے۔اللہ تعالیٰ کی ایک ہی صفت علم نے تمام مکان اور زمان کو احاطہ کیا ہوا ہے اور تمام عالم غیب و الشہادت کو گھیرا ہوا ہے۔۔۔۔۔عربی۔۔۔۔۔ترجمہ۔ایسا اول ہے کہ اس سے

پہلے کوئی نہیں۔ اور وہ باطن ہے کہاس کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ اور ہر چیز پر وہ ازروئے علم محیط ہے۔ بلکہ ہم اپنے علم اور تجربے کی بناء پر یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اللہ تعالی کے خاص مقبول بندوں پر جب اللہ تعالی کی اس صفت علم کی تجلی ہوتی ہے تو وہ کل مادہ اور نیچر یعنی کل مخلوقات اور ہژدہ ہزار عالم کا نظارہ ہاتھ کی ہتھیلی اور انگوٹھے کے ناخن پر کرتے رہتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی پاک منزہ اور مقدس ذات تو وراءالوراثم وراءالوراء ہے۔۔۔۔۔عربی۔۔۔۔

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم
وز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

سخت سے سخت ملحد بے دین بھی اگر اپنی ہٹ دھرمی چھوڑ کر اور کسی وقت انصاف کی عینک چڑھا کر اپنے ضمیر کی طرف جھانکے اور غور وفکر کرے کہ جب میں ایک بولتا چالتا، دیکھتا بھالتا اور سوچتا سمجھتا مخلوق موجود ہوں تو ایک واجب الوجود خالق کل ہستی کیوں موجود نہیں۔ تعجب ہے کہ ذرۂ بے مقدار کو اپنی ہستی کا تو اقرار ہے لیکن اس آفتاب عالمتاب کی نفی اور انکار ہے۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ سیاست کے جنون، حرص اور طمع، دنیا کے مالیخولیا اور طلب عز وجاہ کے جوء البقر نے انسان کو اندھا حیوان بنا رکھا ہے۔ ورنہ اللہ تعالی۔۔۔۔۔۔اے وہ ذات کہ جو قیاس، خیزں، گمان، وہم اور جو کچھ ہم نے کہا، سنا اور پڑھا اس سے ارفع واعلیٰ ہے۔ تیری مدح ثنا میں دفتر تمام ہو گئے اور عمر ختم ہوگئی لیکن ہم تیری تعریف کی ابتداء ہی میں رہ گئے ہیں۔۔۔۔۔۔کی ہستی پر انسان کی اپنی ہستی سے بڑھ کر زبردست حجت اور قوی دلیل اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

مری ہستی ہے خود شاہد وجود ذات باری کی

دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

چند روز بھی اگر کوئی سلیم العقل اور منصف مزاج شخص یکسو ہو کر اپنے وجود میں غور اور تامل کر لے گا تو وہ اپنے اندر اپنے خالق مالک کی معرفت کے آثار، اس کے قرب کے اسرار اور اس کے مشاہدے کے انوار صاف طور پر معلوم کرے گا۔ ۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ:وہ تمہارے نفسوں کے اندر ہے لیکن تم اسے نہیں دیکھتے۔

حدیث: ۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔جس شخص نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔نیز ملحد بے دین لوگ اپنے الحاد کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا نہ تو ہمیں کوئی وجود نظر آتا ہے۔نہ اس کی ذات کی کنہ اور حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔اور نہ اس کی کوئی صریح صفت اور نہ علانیہ فعل اور نہ ٹھوس عمل دنیا میں نظر آتا ہے تو ہم کیونکر جانیں اور یقین کریں کہ وہ موجود ہے۔سو یاد رہے کہ کسی چیز کا سمجھ میں نہ آنا یا معلوم اور محسوس نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ سرے سے موجود ہی نہیں ۔عقل سلیم نے موجودات کا سلسلہ محسوسات اور معلومات تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ جو کچھ بنی نوع انسان کو اپنی علمی اور ذہنی کدو کاوش کی بدولت آج تک معلوم اور محسوس ہوا ہے وہ نامعلوم غیبی کائنات کے ایک ناچیز ذرے سے بھی کم ہے۔

ذہن میں جو گھر گیا لا انتہا کیوں کر ہوا
جو سمجھ میں آ گیا پھر وہ خدا کیوں کر ہوا

لاکھوں قسم کے جراثیم، ہزاروں طرح کی گیسیں اور بے شمار برقی لہریں اسی فضا میں موجود ہیں۔لیکن ظاہری حواس سے محسوس اور معلوم نہیں ہوتیں۔

یورپ میں ایک نیا مذہب سپر چولزم یعنی مذہب روحانی تقریباً ایک سو سال سے رائج ہے اور کروڑوں لوگ اس کے ماننے والے ہیں اور بے شمار لوگ ہر شہر کے اندر اس جدید علم کی سوسائٹیوں کے ممبر ہیں۔یہ لوگ اپنے حلقوں اور نشستوں میں ارواح

کو حاضر کرتے ہیں۔ان سے بات چیت کرتے اور ان کے علانیہ فوٹو لیتے ہیں۔ان ارواح کے براہ راست کلام کے ریکارڈ بھرے جاتے ہیں بے شمار رسالے اور اخبار اس علم کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں جو لوگوں کو اس علم کی صحیح خبریں پہنچاتے ہیں۔ دن بدن اس علم میں ترقی ہو رہی ہے۔ **ملک** کے بڑے بڑے سائنسدان اور روشن خیال فلسفی اور سربرآوردہ اشخاص حتےٰ کہ پارلیمنٹ کے ممبر تک اس علم کی سوسائٹیوں میں حصہ لینے والے ہیں۔ حالانکہ آج سے سو سال پہلے تمام یورپ میں ایک شخص بھی موت کے بعد زیست ارواح اور ان کے وجود کا قائل نہ تھا۔لیکن آج وہاں ہر شخص عالم ارواح کے وجود اور ان کی حیات بعد ممات کا قائل اور ماننے والا ہے۔ کیونکہ وہ ہزاروں دفعہ اپنی آنکھوں سے ارواح کے مشاہدے اور تجربے کر چکے ہیں۔ یورپ کی مذکورہ بالا تحقیق اور تعلیم ان ملحدوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے جو یہ رٹ لگایا کرتے ہیں کہ وہ مرنے والے اب کہاں گئے جو بقاء ارواح کے قائل اور تخاطب ارواح کے حامی تھے۔وہ ہم زندہ منکرین کو آ کر کیوں نہیں بتا دیتے کہ ہم زندہ ہیں اور اس حقیقت کو بے نقاب کیوں نہیں کر دیتے۔اور کیوں لامذہبیت اور بے دینی کو جاری رہنے دیا ہے۔سو مغرب میں تو مردے جی کر اٹھ بیٹھے ہیں اور علی الاعلان کہہ رہے ہیں کہ ہم زندہ ہیں۔اور وہاں مردوں اور زندوں کے درمیان پردہ چاک ہو گیا ہے لیکن مشرق والے ابھی تک الحاد اور دہریت کی ظلمت اور اندھیرے میں پڑے ہوئے ہیں۔ہم آگے جا کر اس علم کی حقیقت اور اس کا **مفصل** حال بیان کریں گے۔غرض یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ چیز جو ہمیں حواس خمسہ کے ذریعے محسوس اور معلوم نہیں ہوتی وہ موجود بھی نہیں ہے۔ بیشمار جن، ملائکہ اور ارواح ہمارے اردگرد دن رات پھرتے ہیں اور لاتعداد لطیف چیزیں ہماری اس فضا میں موجود ہیں۔ ایسی باطنی چیزوں کا انکار خود منکرین اور ظاہر بین لوگوں کے باطنی حواس کے فقدان کی دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ بھی اپنی وسیع عظیم الشان منزہ ذات، جملہ

پاک صفات، کل اسماء اور تمام افعال کے ساتھ کائنات کے ذرے ذرے میں جلوہ گر ہے۔ اور انسان کی شاہ رگ بلکہ اس کی جان سے بھی نزدیک تر ہے۔ لیکن غافل اندھے عوام کالانعام کیا دیکھیں۔ سورج تمام جہان کو روشن کر رہا ہوتا ہے اور اندھوں کے ماتھوں کو جلاتا ہے لیکن اندھے سورج کے وجود سے اندھیرے میں رہتے ہیں۔

آنکھ والا ترے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

اب صرف یہ اعتراض باقی رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں بعض پر تو ظاہر کر دی ہیں اور بعض سے مخفی کیوں رکھی ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ اللہ تیالیٰ نے انسان کو آزمائش اور امتحان کے لئے پیدا کیا ہے اور ازل کے دن ارواح کو اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کے مجمل سوال یعنی اپنے اظہار ربوبیت کے اورل (oral) زبانی امتحان میں آزمایا اور ان سے اقرار عبودیت لیا۔ چنانچہ ازل کے روز سب ارواح نے متفقہ طور پر بلیٰ یعنی اثبات میں جواب دیا کہ بے شک تو ہمارا رب ہے۔ بعدہٗ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کے کمرۂ امتحان میں داخل کر کے ان سے اپنی ربوبیت اور توحید کے مشکل اور لاینحل تحریری جوابات مادے کے کثیف پرچوں پر طلب کیے۔ جنہیں کراماً کاتبین فرشتے روزانہ صبح اور شام لپیٹ لپیٹ کر اپنی فائل اور ریکارڈ میں شامل کرتے جاتے ہیں اور قیامت کے عظیم الشان روز امتحان میں ان کے نتائج ظاہر ہوں گے۔ ۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔ اللہ تیالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا اور ان ہر دو کی کشمکش میں انسان کو مبتلا کیا تاکہ ان کو آزما کر دیکھے کہ کون ان میں سے اچھے عمل کرتا ہے۔ آپ خود اندازہ لگالیں کہ سکولوں اور کالجوں کے دنیوی امتحانوں میں جوابات کے اخفاء اور کتمان کا کس قدر زبردست اہتمام ہوا کرتا ہے۔ سوالات کے پرچے سامنے رکھ دیئے جاتے ہیں لیکن ان کے جوابات کے چھپانے میں کمال

درجے کا احتیاط برتا جاتا ہے حالانکہ اس دنیوی استعمال کی کامیابی پر چندروزہ دنیوی عیش اور راحت موقوف اور منحصر ہے۔ پس جس امتحان پر ابدالاباد کی خوشی اور راحت یا ابدی حرمان اور ناکامی کا انحصار ہو اس کے جوابات کے اخفاء اور کتمان کا جس قدر بھی زبردست اہتمام ہو کم ہے۔ ملحدوں اور دہریوں کا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے ملائکہ اور اس کی قدرت کے افعال اگر دنیا میں موجود ہیں تو انہیں ضرور کسی نہ کسی صورت میں نظر آ جانا چاہیے، ایسا ہے جیسے کہ کمرۂ امتحان میں کوئی نہایت احمق اور پاگل طالب علم یہ سوال کر بیٹھے کہ ہمارے ان امتحانات کے پرچوں پر تو سوالات ہی سوالات درج ہیں ان کے مقابلے میں جوابات کیوں نہیں دیئے گئے۔ اس بے وقوف نے کمرۂ امتحان کو خالہ جی کا گھر سمجھ رکھا ہے۔

برسر طور ہوا طنبور شہوت می زنی
عشق مرد لن ترانی رابدیں خواری مجو

ترجمہ۔ تو ہوا و ہوس کے طور پر خواہشات کا رباب بجا رہا ہے (اے نادان) اس مرد کا عشق جسے لن ترانی کہا گیا تھا۔ اس اپنی بیہودہ محنت سے مت مانگ۔

اللہ تعالیٰ کے انوار ذات و صفات اور اس کی قدرت کی آیات بیّنات اور لطیف غیبی مخلوقات یعنی جن، ملائکہ اور ارواح وغیرہ تمام لطیف دنیا کی غیبی لطیف چیزیں ہیں۔ ان کا دیکھنا اور معلوم کرنا ظاہری حواس اور مادی عقل کا کام نہیں ہے۔ ان کے معلوم اور محسوس کرنے کے لیے باطنی حواس درکار ہیں۔ جس طرح ظاہری حواس ایک دوسرے کا کام نہیں کر سکتے۔ یعنی آنکھیں کانوں کا کام اور کان آنکھوں کا کام نہیں دے سکتے۔ اسی طرح ظاہری حواس باطنی حواس کا کام انجام نہیں دے سکتے۔ باطنی حواس کے حصول کے لیے مجاہدہ اور ریاضت شرط ہے اور اس کے لئے استاد مربی کی ضرورت ہے۔۔۔۔۔ عربی۔۔۔۔ یعنی جو لوگ ہمارے راستے میں کوشش اور محنت کرتے ہیں ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق

ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

ترجمہ:۔حقائق کی درس گاہ میں عشق کے ادیب کے سامنے۔اور ہاں اے بیٹا محنت سے کام لے تا کہ کسی دن تو بھی باپ کہلائے۔

---

۱ مردلن ترانی سے یہاں موسیٰ مراد ہیں۔لن ترانی کے معنی ہیں۔تو مجھے نہیں دیکھ سکتا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوہ طور پر موسیٰ سے کہا گیا تھا

روحانی سکولوں اور کالجوں میں باطنی تعلیم کے لئے پیہم محنت اور کوشش کرتے کرتے سالک لوگ عقل کل اور باطنی حواس پیدا کر لیتے ہیں اور درجۂ عین الیقین کو پہنچ جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی دنیا میں آخرت کے بھاری امتحان کے خوف اور فیل ہونے کے حزن اور غم سے نجات پا لیتے ہیں۔۔۔عربی۔۔غرض باطن میں نفوس کے مدرسے الگ ہیں۔قلوب کے مکتب اور ہیں اور ارواح اور اسرار کے کالج علیحدہ ہیں۔جن لوگوں کو کبھی بھولے سے بھی ان باطنی سکولوں اور روحانی کالجوں کی طرف گذر نصیب نہیں ہوا۔وہ کورچشم نفسانی ان باطنی علوم اور اس غیبی سررشتۂ تعلیم اور ان کے روحانی استادوں اور پروفیسروں کو کیا جانیں۔اور اس باطنی روحانی دنیا کا انکار نہ کریں تو اور کیا کریں۔

حیف کیں بے بصراں تا بہ ابد بے خبر اند

زانچہ در دیدۂ صاحب نظراں مے آید

ترجمہ۔افسوس کہ یہ (دنیاوی) اندھے ابد تک بے خبر ہیں اس حقیقت سے جسے صاحب نظر لوگ مشاہدہ کرتے ہیں۔

غرض یہ دنیا دارالامتحان ہے۔خواہ کوئی یہاں ٹھیک عمل کرے یا خطا۔نہ کسی کو فوری سزا ملتی ہے اور نہ پوری جزا۔کیونکہ نتیجے کا وقت مقررہ ابھی دور ہے۔یہی وجہ ہے کہ

اخلاقی غلطیوں اور شرعی جرموں پر اس دارفانی میں جلدی اور فوری سزائیں مترتب نہیں ہوتیں۔ اور نہ پوری سزائیں دی جاسکتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص زنا کرتا ہے تو شریعت اسے سو دُرے مارنے یا سنگسار کر کے ہلاک کرنے کا حکم دیتی ہے۔ لیکن دوسرا شخص ہزاروں دفعہ زنا کر کے

---

۱ ادیب عشق سے مراد یہاں روحانی صاحب کمال لوگ ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ کسی صاحب کمال شخص سے عشق الٰہی کا سبق سیکھ۔ پھر تو اس قابل ہوگا کہ اپنے آپ کو مکمل آدمی کہہ سکے

ہر قسم کی دنیوی سزا سے بچ رہتا ہے۔ یا ایک شخص عمداً اور ارادتاً قتل کرتا ہے تو قانون اور شریعت اس کے لیے سزائے موت مقرر کرتے ہیں۔ لیکن دوسرا شخص ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بے گناہ انسانوں کے قتل کا موجب بنتا ہے۔ تو کیا ہزاروں دفعہ زنا کا مرتکب یا لاکھوں بے گناہوں کے قاتل کو اس مادی دنیا میں پوری پوری سزا دی جاتی ہے ہرگز نہیں، تو اس قسم کے اکابر مجرمین کو پوری اور رواجبی سزائیں تب ہی مل سکتی ہیں جب کہ ان کے لئے ایسی دنیا قائم کی جائے جس میں وقت کا کوئی تعین نہ ہو اور عمریں بہت دراز ہوں۔ اور ہر مجرم کو بے شمار جسم عطا کئے جائیں اور انہیں بار بار مار کر اور زندہ کر کے عذاب دیا جائے۔ سو یہ کام دنیا کے محدود دارالاسباب میں مترتب نہیں ہوسکتا۔ اس کے لئے آخرت کا غیر مختتم دارالقدرت اور دارالمکافات قائم کیا جائے گا۔ قرآن کریم میں اس قسم کے سنگین جرموں کے لئے سخت دردناک قسم کے طویل عذابوں کا ذکر جابجا موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔۔۔عربی۔۔۔۔

ترجمہ۔ اور جب مجرم جہنم اور دوزخ کی تاریک وادیوں کے اندر زنجیروں میں جکڑے ہوئے ڈال دیئے جائیں گے تو اس وقت وہ لوگ سخت دردناک عذاب سے بچنے کے لئے موت اور ہلاکت کی دعا اور درخواست کریں گے لیکن انہیں جواب ملے گا کہ تم ایک موت اور ہلاکت کی امید نہ رکھو بلکہ بے شمار موتوں کا عذاب

تم نے چکھنا ہے۔   اور دوسری جگہ آیا ہے۔۔۔۔۔عربی۔۔۔۔۔ترجمہ۔جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہے عنقریب انہیں دوزخ کی سخت آگ جلائے گی۔جس وقت ان کے چمڑے (جسے) جل جائیں گے تو ان کے علاوہ انہیں اور چمڑے (جسم) دیئے جائیں گے تا کہ پورا پورا عذاب چکھ لیں۔ تحقیق اللہ تعالی غالب حکمت والا ہے۔غرض قیامت کا دار القدرت اور دار المکافات ضروری اور لازمی ہے۔اور یہ دنیا دار الامتحان ہے۔کمرۂ امتحان میں کسی کو یہ نہیں بتایا جاتا کہ تو صحیح عمل کر رہا ہے یا غلط۔نتیجے پر ہر شخص کی آنکھیں کھل جائیں گی۔افسوس کور چشمی اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہے۔اور ازلی بدبختوں کو اللہ کی مار ہے۔ورنہ عقل، نور ایمان اور باطنی بصیرت والوں کے لئے کائنات کے ہر ذرے کے اندر بے شمار آیات بینات اور ہزار ہا نشانیاں موجود ہیں۔جو پکار پکار کر توحید بیان کر رہی ہیں۔

ترا از دوست بگویم حکائتے بے پوست
همه از وست وگر نیک بنگری همه او ست
جمالش از همه ذرات کون مکشوف استز
حجاب تو همه پندار ہائے تو بر تو است

ترجمہ:۔میں تجھ سے محبوب کی ایک اصلی حکایت بیان کرتا ہوں۔ہر چیز اسی سے ہے اور اگر تو غور سے دیکھے تو سب کچھ وہی ہے۔

کائنات کے ہر ذرہ سے اس کا جمال ظاہر ہے۔تیرا غرور اور نخوت جو تجھ پر طاری ہے وہی تیرا حجاب ہے۔

خدا کی نسبت یورپ کے مشہور علماء سائنس کے خیالات

لارڈ کیلون (سر ولیم تھامسن) جو سکاٹ لینڈ کی گلاسگو یونیورسٹی میں پچاس برس تک نیچرل فلاسفی پڑھاتے رہے۔ اور جنہوں نے طبیعات اور ریاضیات میں نئی دریافتیں کیں۔ کئی جدید ایجادات و اختراعات آپ کے نام سے منسوب ہیں۔ آپ نے اپریل ۱۹۰۳ء میں لندن کی یونیورسٹی کالج کے سالانہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ سائنس پختہ یقین اور کامل اعتبار کے ساتھ ایک خالق ارض وسما کی قائل ہے۔ اور ہمیں اس قادر مطلق کے وجود پر ایمان لانے کے لئے مجبور کرتی ہے۔ ہماری ہستی کا موجد اور اسے سنبھالنے اور قائم رکھنے والا بے جان مادہ نہیں ہے بلکہ وہ قوت ہے جس سے موجودات خلق ہوتی اور ہدایت پاتی ہیں۔ سائنس کی تحقیقات اور انکشافات ہمیں اس وجود ازل پر ایمان کلی رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ جب ہم اپنے گرد و پیش کے طبعی تبدلات اور ان انقلابات اور موجودات کی حرکات وسکنات کے اسباب پر غور کرتے ہیں تو ہم مذکورہ بالا نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ خداوند خالق اپنی اس حکمت اور صنعت سے ظاہر ہوتا ہے جو نظام عالم اور موجودات کی ترتیب وترکیب میں نظر آتی ہے۔ سائنس ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم ایسی قوت پر ایمان لائیں جو عالم کے تمام طبعی عملوں کو تحریک دیتی اور راہ راست پر ڈالتی ہے۔ اور وہ خالق قوت فطری، برقی یا مکینیکل قوت سے بالکل مختلف ہے۔ اسے ذرات کے خود بخود آپس میں مل جانے کے نظریئے سے کوئی سروکار نہیں۔ جس کو زمانہ حال کے تمام سائنس دان اتفاق رائے سے نہایت لغو اور نامعقول ٹھہراتے ہیں۔ یعنی تمام علماء اور محققین اس امر پر متفق ہیں کہ عالم اور مافی العالم ذرات کے اتفاقی ارتباط اور اتحاد سے وجود پذیر نہیں بلکہ ایک ذی عقل اور صاحب ارادہ وجود کی حکمت و قدرت سے موجودات نے ہستی قبول کی ہے۔ زندہ اجسام کے اندر جو مسلسل تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں وہ بھی اتفاقی نہیں ہوتیں بلکہ خالق

کی ہدایت اور مقرر کردہ قانون سے عمل میں آتی ہیں۔ ان تمام عملوں میں سائنس ایک خالق کا وجود مانتی ہے۔

چالیس سال ہوئے کہ جرمنی کے مشہور عالم کیمیات ڈاکٹر لی بک کے ساتھ شہر سے باہر کھیتوں کی سیر کر رہا تھا۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ فرمائیے کیا یہ پودے کیمیائی عمل سے پیدا ہوتے اور نمو حاصل کرتے ہیں؟ وہ کہنے لگے۔ ہرگز نہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ جس طرح علم نباتات کی کتاب آپ سے آپ مرتب نہیں ہو جاتی اسی طرح یہ پودے اور پھول بھی از خود پیدا نہیں ہوتے۔ ارادت کا ہر فعل طبیعات، کیمیات اور ارضیات کے نزدیک خرق عادت ہے۔ آزادی اور بے باکی کے ساتھ سوچنے اور غور کرنے سے نہ گھبراؤ اگر تم خوب فکر کرو گے تو خدا کی ہوتی پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکو گے جو مذہب کی بنیاد اور اصل اصول ہے۔ سائنس ہرگز مذہب کا دشمن نہیں ہے بلکہ معاون ہے۔

لارڈ سالس بری صرف مدبر ہی نہ تھے ایک مشہور عالم بھی تھے۔ آپ ۱۸۷۴ء اور ۱۸۸۶ء میں کنسرویٹو وزارتوں میں وزیر ہند مقرر ہوئے تھے اور دو مرتبہ برطانیہ کے وزیر اعظم بھی مقرر ہوئے۔ آپ کی علمیت کا اس سے بڑھ کر اور کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا کہ آپ ۱۸۴۰ء کی برٹش ایسوسی ایشن کے اجلاس کے صدر اعظم مقرر ہوئے۔ کنٹمپوری ریویو اور نائینتھ سنچری میں ہربرٹ سپنسر کے ساتھ مسئلہ ارتقاء پر ان کی خوب زوردار بحثیں ہوئیں۔ اور کئی نمبروں میں دونوں طرف سے مسلسل عالمانہ مضامین شائع ہوتے رہے۔ آپ نے آکسفورڈ میں ایک ایڈریس کے دوران فرمایا تھا۔ مدت سے میرا یہ خیال ہے کہ اگر نباتات اور حیوانات میں عمل ارتقاء رونما ہوا ہے۔ تو وہ انتخاب طبعی کے مسئلہ میں نہیں پایا جاتا۔ اور ارتقاء کا صحیح مسئلہ اس سے بہت بیگانہ ہے۔ میں نے بہت غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ حیوانات کی ابتداء و تبلیغ کی بابت جو تحقیقات گذشتہ چند سال کے دوران ہوتی

رہی ہے اس میں مقاصد و اغراض کے استدلال سے بالکل چشم پوشی کی گئی ہے۔
کائنات کو بنظر غور دیکھنے سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ ایک ذی عقل و ذی ارادہ ہستی نے موجودات کو ایک خاص مصرف کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس کے ثبوت میں بے شمار دلائل ہمارے اردگرد موجود ہیں۔ اگر علم طبیعات یا سائنس کی پریشانیاں ہماری بصارت پر پردہ ڈال دیں کہ کچھ دیر کے لئے ہم ان کی طرف سے بے پرواہ ہو جائیں تاہم وہ پھر ہمارے سامنے آ جاتی ہیں اور ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ ان نشانات نے کائنات اور موجودات کو اپنی قدرت کاملہ سے بنایا ہے۔ نیز ہم یہ بھی سیکھتے ہیں کہ تمام جاندار ہستیاں اس صاحب ذات لایزال اور خالق بے زوال اور حاکم بے مثال کی حکمت و قدرت کی محتاج اور دست نگر ہیں۔

ڈاکٹر الفریڈ اسل والس اقلیم سائنس کے پیر فرتوت کہلاتے ہیں۔ آپ ۱۸۲۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۳ء میں آپ نے اپنی نہایت مشہور علمی کتاب ورلڈ آف لائف شائع کر کے اپنے نصف صدی کے خیالات اور علمی تحقیقات کے نتائج دنیا کے سامنے رکھے۔ اس کتاب نے بڑا نام پایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف مسئلۂ ارتقاء بذریعہ انتخاب طبعی کے اکتشاف میں ڈارون کے ساتھ برابر کے حصہ دار ہیں۔ آپ خدا پرست اور دیندار آدمی تھے۔ سائنسدانوں کی نظر میں آپ کا قول سند سمجھا جاتا ہے۔ آپ اپنی ایک تصنیف نیچرل سلیکشن یعنی انتخاب طبعی میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔ انسان صرف عمل ارتقاء سے قادر مطلق کی قدرت و حکمت کے بغیر پیدا نہیں ہوا ہے۔ قوت نفس ناطقہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جتنی قسم کی قوت پائی جاتی ہے وہ قوت ارادہ ہے۔ اگر ارادت کوئی چیز ہے تو وہ ایک طاقت ہے جو ان قوتوں کے عمل کی ہدایت کرتی ہے جو جسم کے اندر مجتمع ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ جسم کا کوئی حصہ قوت کا اثر قبول کئے بغیر ہدایت کے تابع ہو۔ اگر ہم یہ معلوم کر لیں کہ ادنے سے ادنے قوت بھی ارادت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے سوا ہمیں قوت کا کوئی اور ابتدائی

وسیلہ اور سبب معلوم نہ ہو۔ تو ہم یہ مانے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہر قسم کی قوت قوتِ ارادی ہوتی ہے۔ اور اسی بنیاد پر یہ دعویٰ قائم ہو سکتا ہے کہ تمام عالم نہ صرف اعلیٰ ذی عقل ہستیوں پر منحصر ہے بلکہ انہی کے وجود پر مشتمل ہے یا یوں کہو کہ وہ سب سے اعلیٰ عقل وحکمت ہے۔

کائنات کی تمام مخلوق کیا جاندار اور کیا بے جان، کیا حجر و کیا شجر، کیا چھوٹی کیا بڑی اور کیا علوی و کیا سفلی سب زبان حال سے اپنے خالق مالک اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور توحید کے گیت یک رنگی اور یک آہنگی سے گا رہی ہے۔ سبح للہ ما فی السموت و ما فی الارض۔ اشیاء کائنات میں یک رنگی اور ان کی ترکیب میں یک آہنگی اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ ان کا خالق اور مالک ایک واحد لاشریک ہستی اور بے مثل و بے ہمتا ذات ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ فرض کرو ایک شخص بہت نیچے اتر کر تحت الثریٰ کی تاریکیوں میں سے ایک نرالی دھات کا ٹکڑا اٹھا لاتا ہے۔ اور پھر بحر اوقیانوس کی گہرائیوں میں کئی میل نیچے غوطہ لگا کر وہاں سے کوئی آبی خول نکال لاتا ہے۔ اور تیسری دفعہ فضائے آسمان کی بلندیوں میں لاکھوں کروڑوں میل اوپر چڑھ کر کسی بہت دور کے ستارے سے کوئی کنکر اٹھا لاتا ہے۔ اب ان تینوں اشیاء کو خوردبین کے نیچے رکھ کر ان کے اجزائے ترکیبی کا موجودہ سائنس کی روشنی میں بغور مطالعہ کیا جائے تو موجودہ سائنس کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ان تینوں کے اجزائے ترکیبی میں وہی ذرات برقیہ ہیں جو اشیائے کائنات کی تمام اشیاء کے تمام چھوٹے بڑے اجسام اور اجرام میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں۔ ماہ سے ماہی اور ثریا سے ثریٰ تک کائنات عالم کی تمام اشیاء کے اجزائے ترکیبی کی یہ وحدت صاف طور پر وحدت خالق کا ناقابل تردید مظاہرہ ہے۔ یا دوسرے لفظوں میں اشیائے کائنات کے زبان حال کا متفقہ اعلان ہے کہ لا الہ الا اللہ یعنی یہ کہ ہمارا خالق، رب العالمین اور معبود بر حق ایک واحد مطلق ذات ہے۔ چنانچہ مصر کے میناروں سے نکلی ہوئی ہزاروں سال

کی چیزیں مختلف زمانوں میں سنگبار ستاروں سے گرے ہوئے دھات اور پتھر کے ٹکڑے، بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں سے لائے ہوئے مختلف کنکر اور سمندر کی گہرائیوں سے نکالے ہوئے خول اور گھونگے آج کل دنیا کے مختلف عجائب خانوں میں موجود ہیں۔اور موجودہ سائنس اور کیمسٹری کی روشنی میں ان کے عناصر ترکیبی کا تجزیہکر کے بغور مطالعہ کیا گیا تو متفقہ طور پر وہی مذکورہ بالا نتیجہ نکالا گیا ہے کہ ان سب کی ساخت ایک ہی قسم کی ہے۔اور یہ سب ایک ہی کاریگر کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔والنجم والشجر یسجدان۔ترجمہ۔آسمان پر ستارے اور زمین پر درخت اپنے خالق مالک کے آگے سجدہ ریز ہیں۔اور تمام علوی اور سفلی مخلوق اس کی ربوبیت اور اپنی عبودیت کا مظاہرہ کر رہی ہے۔اللہ تعالٰی کی توحید کی روشنی آسمان کے ٹمٹماتے ہوئے ستارے سے جھلک رہی ہے۔اس کی صنعت اور حکمت کے نیم عریاں جلوے درختوں کے ناچتے ہوئے پتوں اور مسکراتے ہوئے پھولوں سے جھلک رہے ہیں۔اس کی عظمت بلند پہاڑوں سے ترانے گاتی ہوئی اترتی ہے۔اور فضا میں سیاہ خوفناک بادل اور مہیب اور ذخار سمندروں اور دریاؤں کی طوفانی لہریں اس کی ہیبت اور جلال سے گونج رہی ہیں۔لیکن انسان ہے کہ پیر سے چوٹی تک غفلت میں ڈوبا ہوا ہے۔اپنی کوتاہ عقل اور پندار کا نکما اور خالی گھمنڈ ہے۔اللہ تعالٰی کی آیات بیّنات سے بے وجہ اعراض اور بیہودہ چشم پوشی ہے۔۔۔۔عربی۔۔۔۔

ترجمہ۔آسمانوں ارو زمینوں کے اندر خدائے تعالٰی کی قدرت کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔اوران غافل انسانوں کا اس پر دن رات گذر ہے۔لیکن وہ ان سے جاہلانہ اور متکبرانہ اعراض اور کنارہ کرتے ہیں۔ اندھے جاہل اور نادان انسان کو اپنے آپ کی اور ایک ذرۂ بے مقدار تک کی تو خبر نہیں ہے۔لیکن اللہ تعالٰی کی بے مثل اور بے مثال اور لم یزل ولایزال ذات کی کہنہ اور حقیقت میں عقلی گھوڑے دوڑا رہا ہے۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔انسان ہماری نسبت تو مثالیں قائم کرتا ہے لیکن

اسے اپنی خلاقت اور پیدائش تک کا پتہ نہیں۔

در ذات خدا فکر فراواں چہ کنی
جاں راز قصور خویش حیراں چہ کنی
چوں تو نہ رسی بکنہ یک ذرہ تمام
در کنہ خدا دعوی عرفاں چہ کنی

مغرب کے وارثان علم وحکمت علم الاجسام کی موشگافیوں اور دقیق آرائیوں میں زمین اور آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں۔ یہ لوگ اشیاء دنیا کے خواص اور اجسام کائنات کے...... تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں زیادہ غور فکر کیا کر رہا ہے۔ اور اپنی روح کو کوتاہ اندیشیوں سے کیوں حیران کرتا ہے۔ جب تو ایک ذرہ کی حقیقت تک کامل رسائی حاصل نہیں کر سکتا تو ذات باری تعالیٰ کی حقیقت میں عرفان کا دعویٰ کیوں کرتا ہے۔..... ظاہری اثرات کی تحقیقات میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اور مادی دنیا کی ہر شے کو دریافت کرنے اور ان کے ظواہر کے پیچھے لگ کر ان سے طلب عمل کرنے میں عمریں صرف کر رہے ہیں۔ مگر خود اپنے بارے میں کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آیا کہ ہم کیا ہیں۔ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ موت کے بعد انسان کا کیا حال ہوتا ہے۔ موت کا معمہ ان کے لئے نا قابل حل ہے اور جنا کا حجاب اکبران کے لیے نا قابل عبور ہے۔ منتہائے حیات کا سر عظیم کس قدر نا تلاش کردہ پڑا ہوا ہے۔ آفاق کے بحر ظلمات میں ان کے عقلی گھوڑے سکندر اعظم سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ مگر انفس کی آب حیات کی تلاش میں یہ لوگ لولے لنگڑے، اندھے اور بہرے ہیں۔ دنیا کے علم الاشیاء میں سے مذہب بہت بڑا راز ہے۔ مگر افسوس کہ مغرب کا دجال دینی آنکھ سے کانا ہے۔ گو اس کی دنیوی آنکھ روشن ہے۔ وہ ہر چیز کو دنیوی نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس سے دنیوی مفاد حاصل کرتا ہے۔ وہ قرآن جیسی عدیم المثال اور بے بدل روشن آسمانی کتاب کو محض تاریخی لحاظ سے

پڑھتا ہے۔ وہ اندھے کی طرح آفتاب سے صرف تاپنے اور گرم ہونے کے سوا اور کچھ فائدہ حاصل نہیں کرتا اس لئے ان لوگوں نے مذہب کے ضروری علم کو دائرۂ عمل سے خارج کر دیا ہے اور اس کی تحقیق کو غیر ضروری خیال کر لیا ہے۔ ظاہر بین مادہ پرست مغرب نے مادے کے صدف کو تو اپنی گود میں لے لیا ہے لیکن مذہب کے عزیز القدر پوشیدہ ور گرانمایہ کی تحصیل اور تلاش کی طرف مطلق کوئی توجہ اور التفات نہیں۔ یہ لوگ اپنی مادی عقل اور علم کے غرور اور دنیوی ہنر اور فن کے گھمنڈ مذہب اور روحانیت حتیٰ کہ خدا کے وجود کا بھی انکار کر رہے ہیں۔ جدید علم روحانی یعنی سپر چولزم جس کے ذریعے یہ ارواح کی حاضرات کر کے ان سے بات چیت کرتے ہیں۔ گویہ تمام مذاہب عالم کا ایک متفقہ اور مسلمہ عقیدہ اور نظریہ ہے کہ موت کے بعد ارواح زندہ رہتی اور سکھ اور دکھ پاتی ہیں۔ اور یہ علم مذہب اور دین کی عین تائید کر رہا ہے۔ لیکن ان لوگوں کو مذہب کے نام سے اتنی چڑ ہے کہ اسے ایک نیا علم اور اختراع بتاتے ہیں اور مذہب کا نام نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ اسے مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اور ہمارا یہ علم ابھی تک خدا کے وجود کے متعلق خاموش اور ساکت ہے۔ باوجود علم اور دیکھنے بھالنے کے اللہ تعالیٰ نے انہیں گمراہ کر رکھا ہے۔ ۔۔۔۔عربی۔۔۔۔ترجمہ۔ آیا تو نے دیکھا اس شخص کو جس نے پکڑا اپنی ہوائے نفس کو اپنا معبود۔ اور اللہ تعالیٰ نے باوجود علم بے اسے گمراہ کر دیا۔ اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی۔ اور اس کی آنکھوں پر کفر کا پردہ ڈال دیا۔ سو اللہ کے بعد ایسے شخص کو کون ہدایت کر سکتا ہے۔ آیا تم نہیں سمجھتے۔ ابھی تک یہ لوگ آسمانی کتابوں خاص کر اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست اتری ہوئی سچی بے مثل کتاب یعنی قرآن کریم کے زبردست اخلاقی اصولوں اور روحانیت و تصوف کے سچے ٹھوس حقائق اور معارف کے تمسخر اور استہزاء کے درپے ہیں۔ ابھی تک تو مادے کے سطحی علوم سے بھی ایک نہایت ہی قلیل حصہ حاصل کیا گیا ہے اور نہایت ہی معمولی اشیاء

کی حقیقت میں دانایان مرنگ کی عقلیں دنگ ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ایک ناچیز مکھی یعنی جگنو کی روشنی کی حقیقت میں دنیا کے سائنسدان حیران اور ششدر ہیں کیونکہ سائنس کے اصول کے مطابق روشنی اور حرارت لازم وملزوم ہیں۔ لیکن جگنو کے وجود میں روشنی بغیر حرارت موجود اور قائم ہے۔ غرض آج تک سائنس اور علم جدید کی تحقیقات نے جس قدر اصول اور نظریے قائم کیے ہیں ان میں بے شمار واماندگیاں اور بے اندازہ خامیاں موجود ہیں اکثر میں اختلاف رائے ہے۔ اور جس طرح آج کل کے سائنسدانوں اور فلاسفروں نے اگلے زمانے کے حکماء اور فیلسوفوں کے قائم کردہ مسائل اور اصولوں کو غلط ثابت کر کے جھٹلا دیا ہے۔ اسی طرح آج سے سو سال پیچھے آنے والے زمانہ آج کل کے سائنسدانوں کے قائم کردہ مسائل اور اصولوں کو غلط ثابت کر کے ٹھکرا دے گا۔ اور مادی علم کا سلسلہ اول سے آخر تک ظنی اور قیاسی ثابت ہو گا۔ ہاں بعض قریب کی معمولی اشیاء کا علم جو حواس خمسہ کے دائرے کے اندر واقع ہیں ضرور انسان کو سائنس کے تجارب اور مشاہدوں سے حاصل ہوا ہے۔ لیکن اس پر غرہ ہونا اور اسی کو سب کچھ سمجھنا بڑی کوتاہ اندیشی، سخت تنگ ظرفی اور پرلے درجے کی نادانی ہے۔ ابھی تک تو عالم شہادت اور آفاق کا ایک وسیع جہان ان کے سامنے نا تلاش کردہ پڑا ہے۔ جو عالم غیب اور انفس کے لطیف جہان کے مقابلے میں اس قدر تنگ وتاریک ہے جتنا کہ اس مادی دنیا کے مقابلے میں ماں کا رحم ہے۔ بھلا جس جہان میں یہ لوگ سرے سے پیدا ہی نہیں ہوئے بلکہ خام ناتمام جنین کی طرح رحم مادر گیتی میں پڑے ہوئے ہیں وہ عالم دار آخرت کے وسیع اور عریض لامحدود اور غیر مختتم جہان کی حقیقت کیا جانیں۔

فلسفی گشتی و آگہ نیستی
خود کجا و از کجا و کیستی

از خود آ گہ چوں نہ اے بے شعور
پس نباید بر چنیں علمت غرور

دنیا میں تمام مادی اشیاء کی تین حالتیں ہیں۔اول ٹھوس جامد جیسے اینٹ، پتھر اور لکڑی وغیرہ۔دوم بہنے والی مثلاً پانی، دودھ اور تیل۔سوم گیس، اڑنے والی مثلاً بھاپ، دھواں اور ہوا وغیرہ۔پانی کے اندر یہ تینوں حالتیں موجود اور محسوس ہوتی ہیں یعنی برف کی حالت میں یہ ٹھوس جامد صورت اختیار کر لیتا ہے۔جب پگھل کر مائع بن جائے تو مائع ہے۔اور جب آگ پر اسے کافی حرارت دی جائے تو بھاپ اور گیس کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ان تینوں صورتوں میں گیس کی صورت بہت لطیف، غیر مرئی اور غیر محسوس ہے۔اب اسی ہوا کو لیا جائے اور اس کے اجزائے ترکیبی کو دیکھا جائے تو وہ زیادہ لطیف گیسوں آکسیجن، ہائیڈروجن اور نائٹروجن وغیرہ سے مرکب ہے۔اسی طرح یہ گیسیں بھی ایتھر کے ذرات برقیہ سے مرکب ہیں۔لیکن انسانی حواس کی پہنچ اور علم سائنس اور کیمسٹری کے تجارب اور مشاہدات یہاں آ کر ختم ہو جاتے ہیں اور اس سے آگے تجاوز نہیں کر سکتے۔اس لیے انسان اس سے زیادہ لطیف اشیاء کی دنیا کو خلا یا عدم کا نام دے کر اس کی ترکیب اور بناوٹ کی تشریح کو ختم کر دیتا ہے۔حالانکہ اشیاء کا یہ سلسلۂ لطافت عالم غیب اور عالم ارواح کی سرحد پر جا کر ختم ہوتا ہے۔اور اس سے آگے غیب کا لطیف جہان شروع ہوتا ہے۔

اس سے یہ۔۔۔۔تو فلسفی ہو گیا ہے اور تو نہیں جانتا کہ تو کیا ہے، کہاں سے آیا ہے اور کون ہے۔اے بے عقل جب تو اپنی ہستی کا شناسا نہیں تو ایسے علم پر تجھے مغرور نہیں ہوتا چاہیئے

نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ لطیف روحانی دنیا اس ہمارے کرۂ زمین کے ہوائی طبقے کے اوپر کہیں دوسرا کرہ ہے۔بلکہ وہ لطیف روحانی عالم ہمارے اس عالم آب و گل سے آمیختہ اور مختلط بلکہ اس کا مخ اور مغز ہے۔اور اس کے ذرے ذرے میں اس طرح

جاری اور ساری ہے جس طرح انسان کے جسم میں خون اور خون میں جان ہے۔ یا دودھ میں مکھن اور مکھن میں گھی ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ بے چوں اور بے کیف اتصال ہے۔ خواب میں انسان اپنے اردگرد ایک لطیف روحانی دنیا بنالیتا ہے۔ جسے ہم روحانی دنیا کا ایک خام نا تمام ماڈل اور بطور مشتے نمونہ ازخروار کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح جسم کے ساتھ روح کا اور مادی دنیا کے ساتھ باطنی مخلوقات کا اپنی تمام مخلوقات کے ساتھ ہر طرح پر یعنی جزی وکلی، خارجی و داخلی، خلقی و امری اور ظاہری و باطنی طور پر ایک لطیف، بے کیف غیب الغیب تعلق اور تصرف ہے اور وہ اس کے ذاتی ،صفاتی، اسمائی اور افعالی تجلیات کے آثار اور انوار ہیں جو کائنات کے ظہور و بواطن میں جلوہ گر ہیں جن پر تمام کائنات اور مخلوقات کے وجود کا سارا دارومدار اور کلی نظام و قیام ہے۔

اول و آخر توئی چیست حدوث و قدم

ظاہر و باطن توئی چیست وجود و عدم

اول بے انتقال آخر بے ارتحال

ظاہر بے چند و چوں باطن بے کیف و کم

افسوس کہ نفسانی لوگوں کو عالم غیب کی لطیف روحانی دنیا کا ادراک کرانا اور اللہ تعالیٰ کی غیر مخلوق کی بے مثل و بے مثال اور بے چون و بے چگوں ذات کا ادراک کرانا اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے کہ کسی مادرزاد اندھے آدمی کو دنیا کی اشیاء کے رنگوں اور شکل وشباہت یا آفتاب عالمتاب کے وجود کا علم اور احساس کرایا جائے۔

اول اور آخر تو ہی ہے۔ ماضی اور حال کی کچھ حقیقت نہیں۔ ظاہر اور باطن بھی تو ہے۔ اور وجود و عدم کی کوئی حقیقت نہیں۔ تیرے اول و آخر کا انتقال اور ارتحال ممکن نہیں۔ تیرا ظاہر اور باطن چیگونگی اور کیف و کم سے منزہ ہے۔

ساتھ ہی فن تحریر انسانی دل و دماغ کے حقیقی خیالات اور خصوصاً باطنی دنیا کے بے

کیف اور بے این اصلی حالات اور صحیح کیفیات کے ادا کرنے کا ازبس ناقص آلہ اور نامکمل مظہر ہے۔اور نیز حروف والفاظ کا دائرہ اس قدر محدود اور تنگ ہے کہ ہمارے پاس اس کے سمجھانے کے لیے سوائے مثالوں اور استعاروں کے کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔تاہم جن لوگوں میں اللہ تعالیٰ نے تخم نور ایمان روز اول سے بطور ودیعت رکھ دیا ہے۔اور جن میں روحانی قابلیت اور روحانی استعداد موجود ہے۔اور انہوں نے اپنی بدعملیوں، نافرمانیوں اور بے اعتدالیوں سے اسے ابھی تک ضائع نہیں کیا۔ ان کے لئے ہمارے اشارے اور استعارے ضرور مشعل راہ بن سکتے ہیں۔لیکن ازلی شقیوں اور ابدی کور چشموں کا کوئی علاج ہی نہیں۔ان کے لیے اگر تمام پردے اور حجاب ہٹا دیئے جائیں اور حشر نشر قائم کر کے دکھایا جائے تو وہ بھی ماننے والے نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔یعنی اگر ہم انہیں حشر نشر قائم کر کے پہلے دکھادیں تب بھی کافر ماننے والے ہرگز نہیں۔مگر یہ کہ جسے اللہ ہدایت کرتا ہے۔ہم مادی دنیا کیساتھ روحانی دنیا کا اتصال اور تعلق تو کسی قدر بیان کر آئے ہیں۔اب ہم انسانی جسم کے ساتھ روح کے براہ است تعلق اور اتصال کا حال بیان کرتے ہیں جس سے روح کی حقیقت پر انشاءاللہ کافی روشنی پڑے گی۔

واضح ہو کہ خارجی دنیا کے مطابق انسانی وجود کے اندر بھی اشیاء کی تینوں صورتیں ٹھوس مائع اور گیس موجود ہیں۔یعنی ہڈی، گوشت اور چمڑا وغیرہ ٹھوس ہیں۔خون اور پانی مائع۔اور سانس کی ہوا جو اندر پھیلی ہوئی ہے وہ گیس ہے۔اور یہ مسلمہ امر ہے کہ دل اور پھیپھڑے میں سانس کی ہوا کا خون کے دوران میں بڑا دخل ہے۔اور اسی ہوا یعنی ریح کے جھونکے پر زندگی کا تمام انحصار اور انسانی زیست کا دارومدار ہے۔ یہی وہ تار تنفس ہے جس سے انسانی روح کی برقی رو اپنے پاور ہاؤس سے نکل کر انسانی دل و دماغ کے بلبوں تک منتہی ہو کر تمام انسانی وجود کی مشین کو گرم، روشن اور چالو کیے ہوئے ہے۔سائنس دان، کیمسٹ، اطباء اور ڈاکٹر اس پوشیدہ روحانی برقی

رو کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ یہ لوگ خون یا اس کے لطیف بخار کو روح کہتے ہیں۔ حالانکہ روح اگر خون یا ہوا یا حرارت ہوتی تو البتہ موت کے واقع ہوتے ہی انسان کے وجود میں پھر ہوا یا مصنوعی حرارت داخل کرنے سے انسان دوبارہ زندہ ہو جاتا۔ یا اگر روح محض عنصری وجود کا بخار ہوتا تو بعض انسانی اعضاء کے کٹ جانے سے روح ضرور کسی قدر ناقص اور کم ہو جاتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ روح عالم امر کی ایک الگ لطیف اور غیبی چیز ہے۔ وہ عالم امر کے نور کی ایک برقی رو ہے جو اس معدنِ انوار کے پاور ہاؤس سے اس تارِ تنفس کے ذریعے انسانی وجود میں آتی جاتی ہے اور اسے زندہ اور تابندہ رکھتی ہے۔ ۔۔عربی ۔۔۔ ترجمہ۔ کہہ دے اے میرے نبیؐ! کہ روح میرے رب کے عالم امر کی چیز ہے۔ اور اسے سمجھنے کیت لئے تمہارا علم بہت تھوڑا ہے۔ عالم خلق، عالم شہادت یا آفاق اس مادی ٹھوس جہان کو کہتے ہیں۔ اور عالم امر یا عالم غیب، یا عالم انفس لطیف باطنی اور روحانی دنیا کا نام ہے۔ ۔۔عربی ۔۔۔ ترجمہ۔ خبردار عالم خلق اور عالم امر ہر دو اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اور وہ ان ہر دو کثیف اور لطیف جہانوں اور عالموں کا رب اور مالک ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اسی روح کی نسبت فرماتے ہیں ۔۔۔ عربی ۔۔۔ یعنی ہم نے آدمؑ کے اندر اپنی روح پھونک دی۔ غرض روح کے بدن عنصری میں پھونکنے میں جو رمز اور اشارہ ہے وہ اس بات پر صاف صاف دلالت کرتا ہے کہ روح جس نفخ اور پھونک کے ذریعے جسم انسانی میں ڈالی گئی ہے وہ یہی تارِ نفس اور سانس کی ہوا ہے جو انسان کے اندر دم دم میں آتی اور جاتی ہے۔ عربی میں ہوا کو ریح کہتے ہیں۔ اور یہ لفظ روح اسی عربی لفظ ریح سے ماخوذ اور نکلا ہوا ہے۔ اور نَفَس بفتحہ فاء پھونک اور ہوا کو کہتے ہیں اور لفظ نفس بسکون فاء جان اور روح کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ سو معلوم ہوا کہ روح اور ریح اور نَفَس اور نَفس ہر دو مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں اور ہر دو ایک چیز ہیں۔ یہ اس لئے کہ روح کو ہوا کے ساتھ ایک قریب کا رشتہ اور باطنی تعلق

ہے۔ اور جو روح ہوا کی طرح ایک لطیف اور غیر مرئی چیز ہے۔ لہٰذا روح کے لطیف جوہر کو صانع حقیقی نے ہوا کے لطیف تاگے سے جسم انسانی میں باندھ رکھا ہے۔ یا یوں کہو کہ اس حکیم اور علیم خالق نے روح کے لطیف اور لا مکانی پرندے کو ہوا کے لطیف تاگے کے ذریعے انسانی جسم کے کثیف پنجر اور عنصری پنجرے میں قید کر رکھا ہے۔ روح چونکہ عالم امر کی ایک نہایت لطیف چیز ہے۔ مادے کے کثیف جہان میں اس کا استقرار اور استحکام بجز تعلق لطیف چونکہ ناممکن تھا اس واسطے اس قادر مطلق نے اس مادی عالم عناصر میں سب سے لطیف ترین چیز گیس یعنی ہوا کا رابطہ اور رشتہ تجویز فرمایا۔ اور یہی لطیف ڈوری اس شہباز لا مکانی کے پاؤں میں ڈال کر اسے بدن انسانی کے پنجرے میں قید کر دیا۔ سو ریح اور ہوا کے ذریعے بدن انسانی میں روح مقید ہے۔ اور اسی سانس کی ہوا اور تار تنفس کے ذریعے ہی عالم امر کے پاور ہاؤس سے اسے نور کی برقی رو یعنی روحانی غذا اور قوت وقوت پہنچتی رہتی ہے۔

دنیا کی ہر شے کیا جماد کیا نبات اور کیا حیوان سب میں ایک قسم کی روح موجود ہے۔ اور ہر شے سانس لیتی ہے۔ لیکن روح جمادی، روح نباتی، روح حیوانی، روح انسانی اور روح ملکوتی وغیرہ میں بسبب اختلاف مدارج و مراتب فرق ہے۔ اور ہر روح اسی ہوائی تعلق کے ذریعے دنیا میں آتی ہے اور ماہرین حاضرات سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ریح یعنی ہوا کے تعلق کے بغیر ارواح کی لطیف غیبی مخلوق یعنی جن، ملائکہ اور ارواح کی اس دنیا میں آمد اور حاضرات ناممکن ہے۔ اور جب کبھی اس مادی دنیا میں عالم غیب کی لطیف مخلوق بلائی جاتی ہے۔ اور ان کی حاضرات شروع ہوتی ہے تو اس کے ساتھ بند مکانوں میں ہوا کے جھونکے آتے ہیں اور ہوا چلنے لگتی ہے۔ غرض اس لطیف روحانی مخلوق کو دنیا کے کثیف جہان میں ہوا کی لطیف رفاقت اور معیت میں بھیجا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم اس پر شاہد ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے علم حاضرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔۔۔عربی۔۔

ترجمہ۔اور حضرت سلیمانؑ کے لئے ہم نے تند ہوا کو مسخر کر دیا تھا اور ہوا اس کے امر سے اس سرزمین کی طرف جس میں ہم نے برکت ڈال رکھی تھی جاری ہوتی اور اس کے ساتھ جنات اور شیاطین حاضر ہو کر حضرت سلیمانؑ کے لیے غوطے لگایا کرتے تھے اور اس کے علاوہ طرح طرح کے کام اور خدمات انجام دیتے تھے۔اور اس عمل کے وقت ہم ہر طرح سے ان کے نگہبان اور محافظ رہتے تھے۔دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔۔۔۔عربی۔۔۔اور ہم نے سلیمانؑ کے لئے ہوا کو مسخر کر دیا تھا۔ اور جہاں کہیں بھی وہ چاہتا تھا اس کے امر سے وہ چل پڑتی تھی۔اور جن شیاطین اس کے ساتھ حاضر ہو جایا کرتے تھے۔اور ان میں ہر ایک مکان بنانے والے اور غوطے لگانے والے شامل تھے اور باقی تسخیر کی زنجیر میں جکڑے رہتے تھے۔

جنگ احزاب میں حضرت رسالت مآب صلعم اور آپؐ کے اصحاب کبار کی امداد کے لئے آسمان سے ملائکہ کے نزول کے بارے میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جبکہ تم پر جنگ احزاب میں کفار کے لاشکر چڑھ آئے تھے۔پھر ہم نے ان پر ہوا بھیج دی اور ساتھ ہی ایسا لشکر بھیجا جسے تم نہیں دیکھ سکتے تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جنگ بدر میں ایسی سخت ہوا چلی کہ اس سے پہلے ہم نے کبھی ایسی تند اور تیز ہوا نہیں دیکھی تھی۔اس طرح تین دفعہ تند اور تیز ہوا چلی۔سو پہلی ہوا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کو ہمراہ لے کر ہماری امداد کے لئے آئے اور دوسری بار حضرت میکائیل علیہ السلام اسی قدر ملائکہ کے ہمراہ اور تیسری دفعہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ ہماری امداد کو آئے۔غرض دنیا میں پیغمبروں، اولیاء اور اللہ تعالیٰ کے دیگر مقبول بندوں کی امداد اور کفار نابکار کے استیصال اور ہلاکت کے لئے جب کبھی اس قسم کی غیبی لطیف امداد اور لشکر کی ضرورت پڑی ہے وہ تند ہوا یا مہیب بادل کی لطیف

رفاقت میں دنیا کے اندر بھیجی گئی ہے۔ سو ثابت ہوا کہ روحانی مخلوق کو اس مادی دنیا میں اتارنے اور بھیجنے کے لئے ہوا کی لطیف سواری لابد اور اشد ضروری ہے۔ خود اپنا دنیا کے اندر نزول اللہ تعالی لطیف بادل کی معیت میں فرماتے ہیں۔ قولہ تعالی ۔۔۔ عربی ۔۔ ترجمہ۔ کیا وہ اس بات کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تعالی آئے ان کے پاس بادل کے سائے میں اور فرشتے اور امر پورا ہو جائے۔ اور اللہ تعالی کی طرف تمام امور رجوع کرنے والے ہیں۔

عورت جب بالغ ہو جاتی ہے۔ اور اس کی زمین جسم تیار ہو جاتی ہے تو وہ مرد سے انسانی تخم حاصل کرنے کا تقاضا کرتی ہے اور فطرتاً بے تاب رہتی ہے۔ آخر جب اس کی زمین رحم میں انسانی نطفے کا تخم پڑ جاتا ہے تو وہ اندر ہی اندر نشوونما پانے لگتا ہے اور بطن مادر کے اندر رفتہ رفتہ درجہ بدرجہ تیار ہوتا رہتا ہے۔ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اسے مادی غذا ماں کے ذریعے اس کی غذا سے بذریعہ خون خام پہنچتی رہتی ہے۔ اور اسی مادی غذا سے اس کے عنصری جسم کی پرورش اندر ہی اندر ہوتی رہتی ہے۔ اس وقت سے اس میں جمادی روح پڑ چکی ہوتی ہے جو اس گوشت کے لوتھڑے اور مضغے کو منجمد رکھتی ہے۔ بعدہ اس میں نباتی روح پڑ کر اسے نشوونما دیتی ہے اور بڑھاتی ہے۔ مگر جوں ہی اس میں حیوانی روح تقریباً چھ ماہ کے بعد پڑ جاتی ہے وہ پیٹ میں ہلتا جلتا اور حرکت کرتا ہے اور اسے غذا ناف کی ڈنڈی کے ذریعے پہنچتی رہتی ہے۔ لیکن جوں ہی بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے۔ اور عالم امر کی انسانی روح اس میں ڈالی جاتی ہے تو وہ ہوا کے ذریعے سانس لینے لگ جاتا ہے۔ اور تار تنفس عالم امر سے ایک غیبی ڈنڈی کی شکل میں اس کے ساتھ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح ناک کے دونوں نتھنے اس کے لئے عالم امر کے ہر دو مثبت اور منفی یا جمال اور جلال کی برقی رو کے تار تنفس کے واسطے گذر گاہ بن جاتے ہیں اور نیز یہ تار تنفس روحانی غذا اور نیز خیالات اور قلبی واردات کا بھی رابطہ اور واسطہ بن جاتا

ہے۔ جس کا سلسلہ عالم امر کے روحانی اور باطنی پاور ہاؤس سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس سے انسانی قلب اور قالب کی ساری مشینری روشن اور چالو ہے۔ انسانی بدن کی ساخت پر غور کرو۔ اس میں دو نتھنے، دو کان، دو آنکھیں، دو ہونٹ، دو جبڑے اور دو ہاتھ حواس خمسہ کے دو قسم کی بجلی کے تاروں کو انسانی دل اور دماغ تک پہنچنے کی گذرگاہ اور واسطہ بنے ہوئے ہیں۔ اور انسانی جسم ایک برقی مشین ہے۔ جس میں مختلف برقی تاروں کے ذریعے مختلف قسم کی بجلیاں آتی جاتی ہیں۔ اور یہ مشین کسی خاص غرض کے لئے چالو ہے۔ غرض اس بدنی مشینری یعنی نفس کی زندگی کا مقصد اور نصب العین اپنے اور اپنے متعلقین کے عنصری وجود کے لئے غذا مہیا کرنا۔ ان کی حفاظت کرنا اور ان کی ظاہری و دنیوی ترقی کے اسباب سوچ کر ان پر عمل کرنا اور مادی رزق کے حصول کے علوم اور فنون حاصل کرنا ہے۔ ایسے نفس کے انسان دنیا میں عام طور پر بکثرت ہیں۔ لیکن بعض خاص سعادتمند مردان خدا ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کے اندر روز ازل سے ملکوتی استعداد اور قابلیت ودیعت کر دی گئی ہوتی ہے۔ ان کی زمین قلب میں ملکوتی تخم پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ سرسبز ہونے اور پھلنے پھولنے اور آب تربیت اور نشوونما حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے۔ وہ ملکوتی نطفہ حاصل کرنے کے لئے بے تاب اور بے قرار ہو کر آخر کسی مرد کامل سے جا ملتا ہے اور اس سے رحم قلب میں نوری ملکوتی نطفہ حاصل کر لیتا ہے اور جب اس میں وہ نوری نطفہ پڑ جاتا ہے تو باطن میں شیخ الامر و شیخ العلم اس کے دو روحانی ماں باپ بن جاتے ہیں جو اس کی باطنی تربیت اور روحانی پرورش پر مامور اور متعین ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ملکوتی جنین اپنی ملکوتی ماں کے ساتھ ایک باطنی نوری ناف کے رشتے سے وابستہ ہوتا ہے جسے رابطۂ شیخ کہتے ہیں۔ اسی نوری ناف سے اسے نوری ملکوتی غذا پہنچتی رہتی ہے اور اس کی پرورش ہوتی رہتی ہے۔ یہ نوری معنوی طفل جب بطن باطن سے باہر آتا ہے تو روحانی ملکوتی دنیا کے لازوال عالم میں قدم رکھتا ہے۔ یہ

نوری طفل مثل شہبازِ لامکانی عالم کون و مکان میں نہیں سماتا۔ وہ اپنے لطیف باطنی پروں کی ایک ادنی جنبش سے اقطار السموات و الارض سے پار ہو جاتا ہے۔ تمام مادی دنیا اس کے لیے بمنزلہ رحم مادر ہوتی ہے۔ اور عالم آب و گل اس کے لئے آشیانہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول برگزیدہ بندوں کی یہ ملکوتی شخصیتیں ملائکہ اور فرشتوں کے اخلاق کریمانہ سے متخلق ہوتی ہیں جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے جب عفت اور پاک دامنی کے امتحان میں شہوانی اور بشری نفسانی جذبات پر غالب آ کر اور زنا کے فعل شنیع سے کنارہ کر کے ملکوتی صفات کا مظاہرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے زنان مصر کی زبانی قرآن کریم میں آپ کی یوں توصیف اور تعریف فرمائی ۔۔۔ عربی ۔۔۔۔ یعنی خدا کی پناہ یہ انسان اور بشر نہیں ہے بلکہ یہ تو نرا پاکیزہ فرشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت، اطاعت اور ذکر فکر ایسے پاک ملکی صفات انسانوں کی قوت اور قوت بن جاتی ہیں۔ بعض خاص الخاص اخص انسان اس سے بھی آگے ترقی کرتے ہیں اور جر شتوں سے بھی باطنی مراتب میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے کامل عارفوں کو اپنے انوار سے منور کر دیتا ہے اور ان میں اپنی خاص روح پھونک دیتا ہے۔ ایسے برگزیدہ وجود مسعود والے سالک روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ برحق بن جاتے ہیں۔ اور نائب رسول صلعم اور اصلی حقیقی معنی میں آدم کی اولاد آدمی کہلاتے ہیں۔ فرشتے ان کی تعظیم کو جھکتے ہیں اور ان کا احترام کرتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ ۔۔ عربی ۔۔ ترجمہ۔ اور جب ہم اس میں اپنی روح پھونک دیں، تو اے ملائکہ تم اس کے لئے سجدے میں پڑ جاؤ۔ مقام غور ہے کہ انسان کس طرح بتدریج باطنی حالات اور معنوی انتقالات سے گذرتا ہوا کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ یعنی جماد سے بنات، بنات سے حیوان، حیوان سے انسان اور فرشتۂ رحمان کے مقام اور منزل میں پہنچ کر اس سے بھی آگے عروج کر جاتا ہے۔ اسی روحانی ترقی اور باطنی انتقال کو مولانا روم صاحبؒ اپنی مثنوی میں یوں بیان فرماتے ہیں:۔

از جمادی مردم و نامی شدم

وزنما مردم بہ حیواں سرزدم

مردم ازحیوانی و مردم شدم

پس چہ ترسم کہ زمردن کم شدم

جملہ دیگر بمیرم از بشر

تا بر آرم از ملائک بال و پر

بار دیگر از ملک قرباں شوم

آنچہ اندر وھم نایدآں شوم

میں جمادات سے فانی ہوا۔تو مجھ میں نشوونما پیدا ہوئی یہ نشوونما زایل ہوئی ۔تو میں عالم حیوانات میں آ گیا۔پھر حیوانی اجزا فانی ہوے تو میں انسان بن گیا۔پھر مجھے اس بات کا خوف نہیں ہے کہ اتنی بار مرنے سے مجھ میں کچھ کمی واقع ہوئی۔پھر تمام بشری قوتوں سے میں فانی ہو جاؤں گا۔تا کہ مجھ پر ملکوتی پروبال نمودار ہوسکیں۔پھر دوسری بار تمام ملکوتی صفات جب فانی ہو جائیں گی تو پھر میں وہ مقام حاصل کر پاؤں گا جو قیاس وگمان میں نہیں آ سکتا۔کبھی فرشتہ ہماری پاکیزگی پر ناز کرتا ہے اور کبھی شیطان کو بھی ہماری ناپاکی سے عار محسوس ہوتی ہے۔جب ہم سلامتی ایمان کے ساتھ قبر تک پہنچ جائیں گے تو پھر ہماری چستی اور چالاکی قابل تحسین وآفرین ہو گی۔

مذکورہ بالا ترقی نیک،سعید،پاک اورمقدس روحوں کو حاصل ہوتی ہے۔لیکن اس کے برعکس بد بخت ازلی شقی ناپاک روحوں کوترقی معکوس حاصل ہوتی ہے اور وہ انسان سے حیوان اور حیوان سے شیطان بلکہ اس سے بھی بدتر ہو جاتے ہیں۔پس انسان میں ہردو نیک اور بری استعداد موجود ہے۔اور بہت بھاری ابتلاء اورامتحان میں ڈال دیا گیا ہے۔بہت خوش قسمت ہے وہ شخص جو اس بھاری امتحان میں

کامیاب ہوگیا۔

گہ ناز کند فرشتہ بر پاکی ما
گہ دیو کند عار ز نا پاکی ما
ایماں چو سلامت بہ لب گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی ما

ہم یہاں اپنے مذکورہ بالا بیان اور انسانی خلقت کے مختلف درجات کی تائید میں یورپ کے ماہرین روحانیت یعنی سپر چولسٹ (SPIRITUALIST) کے کچھ مشاہدات اور تجربات بیان کرتے ہیں۔ جس سے زمانہ حال کے مغرب زدہ سائنس پروردہ دماغوں کو ایک گونہ تسلی اور تشفی ہو جائے کہ جو کچھ یہاں ہم بیان کر رہے ہیں۔ وہ ہر دو عقل و نقل، درائت و روائت، علم سلف اور علم خلف کے مطابق صحیح اور درست ہے۔ حال ہی میں یورپ کے سپر چولسٹوں نے برق حیات کی ایک نئی لہر دریافت کی ہے جسے ان کی اصطلاح میں اورا (AURA) کہتے ہیں اور وہ ایک باطنی برق حیات کا گول دائرہ ہوتا ہے جو ہر چیز کے اردگرد لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے سائنسدان اسے تسلیم کر چکے ہیں۔ چنانچہ سپر چولزم کے شعبہ کلیر وائینس (Clairvoyance) یعنی علم جدید روحانیت کے شعبہ روشن ضمیری میں اورا (AURA) یعنی حلقۂ برق حیات کو صاف اور ظاہر طور پر دیکھتے ہیں۔ وہ ہر چیز جماد، نبات، حیوان اور انسان کا اور مختلف قسم کا اور علیحدہ رنگ کا بتاتے ہیں۔ اس کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ تجربات اور مشاہدات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ نیند اور خواب کے وقت انسان کے وجود سے انسانی اور حیوانی اورا تو خارج ہو جاتا ہے لیکن جمادی اور نباتی اورا اس میں موجود رہتا ہے۔ اور موت کے وقت انسان سے انسانی، حیوانی اور نباتی اورا پے در پے خارج ہو جاتا ہے۔ صرف معدنی یا جمادی اورا اس میں باقی رہ جاتا ہے۔ اور وہ مٹی کا اورا ہے جو اپنے ہم جنس مٹی میں مل

جاتا ہے۔ سو معلوم ہوا کہ انسان میں جمادی، نباتی، حیوانی اور انسانی برق حیات موجود ہے۔ اور انسان سب کا جامع ہے۔ جماد ایک قسم کا، نبات دو قسم کا، حیوان تین قسم کا اور انسان چاروں قسم کے اور انکا لتا ہے اور اسی کے مطابق سانس لیتا ہے۔

انسان کے جسم میں دو سلسلے ہر وقت جاری رہتے ہیں۔ ایک تو ظاہری خارجی سانس اور تنفس کا سلسلہ ہے جو ہر دم میں جاری ہے۔ دوم باطنی داخلی خیالات کا سلسلہ ہے۔ یہ سلسلہ بھی کسی وقت انسان سے منقطع نہیں ہوتا۔ اور یہ ہر دو سانس اور خیالات کے سلسلے ہر وقت انسان کے جسم اور جان کے ساتھ لاحق اور وابستہ ہیں۔ اور ہر دو کا آپس میں بھی ایک مخفی اور پوشیدہ تعلق ہے۔ خیالات کا سانس میں بڑا دخل ہے۔ بلکہ سانس اور تنفس خیالات کا روزن اور دروازہ ہے۔ اس لئے بزرگان دین اور سلف صالحین نے ذکر کے لئے پاسِ انفاس اور حبسِ دم کے طریقے رائج کئے ہیں۔ اس کی فلاسفی اور حکمت یہ ہے کہ دل کی یہ ایک مخصوص صفت ہے کہ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی بات سوچتا یا معنوی طور پر بولتا یا دوسرے لفظوں میں کسی نہ کسی چیز کا ذکر کرتا ہے۔ یہ ذکر کی صفت، اس کی خلقت اور فطرت میں اس واسطے دائمی طور پر موجود اور جاری ہے کہ انسان کی خلقت اور فطرت کی بنیاد ہی اس معدن اذکار یعنی اسم اللہ ذات پروردگار سے پڑی ہے۔ اور انسان کا ہر وقت کوئی نہ کوئی بات سوچتے رہنا یا کسی نہ کسی چیز کا ذکر کرتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی باطنی حقیقت، اصلی فطرت اور حقیقی جبلت و سرشت ہی ذکر اسم اللہ ذات سے پڑی ہے جو کہ تمام اذکار کا اصل معدن ہے۔ اور تمام اشیاء کے اسماء بمعہ ان کے اذکار کے اسم اللہ ذات کے فروعات اور ظلال ہیں۔ اور اسم اللہ ذات سب اشیاء کائنات کی اصل ہے۔ قولہ تعالیٰ ۔۔۔۔۔ عربی ۔۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اور ہم نے مسخر کیا تمہارے واسطے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی (کے نام) سے۔ کیونکہ سب کا ظہور اسی کے نام سے ہے۔ اس کی تسخیر بھی اسی کے نام سے ہے۔ اسی آیت

کی تفسیر کی بابت حضرت ابن عباسؓ سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا۔
۔۔عربی۔۔یعنی ہر چیز کے اندر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے اور ہر چیز
کے اسم کا ظہور اللہ تعالیٰ کے اسم ذات سے ہے۔اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ
روح جب آدم علیہ السلام کے وجود میں داخل ہوئی اور اس نے مقام دماغ استخوان
الابیض میں قرار پکڑا تو اس نے کہا یا اللہ۔جب نور نیز اسم اللہ ذات سے دماغ آدم
روشن اور منور ہوا اور اس نے اس آفتاب عالم تاب کی طرف دیکھا تو اسے چھینک
آئی۔تب اس نے کہا الحمدللہ۔اور نفخت فیہ من روحی سے ثابت ہے کہ روح آدم علیہ
السلام کے وجود میں ہوا کے ساتھ پھونک دی گئی ہے۔سو مذکورہ بالا بیانات سے
روح کا ذکر اسم اللہ ذات اور نیز ذکر کا تمام اشیاء کائنات یعنی خیالات، سانس اور
تنفس کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق، تام جنسیت اور محکم رابطہ و رشتہ ہے۔ بلکہ یوں
معلوم ہوتا ہے۔کہ یہ تینوں ایک ہی چیز ہیں۔سو سانس اور تنفس کا ذکر اللہ تعالیٰ اور
خیالات و تفکرات کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے۔اسی تعلق کے انضباط اور استحکام کے
لئے ذکر اللہ کے ساتھ پاس انفاس اور حبس دم کے طریقے رائج کئے گئے ہیں۔سو
انسانی روح کی بنیاد اور سرشت اسم اللہ اور توحید سے پڑی ہے۔ ذکر اللہ سب کی
اصل ہے۔اور باقی تمام اشیاء کائنات اور عالم کثرت کا ذکر اس کی فروعات اور
ظلال ہیں۔جس وقت انسان اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے یعنی ذکر اسم اللہ کرتا ہے تو گویا
وہ اپنی اصلی صفت اور ازلی فطرت پر ہوتا ہے اور اپنی اصل کی طرف متوجہ اور راجع
ہوتا ہے۔لیکن جب وہ غیر اللہ کو یاد کرتا ہے تو یہ ذکر چونکہ عارضی ہوتا ہے۔اس لئے
اللہ تعالیٰ کے ماسوائے جملہ اشیائے کائنات کا ذکر اور ان کے خیالات انسانی قلب
اور دل کی اصلی صفت کے مخالف اور متعارض ہوتے ہیں اور دل کی اصلی صفت اور
حقیقی جبلت کو بگاڑ دیتے ہیں۔اور نیز اسم اللہ ذات کے لئے غیر ماسویٰ کا ذکر بادل
اور ابر کی طرح حجاب بن جاتا ہے۔نفس بھی اپنی مادی عنصری اشیاء خورد و نوش اور

دیگر مادی لوازمات اور ضروریات زندگی کی طلب میں رہ کر ہر وقت ان مادی اور غیر ماسوی اللہ اشیاء کو یاد کرتا رہتا ہے۔ اور حواس خمسہ کے ذریعے اپنی ضروریات کی تمام اشیاء کی یاد اور اسی قسم کی نفسانی خواہشات اور دنیوی خطرات کو دل تک پہنچاتا رہتا ہے۔ سو ان غیر اشیاء کے ذکر اور خیالات کی دل کی اصلی صفت اور حقیقی حیات ذکر اسم اللہ ذات کے ساتھ اندر ہی اندر مڈھ بھیڑ ہو جاتی ہے تو دل کی حقیقی فطرتی صفت ذکر اللہ کو آلودہ اور مکدر کر دیتے ہیں اور دل میں ذکر اللہ کا اثر نہیں ہونے دیتے۔ سو طریقۂ حبس دم اور پاس انفاس کی فلاسفی یہی ہے کہ ذاکر اور سالک دل کے دروازے یعنی سانس اور تنفس پر پاسبان اور چوکیدار کی طرح بیٹھ جائے اور اس کے اندر کسی غیر ماسوی اللہ نامحرم یعنی غیر خیالات کو اندر گذرنے نہ دے۔ اور اسے صرف گھر کے اصلی مالک اللہ تعالیٰ اور اس کے ذکر کی گذرگاہ بنائے رکھے۔ جیسا کہ کسی سالک نے کہا ہے:۔

مرا در دل بغیر از دوست چیزے در نمی گنجد
بخلوت خانۂ سلطاں کسے دیگر نمے گنجد
درون قصر دل دارم یکے شاہے کہ گر گاہے
زدل بیروں زند خیمہ بہ بحر و بر نمے گنجد
تنت گر ہمچو موئے شد حجاب جاں بود وے را
میان عاشق و معشوق موئے در نمے گنجد
حساب صد ہزار عاقل بمحشر بگذرد یک دم!
حساب یک دم عاشق بصد محشر نمے گنجد

میں محبوب کے سوا کوئی چیز سما نہیں سکتی۔ بادشاہ کی خلوت گاہ خاص میں غیر کی مجال نہیں۔ میرے دل کے محل میں ایک ایسا شہنشاہ جلوہ گر ہے اگر وہ دل کے باہر خیمہ لگانا چاہے تو بحر و بر میں بھی نہیں سما سکتا۔ اگر تیرا جسم بال کے برابر بھی ہو جائے تو وہ

بھی روح کے لئے حجاب ثابت ہوگا۔ عاشق اور معشوق کے درمیان ایک بال کے برابر بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ ہزار ہا عقلمندوں کا حساب کتاب محشر میں پل بھر کے اندر ممکن ہے۔ لیکن عاشق کے ایک لمحے کا حساب سینکڑوں محشروں میں نہیں ہوسکتا

ذکر اسم اللہ ذات اور ماسوئی خیالات کی مثال دل کے لئے اس طرح پر ہے جیسے کسی شہر کے اندر کوئی تالاب یا حوض ہے جس کے اندر میٹھا اور پاک پانی خود بخود زمین میں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلتا ہے۔ مگر اس میں بیرونی راستوں سے شہر کی غلیظ اور گندہ نالیوں کا پانی بہہ کر آ پڑتا ہے تو یہ لازمی امر ہے کہ بیرونی گندے مردار پانی کے آ پڑنے سے اس تالاب اور حوض کا اپنا اصلی میٹھا پانی پلید، مکدر، غلیظ، مردار اور بدبودار ہو جائے گا۔ اگر ان غلیظ گندہ نالیوں کے مردار پانی کو کچھ عرصے کے لئے اسی طرح تالاب میں پڑنے دیا جائے اور اسے بند نہ کیا جائے تو ضرور اس کی غلیظ تلچھٹ اور مٹی تالاب کی تہہ میں جم کر اس کے اصلی پھوٹنے والے چشموں اور راستوں کو بند اور مسدود کر دے گی اور بجائے پاک میٹھے تالاب کے وہ حوض ایک گندہ اور مردار چھپڑ بن جائے گا۔ اس کے پینے والے بیمار اور ہلاک ہو جائیں گے۔ انسانی دل کا بعینہ یہی حال ہے۔ اسم اللہ اور ذکر اللہ کا نور دل کے اندر سے اصلی پھوٹنے والے پاک میٹھے آب حیات کی طرح ہے۔ اور غیر ماسوئی کی یاد اور نفسانی خیالات ظلمت اور تاریکی کا سیاہ مادہ ہے جو حواس خمسہ کی نالیوں سے دل کے پاک چشمۂ آب حیات میں گندہ اور مردار پانی کی طرح آ پڑتا ہے اور دل کے آب حیات ذکر اللہ کو گندہ، مکدر اور بعدہٗ بند اور مسدود کر دیتا ہے۔ سو پاس انفاس اور دم حبس کے ذریعے دل کے روزن اور منفذ کو ان کے ماسوئی خیالات کی گندہ نالیوں سے جب محفوظ رکھا جائے۔ اور اسے اپنی صفت اور جبلت ذکر اللہ پر چھوڑ دیا جائے تو ضرور ایسے دل میں نور ذکر اللہ کے باطنی اور غیبی چشمے پھوٹ پڑتے ہیں اور ایسے ذاکر پر اسرار حق کھل جاتے ہیں۔

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند

گر نہ بینی سر حق بر ما بخند

ترجمہ۔اپنی آنکھوں،کانوں اورلبوں کو ماسوئی سے روک لے۔پھر اگر تجھے حق کا بھید معلوم نہ ہوتو ہمارا مذاق اڑا۔

باطنی ہمت،روحانی توفیق اوردل کی قوت اور طاقت بڑھانے کے لئے یک سوئی و یک جہتی یعنی اپنے تصوراور تفکر کو یکجا،متحد اور مجتمع کرنا نہایت ضروری اورلازمی امر ہے۔جس کو انگریزی میں کنسنٹریشن (CONCENTRATION) کہتے ہیں۔اسی پر تمام روحانی ترقی کا دارومدار ہے اوراسی پر کل سلوک باطنی کا انحصار ہے۔نیز ایک کلیہ قاعدے اور مسلمہ اصول کے مطابق خیالات اور تفکرات کا اتحاد اوراجتماع دل کی طاقت اور باطنی قوت کو بڑھانے کا موجب ہے۔اورخیالات کا انتشاراورانتشاردل کی کمزوری کا باعث ہے۔جیسا کہ لینز یعنی آتشی شیشہ میں سے جب کبھی آفتاب کی شعاعیں ایک نقطہ پر مجتمع ہوکر گذرنے لگتی ہیں۔تواس میں اس قدرحدت اورحرارت پیدا ہوجاتی ہے۔جس سے کپڑا وغیرہ جلنے لگتا ہےاور جب وہی شعاعیں منتشر کرکے اورپھیلا کر گذاری جائیں تو ان میں وہ حدت اورحرارت نہیں رہتی۔پس توحیداور وحدت کی طرف دل لگانا اس کی طاقت اورقوت کو گویا بڑھانا ہے۔اورعالم کثرت میں ڈالنا اس کی طاقت اورقوت کو ضائع کرنا اورکھونا ہے۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔آیا مختلف اورمتفرق معبود قائم کرنا زیادہ بہتر ہے یا ایک اللہ تعالی کی ذات واحد قہار کو پوجنا۔اسلام اوراسلامی تصوف تمام مذہبی اعمال اوردینی ارکان میں دل کی نیت اوراس کی یکسوئی اوریک جہتی پر زوردیتی ہےاوراسی کی تائیداورتاکید کرتی ہے۔انما الاعمال بالنیات یعنی عمل کارد،قبول اورنقص وصحت نیت پر منحصر ہے۔یعنی عمل کے وقت اگردل کی نیت محض اللہ تعالی کے لیے ہےتو وہ عمل قابل قبول ہے۔اوراگر کسی عمل کی نیت دنیوی اورنفسانی اغراض کی طرف راجع

اور مائل ہے تو وہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں رد اور مردود ہے۔ اسی لئے آیا ہے۔
۔۔عربی۔۔ یعنی نماز درست اور صحیح نہیں ہوتی جب تک نماز میں دل اللہ تعالیٰ کے
ساتھ حاضر نہ ہو۔ اسی طرح جملہ اسلامی ارکان میں دل کا اللہ تعالیٰ کی طرف مائل اور
راجع ہونا لازمی اور ضروری گردانا گیا ہے۔ تاکہ ہر فعل اور ہر عمل میں دل اللہ تعالیٰ کی
ذات کی طرف مائل اور راغب اور اس کے تصور اور تفکر میں محو اور منہمک ہو۔ اور یہی
بات دل کی یکسوئی، یک جہتی اور اس کے باطنی حواس تصور، تفکر، توجہ، توہم اور تصرف
کو ذکر اللہ اور اسم اللہ کے ایک ہی نکتہ اور مرکز توحید پر متحد اور مجتمع کرنے کا ذریعہ
ہے۔ دل اور قلب کی باطنی قوت اور روحانی طاقت بڑھانے کا باعث بھی یہی چیز
ہے اور یہی اسلامی توحید کی غرض و غایت ہے۔ اور یہی مذہبی اور روحانی تصور کا مرکز
ہے جسے ریلیجس کنسنٹریشن (Religious Concentration) کہہ سکتے
ہیں۔ برخلاف اس کے ہندو یوگ والے اور مسمریزم، ہپناٹزم اور ریچولزم والے
اپنا تصور اور توجہ ایک نکتۂ مفروضہ اور موہومہ پر جمانے اور باطنی طاقت بڑھانے کی
مشق کیا کرتے ہیں۔ اسلامی مذہب اور روحانیت کا مرکز تصور اسم اللہ ذات ہے۔
جو کہ مبداء و معاد تمام کائنات اور مخلوقات ہے اور جس کا تعلق اور کنکشن مسمیٰ کی اس
ذات لم یزل و لایزال، خالق و قادر بے مثل و بے مثال کے ساتھ ہوتا ہے لیکن یوگ
اور مسمریزم کے طریقے میں ایک روشن چیز یا ایک تاریک مفروضہ نکتے کے تصور
سے صاحب تصور اس چیز یا اپنے وجود سے باہر تجاوز نہیں کرسکتا۔ اس ہندو یوگی اور
یورپین مسمرسٹ اور سپرچولسٹ کا معاملہ عالم ناسوت کے ادنیٰ اور سفلی مقام تک محدود
رہ جاتا ہے۔ اور صاحب تصور اسم اللہ ذات کی ترقی کا میدان بہت وسیع لازوال اور
لامحدود ہے۔ مذہب اسلام اور اسلامی تصوف کا سب سے اہم اور ضروری رکن کلمۂ
طیب ہے۔ جس کے پڑھے بغیر نہ انسان مسلمان ہوسکتا ہے اور نہ اس کے ذکر کی
کثرت کے بغیر راہ سلوک طے ہوسکتی ہے۔ اس کلمۂ طیب کے ذکر نفی اثبات لا الہ

الا اللہ میں بھی یہی راز مضمر ہے کہ عالم کثرت کے سب باطل معبودوں اور جملہ عارضی مقصودوں اور تمام فانی موجودوں کو دل سے نکال کر ان کی نفی کر دی جائے۔ اور ایک اصلی حقیقی حی قیوم معبود بر حق کے ذکر اور خیال کو دل میں ثابت اور قائم رکھا جائے۔یہی اصل کار ہے اور اسی پر تمام مذہب و روحانیت کا دارومدار ہے۔

ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ دل کے خیالات کا دم اور سانس کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ عارف سالک کا دل ایک باغ کی طرح ہے۔سانس اور دم باد صبا کی طرح جب اس پر گذرتا ہے۔تو وہ اللہ تعالی کے ذکر کی خوشبو سے لدا ہوا باہر نکلتا ہے۔اور اللہ تعالی کے فرشتے اسے بہشتی حلوں میں لپیٹ کر اللہ تعالی کی جناب میں اس ذاکر عارف آدمی کی طرف سے بطور ایک نہایت قیمتی تحفے کے پیش کرتے ہیں۔اور وہ دم اس ذاکر عارف کے لئے بطور ایک گوہر بے بہا اس کے خزانہ آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔جو دم اور سانس عارف ذاکر کا واپس آتا ہے تو وہ اللہ تعالی کے فیض و فضل اور رحم و لطف سے معمور ہوتا ہے۔اور یہ دم اللہ تعالی کی طرف سے گویا ایک تحفۂ ذکر کا جواب اور انعام ہوتا ہے جس سے عارف سالک کے دل پر اللہ تعالی کے انوار فیض و فضل کی بارش ہوتی ہے۔اور سالک کا باغ دل سرسبز اور تازہ ہوتا ہے۔ایسے کامل مردان خدا کا دم اور سانس جب فضائے قلوب میں کسی زندہ اور حساس دل سے ٹکراتا ہے تو اس دل کو بھی اپنی خوشبو دار مہک سے معطر اور معنبر کر دیتا ہے۔کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو و سمن در آ
تو زغنچۂ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بچمن در آ
پے نافہ ہائے رمیدہ بو مپسند رحمت جستجو
بخیال از سر زلف او گرہے کشا بختن در آ

برخلاف اس کے مردہ دل نفسانی، فاسق، فاجر، مشرک اور کافر آدمی کا دل ٹٹی اور

پاخانے کی طرح دنیاوی اور نفسانی غلاظتوں اور گندگیوں سے بھرپور رہوتا ہے۔جب ایسے آدمی کے دم اور سانس کی بادسموم اس کے دل کا تعفن لے کر نکلتی ہےتو وہ شیطانی اور نفسانی زہریلی گیس کا گویا ایک بم گولہ ہوتا ہے جو ابلیس اور شیطان کی میگزین میں جمع ہوتا ہے۔اور وہاں سے حرص، طمع، حسد، کبر، شہوت وغیرہ کے جملہ شیطانی اور نفسانی بد اثرات لے کر آتا ہے۔ایسا دم اور سانس جس دل سے جا ٹکراتا ہے اسے بھی مسموم اور متعفن کر دیتا ہےاور بیمار کر کے ہلاک کر دیتا ہے۔غرض انسان جس وقت سانس لیتا ہےتو وہ سانس انسان کے دل اور ارواح کی بو اور صفت لے کر نکلتا ہے۔اور انسانی دم اور سانس سے اس کے دل کے خیالات اور دل کی صفت معلوم اور محسوس کی جاتی ہے۔لہٰذا انسان جب زبان سے ذکر کرے یا ظاہر اعضاء سے اطاعت اور عبادت کرے۔لیکن اس کا دل غیر اللہ خیالات اور تفکرات میں مصروف ہوتو وہ ذکر اور عبادت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اصل نظر نگاہ انسانی دل ہے نہ کہ اس کی زبان اور نہ ظاہری جسم اور اس کے اعمال۔حدیث۔۔۔عربی۔۔۔یعنی اللہ تعالینہ تمہاری ظاہری صورتوں اور نہ عملوں کو دیکھتا ہے بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔

یہ ستم ہے کہ تجھے ہوس سرو وسمن کی سیر پر آمادہ کرے۔تو کسی غنچہ سے کم کھلا ہوا نہیں ہے۔اپنے دل کا دروازہ کھول اور دماغ کے اندر داخل ہو جا۔ان کستوریوں کے پیچھے جن کی خوشبو اڑ رہی ہے۔جستجو کی زحمت نہ اٹھا۔اپنے خیال میں محبوب کی زلف کی گرہ کھول اور ملک ختن میں داخل ہو

بر زباں اللہ در دل گاؤ خر

ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

ترجمہ۔ظاہراً زبان پر اللہ کا نام ہو۔مگر دل میں گاؤ خر کا خیال ہوتو ایسی تسبیح کب اثر رکھتی ہے۔

انسان کا جسم جب نماز میں ہو۔اور دل اپنے دنیاوی کاروبار میں لگا ہوا ہو۔تو ایسی نماز قبولیت نہیں رکھتی۔

دل پریشان و مصلی در نماز
ایں نمازے کے پذیرد بے نیاز

غرض عارف روشن ضمیر لوگ کسی آدمی کے خیالات اور اس کے دل کی صفت ہوا میں اس کے دل کی باطنی رو سے معلوم کر لیتے ہیں۔کیونکہ انسان جب دل میں کچھ سوچتا ہے یا کسی کا ذکر کرتا ہے تو وہ گویا باطنی طور پر بولتا ہے۔اور اس کے دل کی یہ باطنی آواز قلوب کی باطنی فضا میں لہر اور تموج پیدا کر کے اس کا حلقہ بجلی سے زیادہ سرعت کے ساتھ دور دور تک پھیل جاتا ہے۔اور اس کے دائرے میں جس قدر قلوب آتے ہیں سب سے وہ آواز جا ٹکراتی ہے۔ہر زندہ بیدار اور حساس دل اس آواز کو سن لیتا ہے اور اس ذاکر اور یاد کرنے والے کو دیکھ بھی لیتا ہے۔لیکن جو دل پتھر کی طرح جامد اور مردہ ہوتے ہیں۔وہ اس باطنی آواز دل اور نظاروں سے بے بہرہ اور محروم ہوتے ہیں۔اس باطنی احساس کو کشف قلوب کہتے ہیں۔انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو یہ کمال بدرجۂ اتم حاصل ہوتا ہے۔نہیں دیکھتے کہ جس وقت مصر سے یوسف علیہ السلام کے بھائی پیرہن یوسفی لے کر کنعان کی طرف چلے تو یعقوبؑ نے اسی وقوف قلبی کے طفیل اپنے گھر والوں سے فوراً فرما دیا تھا

نمازی نماز پڑھ رہا ہے۔اور اس کا دل پریشان ہے۔وہ بے نیاز ذات اس قسم کی نماز کو کیوں کر قبول فرمائے

کہ۔۔۔عربی۔۔۔یعنی یعقوب علیہ السلام اپنے گھر والوں سے فرمانے لگے کہ مجھے تو یوسف کی بو آ رہی ہے۔اگر تم مجھے بے وقوف نہ بناؤ۔حضرت رسالت مآب ﷺ یمن کی طرف منہ کر کے حضرت اویس قرنی کے دل کی باطنی ریح اور بو محسوس کر کے فرمایا کرتے۔۔۔عربی۔۔۔یعنی مجھے یمن کی طرف سے صفت

رحمٰن کی بو اور ریح آتی ہے۔ ان ہر دو کلمات میں ریح یعنی ہوا کے لفظ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسانی خیالات اور دل اور روح کی بو اور صفت کا ریح یعنی ہوا کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ یہاں یہ بات بھی واضح کر دینی لازمی ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس قسم کا باطنی کشف انبیاء اور اولیاء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی معین اور خاص ضروری موقع کے لئے عطا کیا جاتا ہے۔ یعنی انہیں یہ باطنی بصیرت اور کشفی کمال ہر وقت اختیاری طور پر حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ جس طرح ہمیں دنیا میں مادی حواس دائمی طور پر حاصل ہیں کہ جس وقت اور جہاں چاہیں انہیں استعمال کر سکتے ہیں اور ان سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض باتیں اپنے خاص مقبول بندوں سے مصلحتاً چھپا رکھتا ہے۔ جیسا کہ گھر کا مالک اپنے گھر کے بندوں سے بعض چیزیں چھپا رکھتا ہے۔ یا بعض امور مصلحتاً ان سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ یا بعض دفعہ انسان ایک طرف دیکھ رہا ہوتا ہے تو دوسری طرف کی چیزیں اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔

انسان خواہ باطن میں خواص انبیاء عظام ہوں یا اولیاء کرام اور خواہ ظاہر بین عوام ہوں ان کے علوم اور احساس کا دائرہ محدود ہوا کرتا ہے۔ اور خواہ کوئی انسان کتنا ہی عظیم المرتبہ اور منزہ صفات کیوں نہ ہو جائے اور کتنا ہی اللہ تعالیٰ کے قریب اور اس سے واصل ہو جائے اور اس کی ذات میں فنا اور بقا حاصل کر کے اس کے ساتھ زندۂ جاوید ہو جائے وہ پھر بھی حدوث اور امکان کے داغ سے داغدار رہتا ہے۔ اور یہ داغ ہمیشہ کے لئے اس سے کبھی نہیں مٹ سکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں پر گاہ گاہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی، صفاتی، اسمائی اور افعالی تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ اور وہ حسب حیثیت اپنے باطنی ظرف کے مطابق اللہ تعالیٰ کے انوار کا انعکاس قبول کرتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ان مقبول بندوں پر اس خاص حالت میں اللہ تعالیٰ کا اطلاق ہو سکتا ہے اور ان کے قول، فعل اور عمل کو اللہ تعالیٰ کا قول، فعل اور عمل کہہ سکتے

ہیں ۔لیکن اللہ تعالیٰ پر کسی حالت میں بندے کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔اس لئے قرآن کریم میں آیا ہے۔۔۔عربی ۔۔یعنی وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم بن گیا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کے انسانی روپ میں آ گیا۔ برخلاف اس کے اگر یوں کہا جاتا کہ جیسے ابن مریم نے خدائی نور اور روح القدس سے بھر کر خدائی کام کیے تو یہ کفر کی بات نہیں ۔اول الذکر لوگ حلول کے قائل ہیں۔ اور یہ نیا مذہب اہل اوتار کا ہے جو کہتے ہیں کہ خدا کبھی کبھی انسانی بھیس میں دنیا میں آتا ہے۔اور موخر الذکر لوگ اس اعتقاد کے قائل ہیں جو صحیح بخاری کی اس حدیث سے واضح ہے۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔ بندہ زائد عبادت اور اطاعت سے میرے نزدیک ہو جاتا ہے۔یہاں تک کہ میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں۔وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔اور اس کے کان بن جاتا ہوں۔وہ مجھ سے سنتا ہے۔اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں۔وہ مجھ سے پکڑتا ہے۔اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں وہ مجھ سے بولتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی اس حدیث کے مطابق آئتیں موجود ہیں۔ ۔۔عربی۔۔یعنی میرا نبی ہوا سے نہیں بولتا۔ بلکہ اس کا بولنا عین اللہ تعالیٰ کی وحی اور القاء ہے۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔اے میرے نبی! تو نے کافروں کی طرف کنکریاں نہیں پھینکی تھیں بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔ اے میرے نبی! جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں وہ عین اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں۔کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تیرے ہاتھ کے اوپر ہے۔سو اس قسم کا اعتقاد آیات اور احادیث سے صحیح اور درست ثابت ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا
او نشیند در حضور اولیا

اولیا الله و الله اولیا

ہیچ فرقے درمیاں نہ بود روا

ترجمہ۔اس کا کہنا اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔چاہے وہ اللہ کے بندے کی زبان سے ادا ہو۔جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بیٹھنے کا آرزومند ہے وہ اس کے اولیاء کی مجلس میں بیٹھتا ہے۔

اور کسی بزرگ کا یہ قول اس کے مطابق ہے۔

مردان خدا خدا نہ باشند

لیکن زخدا جدانہ باشند

ترجمہ۔خدا کے مقبول بندے خدا تو نہیں ہوتے لیکن وہ خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے۔

جس کا اردو ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔

آدم کو خدا مت کہو آدم خدا نہیں

لیکن خدا کے نور سے آدم جدا نہیں

حضرت یعقوب علیہ السلام کے مصر سے پیراہن یوسفی کی بو معلوم اور محسوس کرنے کے ضمن میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کا مطلق کوئی علم نہ تھا۔اگر علم ہوتا تو کنعان کے کنوئیں میں سے انہیں جا کر کیوں نہ نکال لائے۔سو یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی نسبت اس قدر علم تو ضرور تھا کہ انہیں بھیڑیوں نے نہیں کھایا بلکہ وہ زندہ ہے۔اس لیے آپ نے بیٹوں کے ان بہانے کو جھٹلاتے ہوئے فرما دیا تھا کہ۔۔۔عربی۔۔ترجمہ۔یعنی یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نہیں کھا گئے بلکہ تم اپنی طرف سے جھوٹا منصوبہ بنا لائے ہو۔اور دوسری بار جب آپؑ اپنے بیٹوں کو غلہ لانے کے لئے مصر بھیج رہے تھے تو انہیں یہ تلقین فرمائی کہ۔۔عربی۔

جولوگ اللہ تعالیٰ کی ذات میں فنا حاصل کر لیتے ہیں۔یعنی اپنی ذات کو بالکل مٹا کر اللہ تعالیٰ کی ذات سے واصل ہو جاتے ہیں۔اس وقت وہ جو کچھ کہتے ہیں۔وہ ایک طرح پر اللہ ہی کا کہنا ہوتا ہے۔چاہے وہ اس بندے کے منہ سے ہی نکلتا ہے

یعنی اے فرزند جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کو ڈھونڈ لاؤ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا تھا کہ۔۔۔عربی۔۔یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ ہر دو یوسف اور اس کے بھائی کو لاکر مجھے ملا دے گا۔یعقوب علیہ السلام باوجود علم غیبی اور کشف باطنی کچھ تو بسبب ضعف بشری اندیشناک اور تذبذب میں رہے۔اور کچھ اللہ تعالیٰ کے امتحان صبر سے خائف تھے۔اور فرماتے رہے۔ فصبر جمیل صبر ایک عمدہ فعل ہے۔ورنہ آپ اپنے گھر میں ہر وقت یوسفؑ کی باتیں کرتے رہتے کہ اب وہ فلاں جگہ ہے اور فلاں کام کر رہا ہے۔اور بھائی آپ کی ان باتوں کو آپ کے جنون اور مالیخولیا سے تعبیر کرتے۔حالانکہ وہ صحیح کشف ہوتا۔ یعقوب علیہ السلام کا یہ امتحان کا معاملہ بعینہٖ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرح تھا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی فرمائی کہ اپنے بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دے تو ساتھ ہی یہ بھی وعدہ فرما دیا تھا کہ۔۔۔عربی۔۔یعنی ہم اس بچے کو پھر تمہارے پاس زندہ سلامت پہنچا دیں گے اور اسے پیغمبر بنائیں گے۔لیکن باوجود اس صحیح بشارت اور باطنی بصارت کے اس کا دل بے قرار اور بے صبر رہا۔۔عربی۔۔۔موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل اتنا بے قرار ہوا کہا سارا معاملہ ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کا دل مضبوط نہ کرتے۔تاکہ ہمارے وعدے پر اسے ایمان اور اطمینان ہو۔سو پیغمبروں اور اولیاءکو باوجود کشف صحیح اور بصارت باطنی پھر بھی بسبب ضعف بشری خدشہ اور اندیشہ لاحق رہتا ہے۔اور داغ بشریت کسی وقت انسان سے دور اور زائل نہیں ہوتا۔اور یہی وہ چیز ہے جو عبد کو معبود اور بندے کو خدا سے جدا اور ممیز کرتی ہے۔اگر خدا کے خاص بندوں کو علم غیب حاصل

نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی کیوں فرماتے۔۔
عربی۔۔ترجمہ۔ عیسیٰ علیہ السلام نے کہ میں (اپنے خداداد علم سے) تمہیں بتا سکتا ہوں کہ جو کچھ تم اپنے گھروں میں روزانہ کھایا کرتے ہو۔اور جو کچھ تم آئندہ کے لئے ذخیرہ جمع رکھتے ہو۔ غرض اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کو اپنے اوپر قیاس نہیں کرنا چاہیئے جیسا مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
آں یکے شیر است کہ مردم رادرد
ویں دگر شیر است کش مردم خورد
گر بصورت آدمی انساں بدے
احمدؐ و بوجہل ہم یکساں بدے

سو ذکر میں اصل معاملہ دل کا ہے۔ظاہری صورت اور خالی زبانی ذکر کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ بہت لوگ ساری رات زبانی ذکر کیا کرتے ہیں لیکن ان کا دل ذکر سے غافل ہوتا ہے اور بعض ایسے عارف کامل ذاکر ہیں جو مطلق زبان نہیں ہلاتے۔لیکن ان کا لطیفۂ دل ذکر اللہ سے گویا ہوتا ہے۔

بدل مذکر حق باش ورنہ طوطی ہم
بصوت و حرف خدا را کریم مے گوید

محبان حق اور عارفان الٰہی کا ہر ایک سانس گویا محبت اور شوق الٰہی سے بھرا ایک باطنی پیغام اور روحانی پروانہ ہوتا ہے۔جو تار برقی اور لاسلکی رو کی طرح اللہ تعالیٰ کی پاک بارگاہ میں جا پہنچتا ہے۔اور ذاکر کی طرف سے اپنے شوق اور محبت کا عرض حال گذارتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے قرب وصال اور مشاہدے کے انوار لے کر آتا ہے۔اسی طرح ذاکر مذکور،عبد معبود اور محبّ اور محبوب کے درمیان فاذکرونی اذکرکم (تم مجھے

یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا) کی تار برقی اور یا تجھم وتحبونہ (محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں) کی لاسلکی رو جاری رہتی ہے۔انسان کو چاہیئے کہ دل سے ہزار

پاک لوگوں کے اعمال کو اپنے پر قیاس نہ کر، اگر چہ لکھنے میں شیر اور شیر یکساں ہیں۔ ان میں ایک تو شیر وہ ہے جو لوگوں کو پھاڑتا ہے اور دوسرا شیر (دودھ) ہے جسے لوگ پیتے ہیں۔اگر آدمی شکل اور صورت کے اعتبار سے ہی انسان ہوتا تو حضور رسالت مآبؐ اور ابو جہل بھی برابر ہوتے۔تو اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کا ذاکر ہو ورنہ طوطی بھی حرف اور آواز کے ساتھ خدا کو کریم کہتی ہے۔۔۔۔۔

دفعہ اللہ تعالیٰ کا نام اور زبان سے ایک دفعہ اللہ کہے۔لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہے۔لوگ ہزاروں لاکھوں دفعہ اللہ اللہ کرتے ہیں۔انگلیاں تسبیح کے دانے اور منکے پھیرتے پھیرتے تھک جاتی ہیں۔اور تسبیح کے تاگے ٹوٹ جاتے ہیں لیکن دل کو آگاہی اور خبر بھی نہیں ہوتی۔جیسا کہ میر صاحبؒ فرماتے ہیں۔

ہر چند کہ طاعت میں ہوا ہے تو پیر
یہ بات مری سن کہ نہیں بے تاثیر
تسبیح بکف پھرنے سے کیا کام چلے
منکے کی طرح من نہ پھرے جب تک میر

یہ فقیر ایک دفعہ رمضان کے آخری عشرے میں ایک مسجد کے اندر معتکف تھا۔ وہاں ایک اور شخص بھی اعتکاف کی نیت سے مقیم تھا جو بڑا شب بیدار اور محنتی معلوم ہوتا تھا۔عشاء سے لے کر صبح تک ساری رات اللہ اللہ کیا کرتا تھا۔ایک دن میں نے اس سے پوچھا کہ بندۂ خدا! تم بہت محنت کرتے ہو۔اس نے مجھے بتایا کہ مجھے اپنے مرشد نے بارہ ہزار دفعہ اللہ اللہ پڑھنے کا روزانہ امر فرمایا ہے۔سو میں بمشکل ساری رات میں اس کو ختم کرتا ہوں۔ میں نے پھر اس سے دریافت کیا کہ تم نے کتنے

عرصے سے یہ محنت شروع کر رکھی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تقریباً دس سال سے روزانہ بلا ناغہ یہ محنت اور مجاہدہ کر رہا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اس محنت کا کوئی پھل اور اس مجاہدے کا کوئی مشاہدہ بھی تمہیں باطن میں حاصل ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ کچھ نہیں۔ صرف اس قدر ہے کہ مرشد کا امر پورا کر رہا ہوں اور جس روز یہ امر پورا ہو جاتا ہے اس روز نفسیاتی اثر کے تحت دل خوش اور مطمئن رہتا ہے کہ فرض ادا کیا ہے۔ اور اگر کوتاہی ہو جائے تو دل پریشان رہتا ہے۔ میں نے کہا۔ میاں! تمہاری محنت تو بڑی ہے لیکن مزدوری خاک اور صفر ہے۔ اس نے کہا کہ مرشد کا فرمان پورا کرنا فرض ہوا کرتا ہے۔ میں نے کہا ایسے بے اثر اور بے نتیجہ فرمان سے کیا حاصل۔ خیر وہ بے چارہ اپنے کام میں لگا رہا اور میں نے اسے زیادہ چھیڑنا مناسب نہ سمجھا۔ ایسے ہزاروں لوگ بے جا اور بے طریقہ رائیگاں سخت محنت اور ریاضت کرتے ہیں اور انہیں مقتضائے عاملۃ ناصبۃ سوائے محنت اور تھکاوٹ کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ حی قیوم زندہ اور پائندہ ذات ہے۔ اور وہ سمیع بصیر یعنی شنوا اور بینا ہے۔ اور نیز قریب مجیب یعنی قریب اور جواب دینے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات (معاذ اللہ) کوئی ٹھوس جامد بت نہیں کہ بندہ اسے پکارے یا اللہ اور وہ جواب نہ دے لبیک یا عبدی یعنی اے بندے میں حاضر ناظر ہوں اور کوئی وجہ نہیں کہ انسان اس کی خالص عبادت کرے یا اس کے نام پر پاک اور طیب مال بے ریاء دیوے اور اللہ تعالیٰ غنی اور کریم ہونے کے باوجود اسے معاوضے اور انعام سے سرفراز نہ فرماوے۔ جس ذکر، فکر، دعا، عبادت اور خیرات وصدقات پر فوری اثر اور نتیجہ مترتب نہ ہو اور بندے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بابت خواب، مراقبے یا بیداری میں کوئی اعلام یا الہام نہ ہو تو سمجھ لو کہ وہ دعا، صدقہ اور عبادت وغیرہ قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچا اور ان کی شرائط اور لوازمات وغیرہ میں کوتاہی رہ گئی ہے۔ اور بسبب باطنی نقص اور عیب وہ چیز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت حاصل نہیں کر سکی۔

ورنہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ہر عمل اور ہر عبادت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے طرح طرح کی بشارتیں اور غیبی اشارتیں پہنچتی رہتی ہیں۔۔۔عربی۔۔ترجمہ۔تحقیق وہ لوگ جنہوں نے اقرار کیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس اقرار پر عملی طور پر بھی قائم رہے۔تو ہم ان پر فرشتے نازل کرتے ہیں۔جو انہیں بشارتیں دیتے ہیں کہ کسی قسم کا غم اور خوف نہ کرو۔اور جنت کی بشارت سے خوش رہو جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ ہم یہاں دنیا میں اور نیز آخرت میں تمہارے یار اور مددگار ہیں۔

انسان کو چاہیئے کہ عبادت، طاعت، دعوت اور ذکر فکر میں حضور دل کو ضروری اور لازمی جانے۔اپنے سانس اور دم پر نگاہ رکھے کہ کوئی دم اور سانس ذکر اللہ کے بغیر نہ نکلے۔کیونکہ جو سانس اللہ تعالیٰ کے خیال اور تصور سے نکلتا ہے وہ ایک گوہر بے بہا بن کر ذاکر کے لئے خزانہ آخرت میں جمع ہوتا ہے۔

ہر دم کہ میرود نفس از عمر گوہر یست

کا نزاخراج عمر دو عالم بود بہا

ترجمہ۔زندگی کے ہر دم کا جو سانس جاتا ہے وہ ایک ایسا گوہر ہے جس کی قدر و قیمت دونوں جہاں کی عمر کے برابر ہے۔

کیونکہ جو دم گذر جاتا ہے وہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے اس کا واپس آنا محال ہے۔اور جو آئندہ آنے والا ہے، خدا جانے وہ آئے یا نہ۔غرض دم ماضی اور دم مستقبل ہر دو اختیار اور اعتبار سے باہر ہیں۔انسان صرف اسی ایک ہی دم کا مالک ہے جو زمانہ حال میں جاری ہے۔اگر یہ دم اللہ تعالیٰ کے خیال خاص اور ذکر با اخلاص سے نکل گیا تو یہ سمجھو کہ گوہر بے بہا بن گیا جس سے دارین کی دولت اور کونین کی سعادت خریدی جاسکتی ہے۔اور اگر یہ دم غفلت میں گذر گیا یعنی نفس و شیطان اور دنیا کے خیال میں گذر گیا تو یہ جانو کہ یہ دم نہیں تھا جو ہوا میں اڑ گیا۔بلکہ دار آخرت اور عالم عقبیٰ میں ابدی عذاب اور لازوال آلام کا پہاڑ بن کر ٹوٹ پڑے گا۔لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ دم

کی قدر جانے۔

نگہدار دم را کہ عالم و مے است
دمے پیش دانا بہ از عالمے است
سکندر کہ بر عالمے حکم داشت
در آن دم کہ بگذشت عالم گذاشت
میسر نہ بودش کہ زو عالمے
ستانند و مہلت و ہندش دمے

ترجمہ۔اپنے دم (سانس) کی حفاظت کر کیونکہ دنیا بھی ایک دم ہی ہے۔اور دانا کی نظر میں ایک دم بھی عالم سے بہتر ہے۔سکندر جو دنیا کا حکمران تھا۔جس وقت وہ فوت ہوا اس نے دنیا کو چھوڑ دیا۔اسے یہ بات حاصل نہ ہوسکی کہ اس سے دنیا کا ایک قطعہ لے کر (اس کے بدلے) مزید پل بھر کی مہلت مل جائے۔

کہتے ہیں کہ ایک بزرگ کا اپنے طالبوں،مریدوں کے ہمراہ چند قبروں پر گذر ہوا۔آپ وہاں فاتحہ پڑھنے کے لئے چند منٹ ٹھہرے اور بعدہ ان کے احوال کی طرف متوجہ او رمراقب ہوئے جب آپ مراقبے سے فارغ ہوئے تو آپ نے ایک دردبھری آہ نکالی اور آبدیدہ ہوئے۔مریدوں نے دریافت کیا کہ جناب یہ کیا حالت ہے۔فرمایا کہ یہ چند قبریں جن لوگوں کی ہیں۔یہ دنیا میں بڑے زاہد،عابد اور پرہیز گار گذرے ہیں۔لیکن دنیا میں معدودے چند دم اور سانس ان کے اللہ کی یاد سے غفلت میں گذر گئے تھے۔ان چند دموں اور سانسوں کی نسبت ان کے دلوں میں اس قدر حسرت اور ارمان ہے کہ اگر ان میں سے ایک اہل قبر کی حسرت اور ندامت نکال کر تم سب کے دلوں میں تقسیم کر کے ڈال دی جائے تو خدا کی قسم تم سب پاگل اور دیوانے ہو جاؤ گے۔غرض موت کے بعد انسان کو اس بات کا غم نہیں ہوتا کہ وہ اپنے پیچھے عزیز بچے،پیاری بیوی،بھائی بہن،دوست آشنا،مال و دولت،

پیارا وطن اور گھر بار وغیرہ چھوڑ آیا ہے۔ اسے جب معلوم ہوتا ہے کہ بازار آخرت میں اللہ تعالی کے ذکر، یاد الٰہی اور طاعت وعبادت کے بغیر اور کوئی دام نہیں چلتا۔ اور نہ اس سچے سکے کے بغیر کوئی کام نکلتا ہے تو انہیں اگر کوئی غم اور درد ہوتا ہے تو صرف اس بات کا ہوتا ہے کہ ہائے عمر گراں مایہ کی وہ زریں قیمتی گھڑیاں اور تار تنفس کی سنہری کڑیاں ہاتھ سے نکل گئی ہیں۔ جن کے ایک ایک تار تنفس میں زندگی کا اصلی گوہر مقصود پرویا ہوا تھا۔ صد افسوس، دن رات میں چوبیس ہزار دم حاصل تھے۔ اور ہر دم میں اللہ تعالی کے قرب، مشاہدے اور وصل وصال کے موقعے شامل تھے۔ اب ان میں سے ایک بھی واپس ہاتھ آنے کا نہیں۔ ہائے غفلت اور نادانی۔ اب وہ چابی گم ہوگئی ہے جس سے اللہ تعالی کے قرب کا دروازہ کھولا جا سکتا ہے۔

دلا تو غافلی از کار خویش و مے ترسم
کہ کس درت نہ کشاید چو گم کنی مفتاح

غرض اس عمر عزیز اور اس کے قیمتی اور زریں دموں کی قدر و قیمت موت کے بعد معلوم ہوگی جب کہ یہ ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اور نادان انسان بے چارا غفلت کا مارا زار زار پکارے گا۔۔۔عربی۔۔۔ یعنی ہائے افسوس اس بات پر کہ میں نے اللہ تعالی کے قرب میں کس قدر کوتاہی کی۔ اور میں نے تو ٹھٹھے اور مسخری میں عمر گذار دی۔

سو اے عزیزو! ان چند دموں کو جو تمہیں اس زندگی میں حاصل ہیں، غنیمت جانو۔ اگر ان میں سے ایک بھی اللہ تعالی کی یاد میں گذر گیا تو تمام دنیا کی بادشاہی سے بہتر ہے۔ خاقانی مرد حقانی نے کیا اچھا کہا ہے

اے دل تو اپنے کام سے غافل ہے اور مجھے اس بات کا ڈر لگتا ہے کہ اگر تجھ سے کلید گم ہوگئی تو کوئی تیرا دروازہ نہیں کھول سکے گا۔۔۔۔۔

پس از سی ۳۰ سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
که یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

ترجمہ۔خاقانی کوتیس سال بعد اس حقیقت کا علم ہوا کہ ایک دم باخدا رہنا سلیمانؑ کے ملک سے بھی بہتر ہے۔

اے مرد خدا عقل سے کام لے۔ دم کے اس گراں مایہ کو فضول اور لایعنی اشغال اور لہو ولعب میں ضائع نہ کر۔ ورنہ سخت پچھتائے گا۔ انسانی زندگی کا اصل مقصد عبادت اور معرفت ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔۔۔عربی۔۔۔یعنی ہم نے جن اور انسان نہیں پیدا کیا مگر اس لئے کہ وہ ہماری عبادت کریں۔ اور عبادت کا مقصد معرفت ہے جیسا کہ اس حدیث قدسی سے ظاہر ہے۔۔عربی۔ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو میں نے (اپنی معرفت اور پہچان کے لئے) مخلوق کو پیدا کیا۔ اور نیز ازل کے روز جب اللہ تعالیٰ نے ارواح مخلوق کو مخاطب کر کے فرمایا۔۔عربی۔۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ تو اس زبانی (Oral) سوال سے بھی اللہ تعالیٰ کی غرض و غایت اپنی معرفت اور پہچان معلوم ہوتی ہے۔ کہ آیا تم مجھے اپنا رب جانتے ہو یا نہ۔ تو ارواح نے جواب دیا۔ بلیٰ۔ یعنی ہم پہچانتے ہیں کہ تو ہمارا رب ہے۔ غرض مخلوق کی پیدائش کا اصلی مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان ہے۔ بعض نادان، حریص، کورچشم طالب دنیا او حصول معاش کو ہی زندگی کا اصلی مقصد اور عبادت خیال کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ خدمت خلق ہی اصلی عبادت ہے۔ اور نماز، روزہ، تلاوت، ذکر، فکر اور عبادت و طاعت کو تضیع اوقات اور رہبانیت کی مشق خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیت کے دوسرے حصے میں ان کے اس دعویٰ کو صاف طور پر رد کر دیا ہے۔ اور۔۔۔۔عربی۔۔۔کے بعد صریح طور پر فرمایا ہے۔۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔ ہمارا منشاء ان سے رزق پیدا کرنے کا ہرگز نہیں ہے اور نہ ہماری یہ خواہش ہے کہ وہ

ہماری مخلوق کو طعام پہنچائیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود رازق مطلق اور زبردست قوت اور طاقت والا ہے۔یعنی وہ تمام مخلوق کیا چرند اور کیا پرند، کیا جن اور کیا انس، سب کو رزق پہنچانے سے عاجز اور کمزور نہیں ہے۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سر گشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو انسان اور جنات کے رزق اور پرورش کی خدمت پر لگا دیا ہےاور انسان اور جنات کو محض اپنی عبادت اور معرفت کے لئے پیدا کیا ہے۔۔۔عربی۔۔۔یعنی اے میرے بندو! آسمان اور زمین کے اندر جس قدر چیزیں موجود ہیں وہ سب میں نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں۔لیکن تمہیں اپنے لئے پیدا کیا ہے۔

کارساز ما بفکر کار ماست
فکر ما در کار ما آزار ماست

۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اس کی روزی۔ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ انسان کے وجود میں روح ہوا کے ذریعے پھونکی گئی۔اور روح جب آدم کے وجود میں داخل ہوئی تو اس نے اسم اللہ کہا۔سو انسان کی فطرت اور خلقت کی بنیاد اسم اللہ کے نور سے پڑی ہے۔اور اپنی اسی اصل کی طرف رجوع کرنا اور اسی حقیقی سرشت کے ساتھ موافقت پیدا کرنا، اور اپنے آپ کو اپنے اصل اور معدن تک پہنچانا یعنی ذکر اللہ سے مذکور اللہ تعالیٰ تک اور اسم سے مسمّٰی تک پہنچنا اس کا حقیقی فطری فعل اور زندگی کا اصلی مقصد ہے۔انسان کے اندر ہر وقت کسی نہ کسی شے کی یاد اور ہر وقت خیالات اور ذکرات کا تسلسل اسی اسم اللہ ذات کے تاثرات اور مقتضیات سے ہے۔سو انسان کی سرشت اور فطرت میں اسم اللہ کا

نور اور اس کا ذکر بطور تخم ودیعت رکھ دیا گیا ہے۔ انسان فطرتاً اپنے خالق مالک کے ساتھ

بادل، ہوا، سورج، چاند اور آسمان سب اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں تاکہ تو ایک روٹی حاصل کرے اور غفلت سے نہ کھائے۔ سب کے سب تیرے لئے سرگرداں اور فرماں بردار ہیں۔ یہ انصاف کی شرط نہ ہوگی اگر تو فرماں برداری اختیار نہ کرے۔۲۔ ہمارا کارساز مطلق ہمارے کام کی فکر میں ہے۔ کام کے اندر ہمارا فکر ہی مصیبت کا باعث بنتا ہے

اسی مخفی باطنی رابطے اور غیبی رشتے کے ذریعے وابستہ ہے۔ اسی لئے ہر مذہب خصوصاً مذہب اسلام کے تمام دینی ارکان اور شرعی اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور کلمہ وغیرہ کا دارومدار اور انحصار اسم اللہ اور ذکر اللہ پر ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ اسلامی فطرت لے کر دنیا میں آتا ہے۔ اور نیز اللہ تعالی کا یہ قول بھی اسی کی تائید میں ہے۔۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔ پس تو اپنا رخ دین حنیفی یعنی توحید کی طرف پھیر جو کہ اللہ تعالی کی بنائی ہوئی ازلی اور اصلی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ سو چاہیئے کہ اللہ تعالی کی اس ازلی فطرت اور اصلی خلقت میں تبدیلی واقع نہ ہو۔ یہی ہے دین محکم اور مضبوط۔ لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ غرض اسلام وہ خاص حقیقی اور اصل توحیدی دین ہے جس کا تخم اللہ تعالی نے روز ازل سے بطور امانت ودیعت انسان کی سرشت اور پیدائش میں رکھ دیا۔ ہے۔ پس اسی اصلی ودیعت کے سلامت رکھنے کا نام اسلام ہے۔ اور اسی ازلی امانت کا مامون اور محفوظ رکھنا عین ایمان ہے اور اسی فطرت کی طرف اس حدیث شریف میں اشارہ ہے۔۔۔۔عربی۔۔۔ یعنی ہر بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے تو اس کی فطرت اسلام پر ہوتی ہے۔ لیکن بعدہ والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔ یعنی والدین اپنے آبائی اور تقلیدی دین کا جوا اس کے گلے میں

ڈال کر اسے مشرک بنا لیتے ہیں۔اور یہی شیطان کا بڑا زبردست حیلہ اور فریب ہے کہ وہ انسان کی اصلی دینی فطرتی اور ازلی مذہبی خلقت کو بگاڑ دیتا ہے۔ ۔۔۔عربی۔۔۔۔ترجمہ۔اور شیطان نے اللہ تعالیٰ کو جواب دیا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک بڑے حصے کو پکڑ لوں گا۔اور انہیں گمراہ کر دوں گا اور انہیں طرح طرح کی جھوٹی تسلیاں دوں گا۔اور سبز باغ دکھاؤں گا۔اور وہ ان جاہل حیوانوں کے کان کتر ڈالیں گے (یعنی انہیں اپنے تقلیدی دین کا حلقہ بگوش اور تابعدار بنا ڈالیں گے)اس کے بعد انہیں امر کروں گا۔تو وہ اللہ تعالیٰ کی اصلی خلقت کو بگاڑ کر رکھ دیں گے۔آیت۔۔۔۔۔عربی۔۔۔اور حدیث۔۔عربی۔۔۔میں جس فطرت دینی اور سرشت ازلی کی طرف اشارہ ہے۔وہ نور پیدائشی طور پر بچپن میں بچے کے حواس سے ٹپکتا ہے اسی لئے بچہ کائنات کی جملہ اشیاء کو اپنے حقیقی رنگ میں دیکھتا ہے۔اسی فطرتی نظارے کی آرزو میں بعض اہل اللہ نے یہ دعا مانگی ہے۔۔۔ عربی۔۔۔یعنی اے اللہ ہمیں چیزیں اپنے اصلی رنگ میں دکھا۔اسی بچپن کے پر لطف،سرور انگیز اور حسین و رنگین زمانے کو یاد کر کے ہر شخص افسوس اور ارمان کرتا ہے۔انسان جب معصوم بچہ ہوتا ہے تو گویا ابھی تک اس کی روح اپنے آدم علیہ السلام کے ازلی ورثے یعنی بہشت کا حق دار اور مستحق ہوتی ہے۔لہٰذا اس کے لئے ماں کی چھاتیوں سے دودھ اور شہد کی نہریں جاری کر دی جاتی ہیں۔لیکن جونہی وہ شجر ممنوعہ کے قریب جاتا ہے اور دانہ گندم کھانے لگ جاتا ہے تو اس پر اپنے فطرتی اور ازلی بہشت کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔سو بچے کی اصلی اور ازلی فطرت اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر اسم اللہ ذات ہے۔یہی وجہ ہے کہ جس وقت بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں اذان پڑھی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام و ذکر اللہ یاد دلا کر اسے اپنی اصلی ازلی فطرت کی طرف راغب اور مائل کیا جاتا ہے۔یعنی اس کے تخم اسم اللہ ذات پر ذکر اللہ کے آب حیات کی ترشح کی جاتی ہے تاکہ مقام دنیا میں اپنے اصل

کی طرف رجوع کرے۔ اور جب مرغ روح قفس عنصری سے موت کے وقت پرواز کرنے لگتا ہے اس وقت بھی اسے اپنے اصلی ازلی وطن کی یاد دلانے کے لئے اسم اللہ اور ذکر اللہ اور کلمۂ طیب کی تلقین کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے اصلی اور حقیقی منزل مقصود کی طرف رجوع کرے۔ اور شیطان اسے صحیح راستے اور صراط مستقیم سے گمراہ نہ کر دے۔ اور ایک حدیث میں انسان کی پیدائش کے وقت اور نیز موت کے وقت رونے اور گریہ کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ شیطان اس وقت اس کی اصلی فطرت دینی کو بگاڑنے اور اسے گمراہ کرنے کے لئے اس پر ہاتھ ڈالتا ہے اور وہ اصلی راہزن انسان سے حقیقی گوہر مقصود زندگی چھیننے کا ابتدائی اور آخری حملہ بڑی سختی اور شدت سے کرتا ہے۔ اس لئے طفل روح پیدائش اور موت کے وقت روتا ہے۔

سائنس اور مذہب کا مقابلہ

کس قدر نادان اور غافل ہیں وہ لوگ جو اسم اللہ اور ذکر اللہ کی قدر و قیمت اور اہمیت نہیں جانتے ۔ بلکہ الٹا کہتے ہیں کہ مذہب انسان کو محض لفظ اللہ کی طرف بلاتا ہے ۔ جو ایک بے ہمہ زندگی ہے ۔ یعنی مذہب انسان کو رہبانیت، جمود اور بیداری کی تعلیم دیتا ہے جو کہ قدرت کے عطا کردہ اعضاء اور قویٰ کا انعطال ہے ۔ مگر اس کے برعکس سائنس انسان کو عمل اور اللہ تعالیٰ کے مشاہدے کی طرف بلاتی ہے ۔ یعنی مادی دنیا اللہ تعالیٰ کا فعل اور عمل ہے ۔ اور سائنس اس عمل اور فعل کے مشاہدے کا نام ہے ۔ اور یہ اصل غلائت اور غرض زندگی ہے ۔ ملاحدۂ دہر کا دعویٰ کہ سائنس بنی نوع انسان کے لئے آرائش و آسائش کے سامان مہیا کرتی ہے ۔ اور اقوام عالم کی ترقی و بہبودی کا باعث ہے ۔ مگر مذہب وضو کرنے، نماز پڑھنے، روزہ، تلاوت، حج، زکوٰۃ، ذکر، عبادت وغیرہ بے اثر اور بے نتیجہ کاموں کا نام ہے جس سے سوائے تضیع اوقات کے اور کوئی ٹھوس اور مادی فائدہ نہیں ہے ۔ غرض اس قسم کے بے شمار واہیات خرافات، مذہب اور روحانیت کے خلاف کہہ کر خلق خدا کو اپنے خالق اور مالک حقیقی کی عبادت، معرفت، قرب، وصال اور مشاہدے سے روکنے اور باز رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ شیطان کے ہاتھ یہی متاع دنیا ایک بڑا پر فریب کھلونا ہے جس سے وہ طفل مزاج انسانوں کو مادی دنیا کی چند روزہ فانی زندگی کی لذت و ہوا و ہوس اور لہو ولعب میں مبتلا اور فریفتہ کر کے انہیں دار آخرت کی ابدی سرمدی زندگی اور اصلی حقیقی روحانی مسرتوں اور لذتوں سے محروم اور غافل کرتا ہے ۔

سچ پوچھو تو اسم اللہ، ذکر اللہ، طاعت اور عبادت ہی محض سعادت دارین اور گنجینہ ہائے کونین کی واحد کلید اور ابدی سرمدی زندگی، عشرت جاودانی اور دولت اخروی کا ذریعہ اور وسیلۂ وحید ہے ۔ کیونکہ اسم اللہ ذات ہی تمام کائنات کا باعث ایجاد ہے اور یہی اسم پاک تمام آفرینش کا مبدا و معاد ہے ۔ افسوس کہ مادہ پرست نفسانی مردہ

دل لوگ محض خیالی، وہمی عارضی اور چند روزہ فانی زندگی کی تنگ وتاریک شب یلدا میں مادی جسم کے کثیف لحاف اوڑھے ہوئے اور غفلت کی گہری نیند سوئے ہوئے ہیں۔اور خواب وخیال کے طلسمی جہان کے نظارے میں محو اور مگن ہیں۔اور اس حقیقی روشن بیدار روحانی جہان کی پائدار ابدی لذتوں اور مسرتوں سے غافل اور بے خبر ہیں۔جو انسانی پیدائش اور زندگی کی اعلیٰ غرض اور اصل مقصود ہے۔تمام مادی دنیا او راس کا علم سائنس اور دنیوی نفسانی فانی لذتوں اور مسرتوں کے حصول کے لئے جدوجہد، تمام دوڑ دھوپ اور ساری کوشش محض خدرانی، تحصیل حاصل اور بے سود ہے۔۔۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔پس تو روگردانی کر اس شخص سے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اور اس نے محض دنیا کی زندگی کو ہی اپنا مقصود بنایا۔یہی اس نادان کے علم کی پہنچ ہے۔لیکن تیرا رب خوب جانتا ہے۔راستے سے بھٹکنے والوں اور سیدھے راستے پر چلنے والوں کو۔

لذات جہاں چشیدہ باشی ہمہ عمر
با یار خود آرمیدہ باشی ہمہ عمر
چوں آخر عمر زیں جہاں بایئد رفت
خوا بے باشد کہ دیدہ باشی ہمہ عمر

مانا کہ آج کل سائنس کے طلسم ظاہری اور مادے کے سحر سامری نے لوگوں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔آئے دن ہم دیکھتے ہیں کہ سائنس کی بدولت انسان بادلوں میں اڑ رہے ہیں۔زمین پر لکڑی اور لوہے کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔دریاؤں اور سمندروں میں مچھلیوں کی طرح تیرتے پھرتے ہیں۔مشرق اور مغرب کی باتیں ایک آن میں سنائی دیتی ہیں۔سائنس اگرچہ چند روز کے لئے دنیا میں ظاہری آرام اور آسائش کے سامان مہیا کرنے والی مفید چیز معلوم ہوتی۔۔۔۔۔

اگر تو عمر بھر جہان کی لذتوں سے بہرہ یاب رہے اور ساری زندگی تو اپنے محبوب کے

ساتھ گذار دے۔ لیکن جب تجھے زندگی کے آخری لمحات میں اس دنیا سے جانا پڑے گا تو یوں محسوس ہوگا جیسے زندگی بھر تو نے ایک خواب دیکھا ہے۔۔۔۔۔ہے۔

مگر ساتھ ہی اس نے خلق خدا کی تباہی اور ہلاکت کے وہ زمیں پاش اور کوہ شکن اور لرزہ افگن آلات حرب پیدا کیے ہیں کہ تعجب نہیں کہ سائنس جس کو سارا زمانہ ابر رحمت برسانے والا میکائیل فرشتہ سمجھ رہا ہے وہ قیامت آفرین اسرافیل ثابت ہو جو اپنے محشر انگیز دم سے کسی دن ساری دنیا کو ایک دم میں عدم کی نیند سلا دے گا۔ دوسری طرف اعمال خدا کے مشاہدے کا یہ جھوٹا مدعی دن بدن لوگوں کو الٹا بیکاری، سستی اور جمود کی طرف لے جا رہا ہے اور وہ دن دور نہیں جب کہ قدرت الٰہی اور حکمت خداوندی میں یہ خواہ مخواہ کا بے جا دخیل بنی نوع انسان کو تعطل اور بیکاری کے گھاٹ اتار دے گا۔ آج اس کے ہاتھوں دنیا کا کثیر حصہ پریشان اور نالاں نظر آ رہا ہے۔ کیونکہ ہر قسم کی صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ پیشے اور دیگر تمام دستکاری کے کام جنہیں غریب اور نادار انسان سائنس کے ظہور سے پہلے اپنے ہاتھوں سے کر کے روٹی کماتے تھے۔ آج سائنس کی بدولت مشینوں کی شکل میں سرمایہ داروں نے اپنے قبضے میں کر لئے ہیں۔ اور غریب بے چارے بیکاری اور بے روزگاری کا شکار ہو کر بھوک سے بلک رہے ہیں اور ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ سائنس کا کیا یہ تھوڑا ظلم اور ستم ہے کہ مذہب نے جو معیار مساوات تمام بنی نوع انسان کے درمیان بلا امتیاز رنگ و نسل قائم کیا تھا سائنس نے اس سارے صحیح اور درست نظام کو بگاڑ کر مسخ کر دیا ہے۔ اور تمام دنیا کا اقتصادی، معاشی، اخلاقی اور مذہبی شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا ہے۔ مانا کہ سائنس ایک علم اور حکمت ہے لیکن حریص نفسانی قوموں کی جوع الارض نے سائنس جیسی عزیز اور شاندار حکمت کو ایک عالم گیر لعنت بنا دیا ہے اور لعنت پر لعنت بڑھا رہی ہے۔ خلق خدا کی خدمت کی بجائے اسے عالم گیر ہلاکت اور تباہی کا سامان بنا دیا ہے اور دن بدن ایسی خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہے

کہ اس زمانے کے ان ستم شعار لوگوں کو اپنی حکمت ہی ان پر قیامت لانے کا باعث بنے گی اور انہیں تباہ اور برباد کر دے گی۔

فرض کیا کہ سرمایہ دار اقوام آج کل سائنس کے ایجاد کردہ سامان حرب اور آلات جنگ کے ذریعے ساری دنیا کے مالک ہو گئے۔ اور ان قارونوں اور شدادوں نے دنیا کے تمام زرو جواہر جمع کر لئے اور آسائش اور آرائش اور دنیوی عیش وعشرت کے عدیم المثال سامان مہیا کر لئے ہیں اور چند روز کے لئے اپنے ہم جنس بنی نوع انسان کو اپنا غلام اور محکوم بنالیا۔ پھر کیا ہے۔ ایسی زرخرید، عارضی چند روزہ فانی قوت اور طاقت کو خاک پائیداری ہے جس کی بناء مکڑی کے جالے اور تار عنکبوت کی طرح کمزور ہے۔ جسے قدرت کا مہلک ومنتقم اور جابر ہاتھ ایک معمولی سی جنبش سے مٹا کر رکھ دے گا۔ اور نیست و نابود کر دے گا۔

خون کے دریا بہے عالم تہ و بالا ہوئے
اے ستم گر کس لئے دو دن حکومت کے لئے

مادے کی مردار عارضی حکومت، سائنس کی جھوٹی سلطنت اور سرمایہ داری کا باطل راج دنیا میں اس وقت رواج پاتے ہیں جب دنیا سے مذہب اور روحانیت کی سچی طاقتیں مفقود ہو جاتی ہیں اور لوگ اخلاقی ہتھیاروں سے تہی دست ہو جاتے ہیں۔ مبارک تھا وہ زمانہ جب کہ روحانیت کا سچا سلیمان وہ باطنی انگوٹھی پہنے ہوئے تھا جس پر اللہ کا اسم اعظم منقوش تھا جس کی بدولت تمام دنیا مذہب اور روحانیت کے زیر نگیں تھی۔ اور دنیا ایمان کے دارالامان اور اسلام کے دارالسلام میں ایک عام اخوت اور عالم گیر مساوات کے تحت امن اور آسائش کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ لیکن جس روز سے وہ سلیمان اپنی باطنی انگوٹھی کھو بیٹھا۔ تب سے مادے کے دیو لعین اور سرمایہ داری کے عفریت آتشیں نے عنان حکومت سنبھالی ہے اور اسی دن سے نفسانی اور شیطانی حکومتیں قائم ہوئی ہیں۔ جس نے خلق خدا پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ سحر

سیاست کے نت نئے کھیل کھیلے جا رہے ہیں۔ اور بنی نوع انسان کی غلامی اور محکومی کی زنجیریں مضبوط کی جا رہی ہیں۔ سائنس ظاہری اور مادی زیب و زینت کے سامان مہیا کر کے خلق خدا پر کوئی احسان نہیں کر رہی۔ بلکہ الٹا انہیں چند روزہ فانی، نفسانی اور شہوانی و شیطانی لذات میں منہمک کر رہی ہے۔ اور اپنے خالق مالک کی عبادت اور معرفت سے دور اور ابدی سرمدی زندگی سے غافل کر رہی ہے۔ سائنس انسان کا تعلق مادے کے خالی ڈھانچے اور مردہ مردار عارضی عنصری بدن اور چھلکے سے تو جوڑ رہی ہے مگر اس کو تر و تازہ اور زندہ و تابندہ رکھنے والے اصل مغز یعنی روح اور روحانی دنیا سے اس کا رشتہ توڑ رہی ہے۔ مذہب اور روحانیت انسان کی ہر دو جسمانی و روحانی، ظاہری و باطنی اور دینی و دنیوی غرض زندگی کے تمام پہلوؤں میں ترقی کے ضامن ہیں۔ مذہب تمام مخلوق کو یکساں طور پر بموجب فرمان ۔۔ عربی ۔۔ ہر مومن کو بلا امتیاز رنگ و نسل اپنا فطری اور پیدائشی حق آزادی اور مساوات عطا فرماتا ہے اور بمقتضائے ۔۔۔ عربی ۔۔ سب سے لائق فائق یعنی اہل قابلیت اور شرافت کو حق سرداری بخشتا ہے اور حکومت پر مامور کرتا ہے۔ جیسا کہ امر نبویؐ ہے ۔۔۔ عربی ۔۔ کہ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوا کرتا ہے۔ مذہب اور روحانیت سے انسان اپنے خالق مالک کی عبادت، معرفت، قربت وصال اور مشاہدہ حاصل کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاک نوری اخلاق سے متخلق اور اس کی پاک منزہ صفات سے متصف ہو کر اس کے بے چون و بے چگوں، بے مثل و بے مثال اور لم یزل ولا یزال ذات کے انوار میں فنا اور بقا حاصل کر کے اس کی ابدی اور سرمدی بادشاہی میں جا داخل ہوتا ہے۔ اور اس کی حی قیوم ذات کے ساتھ زندۂ جاوید ہو کر اس کے وصل مشاہدے اور دیدار سے لطف اندوز رہتا ہے۔

سائنس بذات خود بری چیز نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو ایک نفیس علم اور حکمت ہے۔ اور ایک خیر کثیر ہے۔ قصور ان ظالم، سفاک، خودغرض نفسانی سرمایہ دار اقوام کا ہے

جنہوں نے اس علم کو غلط اور برے راستے میں استعمال کیا ہے۔ اور بجائے خدمت اور آسائش خلق کے اسے کمزور، مظلوم اور بے گناہ مخلوق کی غلامی، افلاس، تباہی اور ہلاکت کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ ہم صرف ان تخریب کار عناصر کی مذمت کرتے ہیں جنہوں نے سائنس کو مذہب اور روحانیت کا حریف بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اسے مذہبی اور روحانی حقائق کی تائید کی بجائے تردید اور مخالفت کا ذریعہ بنایا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ دنیا ایک دن سیاست کی ان سفاکیوں، حکومت کی تباہ کاریوں اور سرمایہ داری کی ستم رانیوں سے تنگ آ کر خود بخود مذہب کے دارالامن اور روحانیت کے دارالسلام میں پناہ ڈھونڈے گی۔ اور اس زمانے کے جابر، قاہر سرمایہ دار اور ستم گر سیاست دانوں اور ڈاکو ڈکٹیٹروں کی حکومت کا جوا گلے سے اتار کر دور پھینک دے گی۔ اور بموجب اصول ---عربی--- ہر چیز کی نہایت اس کی ابتدا کی طرف راجع ہو جاتی ہے۔ دنیا پھر ابتدائی زمانے کی طرح خادم خلق، مشفق، مہربان، رحم دل، سراپا رحمت و شفقت مذہبی پیشواؤں اور روحانی رہنماؤں کے دامن میں چھپ کر پناہ ڈھونڈے گی اور اصلی امن اور حقیقی چین پائے گی۔ وہ دن دور نہیں جب کہ خود سائنس اور فلسفہ عنقریب جب اپنے انتہائی عروج اور آخری کمال پر جا پہنچے گا۔ مادی علوم کے یاجوج ماجوج جب قاف قلب کو سوہان زبان سے چاٹ چاٹ کر اور سائنس کے تیشوں سے کاٹ کاٹ کر اس میں راستہ اور روزن نکالنے سے عاجز آ جائیں گے۔ اس وقت ان پر اسم اللہ کے اصلی کارگر اوزار کا راز کھل جائے گا۔ اور وہ اس سد سکندری پر انشاء اللہ کی ضرب کاری لگائیں گے تو دنیا اس وقت مذہب اور روحانیت کے زیر نگیں ہو جائے گی اور مادی عقل کا دجال مسیح روحانیت کے ہاتھوں مغلوب اور محکوم ہو کر فنا ہو جائے گا۔ تب سارا جہان مذہب اور روحانیت کی صداقت کا دم بھرنے لگے گا۔ اور دنیا عدل و انصاف سے بہشت بریں بن جائے گی۔

انسان دو جسموں سے مرکب ہے۔ ایک سفلی نطفی جسم جس کی پیدائش انسانی مادی جوہر نطفے یعنی مرد اور منی کے قطرے سے ہے۔ دوم علوی لطفی جسم جو کہ نوری لطیف جسۂ روح ہے جس کی اصل اللہ تعالیٰ نے اپنے امر سے ڈالی ہے۔ پہلا مادی کثیف گوشت اور ہڈیوں کا ڈھانچہ جسم عالم خلق سے ہے۔ دوم علوی لطیف روح عالم امر سے ہے۔۔۔عربی۔۔۔ یعنی عالم خلق اور عالم امر ہر دو اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جیسا کہ آیا ہے۔۔۔عربی۔۔۔اور ہر جسے کا میلان اور رجوع اپنی اصل کی طرف ہوتا ہے۔۔۔عربی۔۔ سفلی مادی جسم کی ترکیب اور بناوٹ چونکہ مادی دنیا کی اشیاءاور مادی عناصر سے ہے۔ اس لیے اس کا میلان بھی دنیا اور مادی غذاؤں کے استعمال کی طرف رہتا ہے جو کہ عام حیوانات کا خاصہ ہے۔ ان سب سفلی مادی غذا والوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دآبّۃ یعنی حیوان کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔۔۔عربی۔۔۔ یعنی نہیں ہے زمین میں کوئی حیوان مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور دوسرے علوی لطفی لطیف جسۂ روح کی اصل عالم بالا یعنی آسمان اور عالم غیب و عالم امر سے ہے۔ اور اس جسۂ لطیف روح کی خواہش اور طلب اپنی اصلی روحانی اور آسمانی غذا کی طرف رہتی ہے۔ اس واسطے اس رزق کا ذکر ایک علیحدہ آیت میں یوں کر دیا ہے۔۔۔عربی۔۔۔ یعنی تمہارا وہ نوری لطیف رزق آسمان میں ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ صحیح طور پر موت کے بعد ملے گا۔ جس طرح اس مادی جسم اور نفس کی خواہش اور طلب مادی اشیاء مثلاً کھانے، پینے، پہننے اور دیگر ضروریات زندگی کی طرف لگی رہتی ہے۔ اسی طرح دوسرے باطنی علوی جسے کی رغبت اور خواہش اپنی آسمانی اور ملکوتی غذاؤں یعنی ذکر، فکر، عبادت، طاعت، خیرات، صدقات اور اعمال صالحہ کی جانب لگی رہتی ہے کیونکہ جملہ عالم غیب، ملائکہ اور ارواح کی غذا اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر، تسبیح و تہلیل اور اپنے خالق مالک کی تقدیس، تحمید، تکبیر اور تلاوت کلام اللہ دعوات اور اس کی معرفت، قرب وصال

اور مشاہدے اور دیگر اعمال صالحہ اور اعمال حسنہ کے انوار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔۔۔۔عربی۔۔یعنی جب تم بہشت کے باغوں پر گذرو تو ان میں چرنے لگ جایا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ بہشت کے باغ کیا ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ذکر کی مجلسیں اور حلقے۔ غرض اس علوی آسمانی لطیف جسے کی فطرت اسلام پر واقع ہوئی ہے اور یہی جسہ اپنے اندر دینی اور اسلامی استعداد ازل سے رکھتا ہے اور اسی فطرت اور استعداد کو صحیح اور سلامت رکھنے اور تبدیل نہ کرنے اور اسے پرورش اور تربیت دینے اور اسے پایۂ تکمیل اور درجۂ اتمام تک پہنچانے کا نام اسلام، ایمان، ایقان، عرفان، وصال، مشاہدہ، عشق، فنا اور بقا ہے۔ ۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔اے رب ہمارے! تکمیل اور اتمام تک پہنچا ہمارے لئے ہمارے نور کو۔ اور ہمارے گناہ معاف کردے۔ تحقیق تو ہر چیز پر قادر اور توانا ہے۔

انسان کا یہ سفلی عنصری جسم علوی لطیف جسہ روح کے لئے بمنزلۂ پوست یا چھلکے کے ہے۔ اور اس مادی دنیا میں اس کے رہنے سہنے، چلنے پھرنے اور کام کرنے کا مرکب اور سواری ہے۔ سفلی نطفی ناسوتی جسم کا محل پیدائش اور جائے استقرار انسانی وجود کے مقام اسفل اور عضو ارزل میں واقع ہے۔ اور اس کا تولد و تناسل بھی انسان کے خبیث اور رذیل ترین مقام میں ہوتا ہے۔ اس مقام میں ابلیس بمعہ اپنے جنود خبیثہ اور صلاح و ہتھیار شیطانی مثلاً اوصاف رذیلہ اور اخلاق ذمیمہ ڈیرے ڈالے رہتا ہے۔ انسان کا یہ جسہ نفس امارہ شیطان کے موافق احکام الٰہی اور ارکان مذہب کے خلاف نری برائی پر ہمیشہ آمادہ اور مستعد رہتا ہے۔ اس کے خلاف انسان کا لطیف علوی جسۂ روح جس وقت وجود میں زندہ اور بیدار ہو جاتا ہے تو ہر وقت نیک اعمال، ذکر فکر، طاعت عبادت کی طرف مائل اور راغب رہتا ہے۔ اور ہر وقت نفس کو نیکی کا اعلام اور الہام کرتا ہے اور اسے برائی پر ملامت کرتا ہے۔ اس لئے ایسے نفس کو ملہمہ اور لوامہ کہتے ہیں۔ نہیں دیکھتے کہ اس لطیف نوری وجود کا مقام ورود

استقرار انسان کا مقام اعلیٰ و اشرف یعنی دل و دماغ ہے۔ اور اس کا نزول مقام بالا آسمان سے ہے۔ اور جب وہ مکمل اور تیار ہو جاتا ہے تو ملاءالاعلیٰ اور ملائکہ اس کی تعظیم کے لئے جھکتے ہیں اور اس وجود مسعود کا ادب اور احترام کرتے ہیں۔ ۔۔۔عربی۔۔۔ترجمہ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں آدم کے وجود کو تیار کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کی تعظیم و تکریم کے لئے جھک جاؤ۔ خود قلب صنوبری کی ساخت اور بناوٹ ہی اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ ایک آسمانی اور عالم بالا سے اتری ہوئی چیز ہے کیونکہ مضغۂ قلب کو جب ہم دیکھتے ہیں تو اس کا تیر کی طرح باریک سرا نیچے کی طرف لٹکا ہوا نظر آتا ہے اور اس کے موٹے تنے اور شکم کے ساتھ دو موٹی رگیں دو جڑوں یا ٹانگوں کی طرح پیچھے سے لگی ہوئی ہیں۔ پس ان دو علوی و سفلی، ملکوتی و ناسوتی اور لطیف و کثیف جسوں کے درمیان انسانی وجود میں آزمائش کے طور پر لڑائی اور جھگڑا واقع ہوا ہے۔ اور جو جسہ غالب آ جاتا ہے اس کی حکومت اور مملکت وجود انسانی میں قائم ہو جاتی ہے۔۔۔۔عربی۔۔۔ یعنی ہم نے انسان کو ملے جلے اور مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کی آزمائش کریں اور اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے:۔۔عربی۔۔۔ ترجمہ۔ وہ اللہ تعالیٰ جس نے موت اور زندگی کو مقرر اور مقدر کیا۔ تا کہ تمہارا امتحان لے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔ غرض انسانی وجود میں دو متضاد اور مخالف، نیک اور برے اور لطیف و کثیف جسوں کے درمیان امتحاناً جنگ اور جھگڑا واقع ہوا ہے۔ اس سفلی نطفی جُثے کی باطنی مثالی صورت حیوان اور دابہ کی ہے جس کو نفس بہیمی کہتے ہیں۔ اور بسبب اپنی سفلیت اور دنائیت شیطان کا قرین اور جلیس ہے۔ شیطان اسی کی رفاقت سے انسان کو معصیت اور گمراہی کے گڑھے میں ڈالتا ہے اور علوی لطیف جسم کی باطن میں ایک لطیف نوری شکل فرشتے کی سی ہے جسے روح مقدس اور نفس مطمئنہ بھی کہتے ہیں۔ یہ جسہ بسبب اپنی لطافت باطنی اور نورانیت

فرشتے کے ہم جنس ہے۔عالم غیبی اور ملکوت سے اس وجود مسعود کو نیکی کی ہدایت اور تائید پہنچتی ہے۔انسان ہر دو جسوں کا معجون مرکب ہے۔

آدمی	زادہ	طرفہ	معجونیست
از	فرشتہ	سرشتہ	و زحیواں

ترجمہ۔آدمی زادہ ایک عجیب معجون مرکب ہے جو مبارک فرشتہ اور حیوان سے بنا ہے۔

نفس بہیمی کی قوت مادی غذاؤں اور قوت اخلاق ذمیمہ سے ہوتی ہے اور اس کا داعی اور مدعی شیطان لعین ہے۔اور نفس مطمئنہ اور روح کے لطیف جسے کی قوت اور غذا کو ذکر فکر، طاعت، عبادت اور قوت و طاقت اخلاق حمیدہ اور اعمال حسنہ ہیں۔ ۔۔۔عربی۔۔۔اور ارواح کا ہادی اور راہبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء اور مرسلین اور اولیاء مقربین اور علماء عاملین ہیں۔اور یہ ہر دو خیر وشر کے داعی بمعہ سازو سامان اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔۔۔عربی۔۔کے یہی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر کے باعث بھی روز ازل سے انسانی

یعنی اس کا خاکی جسم تو حیوانوں کا سا ہے لیکن اس کا روحانی جثہ فرشتوں کی دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔اور فرشتوں کی سی صفات رکھتا ہے۔۔۔۔

وجود میں روح اور نفس کی صورت پیدا کر دیے ہیں۔اور خیر وشر کے سامان اور اسباب بھی خارج میں بشکل لذات وشہوات نفسانی اور زیب و زینت دنیائے فانی اور باطن میں درجات و مراتب اور حظوظ روحانی اور لذات ونعم اخروی و جاودانی بھی مہیا کر دی ہیں۔اور ہر دو طرف کے داعی یعنی خیر اور شر کی طرف بلانے والے بھی ماموراور مقرر کر دیئے ہیں۔اور اپنی کتابیں نازل فرما کر خیر اور شر کے راستے بتا دیئے ہیں۔اور شر سے بچنے اور خیر کی طرف جانے کا حکم فرما دیا ہے اور ان کے طور طریقے واضح طور پر بیان فرما کر اپنی حجت تمام کر دی ہے۔

اب انسان امتحاناً مخیّر اور فعل مختار ہے۔ خواہ شر اور بدی کے راستے پر چل کر جہنم میں جائے خواہ خیر اور نیکی کے صراط مستقیم پر گامزن ہو کر بہشت بریں میں داخل ہو۔ ۔۔عربی۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر انسان کے برے یا اچھے فعل کرانے کا کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

مادی غذا اور ظاہری خوراک کو تو ہر شخص سمجھتا ہے۔ لیکن ذکر، فکر، طاعت، عبادت الٰہی اور اعمال صالحہ وغیرہ کو باطنی، قلبی اور روحانی غذاؤں کو محض مثالوں اور استعاروں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ سو واضح ہو کہ مادی دنیا میں جب انسان کام کاج اور ظاہری کسب اور معاش کے حصول سے عاجز رہ جاتا ہے تو اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے اور مناسب غذا کے نہ ملنے سے پریشان حال، کمزور، بیمار اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح روحانی دنیا میں جب دل کا لطیف جسہ اپنی باطنی غذا کے کسب اور کمائی سے روک دیا جاتا ہے۔ اور ذکر فکر، طاعت، عبادت وغیرہ سے محروم رکھا جاتا ہے تو اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے۔ اور آخر ضعیف و ناتوان اور بیمار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔۔۔عربی۔۔۔ ترجمہ۔ جو شخص میرے ذکر سے اعراض اور کنارا کرتا ہے تو اس کی روزی تنگ ہو جاتی ہے۔ اور ہم قیامت کے روز یعنی دوسری زندگی میں اسے اندھا کر کے کھڑا کریں گے۔ اس آیت میں اعراض ذکر یعنی ذکر اللہ سے کنارہ کشی کا نتیجہ ظاہری دنیوی تنگی اور افلاس ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اللہ کے ذکر اور عبادت سے اعراض اور کنارہ کرنے والے اکثر دنیا میں عیش و عشرت اور ناز و نعمت کی زندگی بسر کرتے نظر آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کلام حق نظام میں سخت اشکال پیدا ہوتا ہے۔ اور دراصل بات یہ ہے کہ رزق اور روزی دو طرح کی ہے۔ ایک جسمانی دوم روحانی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی مختلف آیتوں میں دونوں قسم کے رزقوں کا ذکر الگ الگ بیان فرمایا ہے۔ یعنی جسمانی غذا والے حیوانوں کا ذکر اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔۔۔عربی۔۔۔ اور اس روحانی اور آسمانی غذا کا ذکر اس آیت

میں فرمایا ہے۔۔۔۔عربی۔۔ سو جس طرح انسان کو مادی دنیا کے اندر فقر و فاقہ اور بھوک و افلاس سے پریشانی لاحق ہوتی ہے۔اور جب انسان کی روزی فراخ ہو جاتی ہے اور اس کا دل سیر ہو جاتا ہے تو وہ باجمیعت اور مطمئن ہو جاتا ہے۔اسی طرح باطنی دولت اور روحانی غذا کی فراوانی سے انسان کا باطن یعنی دل سیر اور مطمئن ہو جاتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔۔۔۔عربی۔۔۔۔یعنی خبردار اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان اور سکون حاصل ہوتا ہے۔اور یہ اطمینان قلبی کسی قدر معمولی اہل ذکر فکر اور اطاعت وعبادت گذار لوگوں کو صاف طور پر معلوم اور محسوس ہوتا ہے۔جس دن انسان رات کو وظیفۂ ذکر فکر عبادت وغیرہ ادا کرتا ہے تو طبیعت ہشاش بشاش اور خوش وخرم اور دل لطف وسرور سے لبریز رہتا ہے۔گھر میں خواہ کچھ بھی نہ ہو اور خالی ہاتھ ہو۔لیکن دل اس قدر قانع اور مستغنی ہوتا ہے کہ گویا سب کچھ حاصل ہے۔لیکن اس کے برعکس جو لوگ ذکر اللہ اور اطاعت الٰہی سے بے بہرہ اور محروم ہیں۔باوجود دولت وثروت کے سخت پریشان خاطر اور بے جمیعت رہتے ہیں۔اور برخلاف اس کے اللہ تعالیٰ کے راستے کے سالک عارف محض باطنی دولت کی بدولت دائم خرسم، ہمیشہ مسرور اور ابد لآباد تک مطمئن رہتے ہیں۔خواہ ان کے پاس دولت دنیا کا ایک دام اور متاع دنیا کا ایک حبہ تک بھی نہ ہو۔

حقیقت دنیا

دنیا کی مادی غذا سے ایک وقت کے لئے ہم مادی پیٹ تو بھر سکتے ہیں لیکن دل کا وسیع بطن باطنی اس متاع قلیل سے سیر نہیں ہوسکتا۔ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے متاع قلیل فرما کر اس کی قلت، علت اور ذلت کو الم نشرح اور آشکارا کر دیا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ قل متاع الدنیا قلیل۔ دنیا کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو یہ بمعہ جملہ سامان عیش و عشرت ایک بہت ہی حقیر اور ذلیل چیز ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی قدر و قیمت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو دنیا میں پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوتا۔ لیکن دنیا آخرت کے نعیم جاودانی کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر سے بھی زیادہ ناچیز اور حقیر ہے۔ اب ہم دنیا کی حقیقت کو تھوڑا سا واضح کرتے ہیں۔ اول تو دنیا کی لذت کم مقدار اور ناپائدار ہے۔ دوم اس میں انسان کی عمر بہت کوتاہ اور تھوڑی ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے سر دردی، محنت اور دکھ بہت زیادہ اور راحت و آرام بہت تھوڑا ہے۔ دنیا کی تمام متاع یا خوردنی یا آشامیدنی یا بوئیدنی یا پوشیدنی یا شنیدنی ہیں۔ خوردنی یعنی کھانے کی چیزوں کی ماہیت پر اگر غور کیا جائے تو ان میں سے بہترین اشیاء یا تو حیوانوں کا خون یا اس کا نچوڑ اور فضلہ ہے۔ مثلاً گوشت، گھی اور دودھ وغیرہ یا کھاد اور گندگی کی پیداوار ہیں۔ مثلاً ترکاریاں، اجناس اور میوہ جات وغیرہ۔ کھاد اور گندگی جو زرعی اشیاء کی خوراک اور ضروری جزو ہے وہ حیوانات کا متعفن پاخانہ ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ نسقیکم مما فی بطونہ من بین فرث ودم لبنا خالصا سائغا للشربین۔ یعنی حیوان تم کو وہ چیز جو ان کے گوبر اور خون کے درمیان سے نکلا ہوا فضلہ یعنی دودھ پلاتے ہیں۔ آشامیدنی یعنی پینے کی چیزوں میں سب سے بہترین اور لذیذ ترین چیز شہد ہے جو ایک ناچیز مکھی کے لعاب دہن کی آمیزش سے بنا ہے۔ بوئیدنی یعنی سونگھنے کی چیزوں میں سب سے اعلیٰ اور افضل مشک اور کستوری ہے۔ جو ایک حیوان یعنی ہرن کی ناف

کا منجمد خون اور میل کچیل ہے۔ اور پوشیدنی یعنی پہننے کی چیزوں میں سب سے نفیس ترین چیز ریشم ہے۔ اور وہ ایک کیڑے کا فضلہ ہے۔ اور شنیدنی یعنی سننے کی جملہ لذات اور سامان سرود و سماع جانوروں کے چمڑوں اور ان کی رگوں اور رودوں کی رگڑ اور ضربوں سے ماخوذ ہیں۔ دنیا میں ایک اور لذت مساس بھی ہے۔ جس کا ذکر کرنا خلاف تہذیب ہے۔ لیکن اتنا کافی ہے کہ وہ انسان کے اسفل اور ارذل ترین اور بدتر مردار ترین عضو کا استعمال ہے۔ غرض دنیا کی جملہ متاع اور لذات کے ماخذ یہی ہیں جو ہم نے گن گن کر بیان کر دیئے ہیں۔

حال دنیا را پر سیدم من از فرزانہ
گفت یا خوابیست یا وہمیست یا افسانہ
باز پر سیدم زحال آنکہ دل در وے بہ بست
گفت یا دیویست یا غولیست یا دیوانہ

اب ذرا ان کی مدت اور مقدار لذت بھی ملاحظہ ہو۔

دنیا کے تمام لذیذ اور عمدہ کھانے جب تک نوک زبان پر ہیں تو محض چند سیکنڈ کے لئے سرِ زبان کو ایک نہایت خفیف سی لذت بھوک کی حالت میں محسوس ہو رہی ہوتی ہے۔ لیکن جب شکم پر ہوا اور طبیعت سیر ہوئی تو وہ خفیف سی لذت بھی مفقود ہے۔ اور وہی نگلی ہوئی غذا دل کا بوجھ اور وبال جان بن جاتی ہے۔ اسی طرح تمام لذات جسمانی کی مدت لذت بالکل قلیل اور اس کا محاذ بہت تنگ ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے تمام متاع دنیا کو قلیل کہا ہے۔ پھر اس ناپائدار، حقیر اور فانی متاع کے حصول کے لئے کس قدر خاک رانی ہر دردی اور جانفشانی کرنی پڑتی ہے۔ اور کس قدر ظلم و ستم ڈھائے جاتے ہیں۔ اور کتنے مظلوموں کا خون بہایا جاتا ہے۔ لذات دنیا کا ایک ہیچ اور پوچ پہلو اور بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقدار لذت مفلس اور دنیا دار کے لئے برابر رکھ دی ہے۔ دنیا دار روزمرہ اچھے لذیذ ۔۔۔۔۔۔۔

میں نے کسی دانا سے دنیا کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے کہا یہ دنیا ایک خواب ہے یا وہم ہے یا افسانہ ہے۔ پھر میں اس شخص کے حال کے متعلق پوچھا جس نے دنیا سے دل لگا لیا تو اس نے جواب دیا کہ وہ شخص کوئی دیو یا بھوت یا دیوانہ ہے۔

طعام کھانے، ہر وقت نفیس کپڑے پہننے، سر بفلک عالی شان عمارتوں میں دن رات رہنے، خوبصورت عورتوں سے ہمیشہ ہم صحبت رہنے، غرض دنیا کے تمام لذائذ اور حظوظ میں ہر لمحہ اور ہر لحظہ محو اور منہمک رہنے سے ان چیزوں کے بہت عادی اور خوگر بن جاتے ہیں۔ اس لئے ان چیزوں میں ان کی اشتہا اور ذوق و ذائقہ بالکل کم بلکہ تقریباً زائل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اصل ذائقہ فاقہ میں ہے اور وہ ان کے ہاں مفقود ہوتا ہے۔ اور غریب و نادار لوگ بسبب شدت فاقہ اور حدت جوع روکھی سوکھی میں وہ لذت پاتے ہیں جو امیروں اور دنیا داروں کو طرح طرح کے لذیذ کھانوں اور غذاؤں میں میسر نہیں ہوتی۔ غرض کھانے کا لطف قوت ہضم اور مقدار اشتہا پر موقوف ہے اور وہ دنیا داروں میں مفقود ہوتا ہے۔ یہ نعمت غیر مترقبہ بدرجۂ کمال ناداروں کو مفت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح دنیا دار اور سرمایہ دار رات کے وقت اپنے عالی شان ہوادار محلات اور نرم بستروں پر دنیا کے افکار اور حوادث روزگار میں سرشار ساری رات بے چین اور بے آرام ہو کر کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ اور ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے ہیں۔ لیکن ایک غریب مزدور دن بھر کا تھکا ماندہ محنت مشقت سے چور بے بستر اور بے بالین ایک ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر ایسی گہری اور خوشگوار نیند سوتا ہے کہ اس کی ساری رات ایک ہی پہلو پر لیٹے گذر جاتی ہے۔ دنیا دار ساری عمر ایک لمحہ کی خوشگوار نیند اور ایک لحظہ کی حقیقی بھوک کو ترستے رہتے ہیں۔ اسی طرح قوت جماع میں بھی دنیا دار صفر پائے جاتے ہیں۔ اور باوجود تین چار بیویوں کے اولاد سے محروم رہتے ہیں۔ غرض اس پر تمام حظوظ اور لذات کو قیاس کر لینا چاہیے۔ غریب اور نادار فائدے میں ہیں۔ دنیا داروں کو اطمینان قلب ہرگز

میسر نہیں ہوتا۔ بلکہ جس قدر کوئی شخص دنیا دار مالدار ہوتا جاتا ہے۔ اس کی پریشانی اور بے اطمینانی بڑھتی جاتی ہے۔ اگر بالفرض مادی دنیا کی تمام دولت اور عیش و عشرت کے تمام سامان ایک ہی شخص کو حاصل ہو جائیں تو بھی دل کا چین اور اطمینان قلب اسے ہرگز حاصل نہیں ہوگا۔ بڑے بڑے دولت مندوں، امیروں اور تاجروں حتیٰ کہ نوابوں، راجاؤں اور بادشاہوں تک سے جا کر پوچھو کہ تمہارے پاس خدا کا دیا ہوا سب کچھ موجود ہے۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ کھانے کو عمدہ لذیذ غذائیں اور میوے ہر وقت تیار موجود ہیں۔ پینے کو میٹھے اور ٹھنڈے شربت ہیں۔ پہننے کو نرم اور نفیس کپڑے ہیں۔ رہنے کو عمدہ، خوب صورت اور عالی شان مکان ہیں۔ سیر و سیاحت اور سواری کے لئے عمدہ گھوڑے، تانگے اور موٹر ہیں۔ باغ، چمن، کھیل تماشے، ریڈیو، سنیما، ناچ و رنگ اور رقص و سرود کے سامان ہر وقت حاصل ہیں۔ خوبصورت عورتیں اور غلام خدمت کے لئے حاضر ہیں۔ غرض تمہاری دنیا کی تمام مرادیں پوری اور عیش و عشرت کے سامان مہیا ہیں۔ اگر ان سے سوال کرو کہ کیا ان تمام عیش و عشرت ناز و نعمت اور آسائش و راحت کے باوجود تم حقیقی طور پر خوش ہو اور کیا تمہارا دل مطمئن ہے تو تقریباً سب کے سب یہی جواب دیں گے کہ وہ ہرگز اس دنیا میں خوش نہیں ہیں۔ وہ یہی کہیں گے کہ گو ہمارے جسم عیش و عشرت اور ناز و نعمت میں لوٹ رہے ہیں۔ مگر ہمارے سینوں میں خدا جانے کیوں بلاوجہ دل افسردہ اور خاطر پژمردہ ہے۔ ہم اپنے دل میں ہر دم ایک بے وجہ لازوال ملال اور ایک نامعلوم قلق محسوس کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تم ضرور قلب کی بے اطمینانی اور دل کی پریشانی سے شاکی و نالاں پاؤ گے۔ وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں دل کی غذا مفقود ہے۔ اس لئے گو ان کے پیٹ سیر ہیں۔ لیکن دل اپنی مخصوص غذا ذکر اللہ سے محروم ہے۔ اس لئے وہ بے اطمینان رہتا ہے۔ جن اقوام میں دل کی غذا مفقود ہے اور جہاں الحاد، دہریت اور مادہ پرستی کا دور دورہ ہے۔ اور جس سرزمین میں روحانی

قحط برپا ہے وہاں کے غنی اور سرمایہ دار لوگ باوجود عیش و عشرت اور جاہ و ثروت کے دل کی بے اطمینانی سے سخت طور پر نالاں ہیں۔ یورپ میں اس بے اطمینانی کا ایک عالم گیر ماتم برپا ہے۔ اہل فرنگ اور اہل امریکہ جنہوں نے دولت کی فراہمی میں قارون کو بھی مات کیا ہوا ہے۔ اور تمام دنیا سے سرمایہ داری میں گوئے سبقت لے گئے ہیں اس دل کی بے اطمینانی سے چیزک رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں باوجود کمال دولت اور سامان عیش و عشرت جس کثرت سے خودکشی کی وارداتیں ہو رہی ہیں۔ افلاس زدہ اور نادار ممالک میں ان وارداتوں کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ خصوصاً مسلمان قوم جو دنیوی حالت میں تمام قوموں سے پست تر اور کم تر ہے۔ خود کشی کی بہت کم مرتکب ہوتی ہے۔ وجہ صاف معلوم ہے کہ اگر مسلمانوں نے اپنے مذہبی احکام اور دینی ارکان بہت حد تک ترک کر دیئے ہیں۔ اور ان کی قلبی اور روحانی غذاؤں یعنی ذکر فکر، نماز، روزہ، طاعت اور عبادت وغیرہ میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے۔ مگر پھر بھی اسلام ایک ایسا حاوی محیط اور ہمہ گیر مذہب ہے کہ اس پاک مذہب کے اثرات ایک مسلم کے مہد سے لے کر لحد تک تمام زندگی کے حرکات، سکنات اور اعمال و افعال میں جاری اور ساری رہتے ہیں۔ اس لئے مسلم بندہ خواہ کتنا ہی گیا گذرا کیوں نہ ہو۔ وہ خواہ مخواہ بے ارادہ اپنی قلبی اور روحانی غذا میں سے تھوڑا بہت حصہ لے ہی لیتا ہے۔ اور چاہے اسے مادی دولت اور دنیوی راحت سے محروم ہی کر دیا جائے پھر بھی وہ قلبی اور روحانی غذا کے سہارے اپنے آپ کو سنبھالے رہتا ہے۔ اور سخت مضطرب و پریشان ہو کر آپے سے باہر نہیں ہوتا اور خود کشی نہیں کرتا۔ مگر اس کے برعکس کفار نابکار کی دنیوی حالت میں جب بھی قدرے انقلاب رونما ہو جاتا ہے۔ اور دنیوی عیش و عشرت میں زوال آ جاتا ہے تو مکڑی کے جالے کی طرح ان کے نفس کے کچے تار بکھر جاتے ہیں۔ اور ان کے حباب زندگی کا خام خیمہ جو محض پانی کے ایک قطرے اور صرف ہوائے نفس کے سہارے قائم ہوتا

ہے۔حوادث دنیا ی بادمخالف کی تاب نہ لا کرفوراً ٹوٹ جاتا ہے۔اور درہم برہم ہو جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ خود کشی کے اکثر وہی لوگ زیادہ مرتکب ہوتے ہیں جن کی مذہبی اور دینی حالت نہایت ناقص اور پست ہوا کرتی ہے۔اور جن کے دل دینی استعداد اور باطنی غذا سے محروم ہوتے ہیں۔یورپ جو کہ الحاد اور دہریت کا معدن ہے۔اور روحانی طور پر سخت قحط زدہ علاقہ ہے۔اور اکثر بے اطمینانی قلب کی وجہ سے زندگی سے تنگ آیا ہوا ہے اور سخت پریشان ہے۔ان میں سے بعض نے تو اپنی پریشانی اور بے اطمینانی کا یہاں تک مظاہرہ کیا ہے کہ آپے سے باہر ہوکر پاگلوں اور دیوانوں کی طرح کپڑے اتار لئے ہیں اور بالکل ننگ دھڑنگ ہو گئے ہیں۔انہیں نفیس اور زرین لباسوں میں اطمینان قلب نصیب نہیں ہوسکا یہ سب قلبی بے اطمینانی اور باطنی بے چینی کی علامات اور اثرات ہیں۔جو مختلف صورتوں میں ان سرمایہ دار اقوام سے صادر ہوتے ہیں۔وہ لوگ اپنے اندر اس باطنی قلبی مرض کی بے چینی اور قلق محسوس کر رہے ہیں۔اور اس کے علاج میں دیوانوں کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔مگر ان کی مادی سعی، ظاہری کوششیں، بیرونی دوڑ دھوپ اور سطحی تگ و دو بالکل بے سود ہے۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

دراصل اس مرض کی دوا محض ذکر اللہ ہے۔لیکن یہ دوا اس سرزمین میں عنقا کی مانند کم یاب اور مفقود ہے۔اس لئے سوائے ذکر و عبادت کے ان کے تمام مادی علاج معالجے اور ظاہری تگ و دو میں سعی اور کوشش بالکل بے سود ہے۔

حضرت عیسےٰ نے ایک دن اللہ تعالی سے التجا کی کہ اے اللہ! مجھے دنیا اپنی اصلی صورت اور حقیقی رنگ میں دکھا دے۔اللہ تعالی نے فرمایا کہ میں تجھے دنیا اپنی اصلی شکل میں عنقریب دکھا دوں گا۔چنانچہ ایک روز حضرت عیسےٰ جنگل میں جا رہے تھے کہ انہیں دور سے ایک برقعہ پوش عورت نظر آئی۔جس کا برقعہ ریشمی بیل بوٹوں اور

زردوزی کام سے زرق برق آفتاب کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔عیسٰی علیہ السلام نے اپنے دل میں قیاس کیا کہ ایسے حسین اور زرق برق زریں برقعے کے اندر ضرور کوئی ماہ طلعت حور ملبوس ہوگی۔ وہ برقعہ پوش عورت حضرت عیسٰی علیہ السلام کے سامنے آئی۔ اور جونہی اس نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھایا تو حضرت عیسٰی علیہ السلام یہ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئے کہ اس زرق برق نقاب کے اندر سے ایک بہت بوڑھی اور سخت مکروہ، بدصورت اور نہایت ڈراؤنی، بدشکل، سیاہ فام، ژولیدہ مو عورت کا چہرہ نمودار ہوا۔ جس کے دیکھنے سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پوچھا کہ اے عجوزہ! تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں دنیا ہوں۔ آپ نے اس سے پوچھا۔ اے عجوزہ! اس مکروہ، بدنما اور قبیح صورت پر یہ زرق برق خوب صورت زرین لباس کیوں؟ اس نے جواب دیا۔ اس ظاہری لباس سے تو میں لوگوں کو اپنے اوپر فریفتہ اور شیدا کرتی ہوں۔ ورنہ میری اصلی اور حقیقی صورت یہی ہے جو تو دیکھ رہا ہے۔ عیسٰی علیہ السلام نے جب اس کے ہاتھوں کی طرف دھیان کیا تو اس کا ایک ہاتھ خون سے آلودہ تھا اور اس سے خون ٹپک رہا تھا اور دوسرا ہاتھ حنا یعنی مہندی سے رنگا ہوا تھا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ تیرا ایک ہاتھ خون سے کیوں آلودہ ہے؟ تو اس نے جواب دیا۔ کہ جو میرا شوہر اور خاوند بنتا ہے میں اسے فوراً قتل کر ڈالتی ہوں۔ ابھی ایک شوہر کو تازہ قتل کر آئی ہوں۔ یہ ہاتھ اسی کے خون سے آلودہ ہے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ دوسرا ہاتھ مہندی سے کیوں رنگین ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اب ایک دوسرے شوہر کی دلہن بن رہی ہوں۔ آپ نے متحیر ہو کر سوال کیا کہ تیرے نئے شوہر کو تیرے اس خون آلود ہاتھ سے عبرت حاصل نہیں ہوتی؟ اس نے جواب دیا۔ اے عیسٰی! تو اس بات سے تعجب نہ کر میں ایک گھر کے اندر ایک بھائی کو قتل اور ہلاک کر دیتی ہوں۔ اور اسی وقت دوسرا بھائی مجھے لینے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ غرض اس قسم کے بہت سے عبرت ناک اور

نصیحت آموز سوال و جواب عجوزۂ دنیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ہوئے جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دنیا کی اصلی حقیقت کھل گئی۔ اکثر باطن بین اور حقیقت شناس اہل اللہ لوگوں کو دنیا اپنے اصلی رنگ اور حقیقی روپ میں نظر آتی ہے۔ اور ظاہر بین کور چشم بوالہوس نفسانی لوگ اس کے ظاہری لباس پر مرتے ہیں۔ اور اس کے ہاتھوں ہلاک اور قتل ہو جاتے ہیں۔

عارفے خواب رفت در فکرے
دید دنیا بصورت بکرے
کرد ازوے سوال کاے دلبر
بکر چونی بایں ہمہ شوہر
گفت یک حرف با تو گویم راست
کہ مرا ہر کہ بود مرد نخواست
وانکہ نامرد بود خواست مرا
زاں بکارت ہمیں بجا ست مرا

ہم ذیل میں دنیا کے چند بڑے بڑے سرمایہ داروں اور دنیا داروں کے حسرتناک انجام اور عبرت ناک خاتمے کے چند واقعات بیان کرتے ہیں۔ ممکن ہے کوئی سلیم العقل، نیک بخت اور سعادت مند انسان اس سے سبق اور عبرت حاصل کرے۔ اور اس خونخوار، مکار عجوزہ کے دام سے بچے۔

ایک کروڑپتی انسان کا عبرت ناک بیان

میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میں اس کا حساب بھی نہیں کرسکتا۔ کہا جاتا ہے کہ میری جائداد پانچ کروڑ پونڈ سے زیادہ ہے۔ لیکن یہ ساری جائداد دینے کو میں بخوشی تیار ہوں اگر ایک وقت بھی پیٹ بھر کر کھاسکوں۔ یہ الفاظ امریکہ کے مشہور کروڑپتی شاہ روغن راک فیلر کی زبان سے نکلے ہیں۔ جس کی دولت وثروت کے افسانے نئی دنیا اور پرانی دنیا دونوں کے گوشہ گوشہ میں زبان زد خاص و عام ہیں۔ ایک دنیا آج اس کی قسمت پر رشک کررہی ہے۔ اور خدا جانے کتنے ایسے ہیں جن کے منہ میں اس کا نام سن کر پانی بھر آتا ہوگا۔ لیکن خود اس بچارے کا یہ حال ہے کہ باوجود اس امیری کے مفلس اور لاچار ہے۔ اور باوجود اس افراط سیم وزر کے ایک وقت پیٹ بھر کھانے کی حسرت رکھتا ہے اور اس نعمت کے آگے اپنے کروڑوں پونڈوں کے ڈھیر پر لات مارنے کو تیار ہے۔ اس کی عمر پچاسی سال کی ہوچکی۔ لیکن اسے شروع ہی سے سوء ہضم کی بیماری رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نے اپنے علاج پر کیا کچھ نہ خرچ کیا ہوگا۔ بایں ہمہ بجز تھوڑے سے دودھ اور بسکٹوں کی قلیل مقدار کے دن بھر کچھ نہیں کھاسکتا۔ حالانکہ اس کے ادنیٰ مزدور اور نوکر چاکر دن بھر پیٹ بھر بھر کر کئی بار دنیا کی نعمتیں اور لذیذ غذائیں کھاتے ہیں۔ یہ لاکھوں انسانوں کی قسمت کا مالک ایک وقت پیٹ بھر حسب دلخواہ کھانے کو ترستا ہے۔ اور بغیر تھوڑے سے دودھ اور چند بسکٹوں کے اور کسی چیز کو چھو تک نہیں سکتا۔

دنیا کی زندگی پر رشک کرنے والے غریبو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکریہ ادا کرو۔ کہ دنیا کا متمول ترین انسان خود تمہاری حالت پر رشک کررہا ہے۔

ہنری فورڈ کی حالت:

ایک دوسرے امریکی شاہ موٹر ہنری فورڈ کا حال سنو۔ جس نے اپنی دولت میں قارون کو بھی مات کیا ہوا ہے۔ وہ ایک معمولی سی قلیل مقدار میں پرہیزی غذا کے بغیر

اور کچھ نہیں کھا سکتا۔ ڈاکٹروں کی ایک جماعت ہر وقت اس کی نگرانی میں لگی رہتی ہے۔ وہ تمام لذتوں سے یکسر محروم ہے۔ حالانکہ اس کے ادنیٰ غلام اور نوکر چاکر اس کی آنکھوں کے سامنے عیش و عشرت کرتے ہیں اور وہ انہیں دیکھ کر ترستا ہے۔

جاننے والوں کا بیان ہے کہ دولت و ثروت سے جتنے لطف انسان اس مادی دنیا میں اٹھا سکتا ہے اور جو لذتیں روپیہ سے خرید سکتا ہے ان سب سے یہ قارون وقت یکسر محروم ہے۔ دولت کو حاصل عمر اور روپیہ کو ثمرۂ زندگی سمجھنے والو! زر و دولت کی اس لا حاصلی کو دیکھ رہے ہو؟

مسٹر ایڈورڈ کرپس

امریکہ میں ایک کروڑ پتی اور مالک اخبارات مسٹر ایڈورڈا سکرپس تھے۔ سالہا سال کی عیش و عشرت کے بعد اس کا دل دنیا کے ہنگاموں سے سرد ہو گیا اور اسے سکون و یکسوئی کی تلاش پیدا ہوئی۔ تہذیب و تمدن کے مرکزوں میں یہ بات کہاں نصیب؟ بالآخر چالیس لاکھ ڈالر کے صرف سے ایک جہاز بنوایا۔ اور آلات کی مدد سے اسے ہر قسم کی آوازوں سے محفوظ کرلیا۔ یعنی کوئی ہلکی سے ہلکی آواز بھی کانوں تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ اور اس طرح اپنے گرد و پیش ایک مصنوعی خاموشی اور عالم سکوت قائم کر کے یہ سمجھے کہ اب سکون خاطر کی تلاش میں دیر نہ لگے گی۔ اخبارات کا کاروبار لڑکے کے سپرد کیا اور تلاش سکون کی مہم پر جہاز روانہ ہو گیا۔ ایک **ملک** دو **ملک** نہیں ساری دنیا کا چکر لگایا۔ اور ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ لگایا لیکن دل کا سکون اور اطمینان مادی آوازوں کا راستہ بند کر دینے سے نہ حاصل ہونا تھا نہ ہوا۔ اسی حالت حسرت و یاس میں پیام اجل آ پہنچا۔ اس کی لاش حسب وصیت سمندر کی گہری خاموشیوں کے حوالے کردی گئی۔ دولت جمع کرنے والو! اور اس کی طلب میں جان و ایمان تک قربان کرنے والو! سرمایہ داروں کی اس ناداری پر نظر ڈالو۔

گوسپ بوگیانی

اٹلی کے ایک امیر کبیر گوسپ بوگیانی ہو گذرے ہیں۔جنہوں نے امریکہ آ کر بے شمار دولت پیدا کی۔ اور پھر امریکہ ہی کو اپنا وطن بنالیا۔ یہ آغاز تھا۔انجام یہ ہوا کہ کومو کی خوش منظر جھیل کے کنارے قیام گاہ بنا رکھی تھی۔ایک درخت سے اپنی گردن میں پھندا لگا کر خودکشی کرلی اور حسب ذیل تحریر چھوڑ گیا:۔

مجھے اپنی طویل زندگی میں تجربہ ہوگیا کہ راحت کی اگر تلاش ہے تو وہ روپیہ کے ڈھیروں میں نہیں ملتی۔ اب میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر رہا ہوں۔اس لئے کہ میں تنہائی اور افسردگی کی زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔جس وقت میں نیویارک میں ایک معمولی مزدور تھا اس وقت مجھے پوری مسرت حاصل تھی۔لیکن آج جب کروڑوں کا مالک ہوں۔میری افسردگی خاطر اور بےاطمینانی کی کوئی انتہا نہیں ہے اور ایسی تلخ زندگی پر موت کو ترجیح دیتا ہوں۔

روپیہ کو ہر درد کی دوا جاننے والو! دولت کی عاجزی اور بے اثری دیکھو۔

جے پئرلوامیٹ مارگن

جے پئرلوامیٹ امریکن کروڑپتی کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت دنیا کے سب سے بڑے خزانہ مصنوعات لطیفہ کا مالک ہے۔جس کی دولت کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہے گھر میں بہتر سے بہتر سامان عیش موجود ہے۔لیکن انتڑیوں کی بیماریوں سے اس قدر مجبور ہے کہ معمولی غذائیں بھی نہیں چھوسکتا۔ساری عمر ایک سخت قسم کی پرہیزی غذا کھاتے کھاتے گذر گئی۔ایک وقت بھی حسب منشا غذا نصیب نہ ہوئی۔ درد شکم میں ہر وقت مبتلا، اپنے ادنیٰ نوکروں کی غذا کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ دیکھ کر حسرت بھری آہیں بھرتا ہے۔مگر کیا مجال کہ ایک لقمہ بھی زبان پر رکھ سکے۔

امیروں پر رشک کرنے والو! امیری کی تمنائیں اور آرزوئیں رکھنے والو! یہ عبرت ناک اور دردانگیز منظر دیکھ رہے ہو۔کہ ایک شخص دریا کے اندر کھڑا ہے اور پھر بھی اس

سے اپنی پیاس بجھانے کو ترستا ہے۔

مسٹر بریوسٹر

نیو یارک امریکہ کے ایک کروڑ پتی مسٹر بریوسٹر تھے۔ اس کی میم صاحبہ کا حسن و جمال زبان زد خاص و عام تھا۔ شوہر اس قدر دولت مند اور بیوی اس قدر حسین۔ بظاہر ان سے زیادہ پُرمسرت اور کامیاب زندگی کس کی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ایک اچھی خاصی تعداد ملک میں ایسے لوگوں کی تھی جو اس خوش نصیب جوڑے کی زندگی پر رشک کر رہی تھی۔ جون ۱۹۲۶ء میں میاں بیوی دیہات میں اپنے علاقہ پر گئے۔ ایک روز صبح کو خدمتگاروں نے دیکھا کہ مسٹر بریوسٹر کی خواب گاہ میں میں بیوی دونوں مقتول پڑے ہیں۔ اور دونوں کی لاشیں گولیوں سے زخمی ہیں۔ اس طرح ان کی خود کشی کا راز بھی دونوں کے جسموں کے ساتھ ہی مدفون ہو گیا۔

دولت اور حسن وصورت کے پرستارو! دولت اور حسن دونوں کی بے بسی اور بیکسی دیکھ لی؟

مذکورہ بالا مفروضات نہیں بلکہ سچے واقعات ہیں۔ فرضی اور تمثیلی قصے کہانیاں نہیں بیتی ہوئی سرگذشتیں ہیں۔ ایک طرف بڑے بڑے عظیم الشان سرمائے ہیں۔ بڑے بھاری کارخانے ہیں۔ اور بڑی بڑی تجارتی کوٹھیاں ہیں۔ کروڑوں اور اربوں کی جائداد اور اس کے پہلو بہ پہلو بے قراریاں، بے اطمینانیاں، حسرتیں، مایوسیاں، حیرانیاں، ناکامیاں اور افسردگیاں ہیں۔ اور آخر انجام خودکشی، دوسری طرف فقیری اور مفلسی ہے۔ ٹوٹی ہوئی کٹیا اور چھوٹی سی جھونپڑی ہے۔ ساگ پات اور جو کی سوکھی روٹی ہے۔ پھٹی ہوئی کمبلی اور پیوند لگے ہوئے گودڑی ہے۔ لیکن اس کے دوش بدوش دل کی خوشی، قلب کا اطمینان، روح کا سرور، قناعت کا خزانہ اور باطن کی بے تاج ابدی بادشاہی ہے۔ ملائکہ اور روحانیوں کی محفلیں اور مجلسیں ہیں۔ اللہ تعالی کے قرب وصال اور دیدار کی لازوال سرمدی لذتیں ہیں۔ جو نہ آنکھوں نے دیکھی ہیں

اور نہ کانوں نے سنی ہیں۔ اور نہ کسی دل پر ان کا خیال گذرا ہے۔ زندگی کے دونوں رخ سامنے کھلے ہوئے ہیں۔ اور انتخاب کے لئے ہر شخص آزاد ہے۔

حقیقی راحت کی اگر تلاش ہے۔ اصلی سکون خاطر کی اگر تمنا ہے اور دائمی دل جمعی کی اگر آرزو ہے تو ہر کر، تھک کر ہر طرح کا تجربہ کر کے بالآخر اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی عبادت، کنج درویشی اور فقر کی طرف آنا پڑے گا۔ باقی واقعات خودکشی کی اگر تعداد بڑھانی ہے اور دوزخ کے ایندھن میں اگر اضافہ کرنا ہے تو دنیا کے دروازے کھلے پڑے ہیں۔

عمر برق و شرار ہے دنیا
کتنی بے اعتبار ہے دنیا
داغ سے کوئی دل نہیں خالی
کیا کوئی لالہ زار ہے دنیا
ہر جگہ جنگ ہر جگہ ہے نزاع
عرصۂ کار زار ہے دنیا
گرچہ ظاہر میں صورت گل ہے
پر حقیقت میں خار ہے دنیا
زندگی نام رکھ دیا کس نے
موت کا انتظار ہے دنیا

یاد رہے کہ انسانی جسۂ لطیف **قلب** اور روح کی اصلی غذا اللہ تعالیٰ کی عبادت، ذکر فکر، تلاوت اعمال صالحہ وغیرہ ہیں۔ اور اس غذا سے دل کو حقیقی اور دائمی اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جب باطنی جُسّے **قلب** اور روح کو اپنی مخصوص غذا ذکر فکر الٰہی سے محروم کر دیا جاتا ہے تو وہ بھوک کے اضطراب اور اضطرار سے تنگ آ کر مجبوراً نفس بہیمی کی نجس غذا کھانے لگ جاتا ہے۔ جیسا کہ عام جانوروں میں اکثر دیکھا

جاتا ہے کہ اگر ان کو اپنی مخصوص غذا گھاس چارہ اور دانہ وغیرہ سے محروم رکھا جائے تو وہ مجبوراً گندگی اور پاخانہ کھانے لگ جاتے ہیں۔ اور اسی کو اپنی مخصوص غذا بنا لیتے ہیں۔ جس سے ان کی فطرت اور سرشت بھی مردار خور جانوروں کی سی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قلب کا ملکوتی جسہ اپنی مخصوص غذا ذکر، فکر، طاعت اور عبادت الٰہی سے جس وقت محروم کر دیا جاتا ہے تو وہ مجبوراً نفس بہیمی کی سفلی مادی کثیف غذا یعنی جیفہ دنیا کی گندگی کو اپنی قوت اور قوت کا ذریعہ بنا لیتا ہے اور اسی سے اپنا پیٹ بھرنے لگ جاتا ہے۔ اور انسانی قلب بھی نفس بہیمی کی خو بو اختیار کر لیتا ہے۔ اور اسی کے اوصاف ذمیمہ سے متصف اور اس کے اخلاق رذیلہ سے متخلق ہو جاتا ہے اور اپنی اعلیٰ ملکوتی احسن تقویم سے گر کر بہیمیت سبعیت اور شیطنت کے درک اسفل میں جا گرتا ہے۔ اور جب ایسی حالت میں مرتا ہے تو بعد از موت ہمیشہ کے لئے ظلمت اور سفلی مخلوق شیاطین والانس والجن اور ارواح خبیثہ کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے اور ان کے درک اسفل یعنی مقام سجین میں داخل کیا جاتا ہے اور ابدالآباد تک قسم قسم کے باطنی آلام، روحانی مصائب اور طرح طرح کے عذابوں میں معذب اور مبتلا رہتا ہے اور قیامت کے روز جہنم کی آگ میں جھونک دیا جاتا ہے۔ لیکن سعادت مند شخص کا بخت ازلی یاور ہوتا ہے۔ اس کی فطرت اپنی اصلی ملکوتی نوری معدن کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اور اس کا باطنی جسہ اپنی مخصوص لطیف غذا ذکر فکر کی طرف مائل اور راغب ہو جاتا ہے۔ اور باطنی ہمائی یعنی نوری غذا کے حصول کے لئے کمر بستہ اور مستعد ہو جاتا ہے اور اسے حاصل کر کے اس سے پرورش اور تربیت پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق کہ فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلیٰ جنوبکم ہر وقت ذکر فکر اور طاعت الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے تو کثرت ذکر دوام اور ذکر سلطان اس کے جسم کے تمام اعضاء، حواس وقویٰ اور آخر دل کو غرض تمام ظاہر و باطن کو گھیر لیتا ہے۔ اور دل ذکر الٰہی کے انوار اور مشاہدات کی لذت اور ذوق شوق میں محو اور مست ہو

جاتا ہے۔اس وقت نفس بہیمی بھی جو لطیفۂ قلب کا قریبی ہم نشین اور پڑوسی ہے اپنے رفیق دل کی نوری غذا کی بو اور لذت معلوم کر کے اس ملکوتی غذا کا شائق اور شیدائی ہو جاتا ہے۔اس وقت نفس کا دابہ مادی غذا اور چند روزہ دنیوی عیش کی ناپائدار اور فانی لذات سے منہ موڑ کر ذکر فکر، طاعت اور عبادت الٰہی یعنی ملکوتی نوری غذاؤں سے پرورش اور تربیت پاتا ہے۔اور ملکوتی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔اور حیوانی اور بہیمی اوصاف ذمیمہ کی قیود سے چھوٹ جاتا ہے۔قولہ تعالیٰ۔قد افلح من زکھا۔ترجمہ۔تحقیق وہ شخص چھٹکارا پا گیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر کے اسے پاک کر لیا۔ قولہ تعالیٰ۔واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو۔تاکہ تم چھٹکارا پا لو۔اس وقت نفس بہیمی قلب ملکوتی کے رنگ سے رنگین اور اس سے متحد ہو کر صفت بہیمی سے فنا ہو جاتا ہے اور ملکوتی صفات اور روحانی اخلاق اختیار کر لیتا ہے اور عالم ملکوت اور ملاء اعلیٰ کی نوری مخلوق میں شامل ہو کر ابدالاباد تک اس پاک لطیف عالم کے نوری غیر مخلوق لذات اور نظاروں سے لطف اندوز رہتا ہے۔جو نہ ان مادی آنکھوں نے کبھی دیکھے ہیں۔نہ ان کانوں نے کبھی سنے ہیں۔اور نہ کسی مادی خیال میں ان کا کبھی گذر ہوا ہے۔قولہ تعالیٰ۔فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔ترجمہ:۔کوئی شخص نہیں جانتا مومنوں کی ان نعمتوں کو جو ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے ان سے چھپا رکھی ہیں۔ان کے نیک اعمال کے بدلے جو وہ دنیا میں کرتے رہے۔ خدا کے نیک اور برگذیدہ لوگوں کے قلوب پر جب اس باطنی لطف کے دروازے کھل گئے تو پہاڑوں کے غاروں میں بیسیوں برس مست اور مگن رہے۔بعض امرا اور بادشاہوں نے جب یہ باطنی چاشنی چکھی تو وہ شاہی تاج اور تخت پر لات مار کر اس کی طلب میں جنگلوں اور بیابانوں میں جا نکلے اور پھر بادشاہی اور تخت و تاج کا نام تک نہ لیا۔گوتم بدھ، حضرت ابراہیم بن ادھمؒ اور شاہ شجاع کرمانی وغیرہ نے بادشاہیاں اس دائمی اور

سرمدی سلطنت کی خاطر ترک کر دیں۔ کہتے ہیں۔حضرت ابراہیم بن ادھمؒ پر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے باطنی واردات اور نوری تجلیات کی بارش ہونے لگتی تو آپ فرماتے کہ کہاں ہیں دنیا کے بادشاہ۔خدا کی قسم اگر ان نعمتوں میں سے وہ ایک ذرہ اور ان نظاروں میں سے ایک شمہ دیکھ پائیں تو سب تخت وتاج چھوڑ کر جنگل کی طرف دوڑ آئیں۔

حضرت محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز کو ایک دفعہ سلطان سنجر نے ایک عریضہ بدیں مضمون بھیجا کہ اگر حضور ایک دفعہ قدم رنجہ فرما کر میرے علاقہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائیں۔اور مجھے اپنی زیارت فیض بشارت کا موقع بخشیں تو میں نیمروز کا سارا علاقہ حضور کے لنگر کے لئے وقف کر دوں گا۔حضور نے اس عریضہ کی پشت پر یہ رباعی تحریر فرما کر قاصد کے حوالے کر دی۔

چوں چتر چنبری رخ بختم سیاہ باد
بافقر اگر بود ہوس ملک سنجرم
تایافت خاطرم خبر از ملک نیم شب
صد ملک نیمروز بیک جو نمے خرم

غرض اس باطنی دوام دولت اور روحانی لازوال لذت کا کیا کہنا۔اس کی قدر و قیمت وہی جانتے ہیں جنہوں نے یہ چاشنی چکھی ہے۔

آسمان کے چتر کی طرح میرا چہرہ سیاہ ہو۔اگر فقر کے ہوتے ہوئے مجھے ملک سنجر کی ہوس ہو۔جب سے میرا دل ملک نیم شب سے آشنا ہو گیا ہے۔سنجر جیسا سو ملک میں ایک جو سے نہیں خریدتا۔

یک بار چراغ آرزو ہا پُف کن
قطع نظر از جمال ہر یوسف کن

زیں شہد یک انگشت رسانم بلبت
از لذت اگر محو نہ گردی تف کن

جولوگ اس عنصری جسے یعنی گوشت اور ہڈیوں کے ڈھانچے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ یا اربع عناصر اور ان کے لطیف بخار کو روح کہتے ہیں۔ یا اطباء کی طرح خون کو روح بتاتے ہیں وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ اور نیز جو لوگ اس ترکیب مادی اور نظام عنصری کے درہم برہم ہونے کو انسانی زندگی کا خاتمہ خیال کرتے ہیں وہ نہایت نادان ہیں۔ کیونکہ تمام اہل مذہب اور اہل فلسفہ جدید وقدیم اور اہل علم روحانی یعنی اہل اپر چولزم اور اہل سائنس سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ روح اس عنصری جسے اور مادی جسم کے ماسوائے ایک الگ اور علیحدہ خارجی چیز ہے۔ اور اس عنصری بدن اور مادی جسم کی ہلاکت اور اس چھلکے کے اتر جانے کے بعد بھی روح زندہ اور پائندہ رہتی ہے۔ اور آج کل تو روحوں کو حاضر کرنے اور ان سے بات چیت کرنے کے تجربے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں۔ اس کے لئے مزید زبانی دلائل اور عقلی براہین پیش کرنے کی حاجت نہیں رہی۔ جو لوگ اس ہستی موہوم اور دنیا کے آب نما سراب کو لا متناہی، غیر مختتم اور سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں۔ وہ پرلے درجے کے کوتاہ بین اور نادان کورچشم ہیں۔

تو مے گوئی کہ من ہستم خدا نیست
جہان آب و گل را انتہا نیست
من اندر حیرتم از دیدن تو
کہ چشمت آنچہ بیند ہست یا نیست

ترجمہ۔ تو کہتا ہے کہ میں موجود ہوں مگر خدا نہیں ہے۔ اور اس پانی اور مٹی کی دنیا کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ میں تیرے اس مشاہدہ پر حیران ہوں کہ تیری آنکھ جو کچھ دیکھ رہی ہے۔ درحقیقت موجود ہے بھی یا نہیں۔

ایک دفعہ تو آرزوؤں کے چراغ بجھا دے اور ہر محبوب سے قطع تعلق کر لے۔ عرفان الٰہی کے اس شہد سے ایک انگلی میں تیرے ہونٹوں تک پہنچا دیتا ہوں۔ اگر دنیا کی لذات تیرے ذہن سے ختم نہ ہو جائیں۔ تو مجھ پر افسوس کرنا۔

اب اگر کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ انہیں وہ علوی لطیف جسم روح دکھا دیا جاوے۔ تب ہم اسے مانیں گے۔ ہم ایسی چیز کو جو نظر نہ آئے اور نہ سمجھ میں آئے کیونکر مانیں۔ تو اس ہٹ دھرمی کا علاج ہی نہیں۔ اور یہ ایسا سوال ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کیا تھا۔ کہ حتی نری اللہ جھرۃ۔ یعنی ہمیں اللہ تعالی کھلم کھلا دکھایا جائے، تب ہم مانیں گے۔ ایسے شقی مادر زاد اندھے اگر اپنی ضد اور انکار پر اڑے رہیں تو وہ اپنی کور چشمی کی وجہ سے معذور ہیں۔ کیونکہ ان کے دل مادے کے غلیظ غلاف اور پردے میں محصور ہیں۔ قالوا قلوبنا غلف ط بل لعنھم اللہ بکفرھم

هزار معجزه بنمود عشق و عقل جهول
هنوز امت اندیشهائے خویشتن است

ترجمہ:۔ عشق نے ہزاروں معجزے دکھلا دیئے۔ لیکن جاہل عقل ابھی تک اپنے اندیشوں کی پیروی کر رہی ہے۔

بعض یہ کہیں گے کہ اگر روح کوئی چیز ہے یا دنیا میں آنے سے پہلے مقام ازل میں موجود تھی تو ہم کو وہ مکان اور وہ زمان اور وہ ارواح کیوں یاد نہیں ہیں۔ سو یاد رہے کہ روح مقام ازل میں بیدار تھی۔ جس وقت اس نے اس دنیا میں جنم لیا۔ اور مادی جہان میں جسم کثیف کا لحاف اوڑھ کر خواب غفلت میں سو کر بے ہوش ہو گئی تو وہ ازل کا زندہ بیدار جہان اور وہاں کا مکان اور زمان اسی طرح فراموش کر گئی جس طرح ہم خواب کے اندر اس زندہ جہان اور یہاں کے مکان اور زمان کو بھول جایا کرتے ہیں۔ اور اگر بالفرض ہمیں خواب کی دنیا میں بند کر دیا جائے اور سالہا سال

تک بیدار نہ کیا جائے تو چونکہ ہمارے سامنے خواب کی ایک خیالی اور مثالی دنیا اس زندہ دنیا کی مثل موجود ہوتی ہے۔ ہم کبھی اس زندہ دنیا کو یاد بھی نہیں کریں گے۔ اور نہ بیدار ہونے کی آرزو کریں گے۔ اسی طرح نفسانی لوگوں کیقلوب اور ارواح اس مادی دنیا میں غفلت کی نیند سوئے ہوئے ازل کے زندہ بیدار جہان سے غافل اور بے خبر ہیں۔ چنانچہ اس دنیا میں خواب کے اندر نفس جب اپنے حواس اور قویٰ سے معطل ہو جاتا ہے۔ گویا ایک گونہ مر جاتا ہے تو دل بعض دفعہ اس مقام کو اپنے باطنی حواس سے معلوم اور محسوس کرتا ہے۔ اور خواب کے اندر ایسے نادیدہ مقامات دیکھتا ہے جو اس نے دنیا میں پہلے کبھی نہیں دیکھے ہوتے۔ لیکن وہ ان مقامات سے اس طرح مانوس اور مالوف ہوتا ہے جس طرح وہ اس کے اپنے گھر ہوں اور انہیں گویا اس نے بہت مدت استعمال کیا ہے۔ یا بعض وقت خواب کے اندر ایسے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے جنہیں دنیا میں پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا۔ لیکن وہ خواب میں دوست، آشنا اور رشتہ دار معلوم ہوتے ہیں۔ یا کبھی کسی ولی یا بزرگ یا نبی کی خواب میں زیارت ہو جاتی ہے۔ اور ہم خواب میں انہیں شکل اور نام سے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ اور ان سے واقف کاروں اور محرم رازوں کی طرح بات چیت کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا میں وہ ہم سے بہت زمانہ پہلے گذر چکے ہیں۔ لیکن ہمارا دل اور روح اس توفیق سے انہیں اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ غرض اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ روح جسم سے علیحدہ اور الگ وجود رکھتی ہے اور اس جسم عنصری کے فنا ہو جانے کے بعد زندہ رہے گی۔ اور جسم عنصری اختیار کرنے سے پہلے بھی مقام ازل میں موجود تھی۔ اور خواب میں جو بعض دفعہ ہم نادیدہ مانوس مقامات یا اجنبی اشخاص کو دیکھ کر پہچانتے ہیں تو وہی ازلی مقامات اور وہی ازلی آشنا اور یار دوست ہیں۔ جن سے روز ازل میں روح مانوس اور مالوف رہی ہے۔ انسان کا عنصری ڈھانچہ اور مادی جسہ فنا پذیر ہے۔ اور موت کے بعد ہم اسے دیکھتے ہیں کہ گل

سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے لیکن انسان کا باطنی جسم نفس قلب و روح وغیرہ اور ان کے باطنی حواس اور قویٰ یعنی تصور، تفکر، توجہ، تصرف کو نہ مٹی کھاتی ہے اور نہ یہ چیزیں گلنے سڑنے والی ہیں۔ لیکن ان کا خود بخود بغیر کسی آوند اور ظرف یعنی وجود کے قائم رہنا محال ہے۔ اس لئے موت کے بعد ان باطنی حواس، قویٰ اور خیالات وغیرہ کو باطنی لطیف وجود عطا کیا جاتا ہے۔ سو تمام سلوک تصوف اور روحانیت کی غرض و غایت یہ ہے کہ انسان اسی زندگی میں ایک ایسا لطیف نوری مرکب تیار کر لے جو ان باطنی حواس اور قویٰ وغیرہ کا حامل ہو۔ اور دوسری ابدی لطیف دنیا میں پہنچ کر وہاں زندگی بسر کرنے اور رہنے سہنے اور روحانی ترقی حاصل کرنے کے قابل ہو۔ جس کی خام ناتمام صورت گاہ گاہے بطور مشتے نمونہ از خروارے ہم خواب میں پاتے ہیں۔ خواب میں انسان کا ایک لطیف معنوی پیکر انسانی حواس، قویٰ اور خیالات کا حامل اور مرکب بن جاتا ہے۔ وہ لطیف جسم خواب کے اندر ایک لطیف دنیا کے اندر دیکھتا بھالتا، بولتا، چلتا پھرتا، سوچتا سمجھتا اور سب کام کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ تو خواب دیکھنے والا اتنا بھی سمجھتا ہے کہ یہ جو میں دیکھ رہا ہوں یہ خواب کی حالت ہے۔ لیکن چونکہ نفسانی آدمی کا یہ جسم ابھی خام اور ناتمام حالت میں ہوتا ہے، اس لئے اسے اس جُسے کی نسبت نہ پوری آگاہی حاصل ہوتی ہے اور نہ پورا شعور حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ خواب کی دنیا کو خیالی دنیا سے تعبیر کرتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت خواب کی دنیا خالی خیالی دنیا ہی نہیں ہوا کرتی۔ اور نہ ہر خواب روزمرہ کے عادی دنیوی پریشان خیالات کا مجموعہ ہوا کرتا ہے بلکہ خدا کے مقبول اور برگزیدہ بندوں کے خواب آئندہ واقعات کے سچے نمونے اور لوح محفوظ کی متحرک فلم اور ٹھوس حقائق ہوا کرتے ہیں۔ اور وہ خواب صبح صادق کی طرح صحیح اور درست ثابت ہوتے ہیں۔ عارف سالک لوگ جب مراقبہ کرتے ہیں تو ہوش و حواس اور عقل و شعور کے ساتھ خواب کے لطیف غیبی جہان میں داخل ہوتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں پہنچ جاتے ہیں اور جو چاہتے

ہیں کرتے ہیں۔ عوام نفسانی لوگوں کا یہ لطیف جسہ چونکہ ابھی رحم کے اندر جنین کی طرح مردہ اور بے حس ہوتا ہے اس لئے اسے خواب کے اندر شعور و ادراک اور ہوش و حواس حاصل نہیں ہوتے۔ لیکن عارف زندہ دل آدمی کا لطیفۂ قلب طفل معنوی کی طرح بطن باطن سے زندہ اور صحیح و سلامت انسان کی طرح عالم غیب میں پیدا اور ہویدا ہو جاتا ہے۔ اور شعور و ادراک اور ہوش و حواس کے ساتھ وہاں آمد و رفت رکھتا ہے۔ اور عالم غیب اور عالم آخرت کے حالات اور واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اصطلاح تصوف میں اس لطیف وجود کو لطیفہ کہتے ہیں۔

یہ لطیفہ جسد عنصری کی طرح تمام باطنی لطیف اعضاء اور حواس کا مکمل معنوی انسان ہوتا ہے۔ وجود عنصری کو کپڑے اور چھلکے کی طرح اتار کر عالم غیب میں اپنے اختیار سے آتا اور جاتا ہے۔ تصوف کی کتابوں میں ان لطائف کا ذکر پڑھنا اور ان کی نسبت قیل و قال اور گفت و شنید کرنا نہایت آسان کام ہے۔ لیکن خود اللہ تعالیٰ کے لطف کا لطیف معنوی انسان اور نوری پیکر بننا نہایت دشوار کام ہے۔ بہت سے رسمی دکاندار مشائخ تصوف اور سلوک کی کتابوں میں ان لطائف کا حال پڑھ کر طالبوں کو زبانی طور پر بتاتے ہیں کہ نفس اور قلب کے دو لطیفے عالم خلق سے ہیں۔ اور لطیفۂ روح، سرّ، خفی، اخفیٰ اور لطیفہ انا یہ پانچ لطائف عالم امر کے ہیں۔ اور ان لطائف کے مقام بتاتے ہیں کہ سینے میں یہ مقام نفس ہے۔ اور یہ مقام قلب ہے۔ اور دماغ میں یہ مقام فلاں ہے اور یہ مقام فلاں۔ اور طالبوں کو دم حبس کرا کر کہتے ہیں کہ دل کی طرف فکر کرو۔ اس میں ذکر کی حرکت معلوم ہوگی۔ اور ذکر کی آواز آئے گی۔ جس وقت سادہ لوح طالب بچارے دم حبس کر کے دل کی طرف خیال کرتے ہیں تو اس میں واقعی خون کے دوران یعنی خون کے دل میں داخل ہونے اور نکلنے کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی حرکت تمام بدن اور رگ و ریشے میں معلوم اور محسوس ہوتی ہے۔ اور ساتھ ہی خون کے دھکیلنے کی ٹپ لپ کی سی آواز بھی طالب کو سنائی دیتی

ہے۔ یہ رسمی رواجی پیر نادان طالبوں کو دوران خون کی ان حرکات اور اصوات کو ذکر قلبی، روحی اور سرّی وغیرہ بتاتے ہیں۔ اور سادہ لوح بدھو طالب ان حرکات کو اصلی ذکر اور لطائف کا زندہ اور ذکر سلطان سمجھ کر خوش ہوتے ہیں۔ حالانکہ دوران خون کی ان حرکات اور اصوات کو ذکر الٰہی اور باطنی لطائف سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ اگر دوران خون کی دل اور تمام اعضاء کے اندر یہ تحریک، جنبش اور مادی آواز ذکر قلب ہے تو یہ ذکر تو کلب یعنی کتے اور ہر جانور میں موجود ہے۔ افسوس کہ آج کل کے رسمی، رواجی، ریا کار، دکاندار مشائخ نے تصوف اور سلوک کو بچوں کا کھیل سمجھ رکھا ہے۔ جیسے چھوٹی بچیاں گڑیا بنا کر ان سے کھیلتی ہیں۔ ان کی شادیاں اور بیاہ رچاتی ہیں۔ حالانکہ دراصل نہ کوئی شادی ہوتی ہے اور نہ بیاہ۔ اصل کجا اور نقل کجا۔

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

قلب کا ذکر اللہ سے زندہ ہونا اور اس کی حرکت اور جنبش بہت بڑی بات ہے۔ جب قلب زندہ ہو کر جنبش اور حرکت میں آتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے عرش معلےٰ کو جنبش اور حرکت ہوتی ہے اور حاملان عرش حیرت میں آ جاتے ہیں۔ سالک زندہ قلب پر چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں اور اسے ایک رائی کے برابر نظر آتے ہیں۔

دل کہ مے جنبد جنباند عرش را
عرش را دل فرش سازو زیر پائے

ترجمہ۔ دل جب جنبش میں آتا ہے تو عرش کو بھی ہلا دیتا ہے۔ اور دل عرش بریں کو اپنے پاؤں تلے کا فرش بنالیتا ہے۔

سالک عارف کا یہ باطنی لطیف جسۂ قلب جب زندہ ہو جاتا ہے تو باطنی اور لطیف دنیا میں ایک لطیف نوری بچے کی طرح گویا از سر نو تولد ہو جاتا ہے۔ سو سلوک اور تصوف کی غرض و غایت ان باطنی لطائف کا ذکر اللہ سے زندہ کرنا ہے۔ اس کی مثال

یہ ہے کہ دنیا کے مادی شجر تن کے ساتھ ہماری قندیل دل میں نوری چراغ اسم اللہ ذات لٹک رہا تھا۔ لیکن فنا اور موت کی تند آندھی سے درخت تن گرنے لگا۔ اور اس قندیل کے ٹوٹنے اور پھوٹنے کا خطرہ لاحق تھا۔ لہٰذا اس کے ہوشیار مالک نے اس سے ایک دوسرا چراغ روشن کر دیا اور اسے باطن کے لطیف، پر امن، دائم، استوار اور پائدار درخت عینی شجر طیبہ کے ساتھ نوری قندیل میں لگا دیا۔ جہاں اسے نہ ٹوٹنے کا خطرہ ہے اور نہ بجھنے کا خوف ہے۔ مولانا روم صاحبؒ اس مضمون کو مثنوی میں یوں ادا فرماتے ہیں۔

باد تند است و چراغ ابترے
زو بگیرانم چراغ دیگرے
تابود کز ہر دو یک وافی شود
گر بباد آں چراغ از جارود
ہمچو عارف کز تن ناقص چراغ
شمع دل افروخت از بہر فراغ
تا کہ رازے ایں بمیر و ناگہاں
پیش روئے خود نہد او شمع جاں

ترجمہ۔ ہوا تیز ہے اور چراغ زندگی بجھنے والا ہے۔ اس چراغ سے میں دوسرا چراغ جلا لوں۔ ممکن ہے کہ ان دونوں میں سے ایک باقی رہ جائے۔ اگر ہوا کی وجہ سے وہ پہلا چراغ بجھ جائے۔ جیسے عارف اس ناقص جسمانی چراغ سے دل کی شمع روشن کر لیتا ہے تا کہ وہ اطمینان لے۔ تا کہ اگر کسی دن یہ جسمانی چراغ اچانک بجھ جائے تو وہ اس روحانی چراغ کو اپنے سامنے رکھے۔

یا اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ اس دنیوی مادی بری زندگی کے سفر میں ہمیں چلنے پھرنے اور سواری کے لئے مادی مرکب یعنی جسد عنصری ملا ہے۔ لیکن عارف کامل

کے نوح روح کو اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی سے الہام اور اعلام ہو گیا کہ عنقریب مادی دنیا میں موت کا بلاخیز عالمگیر طوفان آنے والا ہے۔اس سے بچنے کے لئے روحانی کشتی تیار کر۔تو نیک بخت دور بین روح اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لئے نوح نبی اللہ کی طرح ایک لطیف روحانی کشتی تیار کر کے اس پر بمعہ جملہ متعلقین ہوش وحواس اور قویٰ سوار ہو جاتی ہے۔اسی طرح عارف سالک اسم اللہ ذات کے طفیل اللہ تعالیٰ کے لطیفۂ لطف کی لطیف کشتی میں سوار بسم اللہ مجرھاو مرسھا کہتا ہوا نوح نبی اللہ کی طرح فنا کے بلاخیز عالمگیر طوفان سے بچ جاتا ہے۔لیکن خام ناتمام عنصری آب وگل کے خاکی جُسوں والے نفسانی لوگ اس طوفان فنا کے تھپیڑوں میں غرق اور فنا ہو جاتے ہیں۔

اے دل ار سیل فنا بنیاد ہستی بر کند
چوں ترا نوح است کشتیباں ز طوفاں غم مخور

ترجمہ۔اے دل اگر فنا کی موج ہستی کی بنیاد کو اکھیڑ دے۔تو جب تک تیرا نوح کشتی چلانے والا ہے طوفان کا غم نہ کر۔

نیز یہ باطنی لطیف جسہ ہمارے اس جسد عنصری کے ذرے ذرے میں سے اس طرح زندہ ہو کر نکلتا ہے جس طرح انڈے سے بچہ یا دودھ سے مکھن۔اور ہر لطیفے سے دوسرا لطف زیادہ لطیف لطیفہ اس طرح نمودار ہوتا ہے جس طرح مکھن سے گھی۔اور علیٰ ہٰذا القیاس۔دل کا یہ نوری لطیفہ شہباز لامکانی اور عنقائے قاف قدس ہوتا ہے۔جب یہ مادے کے بیضۂ ناسوتی کو توڑ پھوڑ کر نکلتا ہے۔تو مادی دنیا کے تنگ و تاریک گھونسلے میں نہیں سماتا۔اور اپنے روحانی ملکوتی پروں کی خفیف جنبش سے کون ومکان اور شش جہات سے پار ہو جاتا ہے۔شجر طوبیٰ اس کا نشیمن بن جاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے کنگرۂ عرش میں اپنا نوری آشیانہ بنا لیتا ہے۔انسان اسی بلند مقصد کے لئے دنیا میں آیا ہے۔اور یہی اس کی زندگی کی غرض وغایت ہے۔اے طالب ہمت

کر کہ موت سے پہلے تو اس اصلی نصب العین اور حقیقی منزل مقصود تک پہنچ جائے۔

اے بدل از گوہر پاک آمدہ
گوہر تو زیور خاک آمدہ

چنبر نہ چرخ لبے بخت خاک
تا تو بروں آمدی اے در پاک

جان جہاں و ہمہ عالم توئی
وانکہ نہ گنجد بجہاں ہم توئی

گنج خدارا تو کلیک آمدی
نز پئے بازیچہ پدید آمدی

چرخ کہ از گوہر احسانت ساخت
آئینۂ صورت رحمانت ساخت

آئنہ زیں گو نہ کہ داری بچنگ
آہ ہزار آہ کہ ندہی بزنگ

آنکہ بملک و ملکی قابل است
آئینۂ صافی اہل دل است

آج کل اہل یورپ اور اہل فرنگ بھی روح اور روحانی دنیا کے قائل اور روحانی علم کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ اگر چہ یہ لوگ ہمارے علماء سلف صالحین اور اولیاء کاملین کے مقابلے میں ابھی محض طفل مکتب اور ابجد خوان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارے نئی روشنی کے دلدادہ اور مغرب زدہ نوجوان طبقہ کے لئے ہمارا یہ بیان ایک زبردست حجت اور قوی برہان ثابت ہو گا جو یوروپین محققین کے ہر قول کو وحی آسمانی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ ہمارے روشن خیال دوستوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یورپ میں مذہب اور روحانیت کی نسبت سائنس اور فلسفۂ جدید نے کچھ عرصہ پہلے جو غلط عقیدہ اور

باطل نظریہ قائم کیا تھا اب وہ بالکل بدل گیا ہے۔اب وہ وحی آسمانی، روح کی باطنی شخصیت اور اس کے عجیب مافوق الفطرت ادراکات اور روحانی کمالات کے بالکل قائل ہو گئے ہیں۔ہم یہاں آج کل کے علماء مغرب کی تحقیق وتفتیش اور ان کے نتائج واستنباطات پیش کر کے اپنے نوجوان دوستوں کو بتائے دیتے ہیں کہ جو لوگ وحی آسمانی اور الہامات روحانی کو محض ہذیان اور وہم وگمان سمجھتے تھے آخر کار ان کو بھی اس کی صداقت کا اقرار کرنا پڑا۔ہم ان لوگوں کے مذہبی افکار اور روحانی ذہنیت میں اس قدر انقلاب اور تغیر وتبدل پیدا ہونے کے ثبوت میں علماء مغرب کے موجودہ افکار ونظریات مختصراً قلم بند کرتے ہیں۔ممکن ہے اس سے ہمارے منکرین مذہب و روحانیت کو کچھ تنبیہ ہو اور وہ اپنے الحاد کے اصرار اور مذہب کے انکار پر نظر ثانی کرنے کی زحمت گوارا کریں۔اور ان سچے حقائق کی مخالفت سے باز آ جائیں۔جو اب یورپین محققین اور ان کے ارباب علم ورائے کے نزدیک بھی مسلم ہو گئے ہیں۔

"اہل مغرب تمام مذہبی قوموں کی طرح سولھویں صدی تک تو وحی آسمانی کے تقلیدی طور پر قائل رہے۔کیونکہ ان کی مذہبی کتابیں انبیاء کے حالات اور واقعات سے پر تھیں۔لیکن بعد میں جب سائنس کا دور شروع ہوا۔اور روحانیت سے ہٹ کر لوگوں کی توجہ مادیات کی طرف زیادہ ہوگئی۔تو اس وقت سائنس اور فلسفۂ مغرب نے اعلان کیا کہ وحی کا سلسلہ بھی ان پرانے خرافات میں سے ہے جو جہالت، نادانی اور توہم پرستی کے باعث انسانوں کے قلب و دماغ پر اب تک مسلط رہا ہے۔اس جدید فلسفے نے مابعد الطبعی حقائق کے انکار میں اس درجہ غلو کیا۔کہ سرے سے خدا اور روح کا ہی انکار کر دیا گیا۔اس سلسلے میں وحی کی نسبت یہ کہا گیا۔کہ یہ یا تو نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کی اپنی اختراع ہے جو انہوں نے لوگوں کی توجہات کو اپنی طرف راغب کرنے کے لئے اختیار کر لی ہے یا کسی قسم کا ہذیان ہے جو بعض عصبی امراض والوں کو لاحق ہو جاتا ہے۔اور اس مرض کے دوروں میں ان کو بعض چیزوں کی

صورتیں متمثل ہو کر نظر آتی ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں ان کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی۔
فلسفۂ یورپ نے وحی اور دوسرے مابعد الطبعی چیزوں کی نسبت اپنے اس نظریئے کا اس زور و شور سے پراپیگنڈا کیا۔ کہ یہ نظریہ فلسفے کا ایک مستقل عقیدہ بن گیا۔ اور ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو عالم یا تعلیم یافتہ کہلانا چاہتا، اس کے لئے اس نظریئے کا قائل ہونا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ ایک کثیر ندان طبقہ اس سیلاب جہالت کی رو میں بہہ کر غافل دنیا سے گذر گیا۔ لیکن ۱۸۴۷ء میں امریکہ کے اندر وجود روح کے ایسے آثار نمودار ہوئے جنہوں نے امریکہ سے گذر کر تمام یورپ کے خیالات کے اندر ایک تموج اور ہیجان پیدا کر دیا۔ اور لوگوں کو ایسی باطنی دنیا اور عالم روحانی کے وجود کا انکار کرنا پڑا۔ جس میں بڑی بڑی عقلیں اور روشن افکار کارفرما ہیں۔ تمام یورپ کے اندر ایک اب مسائل روحانیہ میں بحث و فکر کا نقطۂ نظر بالکل بدل گیا۔ اور وحی اور روح کا مسئلہ از سر نو زندہ ہو گیا۔ علمائے مغرب نے اس مسئلے پر پھر از سر نو بحث شروع کر دی اور اس کی تحقیق و تفتیش میں لگ گئے۔ چند سال کے بعد جب انہوں نے اپنی تحقیق و تفتیش کے نتائج شائع کئے تو یورپ کی تمام فضا میں ایک آگ سی لگ گئی ۱۸۸۲ء میں بمقام لندن ایک کمیٹی بنی جس کا مقصد روح اور اس کے متعلقات پر بحث کرنا اور ان کی تحقیق و تفتیش کرنا تھا۔ اس کمیٹی میں جو علماء شریک تھے ان میں قابل ذکر اور نمایاں تر یہ حضرات تھے۔ (۱) پروفیسر جیک کیمبرج یونیورسٹی صدر کمیٹی اور انگلستان کا مشہور عالم طبعیات (۲) پروفیسر اولیور لاج علم طبعیات کا ماہر خصوصی (۳) سر ولیم کروکس انگلستان کا مشہور عالم کیمسٹری (۴) پروفیسر فریڈرلک مایوس کیمبرج یونیورسٹی (۵) پروفیسر ہڈسن (۶) پروفیسر ولیم جیمس ہرفورڈ یونیورسٹی امریکہ (۷) پروفیسر بلریوب کولمبیا یونیورسٹی (۸) کامل فلامریون فرانس کا مشہور ماہر فلکیات و ریاضیات۔ ان کے علاوہ یورپ کے دیگر مشہور علماء بھی اس کمیٹی میں شامل رہے۔ یہ کمیٹی تیس سال تک قائم رہی۔ اس مدت میں اس نے ہزاروں روحانی

واقعات وحوادث کی تحقیق کی اور روح انسانی اس کے قویٰ اور قوت ادراک کے متعلق بار بار تجربے کئے۔ جو چالیس ضخیم اور موٹی جلدوں میں مدون ومحفوظ ہیں۔ اس کمیٹی نے اپنے نتائج فکر وتجربہ کی متواتر اشاعت کی اور انہوں نے ثابت کیا کہ انسان کے لئے ایک اور باطنی شخصیت بھی ہے۔ یعنی ہم اپنی موجودہ زندگی میں اگرچہ زندہ ہیں اور ادراک کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا یہ ادراک ان تمام روحانی قوتوں کے ایک جز سے ہوتا ہے جس کا اثر جسم کے حواس خمسہ کے افعال کے ذریعہ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن یہ زندگی جو حواس خمسہ نے ہم کو بخشی ہے۔ اس سے بھی کہیں زیادہ بڑھ کر ایک اور زندگی ہے جس کی عظمت وجلال کی کوئی نشانی اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ ہماری یہ ظاہری شخصیت نیند یا کسی اور ذریعے سے زائل نہ ہو جائے۔ چنانچہ ہم نے ان لوگوں پر جن کو ہپناٹزم یا مقناطیسی نیند کے ذریعے سلا دیا گیا تھا۔ دیکھا کہ سونے والے کو روحانی زندگی کی فراواں دولت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اس عالم روحانی میں اپنے حواس ظاہری کے علاوہ کسی اور باطنی حاسہ کے ذریعے دیکھتا اور سنتا ہے۔ آنکھوں سے اوجھل اور بعید چیزوں کی خبریں دیتا ہے۔ اور اس وقت اس کی قوت تعقل وطاقت ادراک پورے طور پر بیدار ہو کر اپنا کام کرتی ہے۔ کمیٹی کے نزدیک یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ انسان کی اس ظاہری شخصیت کے علاوہ ایک اور شخصیت ہے۔ جو پہلی مادی اور جسمانی شخصیت سے کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے۔ اور وہ شخصیت موت کے بعد زندہ رہتی ہے اور فناپذیر نہیں ہوتی۔ ان علماء نے یہ بھی معلوم کیا کہ یہی وہ اعلیٰ شخصیت ہے جس کے ذریعے ماں کے رحم کے اندر بچے کے جسم کا تکوّن ہوتا ہے۔ اور اسی کے اثر اور پرتو سے جسم انسانی تیار ہوتا ہے اور معدہ وغیرہ اعضاء جن پر انسان کے ارادہ کو کوئی دسترس حاصل نہیں ہے۔ ان کے فعل اور حرکت بھی اسی اعلیٰ شخصیت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ انسان کا انسان ہونا اسی باطنی شخصیت پر موقوف اور منحصر ہے۔ اس مادی شخصیت پر ہرگز نہیں۔ جس کا

تعلق حواس خمسہ ظاہرہ کے ساتھ ہے۔ اور یہی وہ شخصیت ہے جو جسم کے کثیف حجابوں کے درمیان بھی عمدہ عمدہ خیالات اور اعلیٰ ادراکات پیدا کرتی ہے۔ الہامات غیبی کا تعلق بھی اسی شخصیت سے ہے۔ اور یہی وہ قوت ہے جو انبیاء کے قلوب میں ان چیزوں کی القاء کرتی رہتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی کہتے ہیں۔ پھر گاہے گاہے یہی وحی مجسم ہو کر نظر آتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کا فرشتہ کہتے ہیں جو آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ ان علماء محققین کی رائے ہے کہ انسان کی یہ دوسری شخصیت حواس باطن کے ذریعے مدرک ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہپناٹزم کے ذریعے جو لوگ مقناطیسی نیند سوتے ہیں۔ ان میں بھی پسندیدہ عقل، روشن، نظر دور رس، نفوس کے پوشیدہ اسرار میں اثر و نفوذ مخفی باتوں کے معلوم کرنے کی صلاحیت اور اپنی حالت حاضرہ کے اعتبار سے جاہل غبی ہونے کے باوجود دنیا کے وسیع اقطار و اکناف میں سیر و سفر، یہ تمام چیزیں اور ان کے علاوہ دوسری فوق العادت قابلیتیں اس بات کی قوی دلیل ہے کہ انسان کے اندر ایسی باطنی شخصیت پائی جاتی ہے جو جسمانی حیات کے پردوں میں مستور ہے اور وہ اسی وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ اس کا جسم عنصری طبعی یا صناعی نیند میں مصروف ہو جاتا ہے۔

پھر رؤیائے صادقہ یعنی سچے خواب بھی جو صبح صادق کی طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اور جن کے ذریعے انسان غیبی امور اور آئندہ واقعات کو دریافت کر لیتا ہے یا جن میں بعض اوقات ایسے مشکل مسائل حل کر لیتا ہے۔ جنہیں وہ بیداری میں ہرگز حل نہیں کر سکتا تھا۔ یا جن میں وہ بعض اوقات ایسے اعمال کر گذرتا ہے جن کی وہ بحالت بیداری کبھی ہمت اور جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے لئے اس کی ظاہری شخصیت کے علاوہ ایک اور باطنی شخصیت ہے جو پہلے سے کہیں زیادہ قوی، بلند اور ترقی یافتہ ہے''۔ ان استدلال کے علاوہ اور بھی متعدد امور ہیں جن کا اس تحقیقاتی انجمن نے نہایت دقیقہ رسی کے ساتھ عمیق مطالعہ کیا۔ پھر

ساتھ ہی ان تجربوں کا جائزہ لیا جو ان سے پہلے کئے جا چکے تھے۔اور آخرکار انہوں نے علم ارواح اور ان کے لطائف وکوائف کا کھلے دل سے اقرار کیا۔اور یہ علم ایک روحانی سائنس کی طرح یورپ کے تمام ملکوں میں مروج اور مدون ہو گیا ہے۔ یورپ کے ہر بڑے شہر میں اس کی روحانی سوسائٹیاں اور باقاعدہ کمیٹیاں مقرر ہو گئی ہیں۔اور اس روحانی علم یعنی سپر چولزم کے باقاعدہ کالج اور اس کے بے شمار مدرسے کھل گئے ہیں۔اور بے شمار کتابیں اس فن میں لکھی جا چکی ہیں۔اس سلسلے میں کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور علم النفس پروفیسر ڈاکٹر مایرس نے جو اس انجمن کے بھی رکن خصوصی تھے۔انسانی شخصیت ہیومن پرسنیلٹی پر ایک نہایت قابل قدر کتاب لکھی ہے۔جس کے مختلف ابواب میں مقناطیسی نیند،عبقریت وحی اور شخصیت باطنہ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ہم ذیل میں چند اقتباسات کتاب مذکور کے صفحہ ۷۷،اور اس کے بعد کے صفحات سے نقل کرتے ہیں۔پروفیسر مایرس نے سب سے پہلے ان ریاضی دانوں کا ذکر کیا ہے جو مشکل سے مشکل مسائل ریاضی کا درست حل مقناطیسی نیند کے اندر فوراً بغیر کسی غور وفکر کے معلوم کر کے بتا دیتے ہیں۔پھر لطف یہ ہے کہ اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہیں یہ جواب کیونکر معلوم ہوا۔تو وہ بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے حل کر دیا ہے۔لیکن یہ معلوم نہیں کہ کس طرح حل کر لیا ہے۔اس سلسلے میں پروفیسر موصوف نے بیدلرنامی ایک شخص کا ذکر کیا ہے۔جو بڑے سے بڑے عدد کے متعلق یہ فوراً بتا دیتا تھا کہ وہ کن اعداد کی ضرب سے حاصل ہوتا ہے۔مثلاً ایک مرتبہ اس سے پوچھا گیا۔کہ وہ کیا کیا اعداد ہیں کہ جن کو ضرب دے دی جائے تو ۱۷۸۶۱ کا عدد حاصل ہو۔تو اس نے غور وتامل کے بغیر فوراً کہہ دیا کہ ۳۳۷ کو ۵۳ سے ضرب دینے سے یہ عدد پیدا ہوتا ہے۔پھر جب اس سے پوچھا گیا کہ کس قاعدے اور حساب سے۔تو اس نے کہا کہ میں یہ نہیں بتا سکتا۔گویا اس کا یہ جواب ایک طرح کا طبعی تقاضا تھا۔جس میں انسان کے ارادے اور فہم کو قطعی دخل نہیں ہوتا۔

پروفیسر مذکور کہتے ہیں کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اس قسم کے واقعات دنیا میں پہلی مرتبہ ظاہر نہیں ہوئے بلکہ اس سے پہلے بھی اس قسم کے اعلیٰ حالات اور واقعات اگلے لوگوں کے علم میں آچکے ہیں۔ یہ سب ہمارے وجود باطنی اور جسم روحانی کے کرشمے اور کارنامے ہیں۔ جو ہر دور اور ہر زمانے میں موجود رہے ہیں۔

پروفیسر مذکور لکھتے ہیں کہ اب میں پورے وثوق اور جزم کے ساتھ کہتا ہوں کہ انسان میں ایک روح کا وجود یقینی ہے جو اپنے لئے قوت و جمال کا اکتساب عالم روحانی سے کرتی ہے اور ساتھ ہی میں اس بات کا بھی یقین کرتا ہوں کہ تمام عالم میں ایک روح اعظم اور نور محیط سرایت کئے ہوئے ہے۔ جس کے ساتھ انسانی روح کو اتصال حاصل ہوسکتا ہے۔ اپنی اس تحقیق کے ساتھ پروفیسر مایرس نے فرانس کے ایک مشہور پروفیسر ایبو سے بھی نقل کیا ہے کہ انسان کی باطنی شخصیت ہی وہ چیز ہے جس کو عام لوگ وحی کہتے ہیں۔ اس حالت کے لئے طبعی صفات و خصائص ہیں جو اس کے ساتھ ہی مختص ہیں۔

آخر میں ہم رسل ویلز کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو طبیعات میں ڈارون کا ہم پلہ اور اس کا شریک خیال کیا جاتا ہے۔ اس نے عجائبات روح پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں وہ ان الفاظ میں برملا اعتراف کرتا ہے۔ میں کھلا ہوا مادہ پرست اور دہریہ تھا۔ میرے ذہن میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں آسکتا تھا کہ میں کسی وقت روحانی زندگی کا اظہار کروں گا جو دنیا میں کارفرما ہے۔ مگر میں کیا کروں۔ میں نے پے بہ پے ایسے مشاہدات محسوس کئے جن کو ہرگز نہیں جھٹلایا جاسکتا۔ انہوں نے مجھے مجبور کردیا ہے کہ میں ان چیزوں کو حقیقی اور واقعی تسلیم کروں۔ اگرچہ مدت تک میں انہیں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ یہ آثار روح سے سرزد ہوتے ہیں لیکن ان مشاہدات نے رفتہ رفتہ میری عقل کو متاثر کردیا ہے نہ بطریق استدلال وحجت بلکہ یہ مشاہدات کے پیہم تواتر کا اثر تھا جس سے میں بجز روح کے وجود کے اعتراف

کے اور طریقہ سے پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔

یورپ کے اساتذۂ علم جدید نے روح کے متعلق جو تحقیقات کی ہے۔ اس سے وہ ان نتائج پر پہنچے ہیں جو کمل فلاماریان کے نزدیک حسب ذیل ہیں۔

(۱) روح جسم سے جداگانہ ایک مستقل وجود رکھتی ہے۔ (۲) روح میں اس قسم کی خاصیتیں ہیں جواب تک علم جدید کی رو سے غیر معلوم تھیں۔ (۳) روح حواس خمسہ کی وساطت کے بغیر متاثر ہوسکتی ہے یا دوسری چیزوں پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے۔ (۴) روح آئندہ واقعات سے واقف ہوسکتی ہے۔

پھر اس روشنی میں وحی کی نسبت ان علماء کا خیال ہے کہ وحی دراصل روح انسانی پر ایک خاص قسم کی تجلی کا نام ہے۔ جو اس پر اس کی شخصیت باطنہ کے ذریعے ضو فگن ہوتی ہے۔ اور اس کو وہ باتیں سکھاتی ہے جنہیں وہ پہلے سے نہیں جانتا تھا۔ وحی کے باب میں علماء اسلام اور علماء یورپ میں اتنی بات مشترک ہے کہ وحی کا تعلق جسم یا کسی جسمانی طاقت سے نہیں بلکہ روح سے ہے۔ البتہ یہ امر مختلف فیہ رہ گیا ہے کہ اسلام میں وحی فرشتے کے ذریعے نبی کے قلب پر اترتی ہے۔ اور ان لوگوں کے نزدیک فرشتہ شخصیت باطنہ کا نام ہے۔ فرق صرف نام کا ہے کام کا نہیں۔

یورپ میں یہ روحانی مذہب گھر گھر رائج ہے اور دن رات روحوں کو حاضر کر کے ان سے کھلم کھلا بات چیت کی جاتی ہے۔ گھر گھر حاضرات ارواح کے حلقے قائم ہیں۔ جنہیں یہ لوگ خانگی حلقے (HOME CIRCLES) کہتے ہیں۔ ہر ایک حلقے میں ایک وسیط یعنی میڈیم (MEDIUM) کا وجود لازمی ہوتا ہے۔ میڈیم ایسا شخص ہوتا ہے جس پر فطرتی طور پر کوئی روح مسلط ہوتی ہے۔ گویا ایسا شخص عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان بطور واسطہ او روسیلہ کے ہوتا ہے۔ ارواح میڈیم کے وجود میں سے ہو کر حلقے میں آتی ہیں۔ بات چیت کرتی ہیں۔ کمروں کی چیزوں کو الٹ پلٹ کرتی ہیں۔ بغیر کسی کے ہاتھ لگائے باجے بجاتی ہیں۔ باہر کی چیزیں

مقفل بند کمروں میں لاکر ڈال دیتی ہیں اور بند کمروں میں سے چیزیں باہر لے جاتی ہیں ۔ روحیں اعلانیہ لیکچر دیتی ہیں ۔ ان کے ریکارڈ بھرے جاتے ہیں ۔ اور ان کی تصویریں لی جاتی ہیں ۔ غرض اس قسم کے بے شمار عجیب وغریب کرشمے دکھاتی ہیں کہ سائنس اور مادی عقل سے ان کی کوئی توجیہ نہیں بن آتی ۔ ان لوگوں میں علم روحانی کے بے شمار کالج ہیں ۔ اور ان علوم کے مختلف شعبے اور مضامین ہیں ۔ دن رات یہ لوگ اس علم کی ترقی میں محو اور مصروف ہیں ۔ ہم انشاء اللہ اسی کتاب کے اگلے صفحوں میں باب حاضرات کے اندر اس پر سیر حاصل بحث کریں گے ۔ اور اسے مفصل طور پر اور کھول کر بتائیں گے کہ ان ارواح کی نوعیت، اصلیت اور حقیقت اور ان کی حاضرات کی کیفیت کیا ہے ۔ یورپ کے علماء مادیین اور مغرب کے اہل سائنس و اہل فلسفہ محققین نے سالہا سال کی تلاش وتحقیق اور عرصۂ دراز کے غور وفکر کے بعد جس ادنے قریب کی ناسوتی باطنی شخصیت کا ابھی صرف پتہ لگایا ہے ۔ اور اسے معلوم اور محسوس کیا ہے ۔ ہمارے سلف صالحین اور فقراء کاملین نے ان لطیف معنوی شخصیتوں کو اپنے وجود میں زندہ اور بیدار کر کے ان کے ذریعے وہ حیرت انگیز روحانی کشف وکرامات ظاہر کیے ہیں کہ اگر اہل سائنس اور اہل فلسفۂ جدید کو اس کا شمہ بھی معلوم ہو جائے تو وہ مادے کی تمام خاکرانی کو خیر باد کہہ کر روحانیت کی طرف دوڑ پڑیں اور دنیا کے تمام کام کاج چھوڑ کر اسی ضروری، نوری اور حضوری علم میں دن رات محو اور منہمک ہو جائیں ۔ یہ ادنٰے باطنی شخصیت جس کا ابھی حال ہی میں اہل یورپ کو پتہ لگا ہے ۔ تصوف اور اہل سلوک کی اصطلاح میں اسے لطیفۂ نفس کہتے ہیں ۔ یہ لطیفہ ہر انسان کے اندر خام ناتمام حالت میں موجود ہے اسی ابتدائی باطنی جُسے کے ذریعے انسان خواب کی دنیا میں داخل ہوتا ہے ۔ نفس کا یہ لطیفہ جسد عنصری کو لباس کی طرح اوڑھے ہوئے ہے ۔ اس جُسے کا عالم ناسوت ہے ۔ جن، شیاطین اور سفلی ارواح اس مقام میں رہتی ہیں ۔ پرانے زمانے کے جادوگر اور کاہن اسی ادنٰے

شخصیت نفس کے طفیل جادو اور کہانت کے کرشمے دکھایا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو غیب کی باتیں بتایا کرتے تھے۔ یورپ میں آج کل کے مسمریزم، ہپناٹزم اور سپر چولزم کے تمام حیرت انگیز کرشموں اور عجیب کارناموں کا سرچشمہ بھی یہی لطیفۂ نفس ہے۔ غرض جو کچھ بھی ہو یہ بات اب سب علماء متقدمین اور متاخرین اور اہل سلف اور اہل خلف محققین کے نزدیک یکساں طور پر مسلم ہے کہ روح موت کے بعد زندہ اور باقی رہتی ہے اور زندگی سے پہلے بھی ارواح ازل کے مقام میں موجود تھیں۔ انسانی وجود میں نفس کا لطیفہ وہ ابتدائی باطنی شخصیت ہے جس کے زندہ اور بیدار ہونے سے انسان جنات کے باطنی لطیف عالم میں قدم رکھتا ہے۔ اس لطیفے کے زندہ اور بیدار ہونے کے دو مختلف طریقے ہیں۔ ایک نوری اور دوم ناری طریقہ ہے۔ نیک عمل، اللہ تعالیٰ کا ذکر فکر، عبادت، نماز، روزہ اور تصور اسم اللہ ذات وغیرہ اشغال نوری طریقہ ہے۔ اور خالی نفس کی مخالفت، ریاضت اور یکسوئی سے ناری صورت میں یہ لطیفہ زندہ اور بیدار ہو جاتا ہے۔ اور یہ نوری یا ناری صورت میں لطافت اختیار کرتا ہے۔ اور وہ زندہ اور بیدار ہو کر نفس کے لطیف عالم ناسوت میں داخل ہو جاتا ہے۔ ناری نفس کے ہمراہ جن اور شیاطین اور سفلی ارواح باطن میں ملاقی اور رفیق بن جاتے ہیں۔ یورپ کے سپر چولسٹ (SPIRITUALIST) اس مقام میں جن، شیاطین اور سفلی ارواح کی حاضرات کرتے ہیں۔ اسی مقام میں کاہنوں کی کہانت اور ساحروں کے سحر کا عمل ہوتا ہے۔ اور اسی مقام میں ہپناٹسٹ (HYPNOTIST) اپنے معمول کو مقناطیسی نیند سلا کر اس سے کام لیتا ہے۔ یہ لطیفہ خام اور خوابیدہ حالت میں ہر شخص کے اندر موجود ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعے انسان خواب دیکھتا ہے۔ اسی کو نفس تحت الشعوری (UNCONSCIOUS MIND) بھی کہتے ہیں۔ جس کے ذریعے مسمرائزر مسمرزم کے عمل کرتا ہے۔ اس لطیفے کے عجائبات بے شمار ہیں۔ اگر

سب کو تفصیل کے ساتھ لکھا جائے تو ایک الگ کتاب بن جائے۔ اسی کی بدولت طالبوں کو کشف جنونی حاصل ہوتا ہے۔ ماضی و مستقبل کے حالات کو بتاتا ہے۔ اور لوگوں کے نزدیک صاحب کشف و کرامات مشہور ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں عالم غیب کے جن مسخر ہو جاتے ہیں۔ اور عامل ان سے ہر طرح کی خدمت اور کام لیتا ہے۔ اپنے مخالفوں کو جنات کے ذریعے نقصان اور دکھ پہنچاتا ہے۔ زمین پر طیر سیر کرتا ہے۔ جنات کے ذریعے لوگوں میں محبت اور عداوت پیدا کرتا ہے۔ جنات سے آسیب دور کرتا ہے اور سلب امراض کرتا ہے۔ غرض اس لطیفے کے ذریعے عوام لوگوں کے سامنے بے شمار سفلی شعبدے اور ناسوتی کرشمے دکھائے جا سکتے ہیں۔ خام جہلا کو ایک ہی نظر سے توجہ جنونیت کے ذریعے دیوانہ اور پاگل بنایا جا سکتا ہے۔ غرض اسی ایک ادنیٰ لطیفے کے عجائب و غرائب بے شمار ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے شخص کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ اس قسم کا ابتدائی عامل اگر اس مقام پر ساکن اور راضی ہو جائے تو خواص کاملین عارفین کے نزدیک مکھی کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے سفلی کرشمے ایک بے دین جوگی، سنیاسی، تارک الصلوٰۃ اور غیر شرع آدمی سے بھی صادر ہو سکتے ہیں۔ غرض اس مقام میں جن، شیاطین اور سفلی ارواح سے اتحاد پیدا کر کے وہ سب کچھ کر سکتا ہے جو ایک جن، شیطان اور سفلی روح کر سکتی ہے۔ ہوا میں پرندوں کی طرح اڑتا ہے۔ آگ میں داخل ہوتا ہے اور اسے کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ دریا پر چلتا ہے۔ ایک جگہ غوطہ لگاتا ہے اور دوسری جگہ نمودار ہو جاتا ہے۔ ایک دم میں اور ایک قدم پر مشرق سے مغرب تک جا پہنچتا ہے۔ اس لئے جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

اذا رأیت رجلا یطیر فی الھوآء و یمشی علی الماء و ترک سنۃ من سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاضربہ بالنعلین فانہ شیطان و ما صدر منہ فھو مکر و استدراج.

ترجمہ۔ جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ ہوا میں اڑتا ہے۔ اور پانی پر چلتا ہے۔ درآں حالیکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سنت کا تارک ہو، تو بلا تامل اسے جوتوں سے مار۔ کیونکہ وہ شیطان ہے۔ اور جو کچھ اس سے صادر اور ظاہر ہو رہا ہے وہ مکر اور استدراج ہے۔

مرد درویش بے شریعت اگر
پرد بر ہوا مگس باشد
در چوں کشتی رواں شود بر آب
اعتمادش مکن کہ خس باشد

یورپ کے جملہ روحانیین اور علم نفسیات کے ماہرین خصوصاً اہل سپر چولزم جو اپنے روحانی حلقوں اور نشستوں میں ارواح کی حاضرات کر کے ان سے بات چیت کرتے ہیں اور اہل ہپناٹزم جس کے ذریعے عامل معمول کو مقناطیسی نیند سلا کر اس کی باطنی شخصیت یعنی اسی لطیفۂ نفس سے مختلف کام لیتا ہے۔ اور اہل مسمرزم (MYSMERISM) جو مختلف سفلی شعبدے دکھاتا ہے۔ دنیا کے تمام ساحر و جادوگر اور جملہ سفلی عاملین کی دوڑ دھوپ اسی ادنےٰ لطیفۂ نفس تک محدود ہوتی ہے۔ اس سے آگے ذرہ بھر تجاوز نہیں کرتے۔ اگرچہ نفسانی مادی عقل والوں کے نزدیک یہ ناسوتی کرشمے بڑے کمالات سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن کامل عارفوں کے نزدیک پرکاہ کے برابر وقعت بھی نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سب ناسوتی نفسانی کمال والے اپنے ان شعبدوں اور کرشموں کے ذریعے کمینی دنیا کی تجارت کرتے پھرتے ہیں۔

اگر مرد درویش شریعت مطہرہ کی پیروی کے بغیر ہوا پر بھی اڑے تو وہ ایک مکھی ہے۔ اگر کشتی کی طرح پانی پر چلنا شروع کر دے تو اس کا اعتماد نہ کر۔ یہ عمل ایک تنکے کے برابر ہے۔

اگر انہیں اپنے خالق خدا کی کچھ خبر ہوتی تو وہ چند روزہ فانی اور ہیچ دنیا کے بدلے اپنے عمل کو فروخت نہ کرتے پھرتے۔ سچ پوچھو تو یورپ کی سپرلزم، ہپناٹزم اور مسمرزم یہ سب اسلامی باغ تصوف کے ابتدائی خام میوے کے خوشہ چین ہیں۔ ہپناٹزم کا پیشرو مسمرزم ہے۔ یورپ کے اندر اس علم کو فروغ سب سے زیادہ ہنگری اور اس کے بعد آسٹریلیا میں ہوا۔ مسمرزم کا داعی اول ڈاکٹر مسمر آسٹریا کے پایۂ تخت ویانا کا رہنے والا تھا۔ یورپ میں ہنگری ہی وہ ملک ہے جسے ٹرکی کے مشہور بکتاشی صوفیوں نے اپنا سب سے بڑا روحانی مرکز بنایا تھا۔ بوڈاپسٹ میں حضرت بابا گلشن بکتاشیؒ کا مزار آج بھی مرجع انام ہے۔ یہاں صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ عیسائی بھی اپنی مرادیں مانگنے کے لئے بکثرت جاتے ہیں۔ حضرت بابا گلشنؒ کے متعلق مشہور ہے کہ یہ بزرگ مریضوں پر ہاتھ پھیر کر ان کے مرض دور کر دیتے تھے۔ ان کے مزار کے قریب ایک چھوٹا سا چشمہ ہے۔ جس کے پانی کو آج تک دفع امراض کے لئے اکسیر سمجھا جاتا ہے۔ اٹھارھویں صدی کے وسط میں حاجی قندش بکتاشی ہنگری کے مشہور ترین صاحب کرامت بزرگ ہو گذرے ہیں۔ ان کی خانقاہ ہنگری کے قصبہ ناغی کنیز سا (KANIZSANAGHI) میں تھی۔ ابی سینا وغیرہ کے ہزاروں مسلمانوں کے علاوہ بہت سے عیسائی بھی ان کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ یورپ کے مشہور مستشرق ڈاکٹر زویمر نے حاجی قندش بکتاشی کے حالات قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب حاجی صاحب کے سامنے کوئی مریض لایا جاتا تھا تو آپ چند دعائیں پڑھ کر اس پر دم کرتے تھے اور اسے چت لٹا کر دونوں ہاتھ اس پر پھیرتے تھے۔ تو مریض چند ہی منٹوں میں صحت یاب ہو جاتا تھا۔ ان کے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ ان کا عطا کردہ تعویذ جس شخص کے بازو سے بندھا ہوتا اس پر تلوار، سنگین اور بندوق کی گولی اثر نہیں کرتی تھی۔ اور حاجی صاحب تلواروں، سنگینوں اور گولیوں کے گہرے زخموں کو ہاتھ پھیر کر اور اپنا لعاب دہن لگا کر اچھا کرتے تھے۔

اور یہ بات آپ کی نسبت مشہور تھی کہ آپ جس شخص کی طرف گھور کر دیکھتے تھے وہ شخص بے ہوش اور بے خود ہو جاتا تھا۔ اس لئے حاجی صاحب اکثر اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رہتے تھے۔

ڈاکٹر مسمر کی شہرت کا آغاز اٹھارھویں صدی کے آخری حصے میں ہوا۔ جس طرح سے اور بہت سے عیسائی حضرت حاجی صاحب کے سلسلۂ بکتاشی میں داخل تھے۔ اسی طرح ڈاکٹر مسمر کو بھی حضرت حاجی صاحب یا ان کے کسی خلیفہ سے ارادت تھی۔ ڈاکٹر مسمر نے ان سے اسلامی تصوف کا طریقۂ توجہ معلوم کیا اور سیکھا اور بعدہٗ اسے مادیت کا رنگ دے کر حیوانی مقناطیسیت کے نام سے اسے موسوم کر کے سلب امراض میں اسے استعمال کیا۔ عمل تنویم یا مسمریزم اور ہپناٹزم کے دامن میں جو کچھ بھی ہے وہ صوفیوں کے ابتدائی لطیفۂ نفس کے اشغال کا دھویا ہوا خاکہ اور چربہ ہے۔ فرق اگر کچھ ہے تو یہ ہے کہ تصوف کامل ہے اور مسمرزم ناقص۔ تصوف نور ہے اور مسمرزم نار ہے۔ تصوف کا رخ دین کی طرف ہے اور مسمرزم کا رخ دنیا کی جانب ہے۔ تصوف کا مرجع خدا ہے۔ اور مسمرزم کا مرجع دنیا و ما فیہا ہے۔

جن، شیاطین اور ارواح خبیثہ بعض دفعہ کسی گھر یا مکان کے اندر سکونت اور رہائش اختیار کر لیتے ہیں۔ اور وہاں کے رہنے والوں کو خواب اور بیداری میں ڈراتے اور دکھ پہنچاتے ہیں۔ دنیا میں تقریباً کوئی شہر ایسا نہ ہو گا جس کے کسی گھر یا مکان میں یہ غیبی لطیف مخلوق نہ رہتی ہو۔ ایسے مکانوں کو عرف عام میں آسیب زدہ یا بھارے مکان کہتے ہیں۔ یورپ میں ایسے مکانوں کو ہانٹیڈ ہاؤسز (HAUNTED HOUSES) کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ بعض جن بے آزار ہوتے ہیں۔ اور گھر والوں کو کوئی دکھ اور آزار نہیں پہنچاتے بلکہ ان کی دیگر موذی جنات سے حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے بذات خود اس قسم کے آسیب زدہ گھر دیکھے ہیں۔ اور انہیں جن شیاطین کی آماجگاہ پایا ہے۔ بعض جن شیاطین اور ارواح خبیثہ انسانوں

پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ جس سے ان کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔اور وہ لا علاج امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔لیکن شیطان اور بدروح کے انسانی جسم میں داخل ہونے سے علاوہ اور امراض بدنی کے ان کے اخلاق اور اعتقادات پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔اور جب ان کے ناری اور خبیث اثر سے کسی انسان کا دل اور دماغ متاثر ہو جاتا ہے۔تو وہ پاگل، دیوانہ اور مجنون ہو جاتا ہے۔ان کے مختلف فرقے اور اقسام ہیں۔اوران کے علیحدہ وصف الگ الگ کام ہیں۔ان کی ایک قسم وہ ہے جو پہاڑوں کے چشموں اور غاروں میں رہتی ہے۔ان میں ایک دوسرا گروہ ہے جو شہروں کے گھروں اور مکانوں میں رہائش رکھتا ہے۔تیسرا ایک فرقہ ہے جو قبرستانوں اور مرگھٹوں کے اندر رہتا ہے۔ یہ انسانوں کے ہمراہ رہنے والے طبعی جن اور شیاطین ہوتے ہیں۔ جو موت کے بعد انسان سے مفارقت اختیار کر کے کچھ عرصہ ان کی قبروں اور مرگھٹوں پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ یہ جن شیاطین اکثر مردوں کے خویش و اقارب پر بھی مسلط ہو جایا کرتے ہیں۔ ہندو لوگوں میں یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ مرنے کے بعد مردہ روح بھوت بن کر اس کے خویش و اقارب میں سے کسی پر مسلط ہو جاتی ہے۔اسی لئے یہ لوگ مردہ جلاتے وقت اپنا حلیہ اور لباس تبدیل کر لیا کرتے ہیں۔اور بعض ہندو قبیلے تو تبدیلی ہیئت میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ اپنے سر، داڑھی اور مونچھوں کے بال تک منڈھوا ڈالتے ہیں۔تا کہ مردہ کی روح بھوت بن جانے کے بعد انہیں پہچان نہ سکے اور اس طرح وہ اس کے تسلط سے محفوظ ہو جائیں۔

مقصد حیات اور ضرورت اسم اللہ ذات

واضح ہو کہ ازل کے روز جب اللہ تعالیٰ نے کل ارواح کو جوہر نور اسم اللہ ذات سے لفظ کن کہہ کر پیدا کیا۔ اور تمام ارواح کو اپنے سامنے لا کر حاضر کیا۔ اور ان پر اپنی ربوبیت کا اظہار کیا۔ اس وقت سوال کیا۔ الست بربکم۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اس وقت چونکہ تمام ارواح کی آنکھیں نور اسم اللہ ذات سے منور اور سرمۂ معرفت سے سرمگیں تھیں اور ہر کدورت اور آلائش سے پاک تھیں۔ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا۔ بلیٰ۔ یعنی ہاں بے شک تو ہمارا رب ہے۔ اس کے بعد صراف حقیقی نے ان کے نقد قال اور متاع اقرار کو اعمال اور احوال کی کٹھالیوں یعنی عنصری جسوں میں ڈال کر دارالامتحان دنیا کی بھٹی میں گلا کر دیکھنا اور پرکھنا چاہا۔ لہٰذا اسے احسن تقویم سے اتار کر اسفل السافلین میں اتارا۔ اور اس کی فطرت نورانی میں نار شیطانی اور دود ظلمت نفسانی اور کدورت و آلائش دنیائے فانی ملا دی۔ اور ارواح کی طاقت ایفاء اور اخلاص وعدۂ بلیٰ اور قوت اقرار عبودیت کی پوری پوری پرکھ اور آزمائش فرمائی۔ چنانچہ ان کو بہشت قرب ووصال اور جنت حضور سے نکال کر غیب اور بعد کے بیابان دنیا میں لا اتارا اور ارواح کے آزاد روحانی طیور کو باغ پاک سے نکال کر اجسام خاک کے پنجروں میں ڈال دیا اور نفس و شیطان جیسے زبردست صیادوں کے ہاتھ ان کی ڈوریں دے دیں۔ جس وقت انسان ضعیف البنیان دنیا کے کمرۂ امتحان (اپریشن روم) میں اتارا گیا تو اس کے ازلی دل و دماغ کو جیفۂ دنیا کے کلوروفارم نے اپنے ازلی ہوش سے مدہوش کر دیا۔ اور اس معبود و محبوب حقیقی کے وعدۂ الست اور اس کی یاد کو اس سے یکدم فراموش کر دیا۔ حدیث۔

روی جویر عن الضحاک قال اھبط اللہ آدم و حواء الی الارض و وجدا ریح الدنیا و فقدا رائحۃ الجنۃ فغشی علیھما اربعین صباحا من نتن الدنیا.

ترجمہ۔ جویرؒ نے ضحاکؒ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام اور حوا کو جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر اتارا۔ تو ان کے دماغ اور مشام میں دنیا کی بدبو گھس گئی اور جنت کی ہوا جاتی رہی تو چالیس روز تک وہ دنیا کی بدبو سے بے ہوش پڑے رہے۔ اس واسطے انسان کا ازلی فطرتی نوری چراغ اسم اللہ ذات دنیا کے کثیف حجابوں اور نفسانی تاریکیوں اور شیطانی ظلمتوں میں چھپ گیا۔ گویا روح کا یونس مادے کی مچھلی کے پیٹ میں پڑ گیا۔ جس سے بغیر ذکر اسم اللہ ذات کے نکلنا محال ہے۔

قولہ تعالیٰ. فلو لآ انه کان من المسبحین للبث فی بطنه الی یوم یبعثون .

یعنی اگر یونس مچھلی کے پیٹ میں اسم اللہ کی تسبیح نہ پڑھتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ اب انسان بچارا اغلال وسلاسل عوائق دنیا میں جکڑا ہوا قرب و معرفت کی نوری بارگاہ سے دور پڑا ہوا ہے۔ دنیا کے بحر ظلمات میں اس ازلی آب حیات کے سرچشمے کی تلاش میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ جو اس کے خاکی وجود کی مٹی میں دبا پڑا ہوا ہے۔ اب سوائے ذکر اسم اللہ ذات کے بیلچے کے اس چشمے کا نکالنا محال ہے۔ اور سوائے ذکر کے عروۃ الوثقیٰ (مضبوط رسی) کے یوسف روح کا چاہ غفلت دنیا سے باہر آنا بہت دشوار ہے۔ اس دنیا کے ظلمت کدہ اور اندھیری رات میں انسان کا انیس، غم گسار اور مشعل راہ صرف چراغ تصور اسم اللہ اور قندیل خیال اسم اللہ ہی ہے اور بس۔ اب اللہ تعالیٰ کی معرفت اور شناخت کے لئے سوائے ذکر اللہ کے اور کوئی ذریعہ اور وسیلہ نہیں ہے۔ کیونکہ خالق ومخلوق، رازق ومرزوق، واجب وممکن، قدیم وحادث اور رب وعبد کے درمیان سوائے ذکر اللہ کے اور کوئی رشتہ اور واسطہ ہی نہیں ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ انما انت مذکر۔ یہی باطنی ٹیلیفون اور روحانی تار برقی ہے جس نے عبد اور معبود کو آپس میں ملایا ہے۔ بندہ اپنے رب کے ساتھ

محض ذکر ہی کے رشتے سے وابستہ ہے۔واعتصموا بحبل اللہ جمیعا سے یہی رسی مراد ہے۔جس کا ایک سرا خالق کے ساتھ آسمان میں اور دوسرا مخلوق کے اندر دنیا میں لگا ہوا ہے۔جس نے اس رسی کو مضبوط پکڑ لیا۔وہ اپنے خالق کی نوری بارگاہ تک چڑھ گیا۔اور جس نے اس سے اعراض اور کنارا کیا وہ دنیا کے ظلمت کدہ میں ابدالآباد تک اندھا رہا۔

یاں آ کے ہم اپنے مدعا کو بھولے
مل مل کے غیروں سے آشنا کو بھولے
دنیا کی تلاش میں گنوائی سب عمر
اس مس کی طلب میں کیمیا کو بھولے

نہیں دیکھتے کہ جب کسی شخص کا دوست یا آشنا طویل عرصہ کے لئے جدا ہو جاتا ہے۔تو اس کے دل ودماغ سے اس کی یاد کافور ہو جاتی ہے۔اور اگر مدت کے بعد وہ دوست آملے تب بھی اس کو پہچان نہیں سکتا۔ہاں البتہ آپس میں گفت وشنید، ذکر اذکار اور پتہ ونشان بتانے سے پہچان تازہ اور معرفت واضح ہو جاتی ہے۔یا وہ دوست سے جدا ہونے کے عرصے میں اگر نامہ وپیام اور خط وکتابت جاری رکھے تب بھی اس دوست وآشنا سے جان پہچان قائم رہتی ہے۔اور وہ اس سے فراموش نہیں ہوتا۔یہی حال اس ازلی بچھڑی ہوئی انسانی روح کا ہے۔جو بہشت قرب و حضور سے نکل کر دور دراز بیابانوں میں اپنے محبوب ومطلوب کے ساتھ فاذکرونی اذکرکم کے مطابق ذکر کی خط وکتابت کا سلسلہ جاری رکھے گا تو البتہ وہ اپنے محبوب حقیقی کو نہیں بھولے گا۔کیونکہ محبوب ازلی بھی جواباً اور ایجاباً مقتضائے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اپنی طرف بلانے اور اپنے ساتھ ملانے کا اہتمام اور انتظام فرما دے گا۔اور اسم اللہ ذات کے برق براق پر سوار کر کے اپنے محبوب اور مشتاق کو اپنی نوری بارگاہ میں شرف باریابی بخشے گا۔وما ذلک علی اللہ بعزیز۔اس مادی دنیا میں

کچھ عرصہ کے جدا شدہ دوست کی شناخت اور پہچان جس وقت ملنے اور آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے کے بعد بھی بغیر ذکر اذکار اور گفتگو کے مشکل ہو جاتی ہے تو بھلا ازل کے جدا شدہ مطلوب و مقصود اور مدت مدید کے مفقود معبود کی شناخت اور معرفت بغیر ذکر اذکار کیوں مشکل اور دشوار نہ ہو۔ سو معلوم ہو گیا کہ آنکھیں بھی ذکر کی محتاج ہیں۔ اور دید کو قوت شنید سے ہے۔ عیان کو طاقت بیان سے ہے اور ہوش کو راستہ گوش سے ہے۔ یہاں ذکر کی اہمیت عیاں ہو جاتی ہے۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد

بسا کیں دولت از گفتار خیزد

ترجمہ۔ عشق صرف دیدار سے ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اکثر اوقات یہ دولت گفتگو سے بھی پیدا ہوتی ہے۔

لہٰذا انسان کو اس دنیا میں اس ازلی یاد کو تازہ کرنے کے لئے اور وعدہ بلٰی کے ایفا کرنے اور اپنے محبوب حقیقی کی معرفت اور شناخت کے لئے ذکر کی اشد ضرورت ہے اور اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ جب کسی شخص کو نام سے یاد کیا جاتا ہے تو یاد کرنے والے ذاکر کے دل کی ایک برقی رو شخص مذکور تک جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے ذاکر کے دل کی برقی رو بھی مذکور اللہ تعالیٰ تک چلی جاتی ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات کتنی ہی بے مثل و بے مثال ہے۔ اور اس کا کوئی مکان و نشان معلوم نہیں۔ لیکن اس نے اپنے مقبول مقرب بندوں یعنی پیغمبروں اور اولیاء کرام کے ذریعے اپنا پتہ نشان اور اپنے ملنے ملانے کا ذریعہ، وسیلہ اور سامان یوں بتایا ہے کہ میں انسان کے بہت قریب ہوں۔ بلکہ اس کی شہ رگ اور اس کی ذات سے بھی اس کے بہت قریب ہوں۔ اور کوئی شخص مجھے ملنا چاہے تو وہ میرے ذکر کے ذریعے مجھے مل سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔ پس جس وقت ذاکر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اس کے ذکر کی برقی رو اللہ تعالیٰ

تک دوڑ جاتی ہے۔اور اللہ تعالیٰ بھی ایجاباً اس ذکر کا جواب دیتے ہیں۔جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔فاذکرونی اذکرکم یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔سو یہ تو معلوم ہوگیا کہ ذاکر و مذکور یعنی عبد اور معبود کے درمیان ذکر کی تار برقی جاری ہو جاتی ہے۔اب رہی یہ بات کہ اس ذکر کی تار برقی سے کیا اور کیونکر فائدہ ہوتا ہے۔سو یاد رہے کہ ذکر کی یہ برقی رو چونکہ انسان کے دل و دماغ کے دو تاروں سے نکلتی ہے سو اس کی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو سانس ذاکر کا باہر جاتا ہے۔وہ ذاکر کے دل کی صفت مذکور کے دل تک پہنچاتا ہے اور جب واپس آتا ہے تو مذکور کے دل کی صفت اور باطنی بو ذاکر کے دل تک لاتا ہے۔اسی طرح باطن میں ذاکر اور مذکور کے دل اور دماغ کی صفات اور باطنی حالات اور خیالات کا تبادلہ ہوتا ہے۔پس ناقص خام ذاکر کامل مذکور کی اعلیٰ اور پاک صفات سے متصف ہوتا اور اس کے حمیدہ اور منزہ اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے۔لہذا عبد اور معبود کے درمیان جس وقت

فاذکرونی اذکرکم کی ٹیلی فون یا رضی اللہ عنھم و رضوا عنه کی تار برقی اور یحبھم و یحبونه

کی لاسلکی رو جاری ہو جاتی ہے۔تو بندۂ ناتوان انسان جو کہ دنیوی علائق وعوائق کی زنجیروں میں جکڑا ہوا اور نفسانی شہوات اور خواہشات کے سلاسل اور اغلال اور شیطانی ظلمتوں اور تاریکیوں میں گرفتار ہے۔ذکر کے اس پاک رشتے اور تعلق سے اس کو تائید غیبی پہنچتی رہتی ہے اور اس کی باطنی بیڑیاں اور روحانی زنجیریں ٹوٹنے لگ جاتی ہیں۔اور اگر وہ کثرت ذکر پر استقامت اور مداومت کرے تو اسے کلی طور پر چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے۔جیسا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون.

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو۔تا کہ تم چھٹکارا اور خلاصی پا لو۔اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ذاکر کے اوصاف ذمیمہ اور اخلاق قبیحہ رفتہ رفتہ اوصاف حمیدہ اور

اخلاق حسنہ سے بدل جاتے ہیں۔حتیٰ کہ ملکوتی اوصاف سے موصوف ہو کر اللہ تعالیٰ کے قرب وصال اور مشاہدے کے قابل ہو جاتا ہے۔اور آخر اللہ تعالیٰ اسے اپنے انوار دیدار میں جذب کر کے باطن میں اپنے ساتھ ملا لیتا ہے۔غرض اللہ تعالیٰ کی معرفت،قرب اور وصال کا ذریعہ اور وسیلہ محض ذکر ہے اور تمام اذکار میں افضل الاذکار اور تمام ذکروں کا خلاصہ اور جامع اذکار ذکر اسم اللہ ذات ہے۔ذکر اور اسم اللہ ذات کی فضیلت اور اہمیت سے قرآن کریم بھرا ہوا ہے۔اور احادیث نبویؐ میں بھی جا بجا ذکر اللہ کی کمال تاکید موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علی جنوبھم ۔یعنی اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص بندے ہیں جو اسے کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہر حالت میں یاد کرتے ہیں۔اور نیز ارشاد ہے۔

ان الصلوٰۃ تنھیٰ عن الفحشآء و المنکر ط ولذکر اللہ اکبر ط و اقم الصلوٰۃ لذکری.

ترجمہ۔تحقیق نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے انسان کو روک دیتی ہے۔واقعی ذکر اللہ بہت بڑی چیز ہے۔اور میری یاد اور ذکر کی خاطر نماز ادا کر۔ قولہ تعالیٰ۔

والذاکرین اللہ کثیرا و الذاکرات اعد اللہ لھم مغفرۃ و اجرا عظیما .

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑی مغفرت اور عظیم اجر اور انعام تیار کر رکھے ہیں۔ قولہ تعالیٰ۔

یا یھا الذین امنوا ذکروا اللہ ذکرا کثیرا و سبحوہ بکرۃ و اصیلا.

ترجمہ۔اے ایمان والو۔اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرو۔اور صبح و شام اس کے نام کی تسبیح پڑھا کرو۔ حدیث۔عن ابی الدرداء قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الا انبئکم بخیر اعمالکم و ازکھا عند ملیککم و ارفعھا فی

درجاتکم و خیر لکم من انفاق الذھب و الورق و خیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقھم و یضربوا اعناقکم قالوا بلیٰ قال ذکر اللہ تعالیٰ.

ترجمہ۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ آیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمام اعمال سے بہتر ہو۔اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہو۔اور تمہارے تمام درجات سے بلند تر ہو۔اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں سونا چاندی خرچ کرنے سے بھی بہتر ہو۔اور اس بات سے بھی افضل ہو کہ تم اللہ کی راہ میں دشمنوں سے لڑو۔ایسی حالت میں کہ تم ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ صلعم ہمیں وہ بہترین عمل ضرور بتایئے۔تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ عمل ذکر اللہ ہے۔بعض لوگ اس حدیث سے تعجب کرتے ہوں گے کہ بھلا ذکر اللہ جیسا زبانی عمل جہاد جیسے کٹھن اور جانبازانہ عمل سے کیونکر افضل اور بہتر ہوسکتا ہے۔لہٰذا ہم اس حدیث کی تصدیق اور تائید میں خود قرآن مجید کی آیت پیش کرتے ہیں۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع و بیع و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ

کثیرا۔ترجمہ۔اللہ تعالیٰ اگر بعض (مسلمان) لوگوں کو بعض (کافر) لوگوں سے لڑا کر ان کے دفعیے اور روک تھام کا اہتمام اور انتظام نہ کرلیتا تو البتہ عابدوں کے عبادت خانے،منڈیاں،نماز گاہیں اور مساجد سب کافروں کے ہاتھوں ویران اور برباد ہوجاتے جن میں کثرت سے ذکر اللہ کیا جاتا ہے۔سو اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافروں کے ساتھ جہاد کی غرض اور غایت محض مساجد اور عبادت گاہوں اور مذہبی و روحانی جلسوں اور تقریبات کی حفاظت اور نگرانی ہے۔اور ان سب کا آخری اور حقیقی مقصد جو آخر میں بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ یعنی اللہ

تعالی کے نام کا ذکر ان میں کثرت سے کیا جائے ۔سو اسباب اور ذرائع غرض اور مقصد اصلی سے کسی صورت میں بہتر نہیں ہو سکتے ۔اور ایک دوسری حدیث ہے ۔

قال علیہ الصلوۃ و السلام ما من شیء انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ قالوا ولا الجہاد یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ولا الجہاد ولو یضرب بالسیف حتی ینقطع. رسول علیہ الصلوٰۃ و السلام

نے فرمایا کہ ذکر اللہ سے بہتر اللہ تعالی کے عذاب سے نجات دینے والی چیز اور کوئی نہیں ہے۔صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا جہاد بھی ذکر اللہ سے بہتر نجات دہندہ نہیں ہے۔آپؐ نے فرمایا کہ جہاد بھی نہیں اگرچہ تم اس میں تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ ہو جاؤ۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس یتحسر اھل الجنۃ الا علی ساعۃ مرت بھم و لم یذکرو اللہ تعالی فیھا .

ترجمہ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہشتی لوگ دنیا کی کسی چیز کے فوت ہو جانے کی حسرت اور ارمان نہیں کریں گے سوائے اس گھڑی اور دم کے جو ان پر دنیا میں یاد الہی کے بغیر گذرا ہو گا۔حدیث ۔

اذا ذکرتنی شکرتنی و اذا نسیتنی کفرتنی.

ترجمہ۔ جس دم میں اے بندے تو نے مجھے یاد کیا تو تو نے میرا شکر یہ ادا کیا۔اور جس دم تو مجھ سے غافل ہوا تو تو نے کفران نعمت کیا۔

کسے کو غافل از وے یک زمان است
در آں دم کافر است اما نہان است

حدیث. قال موسی یا رب اقریب انت فاناجیک ام بعید فاناديک فانی احس صوتک ولا اریک فاین انت قال اللہ انا

امامک و انا خلفک و عن یمینک و عن شمالک یا موسی و انا جلیس عبدی حین یذکرنی و انامعہ اذا دعانی.

ترجمہ۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے میرے رب اگر تو میرے قریب رہتا ہے تو میں تجھ سے آہستہ اپنے عرض معروض گذاروں۔ اور اگر تو کہیں دور ہے تو تجھے زور سے پکارا کروں۔ کیونکہ اے میرے مولےٰ میں تیری خوبصورت آواز کو سنتا تو ہوں لیکن تو نظر نہیں آتا۔ پس تو مجھے بتا کہ تو کہاں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔ کہ اے موسیٰ میں تیرے آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف سے قریب ہوں۔

وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے ایک لمحہ بھی غافل ہے اس لمحے وہ کافر ہے۔ البتہ اس کا یہ کفر چھپا ہوا ہے۔

جس وقت کوئی بندہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے پاس بیٹھا ہوا ہوتا ہوں۔ اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔

و اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ موسیٰ اتحب ان اسکن معک فی بیتک یا موسیٰ. فخر للہ ساجدا و قال یا رب کیف تسکن معی فی بیتی، قال یا موسیٰ انا جلیس مع من ذکرنی و حیث ماالتمسنی عبدی وجدنی.

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اے موسیٰ آیا تو چاہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ تیرے گھر میں رہوں۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام خوشی کے سجدے میں گر پڑے اور عرض کی کہ اے اللہ تو کیونکر میرے ساتھ میرے گھر میں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ اے موسیٰ کیا تو نہیں جانتا کہ میں اپنے یاد کرنے والے کے پاس بیٹھا رہتا ہوں۔ اور جب کبھی میرا بندہ مجھے ڈھونڈتا ہے تو وہ مجھے پا لیتا ہے۔ دیگر بے شمار آیات قرآنی اور احادیث کثیرہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے

کہ تمام اعمال سے افضل عمل محض ذکر اللہ ہے۔ دیگر سب اعمال اس سے کم تر اور ادنیٰ درجے کے ہیں۔ اور تمام آسمانی کتابوں خصوصاً قرآن کریم اور احادیث کا خاصہ خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ انسانی زندگی کی اصلی غرض اور حقیقی مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت، معرفت، قرب اور وصال ہے۔ اور اس کا واحد ذریعہ ذکر اللہ اور اسم اللہ ہے۔ اور تمام مذاہب اور خاص کر اسلام انسان کو اللہ تعالیٰ کے اسم کے ذریعے مسمّی تک یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا اہتمام کرتا ہے جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔ اور اسلام کے جس قدر ارکان مثلاً فرائض، واجبات، سنن اور مستحب ہیں سب اسی ایک عمل یعنی ذکر اللہ کے مختلف مظاہرے ہیں۔ یا اسی غرض کے امدادی، معاون اور اسی ایک ہی عمل کی تکمیل کے ذرائع اور اسباب ہیں۔ تمام قرآن اور جملہ سورتیں اسم اللہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ تمام قرآن سورۃ فاتحہ میں مندرج ہے۔ اور تمام سورۃ فاتحہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اس طرح مندرج ہے جس طرح کہ تخم اور پھل کے اندر درخت یا پودا ہوتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا ذکر مفصل اور اسم اللہ ذکر مجمل ہے۔

جب پرانے عیسائی مذہب کے پادریوں سے ابتدائے آفرینش کی بابت سوال کیا جاتا ہے تو تمام یہی ایک مقولہ زبان پر دہراتے نظر آتے ہیں کہ۔ IN THE BEGINNING WAS WORD AND WORD WAS WITH GOD AND GOD WAS WORD یعنی ابتداء میں کلمہ تھا۔ اور کلمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا اور اللہ تعالیٰ خود وہ کلمہ تھا۔ گو اس مقولے کی توجیہہ اور تفسیر سے پادری لوگ ناواقف ہیں۔ صرف طوطے کی طرح اسے زبان سے رٹ لیتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی پرانی کتاب کا مقولہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کلمہ اسم اللہ ذات ہے۔ جو کہ ابتداء میں تخلیق کائنات سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ موجود تھا اور وہ کلمہ خود اللہ تعالیٰ تھا۔ یعنی اسم کے ساتھ مسمّی کا اتصال اور اتحاد

تھا۔اور یہی اسم اور مسمّٰی کا معمّٰے ہے۔جس سے مادی عقل والے ناواقف ہیں۔جو کہ ذکر اللہ کو محض جمود بیکاری اور اعضائے انسانی کا انعطال سمجھتے ہیں۔لفظ انگریزی (WORDاور WORLD) یعنی کلمہ اور کائنات کی تشبیہ اور تجنیس سے بھی ایک دانا آدمی اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ لفظ (WORD) یعنی کلمہ کن یا اسم اللہ ذات اور (WORLD) یعنی تمام جہان کی اصل ایک ہے۔اور اسم اللہ ذات کے نور سے تمام کائنات خصوصاً انسانی وجود کی بنیاد پڑی ہے۔انسان کی باطنی فطرت اور سرشت میں اسم اللہ ذات کا نور بطور ودیعت اور امانت روز ازل سے اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ رکھ دیا ہے۔اور اسم اللہ ذات ہی وہ نوری رشتہ ہے جس سے انسان اپنے خالق کے ساتھ وابستہ ہے۔اسی وسیلے اور ذریعے سے انسان کے اندر عالم غیب اور باطنی دنیا کی طرف نوری روزن اور باطنی راستہ کھل جاتا ہے۔یہی اسم اللہ ذات تمام ظاہری و باطنی علوم و معارف و اسرار اور جملہ ذاتی، صفاتی، افعالی و اسمائی انوار اور کل عالم ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت اور سارے مقامات شریعت، طریقت اور معرفت اور جمیع اذکار و لطائف نفسی، قلبی، روحی، سرّی، خفی، اخفیٰ و انا اور کل درجات اسلام، ایمان، ایقان، عرفان، قرب، محبت، مشاہدہ اور وصال تک پہنچنے کا واحد ذریعہ اور ان کے باطنی خزائن کے کھولنے کی واحد کنجی ہے۔

ذکر اللہ تعالیٰ اور مذہبی اعمال کی قدر و قیمت تو موت کے بعد معلوم ہوگی۔دنیا کے اس بحر ظلمات میں بھٹکنے والے دل کے اندھے نفسانی لوگ ان باطنی جواہرات کی قدر کیا جانیں۔جو کہتے ہیں کہ مذہب انسان کو محض لفظ اللہ کے مطالعے کی طرف لاتا ہے جو محض جمود، بیکاری اور بے ہمہ زندگی ہے۔اس دنیائے دارالامتحان میں ذکر اللہ اسم اللہ اور مذہبی ارکان کی اصلی اور حقیقی قدر معلوم کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ جیسا کہ ایک نقل مشہور ہے۔کہتے ہیں کہ سلطان سکندر کو آب حیات کا پانی پی کر عمر جاودانی حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہوا۔ چنانچہ وہ اپنے مصاحبوں کے ہمراہ

حضرت خضرؑ کی راہبری میں آب حیات کی طلب میں نکل پڑے۔ چلتے چلتے وہ ایسے مقام پر پہنچے جہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچ سکتی تھی۔ جس کو بحر ظلمات کہتے ہیں۔ جہاں گھپ اندھیرا رہتا ہے۔ سکندر اور اس کے مصاحب بدقسمتی سے اس تاریکی کے اندر راستہ بھول گئے اور خضر کی راہبری سے محروم ہو کر ان سے جدا ہو گئے۔ کچھ عرصہ اس تاریکی کے اندر ادھر ادھر بھٹکتے پھر کر انہیں دوبارہ خضر علیہ السلام کی ملاقات نصیب ہوگئی۔ جو آب حیات کے چشمے پر پہنچ کر وہاں کا پانی پی آئے تھے۔ اس وقت ان کے پاس چونکہ خرچ خوراک اور سامان خورد و نوش ختم ہو چکا تھا۔ مجبوراً سب کی بحر ظلمات سے باہر نکلنے اور اپنے وطن کی طرف لوٹنے کی صلاح ٹھہری۔ خضرؑ خیر اندیش کو اس وقت ان کی محرومی پر ترس آیا۔ تب آپؑ نے ان کو ایک نیک صلاح دی اور فرمایا کہ تمہاری قسمت میں شاید آب حیات مقدر نہیں تھا۔ اب میں تمہیں ایک اور فائدے کی بات بتاتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ یہاں تاریکی میں تمہارے پاؤں کے نیچے جس قدر پتھر اور سنگریزے پڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ سب کے سب لعل، ہیرے اور قیمتی جواہرات ہیں۔ انہیں اپنے توشہ دانوں میں بھر لو اور اپنے ساتھ لے چلو۔ ان سے تم اپنے وطن میں بڑے مالدار ہو جاؤ گے۔ اس پر بعض اصحاب نے خضرؑ کو سچا جان کر اپنی خورجیں ان پتھروں سے بھر لیں۔ بعض کچھ کمزور یقین والے تھے۔ انہوں نے تھوڑے سے پتھر اٹھا لئے اور باقیوں نے کہا کہ خضرؑ نے ہمیں پہلے بھی تاریکی میں ادھر ادھر پھرا کر پریشان کیا۔ اب یہ پتھر اٹھانے کی بے سود تکلیف بھی رائیگاں ثابت ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے کچھ نہ اٹھایا۔ جب وہاں سے روانہ ہو کر انہوں نے بحر ظلمات کو طے کر لیا اور روشن جہان میں پہنچ کر انہوں نے جس وقت اپنی خورجینوں کو کھول کر دیکھا۔ تو ان کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ کیونکہ انہیں معلوم ہوا کہ وہ بھاری بیکار پتھر اور سنگ ریزے گراں بہا اور قیمتی لعل، ہیرے اور جواہرات ہیں۔ اس وقت جنہوں نے پتھر مطلق نہیں

اٹھائے تھے۔انہوں نے سخت افسوس اور غم کیا۔اور جنہوں نے تھوڑے پتھر اٹھائے تھے انہوں نے بھی افسوس کیا۔غرض جو لوگ پتھر اٹھا کر لائے تھے وہ دنیا میں بڑے امیر اور مالدار ہو گئے۔یہ ایک مثل ہے جو کہ دنیا کی مادی زندگی پر نہایت موزوں اور منطبق ہوتی ہے۔یہ دنیا بحر ظلمات ہے۔اور اسم اللہ ذات کا نور آب حیات ہے۔ جو کہ صخرۂ دل یعنی دل کے نیچے عالم غیب سے پھوٹ کر نکل رہا ہے۔اس آب حیات سے جو سعادت مند اشخاص یعنی اللہ تعالیٰ کے خاص برگزیدہ اشخاص سیراب ہوئے وہ زندۂ جاوید ہو کر خضر مثال اولیاء اور انبیاء بن گئے۔جس نے اس آب حیات نور اسم اللہ ذات کو پیا اس نے ابدی سرمدی زندگی کو حاصل کیا۔وہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور حیات سے ابدالاباد تک جیا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت میں اپنی مخلوق کا راہبر اور راہنما کیا۔

فرق است ز آب خضرؑ کہ ظلمات جائے اوست
تا آب ما کہ منبعش اللہ اکبر است

ترجمہ:۔آب خضرؑ جس کا مقام ظلمات ہے اور ہمارے پانی میں بہت فرق ہے۔ یہاں ہمارے پانی سے مراد اسم اللہ ہے۔جس کا منبع خود اللہ تعالیٰ ہے۔اور یہ آب حیات سے بہتر ہے۔

اور جو اس آب حیات سے محروم ہیں۔انہیں یہ راہبر ہدایت اور نصیحت کرتے ہیں کہ اے لوگو! یہ جو دنیا کے بحر ظلمات میں ظاہری دینی ارکان اور مذہبی اعمال بھاری بے کار پتھروں کی طرح تمہیں بارگراں معلوم ہوتے ہیں۔جن کی یہاں تمہیں کچھ قدر و قیمت معلوم نہیں ہوتی انہیں اپنے اصلی وطن دار آخرت کے روشن جہان کے لئے اٹھا لو۔وہاں جا کر تمہیں معلوم ہو گا کہ یہ لعل اور ہیرے ہیں۔جن سے تم دار آخرت میں بڑے امیر اور مالدار بن جاؤ گے۔المختصر یہ حکایت اس دنیا کی تاریکی کی کیا عمدہ مثال ہے۔مگر مادی نفسانی لوگ جس وقت اس قسم کے مثالی مذہبی قصے

مذہبی کتابوں میں پڑھتے ہیں تو بجائے اس کے کہ ان سے عبرت حاصل کر کے ہدائت پر آئیں ۔الٹا تمسخر اور استہزاء کے درپے ہوجاتے ہیں ۔سچ پوچھو تو مادیت کی مالیخولیا اور سیاست کے سرسام نے آج کل نئی روشنی والوں کے دماغ کو بگاڑ دیا ہے۔کنوئیں کے اندھے مینڈک کی طرح انہوں نے اس مادی دنیا کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔اوراپنی مادی عقل اور ظاہری علم کے غروراور گھمنڈ میں وہ قرآنی حقائق اور روحانی اسرار کا متکبرانہ مگر جاہلانہ انکار کرتے ہیں۔لیکن جس دن یہ راستے کا گردوغبار اٹھ جائے گا۔اور اللہ تعالٰی کی بطش شدید اورزبردست گرفت انہیں جکڑ لے گی۔اس دن ان لوگوں کی ساری اکڑ پھونک نکل جائے گی اور مادی نشے ہرن ہو جائیں گے۔

فسوف ترى اذا انکشف العباد
افرس تحت رجلک ام حمار

یعنی جب راستے کا غبار اٹھ جائے گا اس وقت تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تو گھوڑے پرسوار ہے یا گدھے پر۔

بروز حشر ترا ایں ہمہ شود معلوم
کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

ترجمہ۔قیامت کے دن تجھے یہ سب کچھ معلوم ہوجائے گا کہ تو اس دنیا کی تاریک رات میں کسی چیز کے ساتھ عشق لگائے بیٹھا ہے۔

ذکراللہ اور اسم اللہ کی حقیقت اور اہمیت کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔شارع اسلام اور بزرگان دین نے ذکراللہ اور اسم اللہ کو اللہ تعالٰی کی معرفت،قرب،مشاہدے اور وصال کا واحد ذریعہ اور وسیلہ بتایا ہے۔کیونکہ اسم عین مسمٰے ہے۔حدیث قدسی میں آیا ہے کہ میں اپنے ذکر کرنے والے کے پاس بیٹھا ہوا ہوتا ہوں۔اور ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔انا جین شفتیہ اذا ذکرنی۔ یعنی جب کوئی مجھے یاد کرتا ہے تو میں

اس کے دو ہونٹوں کے درمیان ہوتا ہوں۔ سو یہ تو صاف ظاہر ہے کہ انسان کے ہونٹوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان غیر محدود ذات کبھی نہیں آ سکتی۔ ذاکر کے ہونٹوں کے درمیان تو صرف اللہ تعالیٰ کا اسم ہی آ سکتا ہے۔ سو یہاں اسم اور مسمےٰ کے اتصال اور اتحاد کی طرف اشارہ ہے کہ اسم اور مسمےٰ کے درمیان نہ صرف اتصال ہے بلکہ اسم مسمے کی عین مثال اور عین العین ہے۔ اور یہی اصل باعث مبداء و معاد و ذریعۂ پیدائش خلق و ایجاد کونین ہے۔

اب ہم لفظ اسم اللہ ذات کی حقیقت کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔ واضح ہو کہ جب کسی شخص کو یاد کیا جاتا ہے تو اس کی نسبت ہر قسم کے اذکار اور باتیں اس کی ذات یا اس کے نام کی طرف راجع ہوتی ہیں۔ اور سب کا مدلول پہلے نام اور پھر اس کی ذات ہوتی ہے۔ اور جب وہ مذکور غائب ہوتا ہے۔ تو محض اس کا نام اور اسم ہی اس کی نسبت تمام ذکر اذکار کا مرجع اور مدلول ہوتا ہے۔ اور سب باتیں اس کے نام پر جا کر ختم ہوتی ہیں۔ نام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک ذاتی دوم صفاتی۔ ذاتی وہ نام ہوتا ہے جو کسی واحد ذات موصوف مجمع صفات پر دلالت کرے۔ مثلاً ایک شخص کا نام زید ہے۔ تو یہ اس کا ذاتی نام ہے۔ اور اگر اس شخص نے علم حاصل کیا تو اس کا نام عالم ہو گیا۔ اور اگر علم طب پڑھ لیا تو طبیب اور حکیم ہو گیا اور اگر حج ادا کیا۔ تو حاجی بھی اس کا نام ٹھہرا۔ اور اگر قرآن یاد کیا تو حافظ بن گیا۔ علی ہذا القیاس یہی واحد شخص زید جس قدر صفات سے موصوف ہوتا جائے گا۔ اسی قدر اس کے اسم کے ساتھ دیگر صفاتی نام مثلاً عالم، حکیم، حافظ اور حاجی وغیرہ بڑھتے جائیں گے۔ سو جتنے کام اتنے نام۔ مگر جب ہم زید کا نام لیں گے تو اس سے ہماری مراد عالم، حکیم، حافظ اور حاجی وغیرہ ان تمام صفات سے متصف شخص ہو گا۔ سو زید اس کا ذاتی نام ہے اور یہ دیگر عالم، حکیم، حاجی اور حافظ وغیرہ صفاتی نام ٹھہرے۔ کیونکہ بعد میں اس کے ساتھ لگ گئے۔ جب وہ شخص ان صفات سے موصوف ہو گیا۔ اب اگر ہم زید کی علمی لیاقت او

رذہانت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی ذہانت اور لیاقت کے مختلف واقعات اور حالات بیان کرتے ہیں تو ہماری یہ تمام قیل و قال اور زید کے علمی تبحر کی تمام داستانیں ایک صفاتی نام والم سے ادا ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اس کی حکمت اور طب میں مہارت کے تمام کارنامے ایک ہی لفظ حکیم میں آ جاتے ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ صفاتی نام تمام صفاتی داستانوں اور ذکر اذکار کا جامع ہوتا ہے۔ اور ذاتی نام تمام صفاتی ناموں کا خاصہ خلاصہ اور مجموعہ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام اللہ ہے۔ اور رحمٰن، رحیم، مالک، قدوس، جبار، قہار اور غفار وغیرہ جس قدر بھی ننانوے یا ان کے علاوہ دیگر نام اللہ تعالیٰ کے ہیں وہ سب صفاتی نام ہیں۔ قرآن مجید میں جس قدر سورتیں اور آیتیں موجود ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت پر دال ہیں۔ پس قرآن مجید کے تمام بیانات، ذکر و اذکار اور تمام علوم و معارف و اسرار اللہ تعالیٰ کی کسی خاص صفت کو ظاہر کرتے ہیں۔ غرض اگر وہ آیات وعدہ ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اسماء جمالی رحمٰن، رحیم، کریم، غفار میں سے کسی ایک کو ظاہر کرتے ہوں گے۔ اور اگر آیات وعید ہیں تو اللہ تعالیٰ کی صفات جلالی مثلاً جبار، قہار اور منتقم وغیرہ پر دلالت کرتے ہوں گے۔ اسی طرح قصص انبیاء وغیرہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی کسی خاص صفت کا اظہار مقصود ہوگا۔ یا دیگر جس قدر حمد و ثناء، تہلیل و تکبیر اور تقدیس و تمجید اللہ تعالیٰ کی قرآن کریم میں آئی ہیں۔ وہ سب اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات سبوح، قدوس، سبحان، حمید وغیرہ اسماء کی تفصیلات ہیں۔ مختصراً یہ کہ قرآن مجید مثل ایک شجر طیبہ کے ہے۔ جس کے حروف بمثل باریک ریشوں اور الفاظ بمنزلہٗ پتوں کے اور آیات چھوٹی چھوٹی کونپلوں کی مانند ہیں۔ اور قرآن کی سورتیں شاخوں کی مانند ہیں۔ اور اسماء صفات بڑی بڑی شاخیں ہیں۔ اور اسم اللہ ذات بالفعل ان سب کا موٹا تنا اور بالقوی اس شجر طیبہ کے تخم اور پھل کی طرح ہے۔ درخت اگرچہ اپنی ٹہنیوں پر بے شمار پھل لاتا ہے۔ لیکن اس کی پیدائش اور اصل ایک ہی پھل سے ہوتی

ہے۔اسی طرح گو قرآنی سورتوں میں اسم اللہ ذات بے شمار جگہ مذکور ہوا ہے۔لیکن تمام قرآن اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسم اعظم اللہ کی صفت اور ثناء ہے۔اور سب کی اصل اور تخم اسم اللہ ذات ہے۔

عباراتنا شتیٰ و حسنک واحد

و کل الی ذات الجمال یشیر

ترجمہ۔ ہماری عبارتیں گو تیری تعریف میں مختلف ہیں لیکن تیرا حسن واحد ہے۔ اور ہماری سب عبارتیں تیری ذات جمال کی طرف اشارہ کرنے والی ہیں۔لہذا جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو اس کے ذاتی اسم اللہ سے یاد کرتا ہے۔تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام صفات یا بالفاظ دیگر جملہ قرآنی آیات کے ساتھ یاد کر رہا ہے۔جس وقت اسم اللہ ذات کا تخم کسی کامل عارف انسان کے وجود میں سرسبز ہو جاتا ہے تو تمام قرآن بمعہ جملہ علوم و معارف و انوار و اسرار ایک شجرۃ النور کی شکل میں اس کے دل کے اندر قائم اور نمودار ہو جاتا ہے۔اس پر جملہ قرآنی حقائق اور علوم ظاہری و باطنی اسم اللہ ذات کی برکت سے واضح اور روشن ہو جاتے ہیں۔یہ وہ پاک درخت ہے جو اس نبی امی فداہ امی وابی کے وجود مسعود میں غار حرا کے اندر لگایا گیا۔جس کی شاخیں شجر طوبےٰ سے بھی آگے عرش بریں کے کنگروں سے جا ٹکرائیں۔قولہ تعالیٰ۔

. کشجرة طیبة اصلها ثابت و فرعها فی السمآء.

اسی طرح اسم اللہ ذات کا ذکر اصل کار ہے۔اور تمام اسلامی ارکان کا ذکر اللہ اور اسم اللہ پر دارومدار ہے۔یہی کلید معرفت و توحید ذات پروردگار ہے۔ جملہ اسلامی ارکان اور دینی اعمال کو اگر بنظر غور دیکھا جائے تو سب میں صرف ایک اسم اللہ ذات کا ذکر ہی اصل غرض یا اسی کا تصور اصل مدعا و مقصود معلوم ہوتا ہے۔تمام نیک اعمال اور حمیدہ اخلاق خصوصاً جملہ ارکان گویا ذکر اللہ کے مختلف مظاہرے ہیں یا ذکر اللہ کی تکمیل کے معاون اور مددگار ہیں۔ اسلام کے پانچوں ارکان کو ہی لیجئے۔جن پر

اسلام کی عمارت کا قیام ہے۔ یعنی نماز، کلمہ طیبہ، حج، روزہ اور زکوٰۃ۔ ان سب کی اصل غرض و غائت کو اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو ان سب کا اصل مدعا ذکر اسم اللہ ذات ہی ہے اور بس۔ چنانچہ اول رکن اسلام کا نماز پنجگانہ ہے۔ سو یہ صاف ظاہر ہے کہ نماز میں محض اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ واقم الصلوٰۃ لذکری۔ یعنی نماز میری یاد اور ذکر کے لئے قائم کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

قد افلح من تذکیٰ و ذکر اسم ربہ فصلیٰ.

ترجمہ۔ تحقیق وہ شخص چھٹکارا پا گیا جس نے اپنے وجود کو پاک کیا۔ اور اپنے رب کے نام کو یاد کر کے نماز ادا کی۔ اور ایک دوسری آیت میں آیا ہے

ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشآء و المنکر ولذکر اللہ اکبر.

ترجمہ۔ تحقیق نماز انسان کو بے حیائیوں اور برائیوں سے روکتی ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑی چیز ہے۔ اور نماز کے ارکان یعنی قیام، رکوع، قعود اور سجود وغیرہ ذکر اللہ کے آداب اور ذکر اللہ سے روحانی سرور اور باطنی لذات کی قدرتی تحریکات ہیں۔ جیسا کہ ناچ اور رقص نفسانی خوشی اور انبساط کی فطرتی حرکات ہیں۔ دوم رکن اسلام کا کلمہ پڑھنا ہے جس کے بغیر انسان مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔ خواہ تمام جہان کے نیک اعمال اکیلا ہی ادا کیوں نہ کرے۔ یہ وہ پاک کلمہ ہے کہ اس کے ایک دفعہ صدق دل سے ادا کرنے والا پاک بہشتی ہو جاتا ہے۔ خواہ پہلے کافر اور اشد مشرک ہی کیوں نہ ہو۔ اسلام میں اس کلمے کو افضل الاذکار اور اصل کار مانا گیا ہے۔ افضل الذکر لآ الہ اللہ محمد رسول اللہ۔ اور دوسری جگہ آیا ہے۔

من قال لآ الہ الا اللہ دخل الجنۃ بلا حساب و بلا عذاب.

یعنی جس شخص نے صدق دل سے کلمہ پڑھا وہ بغیر حساب اور بغیر عذاب کے بہشت میں داخل ہوا۔ بزرگان دین نے تحقیق کی ہے کہ بے حساب اور بے عذاب بہشت میں داخل کرنے کا ذریعہ اور وسیلہ وہ کلمہ ہے جو انسان کا موت اور نزع کے

آخری امتحان کے وقت جاری ہو جائے۔ کیونکہ یہ کلمہ تمام عمر کے اعمال کا خاصہ خلاصہ یا تعلیم اسلام و ایمان کا نتیجہ ہوتا ہے جو آخر وقت ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر کلمہ زبان پر یا دل میں جاری ہو گیا تو سمجھو کہ مقصد زندگی کے حقیقی امتحان میں پاس ہو گیا۔ ورنہ فیل ہے۔ غرض کلمہ کا آخری وقت جاری ہو جانا تمام عمر کے اسلامی ارکان کے دودھ کا گویا مکھن ہوتا ہے جو وجود کے برتن میں نمودار ہو جاتا ہے۔

نجات مردم جاں لا الہ الا اللہ
ولید قفل جناں لا الہ الا اللہ
چہ خوف آتش دوزخ چہ خوف دیو لعین
ورا کہ کرد بیاں لا الہ الا اللہ
نہ بود ملک دو عالم نہ دور چرخ کبود
کہ بود دور اماں لا الہ الا اللہ

سو یہ صاف ظاہر ہے کہ دوم رکن اسلام یعنی کلمہ طیب ذکر اللہ ہے۔ سوم رکن اسلام حج بیت اللہ ہے۔ حج بھی آل و عیال، وطن مالوف اور جملہ دنیوی علائق و عوائق سے قطع تعلق کر کے ذکر اللہ کے لئے یکسوئی پیدا کرنے کی خاطر قائم کیا گیا ہے۔ حج کے تمام ارکان اور جملہ مناسک میں یہی ایک پاک شغل ذکر اللہ ہی کیا جاتا ہے۔ اور حج بیت اللہ کی بابت قرآن میں جس قدر آیات مذکور ہیں سب میں اسی ذکر کی تاکید ہے۔

قولہ تعالیٰ ۔ فاذآ افضتم من عرفات واذکرو اللہ عند المشعر الحرام. قولہ تعالیٰ. فاذا قضیتم و مناسککم فاذکرو اللہ کذکر کم ابآئکم او اشد ذکرا.

ترجمہ۔ جب عرفات پر پہنچو مشعر الحرام کے نزدیک ذکر اللہ کرو۔ اور جو تم حج کے مناسک ادا کر چکو۔ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو، جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا

کرتے تھے۔اور آخر میں صریح طور پر ارشاد ہے۔ واذکرواللہ فی ایام معدودات۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ کو حج کے ان معدود دنوں میں یاد کیا کرو۔سو حج میں محض اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی کیا جاتا ہے۔مزید برآں یہ بات علاوہ ہے کہ وہاں خاص خاص متبرک مقامات کو دیکھنے سے توجہ قلبی اور ذکر میں محویت بڑھ جاتی ہے۔اور ان متبرک مقامات کی تقدیس مکانی اور وہاں کی پاک روحوں کی تاثیر روحانی سے اور روئے زمین کے مسلمانوں اور ان میں برگزیدہ ہستیوں کے باطنی پرتو سے دل سے غفلت اور کدورت دور ہو جاتی ہے اور ذکر میں لذت بڑھ جاتی ہے۔اور اس کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔چہارم رکن اسلام کا روزۂ ماہ رمضان ہے۔اس میں بھی تلاوت قرآن مجید اور نفل نوافل، تراویح اور ذکر اذکار ہی ادا ہوا کرتے ہیں۔تاکہ اس میں کھانے پینے اور جماع وغیرہ نفسانی اور دنیوی مصروفیتوں سے علیحدہ ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کمال فراخدلی اور یکسوئی کے ساتھ کرے۔کیونکہ دل جب کھانے پینے کی نفسانی خواہشات اور دنیوی خطرات میں الجھا رہے تو ذکر کی اصل غرض اور عبادت کی حقیقی مراد مفقود ہو جاتی ہے۔لیکن جس وقت انسان یکسو اور یک جہت ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر بمعہ فکر و حضور قلب کرتا ہے تو ذکر کا تیر اپنے نشانے پر ٹھیک جا لگتا ہے۔اور ذکر کی تار برقی مذکور تک جا پہنچتی ہے۔دیگر رمضان کے آخری عشرے میں مسجد میں اعتکاف صرف ذکر کے لئے تام یکسوئی اور مکمل یک جہتی کے واسطے مسنون رکھا گیا ہے۔پنجم رکن اسلام کا زکوٰۃ ہے۔اور زکوٰۃ کی فرضیت میں بھی یہی راز مضمر ہے کہ مساکین اور غربا جن کو رزق کی تنگی کے باعث تشویش اور پریشانی خاطر لاحق رہتی ہے۔اور اس دنیوی فکر اور روزی کے غم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور عبادت اطمینان خاطر سے ادا نہیں کر سکتے اور ہمیشہ پراگندہ روزی پراگندہ دل ہوا کرتا ہے۔اس واسطے اسلام نے دنیا داروں پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ ایسے نادار اور محتاج مسلمانوں کی امداد کی جائے۔تاکہ یہ لوگ بھی دلجمعی اور فراغت قلبی سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکیں۔

انسان اگر چہ خود کتنا ہی متوکل علی اللہ اور تارک دنیا کیوں نہ ہو۔ اہل وعیال اور بال بچوں کے ہوتے ہوئے اس کے صبر اور تحمل کے پاؤں ڈگمگا جاتے ہیں۔ اور کمزور صنف نازک اور معصوم بال بچوں پر یہ بے محل بوجھ ڈالنا راہ سلوک میں بھی چنداں مفید نہیں پڑتا۔

شب چو عقد نماز بر بندم
چہ خورد بامداد فرزندم

رات کو جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرتا ہوں (تو دل میں یہ خیال آتا ہے) صبح اہل و عیال کیا کھائیں گے۔

شیخ سعدیؒ نے سچ کہا ہے کہ بال بچوں کی روزی کا غم اور رزق کا فکر عالم بالا میں پرواز کرنے والے سالک کو بھی اپنی منزل سے نیچے گرا دیتا ہے۔

اے گرفتار پائے بند عیال
دگر آزادگی مبند خیال
غم فرزند و نان و جامہ و قوت
باز دارد ز سیر در ملکوت

ترجمہ۔ اے وہ شخص کہ تو اہل وعیال میں گرفتار ہے اب تو ذہن کی آزادی کا خیال نہ کر۔ اہل وعیال کے خورد ونوش اور لباس کا غم انسان کو عالم ملکوت کی سیر سے روک دیتا ہے۔

اور نیز زکوۃ کی دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ ہر چیز کی افراط اور تفریط مضر ہوا کرتی ہے۔ اور ہر چیز کے اعتدال اور اوسط میں خیر ہے۔

خیر الامور اوسا طھا و شر الامور تفریطھا و افراطھا۔

اسی دنیوی دولت کی کثرت اور مال دنیا کی فراوانی بھی ایمان اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر اللہ کے لئے نقصان دہ ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغو

فی الارض ۔ترجمہ۔اگر ہم اپنے بندوں پر روزی فراخ کردیں تو وہ ضرور روئے زمین پر بغاوت کھڑی کردیں گے۔اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کی زبانی قرآن میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اے اللہ تو نے فرعون اور اس کی قوم کو دولت دنیا اور زیب و زینت کے سامان دے رکھے ہیں۔جس کی وجہ سے وہ تیرے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔اے اللہ ان کا مال اور دولت ان سے چھین لے۔اور ان کے دلوں کو فقر و فاقے کی زنجیر میں جکڑ لے تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔سو اس سے ثابت ہو گیا کہ دولت دنیا اور عیش و عشرت کے سامان کی فراوانی انسان کو گمراہ کر دیتی ہے۔ایک حدیث شریف میں آیا ہے حب الدنیا راوسی کل حطیئۃ ۔ یعنی دنیا کی محبت تمام برائیوں کا سر ہے۔غرض دنیا ایک ایسی پرآشوب بلا ہے۔اور یہ ایک ایسا درد لادوا ہے کہ اس سے انسان بڑی مشکل سے نجات پاتا ہے۔سعدیؒ نے اس بیت میں دنیا کی حقیقت کھول کر رکھ دی ہے۔

اگر	دنیا	نہ	باشد	درد مندیم
وگر	باشد	بمہرش	پائے	بندیم
بلائے	زیں	جہاں	آشوب	ترنیست
کہ	رنج	خاطر است	ار ہست	ور نیست

اگر دنیا نہ ہو تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔اور اگر دنیا ہو تو اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

واقعی جب دنیا زیادہ ہو جائے تو اس کی محبت دامن گیر ہو کر انسان کو اللہ تعالیٰ سے روک دیتی ہے۔اور فقر فاقے کی شدت بھی کفر میں گرا دیتی ہے۔کاد ان یکون الفقر کفرا۔ اس واسطے اسلام نے لوگوں میں مساوات قائم رکھنے اور دنیا کی افراط کو حد اعتدال پر لانے کے لئے دنیا داروں پر زکوٰۃ فرض اور لازم گردانی ہے۔تاکہ دنیا دار

بھی ذکر اللہ کرنا اور جسمانی اعضاء و جوارح سے ذکر کے آداب بجالانا اور حواس خمسہ کے ذریعے ذکر اللہ کو اپنے اصلی مقام قلب تک پہنچانے کا نام ہے اور جب ذکر اللہ ظاہری وجود سے مقام قلب میں منتقل ہو جاتا ہے تو اس وقت ایمان کی باطنی صورت اندر میں نمودار ہو جاتی ہے۔

قالت الاعراب امنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوآ اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم.

ترجمہ۔ اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے ہیں۔ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ اے محمدؐ! ان سے کہہ دے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں۔ ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔ تب ایماندار کہلانے کے مستحق بنو گے جس وقت کہ ایمان تمہارے دلوں کے اندر داخل ہوگا۔ سو معلوم ہو گیا کہ ایمان کا خاص محل اور اصل مقام مومن کا دل ہے نہ کہ جسم۔ ایمان فی الحقیقت اسم اللہ ذات کا نوری چراغ ہے۔ جس وقت یہ نوری چراغ مومن کے قلب صنوبری کی چمنی میں روشن ہو جاتا ہے تو اس سے مومن پر چودہ طبق روشن ہو جاتے ہیں۔

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الذجاجۃ کانھا کوکب دری الخ .

ترجمہ۔ (اسم) اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال یوں ہے کہ گویا ایک طاقچہ ہے جس کے اندر چراغ روشن ہے اور چراغ ایک قندیل اور چمنی میں لگا ہوا ہے (چراغ کی روشنی کی تو بات ہی کیا ہے) اس کی چمنی کا یہ حال ہے کہ وہ ایک روشن ستارے کی طرح نور چراغ اسم اللہ ذات سے جگمگا رہی ہے۔

کوئی مصیبت اس دنیا سے بڑھ کر تکلیف دہ نہیں کہ اس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں صورتوں میں وبال جان ہے۔

غرض آیت اللہ نور السموات والارض میں ترجمہ یوں صحیح نہیں ہو سکتا۔ کہ اللہ

تعالی کی ذات نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ کیونکہ یوں تو اللہ تعالی کی ذات پر ظرفیت لازم آتی ہے۔اور اس کی عظیم الشان لامحدود ذات آسمانوں اور زمین کے اندر محدود ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین اور مافیہا اور ماوریٰ ان سب کا خالق ہے۔ یہاں اللہ سے مراد اسم اللہ ذات ہے عارف کامل کا قلب روشن ستارے کی طرح چمک اٹھتا ہے۔اور یہ قندیل درخت زیتون وجود اور جسم عنصریٰ عارف سے لگا ہوا ہے۔ جو لوگ اسم اور مسمے کے معنےٰ سے ناواقف ہیں۔وہ ہماری اس نئ تاویل سے متعجب اور حیران ضرور ہوں گے۔ لیکن ہم حق بات ظاہر کرنے پر مجبور ہیں۔خواہ لکیر کے فقیر اپنی غلط تفسیر کی تشہیر پر ناراض کیوں نہ ہوں۔ بعض لوگ اس بات سے بھی تعجب کریں گے۔ کہ ہم نے نور ایمان کو جو کہ نور یقین کی شکل میں مومن کے قلب اور دل کے اندر جاگزیں ہوتا ہے اسم اللہ ذات کہہ دیا ہے۔سو ناظرین اس آیت قرآنی کے مفہوم پر غور کریں اور انصاف کی عینک چڑھا کر دیکھیں کہ ہماری تاویل اور تفسیر کس قدر صداقت اور حقیقت پر مبنی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔ اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان۔ترجمہ۔وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالی نے ایمان لکھ دیا ہے۔سو ایمان تب ہی لکھا جا سکتا ہے جب کہ وہ ایک کلمہ اور لفظ کی صورت میں ہو اور وہ لفظ اور کلمہ اسم اللہ ذات کے سوائے اور کیا ہو سکتا ہے۔

هزار معجزه نمود عشق و عقل جهول
هنوز امت اندیش هائے خویشتن است

ترجمہ۔عشق نے ہزاروں معجزے دکھلا دیئے۔لیکن جاہل عقل ابھی تک اپنے اندیشوں کی پیروی کر رہی ہے۔

ہم پیچھے ثابت کر آئے ہیں کہ اسلام کے پانچوں ارکان کلمہ،نماز،روزہ،حج اور زکوٰۃ ذکر اللہ اور ذکر اسم اللہ ذات کے مختلف مظاہرے اور طریقے ہیں۔ اور یہی

اسلام یا ذکر اللہ جب ظاہر اعمال جوارح سے لطیفۂ قلب باطن کی طرف منتقل ہو کر دل کے اندر اسم اللہ ذات کی صورت میں تحریر اور مرقوم ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کے نور کو نور ایمان کہتے ہیں اور یہ نور یا نور اسم اللہ ذات اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے مومنوں کے دلوں کے اندر بطور تخم ودیعت کر دیا ہے۔ جو دنیا میں کسی پاک، برگزیدہ اللہ والے بندے کے وعظ، پند، نصیحت، تلقین، ارشاد، تعلیم، توجہ یا فیض کی آبیاری سے سرسبز ہو کر شجر طیبہ بن جاتا ہے۔ سو اسلام اور ایمان کے شجر کی سرسبزی اور تکمیل کے لیے تخم ہدایت ازلی فضلی اور آب ہدائت و تلقین و تعلیم انسان کامل عارف مثل ابر فضلی لازم و ملزوم ہیں تخم اور پھل کے بغیر آبیاری بے سود ہے۔ جیسا کہ ارشاد حق معبود ہے۔

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ و جاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون.

یعنی اے ایمان والو۔ خدا سے ڈرو اور اس کی طرف وسیل پکڑو۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء۔ یعنی اے میرے نبی! تو ہر خاص و عام کو جو چاہے ہدایت پر نہیں لا سکتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جن کو ازل کے دن ہدایت کا تخم عطا کیا ہے ان کو ہدایت ہو گی۔ اور پھر ارشاد ہے۔

یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونو مع الصادقین.

ترجمہ۔ اے ایمان والو۔ صادقین کے ہمراہ رہو۔ اب ہم ایک دوسری آیت کی تفسیر سے اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ کیونکر اسلام اور ایمان کا درخت اسم اللہ ذات سے پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ فویل للقسیۃ قلوبھم من ذکر اللہ اولئک فی ضلال مبین.

ترجمہ۔ جس شخص کا اللہ نے کھول دیا ہے سینہ اسلام کے لئے پس وہ نور اور روشنی پر

ہے اپنے رب کی طرف سے۔افسوس ہے ان لوگوں پر جن کے دل سخت ہیں ذکر اللہ سے۔سو وہ لوگ صریح گمراہی پر ہیں۔یہاں اس آیت کریمہ میں دو جملے ہیں۔اور ہر ایک جملے کے دو حصے ہیں۔ ہر ایک حصہ اپنے بالمقابل دوسرے حصے کے بالکل متضاد اور مخالف مفہوم کا حامل ہے۔اور ہر جملے کا پہلا حصہ شرط اور دوسرا اس کا نتیجہ اور جزا ہے۔سو پہلے جملے میں ایسے سعادت مند آدمی کا ذکر ہے جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھولا ہے۔اس کی جزا یہ ہے کہ وہ روشنی اور ہدایت پر ہے اپنے رب کی طرف سے۔اور دوسرے جملے میں ایسے شقی القلب لوگوں کا ذکر ہے جن کا دل ذکر اللہ سے سخت پتھر کی طرح ہے کہ ذکر اللہ اس میں نفوذ اور سرایت نہیں کر سکتا۔ اور جزہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایسے لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔اس آیت شریفہ میں ناظرین اس باریک نکتے کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ پہلے جملے میں ایک شخص ہے جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھولا ہے۔پس وہ نور اور ہدایت پر ہے۔دوسرے جملے میں چاہیئے یوں تھا کہ یوں بیان ہوتا کہ ان لوگوں پر افسوس ہے جن کے دل کفر کی وجہ سے سخت ہو گئے ہیں پس وہ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں کیونکہ اسلام کے مقابلے میں کفر کا لفظ کافی اور صحیح ہوتا۔لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں اس سر مکنون کو کھول دیا ہے کہ کفر اور گمراہی صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل کے سخت ہو جانے اور اس میں اسم اللہ کے نفوذ اور سرایت نہ کرنے کا نام ہے۔اور اسلام یہ چیز ہے کہ انسان کا دل ذکر اللہ کے کھل جائے۔اور اسم اللہ ذات اس میں داخل ہو جائے۔دوسرا نکتہ اس آیت میں یہ ہے کہ یہاں افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام میں لفظ اللہ مسمّی یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے معنی میں نہیں آیا بلکہ اسم کے معنی میں آیا ہے یعنی اس کے معنی یوں ہیں کہ جس شخص کا سینہ اسم اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے پس وہ اپنے رب کی طرف سے نور اور ہدایت پر ہو گا۔ یعنی جس سعادت مند شخص کے دل کی زمین ایسی نرم ہو کہ اس میں آب ہدایت و

تلقین انبیاء و اولیاء نفوذ اور سرایت کر جائے اور اس میں تخم اسم اللہ ذات سرسبز ہو کر اور اس کے سینے کی نرم زمین کو پھاڑ کر شجر اسلام کی صورت میں قائم اور نمودار ہو جائے تو ایسا شخص ضرور اپنے رب کی طرف ہدایت پا جائے گا۔ لیکن جس شخص کا دل پتھر کی مانند ہو کہ نہ اس میں آب ہدایت کو داخل ہونے کا راستہ ہے اور نہ تخم اسم اللہ ذات کو پھوٹ کر سر نکالنے کی کوئی راہ ہے تو ایسے شقی القلب آدمی کے دل کی پتھریلی زمین میں ضرور تخم اسم اللہ ذات ضائع ہو جائے گا۔ اور وہ ضرور گمراہ ہو گا۔ اب اگر آیت افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام الخ میں لفظ اللہ کو بجائے اسم کے مسمّی کے معنوں میں استعمال کیا جائے جیسا کہ عام ترجموں میں آتا ہے تو معنی یوں ہوتے ہیں۔ آیا پس جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ کھول دیا ہے اسلام کے لئے پس وہ اپنے رب کی طرف سے خاص نور ہدایت پر ہے۔ تو ایک بڑا اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں بھی معاذ اللہ عجیب انصاف ہے کہ کسی خاص شخص کا سینہ تو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور اسے اپنی طرف ہدایت فرماتا ہے اور باقیوں کو خود گمراہ کرتا ہے تو پھر ان گمراہ لوگوں کا کیا قصور ہے۔ سو آیت کا سقم اور اشکال ہرگز رفع نہیں ہوتا اور نہ معنی درست ہوتے ہیں۔ جب تک لفظ اللہ کو اسم کے معنی میں نہ لیا جائے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اسم اللہ مثل تخم اور پھل کے ہے۔ جسے آب ہدایت و دعوت سے جب سینچا جائے تو نرم اور قابل سینے کی زمین کو پھاڑ کر پھوٹ پڑتا ہے۔ اور اس سے شجر طیبہ اسلام سرسبز اور سربلند ہو جاتا ہے۔ پس یہاں اور اکثر قرآن کریم میں لفظ اللہ اسم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور دلالت ذات پر کرتا ہے۔ کیونکہ اسم عین مسمّے ہے اور یہی اسم اور مسمّی کا معمے ہے۔

سبک ز جائے نہ گیری کہ بس گراں گہر است
متاع من کہ نصیبش مباد ارزانی

یہی ذکر اسم اللہ اور یاد الٰہی کا سرِ مخفی ہے۔ جس کی سمجھ سے مادی عقل والے بالکل

بے خبر اور ناواقف ہیں۔ اور یہی ذکر اسم اللہ کی اصلی ضرورت ہے اور انسانی زندگی کا حقیقی مقصد ہے جس کو الحاد زدہ فرقہ جمود، بے کاری اور رہبانیت کی مشق بتاتا ہے۔

ہر انسان کی سرشت اور فطرت میں اسم اللہ ذات کا نور اس طرح جاری و ساری ہے جس طرح جسم میں خون اور خون میں جان ہے اور اسم اللہ ذات کا نور گویا جان جان ہے۔ اور اسی سے انسانی وجود میں گرم و تاباں، تر و تازہ اور روشن و درخشاں ہے۔ یہ اسم پاک وہ ذریعہ، واسطہ اور وسیلہ ہے جس کا ایک سرا زمین شہادت و آفاق کے انسانی قلب میں لگا ہوا ہے اور دوسرا آسمان غیب و انفس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہی وہ عروۃ الوثقیٰ اور حبل المتین (اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی) ہے جو آسمان الوہیت سے زمین عبودیت پر لٹک رہی ہے۔ جس کو پکڑ کر انسان اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کے پاک بلند و بالا اور غیر مخلوق اعلیٰ قصر مقدس تک اسم اللہ ذات کی برقی لفٹ کے بغیر رسائی ناممکن اور محال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کو اپنی ہدایت، قرب اور وصال کا ذریعہ بنایا ہے۔

تو میری متاع (شعر و سخن) کو کہ خدا کرے اس کی کبھی کساد بازاری نہ ہو حقیر سمجھ کر نہ اٹھانا کہ یہ ایک بہت قیمتی گوہر ہے۔

آسمان ربوبیت سے زمین عبودیت پر یہی آفتاب چمکا ہے جس کے نور سے انفس کی آنکھ میں بینائی ہے۔ اور جس نے آفاق کی ساری قندیل میں روشنی پھیلائی ہے۔ اسی لئے تو اس کا نام اسم اللہ ذات ہے۔ اور یہی آخر ذریعۂ نجات کائنات اور چشمۂ حیات ہے اور سرِّ اسرار اور مغز و مخ تمام کائنات ہے۔

ربود جان و دلم را جمال نام خدا
نواخت تشنہ لباں راز لال نام خدا
یقیں بداں کہ تو باحق نشستۂ شب و روز
چوں ہم نشین تو باشد خیال نام خدا

ترا سزد طیراں در فضائے عالم قدس
بشرط آں کہ بہ پری ببال نام خدا
میان اسم و مسمےٰ چوں فرق نیست بہیں
تو در تجلی اسماء کمال نام خدا

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کے نام کے جمال اور حسن نے میرا دل اور جان دونوں چھین لئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کی مٹھاس نے میرے پیاسے لبوں کو تسکین دی۔

تو یہ یقین کر کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے نام کا تصور اور خیال تیرے ساتھ ہے۔

تجھے عالم قدس یعنی عالم بالا میں پرواز کرنا آسان ہے بشرطیکہ تو اللہ تعالیٰ کے نام کے پر لگا کر پرواز کرے۔

اسم اور مسمّی میں چونکہ کوئی فرق نہیں ہے۔ لہٰذا تو اسماء کی تجلی میں اللہ تعالیٰ کے نام کا کمال دیکھ۔

غرض تمام کائنات اسم اللہ ذات کی تسخیر اور قید میں ہے۔ جس نے اس اسم کو حاصل کیا۔ گویا تمام کائنات کی تسخیر کی کلید اس کو مل گئی ہے۔ اور اس نے تمام کائنات کو مسخر کرلیا۔ اسم اللہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام کائنات کے امر ظہور یعنی لفظ کن کا نعم البدل ہے اس لئے کہا گیا ہے۔ بسم اللہ من عارف باللہ ککن من اللہ یعنی عارف کا اسم اللہ کہنا اللہ تعالیٰ کے امر کن فرمانے کے برابر ہے یعنی اللہ تعالیٰ جس طرح لفظ کن یعنی ہو جا فرما کر تمام کائنات کو پیدا کیا۔ اسی طرح عارف جس کام لے لئے اسم اللہ کہہ دیتا ہے۔ وہ کام جلدی یا بدیر ظہور پذیر ہو کر رہتا ہے۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کو ذاتی اسم سے یاد کرتا ہے تو گویا اللہ کو جمیع صفات سے یا تمام قرآنی آیات سے یاد کر رہا ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے فاذکرونی اذکرکم یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ سو ہمارا اللہ

تعالٰی کو یاد کرنا تو صاف ظاہر ہے کہ ہم ظاہر زبان سے یا دل اور خیال سے اللہ تعالٰی کو یاد کرتے ہیں مگر اللہ تعالٰی ہمیں حسب وعدہ مقابلتًا اور ایجابًا کس طرح یاد فرماتے ہیں۔ اور ہمارے ذکر کا کس طرح جواب دیتے ہیں۔ اور اس کی کیا صورت اور کیفیت ہوتی ہے۔ اس راز درون پردہ کو آج ہم کھول کر بیان کرتے ہیں۔ بندہ اللہ تعالٰی کو جس اسم اور صفت سے یاد کرتا ہے اللہ تعالٰی اسی صفت اور اسی اسم سے اپنے ذاکر بندے کی طرف متجلی ہوتا ہے۔ قولہ تعالٰی۔ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ یعنی میں اپنے بلانے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں۔ جس وقت وہ مجھے بلاتا ہے۔ قولہ تعالٰی۔ واللہ المستعان علی ماتصفون۔ یعنی اللہ تعالٰی کو اسی صفت سے جلوہ گر ہونے کی توفیق ہے جس صفت سے تم اسے یاد کرتے ہو۔ حدیث۔

انا عند ظن عبدی بی فلیظن بی کیف یشاء.

ترجمہ۔ میرے بندے کا میرے ساتھ جیسا ظن اور گمان ہوتا ہے میں اسی کے مطابق اس کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کرتا ہوں۔ سو جس طرح وہ چاہے میرے ساتھ ظن رکھے۔ انسان کے اندر اسم اللہ ذات اور اللہ تعالٰی کے جملہ اسماء صفات کی استعداد روز ازل سے فطرتی طور پر بالقوٰی موجود ہے۔ پس انسان اللہ تعالٰی کو جس اسم اور صفت سے یاد کرتا ہے وہ اپنے اندر اسی صفت کی استعداد کو بالفعل جاری کرتا ہے۔ اور اسی اسم کو نمودار کرتا ہے۔ اور اسی اسم کے نور کا بطور انعکاس اپنے دل کے آئینے میں اقتباس کرتا ہے۔ جیسا کہ آفتاب کی روشنی جب آئینے میں متجلی ہوتی ہے تو اس آئینے میں آفتاب کی روشنی اور گرمی کی صفت بطور انعکاس پیدا ہو جاتی ہے۔ آفتاب کی روشنی اور گرمی آئینوں اور آتشی شیشوں یعنی لینز میں ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جس وقت لینز کے محدب شیشے میں آفتاب کی شعاعیں گزرتی ہیں تو اس میں اتنی گرمی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس سے کپڑے کو آگ لگ جاتی ہے۔ اسی طرح چاند کی سطح پر جب آفتاب کی روشنی پڑتی ہے تو چونکہ اس میں بڑی وسعت

ہے۔اس لئے اس کی روشنی چودھویں کے چاند کی رات کو نصف روئے زمین کو روشن کر دیتی ہے اور فوٹوگرافی نے تو اور بھی اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ بطور انعکاس آئینے کے اندر شے معکوس کی صورت ہو بہو آ جاتی ہے۔بائیسکوپ اور ٹاکیز نے تو اشیاء معکوس کی صورت اور شکل کے علاوہ ان کی حرکات، افعال و اعمال اور آواز تک کو فلم کے فیتوں میں بطور انعکاس اتار کر پردۂ فلم پر دکھا دیا ہے۔اور جو کچھ واقع ہو چکتا ہے۔اسے بجنسہٖ پردۂ فلم پر لوگ دن رات دیکھتے ہیں۔اگر ایسی فوٹوگرافی اور فلم سازی ممکن ہوتی کہ وہ بطور انعکاس انسانی صورت، حرکات، سکنات اور آواز کے علاوہ اس کی عین ذات اور صفات کا بھی عکس اتار سکتی تو وہ فوٹوگرافی ہمارے مطلب کو صاف ظاہر کرتی۔انسان کامل اللہ تعالیٰ کا ایسا ہی مظہر اتم اور مکمل آئینہ بن جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انوار ذات وصفات و اسماء و افعال کا اپنے اندر حسب وسعت و استعداد انعکاس کرتا ہے۔مرد عارف کامل کا جس وقت پورے طور پر تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، تجلیۂ روح اور تخلیہ سر ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا صاف، شفاف اور مکمل آئینہ بن جاتا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات سے متصف اور اس کے جملہ اخلاق سے متخلق ہو جاتا ہے۔اور علم آدم الاسمآء کلھا کا سچا مصداق یعنی حقیقی آدم کی اولاد، اصلی معنی میں آدمی کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ورنہ ویسے تو اولئک کا الانعام انسان بظاہر صورت انسان اور باطن میں حیوان بہت ہیں۔آدم علیہ السلام اور اس کے حقیقی اولاد میں اللہ تعالیٰ اپنے جمیع اسماء اور صفات کے ساتھ جلوہ گر ہے۔اور یہی وعلم ادم الاسماء کلھا کے حقیقی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے جملہ اسماء سکھا دیئے اور ملائکہ اور فرشتوں کا ان اسماء کے جاننے سے عاجز آ جانے سے یہ مراد ہے کہ فرشتے اور ملائکہ اللہ تعالیٰ کے خاص خاص اسماء کے مظہر ہیں۔اور انہیں چند خاص اسماء صفات کے ساتھ متصف کیا گیا ہے۔جن کے وہ کارکن ہیں۔جیسا کہ عزرائیل علیہ السلام جو ارواح کے قبض پر مامور ہیں۔اللہ تعالیٰ کے اسماء

قادر، قہار، قابض اور ممیت وغیرہ چند اسماء جلالی کی استعداد رکھنے والے ان ہی اسماء کے حامل اور ان کی صفت سے متصف اور کارکن ہیں۔ عزرائیل علیہ السلام میں دیگر اسماء اور خصوصاً اسماء جمالی مطلق استعداد نہیں ہے۔ اسی طرح جبرائیل علیہ السلام کو اسماء جمالی کا مظہر اور کارکن بنایا گیا ہے اور علیٰ ہذا القیاس دیگر ملائکہ کو سمجھ لیا جائے۔ لیکن انسان کامل ہر دو جمالی و جلالی اور کمالی اسماء صفات کا اپنے اندر حسب وسعت ظرف اور حسب توفیق باطنی اقتباس کرتا ہے۔ یہی علم آدم الاسمآء کلھا کا حقیقی مطلب ہے۔ اور یہ ہرگز مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کوئی لغات کی کتاب یا ڈکشنری پڑھادی تھی جس میں تمام دنیا کی چیزوں کے نام درج تھے۔ اور اس کو ملائکہ سے چھپا رکھا۔ اور پھر آپس میں ان چند اشیاء کا نام بتانے میں امتحان لے لیا تھا۔ اور یوں فرشتوں کا عجز اور آدم علیہ السلام کی برتری اور فضیلت ظاہر ہو گئی تھی۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی عادل عظیم الشان مقدس ذات سے بعید ہے۔ اور حدیث خلق اللہ آدم علی صورتہ (اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اپنی صورت پر بنایا) اس بات کی مؤید ہے کہ آدمؑ کے اندر اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات سے متصف ہونے اور اس کے اخلاق سے متخلق ہونے کی صلاحیت موجود ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ صورت اور شکل و شباہت سے منزہ اور پاک ہے۔ غرض انسان کامل اللہ تعالیٰ کا مکمل آئینہ اور مظہر اتم ہے۔ اور بمقتضائے فاذکرونی اذکرکم انسان جس اسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایجاباً اسی اسم کے ساتھ اس شخص کی طرف متجلی ہوتا ہے۔ مثلاً بندہ اللہ تعالیٰ کو جب اسم رحمٰن سے یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر رحمٰن کی تجلی فرماتا ہے اور اسم رحمٰن کا نور ذاکر کے اندر سرایت کر جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جو صفت رحمانیت تمام کائنات میں جاری اور نافذ ہے جس کے سبب تمام دنیا کے جن، انسان، حیوان، درند، چرند اور پرند کے درمیان رحم اور شفقت قائم ہے۔ ذاکر اسم رحمٰن اللہ تعالیٰ کی اس عام عالم گیر صفت رحمانیت کے عمل اور قدرت میں سے بقدر وسعت استعداد حظ وافر اٹھاتا

ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے متصف ہو جاتا ہے۔اور انفس و آفاق میں اسم رحمٰن کے عمل کا حامل ہو جاتا ہے۔اسی کا نام ہے تخلقوا باخلاق اللہ تعالیٰ۔اسی طرح جب ذاکر اللہ تعالیٰ کو اسم سمیع یا اسم بصیر سے یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت سمیع اور بصیر سے بقدر وسعت استعداد بہرہ یاب ہوتا ہے اور علاوہ سماعت و بصارت حواس ظاہری ذاکر اللہ تعالیٰ کے فضل اور عطا سے سماعت اور بصارت باطنی حاصل کر لیتا ہے اور ناشنیدہ باتیں بذریعہ الہام سنتا ہے۔اور نادیدہ باطنی مقامات اور غیبی روحانی واقعات دیکھتا ہے۔اسی طرح تمام صفات کو قیاس کر لیا جائے۔لیکن جب انسان اللہ کو ذاتی اسم سے یاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی ذات جامع جمیع صفات و اسماء سے اس ذاکر کی طرف متجلی ہوتا ہے۔اور ذاکر اللہ تعالیٰ کے ذاتی انوار کا اپنے اندر مشاہدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذاتی جلوے اور مشاہدے سے مشرف اور ممتاز ہو جاتا ہے۔اور ذاکر کا وجود ذاتی انوار سے منور ہو جاتا ہے۔اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بندے (ذاکر) کے اندر حلول کر جاتا ہے۔بلکہ جس طرح آفتاب کی روشنی اور حرارت آئینے یا پانی یا دیگر شفاف اشیاء کے اندر منعکس ہو جاتی ہے۔حالانکہ آفتاب اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے۔یا جس طرح لوہے میں آگ سرایت کر جاتی ہے۔اور لوہا لال ہو کر آگ کی صفت اختیار کر لیتا ہے۔اسی طرح بندہ اللہ تعالیٰ کے انوار ذات و صفات و اسماء و افعال سے اقتباس کرتا ہے۔اس وقت بندے کا دیکھنا اللہ تعالیٰ کا دیکھنا،سننا اللہ تعالیٰ کا سننا اور بولنا اللہ تعالیٰ کا بولنا ہو جاتا ہے۔غرض بندہ اللہ تعالیٰ کو جس اسم سے یاد کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ بندے کی طرف اسی اسم سے متجلی ہوتا ہے۔اور ذاکر پر اللہ تعالیٰ کے اسی اسم کی تجلی ہوتی ہے۔اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وہی اسم ذاکر کے اندر قدرت کے نوری حروف سے مرقوم اور تحریر ہو جاتا ہے۔اور ذاکر اسے کوکب دری چمکدار ستارے کی طرح غیبت اور استغراق کے وقت آسمان غیب پر تاباں اور درخشاں دیکھتا ہے۔باطن میں انوار

اسماء کاظہور کواکب اور ستاروں کی شکل میں ہوتا ہے۔ اور نا وار صفات چودھویں کے چاند کی طرح نظر آتے ہیں۔ اور نور ذات آفتاب کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ غرض جس وقت ذاکر کے اندر اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم نوری حروف سے مرقوم ہو جاتا ہے تو ذاکر اسی اسم کے نور اور بجلی کی طاقت سے بھر جاتا ہے۔ اور اسی اسم کے نور، پاور اور طاقت سے انفس و آفاق میں اپنا اثر، فعل اور عمل جاری کرتا ہے۔ ایسی حالت میں کہا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص فلاں اسم یا کلام کا عامل ہو گیا ہے۔ مثلاً حضرت عیسےٰ علیہ السلام جب کسی جذامی، کوڑھی یا مجنون بد روح والے کو اچھا کرنا چاہتے تو اللہ تعالیٰ کے اسم قدوس کا دل میں ذکر یا تصور کرتے اور اللہ تعالیٰ کی صفت قدوسیت کی طرف ملتجی اور متوجہ ہوتے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ حسب وعدہ فاذکرونی اذکرکم اپنے اسم قدوس اور نور صفت قدوس کی تجلی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فرماتے۔ اور وہ نوری صورت کبھی کبوتر کی شکل میں آسمان پر سے نازل ہوتی۔ اس وقت آپ اسم قدوس کے نور یعنی روح القدس سے بھر جاتے اور چونکہ جذامی، کوڑھی اور مجنوں میں بد روح داخل ہوتی ہے۔ جس سے ان کی خلقت ظاہری و باطنی بگڑ جاتی ہے۔ اور اسم قدوس چونکہ ضد ہے تمام باطنی اور خباثتوں کا یعنی ایک نور اور دوم ظلمت ہے۔ ایک حق اور دوم باطل کا حکم رکھتا ہے۔ لہٰذا جب عیسیٰ علیہ السلام روح القدس کے نور سے بھرپور ہو کر جذامی یا مجنون کو ہاتھ لگاتے تو آپ کے نور قدس کی طاقت سے جذامی اور مجنون کے اندر سے بد اور خبیث روح نکل کر بھاگ جاتی۔ اور ہمیشہ نور حق کی روشنی سے ظلمت باطل بھاگ جایا کرتی ہے۔

قل جآء الحق و زهق الباطل ط ان الباطل كان زهوقا.

چنانچہ آپ کے آسمان کی طرف دیکھنے یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت قدوسیت کی طرف ملتجی ہونے اور روح القدس کے کبوتر کی شکل میں اترنے اور آپ کے روح القدس سے بھر جانے اور کوڑھی، مجنون اور اندھوں وغیرہ سے بد روح نکال کر اچھا

کرنے کے قصے اناجیل اور دیگر تاریخی کتابوں میں بکثرت مذکور ہیں۔

جب کبھی کسی نبی یا ولی کو مقام ازل کے تماشہ گاہ کو دیکھنے اور وہاں کی سیر کا ارادہ ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اسم اول کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسی اسم کے نور میں سے طے ہو کر مقام ازل میں جا پہنچتا ہے اور اسی طرح اسم آخر سے مقام ابد اور اسم ظاہر سے مقام دنیا اور اسم باطن سے مقام آخرت کی سیر کرتا ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس تمام اسماء صفات کے انوار سے اقتباس کر کے باطن میں حظ وافر اٹھاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اسماء کا عامل بننا اور اللہ تعالیٰ کی پاک صفات سے متصف ہونا آسان کام نہیں ہے کہ چند روز کسی اسم کو زبان سے ورد کر لیا اور بس عامل کامل بن گئے۔ جب تک سالک اپنی حادث ناسوتی صفات سے کلی طور پر فنا حاصل کر کے تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، تجلیۂ روح اور تخلیۂ سرّ حاصل نہ کر لے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کے غیر مخلوق نور سے بقا حاصل نہ کر لے۔ تب تک اللہ تعالیٰ کے کسی اسم کا فیضان حاصل نہیں کر سکتا۔ اور نہ کسی اسم کا عامل ہو سکتا ہے۔ اور یہ عمل بغیر مربی، مرشد اور پیر استاد کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور سالک عارف جس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل اور مرشد کامل کے فیض سے عامل کامل ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے انوار اسماء وصفات اور ذات میں سے بقدر وسعت استعداد محض اقتباس کرتا رہتا ہے۔ لیکن اپنی کامل لازوال ذات اور قدیم صفات اور اسماء کی جامعیت، ذاتیت اور کلیت ہمیشہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاصل ہے۔ نہ اس سے کچھ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے۔ **الآن کما کان**۔ انسان کے آئینے میں اپنے خاص فضل وکرم سے آفتاب ذات، اقمار صفات اور نجوم اسماء سے تجلیات فرماتا ہے۔ اور انسان حسب استعداد اس عالم گیر فیضان الٰہی سے ظاہری وباطنی فیضان حاصل کرتا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ رحمتی وسعت کل شیء۔

ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ ذکر سے ذاکر کے باطنی حواس کھل جاتے ہیں۔ ذاکر بندے اور مذکور رب معبود کے درمیان حجاب مرتفع ہو جاتے ہیں اور انسان کے

دل اور دماغ کے اہم مقامات کے اندر شیطان اور اس کے جنود ابلیس نے ڈیرے لگائے ہوئے ہیں اور وہاں ظلمت کے قلعے بنا رکھے ہیں۔ اور ان پر غفلت کے قفل لگا دیئے ہیں۔ ذاکر اسم اللہ ذات کی نوری کلید سے غفلت کے تالے کھول لیتا ہے۔ اور ذکر اللہ کی نوری تلوار سے ابلیس اور اس کے باطل جنود کو مار کر بھگا دیتا ہے۔ اور اس میں انوار اسماء الٰہی کے نوری قلعے بنا کر نوری مخلوق اور جنود اللہ اور حزب اللہ کے لطیف لشکر بسا دیتا ہے۔ ایسے ذاکر کا دل کعبۂ اعظم اور قبلۂ اقدس بن کر ارواح مقدسہ اور ملائکہ و نوری مخلوق کی عبادت گاہ اور سجدہ گاہ ہو جاتا ہے۔ اور ذکر فکر تلاوت تسبیح، تقدیس، تکبیر، تحمید، تہلیل اور عمل صالح معرفت قرب وصال اور اللہ تعالیٰ کے اسرار و انوار کی منزل اور مقام بن جاتا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بن گاہ خلیل آذر است
دل گذرگاہ جلیل اکبر است

ترجمہ۔ اپنے دل کو حاصل کر کیونکہ یہی حج اکبر ہے۔ اور ہزاروں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے کیونکہ کعبہ کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ نے رکھی ہے اور دل خود اللہ تعالیٰ کی گذرگاہ ہے۔

جس وقت انسان ذکر اللہ سے اعراض کرتا ہے تو اس کے وجود پر نفس شیطان اپنا غلبہ جما لیتا ہے۔ اور دل و دماغ کو اپنے قبضے اور تصرف میں لے لیتا ہے اور بعدہ سارے وجود کو اس طرح گھیر لیتا ہے جس طرح عشق پیچہ درخت پر چھا جاتا ہے۔ انسان کے رگ و ریشے اور نس نس میں شیطان گھس جاتا ہے۔ اور دل، دماغ، کان، ناک، زبان، آنکھوں تمام مقامات خمسہ حتیٰ کہ اس کے وجود کے ذرے ذرے میں خون اور جان کی طرح سما جاتا ہے۔ جسم کے ہر مسام میں وہ اپنا راستہ بنا لیتا ہے۔ اور

انسان کے ہر سانس اور دم کے ساتھ انسان کے اندر آتا جاتا ہے۔ایسے آدمی کے دل و دماغ اور حواس خمسہ کے مقامات آنکھ، ناک، کان، زبان اور جسم کے تمام اعضاء پر باطن میں شیطانی ظلمت اور تاریکی کے بادل چھا جائے ہیں۔ ایسے آدمی کے دل اور دماغ سے حق اور باطل کی تمیز اٹھ جاتی ہے۔اس ظلمت اور غفلت کے باعث انسان موت، یوم آخرت اور حساب کتاب کو بھول جاتا ہے۔اور ثواب و گناہ، نیکی و بدی اور حلال وحرام یکساں نظر آتے ہیں۔خوف خدا دل سے اٹھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ وعید دل سے یک دم فراموش ہو جاتے ہیں۔اور جو کچھ سوچتا ہے برا ہی سوچتا ہے۔کیونکہ اس کے دل و دماغ شیطان کے تابع ہو جاتے ہیں۔ایسے بدبخت آدمی کو الٹا برے اعمال اور شیطانی ارادے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔وزین لھم الشیطان اعمالھم۔ایسے شخص کو نیک اور بزرگ لوگ اور ان کے طرز و اطوار برے معلوم ہوتے ہیں۔اور برے، فاسق، فاجر، کافر، مشرک اور منافق لوگ اور ان کے برے طور طریقے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ایسا آدمی حیوان ناطق بن جاتا ہے۔ بلکہ نفسانی اور شہوانی اعمال کی بے اعتدالیوں اور برائیوں میں حیوان سے بھی بڑھ جاتا ہے۔اگرچہ ظاہری جسمانی لحاظ سے جالینوس زماں اور افلاطون وقت ہی کیوں نہ ہو۔دار آخرت میں حیوانوں کی شکل میں یا ابدی اندھے، لولے لنگڑے، اپاہج، بیمار اور مفلس کنگال کی صورت میں اس کا حشر ہوگا۔اور طرح طرح کے دائمی عذابوں میں مبتلا ہوگا۔یہ سب ذکر اللہ اور اسم اللہ سے اعراض اور غفلت کے نتائج ہیں۔

ومن اعرض عن ذکری فان له معیشة ضنکا و نحشره یوم القیمة اعمی.

ترجمہ۔جس شخص نے میرے ذکر سے اعراض کیا۔پس اس کی باطنی روزی تنگ ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا کر کے کھڑا کریں گے۔پس انسان کو چاہیے

کہ اپنے وجود کے تمام مقامات خصوصاً دل اور دماغ میں اسم اللہ کا نوری چراغ روشن کرے تا کہ اسم اللہ کے نورِ حق سے ظلمت باطل بھاگ کر کافور ہو جائے۔ اسلام میں ذکر اللہ کے مختلف مظاہروں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور کلمہ وغیرہ کے لزوم اور فرضیت کی حکمت اور فلاسفی یہی ہے کہ انسانی جسم کے ہر عضو اور اندام سے غیر اللہ کو نکال دیا جائے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نور بسا دیا جائے۔ نہیں دیکھتے کہ نماز میں انسان کا تمام جسم اور ہر عضو ذکر کے ساتھ حرکت اور کام کرتا ہے بلکہ وضو کے وقت ہر عضو کو دھوتے اور پاک کرتے وقت ساتھ ساتھ ذکر اللہ تعالیٰ اور اس کے تصور سے سیراب کیا جاتا ہے۔ اور پھر نماز میں پیشانی سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک جسم کا ذرہ ذرہ عبادت اور ذکر اللہ میں شامل اور اللہ تعالیٰ کے تصور میں داخل ہو جاتا ہے۔ خاص کر دل و دماغ کو جب تک غیر اللہ سے خالی کر کے اس میں ذکر اللہ اور تصور اللہ کا قائم نہ کیا جائے تب تک نماز صحیح اور مکمل نہیں ہوتی۔ حدیث۔ لا صلوٰۃ الا بحضور القلب۔ لہٰذا جب نماز میں جسم کے تمام حواس و اعضاء خصوصاً دل اور دماغ کی ذکر اور خیال و التفات غیر اللہ سے حفاظت لازمی اور ضروری ہے۔ قولہ تعالیٰ۔

حافظوا علی الصلوٰۃ و الصلوٰۃ الوسطی و قوموا للہ قانتین.

ترجمہ۔ اپنی نماز پر محافظ اور نگہبان بنے رہو۔ اور خاص کر (اندرونی دل و دماغ کی) نماز وسطیٰ کی حفاظت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے آپ کو پوری محویت میں قائم رکھو۔ اس لئے تو نماز میں بدن کے تمام اعضاء کو ذکر اللہ کا مقید اور پابند کیا جاتا ہے کہ تھوڑی سی غیر اللہ کی جانب حرکت اور خفیف التفات سے نماز فاسد بلکہ باطل ہو جاتی ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کو جب کبھی نماز میں غیر اللہ کا کوئی خیال آتا تو آپ آخر میں سجدۂ سہو کر لیتے۔ مثلاً از قسم نعماء دار عقبےٰ کا خیال۔ اگر کوئی دنیوی خیال از وجہ حلال آتا تو سلام پھیر کر نماز توڑ لیتے اور پھر سے نماز شروع کرتے

۔اور اگر دنیوی خیال از وجہ مشتبہ یا حرام دل میں آتا تو از سر نو وضو کرتے اور نماز شروع فرماتے۔ایک دفعہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ خیال غیر کی وجہ سے آپ دوبارہ وضو کیوں کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ خواص کے لئے دنیا کا خطرہ ریح کے خارج ہونے سے بھی بڑھ کر ناقص وضو اور مفسد نماز ہے۔غرض نماز کے وقت انسان کو امنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ کا مکمل نمونہ اور واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا کا پورا مصداق بنا پڑتا ہے۔تب کہیں نماز کا حق پورا ادا ہوتا ہے۔اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جس وقت حضور دل سے پورے طور پر نماز ادا نہیں ہو سکتی تو پھر رسمی اور ظاہری طور پر خطرات دنیوی اور خیالات غیر سے بھری ہوئی نماز کا کیا فائدہ ہے۔ اس موقع پر شیطان بہت طالبوں کی طریقت میں راہ مار کر انہیں گمراہ کر لیتا ہے اور تارک الصلوٰۃ بنا دیتا ہے۔لیکن یاد رہے کہ اس ظاہری نماز کی حفاظت اور تکمیل کا نام حضور دل والی نماز ہے۔اور اسی ظاہری نماز کو کما حقہ ادا کرنے سے باطنی نماز کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ظاہری نماز بمعہ جملہ ارکان دودھ کی مانند ہے اور انسانی وجود بمنزلہ ظرف گلی کے ہے۔اور انسانی دل مندھانی کی طرح ہے جس سے دودھ بلویا جاتا ہے۔اب جس نے خالص دودھ حاصل کر لیا۔اسے ٹھیک طور پر جما لیا اور پھر اسے اپنے جسم کے برتن میں ڈال کر دل کی مندھانی کو ذکر قلبی اور حضور دل کی حرکت سے ہلانا اور چلانا جاری رکھا اور اسی طرح دودھ بلوتا رہا تو ایسا شخص ضرور باطنی نماز اور حضور دل والی مقبول نماز کے مکھن کو حاصل کر لے گا۔اور جس شخص کے پاس سرے سے دودھ ہی نہیں ہے وہ خاک بلوئے گا اور مکھن کہاں سے لائے گا۔ ظاہری اور شرعی نماز ادا کرنے والے کو اتنا فائدہ تو ضرور رہتا ہے کہ اگر خالص دودھ نہیں ملا۔یا اس میں کوئی مخالف چیز پڑ گئی یا دہی ٹھیک نہیں جمی تو اگر مکھن حاصل نہ ہو اور اچھا چھ عمدہ نہ بنے پھر بھی سادہ اور معمولی سی لسی اور چھاچھ تو بن جاتی ہے۔اور بہ نسبت اس کاہل حیلہ جو آدمی سے فائدے میں رہتا ہے جو کہتا ہے کہ ہم بغیر دودھ

کے مکھن حاصل کرتے ہیں۔نماز میں خطرات اور خیالات غیر کا پیش آنا ایک مجبوری امر ہے۔اور جس چیز کی محبت غالب ہوتی ہے اسی کے خیالات اکثر دل میں پیدا ہوتے ہیں۔حتی الوسع نماز کو غیر خیالات سے بچانا چاہیئے۔اسی لئے نماز کے شروع میں تکبیر تحریمہ لازمی اور فرض ٹھہرائی گئی ہے کہ جس وقت کہا اللہ اکبر یعنی اللہ بڑا ہے تو باقی تمام کائنات کی اشیاء اللہ تعالی کے مقابلے میں اصغر اور چھوٹی ٹھہریں۔
پس سب غیر خیالات کو تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کی تلوار سے قطع اور دور کر دینا چاہیئے تب تکبیر تحریمہ بھی صحیح ہے۔نماز اگر صحیح طور پر ادا کی جائے تو سچ مچ اس کے ذریعے انسان اللہ تعالی کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے اور باطن میں عروج کرتا اور چڑھتا جاتا ہے۔اسی واسطے تو نمازی اوج نماز سے اترتے وقت اور باطنی پرواز اور روحانی سفر سے واپس ہوتے وقت اپنے دائیں بائیں ساتھیوں پر آ کر سلام کہتا ہے۔
ہمارے آقائے نامدار احمد مختار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات اپنے پروردگار کی طرف روانہ ہوئے۔اور راستے میں آپؐ نے ساتوں آسمانوں اور عرش و کرسی و لوح وقلم کے مختلف ملائکہ اور اگلے پیغمبروں کی مقدس روحوں کو اپنی اپنی منزل اور مقام میں دیکھا کہ قسم قسم کی عبادتوں میں مشغول ہیں اور طرح طرح کے ذکر اذکار و تلاوت کلام اللہ میں مصروف ہیں۔بعض قیام میں اللہ تعالی کی حمد وثنا کے گیت گا رہے ہیں۔بعض بیٹھ کر حق سبحانہ و تعالی کی تحمید و تقدیس میں مصروف ہیں اور بعض سجدے میں پڑے ہوئے اس کے بے مثال جمال کی تحمید و توصیف اور اس کے لازوال جلال کی تمجید و تکبیر میں مشغول ہیں۔تو آپؐ کے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی کہ کاش مجھے اور میری امت کو کوئی ایسا جامع اور مکمل طریقہ عبادت عطا کیا جائے کہ جس میں تمام انبیاء و مرسلین اور جملہ ملائکہ مقربین اور تمام مخلوقات اولین و آخرین کی عبادات اور ان کے طور طریقے جمع ہوں۔جس وقت آنحضرت صلعم اللہ تعالی کی تمام آیات کبریٰ کا مشاہدہ کر کے مقام قاب قوسین او ادنیٰ میں پہنچے اور اللہ تعالی

نے آپ کو خلعت اصطفائیت پہنائی اور تاج لولاک آپ کے سر پر رکھا اور دولت دارین کے خزانے اور سعادت کونین کے کنوز آپ کے سپرد فرما کر فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا .

تو اس وقت آنحضرت صلعم کو حسب تمنائے قلبی و آرزوئے دلی منجملہ ان نعماء فیض فضلی کے ایک بھاری نعمت یہ بھی ملی کہ آپ کو اور آپ کی امت کو یہ موجودہ نماز ایسا جامع اور مکمل طریقۂ عبادت بارگاہ کبریا سے عطا ہوا کہ جس میں ساتوں آسمانوں عرش و کرسی، لوح و قلم کے جملہ ملائکہ کی عبادات کی مختلف ادائیں اور طرح طرح کی اطاعتوں کی طرزیں مثلاً قیام، رکوع، قعود اور سجود وغیرہ اور حمد و ثناء الٰہی کے جملہ طریقے مثلاً تسبیح و تقدیس، تحمید و تمجید اور تہلیل وغیرہ شامل و مندرج ہیں۔ کائنات عالم کی جملہ مخلوقات مثلاً جمادات، نباتات اور حیوانات جن کو قادر قیوم نے بمقتضائے سبح للہ مافی السموات ومافی الارض اپنی تسبیح و تقدیس میں مشغول کر ڈالا ہے۔ان سب کی تسبیح کی فطرتی طاعت اور قدرتی عبادت اسی نماز پنج گانہ میں شامل ہے جس طرح ہمارے آقائے نامدار افضل المرسلین اور آپ کی امت خیر الامم ہے۔ اسی طرح ان کو اللہ تعالیٰ نے طریقۂ عبادت بھی وہ مرحمت فرمایا ہے جو جملہ طریقہ ہائے عبادات اور طرز طاعات سے بہتر اور عمدہ ہے۔نماز کے چارگانہ ارکان قیام، رکوع اور قعود و سجود کے اندر نمازی اللہ تعالیٰ کے اسم ذات یعنی لفظ اللہ کے چاروں حروف کی یوں صورت بناتا ہے۔ اللہ اور سجدے میں اپنے پہلوؤں میں دو طرفہ محمدؐ کے یوں قاب قوسین بنا کر واسجد واقترب کا حق ادا کرتا ہے۔

غرض نماز کیا ہے۔اپنے دل و دماغ اور جسم کے تمام حواس اور کل اعضاء سے پروردگار عالم کے سامنے اپنی بندگی و عبودیت اور عجز و انکسار کا اظہار ہے۔اس خالق مالک کی ازلی یاد اور اس محسن حقیقی کے بے شمار احسانات کا شکریہ اس کے جمال بے

مثال کی حمد و ثنا اور اس کے جلال لایزال کی یکتائی اور عظمت کا اقرار اور اس محبوب ازلی سے مہجور روح کی پکار ہے۔ یہ اپنے آقا اور ولی نعمت شاہنشاہ دو عالم کی بارگاہ قدس میں جسم و جان کی بندگی اور اپنے اندرونی احسانات کا عرض نیاز ہے۔ یہ ہماری روح کے ساز کی ازلی پرسوز آواز ہے۔ یہ واجب و ممکن، قدیم و حادث اور خالق و مخلوق کے درمیان معرفت کا رابطہ اور محبت کا رشتہ ہے۔ اس میں ازل کی بے قرار روح کی تسکین، دنیا میں مضطرب اور پریشان جان کی تشفی، قبر میں تنہا مایوس دل کا سکون اور میدان حشر میں خائف اور محزون نفس کے لئے پروانۂ نجات ہے۔ یہ انسان کی روزانہ زندگی کا حاصل اور اس کی عزیز ہستی کا پھل ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کی گہرائیوں میں کوئی پوشیدہ ساز ہے جو غیبی انگلیوں سے بجتا رہتا ہے۔ جس کی مستی اور جوش مسرت میں انسانی روح سے عبودیت کا یہ فطرتی رقص پیدا ہوتا ہے۔ یہی الست بربکم کے مشکل سوال کا بہترین حل اور مکمل جواب ہے۔ اسلام کے پنجگانہ ارکان اسی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر کے مکمل اور جامع مظاہرے ہیں۔ اور ان میں اس قدر بے شمار حکمت کے گوہر آبدار اور معرفت کے در شہوار پوشیدہ اور پنہاں ہیں کہ اگر ہر ایک کو کھول کھول کر مفصل اور واضح بیان کیا جائے تو ہر ایک کے لئے ایک علیحدہ دفتر چاہیئے۔

ا قیام، ل رکوع، دوسرا ا پھر قیام اور ہ سجود۔

لہٰذا ہم مختصر طور پر مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتے ہیں۔ اسلام کے دوسرے چھوٹے رکن کلمۂ طیب کو لے لیجئے۔ گو بظاہر ایک چھوٹا سا کلمہ اور معمولی جملہ معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کی ادائیگی بر سر زبان بہت آسان ہے۔ لیکن اس کی حقیقت اور عظمت بہت بھاری اور گراں ہے۔ اور اس کا عمل اور حکم باقی چاروں ارکان میں نافذ اور رواں ہے۔ نماز کے اندر تو اس کے حکم نفی اور اثبات کا مظاہرہ دیکھ لیا کہ جب تک خیال اور تصور سے غیر اللہ کی نفی نہ کی جائے۔ اور تصور میں اللہ تعالیٰ کو ثابت اور قائم

نہ کیا جائے، نماز درست نہیں ہوتی۔ یعنی تمام نماز میں کلمۂ طیب کے نفی اثبات کے حکم پر مکمل عمل درکار ہے۔ اور اسی پر ساری نماز کا دارومدار ہے۔ اب دوسرے رکن روزۂ رمضان کو لے لیجئے۔ روزہ میں تمام نفسانی لذات اور جسمانی قوت کی نفی کر کے اس کی جگہ دل اور روح کی باطنی لذات اور روحانی غذاؤں اور قوتوں یعنی ذکر فکر، تلاوت کلام اللہ تسبیح و تقدیس اور نیک اعمال کی اثبات کی جاتی ہے۔ جب رمضان کے روزے کی فلاسفی اور حکمت میں ہم غور کرتے ہیں تو وہاں بھی اسی کلمۂ طیب کے نفی اثبات یعنی لا الہ الا اللہ کا عمل جاری نظر آتا ہے۔ اور علاوہ اس کے کھانے پینے اور جماع وغیرہ نفسانی لذات کے غیر اشغال سے رکاوٹ بھی اسی واسطے رکھی گئی ہے کہ عنصری جُثے کی مادی قوت کو لا الہ کی تلوار سے قطع کر کے روح کا تعلق تمام لذات ماسوی اللہ سے توڑا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ابدی دائمی لذات سے اس کا رشتہ جوڑا جائے۔ رمضان کے صیام النہار اور قائم اللیل کے چوبیس گھنٹوں میں اس کلمۂ طیب کی نفی و اثبات کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ انسان کے جسم و جان اور قالب و قلب سے غیر کے نفسانی تعلقات اور اللہ تعالیٰ کی جانب خیر کے روحانی فیوضات اربرکات کی نفی اور اثبات کا عمل اسلام کے دو ارکان نماز اور روزہ ماہ رمضان میں دیکھ لیا۔ اب انسان کے لئے اس مادی دنیا میں غیر اور ماسوی اللہ کی صرف دو قسم کی پابندیاں اور گرفتاریاں باقی رہ جاتی ہیں۔ ایک تو وطن اور آل و عیال اور خویش و اقارب کی محبت کی پابندی اور قید ہے۔ سو اسلام کے تیسرے رکن حج بیت اللہ شریف سے اس کی نفی ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بجائے وطن اصلی مقام ازل اور خانۂ ابدی بیت المعمور اور محبوب ازلی کے قرب و وصال اور مشاہدے و دیدار کی محبت و اشتیاق کی اثبات کی جاتی ہے۔ اور دوسری پابندی صرف مال و دولت دنیوی کی ہے۔ سو اس کی نفی اسلام کے چوتھے رکن زکوٰۃ سے ہو جاتی ہے۔ اور اس کی جگہ دولت و ثروت آخرت و توشۂ عقبیٰ کی فراہمی کے فکر اور خیال کو ثابت کیا جاتا ہے۔ سو

اسلام کے اس چھوٹے اور مختصر رکن کلمۂ طیب کا عمل اور حکم اسلام کے چاروں بڑے عملی ارکان میں نافذ اور جاری ثابت ہوا۔ اس لئے انسان کو اسلام میں داخل کرتے وقت پہلے پہل صرف کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلعم پڑھایا جاتا ہے۔ کیونکہ اسی مختصر اور چھوٹے گوہر آبدار کے اندر تمام دنیائے اسلام کے بحر ذخار جمع ہیں۔ اور توحید و رسالت کے اس چھوٹے اور مختصر زبانی اقرار میں آخرت کے تمام مذہبی اور روحانی جوابات جمع ہیں۔ چونکہ تمام اسلامی ارکان اور دینی اعمال کا ماڈل اور نمونہ اس دنیا میں ہمارے پاس محض حضرت سرور کائنات صلعم کا وجود باجود اور آپؐ کی حیات بابرکات اور آپؐ کی زندگی کے حالات اور آپؐ کی زندگی کے پسندیدہ اخلاق اور نیک اعمال و افعال اور آپؐ کی جملہ حرکات و سکنات ہیں۔ اور آپؐ کی متابعت کے بغیر اسلام کے جملہ ارکان اور ان میں نفی و اثبات کے حکم پر عملدرآمد ناممکن ہے۔ اس لئے کلمۂ طیب کے دونوں جملوں اور حصوں یعنی اقرار توحید یا نفی اثبات لا الہ الا اللہ اور اقرار رسالت یا متابعت نبوی محمد رسول اللہ صلعم کی شان ایک ہے۔ قولہ تعالیٰ۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

ترجمہ۔ اے میرے نبی! اپنی امت سے کہہ دے کہ اگر تم اللہ کی محبت کا دم بھرتے ہو تو میری متابعت کرو۔ اس سے تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔ زہد و تقویٰ کا ایمان الگ ہے اور محبت کا ایمان الگ ہے۔ الا لا ایمان لمن لا محبۃ لہ اور حدیث لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من مالہ و اولادہ و اقاربہ و من نفسہ بعض خشک مزاج لوگ اسلام میں محض نفی اثبات اور خالی توحید کے اقرار کو کافی سمجھتے ہیں۔ اور کلمے کے دوسرے حصے محمد رسول اللہ صلعم کی اہمیت اور ضرورت کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اور اصلی ایمان محبت و ہدایت کے قائل نہیں ہیں۔ یہ لوگ کس قدر نادان ہیں کہ راستے کو راہبر اور رہنما سے اور خالی دستور العمل کو ٹھوس ماڈل اور نمونہ سے زیادہ ضروری اور

مفید سمجھتے ہیں۔ کیونکہ راستے بہت ہیں۔ اور غول بیابانی بے شمار۔ میرے خیال میں کلمہ طیب کے پہلے حصے لا الہ الا اللہ یعنی اقرار توحید اور نفی اثبات سے بھی کلمے کے دوسرے حصے محمد رسول اللہ صلعم کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی مذہب والے سے جا کر پوچھو کہ تم خدا کو مانتے ہو۔ سب کہیں گے ہاں ہم خدا کو مانتے ہیں۔ اور اگر کہو کہ اس کو ایک مانتے ہو تو وہ خدا کو ایک ماننے کے لئے بھی تیار ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالی کی صفات خالق، مالک، رازق وغیرہ گنتے جاؤ۔ سب کا اقرار کر دیں گے۔ لیکن اگر محمد رسول اللہ صلعم کو مانتے ہو تو ان کو سانپ سونگھ جائے گا۔ کسی کافر، منافق ،مشرک، بے دین کے سامنے توحید اور نیک اعمال کی باتیں کرو وہ تسلیم کرتا جائے گا۔ لیکن تم جس وقت حضرت محمد رسول اللہ صلعم کا نام مبارک لو گے تو ان پر بجلی گر جائے گی۔ اگر صرف خالی توحید اور نیک عمل کا اقرار اصلی چیز ہے تو سب مذاہب سچے ہیں۔ سو معلوم ہو گیا کہ ایمان کی اصلی کسوٹی حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت کا اقرار، آپؐ کی متابعت اور درحقیقت آپؐ کی محبت ہے۔ جسے آپؐ کی محبت نہیں اس کا ایمان ہی نہیں۔ جسے آپؐ کی رہنمائی حاصل نہیں وہ گمراہ ہے۔ جس کے دل میں آپؐ سے حسد اور بغض و عناد ہے وہ راندۂ درگاہ ہے۔ خواہ شیطان کی طرح تمام جہان کا عالم اور زاہد و عابد کیوں نہ ہو۔ مسلم کا سرمایۂ اسلام آپؐ ہیں۔ مومن کی متاع ایمان آپؐ ہیں۔ دیندار کے دین کی دولت آپؐ ہیں۔ آپؐ کے بغیر دین و ایمان کچھ نہیں

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نر سیدی بداں کہ بو لہبی است

کسی عارف نے آپؐ کے حق میں کیا اچھا کہا ہے

اے صبح صادقاں رخ زیبائے مصطفےٰؐ
وے سرو راستاں قدر عنائے مصطفےٰؐ

آئینۂ سکندر و آب حیات خضر
نور جبین و لعل شکر خائے مصطفےٰ

معراج انبیا و شب قدر اصفیا
گیسوئے روئے پوش و کمر سائے مصطفےٰ

تو خود کو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ کر لے کہ وہی مرکز دین ہیں۔ اگر تو ان تک نہ پہنچ سکا تو سراسر کافری ہو گی۔

ادریس کو مدرس درس معارف است
لب بستہ پیش منطق گویائے مصطفےٰ

عیسیٰ کہ دیر دائر علوی مقام اوست
شد دار ذروہ علیائے مصطفےٰ

بر ذروہ دنیٰ فتدلےٰ کشیدہ سر
ایوان بارگاہ معلائے مصطفےٰ

از جام روح پرور مازاغ گشتہ مست
آہوئے چشم دل کش سہلائے مصطفےٰ

خیاط کارخانۂ لولاک دوختہ
پیراہن ابلیت بیا لائے مصطفےٰ

شمس و قمر کہ لولوء دریائے اخضر اند
از روئے مہر آمدہ لالائے مصطفےٰ

قرص قمر شکست بریں خوان لاجورد
وقت صلائے معجزہ ایمائے مصطفےٰ

کحل الجواہر ملک و توتیائے روح
دانی کہ چیست خاک کف پائے مصطفےٰ

روح القدس کہ آیت قربت نشان اوست
قاصر زورک پایۂ ادنٰے مصطفٰےؐ
خواجہ گدائے درگہ او شد کہ جبرئیل
شد با کمال مرتبہ مولوئے مصطفٰےؐ

اب کلمۂ طیب کا ایک آخری مختصر سا نکتہ بیان کر کے ہم موجودہ مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ اور پھر اسم اللہ ذات کے سابق موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ کلمۂ طیب کا یہ باریک نکتہ بہت اہم اور ضروری ہے۔ اور اسے آج تک کسی نے بیان نہیں کیا۔ کلمۂ طیب کے نفی اثبات کے بارے میں گو بزرگان دین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن تمام بیانات میں اصلی اشکال باقی رہ جاتا ہے اور وہ نکتہ یہ ہے کہ کلمۂ طیب میں کس چیز کی نفی کی جائے اور کس کو ثابت کیا جائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جملہ معبودوں کی نفی کر کے ایک معبود برحق کو ثابت کرنا ہے تو یہ اعتراض واقع ہوتا ہے کہ ہر مذہب والے اپنی دانست اور زعم میں اپنے مقرر کردہ معبود کو برحق ثابت کرتے ہیں۔ اور باقی جملہ ادیان کے معبودوں کو باطل قرار دے کر ان کی نفی کرتے ہیں۔ سو نفی اثبات کا عمل ہر دین اور ہر مذہب میں جاری ہے تو کیا ہر مذہب کا خدا برحق ٹھہرا۔ اور اگر یوں کہا جائے کہ ہم نے اس معبود برحق کو ثابت کرنا ہے جس کا پتہ اس کے سچے پیغمبر حضرت محمد مصطفٰےؐ نے ہم کو دیا ہے۔ جس کا حال قرآن اور احادیث کے ذریعے آپؐ کی زبان حق ترجمان سے ہم کو معلوم ہوا ہے۔ جیسا کہ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

آں ذات خداوند کہ مخفی است بعالم
پیدا و عیان است بہ چشمان محمدؐ

سو معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط اور توسّل کے بغیر ہمارا خدا مشکوک رہ جاتا ہے۔ اور ہمارا معبود اس کے بغیر صحیح اور درست نہیں ہوتا۔ جیسا کہ

فرعون نے غرق ہوتے وقت اعلان کیا تھا۔ امنت برب موسیٰ وھارون کہ میں موسیٰ اور ہارونؑ کے خدا پر ایمان لایا ہوں ۔فرعون کو معلوم ہو گیا کہ میرے مقرر کردہ خدا باطل ثابت ہوئے ۔سو کلمے کے اندر ہم نے رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ثابت کرنا ہے اور باقی سب ادیان کے مقرر کردہ معبودوں کو باطل سمجھ کر ان کی نفی کرنی ہے ۔لیکن پھر بھی ایک باریک اشکال اسی نفی اثبات کی بابت باقی رہ جاتا ہے ۔کہ ہم نے باقی باطل ادیان کے معبودوں کی نفی کر ڈالی اور ایک شارع اسلام علیہ السلام کے مقرر کردہ معبود کو کلمۂ طیب سے ثابت کرلیا۔لیکن ہم جس معبود کو بھی ثابت کریں گے وہ پھر بھی ہمارے خیال کا مقرر کردہ معبود ہوگا۔سو ہمارے خیال میں مخلوق آسکتی ہے ۔لیکن اللہ تعالیٰ شکل و شباہت سے منزہ اور جسم وصورت سے پاک، خدوخال سے مبرا غیر مخلوق ذات ہے ۔حالانکہ ہم مخلوق اور ہمارخیال مخلوق ہے ۔سو ہم میں ہر ایک کا ایک خیالی خدا ہوگا۔اور پھر ہر ایک کا خیال الگ ہے تو ہر شخص کا ایک الگ خدا ہو گیا۔اور جس قدر لوگ ہیں اسی قدر خدا ثابت ہوں گے ۔پس یہ کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا یا اگر اس طرح سمجھا جائے جس طرح بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ ہر چہ دیدہ یا شنیدہ یا بعلم آوردہ شدہ است ہمہ را درتحت لا بائد آورد۔اور سعدیؒ نے بھی اسی کے مطابق فرمایا ہے ۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم

و زہر چہ دیدہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

یعنی جو کچھ ہم نے دیکھا یا سنا یا پڑھا ہے ۔سب کی نفی کی جائے ۔سو اس طرح تو سنے ہوئے دیکھے ہوئے اور پڑھے ہوئے معبودوں کی نفی ہم نے اپنے خیال میں کر لی ۔

ذات حق جو عالم میں پنہاں ہے ۔وہ حضور کی نگاہوں میں ظاہر اور نمایاں ہے ۔

لیکن اثبات کا معاملہ ویسا کھٹائی میں پڑا رہ گیا۔اور ہم نے ثابت کچھ نہ کیا۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اس معبود کو برحق سمجھ کر ثابت کیا جائے۔ جس کی صفات اور اسماء ہمیں اسلام نے بتائے ہیں۔ سو ہمارے دل اور خیال میں بیک وقت ایک صفت اور ایک ہی اسم سما سکتا ہے۔ یا اگر تمام صفتوں کا ایک معجون مرکب بنا کر خیال میں لایا جائے تو اول یہ محال ہے۔ اور اگر ممکن ہو تب بھی خیالی معبود ہوگا۔ سو ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی ذات و جملہ صفات اور اسماء کے قائم مقام صرف ذاتی اسم ہی ہے جو ہمارے خیال میں آ سکتا ہے۔ اگرچہ اسم بھی حروف وصوت کے مرکب مخلوق بت کی طرح ہے۔ لیکن اسے ذات بے مثل مسمی کی مثال بنائے بغیر چارہ نہیں۔ اور یہ بڑا بت سہی لیکن باقی جملہ ماسویٰ مخلوق بتوں اور معبودوں کی نفی اس کے بغیر محال اور ناممکن ہے۔ غرض خیالات کے یہ بے شمار بت ہرگز نہیں ٹوٹتے۔ جب تک موحد اعظم حضرت ابراہیم کی طرح نفی لا الہ کا تیشہ ہاتھ میں نہ لیا جائے اور اسے اسم کے بڑے بت کے کندھے پر نہ رکھا جائے۔ اور اسم کو مسمےٰ کے معنی میں نہ لیا جائے۔ سو یہ طلسم اسم کے ذریعے ہی ٹوٹ سکتا ہے۔ اور یہ معمی اسم اور مسمی کے ملانے سے حل ہو سکتا ہے یعنی جب ہم نے اسم کو قائم مقام مسمی کے بغیر خیالات و واہمات اور قیاسات کے ثابت کیا تو شارع اسلام کا مقرر کردہ معبود برحق موصوف بجمیع صفات و اسماء اس میں آ گیا۔ اور اس میں جملہ خیالات کی نفی ہو گئی۔ اور اسی اسم اللہ ذات میں سے جملہ صفات اور اسماء کا ظہور جس وقت جس مقام پر اور جس طرح ہوگا۔ وہ برحق ہو گا۔ اور ہمارے خیالات کو اس میں مداخلت کی ضرورت نہ رہے گی۔ یہ ہے کلمۂ طیب کی درست ادائیگی۔ اور صحیح نفی اثبات بلا مداخلت خیالات و واہمات۔

ہم	اسم	توئی	وھم	مسمیٰ
عاجز	شدہ	عقل	زیں	معمےٰ

یہ در شاہوار ابر نیسان نبوت سے مترشح ہیں۔ یہ گوہر آبدار گنجینۂ نبوت سے ماخوذ ہیں۔ یہ معارف و اسرار کسی کتابی اور درسی علوم کا نتیجہ نہیں ہیں۔ نہ شنیدہ ہیں اور نہ

دیدہ۔ بلکہ فضل حق کے آفریدہ اور فیض رسالت سے رسیدہ ہیں۔منصف مزاج اور سلیم العقل حضرات اپنے مطالعہ گاہوں میں ان پر ناقدانہ نگاہیں ڈال کران کی صداقت کی داد دیں گے۔اوران کی قدر جانیں گے۔

تو اسم بھی ہے اور مسمیٰ بھی ہے۔عقل اس عقدے کو سلجھانے سے عاجز ہے۔

کوثر چکد از لبم بایں تشنہ لبی
خاور دمد از شبم بایں تیرہ شبی
اے دوست ادب کہ در حریم دل ماست
شاہنشہ انبیا رسول عربیؐ

اب ہم پھر اپنے اصلی موضوع کی طرف آتے ہیں۔پس ذاکر کو چاہیئے کہ اپنے وجود کے تمام مقامات میں اسم اللہ ذات کا نوری چراغ روشن کرے۔تاکہ اسم اللہ ذات کے نورحق سے ظلمت باطل کافور ہوجائے۔انسان جس عضو سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے یا نیک عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ بمقتضائے فاذکرونی اذکرکم اسی مقام پر اسی اسم کے ساتھ متجلی ہوتا ہے اور طالب اسی اسم کو نوری حروف سے لکھا ہوا پاتا ہے اور دیکھتا ہے۔مثلاً ایک شخص رات کو کئی ہزار دفعہ زبان سے اللہ اللہ کرتا ہے۔اور ساتھ ہی گاہ بگاہ دل بھی ذکر اللہ کے خیال میں لگ جاتا ہے۔اور کان سے اسم اللہ کو سنتا ہے اور دماغ میں اس کا ذکر کرتا ہے اور ہاتھ اسم اللہ ذات کو لکھنے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔غرض انسان کے جسم میں جو عضو اور اندام اس ذکر میں شامل ہوتا ہے تو کثرت اذکار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس مقام میں نور اسم اللہ ذات متجلی ہو جاتا ہے۔اور وہاں اسم اللہ ذات نوری حروف سے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے مرقوم ہو جاتا ہے۔گویا ذکر اللہ میں ظاہر کوشش کرنا، حکم فاذکرونی بجالانا دودھ جمانا اور بلوتا ہے۔اور رسم اللہ کا نوری حروف سے باطن میں مرقوم ہو جانا مکھن کی مانند یا ایجاباً وعدۂ اذکرکم ہے۔
غرض تمام اشغال ذکر اذکار اور نیک اعمال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جس اسم کا جس عضو

سے ذکر کیا جاتا ہے یا نیک عمل کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی ذکر کے ایجابی ایفاء یا اسی نیک عمل کی جزاء کی صورت میں اس عضو کو اپنے اس خاص اسم کے نور سے روشن اور

(اس تشنہ لبی) یعنی باوجود اس کے کہ مجھے کچھ حاصل نہیں، میرے لبوں سے چشمۂ کوثر ٹپک رہا ہے۔ اور باوجود اسکے کہ میری رات تاریک ہے میری رات سے آفتاب کا اظہار ہو رہا ہے۔ اے دوست با ادب رہ کہ میرے دل کے حریم (حرم سرائے) میں شاہنشاہ انبیا رسول عربی جلوہ افروز ہیں۔

منور اور زندہ تابندہ کر دیتا ہے۔ اور جس قدر اسم کا ذکر یا نیک عمل خلوص قلب اور حضور دل سے کیا جاتا ہے۔ اسی قدر وہ اسم خوشخط اور روشن و تاباں ہوتا ہے۔ اگر درود شریف کی کثرت کی جائے تو اسم محمد صلعم متجلی و مرقوم ہو جاتا ہے اور اسی پر ہر اسم، کلام اور عمل کو قیاس کر لینا چاہیئے۔ نوری اسم اس مذکور کا گویا باطنی ایجابی پیغام یا نوری پروانہ ہوتا ہے جو ذاکر کے پاس برائے اطمینان و سکون خاطر اللہ تعالیٰ سے پیش ہوتا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنذل علیھم الملائکۃ الا تخافوا و لا تحزنوا و ابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون۔ یہ بات عوام کو تو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اس زمانے کے خواص بھی اس سرّ سے ناواقف ہیں۔ کیونکہ یہ ایک راز سر بستہ ہے۔ اور یہ نوری اسم مرقوم محض صاحب تصور اسم اللہ ذات کامل عارف ہی کو نظر آ سکتا ہے۔ باقی ذاکر لوگ محض ذکر کی تاثیر گیرمی، سردی، لذت، آواز اور روشنی وغیرہ میں سے کوئی چیز محسوس اور معلوم کرتے ہیں۔ تو اسم اللہ تعالیٰ مرقوم کے نوری حروف گویا وہ تار برقی ہے۔ جس پر باطنی لطیف جثے یعنی لطیفے کا بلب چڑھا ہوا ہوتا ہے جسے عرف تصوف میں مقام ذکر کا لطیفہ بولتے ہیں۔ اور جہاں ذکر کی باطنی حرکت آواز، حرارت، طاقت اور روشنی اپنے ہیڈ کوارٹر سے آ کر پھیلتی ہے۔ اسم اللہ کی نوری تحریر اصل ہے۔ اور ذکر کا ظاہری شغل اور اس کے لوازمات فرع ہیں۔ اسم اللہ مرقوم باطنی مغز اور مکھن ہے۔ اور شغل ذکر ظاہری گویا دودھ ہے۔ ظاہری ذکر منہ کے

ذریعے دوا یا غذا کھانے کی طرح ہے۔ اور تصور نقش اسم اللہ مرقوم اس دوا یا غذا کے جوہر کا انجکشن ہے۔ پس بجائے ذکر زبانی اور ظاہری شغل کے اگر ذاکر اس کے مغز اور اصل کو اختیار کرے اور وجود کے خاص خاص مقامات میں اسم اللہ کو تصور اور تفکر سے تحریر کرے تو گویا اس نے اصل اور مغز کو اختیار کر لیا یعنی مکھن کو حاصل کر لیا اور دودھ حاصل کرنے اور اسے جمانے اور بلونے کے بکھیڑوں سے چھوٹ گیا۔ کیونکہ جس وقت اسم اللہ ذات تصور اور تفکر سے وجود کے کسی عضو اور مقام میں مرقوم ہو جاتا ہے۔ اور متواتر مشق سے وہاں قائم ہو جاتا ہے۔ تو وہ مقام اور عضو نور اسم اللہ ذات سے زندہ، روشن اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اور اس عضو کی باطنی حس زندہ ہو جاتی ہے۔ اور عالم غیب کی طرف اس عضو میں سے ذاکر کے لئے نوری روزن اور لطیف راستہ کھل جاتا ہے۔ اور ذاکر صاحب تصور کا عالم غیب اور عالم لطیف میں ایک باطنی نوری عضو پیدا ہو جاتا ہے۔ جس طرح ماں کے پیٹ کے اندر ازلی روح کے لئے مادی اعضاء اور حواس کے مقامات بتدریج تیار ہوتے رہتے ہیں۔ پس اسی طرح ذاکر صاحب تصور کا باطنی دنیا اور عالم غیب میں رفتہ رفتہ مشق تصور اسم اللہ ذات سے باطنی نوری لطیف جسہ تیار ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آنکھ میں تصور اور تفکر سے اسم اللہ مرقوم ہو تو چشم باطن کھل جاتی ہے۔ اور صاحب تصور عالم غیب کی باطنی اشیاء کو دیکھنے لگ جاتا ہے اور مقام کشف اور مراقبہ و مشاہدہ کھل جاتا ہے۔ اور اگر مقام گوش یعنی کان میں اسم اللہ فکر کے نوری حروف سے مرقوم ہو جائے۔ تو گوش باطن یعنی دل کے کان کھل جاتے ہیں۔ اور صاحب تصور باطنی اور غیبی آوازیں سننے لگ جاتا ہے۔ اور ذاکر صاحب تصور پر مقام الہام کھل جاتا ہے۔ اور اگر زبان پر اسم اللہ نوری حروف سے تحریر ہو تو ذاکر صاحب لفظ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زبان سیف الرحمٰن ہو جاتی ہے۔ اور کن کی سیاہی سے سیاہ ہو جاتی ہے۔ اس زبان سے وہ غیبی روحانی مخلوق سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اور جو کچھ زبان سے کہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے امر سے جلدی یا

بدیر ہو جاتا ہے۔اور اگر ہاتھ کی ہتھیلی پر اسم اللہ مرقوم ہو۔تو ملائکہ اور ارواح انبیاء و اولیا اور ارواح اہل تکوین متصرفین غوث قطب اوتاد و ابدال سے مصافحہ کرنے لگ جاتا ہے۔اور اس نوری ہاتھ سے باطنی دنیا کے عالم امر میں تصرف اور کام کاج کرتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس صاحب تصور کا ہر ایک عضو اور اندام جب تصور اسم اللہ ذات کی تحریر سے زندہ اور روشن ہو جاتا ہے تو اسی نوری عضو سے باطن میں کام کرتا ہے۔آخر میں صاحب تصور کا تمام وجود مشق تصور اسم اللہ ذات سے منقش اور مرقوم ہو جاتا ہے۔تو ذاکر سالک کا ایک مکمل نوری وجود باطن میں زندہ اور قائم ہو جاتا ہے۔اسی نوری روحانی وجود کا دیکھنا ،سننا ،بولنا، چلنا پھرنا اور پکڑنا وغیرہ نور اسم اللہ ذات سے ہوتا ہے۔اور بی یبصر و بی یسمع اور بی ینطق و بی یمشی و بی یبطش کا سچا مصداق ہو جاتا ہے۔ایسا سالک جس وقت عالم غیب کی طرف متوجہ ہو کر مراقبہ کرتا ہے۔اس کے ظاہری حواس بند ہو جاتے ہیں اور باطنی حواس کھل جاتے ہیں تو سالک اس نوری لطیف جسے کے ساتھ عالم غیب میں جاتا ہے۔اور نوری لطیف دنیا میں داخل ہو کر لطیف جسے یے ذریعے عالم لطیف اور عالم غیب میں چلتا پھرتا ، دیکھتا، سنتا اور کلام کرتا غرض ہو کام کرتا ہے۔اور اسی روحانی ابدی دنیا کا ایک فرد کامل بن جاتا ہے۔لیکن طالب کے وجود میں اسم اللہ کا نوری حروف منقوش اور مرقوم ہونا نہایت مشکل کام ہے۔اس کام کے لئے شرائط و لوازمات اور قانون و قاعدے ہیں۔مگر تصور اور تفکر کے شغل کو جاری رکھنا چاہیئے۔اور اس مبارک شغل سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔کیونکہ ایک تو اس شغل سے جلدی انسان کا وجود پاک ہو جاتا ہے۔اور اس کی باطنی استعداد بڑھ جاتی ہے۔اور جب اس کے دل کی زمین تیار اور قابل کاشت ہو جاتی ہے تو اس کے بولنے والے کاشتکار خود بخود حاضر ہو جاتے ہیں۔نالائق شورہ زمین میں سے ہر شخص پہلو تہی کرتا ہے۔اے طالب سعادت مند! اگر تو حلال پرندہ بن جائے تو تیرے شکار کرنے والے صیاد بہت ہیں۔اور اگر

تو مردار خور چیل، کوے یا گدھ کی طرح ہے تو کسی کو تجھ سے کیا کام۔ غرض تصور اور مشق اسم اللہ ذات سے انسان کی باطنی استعداد بہت جلد ترقی کرتی ہے۔ اور گاہے گاہے جب قلوب اور ارواح کی فضا میں نسیم الانس یعنی اللہ تعالٰی کے لطف کی ہوا چلتی ہے تو اس وقت خود بخود دل کے آئینے سے غفلت اور ظلمت کے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں عالم امر یعنی لوح محفوظ کے بعض آئندہ واقعات دل پر قبل از وقوع منعکس ہو جاتے ہیں۔ ایسے مقام میں انسان سچے خواب دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات الانس الا فتعرضوا لھا.

ترجمہ۔ زمانے میں گاہے گاہے اللہ تعالٰی کے لطف کی ہوا چلتی ہے۔ پس چاہیئے کہ تم اس کے ساتھ موافقت پیدا کرو۔ اگر تمہارے دل اس ہوا کے چلنے کے وقت ذکر اللہ سے آگاہ اور بیدار ہوں گے تو اللہ تعالٰی کی رحمت تمہیں ڈھانپ لے گی۔ پس انسان کو چاہیئے کہ ایسے مواقع کو غنیمت جانے اور ذکر اللہ اور تصور اسم اللہ ذات کی مشق سے غافل نہ رہے۔ کیونکہ فضل مولانا گاہ رسد و بے گاہ رسد و بر دل آگاہ رسد۔ انسان کو چاہیئے کہ اس کے لئے بیدار اور تیار رہے۔ اور دروازے پر سائل کی طرح کھڑا پکارتا رہے۔ غافل اور دور آدمی کا کوئی حق نہیں۔ جو دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اس کے لئے کھلتا ہے۔ بارش کے وقت سیدھے برتن پانی سے بھر جاتے ہیں۔ اوندھے برتن خالی اور محروم رہتے ہیں۔

چو حسن تربیت گردد قریں با پاکی گوہر
زرشحہ آب خیز دور زمشت خاک زاید زر
سرشت خاک کاں یا آب نیساں گرچہ پاک آمد
ولے از فیض خورشید است کاں زر گردد ایں گوہر
لبے زحمت برد دہقاں کہ در زیر زمیں تخمے

برید بیخ یابد شاخ و گیرد برگ و آرد بر

جس وقت تصور اسم اللہ ذات سے سالک کا مکمل وجود باطن میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور مرشد کامل کی توجہ سے قائم ہو جاتا ہے تو پہلے وہ ایک معنوی لطیف نوری بچے کی مانند ہوتا ہے اور جو کچھ باطنی معاملات دیکھتا ہے انہیں سمجھ نہیں سکتا۔ کیونکہ اس نوری طفل نے ابھی عقل وشعور حاصل نہیں کیا ہوتا۔ اس کے بعد جب باطنی پرورش پا کر یہ نوری بچہ ترقی کرتا ہے تو وہ روحانیوں کے معاملات جانتا اور سنتا ہے اور تھوڑا تھوڑا انہیں سمجھتا ہے۔ اسی طرح بتدریج ترقی کرتے کرتے ان روحانی مجالس اور باطنی محافل کی باتیں سمجھتا ہے۔ بعدہ اہل محافل سے بات چیت کرتا اور وہاں کا ایک رکن اور ممبر بن کر ان میں رائے دہندگی کا حق حاصل کرتا ہے۔ آخر میں بعض مدارس باطنی کا معلم واستاد یا کسی روحانی محکمے کا ملازم اور کسی عہدے پر مامور ہو جاتا ہے۔

اس طفل معنوی کا نوری جسہ نوری حروف کے اسماء الٰہی سے مرقوم ہوتا ہے۔ اور نوری مرقوم اسماء کا ایک مکمل کلمہ ہوتا ہے جیسا کہ ایمان کو اللہ نے ایک مکتوب سے تعبیر کیا ہے۔

اولئک کتب جی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منه.

یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں میں ایمان لکھ دیا ہے۔ اور انہیں اپنی روح سے تائید فرمائی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو ایک کلمہ کہا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ جب پاکیزگی اصل کے ساتھ حسن تربیت شامل ہو جائے تو پانی کی بوند سے موتی پیدا ہو گا۔ اور مشت خاک زر بن جاتی ہے۔ کان کی مٹی اور ابر بہاری کے قطروں کی سرشت اگرچہ پاک ہے۔ لیکن یہ آفتاب ہی کا فیضان ہے کہ وہ سونا بنتی ہے اور یہ موتی بن جاتے ہیں۔ دہقان کس قدر زحمت اٹھاتا ہے کہ وہ زمین میں تخم ریزی کرتا ہے۔ پھر کہیں اس تخم کی شاخ نکلتی ہے اور برگ و بار لاتی ہے۔

انما المسیح عیسی ابن مریم رسول الله و کلمته القھا الیٰ مریم

و روح منه .

ترجمہ۔ بے شک مسیح یعنی عیسیٰ بیٹا مریم کا رسول ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ ہے۔ جو اس نے ڈالا ہے مریم کی طرف سے ایک روح ہے۔ اور حضرت ذکریا کو اللہ تعالیٰ کو فرزند کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ان اللہ یبشرک بیحییٰ مصدقا بکلمۃ من اللہ و سیدا و حصورا و نبیا من الصلحین.

ترجمہ۔ پھر آواز دی خدا کے فرشتے نے ذکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ (یعنی عیسیٰ) کا تصدیق اور تائید کنندہ ہوگا اور سردار اور گناہوں سے بچا ہوا نیک نبیوں میں سے ہوگا۔ اور ایک اور جگہ بھی اللہ تعالیٰ کا یہی ارشاد ہے۔

اذ قالت الملئکۃ یمریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی ابن مریم.

ترجمہ۔ اور جب فرشتوں نے کہا۔ اے مریم اللہ تعالیٰ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے اپنے اس کلمے کی جس کا نام مسیح بن مریم ہے۔ سو ایمان کو اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے کلمے سے تعبیر کرنے کی یہی وجہ ہے کہ باطن میں روحانی عالم امر کی مخلوق کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے نوری اسماء سے مرکب اور مرقوم ہیں۔ اور اسی طرح تمام کائنات باطنی جسے عالم امر اور عالم غیب بھی کہتے ہیں۔ اس کا وجود نوری کلمات کی شکل میں قائم اور نمودار ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اس عالم امر کے بارے میں فرماتے ہیں

. قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدادا .

ترجمہ۔ کہہ دے اے محمد صلعم! کہ اگر سمندر اللہ تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لئے سیاہی بن جائے تو سمندر لکھتے لکھتے سوکھ جائیں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم ہونے میں نہیں آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جب عالم وحدت سے عالم کثرت کی طرف ظہور فرمایا۔تو ذات سے صفات کی طرف تجلی فرمائی اور صفات سے اسماء کا ظہور رہوا۔اور اسماء سے افعال کا صدور رہوا۔اور افعال سے اعیان ظاہر ہوئے۔سو اللہ تعالیٰ کی صفات کے بعد اسماء کا جس عالم میں ظہور رہوا وہ عالم امر کہلاتا ہے۔اور اس عالم کی اشیاء کی صورتیں اسماء الٰہی سے مرکب ہیں جو نوری حروف سے مرکب ہیں۔چونکہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کو لفظ کن یعنی ہو جا کہہ کر پیدا کیا اور کن امر کا صیغہ ہے۔اس واسطے اس کو عالم امر کہتے ہیں۔اور کن چونکہ ایک کلمہ ہے۔اس واسطے یہ کائنات کلمات کی شکل میں قائم ہے۔اور جس طرح کلمات جمع ہو کر عبارت بناتے ہیں۔اور عبارت تر سیاہی سے خشک کاغذ پر تحریر اور مرقوم کی جاتی ہے۔اس عالم امر کا یہ تر کلماتی جہان عالم خلق کے خشک کاغذ پر قلم قدرت سے اللہ تعالیٰ نے تحریر کر دیا ہے۔اس لئے قرآن کریم میں عالم امر کو بحر یعنی تری سے اور عالم خلق کو خشکی سے تشبیہ دی گئی ہے۔اور کہیں عالم امر کے کلماتی جہان کو رطب یعنی تر چیز سے اور عالم خلق کو یابس یعنی خشک چیز سے تعبیر کیا گیا ہے اور عالم امر اور عالم خلق کو ملا کر ایک کتاب مبین کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔قولہ تعالیٰ۔ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔نہیں کوئی تر یا خشک چیز مگر وہ کتاب مبین میں موجود ہے۔اور ہر ایک چیز کو ایک انسان کامل امام مبین کے وجود میں جمع کو کے شمار کر دینے کا بھی یہی مطلب ہے۔قولہ تعالیٰ۔وکل شئی احصیناہ فی امام مبین۔ یہاں امام مبین اور کتاب مبین ایک ہی شے مرقوم ثابت ہو رہے ہیں۔اور نیک روحوں کے مقام علیین کو بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کتاب مرقوم فرمایا ہے۔

وما ادراک ما علیون کتاب مرقوم یشھدہ المقربون۔

ترجمہ۔اور اے میرے نبیؐ! تو جانتا ہے کہ مقام علیون کیا ہے۔ایک کتاب مرقوم ہے، جسے مقرب لوگ دیکھیں گے اور پڑھیں گے۔ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں

کہ عالم امر کی چیز کو قرآن کریم میں رطب یعنی تر چیز سے اور تمام عالم امر کو سمندر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس واسطے جس وقت اللہ تعالیٰ نے ابھی عالم امر سے عالم خلق کو پیدا نہیں کیا تھا۔ اس وقت کا ذکر قرآن کریم میں یوں وارد ہے۔

هو الذی خلق السموت و الارض فی ستة ایام و کان عرشه علی المآء۔

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز کے اندر پیدا کیا۔ اور اس وقت اس کا تخت پانی پر تھا۔ یہاں بھی پانی سے عالم امر کا عالم لطیف مراد ہے۔ اور چونکہ عالم کثیف یا عالم خلق کی ہر شے عالم امر کے بحر اور اس کے لطیف مادہ سے زندہ ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے وجعلنا من الماء کل شئی حی فرمادیا۔ یعنی ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا۔ حالانکہ خالی پانی سے ہر شے زندہ نہیں۔ اس کے اجزاء ترکیبی میں دیگر عناصر بھی ہیں۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہ ہماری زمین بیل کی پشت پر ہے۔ اور بیل مچھلی کی پشت پر کھڑا ہے۔ اور مچھلی پانی کے سمندر پر تیر رہی ہے۔ عارف صاحب بصیرت جب اپنے عنصری وجود کی طرف دیکھتا ہے تو اس خاکی وجود کو نفس بہیمی اٹھائے نظر آتا ہے جس کی باطنی صورت بیل کی ہے۔ اور نفس بہیمی کے بیل کو روح کی مچھلی اٹھائے ہوئے ہے جو عالم امر کے بحر پر تیرتی ہے۔ اور جز کا معاملہ کل پر حاوی ہوتا ہے۔ اسی طرح تمام زمین کا باطنی نفس بہیمی ایک بیل کی صورت رکھتا ہے جسے دابتہ الارض کہتے ہیں۔ جو زمین کے خاکی وجود کے فنا ہونے کے بعد روز قیامت کو ظاہر ہو جائے گا۔ اور اس نفس کل یعنی دابتہ الارض کا قیام روح کی مچھلی پر ہے جو عالم امر کے بحر پر تیر رہی ہے۔ سو عالم امر اور عالم خلق کتاب کائنات کے اس طرح دو حصے ہوئے کہ عالم امر گویا کن کی سیاہی سے اس کی تحریر یا عبارت مرقوم ہے۔ اور عالم خلق اس کے لئے بمنزلہ کاغذ کے ہے۔ یا یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کے امر کن کے دو حرف ہیں۔ کاف سے کتاب کائنات کے کنت کنزا کا کاغذ

یعنی عالم خلق تیار ہوا۔ اور ن جس کی شکل دوات کی ہے جو امر کن کی سیاہی سے لبریز ہے۔ اور قلم قدرت سے نقش نشاۃ الاولی اس سے کتاب عالم امر تحریر کر رہا ہے۔ ن و القلم و ما یسطرون۔ عجیب بات یہ ہے کہ کاغذ قلم اور سیاہی سب کی اصل ایک ہے۔ یعنی درختوں کے ریشوں سے کاغذ تیار ہوتا ہے۔ اور اکثر قلمیں بھی درختوں کی لکڑیاں ہوا کرتی ہیں۔ اور سیاہی بھی درختوں کے کوئلے اور گوند وغیرہ نباتاتی مادے کی پیداوار ہے۔ سو جس طرح ان سب کی اصل ایک ہے۔ اسی طرح کتاب کائنات کی نشاۃ الاولی کی تخلیق بھی ایک مادے سے ہوئی۔ اور وہ مادہ ہیولی یا ایتھر یا ہوا کی طرح ایک بادل اور غبار کی صورت میں تھا۔ سو پہلے دنیا کو ایک گرد و غبار کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے نمودار کیا۔ اور اس پر اپنی صفت خالق باری اور مصور کی تجلی فرمائی۔ اور وہ گرد و غبار عالم امر اور عالم خلق کی صورت میں یا کتاب کائنات کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کانت الدنیا فی عماء فترشح علیہ من نورہ فظھرت۔ یعنی دنیا ایک غبار یا تاریک بادل کی شکل میں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر تجلی فرمائی۔ تب وہ ظاہر ہوگئی۔ اور ان ہر دو عالم امر یعنی دنیائے کلمات اللہ اور عالم خلق کا ظہور ایک ہی ہوا کی مانند لطیف عنصر سے ہوا۔ چونکہ ہمارا یہ کثیف مادی کائنات عالم غیب یا عالم لطیف کے نشاۃ الاولی کا عکس اور ظل ہے۔ اسی طرح ہماری مادی دنیا کے اندر بھی عالم امر کی ایک ذہنی اور عالم خلق کی خارجی دنیا ایتھر اور ہوا سے نمودار ہوگئی۔ دنیائے سائنس کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ دنیا کی تمام خارجی ٹھوس چیزیں ان عناصر کے مختلف مرکبات اور تنوعات سے بن گئے۔ دوسری طرف ایتھر یا ہوا کے بولتے وقت ہمارے منہ سے مخارج کی مختلف حرکات کی وجہ سے مختلف عناصر یعنی مفرد حروف بن گئے۔ اور ان عناصر حروف کے مرکبات اور جوڑ توڑ سے الفاظ بن کر تمام دنیا کی مختلف زبانیں بن گئیں۔ غرض ہماری مادی دنیا میں ایک عالم خلق کی خارجی ٹھوس مادی دنیا قائم ہوگئی۔ اور دوسری عالم امر کی ذہنی دنیا

نمودار ہوگئی۔

قولہ تعالیٰ۔ و من ایتہ خلق السموت والارض واختلاف الستکم و الوانکم ان فی ذلک لایات للعلمین۔

ترجمہ۔ اور اس کی قدرت اور حکمت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین (خارجی دنیا) کی مختلف پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف ہے۔ ان میں عالموں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور ہر دو کی اصل ایک مادے اثر یا ایتھر یا ہوا سے ظہور پذیر ہوئی۔ اب یہ حروف اور الفاظ کی مرکب زبانیں ہمارے ذہنوں میں خارجی ٹھوس اشیاء کے نام ان کے خواص اور حقائق پہچاننے کا ذریعہ اور واسطہ ہیں۔ ان زبانوں کے بغیر خارجی دنیا جہل اور ظلمت کے تاریک گرد و غبار کے ماحول میں پڑی ہوئی ہے۔ اگر زبانوں کے ذریعے ذہنوں میں اشیاء کے حقائق نہ پہنچیں تو دنیا کا وجود اور عدم برابر ہیں۔ اب جس طرح خارج میں ایتھر یا ہوا کی مختلف حرکات اور تنوعات سے عناصر تیار ہوئے اور عناصر کے آپس میں میل جول سے دنیا کی مختلف چیزیں وجود میں آ گئیں اور خارج میں ایک مادی دنیا تیار ہوگئی۔ جن میں درخت، پودے، سبزیاں اور پھل پھول باغ باغیچے اور دیگر کروڑوں اشیاء تیار ہوگئیں۔ اسی طرح ایتھر یا ہوا کی مختلف حرکات سے مختلف حروف کے عناصر ظاہر ہوئے۔ اور ان حروف کے عناصر کے جوڑ توڑ اور ترکیب سے الفاظ اور کلمات بن کر دنیا کی مختلف زبانیں بن گئیں۔ اور زبانوں کے ذریعے دنیا کی مختلف کتابیں لکھی گئیں۔ منجملہ ان کے آسمانی کتابیں بھی ہیں۔ غرض اس خارجی کثیف دنیا کے مقابلے میں ان کے حقائق وصفات و معانی کی ایک عالم امر کی مثل ذہنی دنیا قائم ہوگئی اور علوم وفنون کی مختلف کتابیں بن گئیں۔ یوں ذہنی چمن گلستان، بوستان اور کروڑوں کلمات، باتیں اور ان کی کتابیں تیار ہوگئیں۔ ظاہر میں انسان مادی عناصر کا مرکب گوشت اور ہڈیوں کا خاکی ڈھانچہ ہے اور اس کے اردگرد مادے کی خارجی دنیا آباد ہے۔ اور وقتا

فوقتاً حسب ضرورت اس کا عنصری وجود ان مادی اشیاء سے متمتع ہوتا ہے۔ لیکن انسان کا باطنی وجود یعنی روح جو عالم امر کی لطیف مخلوق ہے ذہنی اور امری دنیا کی اشیاء سے متمتع اور فیض یاب ہوتا ہے اور ذہنی خوراک حاصل کرتا ہے۔ غرض تمام انبیاء مرسلین اور جملہ اولیاء کاملین کو باطن میں اسماء الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے نوری حروف کے کلمات طیبات سے مرقوم لطیف جسے عطا کئے جاتے ہیں۔ اور یہ لطیف جسہ جس وقت روح اور جان کی طرح سالک کے قالب خاکی اور جسد عنصری میں داخل ہو جاتا ہے تو سالک کی روح اصلی کو اپنے رنگ سے رنگ دیتا ہے۔ اور جملہ روحانی علوم وفنون اور باطنی فیوضات و برکات اور روحانی طاقتیں مثلاً کشف و کرامات، الہامات، واردات تجلیات، طیر و سیر زمین و آسمان، نُہ فلک عرش و کرسی طبقات وغیرہ سب کچھ خود بخود اس نوری وجود کے طفیل اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ اس نوری وجود کو اللہ تعالیٰ نے کلمۂ طیبہ کہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسماء الٰہی سے مرقوم نوری لطیف جسہ کیونکر اور کس طرح انسان کے وجود مین داخل ہو جاتا ہے۔ اور اس کے داخل ہونے کے کونسے سامان اور شرائط ہیں۔ اور وہ کون سے ذرائع ہیں جن کے استعمال کرنے سے نوری لطیف جسے حاصل ہو جاتے ہین۔ واضح ہو کہ اس نوری لطیف جسے کے حصول اور اختیار کرنے کے بہت راستے ہیں۔ مثلاً جملہ نیک اعمال زہد، ترک، توکل، تواضع، صبر، شکر، تسلیم، رضا، سخاوت، مروت، رحم اور شفقت وغیرہ اور تمام عبادات و طاعات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تلاوت وغیرہ ان سب کی درست اور صحیح ادائیگی سے انسانی وجود میں ان لطیف نوری جسوں کے لئے زمین ہموار ہو جاتی ہے اور اسم اللہ ذات کے شجر طیبہ کی کاشت کے لئے زمین تیار ہو جاتی ہے۔ اور ان نوری کلمات کی تحریر کے لئے قرطاس قلب اور لوح روح کا صفحہ صاف ہو جاتا ہے۔ اب اس کے بعد زمین میں ذکر اسم اللہ اور اسم اللہ کی تخم ریزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ بغیر تخم کے زمین بیکار ہے۔ جس وقت زمین لائق

زراعت اور قابل کاشت ہوجائے۔ تو اس وقت اسے پانی سے سینچنے اور آبپاشی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور وہ مرشد کامل کی صحبت اور توجہ ہے۔ اس کے بغیر تخم اسم اللہ ذات ہرگز سرسبز نہیں ہوتا۔ خواہ زمین کتنی ہی قابل اور لائق نہ ہو۔ اور سالہا سال تک اس میں تخم ریزی ہوتی رہے۔ اسے سرسبز اور شاداب ہونے کے لئے مرشد کامل کی توجہ اور صحبت کی آبیاری اشد ضروری ہے۔ خواہ کتنے ہی نیک اعمال اور عبادات سے طالب کی لوح قلب اور اس کے دل کا کاغذ تحریر کے لئے تیار ہوجائے اور ذکر اذکار کے قلم اور دوات بھی مہیا ہوجائیں۔ تب بھی اس پر تحریر کے لئے کاتب کامل اور عشقی مرشد سے چارہ نہیں ہے اور اگر دہقان اور کاشتکار کامل ہو تو وہ کلر اور شورہ ناقص زمین میں کھاد ڈال کر اسے قابل کاشت بنالیتا ہے اور اس میں تخم اللہ ذات ڈال کر اسے اپنی توجہ کے پانی سے سیراب کرکے ویران اور غیر آباد زمین کو باغ جنت بنادیتا ہے۔ اور کامل کاتب کاغذ کو صاف اور مہرہ کرکے اس پر اپنی قلم اور دوات سے کلمات اللہ بہت آسانی سے تحریر کرلیتا ہے۔ لیکن ایسے کامل مرشد کا وجود دنیا میں عنقا مثال ہے۔ مرشد کامل کا وجود ایک بے بہا نعمت ہے۔ اس کا وجود گویا جملہ اسماء الٰہی اور آیات بینات سے دائمی مرقوم اور منقوش پریس کا پتھر یا مکمل بلاک ہے کہ جونہی اس سے ورق قلب طالب چسپاں ہوا۔ اسے ایک دم میں کلمات اللہ سے مرقوم کرکے خدارسیدہ بنادیتا ہے۔

کتنے خوش قسمت اور سعادت مند ہیں ہولوگ کلمۂ طیب کا نوری پروانہ بن کر اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ یا شجر طوبیٰ بن کر بہشت قرب ووصال میں ابدالاباد تک جھومتے اور لہلہاتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ۔

الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیب کشجرۃ اصلھا ثابت و فرعھا فی السماء توتی اکلھا کل حین باذن ربھا۔

آناں که زیر سایۂ مہرت مقام ثاانست

در دل چرا تخیل بال ہما کنند
شوریدگان حسن جلال و جمال یار

تسکین دل بملک دو عالم کجا کنند
دیوانگان بادیہ پیمائے عشق او

ہفت آسماں بچشم زدن زیر پا کنند

وہ لوگ کہ جن کا مقام تیرے آفتاب فیض کے سائے تلے ہے وہ بال ہما کا خیال (اگلے صفحہ پر)

بعض نادان لوگ اس معاملے کو نہایت آسان اور سرسری خیال کرتے ہیں۔ اور بہشت جاودانی اور قرب ربانی کو بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔ انسان صرف مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے یا محض آباؤ اجداد سے بطور ورثہ اسلام میں داخل ہونے سے اصلی مسلمان اور حقیقی اہل ایمان ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نیز تقلیدی طور پر اسلام کے ظاہری ارکان پر اندھوں کی طرح کاربند ہونا اور اسی کو سب کچھ سمجھنا یا صرف اقرار زبانی اور معمولی ورزش جسمانی اور خفیف مالی قربانی کو بہشت جاودانی اور قرب ربانی کی کافی قیمت سمجھنا نہایت کوتاہ اندیشی اور نادانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سودا اتنا سستا نہیں۔

ہر دو عالم قیمت خود گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ترجمہ۔ (اے اللہ) تو نے دونوں جہان اپنی قیمت مقرر کئے ہیں۔ ابھی اپنی قیمت اور بڑھا کیونکہ اب بھی تو بہت سستا ہے۔

یاد رہے کہ صرف قیل و قال یا اندھی تقلید اور ظاہری اشغال سے نہ اللہ تعالیٰ کی پہچان ہو سکتی ہے اور نہ ہی ظاہری کتابی علم سے نبی کی نبوت اور رسالت اور اس کی مخصوص روحانی قوت یا معجزات کا پتہ لگ سکتا ہے۔ اور نہ ہی نبی کی وحی کی حقیقت اور نہ اس کے روحانی پرواز اور معراج وغیرہ کی کنہ معلوم ہو سکتی ہے۔ اسی واسطے تو

ظاہری علماء بچارے نبی کے علم غیب و دنیا میں دیدار الٰہی معراج کی حقیقت اور معجزات وغیرہ اور دیگر مسائل کے بارے میں تمام عمر جھگڑتے رہتے ہیں۔امت پیرو کو کہتے ہیں۔اور پیرو اپنے پیشوا کے قدم پر چلنے والے کا نام ہے۔لہٰذا جب تک کوئی شخص پیغمبر اسلام کے قدم بقدم چل کر اس کے اخلاق مخصوص نبوت سے کسی قدر متخلق نہ ہونے اور اس کے ظاہری و باطنی اوصاف و کمالات غیر معمولی سے متصف نہ ہو جائے۔تب تک حقیقی طور پر مسلمان یا اصلی معنوں میں مومن با ایمان اور خالص مخلص اہل یقین و صاحب عرفان نہیں ہوسکتا۔

اپنے دل میں کیوں لائیں۔محبوب کے جلال و جمال کے حسن کے متوالے دونو جہان کی سلطنت لے کر بھی سکون قلب کہاں پا سکتے ہیں۔اس کی محبت میں صحرا نوردی کرنے والے دیوانے چشم زدن میں ہفت افلاک کو طے کر لیتے ہیں۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

جب تک کوئی شخص صاحب الہام نہ ہو جائے یا کم از کم سچے خواب نہ دیکھ لے۔ جنہیں نبوت کا ایک معمولی جز قرار دیا گیا ہے۔خالی قیل و قال اور کتابوں میں وحی کے حالات اور واقعات پڑھنے سے نبی کی وحی کی حقیقت ہرگز معلوم نہیں کر سکتے۔ جب تک انسان خود صاحب کرامت اور خوارق عادت نہ ہو، محض عقلی استدلال اور زبانی براہانات سے پیغمبروں کے معجزات اور آیات بینات کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اور جب تک کوئی طالب باطنی طیر سیر اور روحانی پرواز کا مرتبہ حاصل نہ کرلے صرف روایات و حکایات سے معراج کی حقیقت اور کیفیت معلوم نہیں کر سکتا اور نہ ہی معراج کے جسمانی یا روحانی جھگڑے اور خواب و بیداری والے اشکال حل کر سکتا ہے۔مشت نمونہ خروار ہوتا ہے۔اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

چراغ مردہ کجا زندہ آفتاب کجا

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

سچ پوچھو تو اصلی امتی ہونا اور حقیقی پیرو بننا نہایت مشکل کام ہے۔ خاص امتی تو وہ شخص ہے جو نبیؐ کے قدم بقدم چل کر اس کی باطنی منزل اور روحانی مقام تک پہنچ جائے اور نبی علیہ السلام اسے زبان حق ترجمان سے امتی کہہ دے۔ صرف نام کا امتی کسی کام کا نہیں۔

شیر قالیں اور ہے شیر نیستاں اور ہے

بعض حاسد کورچشم جب اس مرتبے کو حاصل نہیں کر سکتے تو محض ان باطنی مراتب اور روحانی درجات کے انکار سے اپنی تسلی کرتے رہتے ہیں یا ان کی تاویلیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اسلام کے ظاہری چھلکے اور کتابی و کسبی علم کے گھمنڈ پر مغرور رہتے ہیں۔

خونابۂ دل خور کہ شرابے بہ ازیں نیست
دنداں بہ جگر زن کہ کبابے بہ ازیں نیست
در کنز و قدوری نتواں یافت خدارا
بر صفحۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

کہاں بجھا ہوا چراغ اور کہاں چمکتا دمکتا آفتاب۔ دیکھ کہ (دونوں) کے راستے کا فرق کہاں سے کہاں تک ہے۔

ترجمہ۔ دل کا خونابہ یعنی خون پی۔ کیونکہ اس سے بہتر شراب اور کوئی نہیں۔ اپنے جگر کو چبا کیونکہ اس سے بہتر کباب اور کوئی نہیں۔ کنز اور قدوری کی کتابوں میں تو خدا کو نہیں پا سکتا۔ دل کے صفحے کو دیکھ۔ کیونکہ اس سے بہتر کتاب اور کوئی نہیں ہے۔ دنیا سے مذہبی ذہنیت مفقود ہو چکی ہے۔ اور حق و باطل کی تمیز نہیں رہی۔ اس لئے بعض لوگ چند کتابیں لکھ کر اور جھوٹے دعوے باندھ کر نبی بن بیٹھے ہیں۔ اور اندھے احمق لوگ انہیں ماننے کے لیے تیار ہو گئے ہیں۔ سبحان اللہ! پیغمبری کس قدر آسان اور ارزاں چیز تھی۔ کہ چند معمولی کتابیں لکھنے سے اچھی خاصی دوکان کھل

گئی۔اور ہزاروں پاگل بے وقوف اس کی فرضی متاع کے نادیدہ خریدار بن گئے۔

هر چند زمانه مجمع جهال است
در جهل نه حال شاں بیک منوال است
کو دن همه لیک از یکے تا دگرے
فرق خر عیسیٰ و خر دجال است

ترجمہ۔زمانہ بہر حال جاہلوں کا ایک مجمع ہے۔لیکن جہالت میں ان کی حالت ایک جیسی نہیں ہے۔سب ہانکے مارے جا رہے ہیں۔لیکن ایک دوسرے میں عیسیٰ اور دجال کے گدھے جتنا فرق ہے۔

ہمیں تو دنیا میں اصل اور حقیقی معنوں میں کوئی امتی نہیں ملتا۔امتی بننے کے لئے اللہ تعالیٰ شاہد حال ہے۔کئی سال جنگلوں اور پہاڑوں میں پھرنا پڑا۔خون جگر پینا پڑا۔اور اپنا خون پسینہ ایک کرنا پڑا۔طریقت کے اس پر خار کٹھن راستے میں کیا کیا روح فرسا اور جاں گداز سفر اختیار کرنے پڑے۔اگر انہیں بیان کیا جائے۔تو ان کے سننے سے دل لرز جائیں۔اور کلیجے کانپ اٹھیں۔اور طرفہ یہ کہ اس راستہ میں ہر دم دولت دوام اور ہر قدم پر نئی منزل و مقام۔لیکن پھر بھی اپنے منہ سے یہ دعویٰ زیب نہیں دیتا۔افسوس کتنا چھوٹا منہ اور بات کس قدر بڑی ہے۔کہ محض کتابوں کے مطالعہ سے گھر بیٹھے ولی چھوڑ نبی بن بیٹھے۔لیکن آج آزادی کا زمانہ ہے۔پوچھنے والا کون ہے۔خواہ کوئی خدائی کا دعویٰ بھی کر بیٹھے۔جب تک دنیا میں بے وقوفوں کی کثرت ہے۔

ویسے تو سب ایک طرح جاہل ہیں۔لیکن کوئی عیسیٰ کے گدھے کی طرح ہے۔اور کوئی دجال کے گدھے کی طرح ہے۔

عیاروں اور مکاروں کی پانچوں گھی میں ہیں۔جس وقت لوگ شیشوں کے ناکارہ

ٹکڑوں کو ہیروں کی قیمت پر خرید نے لگ جائیں تو زمانہ شناس عیار ایسے زریں موقع کو غنیمت جان کر کیوں نہ دکان کھول کر جوہری بن جائیں۔ اور اصلی جوہری اپنی دکانیں بند کر لیں۔

امروز قدر گوہر و خار ابر ابر است
سرگین گاؤ عنبر سار ابر ابر است

کس قدر ظلم اور اندھیر ہے کہ گھر میں کھانے کو نہیں۔ خود فاقوں مر رہے ہیں۔ اور باہر سے ہزاروں لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے۔ اور گھر بلایا جا رہا کہ آیئے سب کچھ تیار ہے۔

آں قوم کہ سجادہ پرستند خرند
زیرا کہ بزیر خرقۂ سالوس درا ند
ویں از ہمہ طرفہ ترکہ در وید ۂ زہد
اسلام فروشند و ز کافر بتر اند

سو اس زمانے میں پہلے تو مرشد کامل کا ملنا بڑا مشکل ہے۔ اور اگر ملے تو اس کی پہچان اس سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ اصلی مردان خدا حوروش نازنین اور پری رو معشوق کی طرح اپنے آپ کو حتی الوسع پردے میں چھپائے رکھتے ہیں۔ اور زن فاحشہ بازاری عورتوں کی طرح سر بازار عریانیت اور عصمت فروشی کی دکان نہیں کھول بیٹھتے ہیں۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ترجمہ۔ اس زمانے میں پری یعنی نیک لوگ پوشیدہ ہیں اور شیاطین ناز و نخرے کر رہے ہیں۔ حیرت سے عقل جل اٹھی ہے کہ یہ کیسی عجیب و غریب بات ہے۔

اس واسطے طالب مولی کو چاہیئے کہ ہر وقت ذکر اللہ اور خاص کر تصور اسم اللہ ذات

کے بہترین شغل کو رات دن جاری رکھے۔ کیونکہ آج کل دنیا میں صدق المقال اور اکل الحلال نہیں رہا۔ لوگوں میں سلف صالحین کی طرح نیک اعمال اور سخت محنتوں اور مجاہدوں کی

آج موتی اور پتھر دونوں کی قدر و منزلت یکساں ہے۔ گائے کا گوبر اور عنبر سارا دونوں کو برابر تصور کیا جاتا ہے۔ سجادہ فروشی کرنے والی قوم احمق ہے۔ اس لئے کہ وہ مکر و ریا کی عبا اوڑھے ہوئے ہے۔ اور سب سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ وہ نگاہ زہد میں اسلام کی نمائش کرتے ہیں اور کافروں سے بدتر ہیں۔

توفیق اور ہمت نہیں رہی۔ پابندئ صوم وصلوٰۃ اور ادائیگی حج و زکوٰۃ میں بھی بہت کمی اور کوتاہی آ گئی ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ بھی محض ایک نمائشی اور رسمی مظاہرے کی صورت میں ادا ہو رہا ہے اس لئے اس قحط الاعمال و احوال کے زمانے میں سب سے بہترین شغل تصور اسم اللہ ذات ہے۔ اس سے طالب بہت جلدی کامیاب ہو جاتا ہے۔ طالب کو چاہیئے کہ وجود کے ہر عضو میں چراغ اسم اللہ ذات روشن کرے۔ اور تمام وجود اس کے نور سے منور کر دے۔

صاحب تصور اسم اللہ ذات محبوب بے محنت اور معشوق بے مشقت ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو ہمیشہ اسم اللہ ذات میں محو اور مشغول رکھتا ہے۔ اس کو راز بے ریاضت اور مشاہدہ بے مجاہدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ جملہ انبیاء تمام اولیاء، جمیع ائمۃ دین، اصحاب، علماء، صلحاؑ، فقراء، درویش، غوث، قطب، اوتاد، ابدال، اخیار، نجباء، نقباء جس قدر باطن میں صاحب مراتب ہو گذرے ہیں۔ سب اسم اللہ ذات کے ذریعے اور اسی نام پاک کی برکت اور وسیلے سے اعلیٰ درجات کو پہنچے ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو معجزات اور کشف و کرامات اسم اللہ ذات کی برکت اور طاقت کے طفیل حاصل ہوئے ہیں۔ یہی تصور اسم اللہ ذات وہ نور مبین تھا جسے جبرئیل امین نے اقرا باسم ربک کہہ کر نوری تخم کی شکل میں حضرت سرور کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں غار حرا کے اندر ڈالا۔ جس نے بعد میں شجر قرآن کی شکل میں آپ کی زبان حق سے سر نکالا۔ یہی وہ روحانی رفرف اور باطنی براق تھا جس نے آنحضرتؐ کو معراج کی رات ساتوں آسمانوں اور عرش و کرسی کی سیر کرائی اور مقام قاب قوسین او ادنیٰ کا اعلیٰ مرتبہ دلایا۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیدار پر انوار اور لقاء کی آیات کبریٰ سے مشرف فرمایا یہی موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا تھا جس کے کرشموں اور معجزات کی برکت کی طاقت سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون بےعون اور ہامان بے سامان کے ظلم سے چھڑایا۔ یہی وہ نقش خاتم سلیمان علیہ السلام تھا۔ اور یہی وہ مبارک نامہ انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تحریر تھی۔ جس کی زنجیر تسخیر نے ملکہ بلقیس اور تمام جنات و انسان اور بہائم و طیور کو باطن میں جکڑ لیا تھا۔ یہی وہ اسم پاک تھا۔ جس نے نوح علیہ السلام کی کشتی کو بسم اللہ مجریھا و مرسھا کے باطنی چپو سے بحر ذخار میں چلایا۔ اور طوفان سے بچایا۔ غرض تمام انبیاء مرسلین اور جملہ اولیاء کاملین کو نور کی باطنی تجلی اسم اللہ ذات کے بجلی گھر اور اسی پاور ہاؤس سے پہنچتی رہی ہے۔ اور اب بھی تمام پاک ہستیاں اسی اسم کے بحر برزخ میں نوری مچھلیوں کی طرح تیرتی پھرتی ہیں۔ جو شخص انہیں ملنا چاہے۔ اسی اسم کے دریائے نور میں غوطہ لگا کر ان سے ملے۔ اور ان سے ملاقات کرے۔ اسم اللہ ذات جام جہاں نما اور آئینۂ سکندری ہے۔ اسی اسم کی دوربین میں صاحب تصور لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ اور ہژدہ ہزار عالم کا تماشہ انگوٹھے کے ناخن پر دیکھتا ہے اور اٹھارہ ہزار مخلوق کا نظارہ ہاتھ کی ہتھیلی پر کرتا ہے۔ صاحب تصور کو خلوت بےخلل اپنے سینے میں حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کا حجلۂ دل حجرۂ آب و گل سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اسے خلوت در انجمن اور نیز انجمن در خلوت یعنی روحانی مجلسیں سینے میں حاصل رہتی ہیں۔ ابیات مصنف رحمۃ اللہ علیہ۔

اسم میں دیکھ لیا ہم نے مسمے آخر

کھل گیا مشق و تصور کا معمّے آخر
اسم کو جسم بنا جسم کو کر اس میں فنا
پھر انا انت کہو اور سنو انت انا
اسم اللہ کے تصور سے لقا ہوتا ہے
جام جم کی طرح دل سینہ صفا ہوتا ہے
ہر نبی اور ولی غوث و قطب اور اوتاد
شیخ و صوفی و درویش و قلندر و زہاد
سب کو جو معرفت و قربت ہوا ہے حاصل
سب تصور سے ہوئے واصل و عامل کامل
فیض اسم کے انوار سے سب نور ہوئے
برکت اسم سے سب ناظر و منظور ہوئے
گنج دارین کی کنجی ہے تصور یارو
بخت یاور ہے تو کر لو اسے باور یارو

یورپ میں مسمریزم، ہپناٹزم اور سپرچولزم والوں نے تصور اسم اللہ ذات کا چربہ اور نقل اتاری ہے۔ وہ لوگ اپنی نگاہ کو کسی خاص نکتے پر مثلاً شیشے کے گولے یا چراغ یا بتی کی لو یا بجلی کے قمقمے غرض کسی خاص روشن چیز پر جمانے کی کرتے ہیں۔ جسے ان کی اصطلاح میں کنسنٹریشن کہتے ہیں۔ اسی طرح تصور اور خیال کی مشق سے وہ لوگ ایک برقی طاقت حاصل کر لیتے ہیں۔ جس کے ذریعے عامل اپنے معمول پر توجہ ڈال کر اسے بے خود اور بے ہوش کر دیتا ہے۔ اور اسے مقناطیسی نیند سلا دیتا ہے۔ اور اس کے ضمیر اعلیٰ (ان کانشس مائینڈ) میں اپنی قوت اور قوت خیال سے کام لیتا ہے۔ اور معمول کو جو امر کرتا ہے وہی امر معمول بجالاتا ہے۔ مگر یہ طاقت چونکہ وجود عنصری کی پیداوار ہوتی ہے۔ اور نفس ناسوتی کی خام ناتمام طاقت ہوتی

ہے۔لہذا اس علم کا حامل محض مقام ناسوت میں سفلی معاملے اور محض مادی شعبدے اور ظاہری تماشے دکھا کر کم فہم اور نادان لوگوں کو حیران کر دیتا ہے۔اور اس سے چند دماغی اور عصبی امراض کا ازالہ بھی کیا جا سکتا ہے۔لیکن اس سے کوئی پائدار اصلی روحانی فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مسمرائزر اور ہپناٹائزر کا معاملہ محض مقام ناسوت تک محدود ہوتا ہے۔اس سے آگے تجاوز نہیں کرتا۔مقام ملکوت میں اس کو کوئی دخل نہیں۔لہذا وہ مطابق اخلد الی الارض مادے ہی میں محصور رہتا ہے۔اس خام ناتمام طاقت کی فلاسفی یہ ہے کہ انسان کے تمام حواس اور قوت خیال جب ایک نکتے پر مرکوز ہو جاتے ہیں تو اس میں ایک برقی قوت کی بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔جس طرح آفتاب کی شعاعیں جب کسی آتشی شیشے یعنی لینز میں سے گذرتے وقت ایک نقطے پر جمع ہو جاتی ہیں۔تو ان میں ایسی حدت اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ آگ کی طرح دوسری چیز کو جلاتی ہے۔اسی طرح انسانی خیالات اور حواس کا جب ایک نکتے پر اجتماع ہو جاتا ہے تو اس میں ایک برقی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔جس سے ایک کمزور شخص معمول کو بے ہوش بنا دیا جاتا ہے۔لیکن اس علم والوں کی مشق تصور کا مرکز ایک مادی شے اور فرضی نکتہ ہوتا ہے جس سے محض خیالات کا اجتماع منظور ہوتا ہے۔اس لئے مسمرائزر اور ہپناٹائزر کا سارا معاملہ اس مادی دنیا اور مقام ناسوت تک محدود رہ جاتا ہے۔اس کا روحانی دنیا سے کوئی کنکشن اور تعلق نہیں ہوتا۔لیکن خلاف اس کے اگر کوئی شخص بجائے مفروضہ مادی نکتے کے اسم اللہ ذات کے نقش مکرم پر اپنے خیالات حواس اور تصور و تفکر و توجہ مجتمع کرے۔یعنی اپنے دل اور دماغ میں تصور اسم اللہ ذات کے نقش کی ہر وقت مشق کیا کرے۔تو وہ اس سے ایک ایسی زبردست غیر مخلوق اور لازوال باطنی برقی قوت حاصل کر لیتا ہے کہ جس کا تعلق اور کنکشن اس ذات بے مثل اور لایزال کے بحر انوار کے ساتھ ہو جاتا ہے کہ جو تمام کائنات کا مبداء و معاد ہے۔اور جس کا یہ نوری نکتہ باعث و موجب ہر ایجاد ہے۔اور جس کی

ادنیٰ صفت اذآ اراد شیئا ان یقول له کن فیکون ہے۔ اور جس کی معمولی شان ان اللہ علی کل شئی قدیر ہے۔ پس اسم اللہ ذات کا اس طرح تفکر اور تصور کے ذریعے آنکھوں میں مشق کرنے سے مسمے کے مشاہدے اور دیدار کا نور آنکھوں میں آ جاتا ہے۔ اور اسم اللہ ذات کی نوری دوربین میں ایک ناسوتی انسان لاہوت لامکان کے جلوے اور نظارے دیکھتا ہے۔ کیونکہ اسم اللہ ذات کے منشور میں سے مسمے کا آفتاب بمع جملہ الوان اسماء وصفات متجلی اور جلوہ گر ہے۔ اور اگر اسم اللہ ذات کا تصور کانوں میں کیا جائے تو باطنی کان کھل جاتے ہیں اور غیبی، روحانی اور ملکوتی آوازیں سننے لگ جاتا ہے اور صاحب الہام ہو جاتا ہے۔

جب صاحب تصور اسم اللہ ذات اپنے دل اور دماغ یا جسم کے دیگر خاص خاص مقامات پر نقش اللہ مرقوم کرتا ہے تو صاحب تصور کے اندر نور اسم اللہ ذات کی بجلی پیدا ہو جاتی ہے جس کا تعلق اور کنکشن مسمی یعنی معدن انوار ذات پروردگار کے پاور ہاؤس سے ہوتا ہے۔ اور وہاں سے صاحب تصور کے دل اور دماغ کو باطنی بجلی کی غیر مخلوق طاقت، نور، روشنی، آواز اور دیگر صفات کی برقی لہریں پہنچتی رہتی ہیں۔ اور صاحب تصور کا وجود اس غیر مخلوق نور کی بجلی سے پر اور مملو ہو جاتا ہے اور طالب ہر دو انفس اور آفاق میں اس برق باطن کی روشنی، طاقت، آواز و دیگر صفات کے انوار کی لہریں پھیلاتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ اس مادی بجلی کے ذریعے ہر قسم کی طاقت، روشنی اور آواز وغیرہ ایک جگہ سے طرفتہ العین میں ہزاروں میل کی دوری پر دوسرے مقامات پر پہنچائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ روشنی منتقل ہو کر بولنے والوں کی صورتیں بھی صاف نظر آتی ہیں۔ سو جس طرح یہ مادی اور ظاہری بجلی طاقت، آواز اور روشنی وغیرہ کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا ذریعہ اور واسطہ بن جاتی ہے۔ اسی طرح اسم اللہ ذات کی یہ باطنی برق اور روحانی بجلی مرشد کامل کے سینے کے پاور ہاؤس سے ہزاروں لاکھوں طالبوں کے جسموں اور ارواح میں نور، روشنی، طاقت اور

دیگر انوار صفات و اسماء کی لہریں پہنچانے کا ذریعہ اور واسطہ بن جاتی ہے۔ اور اسی باطنی رو کے ذریعے سالک پر مختلف واردات غیبی اور فتوحات لاریبی نازل ہوتے رہتے ہیں۔ اور سالک اپنے اندر الہام کا ریڈیو، کشف کی ٹیلی ویژن، کرامات کی مشین اور تجلیات کا بجلی گھر قائم کر لیتا ہے۔

ہر نبی اور ہر ولی کے اندر اس باطنی رو کے باطنی تار گھر، ٹیلی فون، ریڈیو سٹیشن، لاسلکی اور ٹیلی ویژن لگے ہوئے ہیں۔

اسم اللہ ذات تمام کائنات کا مبداء، جملہ فیوضات و برکات اور معدن کل انوار و اسرار ہے۔ جب اس کو بجائے ذکر زبانی کے تصور اور تفکر سے وجود کے خاص خاص مقامات میں تحریر کیا جاتا ہے۔ تو انسان کے اندر جملہ وہ نوری اسماء جو کہ اس کے مبداء فیوضات و برکات باطنی ہیں متجلی ہو جاتے ہیں۔ جس سے انسان کا باطن یعنی قلب زندہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ذکر زبانی ذاکر کی صفت فاذکرونی ہے۔ اور اسم اللہ ذات کا اپنے اندر تصور و تفکر سے مرقوم کرنا اس کی قدرتی نوری تحریر اور اللہ تعالیٰ مذکور کی تجلی اذکرکم ہے۔ ذکر کا اصل مقام اور محل انسانی دل ہے۔ اور اس نوری غذا کا حقیقی بطن باطن انسان کا قلب ہے۔ لہٰذا ذکر کو زبان کے ذریعے اپنے اصلی محل قلب اور دل تک پہنچانے میں بہت کچھ خطرات اور رکاوٹوں کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جب انسان زبانی طور پر ذکر کرتا ہے تو شیطان اس کا اثر قلب میں نہیں ہونے دیتا۔ اور دل پر دنیوی اور نفسانی غیر خطرات کا ہجوم کر دیتا ہے اور شیطانی وساوس کی دھوم مچا دیتا ہے اور بے شمار بھولی ہوئی باتیں یاد کرا دیتا ہے اور دل کی اصلی توجہ اور باطنی رخ کو اللہ تعالیٰ سے پھیر کر غیر کی طرف کر دیتا ہے اور دل میں ذکر کی تاثیر نہیں ہونے دیتا۔ کیونکہ دل ایک وقت میں ایک ہی چیز کو سوچ سکتا ہے۔ ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔ لہٰذا اہل فن نے ذکر زبانی کو دل تک پہنچنے کے لئے چند شرائط اور لوازمات اور مختلف

قاعدے اور قانون مقرر کئے ہیں۔ مثلاً اسماء الٰہی اور آیات کلام اللہ اور قرآنی سورتوں اور دیگر کلاموں کو عمل میں لانے کے لئے پہلی ضروری شرط اکل الحلال اور صدق المقال رکھی ہے۔ دیگر ہر کلام کی زکوٰۃ، نصاب، قفل، بذل، خلوت، تعین مقام و تعین وقت، ترک حیوانات یعنی ترک جلالی و جمالی، وقت نحس و سعد کی شناخت اور اجازت کامل و ریاضت عامل اور وجود و جائے اور جامۂ پاک کی مختلف شرائط و لوازمات مقرر کئے ہیں۔ اگر ظاہر ذکر کی ان شرائط میں سے کوئی شرط رہ جائے یا کسی کے ادا کرنے میں کوتاہی ہو جائے تو ذکر کا اثر نہیں رہتا اور معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ اس واسطے بہت لوگ سر کھپا کھپا کر رہ جاتے ہیں۔ اور انہیں ذکر سے کوئی حقیقی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور آخر کار ذکر اور اسماء الٰہی اور کلام اللہ کی تاثیر سے بھی منکر اور بد اعتقاد ہو جاتے ہیں۔ لیکن ذاکر اگر بجائے ذکر زبانی کے تصور اور تفکر کی انگلی سے اسی اسم کو اپنے دل اور دماغ میں یا جسم کے کسی دیگر اہم عضو میں تحریر کرتا ہے۔ تو ظاہری اور زبانی ذکر کے تمام بکھیڑوں اور رجعتوں سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اور تمام شرائط اور پابندیوں سے جان چھوٹ جاتی ہے۔ اور اس طرح ذاکر ذکر کی اصل منزل مقصود یعنی نور حضور مذکور و معبود سے جا واصل ہوتا ہے۔ اے طالب! اگر تو نے ہماری بات کو سمجھ لیا اور اسم و مسمےٰ کے معمّٰی کو پا لیا تو سمجھ لے کہ تو نے اپنا دامن گوہر مقصود سے بھر لیا۔ کیونکہ ہم تجھے ایسے آب حیات کی طرف دلالت کرتے ہیں جس کی طلب میں ہزاروں سکندروں نے عمریں گنوائیں اور جس کی ایک بوند کے لئے طالب سالہا سال ریاضتیں اور مجاہدے کرتے رہے اور ترستے رہے۔ مگر نصیب نہ ہوا۔

ابیات مصنف رحمۃ اللہ علیہ

سر آب با تو گویم۔ نہ رہ سراب پویم
بدر از چہ آب جوئی براست آب جویم
من ازاں شراب مستم کہ بداد در الستم
نہ بخواب اندر استم کہ حدیث خواب گویم

ترجمہ۔ میں تجھے پانی کے چشمے کا پتہ دے رہا ہوں۔ صرف سراب نہیں بتا رہا۔ در بدر کس سے پانی کی تلاش کر رہا ہے۔ میرے اپنے پہلو میں وہ پانی موجود ہے۔ میں اس شراب سے مخمور ہوں جو مجھے ازل کے دن ملی تھی۔ میں خوابیدہ نہیں ہوں۔ بالکل ہوش میں ہوں۔ اور خواب کی باتیں نہیں کر رہا۔

ذکر کے دو طریقے ہیں۔ ایک ذکر باللسان یعنی زبان سے ذکر کرنا۔ دوم ذکر بالجنان دل سے اور خیال سے ذکر کرنا ہے۔ ایک ذکر زبان اور ہونٹوں کا ہے۔ دوم ذکر تصور اور خیال کا یعنی چشم بصیرت۔ ان ہر دو طریقوں کو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں یوں بیان فرماتا ہے۔

الم نجعل له عینین و لسانا و شفتین و هدینه النجدین.

ترجمہ۔ آیا نہیں دیں ہم نے انسان کو دو آنکھیں اور زبان بمع دو ہونٹوں کے اور دکھائے ہم نے اسے دو راستے۔ سو زبان اور ہونٹوں کا راستہ ظاہری ذکر زبان کا ہے۔ اور آنکھ سے تصور اور تفکر کا راستہ ذکر جنان کا ہے۔ پس جس وقت طالب تصور اسم اللہ ذات کی مشق کرتا ہے۔ اور نقش اسم اللہ ذات طالب کے دل پر قائم ہو جاتا ہے تو اسم اللہ ذات سے تجلی انوار کا برقی شعلہ نکلتا ہے جس سے طالب اس شعلۂ انوار دیدار میں غرق ہو جاتا ہے۔ اور اس ذاتی نور میں طالب کا باطنی وجود طے اور زندہ ہو جاتا ہے۔ اور اس سے طالب کے لئے ہمیشہ دیدار اور مشاہدے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ سو جملہ اذکار سے افضل، اعلیٰ، اکمل، اتم اور جامع ذکر آنکھ کا ہے۔ یعنی

تصور اسم ذات تمام اذکار کا مغز اور اصل ہے اور باقی ذکر کے طریقے سب فروعات ہیں۔

بعض لوگ کہیں گے کہ اسم اللہ ذات چار حروف ا ، ل ، ل اور ہ سے مرکب ایک لفظ ہے۔ جب ہم اس لفظ کو ظاہر زبان پر ادا کرتے ہیں یا کاغذ پر لکھتے ہیں۔ یا آنکھ سے دیکھتے ہیں تو دوسرے الفاظ اور کلمات کی طرح ہمیں کچھ ثقالت یا کسی قسم کی گرمی سردی یا دیگر قسم کا اثر یا لذت وقوت وغیرہ معلوم نہیں ہوتی۔ ہم کیونکر جانیں کہ اس میں اس قدر اثر، نور، روشنی یا طاقت موجود ہے کہ اس سے نفس و شیطان اور معصیت، غفلت کے حجابوں اور تاریکیوں کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اور کہ یہ اتنی باطنی گرمی وحرارت رکھتا ہے کہ جس سے انسان کا بیضۂ ناسوتی پھٹ کر اس میں سے دل کا مرغ لاہوتی زندہ ہو جاتا ہے۔ اور یا یہ کہ اس میں ایسی باطنی بجلی پنہاں ہے کہ جس کی طاقت اور پاور کے برق براق پر سوار ہو کر ذاکر اور صاحب تصور اللہ تعالیٰ کی پاک اور بلند درگاہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اسم اللہ کو ظاہر زبان سے ادا کرنا یا کاغذ پر لکھنا یا خالی آنکھ سے یہ دیکھنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی دوائی مثلاً کونین یا سنکھیئے کی ڈلی ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھتا ہے یا اسے آنکھ سے دیکھتا ہے۔ ایسا کرنے سے دوائی یا سنکھیئے کی کیا تاثیر معلوم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ دوائی اپنے خاص محل معدے یا جگر اور خاص کر خون میں جا کر اثر کرتی ہے۔ مثلاً سنکھیئے کی تاثیر دیکھنی ہو تو اسے منہ میں ڈال کر گلے سے نیچے اتار کر معدے کے اندر پہنچایا جائے تب معلوم ہو جائے گا کہ وہ سنکھیئے کی سفید ڈلی جو ہاتھ کی ہتھیلی پر محض چونے کی طرح ایک بے اثر چیز معلوم ہوتی تھی۔ جس وقت گلے سے نیچے اتر کر معدے اور جگر میں جا پہنچی تو جسم اور جان کے لئے ایک ایٹم بم ثابت ہوئی جس نے وجود کے پرخچے اڑا دیئے۔ اس طرح مفید اور نافع دوائی مثل تریاق بھی انسانی وجود کے اندر جا کر تاثیر دکھاتی ہے۔ ہر چیز اپنے محل اور مقام میں اثر کرتی ہے۔ نیز دوائی کا اگر جوہر نکال کر بذریعہ انجکشن اور

جلدی پچکاری خون کے اندر داخل کیا جائے تو اس سے زیادہ جلدی وجود اور جسم انسان میں مفید یا مضر انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ غرض تصور اسم اللہ ذات تمام قرآن کریم اور اسماء العظام الٰہی کا جوہر نکلا ہوا ہے۔ اور اس کا معدہ انسانی دل ہے۔ اور یہی اس کا بطن باطن ہے۔ اگر اسے ظاہر زبان سے ورد کیا جائے اور ذکر ظاہر کی تمام شرائط اور جملہ لوازمات کے ساتھ دل کے باطنی بطن میں پہنچایا جائے تو البتہ ضرور اپنا اثر دکھائے گا۔ یا تصور اور تفکر کے انجکشن سے وجود کے کسی خاص مقام میں تحریر اور مرقوم کر کے پہنچایا جائے۔ تب معلوم ہوگا کہ اسم اللہ کا چار حروف سے مرکب لفظ جو ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھنے یا زبان سے ادا کرنے یا آنکھ سے دیکھنے کے وقت ایک معمولی اور بے اثر چیز معلوم ہوتا تھا۔ جب بطن باطن میں پہنچا تو ایک ایسا باطنی برق کا پاور ہاؤس ثابت ہوا کہ جس نے وجود کی تمام نفسانی اور شیطانی تاریکیوں کو کافور کر دیا۔ اور وجود کو اللہ تعالیٰ کی غیر مخلوق انوار سے ابدالاباد تک زندہ اور تابندہ کر دیا۔

اسم اللہ ذات بذریعہ تصور و تفکر جسم کے جس مقام یا عضو میں نوری حروف سے مرقوم ہو جاتا ہے تو وہ عضو نور اسم اللہ ذات سے باطن میں زندہ ہو جاتا ہے۔ اور جب طالب کے وجود کے تمام ضروری اندام اور اہم اعضاء نقش اسم اللہ ذات کی نوری تحریر سے منقش اور منور ہو جاتے ہیں تو باطن میں ایسے طالب کا ایک نوری لطیف وجود زندہ ہو جاتا ہے۔ ایسا طالب سالک اس نوری لطیف جسے کے ساتھ عالم غیب اور عالم امر کے لطیف جہان میں گویا از سر نو جنم لیتا اور پیدا ہوتا ہے۔ اور وہاں روحانی ماں باپ کے ہاتھوں اس کی پرورش اور تربیت ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اچھا خاصہ نوری طفل بن جاتا ہے۔ وہاں روحانی مدرسوں اور باطنی مکتبوں کے اندر روحانی مدرسوں کے ذریعے اسے نوری تعلیم ملتی ہے۔ سو نفوس کے مدرسے اور ہیں۔ قلوب و ارواح کے کالج الگ ہیں۔ اور اسرار و انوار کے دار العلوم علیحدہ ہیں۔ ان نوری علوم کے الف بیٹ یعنی حروف تہجی اور ہیں۔ وہاں کی زبان، اصطلاح،

نصاب وطریقۂ تعلیم اور کتابیں مختلف ہیں۔ وہاں کی زمین و آسمان اور جہان بالکل جدا ہے۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

دل گفت مرا علم لدنی ہوس است
تعلیمے کن اگر ترا دسترس است
گفتم کہ الف۔ گفت دگر گفتم ہیچ
در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

غرض یہ راستہ باطنی وجود اور اس کے باطنی حواس کا ہے۔ ظاہری وجود اور عنصری جسم کا وہاں کوئی دخل نہیں۔

پائے ظاہر رو ہمیشہ راہ ظاہر میرود
قطع راہ باطنی ہا کار پائے دیگر است

دکاندار مشائخ نے اسلامی تصوف اور روحانی علم کو سخت بدنام کیا ہے۔ یہ علم اہل مشرق کی اصلی وراثت تھی۔ اور اسی علم روحانیت کی بدولت مشرق مغرب پر بجا طور پر فخر کرسکتا تھا۔ سچ پوچھو تو مشرق کے پاس یہ دولت ابدی اور سعادت سرمدی نہ ہو تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ ہمارے نام نہاد صوفیوں کے پاس آج اس علم کا محض یہ دعویٰ کہ پدرم سلطان بود رہ گیا ہے۔ یا کہیں کہیں تصوف اور روحانیت کا خالی جامہ اور لباس یا محض زبانی بے محل اور بے جالاف اور قصے کہانیاں رہ گئی ہیں۔ آج یورپ والے اس علم کو از سرنو اپنا رہے ہیں۔ اور اس کی طلب و تلاش میں یہ جفاکش اور جانباز لوگ سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں۔ اگرچہ آج یہ لوگ اس علم کی ابتدائی منزل میں ہیں۔ لیکن وہ دن دور نہیں کہ یہ آفت کے پرکالے ایک دن اس سعادت دارین اور گنج کونین کا بھی کھوج لگالیں گے۔ کیونکہ زندگی عمل اور جدوجہد کا نام ہے۔ خالی دعوے، وراثت بلکہ استحقاق بھی کوئی چیز نہیں۔

زندگی جہد است استحقاق نیست

دل نے کہا کہ مجھے علم لدنی کا شوق ہے ۔اگر تجھے آتا ہے تو مجھے سکھلا دے ۔میں نے کہا کہ الف کہو۔اس نے کہا کچھ اور۔ میں نے کہا اور کچھ نہیں ۔اگر گھر میں کوئی اہل ہے تو یہ ایک حرف ہی کافی ہے ۔ ظاہریت کی پیروی کرنے والا ہمیشہ راہ ظاہر ہی پر چلے گا۔ باطنی معاملات کی راہ کو طے کرنا دوسرے قدم کا کام ہے ۔ زندگی استحقاق کا نام نہیں بلکہ سراپا جدوجہد کا نام ہے ۔انفس و آفاق کے معارف کو جانے کے بغیر زندگی کچھ نہیں ۔

اس قوم کی بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں اگر کوئی شخص کسی نئی مہم کو سر کرنے لگتا ہے ۔یا کسی نئی ایجاد اور اختراع یا کسی نئے علم کی تلاش و تحقیق شروع کرتا ہے تو تمام قوم اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگ جاتی ہے بلکہ خود حکومت اس کی پشت پناہ بن جاتی ہے ۔ لیکن مشرق کی شقاوت قلبی اور شامت عملی ملاحظہ ہو کہ اگر کوئی شخص سادہ لباس میں عرش معلی کے ستارے اتار کر دکھا دے یا عالم غیب کے بحر عمیق میں غوطے لگا کر باطن کے وہ درثمین نکال کر لا وے جس کی نظیر دنیا میں ملنی محال ہو تو یہ پہلے تو اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے ۔اور اگر کہیں پتہ لگے کہ اس کی قدر و قیمت ہونے لگی ہے ۔تو ایک حسد کے مارے اس کی مخالفت اور عداوت پر کمر بستہ ہو جائے گی ۔اور اسے کہیں کا نہیں رہنے دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اسے گوشۂ خمول اور کنج گمنامی میں سر چھپانا پڑے گا۔قومی بہتری اور مذہبی اشاعت کے سلسلے میں جان و مال کی جو بازی اہل یورپ لگا رہے ہیں ۔اسے دیکھ کر ہم مسلمانوں کو شرم سے ڈوب مرنا چاہیئے ۔ہم اس سلسلے میں ان لوگوں کے چند واقعات بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتے ہیں ۔

ایک عیسائی عورت مسز رینالڈز نے بارہ لاکھ ڈالر مذہبی اور قومی بہتری پر خرچ کرنے کی وصیت کی ۔یروشلم سے ہزاروں میل دور جزیرہ نیوگنی میں لندن سے

مذہبی تبلیغ کے لئے ایک مشن بھیجنے کی تجویز زیر غور تھی۔وہاں کے حالات معلوم کرانے کے لئے ۱۸۷۱ء میں وہاں ایک مسیحی سیاح مذکور لنڈن بائبل سوسائٹی کو نہایت مایوسی کی حالت میں یہ رپورٹ بھیجتا ہے کہ اس جگہ تو بس بڑے خوفناک مگرمچھ اور سخت زہریلے سانپ رہتے ہیں۔اور جو انسان بھی یہاں آباد ہیں۔وہ بھی ایسے ظالم اور خونخوار ہیں کہ ان کے درمیان قدم رکھنے کا بھی خیال نہ کیجئے۔لنڈن سے جواب ملتا ہے کہ اتنی اطلاع بس کافی ہے کہ وہاں انسان بھی آباد ہیں اور جہاں کہیں انسان آباد ہیں۔مشنری کا وہاں پہنچنا ضروری ہے۔چنانچہ ۱۸۹۵ء میں لنڈن سے وہاں مشن بھیجا گیا۔اور اس مشن پر صرف لنڈن کی بائبل سوسائٹی نے ایک کروڑ تیس لاکھ پونڈ خرچ کئے۔ان لوگوں کی مذہبی اور روحانی معاملات میں مالی اور جانی قربانیوں کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے۔مذہبی امور میں غیروں کی قربانیاں اور جان فدائیاں دیکھو اور اپنوں کی تن آسانیاں اور بے پرواہیاں ملاحظہ ہوں۔

وہ ادنیٰ باطنی شخصیت یا اول جوہر حیات جس کا پتہ ابھی حال ہی میں یورپ کو لگا ہے۔ہمارے اہل سلف صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اسے لطیفۂ نفس کہتے ہیں۔یہ لطیفہ ہر انسان کے اندر خام ناتمام حالت میں موجود ہے۔اسی وجود کے ذریعے انسان خواب کے اندر داخل ہوتا ہے۔نفس کا یہ لطیفہ جسد عنصری کو لباس کی طرح اوڑھے ہوئے ہے۔ہمارے اہل سلف فقراء کاملین اور سچے عارفین کے نزدیک سب سے ادنیٰ باطنی شخصیت نفس کی ہے۔اس سے بڑھ کر اعلیٰ اور ارفع شخصیتیں انسان کے اندر بتدریج سلک سلوک باطنی سے پیدا ہوتی ہیں۔جنہیں لطیفۂ قلب و لطیفۂ روح، لطیفۂ سر، لطیفۂ خفی، لطیفۂ اخفیٰ اور لطیفۂ انا کہتے ہیں۔اہل یورپ کو ان دیگر اعلیٰ اور ارفع شخصیتوں کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں۔انہیں صرف لطیفۂ نفس کا ادراک حاصل ہوا ہے جو جسد عنصری کو لباس کی طرح اوڑھے ہوئے ہے۔اور جس وقت وہ خواب کی دنیا میں جا داخل ہوتا ہے تو وہاں وہ ایک لطیف مثالی صورت اختیار

کر لیتا ہے۔اس کا جہان عالم ناسوت ہے۔اس عالم میں نفس، سفلی ارواح، جن اور شیاطین سے بھی دوچار رہوتا ہے۔کیونکہ عالم غیب کی یہ سفلی ارواح بھی اسی عالم میں رہتی ہیں۔اس لطیفے کا مقام شریعت ہے۔یعنی شریعت کی پابندی سے اسے باطنی ترقی اور روحانی عروج حاصل ہوتا ہے۔اور باطنی طیر سیر اور چال اس کی الی اللہ ہے ۔یعنی اس مقام میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا رخ اور رجوع ہو جاتا ہے۔اس مقام میں سالک کا معاملہ محض قیل و قال، ذکر اذکار اور گفت وشنید تک محدود رہتا ہے۔ایسے سالک کا حال اللہ تعالیٰ کی طرف صرف میل یعنی رغبت کا ہوتا ہے۔اس لطیفے کا رنگ نیلا ہے۔اور ذکر اس کا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلعم ہے۔اور اسم تصور اس کا اسم اللہ ہے۔شریعت کی پابندی اور مرشد کامل کی توجہ اور نظر التفات اور ذکر فکر میں ریاضت اور مجاہدے سے سالک کے نفس کا تزکیہ ہوتا رہتا ہے۔تو نفس امارہ سے لوامہ اور ملہمہ اور ملہمہ سے مطمئنہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ نفس کی چار قسمیں اور منزلیں ہیں۔اول نفس امارہ ہوتا ہے۔اسے امارہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ہر وقت برائی کا امر کرتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ یوسف میں فرماتے ہیں۔ان النفس لامارۃ بالسوء یعنی نفس برائی کا امر کرتا ہے۔یہ نفس کفار، مشرکین، منافقین اور فاسقین و فاجر لوگوں کا ہوتا ہے۔اگر اس کی اصلاح اور تربیت نہ کی جائے تو یہ اپنی سرکشی تمرد اور طغیان میں ترقی کرتا ہے۔اور انسان سے حیوان، حیوان سے درندہ بلکہ مطلق شیطان بن جاتا ہے۔ایسی حالت میں نفس کی باطنی بیماری لاعلاج ہو جاتی ہے اور وہ آخر ہلاک ہو جاتا ہے۔اور اگر نفس کی اصلاح اور نیک تربیت شروع ہو جائے تو وہ بتدریج باطن میں عالم ملکوت اور حیات طیبہ کی طرف ترقی کرتا ہے۔اور اس کا نفس امارہ سے لوامہ ہو جاتا ہے۔لوامہ کے معنی ہیں ملامت کرنے والا۔یعنی گناہ پر انسان کو اپنا نفس ملامت کرتا ہے۔اور پشیمانی دلاتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید غیبی اور توفیق باطنی چونکہ ایسے نفس کے شامل

حال رہتی ہے۔لہذا گناہ پر نفس انسان کو شرمسار کرتا رہتا ہے۔ایسے نفس کو موت، روز قیامت اور حساب کتاب وغیرہ ہر وقت یاد رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کی زبانی روز قیامت کے ساتھ ایسے نفس کی بھی قسم اٹھاتے ہیں۔

لا اقسم بیوم القیامة ولا اقسم بالنفس اللوامة.

ترجمہ۔ خبردار میں قسم کھاتا ہوں۔ روز قیامت اور نیز قسم کھاتا ہوں گناہ پر ملامت کرنے والے نفس کی۔اس کے بعد نفس کا جب تزکیہ ہوتا ہے۔وہ لوامہ سے ملہمہ ہو جاتا ہے۔ایسا نفس گناہ کے ارتکاب سے پہلے اہل نفس کو تائید غیبی سے الہام کرتا ہے۔کہ خبردار! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔گناہ سے باز آ جاؤ۔ایسے نفس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔

و اما من خاف مقام ربه و نهی النفس عن الهوی فان الجنة هی الماوی.

ترجمہ۔اور لیکن جو شخص قیامت کے روز اللہ کے روبرو حساب کے لئے کھڑا ہونے سے ڈرا اس نے اپنے نفس کو ہوا اور خواہش نامشروع سے باز رکھا۔پس ایسے شخص کا ٹھکانہ بے شک بہشت ہے۔یہ نفس ملہمہ کو ارتکاب گناہ کے وقت تائید غیبی کے ذریعے الہام مختلف طریقوں سے ہوا کرتا ہے۔بعض دفعہ انسان کو صحیح دلیل اور خیال کے ذریعے گناہ سے روکتا ہے۔بعض کو غیب سے وہم کے ذریعے بے صوت و آواز القاء ہوتا ہے۔بعض کو باطن میں فرشتہ آواز دیتا ہے۔جس سے دل میں خوف خدا موجزن ہو جاتا ہے۔اور انسان گناہ سے باز آ جاتا ہے۔گاہے کسی نبی یا ولی کی روح غیب سے دستگیری فرماتی ہے۔اور گناہ سے روک دیتی ہے۔غرض اللہ تعالیٰ کے یہ غیبی براہین کسی نہ کسی صورت میں طالب سعادت مند کے شامل حال ہو جاتے ہیں۔اور اسے گناہ سے روک دیتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ یوسف علیہ السلام کے حق میں فرماتے ہیں۔ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رابرھان ربہ۔ ترجمہ۔تحقیق

عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے یوسف علیہ السلام سے زنا کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور یوسف علیہ السلام بھی ارادہ کر چکتا اگر وہ ہمارے برہان غیبی کو نہ دیکھ پاتا۔ اس کے بعد جب اہل نفس باطن میں ترقی اور عروج کرتا ہے تو اس کا نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ گویا نفس اس ازلی راہزن شیطان سے نجات پر کر اپنی منزل دارالامان اور منزل مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ مقام لاتخف ولاتحزن کا ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ۔

ایسے نفس والا سالک اللہ تعالیٰ کا دوست اور مقرب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی اور وہ اللہ سے خوشنود اور رضامند ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ ایسے اہل نفس مطمئنہ کے حق میں فرماتے ہیں۔

یا یتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

ترجمہ۔ اے نفس مطمئنہ! اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر۔ ایسی حالت میں کہ وہ تجھ سے راضی ہے اور تو اس سے راضی ہے۔ پس میرے بندگان خاص کے حلقے میں شامل اور میری بہشت قرب و وصال میں داخل ہو جا۔ ایسا پاک مزکی نفس اولیاء اور انبیاء کا ہوتا ہے۔ نفس کی یہ باطنی شخصیت بہت ارفع اور اعلیٰ ہوتی ہے۔ ہر ایک نفس اپنی خوخصلت اور رنگ و بو سے پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ نفس امارہ ہر وقت بری باتیں سوچتا ہے۔ اور برائی اور گناہ و معصیت شیطانی کی طرف مائل رہتا ہے۔ ہر وقت کھانے، پینے، سونے، جماع اور اسی قسم کے شہوانی اور نفسانی خیالات میں محو اور منہمک رہتا ہے۔ موت اسے بھولے سے بھی یاد نہیں آتی۔ اور یوم آخرت حساب کتاب پر یقین نہیں رکھتا۔ وہ اپنے نفسانی اور دنیوی دھندوں میں اس قدر محو اور مصروف ہوتا ہے کہ اسے دینی اور مذہبی باتوں کو سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی ایسے نفس کی باطن میں مثالی صورت مردار پرندے کی ہوتی ہے۔ اور گاہے گاہے اسے

خواب کی باطنی دنیا میں اللہ تعالیٰ بطور تنبیہ و اعلام نفس کی مثالی صورت دکھاتا رہتا ہے۔

وما من دابة في الارض ولا طائر يطير بجناحيه الا امم امثالكم .

ترجمہ۔ اور نہیں ہے کوئی حیوان روئے زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دو پروں سے اڑتا ہو۔مگر وہ مختلف گروہ اور ٹولے ہیں تمہاری (باطنی) مثالیں۔جس شخص کا نفس امارہ ہوتا ہے۔تو اسے نفس کا باطنی مرض اور بری خو خواب کے اندر کسی خاص حیوان کی مثالی صورت میں دکھائی جاتی ہے۔ایسا شخص خواب میں اپنے نفس کو حیوانات میں سے خنزیر، کتے، بھیڑیے، گیدڑ وغیرہ یا سانپ، چوہے، بچھو وغیرہ یا پسو، جوں وغیرہ یا پرندوں میں سے گدھ، چیل، کوے وغیرہ کی صورت میں دیکھتا ہے۔اور اپنے مقام و منزل کو ٹٹی، شراب خانہ، قمار خانہ وغیرہ اور اپنی غذا گندگی، پاخانہ وغیرہ کی شکل میں دیکھتا ہے۔الغرض یہ نفس کی باطنی مثالی صورتیں ہیں جو بدلتی رہتی ہیں۔اور ہر صورت اور سیرت اور خصلت سے پہچانی جاتی ہے۔چنانچہ خنزیر کی صورت نفس کی حرام خوری اور ردیوی پر دلالت کرتی ہے۔اور کتے کی صورت سے مراد حرص و آز اور محبت دنیا ہے۔سانپ منہ سے ایذا رسانی اور مردم آزاری کی صفت ہے۔اور بندر کے دیکھنے سے نکتہ چینی کا مرض مراد ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس۔جس وقت سالک سعادت مند شریعت کی پابندی اور ذکر فکر و ریاضت سے نفس کا تزکیہ کرتا ہے۔تو اس کا نفس ترقی پذیر ہو کر امارہ سے لوامہ بن جاتا ہے۔اس وقت اس کی مثالی صورت حلال جانوروں مثلاً اونٹ، بکری وغیرہ یا مچھلی اور حلال کی سی ہو جاتی ہے۔اور اپنا مقام اور منزل بھی اسی کے مطابق بہتر دیکھتا ہے۔تیسرے مقام میں نفس ملہمہ منزل حیوانیت سے نکل آتا ہے۔اور مقام آدمیت و انسانیت میں قدم رکھتا ہے۔لیکن جس وقت تک اس منزل میں کامل نہیں ہو جاتا اور جملہ عیوب و نقائص اور امراض کبھی سے چھٹکارا نہیں پا لیتا۔اپنے نفس کو ناقص، بیمار، اپاہج،

بدصورت، مفلس، نادان وغیرہ ناکمل انسان کی صورت میں دیکھتا ہے۔ چوتھے مقام میں جب نفس مطمئنہ ہو جاتا ہے تو ایسا سالک خواب یا مراقبے کے اندر اپنے نفس کو خوب صورت، تندرست، امیر کبیر، قاضی یا حاکم یا کسی بزرگ صالح آدمی کی صورت میں دیکھتا ہے۔ اور مکانات میں سے کچہری، مسجد، خانقاہ، بیت اللہ، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ وغیرہ دیکھتا ہے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اہل نفس امارہ ہمیشہ خواب میں سوّر، کتے اور گدھے وغیرہ دیکھتا رہتا ہے۔ یا اہل نفس مطمئنہ ہمیشہ اچھی چیزیں دیکھا کرے۔ بلکہ ہمارے اس بیان کا مدعا یہ ہے کہ اگر باطن میں خواب یا مراقبے کے اندر کسی کو اپنی باطنی مثالی صورت دکھانی منظور ہوتی ہے تو وہ خاص خاص حالتوں میں اپنے نفس کو اصلی مثالی صورت میں دیکھ لیتا ہے۔ ورنہ عوام جہلا اور اللہ تعالیٰ سے غافل لوگوں کو نہ اپنے باطنی امراض کا احساس ہوتا ہے۔ اور نہ انہیں دیکھ سکتے ہیں۔ اور اکثر یہ مثالی صورتیں کسی آئینے کے اندر نظر آتی ہیں۔ اور خاص کر اس وقت دکھائی جاتی ہیں جب کہ انسان ان کی اصلاح اور تزکیئے میں مشغول ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز نفل، نوافل کے ذریعے نفس امارہ کے تزکیے میں لگ گیا ہے۔ تو وہ اپنے نفس کو اغلباً اس طرح دیکھے گا کہ وہ مسجد میں داخل ہو گیا ہے۔ اور وہاں پر کتا یا گدھا وغیرہ کھڑا ہے۔ یا نماز پڑھ رہا ہے مگر ناپاک جگہ اور مکان میں پڑھ رہا ہے۔ یا اگر کوئی شخص قرآن کی تلاوت سے تزکیۂ نفس کرنا چاہتا ہے تو وہ ایسی جگہ میں اپنے نفس کی مثالی صورت دیکھے گا۔ جہاں قرآن پڑھا جا رہا ہو گا۔ یا اگر کسی نے مرشد مربی پکڑا ہے۔ یا وہ خواب یا مراقبے کے اندر اپنے نفس کی مثالی صورت کو اپنے مرشد کی حضوری میں دیکھے گا تو گویا مذکورہ بالا شخصوں نے اپنے نفس کی مثالی صورت کو نماز، قرآن اور مرشد کے مختلف آئینوں کے اندر دیکھ لیا ہے و علیٰ ہٰذا القیاس۔ لطیفۂ نفس سے اعلیٰ اور ارفع شخصیت باطنی لطیفۂ قلب یعنی دل کے لطیفے کی ہے۔ یہ لطیفہ اپنے اندر بہت بڑی وسعت، عظمت، قدرت اور حکمت رکھتا

ہے۔ جس طرح جسد عنصری کا مغز اور جوہر حیات لطیفۂ نفس ہے۔ اسی طرح نفس کا اصلی مغز اور جوہر حیات لطیفۂ قلب ہے۔ سالک کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور مرشد کامل کے فیض سے جب یہ لطیفہ زندہ ہو جاتا ہے تو سالک عالم ناسوت سے نکل کر عالم ملکوت میں قدم رکھتا ہے۔ عالم ملکوت عالم ناسوت کی نسبت اس قدر وسیع اور فراخ ہے جتنا ہمارا یہ تمام مادی جہان ماں کے رحم کے مقابلے میں طویل اور عریض ہے۔ غرض ماں کے رحم کو اس مادی جہان سے جو نسبت ہے وہی نسبت اس مادی جہان کو عالم ناسوت سے ہے۔ اور وہی نسبت عالم ناسوت کو عالم ملکوت سے ہے۔ غرض لطیفۂ قلب کا عالم ملکوت ہے۔ اس عالم میں اس کے ساتھ فرشتے اور اہل قلب ارواح طیبہ بھی رہتے ہیں۔ مقام اس کا طریقت ہے۔ یعنی شریعت میں تو طالب محض اہل گفت وشنید اور صاحب قیل و قال ہوتا ہے۔ یعنی اپنے مطلوب اور محبوب حقیقی کی صفات اور حالات کے صرف ذکر اور بیان پر اکتفا کرتا ہے۔ اور انہیں سن سن کر فردا بعد از موت وعدۂ وصل و ملاقات پر خوش ہوتا ہے۔ اور اس کے انعام و اکرام جنت، حور و قصور کے ذکر اذکار سے دل کو تسلی دیتا ہے اور اس کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے۔ لیکن طریقت میں سالک اسی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے لگتا ہے۔ یعنی اہل شریعت اہل شنید ہوتا ہے اور اہل طریقت اہل رسید ہوتا ہے۔ اس کی سیر اور چال للہ ہوتی ہے۔ یعنی وہ جو کچھ کرتا ہے اللہ کے لئے کرتا ہے۔ اور اس کی چال میں بجائے ظاہری بدنی اعمال کے وہ دل کی نیت اور حضور دل سے کام لیتا ہے۔ طریقت میں دل کی نیت اور حضور قلب کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کا حال میل نے محبت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس لطیفے کے نور کا رنگ زرد ہے اور ذکر اس کا لا الہ الا اللہ ہے اور اسم تصور اس کا للہ ہے۔ جس وقت سالک کا لطیفۂ قلب زندہ ہو جاتا ہے تو وہ نفس کے بیضۂ ناسوتی کو توڑ کر عنقائے قاف قدس کی طرح عالم ملکوت میں اللہ تعالیٰ کے کنگرۂ عرش معلے میں اپنا آشیانہ بنالیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر فکر، اس

کی تسبیح وتہلیل اورتلاوت، اطاعت، عبادت اور نیک اعمال کا نور اس کی غذا بن جاتی ہے۔ اور اسی سے اسے قوت اور قوت ملتی رہتی ہے۔ خواب و بیداری اور بھوک و سیری اس کے لئے ایک ہو جاتی ہے۔ اس مقام طریقت میں سالک سے کشف و کرامات صادر ہوتے ہیں اور خلقت کی رجوعات ہوجایا کرتی ہے۔ طالب کو چاہیئے کہ اس مقام میں اپنے آپ کو چھپائے رکھے اور خودفروش نہ بنے۔ ورنہ آگے سلوک میں عروج اور ترقی سے رہ جاتا ہے۔ اس مقام میں سالک فرشتوں سے ملاقی ہوتا ہے۔ کراماً کاتبین کو وقتاً فوقتاً اپنے پاس آتے جاتے دیکھتا ہے۔ اور وہ اسے نیکی اور بدی کا الہام اور اعلام کرتے ہیں۔ جب کبھی اس کے گھر یا محلے یا شہر میں کوئی شخص قضائے الٰہی سے مرنے لگتا ہے تو وہ ملک الموت کو بمعہ اپنے دیگر اعوان و مددگار ملائکہ کے آسمان سے اترتے اور روح قبض کرتے اور روح کو آسمان کی طرف لے جاتے دیکھتا ہے۔ جس کے ذریعے وہ روح کی سعادت اور شقاوت کو بھی معلوم کرلیتا ہے۔ وہ گاہے گاہے ذکر اذکار اور تلاوت قرآن کے وقت فرشتوں کو مختلف اشکال میں آسمان سے اترتے دیکھتا ہے۔ وہ ملائکہ سے مصافحہ اور ملاقات کرتا ہے۔ اور وہ زندہ دل آدمی کے ذکر اور تلاوت کے زائد نور سے غذا اور وظیفہ حاصل کرتے ہیں۔ اور اس کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔ فرشتے اس مقام میں سالک کو اپنی باطنی بشارتوں اور روحانی اشارتوں سے دن رات خوش کیا کرتے ہیں۔ جس سے اس کے دل کو تسکین ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

ان الذین قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل علیهم الملائکة ان لا تخافوا ولا تحزنوا و ابشروا بالجنة التی کنتم توعدون.

ترجمہ۔ وہ لوگ جنہوں نے عہد کرلیا کہ ہمارا معبود اور مقصود اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس بات پر ثابت قدم رہے۔ ہم ان پر اپنے فرشتے نازل کرتے ہیں جو انہیں بشارت اور خوشخبری دیتے ہیں کہ تمہیں مطلق آخرت کا خوف اور غم نہیں کرنا چاہیئے۔

اور اس بہشت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔خوشی مناؤ۔ جس وقت سالک کا
دل ذکر اللہ سے زندہ ہو جاتا ہے۔اور اس کی آنکھیں نور حق سے روشن ہو جاتی
ہیں۔تو اس کی بینائی میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ما کذب الفواد
ما رائ۔یعنی دل جس چیز کو باطن میں دیکھتا ہے اس میں کبھی جھوٹا ثابت نہیں ہوتا۔
دل جس کو عرش اللہ سے تعبیر دی جاتی ہے اپنے اندر ایک بہت وسیع عالم کو لئے
ہوئے ہے۔نفسانی لوگ دل کی عظمت اور وسعت کو کیا جانیں۔ جو دل کو ایک
گوشت کا جامد لوتھڑا سمجھتے ہیں۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدم علیہ السلام جس
وقت پیدا ہوئے تو ان کا سر عرش سے ٹکراتا تھا۔پھر جبرئیل علیہ السلام نے ایک مٹھی
بھر مٹی ان پر ڈال دی تو آپ نے موجودہ خاکی صورت اختیار کر لی۔غرض یہ بھی
لطیفۂ قلب کی باطنی شخصیت کی طرف اشارہ ہے۔اور ایک دوسری حدیث میں آیا
ہے کہ جب کوئی مومن ذکر اللہ کرتے کرتے سو جاتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ اس کے ذکر
سے عرش معلےٰ کے نیچے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کے ستر ہزار سر ہوتے ہیں۔اور
ہر سر میں ستر ہزار زبانیں ہوتی ہیں اور وہ پرندہ ہر زبان سے اس ذاکر کی طرح اللہ
تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔اور اس ذکر کا ثواب اس ذاکر مومن کو پہنچتا ہے۔اس سے بھی
یہی مراد ہے کہ جب کوئی ذاکر زبان سے ذکر کرتے کرتے سو جاتا ہے یا مراقبہ کرتا
ہے تو کثرت ذکر سے حواس اس ذکر کو قلب کے باطنی لطیفے تک پہنچا دیتے ہیں۔اور
ذکر نفس سے دل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔اور زبان بمع دیگر حواس کے نیند اور
مراقبے کے وقت چونکہ ذکر سے معطل اور موقوف ہو جاتے ہیں۔لہذا سالک کے
دل کا باطنی لطیفہ اس ذکر کو خواب اور مراقبے کے اندر فوراً اختیار کر لیتا ہے۔اور دل
ذکر اللہ سے گویا ہو جاتا ہے۔سو اس حدیث میں عرش کے نیچے جس پرندے کی
طرف اشارہ ہے اس سے مراد لطیفہ روح ہے۔جب دل کا یہ باطنی لطیفہ ایک دفعہ
کہے یا اللہ تو ظاہری زبان کے ستر ہزار بار اللہ کہنے کے برابر درجہ اور ثواب رکھتا

ہے۔اور اسی طرح اگر لطیفۂ روح ایک دفعہ کہے یا اللہ تو وہ ستر ہزار دفعہ لطیفۂ دل کے اللہ کہنے کے برابر درجہ اور ثواب رکھتا ہے۔ اس حدیث میں روح کو ایسے پرندے سے تشبیہ دی گئی ہے جس کے ستر ہزار سر ہیں۔اور ہر سر میں ستر ہزار زبانیں ہیں۔سو روح کے اس مرغ لاہوتی کے ذکر کی صحیح مقدار کا اندازہ ظاہری زبان کے مقابلے میں کس خوبی سے اس حدیث کے اندر دکھایا گیا ہے۔ کہ یہ مرغ ہزار داستان ظاہری زبان کے مقابلے میں ستر ہزار زبان سے ذکر کرتا ہے۔یعنی مادی زبان کے مقابلے میں لطیفۂ قلب کے ذکر کا درجہ اور ثواب ستر ہزار گنا ہے۔اور لطیفۂ قلب کی زبان کی نسبت لطیفۂ روح کے ذکر کا درجہ ستر ہزار گنا ہے۔غور کا مقام ہے کہ ظاہری ذکر اور قلب اور روح کے ذکر کے درمیان کس طرح اس حدیث میں نسبت قائم کی گئی ہے۔بعض کور چشم نفسانی لوگ آیات اور احادیث کے اندر اس قسم کے استعاروں اور مثالوں کو مبالغے اور ڈھکوسلے خیال کرتے ہیں۔اور ان پر تمسخر اور استہزا کرتے ہیں۔اللہ اور اس کے رسولؐ کے پاک اور جامع کلام حق نظام کو بھلا مادی عقل والے کیا جانیں۔جس سعادت مند کو اس آب حیات کا ایک قطرہ نصیب ہوا۔وہ عمر بھر اس کے اشتیاق میں روتا رہتا ہے۔

یا رب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں
یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

اس قسم کی ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی مومن ذکر کرتے کرتے سو

الٰہی! محبت بھی کس قسم کا چشمہ ہے کہ میں نے اس میں سے ایک قطرہ پیا اور دریا کے برابر رونا پڑا۔

جاتا ہے۔تو عرش کے نیچے ایک ستون ہے وہ ہلتا اور حرکت کرتا ہے۔جس سے اللہ تعالیٰ کے عرش اعظم کو جنبش ہوتی ہے۔اور اللہ تعالیٰ تک اس ذاکر کی فریاد اور ندا پہنچ جاتی ہے۔اور اس کی دعا اور التجا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ مقدس میں قبول ہو جاتی

ہے۔ سو اس ستون سے بھی دل کا نوری ستون مراد ہے۔ جس کا ایک مکانی اور مادی سرا انسان کے اندر لگا ہوا ہے۔ اور دوسرا باطنی سرا عرش معلےٰ سے ٹکراتا ہے۔ غرض جب لطیفۂ نفس کا تخم باطنی سرسبز ہو کر لطیفۂ قلب کا شجرۃ النور بن جاتا ہے تو وہ تخم نفس کے مانند ستر ہزار کیا بلکہ بے شمار پھل ایک ہی فصل میں لاتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے انس کی نسیم دل کے شجر طیبہ پر چلتی ہے تو شجر دل کا ہر پتہ، پھول اور پھل اس سے حرکت میں آتے ہیں۔ اور ذکر اللہ سے گویا ہو جاتے ہیں۔

دل ایک بہت وسیع اور عظمت والی چیز ہے۔ جس وقت دل ذکر سے حرکت میں آتا ہے۔ اور ذکر سے گویا ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے عرش معلےٰ کو اس سے جنبش اور حرکت ہوتی ہے۔ اور حاملان عرش و سکان عرش غرض عرش معلےٰ کے سب فرشتے حیرت میں آ جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس بندے کی بابت فرشتوں کے سامنے فخر و مباہات کے طور پر فرماتے ہیں کہ آؤ۔ اے ملائکہ! میرے خاکی بندے کے ذکر کی شان اور عظمت کا نظارہ کرو۔ یہ بھی میرے ان خاکی پتلوں میں سے ایک ہے۔ جن کی پیدائش کے وقت تم نے بطور اعتراض کہا تھا کہ ان کی پیدائش کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تیری حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس کے لئے کافی ہیں۔ اس وقت اہل آسمان رشک سے کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی اس طرح خاکی انسان ہو کر اللہ تعالیٰ کو اس طرح یاد کرتے۔

آسماں سجدہ کند پیش ز مینے کہ برو
یک دو کس یک دو زماں بہر خدا بنشیند

دل محض گوشت کا یہ گاؤ دم لوتھڑا نہیں ہے۔ جو سینے کے اندر بائیں طرف لٹک رہا

آسمان اس زمین کے آگے سربسجود ہوتا ہے کہ جس پر ایک دو اللہ والے رضائے الٰہی کی خاطر چند لمحے بیٹھے ہوں۔

ہے۔ اور خون کو بدن میں دم بدم دھکیلتا اور بھیجتا ہے۔ یا تو عالم شہادت میں اس

نوری غیبی لطیفۂ قلب کا ایک مادی مسکن ہے۔جس طرح تمام عنصری وجود کی زندگی اس دل کے لوتھڑے اور اس کے فعل وعمل پر انحصار ہے۔اسی طرح باطنی وجود کا اس نوری قندیل پر انحصار ہے۔جس کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری۔ اگر تمام روئے زمین کے لوگوں کے بدنی اعمال کو یکجا کیا جائے۔تو وہ ذاکرِ قلبی کے ایک دفعہ کے ذکر کے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔اس واسطے کہا گیا ہے۔ تفکر ساعۃ خیر من عبادہ الثقلین۔یعنی ذاکرِ قلبی کے ایک دم کا صحیح فکر تمام جن وانس کی عبادت سے بہتر ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

ترجمہ۔اپنے دل کو حاصل کر کیونکہ یہی حج اکبر ہے۔اور ہزاروں کعبوں سے ایک دل بہتر ہے۔

یہ ہمارے پیرو پیشوا اور روحانی مربی حضرت سلطان العارفین قدس سرہ العزیز کا ارشادِ گرامی ہے کہ اگر دل ایک دفعہ کہے یا اللہ تو اس کا ثواب ظاہری زبان سے ستر ہزار دفعہ ختم قرآن شریف کے برابر ہے۔اور دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر لطیفۂ روح ایک دفعہ کہے یا اللہ تو ستر ہزار دفعہ لطیفۂ قلب کے یا اللہ کہنے کے برابر درجہ رکھتا ہے۔اس کی مزید توجیہہ اور فلاسفی یہ ہے کہ تمام قرآن مجید کا نور اسم اللہ ذات میں اس طرح مندرج ہے جس طرح پھل کے اندر درخت ہوتا ہے۔ سو ظاہر زبان سے ستر ہزار دفعہ ختم قرآن شریف یا ستر ہزار دفعہ یا اللہ کہنے کے ایک ہی معنی ہوئے۔دوسری توجیہہ یہ ہے کہ انسان کے وجود میں لطیفۂ دل اس طرح جاری اور ساری ہے کہ جس طرح دودھ کے اندر مکھن ہے۔اور جس طرح مکھن کے ذرات دودھ کے ہر ذرے کے اندر موجود ہیں۔اس طرح لطیفہ دل

انسانی وجود کے رگ وریشے، خون، گوشت اور مغز میں شامل اور محیط ہے جب ذاکر کا دل ذکر اللہ سے گویا ہو جاتا ہے۔ اور وہ ذکر کبھی تمام بدن میں سرایت کر جاتا ہے تو بدن کا ذرہ ذرہ ذاکر کے جسم پر ہر بال حرکت میں آ کر صاف طور پر حروف اور بلند صوت سے جہراً اللہ اللہ پکارنے لگ جاتا ہے۔ جسے ذاکر ہوش اور بیداری کی حالت میں کانوں سے سنتا ہے۔ خواب وخیال اور وہم وگمان کو اس میں مطلق دخل نہیں ہوتا۔ اس لئے ذکر قلبی میں وجود کے تمام اعضاء اور ذرات اور بالوں کی شمولیت کے سبب یہ ذکر ظاہری زبان کے ذکر سے درجے اور ثواب میں ستر ہزار گنا ہوتا ہے۔

ناظرین کے مزید اطمینان خاطر کے لئے یہ فقیر اپنا واقعہ بیان کرتا ہے۔ اور یہ بھی عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ عرفان کے پہلے ایڈیشن میں اس فقیرؔ نے اپنے چند ایک روحانی واقعات اور غیبی مشاہدات ڈرتے ڈرتے درج کتاب کئے تھے۔ کہ مبادا لوگ اسے میری خودنمائی پر محمول نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ شاہد حال ہے کہ میں اس معاملے میں نہ جھوٹا ہوں اور نہ فریبی اور نہ فریب خوردہ ہوں۔ بلکہ یہاں محض اس غرض سے تھوڑے سے اپنے سابق واقعات اور کچھ عینی مشاہدات اس کتاب میں بطور مشتے نمونہ از خروارے بیان کر رہا ہوں کہ شاید ان کا مطالعہ ناظرین کے لئے موجب ازدیاد یقین اور باعث اطمینان خاطر ہو۔

اس فقیرؔ کا پہلے پہل جب ذکر قلبی جاری ہوا۔ تو اس کی کیفیت یوں تھی کہ یہ فقیرؔ تصور اسم اللہ میں ایک دن مصروف تھا کہ یکایک ذکر کی ایک گونہ غیبی عظمت اور ہیبت اس فقیرؔ پر طاری ہوگئی۔ اس مستولی عظمت اور ہیبت کے اندر اس فقیر کو تام استغراق اور مکمل غیبت حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ میرے جسم کے تمام بال اپنی جڑ کے اردگرد چمڑے کے ساتھ ساتھ اس طرح حرکت کر رہے کہ اور چکر کاٹ رہے ہیں جس طرح سخت آندھی اور تند طوفان باد کے وقت زمین پر اگی

ہوئی گھاس کی حالت ہوا کرتی ہے۔ اور ساتھ ہی ہر ہر بال بلند آواز اور صاف و صریح صوت کے ساتھ جہراً اللہ ھو اللہ ھو پکار رہے ہیں۔ میں پوری بیداری اور مکمل ہوش کی حالت میں اپنے جسم کے تمام بالوں کی ذوق تجلّے کے وقت یہ عجیب وغریب حرکت اور فطرتی رقص دیکھ رہا تھا۔ اور اپنے کانوں سے ان کے ذکر کا نہایت پرلطف غیر معمولی شور وغل سن رہا تھا۔ خواب وخیال اور وہم وگمان کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا بلکہ ذکر قلبی اور سلطانی ذکر کی یہ ایک ٹھوس حقیقت تھی جو اس فقیرؒ نے اپنے کانوں سے سنی اور اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اس کی حقیقی لذت اور اصلی کیفیت کا اندازہ حیطۂ تحریر اور دائرۂ تقریر سے بالکل باہر ہے۔ ظاہری عقل اور مادی دماغ اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

ذوق ایں بادہ نیابی بخدا تا نچشی

ترجمہ۔ خدا کی قسم اس شراب کی لذت تو اس وقت تک نہیں پا سکے گا جب تک کہ اسے چکھ نہ لے۔

غرض قلب کو اگر قلزم توحید کہیں تو بجا ہے۔ اور اگر قاف قدس کہیں تو روا ہے۔ کیونکہ لطف الٰہی سے جب لطیفۂ قلب زندہ ہو جاتا ہے۔ اور اپنی غیبی اور نوری عظمت کے ساتھ متجلی ہو کر ذکر اللہ سے گویا ہو جاتا ہے۔ تو فرشتے عش عش کرنے لگ جاتے ہیں اور ذاکر قلبی کو اس قدر عظمت اور وسعت حاصل ہو جاتی ہے کہ چودہ طبق اسے رائی کے دانے کے برابر نظر آتے ہیں۔

چرخ است حلقۂ در دولت سرائے دل
عرش است پردۂ حرم کبریائے دل
دل آنچناں کہ ہست اگر جلوہ گر شود
نہ اطلس سپہر بگرد قبائے دل
گرگے کہ زیر پوست بخون تو تشنہ است

یوسف شود ذ پر تو نور صفائے دل

ما خود چہ ذرہ ایم کہ نہ محمل سپہر

رقص الجمل کنند ز بانگ درائے دل

دست اس کتاب خانہ افرنگیاں بشو

صد شہر عقل گرد سر روستائے دل

ترجمہ۔ (۱) آسمان دل کے دولت سرائے کا ایک حلقہ یعنی کنڈی ہے۔ اور عرش دل کے حرم سرائے کا ایک پردہ ہے۔

۲۔ دل اگر اپنی اصلی حالت میں جلوہ گر ہو جائے تو آسمان کے نو اطلس اس کی قبا (کوٹ) پر لپٹ جائیں۔

۳۔ وہ بھیڑیا (نفس) جو اندرونی طور پر تیرے خون کا پیاسا ہے۔ دل کے مصفا نور کے عکس سے یوسف بن جائے گا۔

۴۔ ہم خود تو ایک ذرہ کے برابر ہیں۔ آسمان کے نو کجاوے بھی دل کی گھنٹی کی آواز پر ناچتے ہیں۔

۵۔ انگریزوں کے کتب خانہ سے ہاتھ دھو ڈال یعنی اس سے کچھ دانائی کی امید نہ رکھ۔ عقل کے سینکڑوں شہر دل کے دہقان پر قربان جائیں۔

یاد رہے کہ آنکھوں کا ذکر یعنی تصور اسم اللہ ذات افضل الاذکار ہے۔ اور اسی پر سارے سلوک اور معرفت کا دارومدار ہے۔ کیونکہ مخلوق کی پیدائش اور آفرینش کا مقصد اور زندگی کی اصلی غرض و غایت محض اللہ تعالٰی کی عبادت، معرفت، قرب اور دیدار ہے۔ وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون. ای لیعرفون۔ کیونکہ عبادت کا مقصد اور غرض معرفت ہے۔

حدیث. ما عبدنا ک حق عبادتک وما عرفناک حق معرفتک.

حدیث قدسی. کنت کنزا مخفیا فاردت ان اعرف فخلقت الخلق.

ترجمہ۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا۔سو میں نے ارادہ کیا کہ میں پہچانا جاؤں۔پس میں نے اپنی پہچان کے لئے مخلوق کو پیدا کیا۔سو انسان کی پیدائش اور آفرینش کی اصلی غرض اور غایت اللہ کی معرفت اور پہچان ٹھہری۔اور کسی چیز کی معرفت اور پہچان کا سب سے عمدہ اور صحیح آلہ اور ذریعہ آنکھ اور بصارت ہے۔ اور دیکھنے سے کسی چیز کی پوری پہچان ہو جایا کرتی ہے۔دیگر حواس اور اعضاء شناخت کے ناقص اور کمزور آلے ہیں۔اس لئے آنکھ کا ذکر سب اذکار سے افضل اعلیٰ اور اقرب الی اللہ ہے۔ذکر عین عین الاذکار ہے۔اور صرف یہی ذریعہ معرفت اور وسیلۂ دیدار پروردگار ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو اکثر ذکر یا بصائر (آنکھوں) سے تعبیر کیا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ قد جآءکم بصائر من ربکم۔ قولہ تعالیٰ۔ ھذا بصآئر للناس۔ یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا ذکر تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بمنزلہ آنکھوں کے ہے۔اور ذکر سے اعراض کو اندھاپن قرار دیا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمیٰ۔ پس معلوم ہوا کہ ذکر عین عین ہے۔سو باطنی آنکھ یعنی تصور اور تفکر سے اسم اللہ ذات کو اپنے اندر نقش اور مرقوم کرنے سے ذکر انسان کے اصلی مغز اور باطنی شخصیت پر اثر پذیر ہو کر اسے زندہ اور بیدار کرتا ہے۔اور اس طرح گویا ذکر اپنے حقیقی مقام پر مذکور ہوتا ہے۔اور دوسرے طریقوں پر ذکر کرنے سے ذاکر اپنے اصلی مقصد اور حقیقی غرض سے بہت دور ہوتا ہے۔غرض ذکر کا اصلی مقصد باطنی آنکھیں پیدا کرنا ہے۔اور جب سالک کی باطنی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو اس کی معرفت صحیح ہو جاتی ہے۔اور وہ عارف کامل ہو جاتا ہے۔دیگر حواس والوں پر ہاتھی اور اندھوں والا قصہ صادق آتا ہے۔مثل مشہور ہے کہ ایک جگہ چند اندھے بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں وہاں ایک ہاتھی آ نکلا۔ان اندھوں کو ہاتھی کی شناخت کا اشتیاق پیدا ہوا۔چنانچہ سب اندھے ہاتھی کے اردگرد جمع ہو کر اسے ٹٹولنے لگے۔ان میں سے جس اندھے کا ہاتھ ہاتھی کی کمر پر جا

لگا۔وہ پکار اٹھا کہ ہاتھی تو ایک دیوار کی مانند ہے۔دوسرا ہاتھی کی ٹانگ پر ہاتھ رکھ کر پکارا کہ نہیں تم غلط کہتے ہو۔کہ ہاتھی تو ستون اور تھم کی طرح ہے۔تیسرے نے ہاتھی کا کان چھوکر کہا کہ نہیں تم دونوں غلط بتارہے ہو۔ہاتھی ایک بڑے پنکھے سے مشابہ ہے۔غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ہر ایک اندھے نے اپنی ناقص پہچان کے سبب ایک غلط رائے قائم کرکے دوسرے اندھوں کو جھٹلایا۔اور ہاتھی کی شناخت ایک جھگڑے اور نزاع کی صورت اختیار کرگئی۔بعینہ اسی طرح دنیا کے تمام باطل ادیان کے حق سے اعراض اور غفلت کی اصلی وجہ باطنی کورچشمی ہے۔قولہ تعالی۔من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی یعنی جو اس دنیا میں اندھا ہے۔وہ آخرت میں اندھا اٹھے گا۔

ہر کہ زشت است ہماں زشت عقبی خیزد
کور از خواب محال است کہ بینا خیزد

قولہ تعالیٰ. جانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور.

ترجمہ۔کیونکہ غفلت سے ظاہر آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں۔بلکہ وہ دل جو سینے کے اندر موجود ہے اندھا ہو جاتا ہے۔

جنگ ہفتا دو دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ا۔جو اس دنیا میں بدعمل ہے وہ آخرت میں بھی بدانجام اٹھے گا۔یہ ناممکن ہے کہ اندھا خواب سے بینا ہو کر اٹھے۔ ۲۔بہتر (۷۲) فرقوں کو اپنی جنگ اختلاف میں معذور سمجھ۔کیونکہ انہوں نے چہرۂ حقیقت دیکھا ہی نہیں۔تو انہوں نے افسانہ طرازی کی راہ اختیار کی۔

تمام دین کی اصل مراد اور قرآن کے نزول کی حقیقی غرض اور مذہب کا اصلی منشاء

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور شناخت ہے۔ اور معرفت کا اصلی آلہ اور ذریعہ باطنی آنکھ ہے۔ جس کی بینائی، روشنی اور نور ذکر اللہ ہے۔ اور تمام اذکار کا جامع ذکر اسم اللہ ذات ہے اور ذکر کا اعلیٰ اور اصلی مقام آنکھ ہے۔ اور اس کا بہترین طریقہ اسم اللہ ذات کو تصور اور تفکر سے اپنے اندر نقش اور مرقوم کرنا ہے۔ اس کے علاوہ باقی جس قدر دینی اعمال اور مذہبی اشغال ہیں۔ اس سے کم تر اور ادنیٰ درجے کے ہیں۔ اور ان اشغال میں سالک کو کوئی نہ کوئی رجعت اور رکاوٹ لاحق ہو جاتی ہے۔

قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون.

انشراح صدر اور دل کی زندگی اور اللہ تعالیٰ کے قرب، مشاہدہ، وصل اور دیدار کا راستہ بغیر تصور اسم اللہ ذات کے ہرگز نہیں کھلتا۔ اگرچہ طالب تمام عمر سخت ریاضت اور مجاہدہ کرتا پھرے۔ اور مشقت سے بال کی طرح باریک ہو جائے۔ لیکن دل ویسا مردہ اور تاریک رہتا ہے۔ کیونکہ ظاہری عبادت اور جسمانی اعمال سے نفس کا تزکیہ تو ہو جاتا ہے لیکن دل کی زندگی کا راستہ ہی اور ہے اور اس کا الگ طور ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہم کیونکر جانیں کہ اسم اللہ ہی ذاتی اسم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے باقی سب اسماء صفاتی ہیں۔ اور یہ اسم سب اسماء کا جامع اور اسم اعظم ہے۔ اس اسم کی اہمیت، جامعیت اور ذاتیت تو ہم پیچھے بہت کچھ بیان کر آئے ہیں۔ اب ہم اس کی لفظی جامعیت، اہمیت اور ذاتیت کو مشتے نمونہ از خروارے بیان کرتے ہیں۔ تا کہ ناظرین کے لئے باعث تسکین خاطر ہو۔ جب ہم لفظ اللہ کے تلفظ کی طرف خیال کرتے ہیں تو یہ چار حروف ا، ل، ل، اور ہ سے مرکب ہے۔ اور اگر اس کا پہلا حرف الف دور کر دیا جائے تو تین حروف ل، ل اور ہ رہ جاتا ہے۔ اور اس کے معنی نہیں بگڑتے۔ بلکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے واسطے اور ذریعے کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اگر اس کا دوسرا حرف لام دور کر دیں تو لفظ لہ رہ جاتا ہے جو ضمیر اسم اللہ ذات کی نسبت پر دال ہے۔ اور اگر دوسرا لام دور کر دیا جائے تو ھو رہ جاتا

ہے۔ جس میں ذات کی طرف اشارہ ہے۔ غرض ہر حالت میں یہ اسم غیر متبدل اور قائم بالمعنی رہتا ہے۔ اور اس کی چاروں حالتیں اللہ۔ للہ۔ لہ۔ ھو بذات خود اسماء العظام ہیں۔ اور ہر ایک اسم سلوک چاروں مقامات شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت اور چاروں عوالم ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت کے کشف اور طے کے لئے بمنزلہ کلید اور کنجی کے ہے۔ اور ان چاروں اسماء کے ذکر اور تصور سے سالک جملہ حجابات اور منازل و مقامات سے گذر کر اللہ تعالیٰ سے یکتا ہو جاتا ہے۔

چار بو دم سہ شدم اکنوں دوم

از دوئی بگذشتم و یکتا شدم

سو سوائے اس اسم کے یہ بات اور کسی اسم میں نہیں پائی جاتی۔ یعنی اس کے ہر حرف کے علیحدہ کرنے سے اس کی الوہیت کے معنی نہیں بگڑتے۔ اور ہر حرف کے الگ کرنے سے اس کی ایک علیحدہ صفت سلوک کے ایک خاص مقام کے لئے مخصوص رہتی ہے۔ یعنی اس اللہ لطیفۂ نفس کے لئے مخصوص ہے۔ اور اس کا عالم ناسوت، مقام شریعت اور سیر الی اللہ ہے۔ دوم اسم للہ لطیفہ قلب کے لئے مخصوص ہے اور مقام اس کا طریقت عالم ملکوت اور سیر للہ ہے۔ سوم اسم لہ کا لطیفہ روح ہے اور مقام حقیقت، عالم اس کا جبروت اور سیر علی اللہ ہے۔ چوتھا اسم ھو ہے جس کا لطیفہ سِرّ ہے اور مقام اس کا معرفت اور عالم لاہوت اور سیر مع اللہ ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

اس فن کے ماہرین اور مشائخین متقدمین نے سلوک باطنی کے سات لطائف قائم کئے ہیں۔ اور ہر لطیفے کا علیحدہ عالم، الگ مقام، جدا حال اور مختلف ذکر وغیرہ مقرر کئے ہیں۔ ذیل میں ہم وہ نقشہ درج کرتے ہیں:۔

(نقشہ مذکورہ صفحہ نمبر ۲۰۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

اور نیز اگر اسی اسم اللہ کے بیچ میں سے ایک لام کو علیحدہ کر دیا جائے تو الہ رہ جاتا ہے۔ اور یہ بھی اسم الٰہی ہے۔ اور اس اسم کی مختلف شکلیں اور اجزاء حال، لاہ سب

مختلف زبانوں اور زمانوں مین اسماء الٰہی رہے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عیسے علیہ السلام کی نسبت کتب سابقہ میں مذکور ہے کہ آپ کے صلیب پر آخری الفاظ یہ تھے اھلی اھلی ما سبقتنی ۔ یعنی اے اللہ! اے اللہ! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ چنانچہ اس زمانے میں لفظ اھل اللہ کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ اور اس کے تینوں حروف الف لام اور ہ کے اسرار کو اگر تفصیل وار بیان کیا جائے تو ایک الگ دفتر درکار ہوگا۔ غرض اس کے الف میں ہزار اسرار ہیں۔ اور اس کے لام میں آلم اور کتاب لاریب اور عالم غیب کے انوار ہیں۔ اور ھ میں ہویت ذات اور ہدایت قرب دیدار ہے۔ دوسری وجہ اس کے ذاتی اسم ہونے کی یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کا ہر اسم کسی خاص صفت سے موصوف ہے۔ اور ہر اسم کسی خاص صفت پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے سوا دوسری صفت کی اس میں کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ ہر اسم سے اسی خاص صفت کی دعا کی جاتی ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ یا رحیم مجھ پر رحم کر۔ یا اے رزاق مجھے رزق دے۔ یا اے معز مجھے عزت دے۔ یا اے غفار مجھے بخش دے۔ یا اے علیم مجھے علم عطا کر وغیرہ۔ اور کبھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ اے علیم مجھے رزق دے۔ یا اے رزاق مجھے علم دے۔ مگر اسم اللہ جملہ صفات الٰہی کا جامع ہے۔ اور ہر صفت پر دال ہے اور اللہ تعالٰی کی ہر صفت کی اعانت اس کے ذریعے طلب کی جاسکتی ہے۔ قولہ تعالٰی۔

و اللہ المستعان علی ما تصفون.

یعنی اللہ سے ہر قسم کی استعانت جس سے تم اسے موصوف کرو، طلب کی جاسکتی ہے۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اے اللہ مجھے علم دے۔ اے اللہ مجھے رزق عطا کر۔ اے اللہ مجھے بخش دے وغیرہ۔ اور قرآن مجید میں یہ اسم ہر صفاتی اسم کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ آیا ہے۔

ان اللہ غفور الرحیم ان اللہ عزیز حکیم. و اللہ سمیع علیم . ھو

الله الخالق البارئ المصور ان الله سمیع بصیر.

یعنی اسم اللہ ذات فرداً فرداً بھی ہر صفت کا حامل ہے۔اور مجموعی طور پر مختلف اسمآء کا بھی مظہر ہے۔اور یہ اس کے ذاتی ہونے کی بین دلیل ہے۔سوم دلیل یہ ہے کہ عرب لوگ ہر اسم کا اشتقاق کرتے ہیں۔لیکن اس اسم کا اشتقاق نہیں کیا جاتا۔ نہ یہ کسی اسم سے مشتق ہے اور نہ کوئی اسم اس سے مشتق ہے۔چہارم وجہ یہ ہے کہ جملہ اسلامی ارکان کی بنا اسی اسم پر ہے۔چنانچہ اسی اسم کے اقرار سے انسان مسلمان اور اس کی تصدیق سے اہل ایمان ہوتا ہے۔یعنی کلمۂ طیب لا الہ الا اللہ میں اسی اسم پاک کا اقرار اور اثبات ہے۔اور جملہ قرآنی سورتیں اسی اسم یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہوتی ہیں اور ہر کام کے شروع کرنے میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی برکت اسی اسم سے ہے۔اور نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنے میں یہی اسم یاد کیا جاتا ہے۔اور کفار سے جدال اور جہاد کے وقت بھی اللہ اکبر کہہ کر اسی اسم سے استعانت طلب کی جاتی ہے۔اور بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے کان میں یہی اسم پڑھا جاتا ہے۔اور نماز کی اذان میں اسی اسم کی منادی کی جاتی ہے۔اور سورہ فاتحہ، آیت الکرسی اور سورہ اخلاص اور دیگر قرآنی سورتوں کو فضیلت اسی اسم کے طفیل حاصل ہے۔غرض جملہ آیات بینات اور کلمات طیبات کو قدر و منزلت اور عزت اور عظمت اسی اسم کی وجہ سے حاصل ہے اور یہی ذاتی اسم اور اسم اعظم ہے۔

اگلے زمانے کے ہر نبی اور اس کی امت کو ایک صفاتی اسم عطا کیا گیا تھا جو ان کی صفاتی استعداد کے موافق ان کے لئے ذاتی اسم کا حکم رکھتا تھا۔اور وہی اسم ان کے لئے مبداءِ فیوضات و کمالات تھا۔اور اسی اسم کا طے اور کشف انوار ان کا منتہائے معراج تھا۔اور اللہ تعالی ہر نبی اور اس کی امت کے ہر ولی کی طرف دعا اور التجا کے وقت اسی اسم سے متجلی ہوتا تھا۔جس وقت اللہ تعالی نے ہمارے آقائے نامدار

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو آپ ؐ کی فطرف اور طینت کو نور آب حیات ذات سے گوندھا۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ۔

آپ ؐ کو تاج دین مکمل پہنایا اور خلعت اتمام نعمت اور ردائے رضائے ابدی سے سرفراز فرمایا۔ اور آپ ؐ کا نور چونکہ ذاتی تھا۔ اس لئے آپ ؐ کو اور آپ ؐ کی امت کو ذاتی اسم عطا کیا گیا۔ نیز آپ ؐ کی بعثت نے چونکہ سلسلۂ نبوت کو ختم کیا اور آپ ؐ خاتم النبیین ٹھہرے اور آپ ؐ کا دین جملہ ادیان ماضیہ کیلئے اور آپ ؐ کی کتاب جملہ کتب سماویہ کی ناسخ آئی۔ اسی طرح آپ ؐ پر آفتاب اسم اللہ ذات کے ظہور سے تمام نجوم اسماء افعال اور جملہ اقمار اسماء صفات معدوم ومفقود ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف باقی تمام اسماء ادیان ماضیہ کے راستے مسدود ہو گئے حتیٰ کہ وہ زبانیں بھی دنیا سے ناپید اور معدوم کر دی گئیں۔ اور ان تمام اسماء سے دعاؤں اور التجاؤں کے وقت جو قبولیت اور تاثیر ہوا کرتی تھی، وہ یک قلم موقوف ہو گئی۔ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں جس وقت نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا ہے۔ تو اگلے بادشاہوں کے نام کے تمام سکے اسٹامپ اور ٹکٹیں وغیرہ منسوخ ہو جاتی ہیں۔ اور اسی آخری بادشاہ کے نام کے سکے وغیرہ رائج ہو جاتے ہیں۔ گو یہ اسم قدیم زبانوں اور اگلے زمانوں میں بھی اپنی جزی اور بگڑی ہوئی صورت میں موجود تھا۔ اور آفتاب عالم تاب کی طرح افق عدم سے آفاق وجود کو اپنی غیبی کرنوں سے منور کر رہا تھا۔ لیکن اپنی اصلی اور حقیقی صورت میں اس وقت جلوہ گر ہوا اور برق انوار ذات سے منور ہوا جس وقت آپ ؐ کے وجود باجود نے لامکان قدم سے مکان حدوث میں قدم رکھا۔ جیسا کہ ہر زمانے میں خانۂ کعبہ کی زمین ابتدائے آفرینش سے کسی نہ کسی صورت میں مکرم ومعظم چلی آ رہی تھی۔ لیکن آنحضرت صلعم کے زمانے میں اس کا شرف اور تقدس اوج کمال پر پہنچا۔ اسی

طرح دین اور مذہب کا ہر شعبہ آپ ؐ کے عہد میں انتہائے عروج پر پہنچا۔

انسانی وجود کے برتن اور ظرف میں حق تعالیٰ کے انوار میں سے اتنا کچھ آتا ہے جس قدر اس میں وسعت اور استعداد ہوتی ہے۔ لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ تمام انبیاء ماضیہ کی سرشت میں اسماء صفات کی قابلیت اور استعداد تھی۔ اور ان کے انوار صفاتی تھے۔ لہذا انہیں صفاتی اسماء کے انوار اور تجلیات کی برداشت اور طاقت تھی۔ اور وہ ذاتی نور کی برداشت اور تحمل کی استعداد اور توفیق نہیں رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور دیدار اور لقا کے وقت جلوہ گر ہوا کرتا ہے۔ اور جس طرح آفتاب اور سورج کے طلوع کے وقت چاند اور تاروں کی روشنی معدوم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت ذات کے رویئت اور جلوہ لقا کے وقت نجوم اسماء افعال اور اقمار صفات کے انوار گم اور مفقود ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور نبی یا رسول کو دیدار اور رویئت کا مرتبہ حاصل نہیں ہوا اگر چہ بعض نے رویت الٰہی کی آرزو کی بھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی استدعا کے مطابق ان پر تھوڑی سی تجلی ڈالی بھی ہے۔ مگر نور ذات کی تجلی کے وقت ان کے ہوش و حواس تو کیا ان کا وجود بھی قائم نہیں رہ سکا۔ لیکن آنحضرت صلعم کا نور چونکہ ذاتی تھا۔ اور آپ ؐ کی آنکھیں سرمۂ مازاغ کے ذاتی نور سے سرگیں تھیں۔ آپ ؐ نے اسم اللہ ذات کے برق براق پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذاتی جلوے دیکھے۔ اور ذاتی لقاء سے مشرف ہوئے اور صرف آپ ؐ ہی معراج کی رات اسم اللہ ذات کی عینک لگا کر اللہ تعالیٰ کی ذاتی آیات کبریٰ اور ذاتی علوم اور معارف سے مشرف اور ممتاز ہوئے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک جلوۂ صفات

تو عین ذات مے نگری در تبسمی

ترجمہ۔ موسیٰ ایک صفاتی پرتو سے بے ہوش ہو گیا تھا (یا رسول ؐ اللہ) تو بالکل ذات دیکھ رہا ہے۔ اور پھر بھی مسکرا رہا ہے۔

نور اسم اللہ ذات کا ظہور

جس طرح انسان کا بچپن دین فطرت یعنی اسلام کے موافق ہوتا ہے۔ اسی طرح زمانے کا بچپن یعنی پہلا زمانہ مذہب اور روحانیت بہت موافق تھا۔ اسی لئے تمام پیغمبر اس زمانے میں مبعوث ہوئے اور اولیاء اللہ اور روحانی لوگ بکثرت پیدا ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سلف صالحین قدرتی اور فطرتی طور پر مذہب اور روحانیت کے قائل اور اس کی طرف دل و جان سے مائل تھے۔ جوں جوں انسان بڑا ہوتا ہے۔ شیطان اس کی دینی استعداد اور اسلامی فطرت کو بگاڑنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ بلوغ تک اس کو مسخ کر کے رکھ دیتا ہے۔ اسی طرح جوں جوں زمانہ گذرتا گیا۔ شیطان سامری کی طرح سیم وزر کے بچھڑے کو طرح طرح کے زیب و زینت دے کر لوگوں کو اس کے سحر محبت میں مسحور اور محصور کرتا رہا۔ اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور محبت ان کے دل و دماغ سے کافور کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آج زمانہ گو مادی طور پر مہذب اور مزین معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اخلاقی مذہبی اور روحانی لحاظ سے تقریباً مسخ ہو گیا ہے اور حیوانی اور طبعی زندگی بسر کر رہا ہے۔ دین اور مذہب کے فطرتی چیز ہونے کی اس سے زیادہ بین دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ بعض ایسے جہالت اور تاریکی کے زمانوں میں جب کہ پیغمبر مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ اور لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اسماء سے بالکل بے خبر تھے۔ لوگوں کو اپنے خالق مالک اور معبود برحق کا خیال خود بخود فطرتی طور پر کھٹکتا تھا۔ لیکن بسبب کورچشمی اور لاعلمی کے لوگ اس اسم کے خاص محل یعنی مسمےٰ سے بھٹک جاتے تھے۔ چونکہ ان کے پاس بصائر اور نور ہدایت نہیں آیا تھا۔ اس لئے وہ اندھوں کی طرح اندھیرے کے اندر اس کی جستجو میں ہاتھ پاؤں مارتے تھے۔ اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کی بو پاتے تھے اس کے سامنے جھکتے، اسے پوجتے اور اسے اپنا معبود بنا لیتے تھے۔ چنانچہ اس زمانے کی بعض اقوام نے اجرام فلکی مثلاً سورج، چاند اور ستارے پوجے۔ بعض نے

دریا، پہاڑ اور جنگلی درخت اور پتھروں کے بت تراش کر اپنے معبود بنائے۔ اور بعض نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے آدمیوں اور بادشاہوں کی پرستش شروع کی۔ آج کل بھی افریقہ کی بعض وحشی قومیں جو زمانہ کی دستبرد سے ابھی تک محفوظ ہیں، ایسی موجود ہیں کہ اگر ان کے مذہبی ریکارڈ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ ان لوگوں میں آج تک نہ کوئی پیغمبر مبعوث ہوا ہے اور نہ انہیں کسی روحانی راہبر یا مذہبی پیشوا نے دین کی طرف دعوت دی ہے۔ بلکہ انہوں نے آج تک اللہ تعالیٰ کا نام بھی نہیں سنا ہے۔ لیکن پھر بھی ان میں اپنے خالق مالک اور معبود برحق کا خیال اور اعتقاد نہایت محکم اور مضبوط پاتے ہیں۔ اور وہ کسی نہ کسی طرح اسے پوجتے ہیں۔ ان وحشی اور جنگلی لوگوں کی روحانی طاقتیں آج کل کے نام نہاد مہذب اور روشن خیال شہری لوگوں سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسان کی سرشت اور فطرت اللہ تعالیٰ کے نام اور ذکر کے خمیر سے تخمر ہے۔

انسان کسی چیز کو دیکھنے اور پہچاننے کے لئے دو طرح کے نور کا محتاج ہوتا ہے۔ ایک نور انفس، دوم نور آفاق۔ نفس میں نور بصارت اور آفاق میں نور نیر و آفتاب وغیرہ سے کسی چیز کو دیکھا جاتا ہے۔ اسی طرح باطن میں بھی سالک دو قسم کے نور کا محتاج ہوتا ہے۔ ایک نور بصیرت باطنی جسے نور یقین اور نور ایمان بھی کہتے ہیں۔ دوم نور دعوت وہدایت انبیاء و اولیاء آفاق ہیں۔ چونکہ سب سے بڑا معدن مخزن انوار جس سے تمام مادی دنیا روشن ہے آفتاب ہے۔ چنانچہ باطنی دنیا کے سب سے بڑے معدن انوار ہمارے آقائے نامدار حضرت احمد مختار صلعم اور ہر دو کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک ہی لفظ سراجاً منیراً سے خطاب فرمایا ہے۔

انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا ۔

ترجمہ۔اے میرے نبی! ہم نے تم کو شاہد اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔دنیا میں اشیاء کے لئے یہ ہر دو نور یعنی آنکھیں اور روشنی لازم وملزوم ہیں یعنی اگر روشنی نہ ہو تو آنکھیں بے کار ہیں۔اور اگر آنکھیں نہ ہوں تو تمام روشن دنیا تاریک وتار ہے۔

قولہ تعالیٰ. قل هذه سبيلى ادعوا الى الله على بصيرة انا و من اتبعنى

۔ترجمہ۔کہہ دے اے محمد صلعم! یہی میری راہ اسلام (فطرتی دین) ہے۔کہ بلاتا ہوں میں اور میرے پیچھے آنے والے اللہ کی طرف لوگوں کو بصیرت باطنی کی طفیل۔جہالت کے بعض تاریک زمانوں میں جب کہ یہ باطنی اور نوری سراج مفقود تھے۔اس لئے فطری مجبوری کے سبب ٹھوس مادی خدا مثلاً سورج، چاند اور پتھر وغیرہ لوگوں کے معبود تھے۔جیسا کوئی شخص جب کسی تاریک مکان میں کسی چیز کی خوشبو پاتا ہے۔تو وہ اس کی تلاش میں اندھوں کی طرح کبھی ایک چیز پر اور کبھی دوسری چیز پر ہاتھ مارتا ہے۔یہی حال جہالت کے زمانوں میں بغیر راہبروں اور پیغمبروں کے مخلوق کا تھا۔چونکہ مخلوق کے اندر اپنے خالق کے اسم کا نور بالقوی مستور ہوتا ہے۔اس لئے وہ ہر زمانے میں اس کی طلب وتلاش مین فطرتی طور پر بے چین اور مجبور ہوتی ہے۔اس لئے انسان محبت ازلی اور جذبات فضلی کے سبب اللہ تعالیٰ کے خیال میں مست اور بیخود ہو کر اس کے شمع جمال کی مادی مثالوں اور مثالی اشیاء پر مرتا ہے۔اور جہاں کہیں جماد، نبات، حیوان، انسان اور اجرام فلکی میں اس کے جلال و جمال کی بو پاتا ہے۔وہ اندھوں کی طرح ان سے بغل گیر ہوتا ہے۔اور اپنے دل کی فطرتی امنگ ان کی پرستش سے نکالتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جہالت کے تاریک زمانوں میں لوگ قدرت کے مختلف مظاہر اور مادی اکابر کو اللہ تعالیٰ کے پاک اسماء سے موسوم کر کے پوجتے تھے۔چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنی اندرونی فطری طلب اور

تلاش اور اسم اللہ ذات کی قدرتی حرارت اور پیاس نے سورج، چاند اور ستاروں کی طرف ملتفت کیا۔ قولہ تعالیٰ۔

فلما جن علیه اللیل راکوکبا قال هذا ربی فلما افل قال لا احب الافلین فلما را القمر بازغا قال هذا ربی فلما افل قال لئن لم یهدنی ربی لا کونن من القوم الضآلین فلما را الشمس بازغة قال هذا ربی هذا اکبر فلما افلت قال یقوم انی بری مما تشرکون انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین.

ترجمہ۔ جب ابراہیم علیہ السلام (کے دل) پر اس زمانے کے اصنام اور اجرام پرستی کے ماحول کی رات چھائی اور معبود کے خیال سے اس نے ستارے کی طرف دیکھا تو اس نے (لوگوں کی تقلید میں اپنے دل میں) کہا کہ یہی میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ غروب ہوگیا تو اس نے کہا کہ میں چھپنے اور غروب ہونے والوں کو الوہیت کے پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد اس نے چاند کو چمکتے دیکھا۔ تو اس نے اپنے دل میں کہا۔ کہ شاید یہی میرا رب ہو۔ لیکن جب وہ بھی غروب ہوگیا۔ تو اس نے کہا۔ کہ اگر اس طرح زوال پذیر چیزوں میں سے کسی کو معبود بنایا۔ اور اپنے حقیقی رب نے مجھے اپنی طرف ہدایت نہ کی۔ تو البتہ میں بھی ان اجرام اور اصنام پرستوں کی طرح گمراہ ہو جاؤں گا۔ پھر جب اس نے سورج کو چمکتے دیکھا۔ تو اس نے کہا یہ بہت بڑا ہے۔ یہی میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ بھی غروب ہوگیا۔ تو اس نے کہا کہ اے جاہل قوم! میں تمہارے ان سب مخلوق اور فنا پذیر معبودوں سے بیزار ہوں جو تم نے اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرائے ہیں۔ میرا دل تو اب ایسی عظیم الشان ہستی کی طرف متوجہ ہے۔ جس نے زمین اور آسمان اور مافیہا کو پیدا کیا ہے۔ اور میں نے اسی ایک واحد ذات کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ اور میں مشرکوں سے نہیں رہا۔ انسان کے اندر فطرتی طور پر اپنے خالق کا خیال روز ازل سے موجزن ہے اور اس کی طبیعت اور رجبلت میں اس

کے نام کا نور اور اس کے ذکر کا تخم روز اول سے ودیعت کیا گیا ہے۔ اور اگر یہ اندرونی استعداد اور باطنی قابلیت انسان کے اندر پہلے سے موجود نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو پیغمبروں کے ذریعے اپنی طرف بلانا صریح ظلم ثابت ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت اور استعداد سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ یہاں پر نیچریوں اور دہریوں کے اس باطل خیال کی قلعی کھل جاتی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ مذہب اور اللہ تعالیٰ کی پرستش اور عبادت کی بنیاد خوف سے پڑی ہے۔ اور حیات بعد الموت اور روح کی بقاء کا خیال اور اعتقاد انسان کے اپنے سائے اور عکس سے پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ ایسا ہر گز نہیں بلکہ انسان کی اپنی فطرت اور سرشت ہی مذہبی اعتقاد اور روحانی خیال کی پہلی محرک ہے اور بس۔ اور خوف و رجا تو یقین اور ایمان باللہ کے فطرتی تحریک کے بعد کے لازمی نتائج ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی فطرتی طلب اور طبعی پیاس کے لئے بے چینی کو معلوم کیا تو بسبب رحم اور شفقت خالقی نے اپنے بندوں میں سے خاص خاص ہستیوں کو اپنی قدرت کا مظہر بنا کر انہیں مخلوق کا پیشوا اور راہبر بنا کر بھیجا۔ اور ان کے ذریعے اپنی ذاتی وصفات و اسماء سے روشناس کیا۔ اور اپنے نام و نشان کا پتہ دیا۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً مختلف زمانوں میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لقد من الله على المئومنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلو عليهم اياته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة و ان كانوا من قبل لفي ضلال مبين.

اللہ تعالیٰ نے نور ایمان والوں پر بہت احسان فرمایا۔ جب کہ اس نے ان کی طرف اپنی جنس کا رسول بھیجا۔ جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اور انہیں اس کی کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے

صریح گمراہی اور تاریکی میں پڑے ہوئے تھے۔ چونکہ ہر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا علیحدہ علیحدہ معاملہ اس کی قدرت اور حکمت کے منافی ہے۔ اس لئے یہ کلیہ قاعدہ رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اپنی مخلوق میں سے ایک کامل انسان کو پہلے نور ایمان اور نیر اسم اللہ ذات سے منور کر کے شمع رشد و ہدائت بنا کر بھیج دیتا ہے۔ بعدہٗ اس کے نور سے ہزاروں لاکھوں چراغ روشن کر دیتا ہے۔ اور ایک کامل اور قابل ہستی کے دل کی زمین میں پہلے اسم اللہ ذات کے فطرتی تخم کو اپنی قدرت کاملہ سے سرسبز کر دیتا ہے۔ اور جب وہ شجر طیبہ بن کر پورے طور پر پھلتا اور پھولتا ہے۔ تو اس کے پھلوں سے لاکھوں کروڑوں نوری درخت پیدا کر کے دین قیم کا ایک سرسبز اور شاداب باغ بنا دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کے سینۂ بے کینہ میں پہلے تخم اسم اللہ ذات سے شجرۃ الانوار قرآن کو نمودار کیا اور اس کی روشنی سے تمام دنیا کو منور کیا۔ جس کی کیفیت یوں تھی کہ جب آنحضرت صلعم کے وجود مسعود میں تخم اسم اللہ ذات نے پھلنے پھولنے کا تقاضا شروع کیا۔ اور آپؐ نے اپنے اندر نزول وحی کے آثار محسوس کیے۔ یعنی حضرت مریمؑ کی طرح آپؐ نے اپنے بطن باطن میں حمل وحی کی بے واسطہ ثقالت کو معلوم کیا۔ اور بمقتضائے فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیا۔ آپؐ نے دشت و بیابان کا رخ کیا۔ اور آبادی سے دور ایک پہاڑ کے غار میں جسے غار حرا کہتے ہیں، جا کر معتکف اور گوشہ نشین ہو گئے۔ اور باطنی تخم کے سینچنے اور پھوٹنے اور روحانی عیسےٰ کے وضع حمل اور تولد ہونے کے انتظار میں بار بار وہاں جایا کرتے اور کئی روز بیٹھے رہتے۔ آخر ایک روز جبرئیل امین اس نوری تخم اسم اللہ ذات کو پانی دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کے بحر انوار سے چشمۂ حیات اپنے سینے میں بھر لائے اور آنحضرتؐ کے سینے سے سینہ ملا کر آپؐ کو زور سے دبا کر فرمایا۔ اقرا۔ یعنی پڑھ۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب میں کہا کہ انا لیس بقاری۔ یعنی میں تو قاری اور پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ چنانچہ تین دفعہ جبرئیل امینؑ نے سینے سے دبایا اور ہر

دفعہ آپؐ انالیس بقاریٔ فرماتے رہے۔ آپؐ کے ہر بار انالیس بقاریٔ فرمانے سے
مراد یہ تھی کہ پانی تو مل رہا ہے مگر ابھی تک وہ نوری شجر قرآن پھوٹا ہوا نظر نہیں آتا۔
چنانچہ آخری دفعہ جب جبرئیل امینؑ نے سینے سے دبا کر فرمایا اقرا تو آپ کی زبان
حق ترجمان پر قرآن کی یہ پہلی سورۃ یوں جاری ہوگئی۔

اقرا باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق اقرا و ربک
الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان .

ترجمہ۔ پڑھ (اے محمدؐ)! قرآن کو اپنے پروردگار کے نام (کی برکت) سے
جس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون منجمد سے بنایا۔ پڑھے جاؤ (اے
محمدؐ) تیرے بڑے عزت والے رب کی قسم جس نے (عوام کو) قلم (کے کسی علم)
سے سکھایا ہے اور (خواص کو بے واسطہ) وہ علم لدنی سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ غرض
قرآن کریم کی یہ پہلی آیت اقرا باسم ربک الذی خلق۔ یعنی قرآن پڑھ اے محمد
صلعم اپنے رب کے اسم کے ذریعے۔ صاف بتا رہی ہے کہ جس چیز کے پڑھنے کی
جبرئیل امینؑ تاکید فرما رہے تھے وہ اسم اللہ ذات کی نوری تحریر تھی۔ بہت لوگ اس
موقع پر یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ اور اس
وقت نہ قرآن کا کوئی نشان موجود تھا اور نہ پڑھنے کی کوئی چیز جبرئیل کے پاس تھی۔
جس کی نسبت جبرئیل بار بار اقرا کہہ کر پڑھنے کی تاکید فرماتے تھے۔ سو وہ اسم اللہ
ذات کی نوری تحریر تھی۔ جس کے تصور یعنی باطنی طور پر اس کے پڑھنے اور مرقوم
کرنے کی جبرئیل آں حضرت صلعم کو تعلیم اور تلقین فرما رہے تھے۔ چنانچہ اقرا باسم
ربک الذی خلق یعنی پڑھ قرآن کو اے محمدؐ! اپنے رب کے اسم کی برکت سے۔ سو
باسم ربک میں صاف طور پر اسم اللہ ذات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اے محمدؐ! اب اسم
اللہ ذات تیرے سینے میں پھوٹ کر سر نکال چکا ہے۔ اور شجر قرآنی بن رہا ہے۔ اب
قرآن کو پڑھ اور اس کے معارف وعلوم اور اسرار و انوار کے پھل خود کھا اور امت

مرحومہ کو قیامت تک کھلائے جا۔اس طرح شجر قرآن آنخضرت صلعم کے وجود مسعود کی زمین میں اسم اللہ ذات کے نوری تخم سے پیدا ہوا۔

کزرع اخرج شطئہ فازرہ فاستغلظ فاستوے علی سوقہ.

ترجمہ۔جیسا کہ نبات اور سبزی پہلی ڈالی اور شاخ کو نکالتی ہے۔اور پھر اس کو مضبوط اور محکم کرتی ہے۔اور پھر وہ موٹا اور تن آور درخت بن کر اپنے تنے کے بل سیدھا زمین پر قائم اور کھڑا ہو جاتا ہے۔

سو قرآن کی یہ بھاری امانت اس طرح جبرئیل امینؑ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلعم کے سینہ بے کینہ میں منتقل ہوئی۔یہی وہ بھاری اور ثقیل امانت تھی جس کی برداشت سے زمین و آسمان اور پہاڑ عاجز آ گئے تھے۔

انا عرضنا الامانۃ علی السموت و الارض والجبال فابین ان یحملنھا و اشفقن منھا وحملھا الانسان انہ کان ظلوما جھولا.

ترجمہ۔ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔پس سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا۔لیکن (کامل) انسان نے اسے اٹھالیا۔بے شک وہ (اپنے نفس کے لئے) ظالم اور نادان ثابت ہوا۔حدیث قدسی۔ لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدالمومن۔ یعنی میں آسمانوں زمینوں میں نہیں سماتا۔ لیکن مومن مسلمان کے قلب میں سما جاتا ہوں۔

پر تو حسنت نہ گنجد در زمین و آسماں
من دریں فکرم کہ اندر سینہ چوں جا کردہ

زمین اور آسمان تیرے حسن کی تجلیات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔مجھے حیرت ہے کہ تو میرے سینے میں کیسے سما گیا ہے۔

قولہ تعالیٰ۔ لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ.

ترجمہ۔ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ سنگین اور سخت پہاڑ بھی قرآن کی ثقالت اور عظمت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ انا سنلقی علیک قولا ثقیلا۔ یعنی ہم عنقریب تم پر بھاری اور ثقیل قول (قرآن) اتارنے والے ہیں۔ چنانچہ قرآن کے نزول کے وقت آنخضرت صلعم کی یہ حالت ہوتی۔ کہ آپؐ بے ہوش ہو جاتے۔ آپؐ کے چہرہ مبارک کا رنگ فق ہو جاتا۔ اور سخت سردی میں بھی آپؐ کے چہرے مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگ جاتا تھا۔ اور اگر سواری کی حالت میں آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو وحی کے بوجھ اور قرآن کی ثقالت سے سواری بیٹھ جایا کرتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنخضرت صلعم میری ران پر سر مبارک رکھ کر سو رہے تھے کہ آپؐ پر وحی نازل ہونے کے آثار نمودار ہوئے تو وحی کے بوجھ اور قرآن کی ثقالت سے میری ران ٹوٹنے لگی۔ غرض قرآن کریم کی ثقالت اور عظمت وہی لوگ سمجھتے ہیں جن پر اس کلام پاک کی واردات کما حقہٗ ہوئی ہے۔ اور جن کے قلوب نور قرآن کی قابلیت اور استعداد رکھتے ہیں۔ اس امانت گراں کا تحمل اس کامل انسان سرور دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا۔ ورنہ عوام کالانعام قرآن کی قدر و عظمت کو کیا جانیں۔ کہ قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترتا۔ اور بہت لوگ قرآن پڑھتے ہیں۔ درآنحالیکہ قرآن انہیں لعنت کر رہا ہوتا ہے۔ غرض قرآن کریم بمع جملہ معارف و اسرار بمع تمام علوم و انوار اسم اللہ ذات کے اندر اس طرح مندرج ہے۔ جس طرح تخم اور گٹھلی کے اندر درخت ہوتا ہے۔ اور جس عارف کامل کے وجود میں اسم اللہ ذات قائم ہو جاتا ہے تو وہ بلا واسطہ تلمیذ الرحمٰن اور حافظ قرآن ہو جاتا ہے۔ اسی لئے بزرگان دین نے سلوک باطنی کے لئے صرف اسم اللہ ذات کے ذکر یا اس کے تصور کو نصب العین ٹھہرایا ہے۔

اے طالب! ہم نے اب دلائل عقلی اور نقلی سے اور نیز آیات و احادیث سے تجھے

اللہ تعالی کی پاک اور مقدس بارگاہ تک پہنچنے کا سب سے آسان، نزدیک اور بے خوف وخطر راستہ بتادیا ہے۔اور گنج کونین اور سعادت دارین کی طرف سچی، پوشیدہ ترین راہ دکھادی ہے۔اگر تیری قسمت یاور اور ہماری بات پر باور ہے۔تو عنقریب اس پر چل کو تو جلدی زندگی کی منزل مقصود تک پہنچ جاوے گا۔

چہ در طول امل از حرص بے باکانہ آویزی
باین زلف پریشاں ہر نفس چوشانہ آویزی
بقیل و قال نتواں در حریم کعبہ محرم شد
ہماں بہتر کہ ایں ناقوس در بتخانہ آویزی
نخواہی شدو گر محتاج دامن گیری مردم
اگر یک بار در داماں شب مردانہ آویزی
بہ ہمت گوہر یکدانہ چوں مرداں بدست آور
چو زاہد تا بکے در سبحۂ صددانہ آویزی

ترجمہ۔(۱) تو لمبے چوڑے خام خیالوں میں کیوں بے باکی سے الجھ رہا ہے۔اور اس پریشان زلف میں کنگھی کی طرح پھنس رہا ہے۔

(۲) تو محض باتوں سے حرم کعبہ کا واقف نہیں بن سکتا۔بہتر یہی ہے کہ اس باتوں کے ناقوس (سنکھ) کو بت خانہ میں لٹکا دے۔

۳۔تو پھر دوبارہ کسی کا دامن پکڑنے کا محتاج نہیں رہے گا۔اگر ایک بار کسی رات کو جاگنے والے مرد کا دامن پکڑ لے۔

۴۔جوانمردوں کی طرح ہمت سے ایک دانہ گوہر کا حاصل کر لے۔زاہد کی طرح تو کب تک سو دانوں والی تسبیح میں الجھارہے گا۔

ضرورت پیرومرشد

واضح ہو کہ ہر راستے کے لئے رفیق، راہبر اور راہنما کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اور ہر علم وفن کے لئے استاد اور معلم درکار ہوتا ہے۔لہذا اللہ تعالیٰ کی طرف اس طول طویل سفر اور دور دراز بے نام ونشان راستہ کو طے کرنے کے لئے ایک واقف کار راہبر اور کامل رہنما اشد ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور علوم لدنی سکھانے کے لئے استاد اور معلم باطنی نہایت لازمی ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں۔قرآن کریم میں سورۂ کہف کے اندر موسیٰ نے خضر علیہ السلام سے باطنی غیبی علم یعنی علم لدنی حاصل کرنے کی استدعا کی۔ اور ان کی خدمت، صحبت اور رفاقت اختیار کی۔غرض ایک مسلمان کے لئے قرآن کریم سے زیادہ زبردست برہان اور قوی ترین دلیل اور کیا ہوسکتی ہے۔سو جب قرآن مجید سے اس پوشیدہ، مخفی اور غیبی علم کا وجود ثابت ہے۔ اور اور ادنی کسبی علوم دینی کا سیکھنا بمقتضائے طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ (ترجمہ۔علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے) تو اس اعلیٰ علم لدنی کا سیکھنا بدرجۂ اولیٰ فرض ہونا چاہیئے۔ اور سا علم کے استاد اور معلم بھی دنیا میں ظاہر اور مخفی طور پر موجود ہیں۔اور قرآن ان باطنی اساتذہ کا وجود بتلا رہا ہے۔اور کوئی زمانہ ان سے خالی نہیں ہے۔تو ان لوگوں پر سخت افسوس ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور باطنی علوم کے انکار پر ادھار کھائے بیٹھتے ہیں۔اور بعض سعادت مند اور نیک بخت طالب جب راہ سلوک پر گامزن ہونے کا تہیہ کر بیٹھے ہیں۔تو یہ لوگ غول بیابانی بن کر ان کے راستے میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات کے روڑے اٹکاتے ہیں۔ اور انہیں اس راہ سے باز رکھنے کی کوشش بے سود اور سعی لا حاصل کرتے ہیں۔اور ضال و مضل بن کر نہ خود اس راہ پر چلنے کی زحمت گوارا کرتے ہیں اور نہ اوروں کو جانے دیتے ہیں۔لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف ہدایت کرتا ہے۔بھلا ان کو کون گمراہ کرسکتا ہے۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان ۔ ترجمہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے شیطان میرے خاص بندوں پر تجھے ہرگز غلبہ حاصل نہ ہو گا۔ ومن یھد ہ اللہ فمالہ من مضل۔ اگرچہ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے دینی استعداد اور ملکۂ ہدایت یعنی تخم اسم اللہ ذات روزِ اول سے ودیعت کر دیا ہے۔ لیکن اس استعداد بالقوئی کو بالفعل جاری کرنے اور تخم اسم اللہ ذات کو پانی دینے اور پرورش کرنے کے لئے استاد اور مربی کی اشد ضرورت ہے۔ اور ہر چیز کا ملکہ فطرتاً انسان کے وجود میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اس ملکے کو زندہ کر کے بروئے کار لانے کے لئے ایک دوسرے کامل انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ بولنے کا ملکہ اللہ تعالیٰ نے ازل سے بچے کی سرشت میں رکھ دیا ہے۔ مگر اس ملکے اور قابلیت کو ظہور میں لانے اور اس کی پرورش اور تربیت دینے کے لئے ماں کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ بچہ وہی زبان سیکھ جاتا ہے۔ بالفرض اگر کوئی بچہ ماں کے بغیر پرورش پائے۔ یا گونگی دایہ کے سپرد کیا جائے۔ اور اس کے سامنے کوئی بولنے والا شخص نہ ہو۔ تو وہ بچہ یقیناً گونگا رہ جائے گا۔ اور بولنے کا ملکہ کھو بیٹھے گا۔ حالانکہ اس میں استعداد اور ملکہ موجود تھا۔ لیکن بغیر مربی ملکہ ضائع ہو گیا۔ جیسا کہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں گنگ محل کا قصہ مشہور ہے کہ چند بچے گنگ دائیوں کے حوالے کئے گئے اور ان کی پرورش اور تربیت میں رکھے گئے تو سب کے سب گونگے ہو گئے۔ الہذا فطرت اور قدرت کے ہر سرمائے کو عمل میں لانے اور ہر ملکے اور قابلیت کو جاری کرنے کے لئے ایک دوسرے انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ فطرت اور قدرت کی اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے۔ اور اسی کمال اور قابلیت کے سبب انسان کامل کو خلیفۃ الارض کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اسی باطنی فطری استعداد کی پرورش اور تربیت کے لئے یہی قاعدۂ کلیہ اور قانون جاریہ مستمرۃ رکھ دیا ہے۔ اسی کے مطابق حضرت رسول اکرم صلعم کے اندر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے واسطے اور ذریعے سے اس نوری پھل اور تخم کی پرورش فرمائی۔

اور آنحضرت صلعم کو صحابہ کرام کا مربی استاد اور وسیلہ بنایا۔ اور تابعین اور تبع تابعین اور بعد ازاں جملہ کاملین، عارفین اور مؤمنین و مسلمین میں استادی شاگردی، طالبی و مرشدی اور مریدی و پیری کا سلسلہ جاری رہا۔ اور قیامت تک اس ظاہری اور باطنی فیضان اور عرفان کا سلسلہ جاری رہے گا۔ جو شخص اس قانون قدرت کے خلاف کرے گا۔ اور انسانی وسیلے اور ذریعے سے منہ موڑ کر براہ راست اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرے گا۔ وہ سخت نقصان اٹھائے گا۔ اور یقیناً نور ایمان اور دولت عرفان سے محروم رہے گا۔ کوئی علم اور فن دنیا میں بغیر استاد اور معلم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ پیر و مرشد کے بغیر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب اور وصال تک پہنچ سکتا ہے۔

مے نروید تخم دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندان دل
اندریں عالم نیرزی باخسے
تانیاویزی بداماں کسے

بعض کور مادر زاد شقی ازلی راہ معرفت مولیٰ اور علم باطن کے منکر ہیں۔ اور صرف زبانی اقرار کسی کتابی علم اور تقلیدی اسلام کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ ان کا معاملہ محض قیل و قال اور سنی سنائی باتوں تک محدود ہے۔ وہ دنیا میں رسید دیدار اور یافت حق کے منکر ہیں۔ حالانکہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ ومن کان فی ھذہ اعمی فھو فی الآخرۃ اعمی۔ انسان کو جو یقین کسی چیز تک پہنچنے اور اسے پا لینے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ سنی سنائی باتوں سے کبھی حاصل نہیں ہوتا۔ ہمیشہ سنی سنائی باتوں پر اکتفا کرنے والے لوگوں کے سرمایۂ ایمان کو شیطان بہت جلدی غارت کر کے لوٹ لیتا ہے۔ زبانی قیل و قال اور عقلی دلائل میں شیطان کا مقابلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ کیونکہ علم اور فضیلت میں وہ معلم الملکوت یعنی فرشتوں کا استاد رہ چکا ہے۔ میدان علم میں تو کوئی انسان بھی اس ملعون سے گوئے ایمان نہیں لے گیا۔ بڑے بڑے عالم فاضل اور دانا

فیلسوف اس کے سامنے چوگان علم وفضل ڈال گئے ہیں۔اور بازی ہار گئے ہیں ۔اس ذات بے چوں کو عقلی دلائل کے چوں چرا نہیں پہنچ سکتے۔اس کے لئے علم بے چوں اور استاد کامل راہنما چاہیئے ۔فضیلت یہاں محض بے کار ہے ۔یہاں وسیلت درکار ہے۔دولت علم کا شیطان دھنی ہے۔اور متاع فضیلات میں سب سے غنی ہے لیکن

اولیاء اللہ کی توجہ کے بغیر دل کا بیج وجود انسانی کے آب و گل سے پھوٹ نہیں سکتا۔ اس دنیا میں تیری حیثیت ایک تنکے کے برابر بھی نہ ہوگی جب تک تو کسی کے دامن سے وابستہ نہ ہوجائے گا۔

سرمایۂ وسیلت میں وہ نرا مفلس اور نادار ہے ۔جہاں علم میں وہ سب ملائکہ کا استاد اور سردار رہا۔لیکن جب آدم علیہ السلام کے سامنے سجود کا امتحان وسیلت پیش آیا۔تو یہ ملعون سب سے پیچھے رہ گیا اور بازی ہار گیا۔

چوں در پی علم و عقل درکار شدم
گفتم کہ مگر محرم اسرار شدم
ہم عقل عقیلہ بود ہم علم حجاب
چوں دانستم زہر دو بیزار شدم

اگلے زمانے کے کنارنابکار بھی اسی خام خیال کے پندار میں ہدایت سے محروم رہے اور کہا کرتے ۔ابشر یھدونا۔ یعنی ہم جیسے انسان ہمیں ہدایت کرتے ہیں۔ اور پیغمبروں سے کہا کرتے ۔مآ انتم الا بشر مثلنا وما انزل الرحمن من شیء ۔ یعنی تم تو ہم جیسے انسان ہو۔اور اللہ تعالی نے تم پر کوئی چیز نہیں اتاری۔اور نہ ہی تم ہم سے اس کے زیادہ حقدار ہو۔اور کبھی کافر لوگ یہ اعتراض کرتے ۔

ما لهذا الرسول ياكل الطعام و يمشي في الاسواق.

یعنی یہ کیسے اللہ تعالی کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں کہ ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں۔ اور ہمارے ساتھ کوچوں اور بازاروں میں پھرتے ہیں۔یعنی انہیں ایک فوق

الفطرت اور اعلیٰ ممتاز ہستی ہونا چاہیئے ۔اور گاہے کہتے ہیں ۔

لولا انزل علینا الملئکۃ او نرے ربنا ۔

ترجمہ۔کیوں نہ ہم پر فرشتے اتارے گئے ۔یا ہم خود خدا کو کیوں نہ دیکھ لیتے ۔ تا کہ ہدایت کا معاملہ صاف ہو جاتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں ۔

ولو جعلنہ ملکا لجعلنہ رجلا اللبسنا علیھم ما یلبسون ۔

ترجمہ۔ اگر ہم انسانوں کی بجائے فرشتے بھی مبعوث کر کے بھیجتے تو انہیں بھی بشری لباس پہنا کر بھیجتے ۔تا کہ تم ان کی باتیں سنتے اور انہیں دیکھ کر ان کی پیروی کرتے ۔غرض اس قسم کے شکوک اور شبہات میں گرفتار ہو کر کنار ہدایت سے محروم رہے ۔قولہ تعالیٰ ۔

وما منع الناس ان یومنوآ اذ جآء ھم الھدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا ۔

جب میں علم وعقل کی تحصیل میں مصروف ہو گیا۔تو میں نے دل سے کہا کہ شاید میں آشنائے راز ہو گیا ہوں ۔لیکن عقل رکاوٹ ثابت ہوئی اور علم حجاب بن گیا ۔جب میں نے یہ جان لیا۔تو میں علم وعقل ہر دو سے بیزار ہو گیا ۔

یعنی لوگوں کے پاس جب کبھی ہدایت آئی ۔تو صرف اس بات نے ان کو ایمان لانے سے روکا۔اور ہدایت سے باز رکھا۔کہ وہ یہی کہتے رہ گئے ۔کہ آیا اللہ نے ہم جیسے انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے ۔

غرض اللہ تعالیٰ کے خاص برگزیدہ بندے یعنی انبیاء اور اولیاء اگر چہ ظاہری صورت اور شکل و شباہت میں خاکی پتلے اور ہم عنصری انسان ہوتے ہیں ۔لیکن حقیقت اور معنی میں نوری فرشتے بلکہ ان سے بھی اعلیٰ اور ارفع شخصیت کے مالک ہوتے ہیں ۔چنانچہ مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں ۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گر بماند در نوشتن شیر و شیر
آں یکے شیر است کو مردم درد
ویں دگر شیر است کش مردم خورد
گر بصورت آدمی انساں بدے
احمدؐ و بو جہل ہم یکساں بدے

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی ۔ یعنی کہہ دے اے محمدؐ! میں تمہاری طرح انسان تو ہوں ۔لیکن میری طرف اللہ تعالی کی وحی ہوتی ہے ۔انا بشر مثلکم میں ظاہری صورت کا اقرار ہے۔اور یوحی الی میں حقیقت محمدیؐ کا اظہار ہے۔فھم من فھم ۔جس طرح شیطان آدم علیہ السلام کے خاکی جسے کو دیکھ کر اس کی تعظیم وتکریم اور سجود سے باز آیا اور انانیت اور خود پسندی کے سبب ملعون ہوا ۔اسی طرح جن لوگوں کی نظر انبیاؑ اور اولیاؒ کے ظاہری جسم پر پڑی اور ان کی حقیقت سے غافل رہ گئے ۔وہ ان کی ہدایت ،برکت اور فیض سے محروم رہ گئے ۔غرض انسان کو ہدایت انسان سے ہے ۔ انسان کو ہر قسم کی برکت ،فیض ،رشد اور تعلیم وتلقین انسان سے حاصل ہوتی ہے۔اور بغیر استاد مربی اور مرشد کامل انسان کوئی چیز نہیں سیکھ سکتا۔

پاک لوگوں کے اعمال کو اپنے پر قیاس نہ کر۔اگر چہ لکھنے میں شیر اور شیر یکساں ہیں۔ ان میں ایک شیر تو وہ ہے جو لوگوں کو پھاڑتا ہے ۔اور دوسرا شیر (دودھ) ہے جسے لوگ پیتے ہیں ۔اگر انسان شکل وصورت کے اعتبار سے ہی انسان ہوتا تو حضور رسالت مآبؐ اور ابو جہل برابر ہوتے۔

ہیچ کس از خود بخود چیزے نشد
ہیچ آہن خنجر تیزے نشد
ہیچ حلوائی نشد استاد کار

تا کہ شاگرد شکر ریزے نشد

مولوی ہر گز نشد مولائے روم

تا غلام شمس تبریزے نشد

بعض اپنی شیطانی حسد اور کبر و انانیت کی وجہ سے مذہبی پیشواؤں اور روحانی رہنماؤں کی تعلیم و تلقین اور باطنی استمداد کا انکار کرتے ہیں اور اس کا نام توحید دھرتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ شاہ رگ سے ہمیں زیادہ نزدیک ہے۔اور وہ ہر جگہ حاضر ناظر اور سمیع و بصیر اور قریب و مجیب ہے۔وہ خود ہادی ہے۔ہمیں دوسرے واسطوں اور وسیلوں اور مرشدوں و رہنماؤں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں اللہ کافی ہے۔اور اس انانیت اور استکبار اور بزرگان دین کے ساتھ حسد اور عناد کو شیطانی توحید کی آڑ میں چھپاتے ہیں۔اور ساتھ ہی دعویٰ کرتے ہیں۔کہ ہم موحد ہیں۔اور پیغمبروں اور پیروں کو ماننے والے معاذ اللہ مشرک ہیں۔یہ لوگ براہ راست اللہ تعالیٰ سے معاملہ کرتے ہیں۔ان کا حال اگلے زمانے کے کفار نابکار کی طرح ہے۔جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لو لا یکلمنا اللہ او تاتینآ ایۃ کذالک قال الذین من قبلھم مثل قولھم

اور ایک دوسری آیت میں بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں۔لولا انزل علینا الملئکۃ او نری ربنا لقد استکبر وافی انفسھم وعتو عتوا کبیرا۔ پیغمبروں کے منکر کہنے لگے۔کیوں اللہ تعالیٰ براہ راست ہم سے کلام نہیں کرتا۔یا خود ہم پر آیتیں کیوں نہیں اترتیں۔ البتہ یہ لوگ اپنے نفسوں میں بڑے متکبر واقع ہوئے ہیں۔اور انہوں نے سخت سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔غرض دنیا میں کوئی علم و فن اور کوئی ہنر و کسب ایسا نہیں جو انسان نے دوسرے انسان کے واسطے کے بغیر براہ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہو۔یہ نفسانی کور چشم مردہ دل اور شقی ازلی لوگوں کا محض

کوئی شخص از خود بخود کوئی چیز نہیں بنا۔ اور کوئی لوہا خود بخود تیز خنجر نہیں بن سکتا۔ کوئی حلوائی کاریگر نہیں بنا۔ جب تک کہ اس نے کسی ماہر کی شاگردی نہ کی ہو۔ مولوی بھی ہرگز مولائے روم خود بخود نہیں بنا جب تک وہ شخص شمس تبریز کا غلام نہ ہوا۔

حسد اور استکبار ہے۔ جو انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے اور راہبر و راہنما کے ملنے سے باز رکھتا ہے۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کو حسد اور کبر کی وجہ سے سجدہ نہ کرتے ہوئے توحید کو بہانہ بنایا۔ اور کہا لا اسجد لغیر اللہ یعنی میں غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتا۔ اور میں موحد ہوں۔ اس طرح وہ ملعون گو توحید کا مدعی اور شرک کا منکر تھا۔ لیکن بسبب کبر اور انانیت خود خدا کا شریک ہو رہا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں۔ الکبریاء ردائی لا اشرک فیہ غیری۔ یعنی میں اپنی کبریائی کی چادر میں کسی غیر کو شریک نہیں کرتا۔

چنداں کہ با اہل کبر مخشور شوی
از رحمت کردگار خود دور شوی
گر بادہ خوری و بعد ازاں توبہ کنی
بہتر کہ کنی نماز و مخمور شوی

ترجمہ۔ تو جتنا مغرور لوگوں کے ساتھ ملے گا۔ اتنا اپنے پروردگار کی رحمت سے دور ہوتا جائے گا۔ اگر تو شراب پی لے اور اس کے بعد توبہ کر لے۔ تو وہ نماز پڑھ کر مخمور اور مغرور ہونے سے بہتر ہے۔

اس توحید نما شرک کو کور چشم نفسانی لوگ کیا جانیں۔ اس مریض کا کون علاج کرے۔ جو مرض کو عین صحت خیال کرے۔ علم و فضل کے دودھ کے دریا کو سرکۂ استکبار کی ایک بوند بگاڑ دیتی ہے۔ خرمن ہزار سالہ طاعت کو حسد کی ایک چنگاری راکھ سیاہ کر دیتی ہے۔ حدیث۔ من کانت فی قلبہ ذرۃ من الکبر لا یدخل الجنۃ۔ یعنی جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر کبر ہو۔ وہ بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ خودی

اور خدا ہرگز اکٹھے نہیں ہو سکتے ۔افسوس ہے ان لوگوں پر جو خودی کو بلند اور شیطان کو خورسند کرتے ہیں۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔کیف الطریق الی الوصال۔یعنی تیرے وصال کا راستہ کونسا ہے۔تو جواب ملا۔دع نفسک وتعال۔یعنی اپنے نفس کو چھوڑ دے اور چلا آ۔مجھ سے واصل ہو جائے گا۔جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے کسی کے آگے جھکتا ہے اور تواضع کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ اسے سربلند کرتا ہے۔اور جو شخص خودی اور غرور کرتا ہے۔وہ سر کے بل گرتا ہے۔دانہ اور تخم جس وقت زمین کے اندر اپنی ہستی اور خودی کو مٹاتا ہے۔تو سرسبز اور بلند ہوتا ہے۔اس کی سلامتی اور صحت اس کے نمو اور ترقی سے مانع ہے۔وسیلے کی فلاسفی یہ ہے کہ کبر اور انانیت کثرت متاع دین و دنیا کے لئے لازمی چیز ہے۔شراب دنیا کے سکر سے جب انسان کا دماغ بدمست ہو جاتا ہے تو کوس انا ربکم الاعلیٰ بجانے لگ جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر دنیوی بادشاہوں نے اسی سکر اور بدمستی کی وجہ سے خدائی دعوے کئے ہیں۔شراب سے بھی دنیا کا نشہ بہت سخت ہے۔

بادہ نوشیدن و ہشیار نشستن سہل است
گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی

نیز علم وفضیلت اور زہد و اطاعت الٰہی باطنی اور دینی دولت اور متاع اخروی ہے۔لہٰذا اس دولت اخروی کے مالک کو بھی کبر کا گھن اور انانیت کا نقص لاحق ہو جاتا ہے۔چنانچہ اس دولت علم و طاعت کے سب سے بڑے دھنی شیطان نے اسی سکر اور مستی کے سبب انا خیر منہ کہہ کر کبر اور انانیت کا اظہار کیا۔(متاع آخرت کے اسی قسم کے اکثر زردار یعنی دنیا میں آئے دن اکثر ظاہری بےعمل اور زاہد خشک ریا

کار کسی کتابی علم اور ظاہری اطاعت کے غرور اور پندار مین پیغمبری، مہدویت اور مجددیت کے باطل دعوے باندھتے رہتے ہیں۔ کسی سادہ ان پڑھ آدمی نے اس قسم کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا) لہذا اللہ تعالیٰ صراف حقیقی نے علم ازلی سے فرشتوں کے زر عیار علم و طاعت میں کبر و انانیت کے اس لازمی کھوٹ کو ملاحظہ فرمایا۔ اور چادر کبر کو اپنی مقدس اور غیور بارگاہ وحدت میں داخل ہونے سے سخت مانع پایا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے زر علم و طاعت کو کبر و انانیت کے لازمی کھوٹ اور نقص سے صاف کرنے کے لئے آدم علیہ السلام کے آگے سجدے اور تعظیم و تکریم کی ذلت کی آگ میں ڈال کر پرکھنا اور صاف کرنا چاہا۔ اور سب کو حکم دیا کہ اسجدوا لادم یعنی آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔

شراب پی کر ہوش و حواس بجا رکھنا آسان کام ہے (یہ کوئی مردانگی نہیں) اگر تو صاحب دولت ہو کر مست نہ ہو تو بے شک مرد ہے۔

اور یہ بات مسلم ہے کہ کبر اور ذلت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ضدین ہرگز جمع نہیں ہوتے۔ اور نیز کل شی یعرف بضدھا ہر چیز اپنی ضد سے پرکھی اور پہچانی جاتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے امتحاناً سجدے اور ذلت کی آگ میں ملائکہ کے زر علم و طاقت کو دیکھنا اور پرکھنا چاہا۔ سب ملائکہ نے متفقہ طور پر کبر اور انانیت کی چادر کو اپنے کندھوں سے دور پھینک دیا۔ اور آدم علیہ السلام کے آگے سجدہ کر دیا۔ لیکن شیطان لعین چونکہ کھوٹی متاع کا مالک تھا۔ اور اس کی فطرت میں کبر اور خودی کی کھوٹ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اور کبر و انانیت کی چادر سے اس کا جسم اکڑا اور تنا ہوا تھا۔ اس لئے وہ سجدے اور تعظیم کے لئے نہ جھک سکا۔ اور صاف انکار کر دیا۔ ابی واستکبر وکان من الکفرین۔ غرض محض کبر کے سبب وہ لعنتی اور راندہ درگاہ ہوا۔ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے آگے لاکھوں برس سجدے کئے۔ اور توحید کا دم بھرتا رہا۔ لیکن بسبب کبر و انانیت وہ خود اللہ تعالیٰ کا شریک بن رہا تھا۔ لہذا توحید کے اس جھوٹے دعوے نے

اسے کچھ فائدہ نہ دیا۔اور وہ توحید کے عملی امتحان میں فیل ہوگیا۔اور اس کے لاکھوں برس کے خزائن علم وطاعت کو کبر کی ایک چنگاری نے راکھ سیاہ کردیا اور ابدی لعنتی اور دوزخی ہوا۔لہٰذا اے طالب خدا، پندار علم وطاعت کے جوئے اتار کر موسیٰ علیہ السلام کی طرح بارگاہ قدس میں عجز و نیاز کے ننگے پاؤں سے داخل ہو جا۔علم و فضل اور اطاعت اور زہد کو خیال مین نہ لا۔اس کے خزانے میں ان چیزوں کی بڑی فراوانی اور ارزانی ہے۔اللہ تعالیٰ بندے سے عبودیت و شکستگی اور عجز و نیاز کا طلب گار ہے۔اور اس متاع عزیز کا خریدار ہے۔

بہوش باش کہ ہنگام باد استغنا
ہزار خرمن طاعت بہ نیم جو نہ خرند

حدیث قدسی۔ انین المذنبین احب الی من تسبیح المقربین ۔یعنی گناہگاروں کا رونا اور گڑگڑانا میرے نزدیک مقرب لوگوں کی تسبیح سے بہت عزیز اور پسندیدہ ہے۔

ہوش سے کام لے کہ جب اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی کی ہوا چلتی ہے تو طاعت و بندگی کے ہزارہا خرمنوں کی قیمت نصف جو کے برابر بھی نہیں ہوتی۔

مشو اے عاصی بیچارہ نومید
کہ چوں پیدا شود اشراق خورشید
اگر افتد بہ قصر پادشاہی
ہم افتد نیز بر کنج گدائی
کسے کو برہنہ است امروز در راہ
بروے تا بد ایں خورشید درگاہ
چو کار مخلصاں آمد خطرناک
گنہ گاراں برند ایں گوئے چالاک

نہ زہد مرد خود بین بادشارا
انین المذنبین باید خدارا
دریں رہ نیست خود بینی خجستہ
تن لاغر ولے باید شکستہ

ترجمہ۔اے مسکین گنہگار تو مایوس نہ ہو۔کہ جب آفتاب کی روشنی ظاہر ہوتی ہے۔ تو جس طرح وہ شاہی محل پر پڑتی ہے۔اسی طرح فقیر کی جھونپڑی پر بھی پڑتی ہے۔ آج اگر کوئی شخص زندگی کی راہ میں مفلس وقلاش اور برہنہ تن بھی ہے۔تو اللہ کی بارگاہ کا یہ آفتاب اس پر بھی چمکتا ہے جس روز مخلصوں کا کام بھی دشوار ہو جائے گا۔تو میدان حشر میں گنہگار سب پر سبقت لے جائیں گے۔خود پسند انسان بادشاہ کی بارگاہ کے لائق نہیں۔اسی طرح رب العالمین کی بارگاہ میں بھی گنہگاروں کی آہ و زاری درکار ہے۔اس راستے میں خود پسندی موزوں نہیں۔یہاں تن ناتواں اور دل شکستہ کی ضرورت ہے۔

آدم علیہ السلام کے آگے فرشتوں کا سجدہ بظاہر اگرچہ شرک کی ایک ناگوار شکل تھی۔اور ملائکہ جیسے علم و طاعت کے پیکروں کے لئے بظاہر سخت کڑوی اور تلخ دوا کی طرح تھی۔لیکن چونکہ کبر اور انانیت کے مرض کے لئے یہ تریاق کی مانند مفید ثابت ہوتی تھی۔اس لئے اس حکیم ازلی کے فرمان کو پہچان کر دانا اور دور اندیش ملائکہ نے وسیلے اور ذلت کی اس تلخ اور ناگوار دوا کو آنکھیں موند کر اور دل کڑا کر کے پی لیا۔اور کبر وانانیت کے اس مہلک مرض سے نجات پائی۔

گیرم کہ ہزار مصحف از برداری
آں راچہ کنی کہ نفس کافر داری
سر رابہ زمیں چہ می نہی بہر نماز
آں رابہ زمیں بنہ کہ در سرداری

ترجمہ۔فرض کیا کہ ہزار مقدس کتابیں تیری بغل میں ہیں۔لیکن تیرا نفس جو کافر ہے ان کتابوں کو کیا کرے گا۔تو خالی سر کو نماز کے لئے زمین پر کیا رکھتا ہے۔اس چیز کو زمین پر رکھ جسے تو اپنے سر میں رکھتا ہے۔

شیطان جب آدم علیہ السلام کے سجدہ نہ کرنے سے لعنتی ہوا۔تو اس نے آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی دشمنی اور گمراہی کا بیڑا اٹھایا۔ قال فبعزتک لاغوتھم اجمعین۔ ترجمہ۔شیطان نے کہا کہ تیری عزت اور جلال کی قسم! میں آدم اور اس کی ساری نسل کو گمراہ کروں گا۔پس پہلے پہل آدم علیہ السلام کو بہشت میں خودی کے شجرۃ الخلد کی طرف راغب کیا۔جس سے ان میں خودی اور نفسانیت پیدا ہوئی اور اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ بہشت کے اندر پہلے پہل جب آدم علیہ السلام کا بت تیار ہونے لگا۔تو فرشتوں نے سوال کیا کہ اے اللہ! یہ تو کیا چیز بنا رہا ہے۔اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ میں اپنا ایک خلیفہ بنا رہا ہوں۔تو شیطان کو رشک اور حسد کی آگ لگ گئی۔کہ خلافت کا حقدار میں ہوں۔یہ کہاں سے خلیفہ بنایا جا رہا ہے۔چنانچہ آدمؑ کے قریب آ کر شیطان اسے دیکھنے لگا۔اور جب اس کی عجیب وغریب خلقت اور اس کی آئیندہ شان اور عظمت کو معلوم کیا تو جاتے وقت حسد اور نفسانیت کی وجہ سے ان کی لاش پر تھوک دیا۔اور خودی ونفسانیت کی وہ شیطانی تھوک آدمؑ کے مقام ناف پر جا پڑی۔جس نے آدمؑ کے وجود میں نفس کی بنیاد پڑی۔اور یہاں سے آدم اور اس کی نسل کے ساتھ شیطان کا ایک رشتہ اور رابطہ قائم ہو گیا۔اور گمراہی کا بیج اور تخم وجود آدم میں بویا گیا۔پھر ایک دن بہشت کے اندر آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا عرش معلےٰ منکشف ہو گیا۔اس حالت مشف میں آدم علیہ السلام کو ساق عرش پر کلمۂ طیب

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

لکھا ہوا نظر آیا۔چنانچہ آدمؑ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ تیرے نام کے

ساتھ یہ دوسرا نام محمد صلعم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ دوسرا نام محمد صلعم آخر زمان کا ہے۔ جو تیری نسل میں سے ہوگا اور میرا حبیب ہوگا۔ اور تمام پیغمبروں اور ان کی امتوں کا پیشوا۔ سردار اور قیامت کے روز سب کا شفیع ہوگا۔ اس موقع پر شیطان نے آدم علیہ السلام کے وجود کے اندر اپنی اس نفسانیت اور غیرت کی رگ کو بھڑکایا۔ اور آدم علیہ السلام کے اندر اپنا خیال اور وسوسہ ڈالا۔ کہ عجیب انصاف ہے۔ کہ بیٹے کو باپ کا شفیع بنایا جا رہا ہے۔ غرض یہاں سے شیطانی حسد، خودی، غیرت اور انانیت کے اربعہ عناصر وجود آدم میں نمودار ہوئے۔ اور ان کے خمیر سے آدم علیہ السلام کے اندر نفس کا وجود قائم ہوا۔ جس میں ابلیس ملعون نے اپنا مسکن، مورچہ اور کمین گاہ بنایا۔ اسی سے آدمؑ کو خودی اور شجرۃ الخلد کا فرضی سبز بہشت دکھا کر شجر ممنوعہ کا پھل کھلایا اور بہشت بریں سے باہر نکال لایا چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا امتحان مطلوب ہے۔ اس لئے شیطان کو روز قیامت تک مہلت دے دی۔ اور بڑا بھاری جرار جنود ابلیس یعنی شیطانی لشکر اس کے ہمراہ کر دیا۔ اور گمراہی کے قسم قسم کے ہتھیاروں سے اسے مسلح کر دیا۔ جن میں زبردست اور کارگر ہتھیار خودی اور انانیت کا ہے۔ یہی اس کا اصلی قدیمی فطرتی ہتھیار ہے۔ اور اس کے استعمال میں وہ بڑا ماہر ہے۔ یہی خودی اور انانیت پہلے اس کی اپنی گمراہی اور لعنت کا موجب بنی۔ اور ہر بنی آدم کے وجود میں نفس کے مورچے سے یہی زہر میں بجھے ہوئے تیر ہر وقت چلاتا ہے کہ تیرے برابر اور کوئی نہیں ہے۔ اور بزرگان دین اور پیشوایان دین متین سے بدظن اور بدگمان کرتا ہے۔ پہلے روز آدمؑ کی نسبت حسد اور خودی و استکبار کے مہلک جراثیم نے خود اس کا کام تمام کیا۔ اور پھر اسی سم قاتل کو آدم کے وجود میں اپنی تھوک کے ذریعے ڈال کر اسے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اعتراض اور غیرت کو خودی کی شکل میں نمودار کیا۔ اور اسے بہشت قرب سے نکال کر زندان بعد دنیا میں ڈال دیا۔ اور خودی و انانیت اور حسد کے یہی مہلک جراثیم نسلاً بعد نسل آدم کی اولاد میں چلے

آئے اور کفار نابکار مشرک بے دین حاسد کور چشم قیامت تک اسی موروثی حسد اور انانیت کی وجہ سے پیغمبروں اور اولیاء اللہ سے بدظن اور بدگمان رہتے ہیں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام سال ہا سال اپنی خطا پر دنیا میں روتے رہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن پھر جب آپؑ کے اچھے دن آئے تو آپ پر اللہ تعالیٰ کا عرش دوبارہ منکشف ہوا۔ اور ساق عرش پر کلمۂ طیب کو مرقوم دیکھ کر آپؑ کو اللہ تعالیٰ کا فرمان یاد آیا۔ اور اپنی خطا کی معافی کا ایک زریں موقع مل گیا۔ اس وقت آدم علیہ السلام کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے قہر اور جلال کی آتش خوف اور یاد خطا پر ندامت اور گریہ وزاری کے سبب خودی اور انانیت کے جراثیم کچھ تو جل گئے تھے۔ اور کچھ دل سے آنکھوں کی راہ آنسوؤں کی شکل میں بہہ گئے تھے۔ اس وقت آدم علیہ السلام نے خودی اور انانیت کی آتشیں چادر گلے سے اتار کر عجز اور نیاز کا خاکی جامہ پہنا اور زمین نیاز پر سر رکھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض پرداز ہوئے اے اللہ! اپنے اس حبیب کے صدقے جس کا نام مبارک تو نے اپنے اسم مبارک کے ساتھ عرش معلیٰ کے ساق پر مرقوم کیا ہے میری خطا معاف کر دے۔

قولہ تعالیٰ فتلقیٰ آدم من ربہ کلمت فتاب علیہ انہ ھو التواب الرحیم۔

ترجمہ۔ پس آدم علیہ السلام کو تائید ربی سے چند کلمات کی تلقین حاصل ہوئی۔ جن کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ تحقیق وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کی خودی کی پرکھ کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیل اس طرح محک ثابت ہوا۔ جس طرح تمام ملائکہ کی خودی کا آدم علیہ السلام کے آگے سجود اور تعظیم و نیاز کے وسیلے سے امتحان ہوا تھا۔ اور جملہ اولیاء اللہ کی خودی کا امتحان حضرت سید الاولیاء قطب ربانی غوث صمدانی حضرت سید محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کے فرمان حق ترجمان قدمی ھذہ

علی رقبتہ کل ولی اللہ کے آگے سر نیاز و تسلیم جھکانے سے کیا گیا۔ کیونکہ خودی اور خدا ہرگز یکجا نہیں ہو سکتے۔ انسان کے وجود میں شیطان کے مختلف مورچے اور کمین گاہیں ہیں۔ چنانچہ نفس امارہ اور خودی کا مسکن مقام ناف میں ہے۔ اور دوسرا مورچہ دل کے بائیں طرف خناس کا ہے۔ جو کہ شیطان کا معنوی خبیث طفل ہے۔ چنانچہ کبر و انانیت کا زہر شیطان اپنے فرزند لعین یعنی خناس کے ذریعے انسان کے دل میں ڈالتا ہے۔ خناس لعین کی بنیاد بھی من یعنی میں کی منی اور انا خیر منہ خودی اور انانیت کے خبیث نطفے سے پڑی ہے۔ اس کی مثالی شکل ہاتھی کی سی ہے۔ اور مچھر کی طرح اپنی زہریلی خرطوم اور کبر و انانیت کا اسے ایسا سخت بخار چڑھ جاتا ہے۔ کہ فرعون بے عون کی طرح کوس انا ربکم الاعلیٰ بجانے لگ جاتا ہے۔ اور اولیاء اور بزرگان دین کیا بلکہ انبیاء اور مرسلین کی بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ غرض یہ سفاک ازلی دشمن انسان کو کبر اور میں کی چھری سے ذبح کرتا ہے۔

بکری کرے میں میں میں گلے چھری پھراوے
مینا کرے میں نہ میں سب کے من کو بھاوے

حدیث۔ من مدح لاخیہ المسلم فی وجھہ فکانما ذبحہ بلا سکین۔

ترجمہ۔ جس شخص نیا پنے کسی مسلمان بھائی کی اس کے منہ پر تعریف کی گویا اس نے اسے چھری کے بغیر ذبح کر ڈالا۔ سو کبر اور انانیت شیطاب کا ایسا کاری داؤ پیش ہے کہ اس سے بغیر مرشد کے وسیلے کے بچنا محال ہے۔ اور اس مہلک مرض کے لئے یہی وسیلے والی دوا تریاق اکبر اور اکسیر اعظم ثابت ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ ہر چیز حد اعتدال پر محمود اور مفید ہوتی ہے۔ افراط اور تفریط کسی صورت میں درست نہیں ہے۔ تواضع اور نیاز اگرچہ اچھی چیز ہے لیکن اس کی بھی حد ہونی چاہیئے۔ یہ نہیں چاہیئے کہ پیغمبر کی تعظیم و تکریم خدا سے بڑھ کر کی جائے۔ اور ولی کو نبی سے بڑھا

دیا جائے۔ والدین اور استاد کی تعظیم کی اپنی حد ہے۔ مرشد اور ولی کا اپنا مخصوص مقام ہے۔ اور اس مقام اور مرتبے کے موافق اس کی تعظیم لازمی ہے۔ اور نبی اور رسول کا مرتبہ اگرچہ تمام خلق خدا سے بڑھ کر ہے لیکن اسے اللہ تعالیٰ سے ہرگز نہیں بڑھانا چاہیئے۔ اور جو تعظیم و تکریم یعنی سجدہ بغرض اظہار عبودیت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لئے مخصوص ہے اس میں کسی بشر کو شریک نہیں کرنا چاہیئے۔

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

اور ہر جگہ بے وجہ اور بے محل تواضع اور انکسار کو خواہ مخواہ اپنا شیوہ اور خو بنالینا انسان کو اپنی اور غیر کی نظروں میں ذلیل کر دیتا ہے۔ اور خود اعتمادی اور خودداری کے مفید جذبے کو بھی فنا کر دیتا ہے۔ اور انسان کو پست ہمت اور بے غیرت بنا دیتا ہے۔

تواضع گرچہ محمود است فضل بیکراں دارد
نباید کرد بیش از حد کہ ہیبت را زیاں دارد

تواضع ہر چند پسندیدہ ہے۔ اور اس میں بے شمار فضیلتیں ہیں۔ مگر حد سے زیادہ اختیار نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ اس سے انسان کا وقار جاتا رہتا ہے۔

سو نیاز او رتواضع دو قسم کی ہے۔ ایک محمود، دوم مذموم۔ چنانچہ کسی بے دین دنیا دار، مالدار یا دنیوی ظالم، فاسق، فاجر حاکم کی دنیوی طمع اور جلب منفعت کے لئے تعظیم و تکریم ناجائز اور ناروا بلکہ حرام مطلق ہے۔ حدیث میں آیا ہے من تکرم غنیا لغنائہ فقد ذھبا ثلثا دینہ۔ یعنی جس شخص نے کسی دنیا دار کی محض دنیا کی خاطر عزت اور تعظیم کی اس کا دو تہائی دین جاتا رہا کتنی بڑی تہدید ہے۔ اہل سلف صالحین اس بارے میں بڑی احتیاط برتتے تھے اور کسی دنیا دار کی عزت و تکریم کرنا بڑا بھاری گناہ سمجھتے تھے۔ بلکہ دنیا داروں اور اغنیاء و ملوک کے ساتھ سخت بے اعتنائی اور بے پروائی سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ آیا ہے کہ الکبر مع المتکبرین عبادۃ یعنی متکبر اور مغرور لوگوں کے ساتھ کبر کرنا اور خودداری سے پیش آنا ہی عبادت ہے اور محض اللہ

تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے والدین یا اپنے سے بڑی عمر والے خویش یا رشتہ دار سے تواضع اور نیاز سے پیش آنا یا استاد یا کسی بزرگ نیک صالح یا کسی شریف النسب سید، قریشی، بزرگ زادہ یا پیر و مرشد کی عزت او رتوقیر کرنا اور ان کے آگے تواضع اور نیاز سے پیش آنا محمود اور مبارک فعل ہے اور اللہ تعالیٰ کے مسکین اور نادار بندے کی اہانت اور تحقیر محض اس کی ناداری اور افلاس کی وجہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی نظر سے گرا دیتا ہے۔ اور اس کا مغضوب اور مقہور بنا دیتا ہے۔ اس کی مثالیں قرآن کریم اور احادیث نبویؐ کے اندر بے شمار موجود ہیں۔ اور سلف صالحین اور بزرگان دین کی کتابیں اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں۔ مقام عبرت ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں۔ لیکن دو مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے بھی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور قرآن کریم میں ایسے واقعات کا ذکر آیا ہے۔ ایک واقعہ تو وہ ہے کہ حضرت سرور کائنات صلعم ایک دن اشراف اور رؤسا قریش کو دین اسلام کی باتیں سنا رہے تھے۔ کہ ایک شخص نابینا صحابی عبداللہ ابن مکتومؓ اس مجلس میں آ گئے۔ اور بسبب نظر نہ ہونے کے آنحضرت صلعم کو تنہا خیال کیا۔ اور آپؐ کی بات کاٹ کر کچھ دین کی بات پوچھنے لگے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کو یہ ناگوار گذرا۔ اور حضرت عبداللہ کی بات کا کچھ جواب نہ دیا اور منہ پھیر لیا۔ حضرت عبداللہ مجلس سے ناامید و ملول ہو کر چلے گئے۔ جس پر جبرئیل بارگاہ ایزدی سے یہ آیتیں لے کر آ گئے۔

عبس و تولی ان جآء ہ الاعمی وما یدریک لعلہ یزکی او یذکر تنفعہ الذکری، اما من استغنی، فانت لہ تصدی وما علیک الا یزکی و اما من جاءک یسعی و ھو یخشی فانت عنہ تلھی کلا انھا تذکرۃ.

ترجمہ۔ محمد صلعم نے تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔ جب کہ ان کے پاس ایک

نادار نابینا مسلمان آیا۔ اور اے میرے نبی! تجھے کیا خبر تھی شاید اس نادار اندھے کی اصلاح ہو جاتی اور اسے ہدایت نصیب ہوتی یا نصیحت حاصل کرتا۔ اور اس نصیحت سے اسے فایدہ پہنچتا۔ لیکن جو شخص غنی اور بے پرواہ ہے اس کی طرف تو آپ خوب متوجہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ آپ کی نصیحت اور توجہ ان اشقیاء و اغنیاء کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی۔ اور تیرے ذمہ کوئی بات نہیں ہے کہ کوئی ہدایت پر نہ آئے۔ لیکن جو شخص (عبداللہؓ) تیرے پاس دوڑ کر آتا ہے، درآنحالیکہ وہ خدا سے ڈرتا ہے تو تو اس سے اعراض اور بے پروائی کرتا ہے۔ جب یہ آئتیں آنحضرت صلعم پر اتریں تو آپ کا رنگ مبارک فق ہو گیا۔ اور آپ فوراً مجلس سے اٹھ کر حضرت عبداللہؓ کے پیچھے چلے گئے۔ اور اسے بغل میں پکڑ کر واپس مسجد نبویؐ میں لے آئے۔ اور ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا کر انہیں عزت و احترام کے ساتھ بٹھا دیا۔ اور ان کی بڑی دلجوئی و دلداری فرمائی۔ اور ہمیشہ ان کی عزت کیا کرتے تھے۔ اور دو بار انہیں اپنے پیچھے مدینے کا خلیفہ نائب اور حاکم مقرر کر کے آپ سفر پر تشریف لے گئے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب جبرئیل علیہ السلام مذکورہ بالا آئتیں سنانے لگے۔ تو میرے دل پر اللہ تعالیٰ کے جلال کی بڑی ہیبت چھا گئی۔ اور میرا دل خائف اور لرزاں رہا۔ حتیٰ کہ آیت کلا انھا تذکرۃ سنی اور دل کو سکون حاصل ہوا۔ اور آیت مذکور کے یہ معنی ہیں کہ یہ قرآن تو ہر کہ و مہ کے لئے عام اللہ تعالیٰ کی دعوت پند و نصیحت ہے اور اس میں کسی کے لئے خصوصیت اور امتیاز نہیں ہے۔

ایک دوسرا واقعہ بھی اسی قسم کا قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مفلس اور نادار اصحاب کی ایک اچھی خاصی جماعت جنہیں اصحاب صفہ کہتے تھے آنحضرت صلعم کے پاس موجود تھی۔ یہ لوگ وطن اور گھر بار چھوڑ کر احکام الٰہی سیکھنے۔ اور کسب سلوک کے لئے آنحضرت صلعم کے پاس جمع ہو گئے۔ چونکہ ان کو رہائش اور سکونت کے لئے کوئی مکان میسر نہ تھا۔ اس لئے انہوں نیا اپنی رہائش کے لئے مٹی کا وسیع

چبوترہ بنا رکھا ہے چونکہ عربی زبان میں اس قسم کے چبوترے کو صفہ کہتے ہیں۔ اس لئے ان کا نام اصحاب صفہ پڑ گیا تھا۔ بعض بزرگان دین کا قول ہے کہ لفظ صوفی اسی سے نکلا ہے۔ غرض یہ لوگ پورے تارک الدنیا اور متوکل علی اللہ تھے۔ متاع دنیا میں سے ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ بمشکل ستر عورت کے لئے ایک چادر یا گوڈری ہر ایک کے پاس ہوتی تھی اور قوت لایموت پر ان کا گذر اوقات تھا۔ دن رات یاد الٰہی اور دیدار محمدی صلعم اور آپ کی صحبت اور توجہ ان کی غذا تھی۔ آنحضرت صلعم جس وقت ان کے درمیان تشریف لاتے تو یہ لوگ پروانوں کی طرح آپ کی شمع جمال پر گر کر آپؐ کے ارد گرد جمع ہو جاتے۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ دنیا داروں اور زرداروں کو ہمیشہ فقراء اور نا داروں سے نفرت رہا کرتی ہے۔ اور ان کے ساتھ یکجا بیٹھنے میں اپنی ہتک اور توہین خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ صنادید اور روٴساء قریش جب آنحضرت صلعم سے ملنے آتے۔ اور آپ کو ژولیدہ موئے اور گرد آلود درویشوں کے مجمع میں بیٹھا دیکھتے تو ان کو ان کے ساتھ اکٹھا بیٹھنے میں عار اور شرم محسوس ہوتی۔ ایک دن ان روٴساء اور امراء نے آنحضرت صلعم سے کہا کہ ہم جب کبھی آتے ہیں تو آپ کو ان میلے کچیلے اور ننگے ملنگوں میں گھرا ہوا پاتے ہیں۔ ہم آپؐ کے پاس آپؐ کی باتیں سننے کے لئے جب کبھی آیا کریں۔ تو آپؐ ان سے اٹھ کر ہمارے ساتھ ایک الگ جگہ میں بیٹھا کریں جہاں ان لوگوں کو آنے کی اجازت نہ ہو۔ یا کم از کم ان سے منہ پھیر کر ہماری طرف متوجہ ہو جایا کریں۔ چونکہ آپؐ دین اور دعوت کے معاملے میں حریص واقع ہوئے تھے۔ اس لئے آپؐ اس معاملے میں کوئی تجویز کرنے لگے تو اتنے میں جبرئیل علیہ السلام یہ آئتیں لے کر آئے۔ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ ولا تعد عینا ک عنھم ترید زینۃ الحیوۃ الدنیا ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا واتبع ھوہ وکان امرہ فرطا۔ اے محمد صلعم! اپنے نفس کو ان درویشوں (اصحاب صفہ) کی ظاہری میل کچیل اور گرد و غبار پر صابر اور قانع رکھ جو

دن رات اپنے رب کی یاد میں محو اور مصروف ہیں۔ اور ہر حال میں اس کی رضامندی وخوشنودی اور قرب ومشاہدہ ان کا مقصود اور مدعا ہے ان لوگوں سے نظر اور توجہ ایک لمحہ کے لئے بھی نہ ہٹا۔ اگر ایسا کیا تو گویا تو نے دنیا کی زیب وزینت کا ارادہ کرلیا۔ اور صناد یداور روٴسا قریش کی بات نہ مان جن کے دل میری یاد سے غافل ہیں۔ اور دنیوی اور نفسانی خواہشیں ان کا مقصود اور مطلوب ہیں۔ گو ظاہری صورت میں ان کی زندگی کامیاب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا معاملہ ہیچ در ہیچ اور تباہ ہے۔ ان حالات کو دیکھ کر سلف صالحین اور بزرگان دین ودنیوی امراء وروٴساء کی توہین وتحقیر اور خدا کے نیک، فقیر اور نادار بندوں کی تعظیم وتکریم میں بڑا بھاری غلو کیا کرتے تھے۔ اور دنیا داروں اور زرداروں بلکہ بادشاہوں تک کو ایک مکھی اور جوں کے برابر بھی نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنی نیت میں صادق تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کی رفعت اور بلندی ان کا مقصود تھا۔ ان کی روحانی طاقتیں فلک الافلاک پر پہنچی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بادشاہوں کو ان کا حلقہ بگوش غلام اور تابعدار بنا دیا تھا۔ کیونکہ اس زمانے کے نیک بادشاہوں پر یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی تھی کہ ان کی بادشاہی اور سلطنت کا قیام اور قوام ان قدسی نژاد ہستیوں کے پاک دم سے ہے۔ لہٰذا اس زمانے کے بادشاہ درویشوں کے درباروں میں سائل اور گداگروں کی حیثیت سے جایا کرتے تھے۔ اور ان کے وسیلے اور دعا کے طفیل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنی مشکلات حل کراتے تھے۔ تاریخ کی کتابیں ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہیں۔ چنانچہ ہم ان میں سے چند ایک مختصر واقعات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ حضرت میاں میر صاحبؒ ایک دن اپنے درویشوں کے ساتھ اپنے تکیئے اور حجرے کی چھت پر صبح کے وقت رونق افروز تھے۔ اس وقت آپ ایک درویش کی ران پر سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ اور باقی درویش اپنی

گودڑیوں میں سے جوئیں نکالنے میں مصروف تھے کہ اتنے میں آپؒ کے ایک درویش نے شہنشاہ ہندوستان یعنی شاہجہان بادشاہ کو مع ان کے بڑے فرزند دارا شکوہ کے حضرت میاں میر صاحبؒ کی زیارت کے لئے آتے دیکھا تو ہنس دیا۔ آپؒ نے اس درویش سے ہنسی اور خوشی کی وجہ پوچھی۔تو اس نے عرض کیا۔کہ جناب بادشاہ شاہجہان اور داراشکوہ آپؒ کی زیارت کے لئے آ رہے ہیں۔اس پر آپؒ نے فرمایا کہ ارے نادان! میں تو یہ سمجھا کہ تجھے اپنی گودڑی میں کوئی بڑی موٹی جوں مل گئی ہے۔جس سے تو خوش ہو رہا ہے۔بے وقوف تو بادشاہ کے آنے سے دانت دکھا رہا ہے۔غرض ان لوگوں کی نظروں میں بادشاہ دنیا کی حقیقت جوں اور پسو سے بھی کم تھی۔پھر اللہ تعالیٰ کے نام کی ہیبت اور حشمت اور عزت وعظمت ان کے وجود مسعود میں اس قدر تھی کہ بادشاہ ان کے رعب وجلال سے تھر تھر کانپتے تھے اور ان کی کفش برداری کو اپنی سعادت اور فخر سمجھتے تھے۔کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت میاں میر صاحبؒ کی قدم بوسی سے فارغ ہو کر جب شاہجہان اور داراشکوہ ایک طرف کونے میں مسکینوں کے ساتھ بیٹھ گئے۔تو حضرت میاں میر صاحبؒ اس وقت الائچی خورد منہ میں چبا رہے تھے۔اور اس کا فضلہ اپنے منہ سے نکال کر تھوکتے جاتے تھے اور شاہجہان بادشاہ اسے بطور تبرک اپنی شاہی چادر کے ایک کونے میں ہیروں اور جواہرات سے زیادہ قیمتی سمجھ کر جمع کرتے جاتے تھے۔

قدم بروں مگذر از سرائے درویشی
کہ مار گنج بود بوریائے درویشی
اگر ز سیل حوادث جہاں شود ویراں
خلل پذیر نگرود و بنائے درویشی
زباں درازی تیغ و سناں بود چنداں
کہ از نیام نیاید عصائے درویشی

بکار ہر کہ فتد عقدۂ دریں عالم
شود کشادہ ز دست دعائے درویشی

بہشت اگرچہ مقامات دلنشیں دارد
نمے رسد بمقام رضائے درویشی

ہمائے فقر بہر کس نمے کند اقبال
وگرنہ نیست سرے ہوائے درویشی

دو عالم از نظرش چوں دو قطرہ اشک فتد
بدیدہ ہر کہ کشد توتیائے درویشی

منہ چوں مرکز ازیں حلقہ پابروں صائب
کہ دل بوجد در آرد نوائے درویشی

کتاب تذکرۃ الاولیاء میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون الرشید نے فضل برمکی سے کہا کہ آج ہمیں کسی مرد خدا کے پاس لے چلو۔ کیونکہ اس دنیوی طمطراق اور سلطنت کی سر دردی سے دل بیزار ہو گیا ہے۔ شاید قلب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ سکون اور اطمینان حاصل ہو۔ فضل انہیں سفیانؒ عینیہ کے دروازے پر لے گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا تو سفیانؒ نے پوچھا کون ہے۔ کہا امیر المومنین دروازے پر تشریف لے آئے ہیں۔ سفیانؒ نے کہا مجھے کیوں نہ پہلے اطلاع دی۔ کہ میں خود حاضر ہو جاتا۔ جب ہارون الرشید نے یہ سنا تو کہا یہ وہ مرد نہیں ہے جسے میں طلب کرتا ہوں۔ سفیان نے یہ سن کر کہا کہ اگر مرد خدا کی طلب ہے تو انہیں فضیل بن عیاضؒ کے پاس لے چلو۔ چنانچہ ہر دو وہاں سے شیخ فضیل بن عیاضؒ کی کٹیا پر گئے۔ شیخ صاحبؒ اس وقت یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ ام حسب الذین اجترحوا السیات ان نجعلھم کالذین امنوا۔ ہارون نے کہا۔ کہ اگر میں پند چاہتا تو یہ آیت میرے لئے کافی تھی۔ اس آیت کے معنی ہیں۔ جن لوگوں نے بدکاری اپنا شیوہ بنالیا

ہے۔ کیا انہوں نے سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں نیکو کار مومنوں کے برابر کردیں گے۔ اس آیت نے ہارون کے دل پر تازیانہ عبرت کا کام کیا۔ پھر دروازے پر دستک دی تو شیخ صاحب نے پوچھا کون ہے۔ کہا امیر المؤمنین! جواب دیا۔ امیر المومنین کا میرے پاس کیا کام اور مجھے اس سے کیا مطلب؟ مجھے اپنے کام سے نہ نکالو۔ اور میرا وقت ضائع نہ کرو۔ اس پر فضل برمکی نے کہا اور اصرار کیا کہ اجازت سے اندر آئیں یا حکم سے۔ فرمایا۔ اجازت نہیں ہے حکم سے آؤ تو تم جانو۔ ہارون اندر آئے تو شیخ صاحبؒ نے اپنا چراغ گل کر دیا تاکہ ہارون کے چہرے پر نظر نہ پڑے۔ ہارون اندھیرے میں آگے بڑھے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا ہاتھ شیخ صاحبؒ کے ہاتھ پر جا پڑا۔ تو آپؒ نے فرمایا مالین ھذا الکف لونجا من النار۔ یعنی یہ ہاتھ کس قدر زم ہے۔ کاش دوزخ کی آگ سے بچ جائے۔ یہ فرما کر نماز کی نیت باندھ لی اور نماز پڑھنے لگ گئے۔ ہارون رونے لگ گیا۔ اور عرض کی کہ آخر کچھ تو ارشاد فرمائیے۔ شیخ صاحبؒ نے جب سلام پھیرا تو فرمایا کہ تمہارے دادا نے آنحضرت صلعم سے کسی علاقے کی امارت طلب کی تھی۔ تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ آپ کو اپنے نفس پر حاکم اور امیر بننے کی تلقین کرتا ہوں۔ یعنی اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا امر کرتا رہ، یہ ہزار سال تک خلقت کی امارت اور عدالت سے تیرے لئے بہتر ہے۔ ان الامانۃ ندامۃ یوم القیامۃ یعنی امیری اور حکومت قیامت کے روز جملہ حاکموں اور امیروں کے حق میں موجب ندامت اور باعث شرمندگی ثابت ہو گی۔ ہارون نے کہا کہ کچھ مزید ارشاد فرمائیے۔ فرمایا۔ جب عمر بن عبدالعزیز تخت پر بٹھائے گئے۔ تو انہوں نے سالم بن عبداللہ اور راجیاء بن حیوۃ اور محمد بن کعب وغیرہ کو بلا کر کہا کہ میں ایک سخت آزمائش اور بڑے امتحان کے معاملے میں اپنے آپ کو گھرا ہوا پاتا ہوں۔ مجھے نجات کا کوئی مختصر سا راستہ اور اس پر چلنے کی آسان ترین تدبیر بتاؤ۔ ان میں سے بوڑھے بزرگ نے فرمایا کہ اے امیر المومنین تدبیر یہ ہے

کہ اپنی رعیت کے بوڑھوں کو اپنے باپ اور جوانوں کو مثل بھائیوں کے اور چھوٹوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھو۔ ہارون زار زار رونے لگا اور کہا کہ کچھ مزید ارشاد فرمائیے۔ فرمایا میں تیرے اس خوب صورت چہرہ پر ڈرتا ہوں کہ قیامت کے روز برے اعمال کے سبب بدنما اور خراب نہ ہو جائے۔ کیونکہ بہت سارے امیر وہاں اسیر ہو جائیں گے۔ ہارون چلا چلا کر رونے لگا۔ اور پھر عرض کیا۔ کہ کچھ مزید ارشاد فرمائیے۔ فرمایا۔ خدا تعالیٰ سے ڈرو اور روز قیامت کے حساب کے لئے مستعد اور تیار رہو۔ کیونکہ قیامت کے روز حق تعالیٰ تم سے ایک ایک مسلمان کی باز پرس کرے گا۔ اور ہر ایک کا انصاف طلب کرے گا۔ اگر رات کو تیری اس طویل اور عریض سلطنت کے اندر ایک بوڑھی عورت بھی بھوکی سوئے گی۔ تو کل تیرا دامن پکڑے گی۔ ہارون روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ اس پر فضیل برمکی نے عرض کیا کہ اے شیخ! بس کرو۔ آپؒ نے امیر المومنین کو مار ڈالا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ اے ہامان! خاموش رہ۔ کہ تو نے اور تیرے ہم نواؤں نے اسے ہلاک کیا ہے۔ ہارون کا گریہ ان الفاظ سے اور زیادہ ہو گیا۔ بعدہٗ کہا کہ سچ ہے۔ اے فضیل! تو ہامان ہے۔ اور میں فرعون۔ پھر ہارون نے پوچھا۔ کہ میں نے سنا ہے آپ پر کچھ قرضہ ہے۔ جواب دیا کہ ہاں! اپنے مالک کا میں بڑا مقروض ہوں۔ اگر اس قرضے سے میں زندگی میں سبکدوش نہ ہوا تو مجھ پر افسوس ہے۔ ہارون نے کہا۔ میں مخلوق کے قرضے کی بابت پوچھتا ہوں۔ آپؒ نے جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ اس کی نعمت اور دولت میرے پاس بہت ہے۔ ہارون نے ہزار دینار کی تھیلی سامنے رکھ کر عرض کی کہ یہ چیز مجھے بطور میراث ماں سے ملی ہے۔ یہ حلال طیب ہے۔ اگر آپؒ اسے اپنے اخراجات میں استعمال فرمائیں تو ہرج نہ ہوگا۔ شیخؒ نے آہ سرد کھینچ کر فرمایا کہ افسوس میری اتنی نصیحت اکارت گئی اور تجھ پر کچھ اثر نہ ہوا۔ یہاں بھی تم نے ظلم شروع کر دیا ہے اور بیدادگری کرنے لگ گئے ہو۔ میں تجھے نجات اور مغفرت کی طرف

لاتا ہوں۔ اور تو میری ہلاکت اور تباہی کے سامان تیار کر رہا ہے۔ میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو تم رکھتے ہو وہ اپنے حقداروں کو دے دو۔ اور تم پر ایا مال ایسے آدمی کو دے رہے ہو جس کے لینے کا وہ کسی طرح حقدار نہیں ہے۔ اے ہارون! کچھ شرم کر! اور خدا سے ڈر۔ یہ کہہ کر شیخ صاحبؒ ہارون کے سامنے سے اٹھے۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ ہارون روتے ہوئے روانہ ہوئے اور فضیل برمکی سے کہا۔ کہ مردان خدا اس طرح ہوا کرتے ہیں جس طرح فضیل بن عیاض ہیں۔ ابیات جمالیؒ

لنگکے زیر و لنگے بالا

نے غم رزق و نے غم کالا

گز کے بوریا و پوستکے

دلکے پر ز درد دوستکے

ایں قدر بس بود جمالی را

عاشق رند لا ابالی را

ترجمہ۔ درویش کے لئے احرام کی صورت میں صرف ایک چادر اوپر اور ایک چادر نیچے چاہیئے۔ اس کا دل روزی اور کپڑوں کے غم اور فکر سے فارغ ہو۔ بچھونے کے لئے ایک چٹائی یا چمڑے کا ٹکڑا کافی ہے۔ اور اس کا دل دوست کے درد سے پر ہو۔ یعنی خانہ ویران اور دل معمور ہو۔ جمالیؒ کے لئے اور ہر عاشق رند لاابالی کے لئے دنیا میں اسی قدر سرمایہ اور سرو سامان کافی ہے۔

غرض اگلے زمانے کے بزرگان دین اللہ تعالیٰ کے سچے طالب اور صادق سالک ہوا کرتے تھے۔ وہ باطنی دولت اور روحانی ثروت سے مالا مال تھے۔ اس واسطے ان کے دلوں میں نہ دنیا کی محبت اور نہ کچھ قدر و قیمت تھی۔ اور نہ دنیا داروں کی عزت اور حرمت تھی۔ وہ ہر وقت موت کے مطالعہ میں محو تھے۔ دنیا کی زندگی ان کی حقیقت شناس دوربین نظروں میں محض ایک فانی شے خواب و خیال کی سی معلوم ہوتی تھی۔

آخرت کی دارِ جاودانی، زندہ بیدار دنیا ان کی آنکھوں میں حقیقی طور پر جلوہ گر تھی۔ خواب کی خیالی اور فانی زندگی کو زندہ بیدار جاودانی زندگی سے کیا نسبت۔ خواب کی بادشاہی ایک دمڑی کو بھی مہنگی ہے۔

لذات جہاں چشیدہ باشی ہمہ عمر
با یار خود آرمیدہ باشی ہمہ عمر
چوں آخر وقت زیں جہاں خواہی رفت
خوابے باشد کہ دیدہ باشی ہمہ عمر

ایک حکایت مشہور ہے کہ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شہزادہ آیا اور چند اشرفیوں کی تھیلیاں نذر گذاریں کہ یا حضرتؒ میں نے دنیا ترک کر دی ہے۔ اور میری دنیا کی یہ سب پونجی آپؒ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اسے جہاں چاہیں خرچ کریں۔ اور مجھے اپنا طالب بنا کر اللہ تعالیٰ کا راستہ دکھائیں اور اس محبوب حقیقی تک پہنچائیں۔ شیخ صاحبؒ نے وہ تھیلیاں اس شہزادہ کے سر پر لاد کر ایک اپنا درویش ساتھ کر کے فرمایا کہ جاؤ اسے دریائے دجلہ میں ڈال آؤ۔ جب وہ تھیلیاں دریا میں ڈال کر شیخ صاحبؒ کے پاس واپس آئے اور عرض کیا کہ حضرتؒ وہ اشرفیاں ہم دریا میں ڈال آئے ہیں۔ اب مجھے حضور حلقۂ ارادت میں داخل فرمائیں اور اپنی غلامی میں منظور فرمائیں۔ شیخ صاحبؒ نے اپنے درویش سے دریافت فرمایا کہ شہزادہ نے اشرفیاں کس طرح اور کیونکر دریا میں ڈالیں۔ درویش نے عرض کیا کہ جناب شہزادہ ایک ایک تھیلی کا منہ کھولتا جاتا تھا اور مٹھیاں بھر بھر کر دریا میں ڈالتا جاتا تھا۔ اس طرح سب دریا میں ڈال دیں۔ آپؒ نے شہزادے کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اگر بجائے اشرفیوں کے ان تھیلیوں میں گندگی بھری ہوتی تو انہیں کس طرح دریا میں ڈالتا۔ شہزادے نے کہا کہ جنابؒ سب کو تھیلیوں سمیت یکدم دریا میں پھینک دیتا۔ شیخ صاحبؒ نے فرمایا۔ تیرے دل میں ابھی تک دنیا کی محبت جاگزیں ہے۔ اس

لئے تو نہیں چاہتا تھا کہ وہ یک دم تجھ سے جدا ہو۔ تو مٹھیاں بھر بھر کر اس واسطے انہیں دریا میں ڈالتا تھا کہ وہ ایک لمحہ کے لئے تیرے پاس اور بھی رہے۔ اور جب وہ تجھ سے جدا ہوتی جائے۔ تیرا ہاتھ آخری بار محبوبۂ دنیا سے چھوتا جائے۔ تیرے لئے یہ سزا مقرر کرتا ہوں کہ ایک سال تک بغداد کی گلیوں میں بھیک مانگتا پھر۔ چنانچہ شہزادہ زنبیل لے کر بغداد میں گداگری کرتا رہا۔ تقریباً ایک سال گذرا ہوگا کہ شہزادہ ایک روز

اگر زندگی کی ساری لذتیں تو نے چکھی ہوں۔ اور عمر بھر تو اپنے محبوب کے ساتھ خرم کو خوشدل رہا ہو۔ مگر بالآخر جب اس جہان سے رخصت کا وقت آئے گا تو یہ سب کچھ ایک خواب ہوگا جو تو عمر بھر دیکھتا رہا۔

خالی زنبیل لے کر شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ جناب آج سارا بغداد پھرا ہوں۔ کسی نے ایک ٹکڑا نہیں ڈالا۔ سب یہی کہتے رہے کہ تو بڑا بے حیا اور کم چور ہے۔ ہٹا کٹا موچھ ڈنڈا ہے۔ کام نہیں کرتا۔ ہر روز دروازے پر آ دھمکتا ہے۔ سارے شہر کو گندہ کر رکھا ہے۔ شیخ صاحبؒ نے فرمایا کہ بس اب تیرا امتحان پورا ہوگیا ہے۔ اب تجھے دنیا والوں کی بے مروتی بھی معلوم ہوگئی ہے۔ کہ اللہ کے نام پر روٹی کا ایک ٹکڑا بھی دینا گوارا نہیں کرتا۔ اب امید ہے کہ اگر تیرے پاس اللہ کے نام کی دولت آ گئی تو اس کی قیمت جانے گا۔ اور اس درگراں مایہ کو رایگاں کتوں کے منہ میں نہ ڈالے گا۔ اس کے بعد شیخ صاحبؒ نے اس شہزادہ کو حلقۂ ارادت میں داخل کر لیا۔ اور رو اصلان حق میں سے ہوگیا۔ یہ مذکورہ بالا چند حکایتیں بطور مشتے نمونہ از خروارے بیان کر دی گئی ہیں۔ اس سے ناظرین اہل یقین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ اسلامی دنیا کے اہل سلف صوفیوں اور فقیروں نے اپنی روحانی سائنس کی وہ فوق العادت کشف کرامات اور حیرت انگیز کرشمے دنیا کو دکھائے جنہیں دیکھ کر اس زمانے کے تمام لوگ انگشت بدنداں رہ گئے۔ حتیٰ کہ ایک گداگر سے لے کر شاہان

جہاں تک ہر کہ ومہ اور خاص و عام ان کے عاشق اور شیدائی ہو گئے۔ اور ہر شخص ان پر جان و مال تصدق کرنے اور لٹانے کے لئے تیار ہو گیا۔ اور معرفت اور فقر کے گوہر بے بہا کا دل و جان سے خریدار ہو گیا۔ اگلے زمانے کے فقیر بھی اپنی متاع عزیز کی قدر و قیمت خوب جانتے تھے۔ اور تمام دنیا کی بادشاہی کے عوض بھی اسے کسی کے حوالے کرنا سخت گھاٹے اور خسارے کا سودا خیال کرتے تھے۔ اس زمانے کے سالک فقیر اور معرفت کے اصلی مالک ان لعل و جواہر آبدار کے صراف حقیقی اور سچے دوکاندار تھے۔ اور اس زمانے کے طالب مرید بھی اپنی طلب میں صادق اور اس عزیز القدر متاع گرانمایہ کے دل، مال اور جان بلکہ دو جہان کے عوض بھی خریدار تھے۔ چنانچہ وہ حضرت ابن یمینؒ کے مصداق تھے۔ حضرت ابن یمینؒ نے ان ابیات میں اگلے زمانے کے سچے فقراء کا صحیح نقشہ پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ابیات

نان جویں و خرقۂ پشمین و آب شور
سی ۳۰ پارۂ کلام و حدیث پیمبری

ہم نسخۂ دو چار ز علمے کہ نافع است
در دیں نہ لغو بو علی و ژاژ عنصری

تاریک کلبۂ کہ پے روشنی آں
بیہودہ ہمتے نہ برد شمع خاوری

با یک دو آشنا کہ نیز زد بہ نیم جو
در پیش چشم ہمت شاں ملک سنجری

ایں آں سعادت است کہ حسرت برد بر آں
جویائے تخت قیصر و ملک سکندری

ترجمہ۔درویش اور فقیر کے لئے اس دارِ دنیا میں جو کی روکھی سوکھی روٹی، کھارا پانی اور اون اور پشم کا خرقہ اور گوڈری کافی ہے۔اس سے زیادہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ مطالعہ اور پڑھنے کے لئے کلام اللہ کے تیس سیپاروں اور احادیث نبویؐ کا شغل بس ہے۔اور علم دین کے حصول کے لئے بو علی سینا کی لغویات اور عنصری کی فضولیات سے قطع نظر دو چار مفید نسخے درکار ہیں۔اور رہنے سہنے کے لئے ایک تاریک کوٹھڑی جو سورج کی روشنی سے بھی بے نیاز ہو کافی ہے۔اور صحبت اور سوسائٹی کے لئے ایک دو ایسے مردان خدا ہوں جن کی بلند ہمت کے سامنے نیمروز اور سنجر کا ملک آدھے جو کی قدر اور قیمت نہ رکھتا ہو۔اگر یہ حال کسے حاصل ہو۔تو وہ سعادت مند ہے کہ جس پر تخت قیصر کے طلب گار اور ملک سکندر کے متلاشی رشک اور حسرت کھائیں تو زیبا ہے۔

جب فقر اور درویشی کی یہ گرم بازاری اور اس میں دین و دنیا کی دائمی عزت اور

سرداری اہل خلف یعنی پچھلے زمانے کے لوگوں کو نظر آئی۔ تو محض دنیوی حصول اور عز و جاہ کی خاطر اکثر لوگ اس طرف دوڑ پڑے۔ چونکہ اہل سلف کے صادق سچے سالک محبوبیت اور معشوقیت کے مجسم پیکر تھے۔ اس لئے ان کے کردار کی ہر ادا، ان کی گفتار کا ہر لفظ حتیٰ کہ ان کے مخصوص لباس تصوف یعنی صوف، خرقے اور گودڑی کے ہر تارسے محبوبیت ٹپکتی تھی۔ اور تسبیح، عصا اور سجادہ و کلاہ وغیرہ تقدس کے لیبل اور سائن بورڈ سمجھے جاتے تھے اس پچھلے ریاکار، مکار صوفیوں اور جھوٹے فقیروں نے ان کی تجارت شروع کر دی۔ اور ان چیزوں سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ اور مرغان سادہ لوح کو ان داموں میں خوب پھنسایا۔ اور انہیں نوچ نوچ کر کھایا۔ لیکن دروغ کو ہمیشہ فروغ نہیں ہوا کرتا۔ اور جھوٹ اور فریب کا پول آخر کھل جاتا ہے۔ چنانچہ ان کی عیاریاں اور مکاریاں زمانے پر ظاہر ہو گئیں۔ اور ان کا پردہ چاک ہو گیا۔ ان کے احوال اور افعال کا تعفن اور بدبوعیاں ہو گئی۔

کامل فقیر اور سچے سالک صوفی اگر دنیا میں مل جائیں۔ تو ان کی جس قدر عزت اور تعظیم کی جائے کم ہے۔ ان کی خدمت میں جان و مال قربان کر دینا چاہیئے۔ ان کے قدموں کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بنایا جائے۔ ان کے حقوق تمام دیگر حقوق پر مقدم ہیں۔ اور باقی تمام حقوق ان کے حقوق میں ادا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے یہ لوگ ملانے والے ہیں۔ اور ان کی بارگاہ میں مقبول اور منظور کرنے والے ہیں۔ سعادت دارین اور گنج کونین کی کنجیاں ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہوا کرتی ہیں۔ جس شخص پر نگاہ لطف و کرم ڈالتے ہیں۔ اسے دین و دنیا میں مالا مال کر دیتے ہیں۔ جس سے وہ تمام اہل حقوق کے حق ادا کر دیتے ہیں۔

تمنا دردِ دل کی ہے تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو

ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اسلام میں خلافت اور امامت یعنی ملکی، مذہبی اور روحانی پیشوائی نہایت لازمی اور ضروری چیز ہے۔ اور کسی لیڈر، راہبر اور راہنما کے بغیر نہ کوئی ادارہ قائم کرسکتا ہے۔ اور نہ چل سکتا ہے۔ اور نہ اجتماعی زندگی بن سکتی ہے اور نہ کامیاب ہوسکتی ہے۔ غرض ایک کامل مرد کا وجود زندگی کے ہر شعبے میں مثل مرکز ہوتا ہے۔ جس پر اس شعبے کا دائرہ دائر اور روان ہوتا ہے۔ یا جس طرح چکی محور پر چلتی ہے۔ غرض زندگی کے تمام اجتماعی کاموں میں راہبر، راہنما اور پیشوا کا وجود اس طرح ضروری ہے۔ جس طرح ریل گاڑی اور موٹر لاری کے لئے انجن ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو اسلام، ایمان، ایقان اور عرفان کے سلک میں منسلک کرنے کے لئے اہل کامل راہنما کا وسیلہ اور واسطہ اس طرح ضروری ہے جس طرح تسبیح کے دانوں کو ایک لڑی اور سلک میں منسلک کرنے کے لئے ایک تار اور تاگے کا وجود لازمی ہوتا ہے۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا میں اسی وسیلے اور واسطے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی مرد کامل کا وجود بمنزلہٗ ایک رسی کے ہے۔ اس کے ساتھ سب اکٹھے چمٹ جاؤ۔ اور اس سے علیحدہ اور تفرق اختیار نہ کرو۔ نماز باجماعت پڑھنے کی اس لئے سخت تاکید ہے۔ کہ اس میں ایک امام اور باقی مقتدیوں کا امام کے حکم اشاروں پر کام کرنے میں واعتصموا بحبل اللہ جمیعا کا صحیح نقشہ کھینچ جاتا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔ وکل شیء احصیناہ فی امام مبین۔ یعنی ہم نے ہر چیز ایک امام مبین کے وجود میں جمع کردی ہے۔ قیامت کے روز بھی یہی نقشہ ہوگا۔ کہ ہر قوم، ہر گروہ اور ہر امت اپنے ایک پیشوا اور امام کے پیچھے چلے گی اور پیش ہوگی۔ قولہ تعالیٰ۔ یوم ندعوا کل اناس بامامھم۔ ترجمہ۔ جس دن ہم بلائیں گے ہر فرقہ کو ان کے سرداروں کے ساتھ۔ یعنی اس روز ہر گروہ ایک امام کے پیچھے اور ہمراہ آئے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے نیک برگزیدہ بندوں کی تعظیم اور تکریم چونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے کی جاتی ہے۔ اس لئے یہ تعظیم بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہوا کرتی ہے۔ البتہ

دنیا داروں اور زرداروں کی محض دنیوی لالچ اور طمع کی غرض سے تعظیم وتکریم کرنا خدا کے نزدیک مکروہ معیوب اور حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی تعظیم وتکریم میں اللہ تعالیٰ کی عزت وتوقیر مضمر ہے۔ اور دنیا و دنیا داروں کی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ہر جگہ مذمت فرمائی ہے۔ اور ان کی عزت و تعظیم اور ان کی متابعت سے اپنے رسول کو منع فرمایا ہے۔ احمد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے سہل ابن سعد سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

لو كانت الدنيا تعدل عندالله جناح بعوضة وما سقى كافرا منه شربة ماء.

ترجمہ۔ اگر دنیا کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی۔ تو کافر کو پانی کا ایک ٹھنڈا گھونٹ بھی نصیب نہ ہوتا۔ اہل سلف بزرگان دین خدا کی برگزیدہ ہستیوں کی تعظیم وتکریم اور دنیا داروں کی اہانت اور تحقیر میں حد درجہ مبالغہ اور غلو فرماتے رہے ہیں۔ اور اس دستور العمل الحب للہ و البغض للہ کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کا باعث سمجھتے رہے ہیں۔ لہذا اولیاء اللہ اور انبیاء اللہ کی تعظیم وتکریم محمود ہے۔ اور دولتمندوں اور اغنیاء کی تعظیم مذموم ہے۔ بنی آدم کے ساتھ شیطان بڑے زبردست داؤ کھیلتا ہے۔ اور جس طرح بن آئے انہیں خدا کی برگزیدہ ہستیوں سے بدظن اور بدگمان کرتا ہے۔ اور ان کی تعظیم کا منکر بلکہ ان کا دشمن بنا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص ان کا نام عزت اور تعظیم سے لینے بھی لگے تو انہیں سخت چڑ لگتی ہے۔ بزرگان دین کے بغض اور عناد پر شیطان اپنے ہم مشرب اور ہم نوا لوگوں کو طرح طرح کے باطل دلائل اور حجتوں سے مضبوط اور قائم رکھتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ تو موحد ہے اور توحید اصل کار ہے۔ اور کبھی کہتا ہے اللہ تعالیٰ شہ رگ سے نزدیک خود سمیع و بصیر اور قریب و مجیب ہے۔ انسانوں کے حیلے وسیلے اور شفاعت کی کیا ضرورت ہے۔ انبیاء اور اولیاء اللہ بھی ہماری طرح انسان تھے۔ اللہ

تعالیٰ عادل ہے۔ سفارش اور وسیلہ عدل کے منافی ہے۔ اور کبھی اس کے دل میں یہ وہم ڈالتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ حقیقی بادشاہ کا ماننے والا اور طرفدار ہے۔ اور تیرا پلہ بہر حال بھاری اور روزن دار ہے۔ اور انبیاء و اولیاء کے ماننے والے تو انسانوں کے پرستار ہیں۔ اور انبیاء اور اولیاء خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے آگے پر کاہ کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔ غرض اس قسم کے باطل خیالات اور فاسد واہمات سے شیطان اپنے ہم جنسوں کی راہ مارتا ہے۔ اور یریدون ان یفرقوا بین الله و رسله کے طور پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے درمیان تفریق ڈالتا ہے۔ اور انہیں ایک دوسرے کی ضد اور غیر ثابت کر کے راہ راست سے بھٹکاتا ہے اور کبر و انانیت اور حسد کی شیطانی راہ پر چلاتا ہے۔ اور شرک کا خوف دلا کر انہیں بسبب کبر و استکبار خود اللہ تعالیٰ کا شریک بناتا ہے۔

بھلا جو لوگ خدا کے دوستوں کو مانتے اور ان کی تعظیم اللہ تعالیٰ کے لئے کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں رفیق اور راہبر بناتے اور اس راہ میں ان کی تعظیم اور تابعداری کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ان جھوٹے مدعیوں کی نسبت لاکھ درجے بہتر مانتے اور جانتے ہیں۔ ایک شخص بادشاہ کے ماننے اور اس کی تعظیم و تکریم کا محض زبانی طور پر دور سے مدعی ہے۔ اور دوسرا اس کی شمع جمال پر پروانہ وار مرتا ہے اس کی طرف بمقتضائے ففروا الی اللہ دوڑتا ہے۔ اور اس راہ کے رفیقوں اور راہبروں کی خدمت کر کے ان سے اس راہ میں مدد طلب کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے کوچے کی خاک کو آنکھ کا سرمہ بناتا ہے۔ تو بتاؤ کہ پہلے آدمی کے دل میں بادشاہ کی زیادہ عزت و عظمت اور توقیر ہے یا دوسرے کے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی نادیدہ تعظیم و تکریم یعنی عبادت میں ان کے نفس کی سرکوبی اور تذلیل نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ کئے جاتے ہیں۔ اور اس پر اتراتے اور نفس و شیطان کو فربہ بناتے ہیں۔ لیکن اگر اس کی مقدس ذات بھی کسی مرئی صورت میں جلوہ گر ہو کر ان کے سامنے آ جائے۔ تو یہ لوگ

فوراً انکار کرنے لگ جائیں گے۔

یوم یکشف عن ساق و یدعون الی السجود فلا یستطیعون خاشعة ابصارهم.

ترجمہ۔ جس دن اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی ظاہر فرمائیں گے اور ان لوگوں کو سجدہ کے لئے کہا جائے گا۔ تو یہ لوگ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ اور ان کی آنکھیں شک اور شبہ کے خوف سے خیرہ رہ جائیں گی۔ مختصر یہ کہ مرشد کے وسیلے کے بغیر نفس کی انانیت اور فرعونیت ہرگز دور نہیں ہو سکتی اور نفس نہیں مرتا۔

نفس نتواں کشت الا ظل پیر
دامن ایں نفس کش را سخت گیر
کیمیا پیدا کن از مشت گلے
بو سر زن بر آستانے کاملے
گر تو سنگ خارا یا مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی
یک زمانہ صحبتے با اولیاً
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ۔ پیر کی مہربانی کے سوا نفس کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ اس نفس کو مارنے والے کا دامن مضبوطی سے پکڑ۔ اپنی مٹھی بھر مٹی یعنی جسم سے کیمیا بنا۔ اور اس کے لئے کسی کامل کی چوکھٹ کو بوسہ دے۔ اگر تو سنگ خارا یا سنگ مرمر کی طرح ناقص ہو جائے تو جب کسی صاحب دل کے پاس پہنچے گا تو گوہر بن جائے گا۔ کسی اولیاء کی ایک لحظہ کی صحبت سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

طالب کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں مرشد راہبر کا دامن ضرور پکڑے۔ کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں۔ جو لوگ محض زبانی اقرار کو سب کچھ سمجھتے ہوئے اپنی

کورچشمی پر صابر ہیں ۔اور چمگادڑ کی طرح تاریکی میں مگن اور خوش ہیں۔اور آفتاب عالمتاب کی انہیں ضرورت نہیں ہے۔وہ مجبور اور معذور ہیں۔کیونکہ ان کے دل مادے کی ظلمت میں محصور اور غفلت کے غلاف میں مستور ہیں۔مرشد کے وسیلہ کے بغیر اس راہ میں چلنا محال ہے۔

قولہ تعالیٰ یا یہا الذین امنوا اتقوا للہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و جاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون.

ترجمہ۔اے لوگو جو ایمان لے آئے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ پکڑ کر اس کی راہ میں سعی اور کوشش کرو۔شاید تم چھٹکارا پا لو۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ وسیلے سے مراد نیک عمل ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کا خطاب ایمانداروں سے ہے۔کہ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو۔اور اس کی راہ میں مجاہدہ اور ریاضت کرو۔لیکن اس کے علاوہ اس کی طرف وسیلہ پکڑو۔تو معلوم ہوتا ہے کہ وسیلہ ایمان، پرہیزگاری اور مجاہدے کے علاوہ کوئی اور چیز ہے۔جس کا خاص طور پر اللہ تعالیٰ امر فرماتے ہیں۔اور اسے ایمان اور تقویٰ وغیرہ پر عطف کرتے ہیں۔سو یہاں صاف طور پر معلوم ہے۔کہ یہاں وسیلہ سے مراد نہ ایمان، نہ علم اور نہ نیکی اور تقویٰ ہے۔بلکہ اس سے مراد مرشد اور شیخ کامل رفیق راہبر راہ مولیٰ ہے۔سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا امر فرمایا ہے۔اول ایمان لانا دوم تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنا۔سوم وسیلہ پکڑنا، چہارم مجاہدہ کرنا۔سو وسیلہ پکڑنے کے بعد اس لئے مجاہدے اور ریاضت کا امر ہے۔کہ بعض لوگ محض حیلے، وسیلے اور شفاعت کے پندار اور گھمنڈ میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر عمل کرنے سے رہ جاتے ہیں۔اور محض مرشد پکڑنے یا کسی مذہبی پیشوا کی شفاعت کو اپنی نجات کا سرٹیفکیٹ اور پروانہ سمجھ کر خود عمل نہیں کرتے۔جیسا کہ عیسائیوں نے کفارے کا مسئلہ گھڑ رکھا ہے۔اور شیعہ لوگ محرم کے دنوں میں صرف تعزیہ نکالنے اور اس روز ماتم کے محافل مین شامل ہونے اور رونے دھونے کو

موجب نجات ابدی خیال کرتے ہیں۔ لیکن بغیر وسیلہ علم، عمل، تقویٰ اور مجاہدہ کے خشک خرمن کو شیطان کبر وانانیت کی ایک چنگاری سے جلا کر خاکستر کر دیتا ہے جیسا کہ اس کے اپنے خرمن علم وعمل کا حشر ہوا۔ اور بغیر علم وعمل ومجاہدہ خالی وسیلے پر اعتماد کر لینا گمراہی کے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔ سو راہ سلیم اور صراط مستقیم ان ہر دو کے بیچ میں سے بال سے باریک اور تلوار سے تیز پل صراط کی طرح ہے۔ اور امتحان کا پردہ اور آزمائش کی سخت تاریکی اس پر چھائی ہوئی ہے۔ سو یہ صراط مستقیم ایاک نعبد کی کوشش اور ایاک نستعین کی کشش کے درمیان ہے۔ اور یہ راز عوام تو کیا خواص سے بھی پنہاں ہے۔ ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم خالی ایاک نعبد پر عمل کرنے والا شیطان کی مغضوب اور مقہور ہو جاتا ہے۔ اور خالی ایاک نستعین کے گھمنڈ اور پندار میں بزرگوں کے آستانوں پر آلتی پالتی مار کر دھرنا لگا لینا گمراہی کے گڑھے میں گرا دیتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقبول لوگوں کا راستہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ وہ نہ مغضوبوں کا راستہ ہے اور نہ گمراہوں کا۔ صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ۔ ان لوگوں کی رفاقت اور متابعت اصل صراط مستقیم اور نجات کا راستہ ہے۔ اور وہ لوگ یہ ہیں۔ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین والشھداء والصالحین و حسن اولئک رفیقا۔

ترجمہ۔ وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے وہ انبیا علیہم السلام کا گروہ، صدیقین کا فرقہ، شہیدوں کا لشکر اور صالحین کا ٹولہ ہے۔ اور رفاقت و رہبری کے لئے یہ بہت عمدہ اور اچھے لوگ ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں پرواز کے لئے سالک کو ایاک نعبد وایاک نستعین کے ہر دو بال و پر لازمی اور ضروری ہیں۔

افمن یمشی مکبا علی وجھہ اھدے امن یمشی سویا علی صراط

مستقیم۔

قاعدے کی بات یہ ہے کہ جو پرندہ ایک پر سے اڑتا ہے۔وہ سرنگوں ہو کر تھوڑا سا اڑتا ہے۔اور بعدہٗ گر جاتا ہے۔اور دو پروں والا پرندہ سیدھا اڑ جاتا ہے۔

این زہد فروشاں ز خدا بے خبر انند
این دست و دہن آب کشاں پاک برانند
از مردم افتادہ مدد جوئے کہ این قوم
با بے پر و بالی پر و بال دگر انند

جس قدر طالب مولا کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مرشد کامل کی ضرورت ہے۔اس سے کہیں زیادہ اسے جانچ پڑتال اور حق و باطل اور کامل و ناقص کے درمیان تمیز کی ضرورت ہے۔کیونکہ گندم نما جو فروش آدم صورت دیو سیرت، جھوٹے لباسی ریاکار دکاندار مشائخ دنیا میں حشرات الارض کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔طالب کو تاریکی میں لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح نہیں ہونا چاہیئے۔ورنہ کبھی سانپ کو لکڑی سمجھ کر ہاتھ لگائے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔خدا کے خالص کامل بندے دنیا میں مثل عنقا بہت کم یاب ہیں۔اور جھوٹے دکاندار، مکار، ریاکار شکاری بے شمار ہیں، جو دام تزویر پھیلا کر مرغان سادہ لوح کو شکار کرتے ہیں۔

یہ پارسائی کی نمائش کرنے والے خدائے تعالیٰ سے بے خبر ہیں۔یہ ہاتھ منہ دھونے والے اور جسم پاک رکھنے والے ہیں۔(باطنی پاکیزگی اور معارف خاصہ سے نا آشنا ہیں) تو عاجز و منکسر اہل فقر سے مدد حاصل کر۔یہ لوگ اگر چہ خود بے پر و بال ہیں مگر دوسروں کے لئے سامان پرواز ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

ترجمہ۔ (اے طالب) بہت سے ابلیس آدمی کی شکل میں پھرتے ہیں۔لہٰذا ہر ایک ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے دینا چاہیئے۔

بلکہ آج کل تو جھوٹ کو فروغ ہے۔ جب لوگوں کی مذہبی ذہنیت کا دیوالیہ نکل چکا۔ اوران میں حق و باطل اور کھرے کھوٹے اور اصلی ونقلی کے درمیان تمیز کرنے کی سمجھ ہی نہ رہی اور لوگ نقلی پوتھ اور جھوٹے شیشے کے ٹکڑوں کو ہیروں کی قیمت پر خریدنے لگ گئے تو اصلی ہیروں کے مالکوں اور جوہریوں نے اپنی دکانیں سمیٹ لیں اور جھوٹے نقل فروش دکانداروں نے اپنی دکانیں سجالیں۔ اورانہوں نے بے وقوف خریداروں کو خوب لوٹا۔ افسوس ہے کہ ان جھوٹے دکانداروں نے صرف ولایت اور نبوت تک اپنے جھوٹے دعووں کو محدود رکھا۔ ورنہ اگر ذرا جرأت سے کام لے کر اس مذہبی آزادی کے زمانے میں ان عقل کے دشمنوں کے سامنے خدائی دعویٰ بھی پیش کر بیٹھتے۔ تب بھی ان کو ماننے کے لئے لاکھوں بے وقوف تیار ہو جاتے۔ افسوس صد افسوس! جن لوگوں کو اپنے ایمان کا بھی پتہ نہیں۔ انہیں علی کرم اللہ وجہ کا اوتار اور ایک ہی وقت میں نبی، مجدد اور مسیح موعود اور کرشن وغیرہ سب بے سرو پا دعووں میں سچا اور حق بجانب سمجھا جاتا ہے۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

امروز قدر گوہر و خارا برابر است
باد سموم و باد مسیحا برابر است
چوں در مشام اہل جہاں نیست امتیاز
سرگین گاؤ و عنبر سارا برابر است

آج اس دور میں موتی اور پتھر کی قدر و منزلت یکساں ہے۔ باد سموم (زہریلی ہوا) کا جھونکا اور دم عیسیٰ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک) کے برابر ہے۔ جب اہل عالم کی قوت شامہ خوشبو اور بدبو میں امتیاز نہیں کر سکتی۔ تو گائے کا گوبر اور عنبر سارا برابر ہے۔

انسان بڑا حیلہ جو اور کم چور واقع ہوا ہے۔ اور ہر کام میں آسانی پیدا کرنے کا خوگر ہے۔ ہر مذہب اور ملت میں چڑھاؤ اور اتار یعنی ترقی اور تنزل کا دور ہوتا ہے۔ اور

جب کسی ملت کے تنزل کا دور شروع ہوتا ہے۔ تو اس کے پیرو ضعیف الاعتقاد اور ناقص الیقین ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ان کے دو گروہ بن جاتے ہیں۔ ایک تو وہ گروہ جو بسبب اپنے زہد خشک کے مذہب کے خالی پوست اور چھلکے کو اختیار کر لیتا ہے۔ تمام مذہبی ارکان کو محض رسمی اور رواجی طور پر ادا کرتا ہے۔ یہ لوگ صرف اقرار زبانی اور معمولی ورزش جسمانی اور خفیف مالی قربانی کو بہشت جاودانی اور معرفت و دیدار ربانی کی کافی قیمت سمجھتے ہیں۔ اور اس تھوڑے سے عمل کے بدلے بہشت کے پکے امیدوار اور بے دام خریدار بن جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ دین کا چھلکا محض پھیکا اور بدمزہ معلوم ہوتا ہے۔ اور اس میں وہ کوئی پائدار حظ اور ترقی نہیں پاتے۔ لہذا وہ رفتہ رفتہ آخر میں اس سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ یا وہ اس کام کو محض ریاء اور دکھلاوے کے طور پر کرتے ہیں اور دینی ارکان کی ادائیگی میں بھی دنیوی مفاد کو مدنظر رکھتے ہیں۔ ان لوگوں میں خاص خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کی آنکھ میں تجسس اور دل میں چوں چرا کا مادہ غالب ہوتا ہے۔ ان کی آنکھ سخت عیب بین ہوتی ہے۔ یہ لوگ پیغمبروں اور اولیاء اور تمام بزرگان دین کو اپنے برابر سمجھتے ہیں۔ کسی کو اپنے سے بہتر نہیں سمجھتے۔ اس واسطے یہ لوگ مذہبی پیشواؤں اور روحانی رہنماؤں کو ہمیشہ عیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بغض و عناد رکھتے ہیں۔ اور پیغمبروں کے معجزات اور اولیاء کے کشف و کرامات اور تمام فوق العادت روحانی کمالات کا انکار کرتے ہیں یا ان کی مادی رنگ میں سخت ناروا تاویلیں کرتے ہیں۔ چونکہ دین ان پاک ہستیوں یعنی انبیاء اور اولیاء کے ذریعے اور واسطے سے ہم تک پہنچا ہے۔ لہذا ان بزرگ ہستیوں کی عزت اور توقیر دین کی عزت اور توقیر سے وابستہ اور متعلق ہے۔ یہ لوگ جب دین کے ان بانیوں اور مبلغوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو خواہ مخواہ اس دین کو بھی سبک اور حقیر جاننے لگ جاتے ہیں جو ان کے واسطے اور ذریعے سے ہم تک پہنچا ہے۔ اور رفتہ رفتہ یہ حقارت اور نفرت دین کے انکار پر منتج ہو

جاتی ہے۔اور انہیں کفر اور الحاد کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔دوسرے گروہ پر چونکہ حسن ظن غالب ہوتا ہے۔وہ خواہ مخواہ معمولی بات کو بڑی اہمیت دینے لگ جاتے ہیں۔ان کی آنکھ بڑی ہنر بین ہوتی ہے۔اور ہر بات کو خواہ وہ عقل اور سمجھ کے بالکل برخلاف ہی کیوں نہ ہو، ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔یہ لوگ مذہبی پیشواؤں اور روحانی راہنماؤں کو دین اور دنیا کے ظاہری و باطنی خزانوں کے مطلق العنان مختار اور بہشت بریں اور تمام نعماء آخرت کے واحد اجارہ دار اور ٹھیکہ دار خیال کرتے ہیں۔اس لئے ان کی شفاعت اور سفارش کے غرور اور پندار میں بہشت کے پکے دعوے دار بن جاتے ہیں۔اور تمام دینی ارکان کو بالائے طاق رکھ کر اپنے آپ کو جملہ مذہبی قیود اور دینی پابندیوں سے آزاد سمجھتے ہیں۔ بلکہ شفاعت کے پندار اور سفارش کے گھمنڈ میں وہ ہر قسم کے گناہ اور نواہی کے ارتکاب میں دلیر ہو جاتے ہیں۔شیطان اس گروہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر انہیں اکثر علماء بے عمل اور ناقص جھوٹے مشائخین کے دام تزویر میں پھنسا دیتا ہے۔اور ریا کار مشائخ اور علماء بے عمل چونکہ دین کی آڑ میں دنیا کا شکار کرتے ہیں، اس لئے یہ جھوٹے دکاندار پیر اکثر ایسے بے وقوف لوگوں کا دل بہلانے اور فریفتہ کرنے کے لئے انہیں جھوٹی تسلیاں دیا کرتے ہیں۔ اور جھوٹے کشف کرامات اور خالی لاف و گزاف سنا کر انہیں پھنسائے رکھتے ہیں۔انہیں کہتے ہیں کہ بس سال کے سال ہمارا خراج اور نذرانہ ادا کر دیا کرو اور ہماری زیارت کر لیا کرو۔بس ہمارے دامن لگ گئے ہو۔ ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں آخرت کا کوئی فکر نہیں کرنا چاہیئے ۔ہم تمہارے ذمہ دار ہیں۔ تمہیں عمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لوگ بھی کنارے کی اس آسان صورت کو غنیمت سمجھ کر سال کے سال ٹیکس اور نذرانہ ادا کرنے اور سال کے بعد ایک دفعہ پیر کے پاؤں چومنے کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں۔ ہر روز پانچوں وقت نمازیں ادا کرنے اور سال میں تیس روزے رکھ کر بھوکا پیاسا مرنے، ہر سال زکوٰۃ ادا کرنے

اور حج کے لئے دور دراز پر خطر سفر اختیار کرنے اور ہر وقت دینی قیود اور پابندیوں میں جکڑے رہنے اور ساری عمر موت تک عمل، مجاہدے اور ریاضت شاقہ کے مقابلہ میں بس پیر کے اس آسان وسیلے اور شفاعت و حیلے کو اخروی نجات اور حصول بہشت کیلئے بہت آسان اور مفت کا سودا سمجھ لیتے ہیں۔ لہٰذا تمام عمر اس امید میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جاتے ہیں۔ دراصل انسان کی فکری اور ذہنی گمراہیوں کا سرچشمہ یہی دو باتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان عقل اور علم سے اس قدر عاری اور غافل ہو جائے کہ ہر بات کو بے سوچے سمجھے قبول کر لے۔ اور اندھوں کی طرح ہر ایک راہ پر چلنے لگے۔ دوم یہ کہ جو حقیقت بھی عقل سے بالاتر نظر آئے یا مادی عقل پر منطبق نہ ہو سکے اسے فوراً جھٹلا دے اور یقین کر لے کہ جس شے کو اس کی عقل یا چند انسانوں کی سمجھ ادراک نہیں کر سکتی وہ شے حقیقتاً وجود نہیں رکھتی۔ اول الذکر کو ضلال اور گمراہی کہتے ہیں۔ اور مؤخر الذکر کو کفر اور الحاد۔ اے انسان! اللہ تعالیٰ تجھ سے خالی ماننے کا طالب نہیں۔ اس کا امر ہے ففروا الی اللہ یعنی اللہ کی طرف دوڑ جاؤ۔ اور نیز ارشاد ہے۔ اتصبرون وکان ربک بصیرا۔ یعنی آیا تم صبر کئے بیٹھے ہو۔ حالانکہ تمہارا رب تمہاری طرف دیکھ رہا ہے۔ اور تمہارا منتظر ہے۔

یا یھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملقیہ ۔

ترجمہ۔ اے انسان تو اللہ تعالیٰ کی طرف کوشش اور سعی کرنے والا اور آخر کار اس سے ملنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان نہ کوئی دور دراز مسافت ہے اور نہ پہاڑ جنگل اور دریا حائل ہیں۔ بندے اور رب کے درمیان نہ کوئی مسافت مکانی ہے اور نہ بعد زمانی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ میں انسان کی شاہ رگ اور اس کی جان سے زیادہ اس کے قریب ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ اور اس بندے کے درمیان محض ظلمت کے معنوی حجاب حائل ہیں۔ جیسا کہ انسان سو جانے اور خواب غفلت میں پڑ جانے سے تمام دنیا اور اپنے قریبی ہم نشین بلکہ تن بدن سے بھی بے خبر اور غافل ہو

جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی روح ازل کی گہری نیند میں پڑی ہوئی اپنے قریبی مالک اور حقیقی رب سے دور ہے۔ یہ مسافت اور بعد محض قلبی اور معنوی قدموں سے طے ہوتی ہے اور بس۔ یہ جسد عنصری کی تگ و دو کا کام نہیں۔

آج کل سخت قحط الرجال ہے۔ کامل عارف اور طالب صادق کا وجود عنقا مثال ہے۔ زمانے سے مذہب اور روحانیت کی روح نکل گئی ہے۔ مغز ضائع ہو گیا ہے۔ دین اور مذہب کا محض چھلکا اور پوست رہ گیا ہے۔ ظلمت کی کالی گھٹائیں دلوں پر چھا گئی ہیں۔ اس اندھیری اور اندھی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے سچے صادق سالکوں نے خمول اور گمنامی کی چادر اوڑھ کر اپنے آپ کو چھپا لیا ہے۔ اور دیو سیرت اور عفریت صفت لوگ سلیمانی لباس پہن کر تخت مشیخت پر جلوہ افروز ہو گئے ہیں۔ اور نادان و سادہ لوح لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ یہ مکار دکاندار طرح طرح کے ناز اور کرشموں سے لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔ بعض نے فقر کے خالی لباس سے، بعض نے صوفیانہ شکل و شباہت اور طرز ادا سے۔ بعض نے زبانی قیل و قال مثلاً مسائل تصوف اور پرانے بزرگوں کے قصے کہانیوں سے اور بعض نے اپنے خاندانی تقدس اور نسب و نسل کے بل بوتے پر مشائخی اور بزرگی کی دکان کو گرم کر رکھا ہے۔ غرض بزرگی اور مشائخی کے بیت المقدس کی تعمیر کی خاطر بعض نے سلیمان کی ہڈیوں کے ڈھانچے کو کھڑا کر رکھا ہے۔ بعض نے اسے لباس پہنا رکھا ہے۔ بعض نے تسبیح لٹکا رکھی ہے۔ بعض نے سامنے سجادہ بچھا دیا ہے تاکہ وہ زندہ سلیمانؑ دکھائی دے اور بھولے بھالے سادہ لوح اور خوش اعتقاد طالب مسخر جنات کی طرح اس نمائشی بیت المقدس کی تعمیر میں تن دھن سے خدمت بجا لائیں۔ یہ دل کے اندھے دن رات مشیخت کی مردہ لاش کو زندہ سلیمانؑ خیال کر کے اس کی خدمت دل و جان سے بجا لاتے ہیں۔ آخر مرور زمانہ سے جب عصاء مشائخی کو دیمک کھا جاتی ہے اور بے جان ہڈیوں کا سلیمان گر پڑتا ہے۔ تب جا کر کہیں ان نادان احمق جنوں کو سمجھ آتی

ہے کہ ہم تو ایک بے روح اور بے جان سلیمانؑ کی اطاعت میں عمر گراں مایہ صرف کرتے رہے ہیں۔ اور اس وقت ان بھولے بھالے سادہ لوح جنات کو تسخیر کی اس زنجیر تزویر سے نجات ملتی ہے۔

در جامۂ صوف بستہ زنار چہ سود
در صومعہ رفتہ دل ببازار چہ سود
ز آزار کساں راحت خود مے طلبی
یک راحت و صد ہزار آزار چہ سود

صوفیانہ لباس کے اندر زنار باندھنے سے کیا فائدہ ہے۔ مسجد میں جا کر دل کو سیر بازار میں مصروف رکھنا بے کار ہے۔ لوگوں کو ستانے میں تجھے راحت ملتی ہے۔ ہزار تکلیفوں کے عوض ایک آرام حاصل کرنے سے کیا فائدہ ہے۔

غرض طریقت کے اس بہت نازک، باریک اور سخت تاریک پل صراط پر صحیح اور سلامت چل کر بہشت قرب و وصال میں داخل ہونا نہایت مشکل اور دشوار کام ہے۔ انسان اس دنیا کے اندر سخت آزمائش اور کٹھن امتحان میں مبتلا ہے۔ ہزاروں لاکھوں میں سے کوئی ایک آدھ طالب بلند ہمت اور سعادت مند اس میدان سے گوئے سبقت لے جاتا ہے۔

گہ ناز کند فرشتہ بر پاکی ما
گہ دیو کند عار ز ناپاکی ما
ایماں چو سلامت بلب گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی ما

کبھی تو فرشتہ بھی ہماری پاکیزگی پر فخر کرتا ہے۔ اور کبھی شیطان ہماری ناپاکی سے عار محسوس کرتا ہے۔ اگر ہم سلامتی ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئے تو ہماری چستی و چالاکی قابل تحسین و آفرین ہو گی۔

۔۔۔۔۔۔اختتام۔۔۔۔حصہ اول۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حضرت فقیر نور محمد سروری قادری کلاچویؒ

اہل سلف اور اہل خلف

آج کل دنیا میں مغربی تعلیم اور نئی روشنی نے اکثر لوگوں کے دلوں میں الحاد اور دہریت کا زہر پھیلا دیا ہے۔ لوگ سرے سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے منکر ہو گئے ہیں۔ اور یوم آخرت، حشر نشر، سزا، جزا، بہشت دوزخ، ملائکہ، ارواح غرض تمام غیبی مخلوق اور موت کے بعد زندگی کو نہیں مانتے۔ ان کا خیال ہے کہ دنیا قدیم سے چلی آتی ہے۔ اور اسی طرح ہی چلی جائے گی۔ اس سلسلۂ آب و گل کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ مادے کے اندر خود بخود یہ طاقت اور خصوصیت موجود ہے کہ جماد سے نبات اور نبات سے حیوان اور حیوان سے انسان بتدریج پیدا کرتا ہے۔ یہ لوگ مسئلہ ارتقاء عالم میں ڈارون کی تھیوری اور نظریئے کے قائل ہیں۔ ان کا محکمۂ ماہرین طبقات الارض اس نظریئے اور مسئلے کے ثبوت میں کچھ عقلی دلائل اور سائنس کے تجارب اور مشاہدے پیش کرتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ بندر معاذ اللہ آدم علیہ السلام کہلایا۔ چنانچہ اس مسئلے کے ثبوت اور تائید میں بہت شدومد اور زور و شور سے دلائل و براہین پیش کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے چونکہ اپنا فطرتی انسانی جوہر ضائع کر دیا ہے۔ اور غفلت اور بد اعمال کی وجہ سے اس نوری استعداد کو کھو بیٹھے ہیں۔ اور انسانیت کے اعلیٰ مرتبے سے گر کر معنوی اور اخلاقی طور پر حیوان اور بندر کے درک اسفل میں گر آئے ہیں۔ قولہ تعالیٰ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل۔ یہ لنگوری دماغ والے اپنے پیشوا ڈارون کے ارتقاء عالم کے بیہودہ اور بے بنیاد مضحکہ خیز نظریئے کے بل بوتے پر اپنے آپ کو بڑے فیلسوف، دانا اور مدبر سمجھتے ہیں۔ اور اگلے لوگوں کو سادہ لوح توہم پرست اور نادان خیال کرتے ہیں۔ ارتقاء عالم کا یہ نظریہ اس زمانے کی عقلی جدت طرازی اور علمی موشگافی کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ ابتداء ہی سے آج تک دہری اور نیچری خیالات کے لوگ دنیا میں چلے آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم اس زمانے کے دہریوں کے اس مشہور قول کو یوں دہراتا ہے کہ وہ لوگ بھی یہی بات کہا کرتے تھے کہ وما یھلکنا

الا الدھر۔ ہم کو نہیں مارتا مگر زمانہ۔ یعنی زمانہ خود بخود ہمیں پیدا کرتا، پالتا اور پھر مارتا ہے۔ دہری لوگوں کا خیال ہے کہ ابتدائی زمانہ میں لوگ وحشی جانوروں کی طرح پہاڑوں کے غاروں اور درختوں کی کھوؤں میں رہتے تھے اور ننگے پھرتے تھے۔ یا درختوں کے پتوں اور جانوروں کے چمڑوں سے اپنے آپ کو ڈھانپتے تھے۔ اور جس طرح لوگ مادی صنعت وحرفت اور مادی فنون اور ہنروں سے بے بہرہ تھے۔ اسی طرح وہ سادہ لوح، کم عقل اور توہم پرست واقع ہوئے تھے اور بے سمجھ اور نادان تھے اور مذہب اور روحانیت اس توہم پرست اور کم فہم نادان زمانے کی اختراع اور خود ساختہ باطل اور فرضی خیالات کا مجموعہ ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو پہلے دن سے قدرت کے ایک خاص سانچے میں ڈھالا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک انسان کی عنصری بناوٹ یکساں چلی آتی ہے۔ اس کے اعضاء، قویٰ وحواس میں کوئی فرق نہیں آیا کیونکہ تین چار ہزار سالوں سے مردہ فراعنہ مصر کی جو لاشیں مصر کے میناروں سے برآمد ہوئی ہیں۔ ان سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ وہ بھی ہماری طرح وضع قطع کے انسان تھے۔ ان کی اور آج کل کے انسانوں کی وضع قطع میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اسی طرح انسانی دل و دماغ بھی ابتدائے آفرینش سے یکساں چلا آتا ہے۔ ہاں اتنا فرق ضرور رہا ہے کہ جس طرح بچے کی پیدائش اور سرشت فطرت دین اسلام کے موافق ہوتی ہے۔ اسی طرح زمانے کے بچپن کی حالت یعنی اہل سلف کا ابتدائی دور فطرت دین کی موافقت اور مطابقت کے باعث مذہب اور روحانیت کی طرف قدرتی طور پر زیادہ راغب اور مائل تھا۔ اس واسطے اہل سلف نے قدرتی اور فطرتی طور پر مادے کے عارضی اور سطحی علوم وفنون کی بجائے مذہب اور روحانیت کے اصلی اور ضروری معارف وعلوم کی طرف رخ کیا۔ چونکہ انسان کے جوف میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہی دل اور دماغ رکھا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ۔ یعنی اللہ

تعالیٰ نے انسان کے جوف میں دو دل نہیں رکھے کہ وہ ایک وقت میں دو باتیں سوچ
سکے اور دو متضاد علوم یکجا حاصل کر سکے۔ علم الادیان اور علم الابدان کے دو متضاد رخ
جسم اور روح کی ملاوٹ انسان کے لئے قدرتی طور پر ایسی پیچیدگی اور الجھاہٹ پیدا
کر دیتے ہیں کہ ایک وقت میں ان دونوں سے عہدہ برآ ہونا اس کے لئے محال ہو
جاتا ہے۔ اگر ایک طرف منہ کرتا ہے تو دوسرے سے رہ جاتا ہے۔ چنانچہ اگلے لوگوں
کے دل و دماغ پر مذہب اور روحانیت کے ضروری علم نے قبضہ جما لیا تھا۔ اور اسی
ایک خالق کے خیال نے انہیں مادے کے عارضی سطحی علوم سے بے نیاز اور مستغنی کر
دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے شوق اور شغف میں اس قدر محو اور منہمک تھے کہ انہیں مادی
ترقی کی طرف توجہ و التفات کرنے کی مطلق فرصت نہ تھی۔ بلکہ وہ اصل کار یعنی
روحانیت کی طرف لگ گئے۔ انہیں مادے کے چند روزہ عارضی علوم و فنون کی طرف
چنداں خیال نہ تھا ورنہ انسان حامل بار امان اور اللہ تعالیٰ کا برحق خلیفہ ابتدائے
آفرینش سے وہ غضب کا پرکالہ چلا آتا ہے کہ اس نے ہر زمانے میں انفس اور انفاق
یعنی عالم غیب و شہادت کے جس ظاہری باطنی میدان میں اپنے عملی اور علمی ہمت
کے گھوڑے دوڑائے ہیں وہاں اس نے وہ کمالات کر دکھائے ہیں کہ فرشتے عش عش
کرتے رہ گئے ہیں۔ اہل سلف نے مادی چھلکے یعنی سطحی علوم کی بجائے ایک مخ العلوم
اور اصل الفنون مذہب اور روحانیت کی طرف رخ کیا ہوا تھا۔ اور جس طرح آج
کل کے نقد پسند، کوتاہ اندیش اور ظاہر بین اہل یورپ نے اپنی عزیز زندگی اور ساری
طاقتیں مادے کی موشگافیوں اور سطحی علوم کی دقیق آرائیوں میں وقف کر دی ہیں اور
اس کی ترقی کر کے مادے کے افق الاعلیٰ پر پرواز کر رہے ہیں۔ اسی طرح فطرت
کے موافق ابتدائی زمانے کے دور اندیش اولوالالباب اہل سلف نے اپنے دل و
دماغ کو زندگی کے صرف واحد اور ضروری نصب العین اور انسانی حیات کے ایک ہی
لازمی غرض و غایت یعنی اپنے خالق حقیقی کی معرفت قرب اور حصول میں لگا دیا تھا۔

اور اس ضروری اور اصل کار کے لئے فراغت اور فرصت حاصل کرنے کے لئے اہل سلف ظاہری اور مادی علوم کی طرف بہت کم توجہ اور التفات دیتے رہے۔ یہاں تک کہ شارع اسلام علیہ السلام نے مادی آفاقی غیر ضروری محیر العقول عجائبات اور لمبے فلسفی خیالات پر غور وخوض کرنے سے بھی ممانعت فرمادی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب تمہارے سامنے سورج، چاند اور ستاروں کی ماہیت اور مائیت اور ان کے دوریا چال یا ان کے سعد ونحس وغیرہ کیفیتوں کا ذکر چھڑے تو خاموش ہو جایا کرو۔ اور جب بھی تقدیر کا مسئلہ آن پڑے۔ تو اس میں غور وخوض اور بحث مباحثہ کرنے سے مطلق باز آجاؤ۔ یا جب بھی میرے اصحاب کے آپس میں خلافت کے خانگی اختلاف یا تنازعات یا ان کی تفضیل وتکسیر وغیرہ کا ذکر مذکور ہو تو ان بحث مباحثوں سے اجتناب واحتراز کرو۔ اور ان غیر ضروری علوم کی بجائے ام العلوم اور اصل الفنون یعنی کلید ذکر اللہ کو حاصل کرلو۔ اس سے تمام ظاہری اور باطنی علوم کے دروازے کھول لوگے۔ اور کائنات کے جملہ معارف واسرار تم پر واضح اور ہویدا ہو جائیں گے۔ کما قال عن ذکرہ ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم۔ یعنی جس نے اسم اللہ کو مضبوط پکڑا۔ پس وہ صراط مستقیم کی طرف ہدایت پا گیا۔ جس ایک کے جاننے سے تمام نہ جانی ہوئی اشیاء جانی جاتی ہیں۔ تمام نہ سنی ہوئی سنی جاتی ہیں۔ نہ دیکھی ہوئی دیکھی جاتی ہیں۔ جس سے لوح محفوظ کے سب نقش شیشۂ دل میں اتر آتے ہیں۔ جس سے حیات کے سرِ عظیم اور راز غیب قدیم کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ ایسی ذات جامع صفات کی معرفت سے دیدۂ دل کو روشن کرنا چاہیئے۔ کیونکہ عالم شہادت اور عالم کثرت میں سطحی علوم کے شعبے بے شمار ہیں۔ اور ظاہری علوم کا سلسلہ بہت طول طویل اور بے نتیجہ و بے بقا ہے۔ لیکن انسانی عمر اس دار فانی میں بہت کوتاہ ہے۔

علم کثیر آمد و عمرت قصیر
آنچہ ضروری است بداں شغل گیر

ترجمہ۔علوم بہت ہیں اور تیری عمر چھوٹی ہے۔ان میں سے جو ضروری ہے اسے اپنا شغل بنا۔

پس دور اندیش اور دانا شخص وہ ہے جو اصل اور ضروری کام کو اختیار کرے اور غیر ضروری، عارضی اور فانی اشغال سے اجتناب کرے۔

کار دنیا درازی دارد
ہر چہ گیرد مختصر گیرد

اس لئے اسلام نے پہلے روز سے انسان کو مادی خاک رانی کی بجائے اپنے اصل روحانی کام کی طرف لگایا ہے۔یعنی مخلوق اور مادے کے مشاہدے میں بھی خالق کا خیال یاد دلایا ہے۔اور صنعت کائنات میں صانع حقیقی اور مصور اصلی کا تصور جمایا ہے۔

قولہ تعالیٰ ان فی خلق السموت و الارض و اختلاف اللیل و النھار لایت لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیما و قعودا و علی جنوبھم و یتفکرون فی خلق السموت و الارض ربنا ما خلقت ھذا باطلا، سبحنک فقنا عذاب النار .

ترجمہ۔ تمام فلکی اجرام یعنی آفتاب، ماہتاب و نجوم اور جملہ ارضی و سفلی اشیاء جمادات، نباتات، حیوان اور انسان وغیرہ اور دن رات کے بدلنے اور ان کے تغیرات اور ہیر پھیر کے مشاہدے میں بیدار مغز اور اولواالالباب لوگوں کے لئے بہتیری نشانیاں موجود ہیں۔جنہیں اس مخلوق کے نظارے میں خالق یاد آتا ہے۔اور اس صنعت کے مشاہدے میں صانع حقیقی کا خیال پیدا ہوتا ہے۔اور نقش سے نقاش کا تصور دل پر نقش ہوتا ہے۔اس لئے وہ کھڑے بیٹھے اور سوتے لیٹتے ہر حال میں اللہ

تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔اور زمین و آسمان کی اشیاء میں ذکر فکر کرنے سے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار۔ یعنی اے اللہ تو نے مخلوق کو عبث اور رائگاں نہیں پیدا کیا۔ بلکہ محض اپنی ذات کی عبادت،معرفت اور قرب و وصال کے لئے پیدا کیا ہے۔اور ہمیں ان مادی فانی اشیاء کی محبت کی آگ اور تاریکی سے بچا۔قولہ تعالیٰ۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔بعض نادانوں نے اس پچھلی آیت میں عبادت سے یہ مراد لی ہے کہ دنیوی زندگی میں اپنے اور اپنے بال بچوں کے خور و نوش کے سامان مہیا کریں۔اور حیوانوں کی طرح چند روز پیٹ بھر کر کھائیں پئیں۔

دنیا کا کاروبار بہت لمبا ہے۔جو کچھ بھی اختیار کرو،مختصر اختیار کرو۔

اور خوب عیش و عشرت کریں۔اور بس اسی کو خدمت خلق اور غرض و غایت زندگی سمجھتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی اصل عبادت، ذکر فکر، نماز روزہ، ورد و ظائف، مراقبہ اور مکاشفہ وغیرہ باطنی اشغال اور طریقت کے روحانی احوال اور مقامات و منازل، قرب اور وصال کو لایعنی شغل، تضیع اوقات اور محال خیال کرتے ہیں۔مگر اسلام نے انسان کو زندگی کی اصلی غرض و غایت اور حقیقی مقصد حیات عبادت و معرفت مولےٰ کی طرف لگایا ہے۔اسلام کی پاک تعلیم نے بنی نوع انسان کو مادے کی ظلمت اور تاریکی سے بچا کر اپنے اصل الاصول اور معدن العلوم، علت العلل، مسبب الاسباب، رب الارباب، اول، آخر، ظاہر، باطن، عالم الغیب والشہادت اور خالق الارض والسموٰت یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی واحد ذات پاک کی عبادت، معرفت، قرب، وصال، محبت، عشق، فنا، بقا کے اعلیٰ مراتب اور مدارج کے حصول کی طرف لگایا ہے۔

قولہ تعالیٰ۔ ء ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار

یعنی اے میرے نبی! تم ان لوگوں کو اپنی طرف سے میرے نام کی حقیقت اور اہمیت بتا دے۔پھر انہیں چھوڑ دے کہ جس طرف چاہیں کھیلیں۔ تصور اسم اللہ

ذات جب سالک کے دل پر قائم ہو جاتا ہے تو صاحب تصور کا دل اور دماغ اسم اللہ کے صبغتہ اللہ سے رنگا جاتا ہے۔ اور اس کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اسے ہر نقش میں نقاش کا نقشہ نظر آتا ہے۔ اور ہر صنعت میں صانع حقیقی کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ کتاب کائنات اس قرآن اور مصنوعات اور اس کی آیات بیّنات بن جاتے ہیں۔

مادہ پرست عقل کے اندھے یہ سمجھتے ہیں کہ اگلے لوگ غیر مہذب، نادان، سادہ لوح اور توہم پرست تھے اور مادی علوم وفنون سے بے بہرہ تھے۔ گو آج کل کے ماہرین طبقات الارض کو پہاڑوں کے بعض غاروں میں اگلے زمانے کے لوگوں کے پتھروں کے اوزار اور بھدے برتن وغیرہ مل رہے ہیں تو اس سے یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس زمانے کے تمام لوگ اسی طرح غاروں میں رہتے ہوں گے۔ کیا آج کل اس ترقی یافتہ اور مہذب دنیا میں بعض وحشی اور جنگلی لوگ پہاڑوں کے غاروں میں رہائش نہیں رکھتے۔ پرانی طرز کی زندگی بسر نہیں کرتے۔ حالانکہ اس زمانے میں عالی شان محلوں کے اندر رہنے والے مہذب انسان بھی آباد ہیں۔ سو اگر ان لوگوں کو پہاڑوں کے غاروں اور زمین کے اندر دبے ہوئے تہہ خانوں میں پرانی طرز کے بھدے برتن و اوزار مل رہے ہیں تو یہ اس زمانے کی بعض وحشی اقوام کی استعمال کی چیزیں ہوں گی۔ نہ کہ اس زمانے کے مہذب اور شائستہ لوگ یہ چیزیں استعمال کرتے ہوں گے۔ کیوں کہ جس زمانے کے یہ غاروں والے اوزار اور برتن بتائے جاتے ہیں۔ ماہریں طبقات الارض کو بعض دیگر مقامات سے اس زمانے کی اعلیٰ صنعت وحرفت کے آثار بھی ملتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ اس زمانے کے نہایت نفیس و عمدہ آلات اور سامان پاتے ہیں تو ان کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ غرض اگلے زمانے کے سچے پاکباز لوگ باوجود مذہبی اور روحانی مصروفیتوں کے کسی علم وفن میں آج کل کے بوالہوس، طفل مزاج اور نفسانی لوگوں سے کم نہ تھے۔ اگر فی الحقیقت غور

کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے تمام مادہ پرست ہر قسم کے علوم معارف اور صنعت وحرفت میں اگلے لوگوں کی قائم کردہ بنیادوں اوراصولوں پرچل کرترقی کر رہے ہیں۔ کیونکہ ہر علم وفن کی ابتدائی ایجاد اورنئی بنیاد قائم کرنی مشکل ہوا کرتی ہے۔اس پرچل کرآگے ترقی کرنا محض آسان اورقدرتی بات ہے۔اگلے لوگوں کے ہرعلم وفن میں ان کی معرکتہ الآراء تصانیف ان کے دماغی علو اورعقل وفہم کی بلندی پر صاف دلالت کررہی ہیں۔آج کل کے لوگ محض ان کے خوش چین ہیں۔ہم اہل سلف لوگوں کے علوم اورفنون میں ابتدائی ایجادات کی یہاں چند مثالیں پیش کرتے ہیں:۔

۱۔کتاب علم عرب کے صفحہ ۲۲۷ پر جارجی زیدان ایک مستند عیسائی مورخ کا اقرار ہے کہ الجبرا مسلمانوں کی ایجاد ہے۔

۲۔عیسائی مورخ ڈاکٹر ورپیر لکھتے ہیں کہ گھڑی مسلمانوں کی ایجاد ہےاورخلیفہ ہارون الرشید نے ۸۰۷ھ میں بادشاہ شارلیمین کے دربار میں ایک گھڑی بطورتحفہ بھیجی تو درباریوں نے حیرت سے اسے طلسم اورجادوخیال کیا۔(از کتاب زبدۃ الصحائف فی اصول المعارف صفحہ ۶۹)

۳۔عیسائی مورخ ڈاکٹر لیبان کاقول ہے۔کہ قطب نما جس کے بغیر سمندر کا راستہ طے کرنا ناممکن ہے مسلمانوں کی ایجاد ہے۔(کتاب تمدن عرب صفحہ ۴۰۴)

۴۔مشہور فرانسیسی مورخ موسیوسدیو لکھتے ہیں کہ یوسف ابن عمر نے ۷۰۲ھ میں روئی کا کاغذ تیارکیا۔اوراسی طرح اسی مورخ کا کہنا ہے کہ علم ہندسہ عربوں نے یورپ کوسکھایا ہے۔ (ہسٹورنس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸صفحہ ۲۷۵)

۵۔ڈاکٹر ورپیر لکھتا ہے کہ تیزاب عربوں کی ایجاد ہے۔ (از ڈویلپمنٹ آف یورپ جلد ۱صفحہ ۴۰۸)

۶۔عیسائی مورخ جارجی زیدان کاقول ہے کہ بارود مسلمانوں کی ایجاد ہے۔

(از تمدن عرب جلد ا صفحہ ۹۹)

۷۔ عملی ملکنکس کے بارے میں ڈاکٹر لیبان کہتے ہیں کہ عربوں نے عملی ملکنکس کے آلات ایجادات کر دے یورپ کو ان کا استعمال سکھایا ہے۔ جن کو یورپ اور امریکہ آج کام میں لا رہے ہیں۔ (منزم صفحہ ۴۵۹)

۸۔ مشہور مؤرخ مارکولیتھ لکھتے ہیں کہ صرف مسلمانوں کی بدولت یورپ میں فلسفۂ یونان پھر زندہ ہوا۔

۹۔ پروفیسر نکلسن لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے بڑی فیاضی سے یورپ کو مختلف علوم وفنون سکھائے۔ (لٹریری ہسٹری آف دی عرب صفحہ ۳۵۹)

۱۰۔ مشہور مؤرخ ڈاکٹر لیبان لکھتے ہیں کہ تمدن اسلام کا بڑا زبردست اثر دنیا پر رہ چکا ہے۔ مسلمانوں نے یورپ کی وحشی قوموں کو انسان بنایا۔ مسلمانوں نے یورپ میں علوم وفنون اور ادب وفلسفہ کا وہ دروازہ کھولا جس سے ہم یورپین قطعی ناواقف تھے۔ اور مسلمان چھ سو برس تک مشرق سے مغرب تک ساری دنیا کے استاد رہے۔

۱۱۔ بندوق سب سے پہلے بابر بادشاہ کے ہاتھ میں دیکھی گئی۔ یہ یا تو اس کی ایجاد تھی یا کسی ترک کی۔

۱۲۔ ڈاکٹر گستاوی لکھتے ہیں کہ عربوں کی بدولت یورپ نے تمدن اور تہذیب حاصل کی ہے۔ (تمدن عرب صفحہ ۵۲۴)

۱۳۔ فرانسیسی مؤرخ موسیو سدیو لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے نویں صدی عیسوی سے پندرھویں صدی تک مختلف بیش بہا ایجادات کئے ہیں۔ جن میں سے انجینئری کے اہم انکشافات انہیں کی ایجاد ہیں۔ (ہسٹورنس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۶ صفحہ ۲۷۵)

۱۴۔ڈاکٹر لیبان کا لکھنا ہے کہ عرب کی تقلید معاشرت نے ساری دنیا کے امراء کی عادتوں کو درست کیا اور انہیں بہتر انسانی اخلاق و عادات سکھائے۔ (تمدن عرب صفحہ ۵۲۴)

علوم وفنون اور صنعت وحرفت میں اہل سلف کے ذہنی کمالات اور دماغی قابلیتوں کا حال بطور مشتے نمونہ از خروارے تو ناظرین نے پڑھ لیا۔اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اگلے لوگوں کا اخلاقی معیار اس قدر ارفع، اعلیٰ اور بلند تھا۔ کہ اگر بالفرض اہل سلف اور اہل خلف کو ایک وسیع میدان میں لاکر کھڑا کیا جاوے۔اور ان سے لباس عنصری اتار کر اخلاق اور اعمال کی باطنی صورت میں نمودار کر کے دکھایا جاوے۔جیسا کہ قیامت کے روز ہوگا۔تو اہل سلف فرشتے نظر آئیں گے۔اور اہل خلف حیوان اور درندے دکھائی دیں گے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔اولٰئک کالانعام بل ھم اضل۔غرض انسان کی ظاہری صورت پر نہیں بھولنا چاہیئے۔اور اس مادی خوب صورت زرق برق لباس۔ظاہری شکل وشباہت اور رخا کی خوبصورت خدو خال کا کوئی اعتبار نہیں۔اور نہ ہی مادی عقل، ظاہری زیرکی اور دنیوی کروفر اور جاہ و حشمت کوئی چیز ہے۔بسا اوقات بہت بے سرو سامان، بے نوا، غبار آلودہ، ژولیدہ موے، پھٹے پرانے چیتھڑوں میں ملبوس درویش جسے تمہاری ظاہر بین آنکھیں حقارت سے ٹھکرا دیا کرتی ہیں۔باطن میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مہذب، خوبصورت، دانا، غنی اور مالدار بلکہ ان میں بعض امراء، روسا اور بے تاج شاہان وقت بھی ہوتے ہیں۔

خاساران جہاں را بحقارت مہ نگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ترجمہ:۔دنیا کے خاکساروں یعنی فقیروں کو حقارت سے مت دیکھ۔تجھے کیا پتہ ہے کہ اس گرد میں شاید کوئی سوار یعنی اولیاء ہو۔

وہ دل کی باطنی آنکھ اور ہے جس سے انسان کی اصلی باطنی صورتیں نظر آتی ہیں جو حقیقی واصلی بادشاہ اور گدا میں تمیز کرتی ہے۔

مرد آں باشد کہ باشد شہ شناس

مے شناسد شاہ را در ہر لباس

اس کے برخلاف تم ایک شخص کو دیکھو گے جو زرق برق لباس میں ملبوس ہو گا۔ اور عمدہ خوبصورت شکل و شباہت والا ظاہر میں وجیہہ ہو گا۔ دنیوی دولت اور ظاہری جاہ وحشمت میں کوئی شخص اس کی برابری نہیں کر سکے گا۔ دنیوی اور مادی عقل میں افلاطون زمان اور جالینوس وقت شمار کیا جائے گا۔ لیکن اخلاق مذہبی اور روحانی حیثیت میں وہ ایک لایعقل حیوان اور خونخوار درندہ ثابت ہو گا۔ لوگوں میں دنیوی لحاظ سے بڑا معزز اور مکرم ہو گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک جوں اور مکھی سے بھی کم تر اور ادنیٰ درجہ رکھتا ہو گا۔ غرض انسان کی ظاہری صورت، دینی حیثیت اور مادی عقل کوئی اور چیز ہے۔ اور انسان کے اخلاق اور اعمال کی باطنی صورت، دینی حیثیت اور مذہبی و روحانی سمجھ علیحدہ چیز ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واسطے فرمایا ہے کہ اکثر اھل الجنۃ بلہ۔ ترجمہ یعنی جنت کے لوگ اکثر و بیشتر سادہ لوح ہوں گے۔ اکثر اہل جنت ایسے لوگ ہوں گے جن کے ہاتھ دنیوی عقل کی چالاکیوں اور شیطانیوں سے کوتاہ ہوں گے۔ اور دنیوی دولت کو کچھ وقعت اور اہمیت نہیں دیں گے۔ اور اس کے نفع ونقصان کی چنداں پرواہ نہیں کریں گے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امی یعنی ان پڑھ کہا گیا ہے کہ آپ دنیا کے شیطانی علم اور اس کے حصول کے مکروں فریبوں اور منصوبوں سے ناواقف تھے۔ اسی دنیوی عقل کے لحاظ سے اکثر مالدار اور فیلسوف، کافر پیغمبروں کے ماننے والے سادہ لوح سچے صاف دل مسلمانوں کو سفہاء اور بادی الرائے یعنی کم عقل اور نادان کہا کرتے تھے جیسے کہ

مرد وہ ہے جو حقیقت کا شناسا ہو۔ وہ بادشاہ کو ہر لباس میں پہچان لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قالوآ انؤمن کمآ امن السفھآء الآ انھم ھم السفھآء۔

ترجمہ۔ کافر کہنے لگے کہ آیا ہم اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح یہ احمق نادان لوگ ایمان لائے ہیں۔ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ خبردار دنیوی دولت اور مادی عقل پر مغرور کافر خود احمق اور کمینے ہیں لیکن وہ اس بات کو نہیں جانتے۔

غرض اہل سلف صالحین کا معیار اخلاق اس قدر رفع اور بلند تھا کہ اگلے زمانے کے دنیا دار امراء اور شاہان وقت بھی اس پچھلے زمانے کے صوفیاء اور مشائخین سے زیادہ نیک، متقی، پارسا اور زاہد و عابد تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کا جس وقت وصال ہوا تو ان کی حسب وصیت یہ اعلان ہوا کہ آپ کا جنازہ وہ شخص پڑھائے کہ جس سے ساری عمر کبھی تکبیر اولی اور عصر کی سنتیں فوت نہ ہوئی ہوں۔ناظرین کو اس بات کا یقین مشکل سے آئے گا کہ ان کے جنازہ کو حسب وصیت پڑھانے کے قابل نہ کوئی عالم فاضل نہ کوئی متقی اور زاہد صوفی درویش اور نہ صاحب نسب سید و قریشی نکلا۔ بلکہ ایک مکرم، معزز اور ممتاز ہستی کے حسب وصیت نماز جنازہ پڑھانے کے قابل ہندوستان کی وسیع سلطنت کے فرماں روا سلطان شمس الدین التمش نکلے۔نیز شہنشاہ اورنگ زیب اپنے دور حکومت میں باون ۵۲ سال تک اور سلطان نصیر الدین انیس ۱۹ سال تک قرآن شریف کی کتابت کرتے رہے۔یعنی اکہتر سال اسی ہندوستان نے یہ تماشہ دیکھا کہ اورنگ حکومت پر اور چتر شاہی کے نیچے قرآن لکھا جا رہا ہے۔ یہ تو اس زمانے کے بادشاہوں کا حال تھا جو سب سے زیادہ دنیوی تعلقات میں الجھے ہوئے دنیوی دھندوں میں سرتاپا ڈوبے ہوئے اور ملکی و سیاسی جھگڑوں میں جکڑے ہوئے تھے۔اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس زمانے کے پاک باز اور پاک طینت درویشوں اور فقیروں کا معیار زندگی کس

قدر بلند ہوگا۔ اگر ان کے پاک اخلاق اور نیک اطوار کی مثالیں یہاں پیش کی جائیں تو ایک علیحدہ دفتر درکار ہوگا۔غرض ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ اہل سلف صالحین باطنی مذہبی اور روحانی مصروفیتوں کے باوجود بھی کسی علم وفن میں پچھلے لوگوں سے کم نہ تھے ۔آگرے کا تاج محل ،مصر کی مینار یں ،قصر جمشید ،تخت طاؤس اور دیوار چین وغیرہ اگلے لوگوں کے علو ہمت و طاقت اور کمال صنعت وحرفت پر شاہد ہیں۔ مصر کی میناروں سے فراعنۂ مصر کی تین چار ہزار سالوں سے جو مدفون لاشیں اور ممیاں برآمد ہوئی ہیں۔اور جب انہیں اتنے عرصہ دراز سے صحیح سلامت پایا گیا۔تو اس زمانے کے سائنس دان کمال حیرت اور تعجب میں پڑ گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ یہ فراعنۂ مصر کی اصلی لاشیں نہیں ہیں۔ بلکہ کسی دھات کے ڈھلے ہوئے بت ہیں ۔لیکن جب وہ تمام کیمیاوی عملوں اور سائنس کے تجربوں میں اصلی لاشیں ثابت ہوئیں ۔تو ان کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی اور آج تک اس راز اور مسٹری کو یہ لوگ نہیں کھول سکے کہ یہ لاشیں کس مصالحے اور کس عمل اور ہنر کے طفیل آج تک محفوظ چلی آئی ہیں۔ کیونکہ آج کل کے سائنسدان اور کیمسٹس کے پاس ایسی چیزوں کے دیر تک محفوظ رکھنے کے لئے صرف دو چیزیں ہیں۔ایک برف اور دوم سپرٹ ،سو معلوم ہوگیا کہ آج سے تین چار ہزار سال پہلے کے لوگ جنہیں یہ لوگ وحشی ،جنگلی اور احمق خیال کرتے ہیں۔آج کل کے نام نہاد مہذب اور عقل مند روشن خیال لوگوں سے ہر قسم کے علم وہنر میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے ۔کیا طب ،منطق، شعر ،علم ہیئت ،فلسفہ ، ریاضی ،علم کلام وغیرہ ظاہری علوم میں اگلے لوگوں مثلاً بوعلی سینا ،افلاطون ، جالینوس ، ارسطو ،فخر رازی ،امام غزالیؒ ، حافظ شیرازی ،فیضی ،فردوسی اور مولانا رومؒ وغیرہ کی مثل اور مثال پچھلا زمانہ پیش کرسکتا ہے ۔آج اس مہذب دنیا مین جس قدر دانائی کی باتیں ضرب الامثال ،عمدہ مشہور اشعار، اخلاقی ،مذہبی اور روحانی قواعد اور قوانین آج تک دنیا میں رائج اور جاری چلے آتے ہیں۔سب اگلے

زمانے کے روشن ضمیر اور عالی دماغ لوگوں کے بنائے ہوئے اور وضع کئے ہوئے ہیں۔

مسمرزم، ہپناٹزم، اینمل میگنیٹزم یعنی قوت جاذبۂ مقناطیسیہ، حیوانیہ اور سپر چولزم کے مشاہدوں اور تجربوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ انسان میں ایک زبردست روحانی قوت اور ایک بڑی باطنی طاقت موجود ہے۔ اگر اس کی باقاعدہ مشق اور تربیت کی جاوے تو اس کے ذریعے انسان اس مادی دنیا میں ایسے محیر العقول اور حیرت انگیز کرشمے دکھا سکتا ہے کہ وہ بڑے بڑے دانا، فیلسوف اور مادی عقلمندوں کا ناطقہ بند کر دیتا ہے اور سائنس اور فلسفہ اس کی توجیہہ سے صم بکم رہ جاتا ہے۔ اور کوئی جواب ان سے نہیں بن سکتا۔ یہ روحانی طاقتیں باصطلاح متقدمین متصوفین خوارق عادات کرامات کہلاتی ہیں۔ اس قسم کی خلاف عادت فوق الفطرت غیر معمولی طاقتیں دو قسم کی ہوا کرتی ہیں ایک علوی، دوم سفلی۔ علوی طاقتوں کے کرشمے چونکہ علوی غیبی مخلوق یعنی ملائکہ، فرشتوں اور مقدس ارواح کے ذریعے اور واسطے سے ظہور پذیر ہوا کرتے ہیں۔ اس لیے اس کا ذکر ہم کسی دوسرے موقعے پر کریں گے۔ یہاں پر ہم اہل سلف کے سفلی لیکن نہایت نادر، محیر العقول اور ہوشربا کرشموں کی آج سے تین سو سال پہلے کی ایسی مستند تاریخی شہادت پیش کرتے ہیں۔ جس کی صحت کا انکار کسی صورت میں نہیں کیا جا سکتا۔ جس سے ایک سلیم العقل منصف مزاج انسان اندازہ لگا سکتا ہے کہ جہانگیر بادشاہ کے دربار میں بنگال کے چند مداریوں اور جادوگروں نے حاضر ہو کر جو کرشمے دکھائے تھے۔ آج تک دنیا اس سے انگشت بدنداں ہے۔ ان میں سب سے ہوش ربا ریسمان اور آسمان والا معاملہ ہے۔ جس نے آج تک اہل یورپ کو ششدر اور حیران بنا رکھا ہے:۔

کتاب تزک جہانگیری جو جہانگیر بادشاہ کے زمانے کی اس کی اپنی بنائی ہوئی تاریخ ہے۔ اس میں یہ یوں مذکور ہے کہ بنگال کے چند مداری اور جادوگر جہانگیر

بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔علاوہ دیگر حیرت انگیز تماشوں اور کرشموں کے ریسمان اور آسمان والا کرشمہ سب سے زیادہ ہوشربا تھا۔اس کی تفصیل یوں ہے کہ ان جادوگروں میں سے ایک نے بڑھ کر بادشاہ کو سلام کیا اور عرض کی کہ جہاں پناہ میرا ایک دشمن آسمان پر چڑھ گیا ہے۔میں سیڑھی لگا کر آسمان پر اس کے ساتھ لڑنے کے لئے جارہا ہوں۔انشاءاللہ میں اسے قتل کر کے اور فتحیاب ہو کر واپس آجاؤں گا۔ اور ایک خوب صورت نوجوان عورت کو بادشاہ کی کرسی کے قریب بٹھا کر کہا کہ یہ میری پیاری خوب صورت بیوی ہے۔یہ حضور کے پاس میری امانت ہے۔اسے میری واپسی تک اپنے پاس محفوظ رکھیں۔چنانچہ جادوگر نے میدان میں کھڑے ہو کر ایک ڈوری کو آسمان کی طرف پھینکا کہ اس کا ایک سرا نظروں سے غائب ہو گیا اور ڈوری ہوا میں معلق ہو گئی۔چنانچہ جادوگر مذکور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر سیڑھی کی طرح اس پر چڑھ گیا۔اور تماشائیوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ایک لحظے کے بعد وہ ڈوری ہلنے لگی اور بعدہٗ اس پر آسمان کی طرف سے خون کی دھار بندھ گئی۔اور اس میں سے خون ٹپکنے اور بہنے لگا۔تماشائی اس ڈوری کی عجیب وغریب حرکت اور اس میں خون کے زمین پر جاری ہونے کو نہایت حیرت اور تعجب سے دیکھ رہے تھے کہ اتنے میں جادوگر کے ہاتھ پاؤں اورہفت اندام یعنی سب اعضاء یکے بعد دیگرے کٹ کٹ کر خون آلودہ حالت میں ڈوری کے قریب میدان میں آکر آسمان سے گرنے لگے اور آخر میں اس کا سر دھڑام سے میدان میں آگرا۔اس پر جادوگر کی عورت جو بادشاہ کی کرسی کے پاس بیٹھی تھی، چلا اٹھی اور زار زار روتی ہوئی اس جادوگر کی لاش کے پاس آکر کہنے لگی کہ یہ تو میرے خاوند کی لاش ہے۔آسمان پر دشمن نے اسے قتل کر دیا ہے۔اور اسے ٹکڑے کر کے نیچے پھینک دیا ہے اور اپنے قبیلے کے جادوگروں کو مخاطب کر کے کہنے لگی کہ ایندھن وغیرہ کا سامان کرو۔میں اپنے پیارے خاوند کے ساتھ ستی ہو کر زندہ جل مروں گی۔چنانچہ جادوگروں نے فوراً ایندھن تیار کر کے ایک

چتا بنالیا۔ بادشاہ اور امراء و وزراء نے انہیں اس کام سے بہتیرا روکا۔ لیکن جادوگروں نے اس عورت کو چتا میں بٹھا کر اس کے خاوند کی لاش کے ساتھ آگ لگا دی اور وہ چتا عورت سمیت ایک راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ بادشاہ اور تماشائی اس خوفناک منظر کو سخت حیرت اور استعجاب سے دیکھ کر دم بخود بیٹھے تھے کہ اتنے میں جادوگر مذکور ہتھیار لگائے زندہ اور صحیح سلامت اس ڈوری پر سے اترتے ہوئے نمودار ہوا۔ اور ایک لمحہ میں جہانگیر کے سامنے آ کر بادشاہ سے یوں مخاطب ہوا کہ جہاں پناہ! حضور کے بخت و اقبال سے میں نے اس دشمن کو قتل کر دیا ہے اور جو لاش یہاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گری تھی ۔ وہ میرے دشمن کی لاش تھی۔ بعدہٗ بادشاہ سے اپنی بیوی کا طلب گار ہوا کہ میری امانت مہربانی کر کے مجھے واپس کی جائے ۔ بادشاہ نے بہت معذرت کا اظہار کر کے کہا کہ اسے تو تیرے بھائیوں اور ہمراہیوں نے تیری لاش کے ہمراہ زندہ جلا کر ستی کر دیا ہے۔ ہم اس کا خوں بہا دینے کو تیار ہیں ۔ چنانچہ خون کا ابھی فیصلہ ہو رہا تھا کہ اتنے میں دھکتی ہوئی راکھ میں سے جادوگر کی عورت زندہ اور صحیح سلامت نکل آئی اور اپنے خاوند کے پہلو میں کھڑے ہو کر بادشاہ سے عرض کیا۔ جہاں پناہ خوں بہا کی تکلیف نہ فرمائیے میں زندہ اور صحیح سلامت ہوں ۔ یہ ہوش ربا اور حیرت افزا منظر دیکھ کر بادشاہ اور امراء و وزراء نے ان جادوگروں کو بڑے بھاری انعام و اکرام دیئے اور تماشائیوں نے بھی دل کھول کر نقد و جنس پیش کئے ۔ پچھلے چند سالوں کی بات ہے کہ لنڈن میں تمام دنیا کے مداریوں، جادوگروں، شعبدہ بازوں اور جگلروں کی کانفرنس منعقد ہوئی ۔ اس کانفرنس کے پروگرام میں یہ بات بھی شامل تھی کہ جو مداری یا جادوگر جہانگیر بادشاہ کے دربار کا مذکوری بالا ریسمان اور آسمان والا کرشمہ دکھائے گا اسے ۲۰ ہزار پونڈ انعام دیا جائے گا۔ چنانچہ اس انعام کو حاصل کرنے کے لئے دنیا کے تمام جادوگروں اور مداریوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور سائنس اور کیمسٹری کی بدولت اس کرشمے کے اظہار کے لئے بہتیرے اوزار اور

آلات مہیا کیے۔ لیکن کسی سے کامیابی کی صورت نہ بن آئی۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ متقدمین اور متاخرین کے علمی اور ظاہری و باطنی کمالات میں کس قدر فرق ہے۔ افریقہ کے موجودہ حبشی اور جنگلی اقوام کے روحانی کمالات کے جو ریکارڈ یورپین سیاحوں نے جمع کیے ہیں، انہیں دیکھ کر انسان کو حیرت ہوتی ہے کہ آج تک قدیم زمانے کے روحانی کمالات کا اثر پرانی اقوام میں چلا آتا ہے۔ جو اس نئی روشنی کی تاریکی اور جدید تہذیب کی لعنت سے محفوظ ہیں۔ مصر کے قدیم مقبروں اور تہہ خانوں سے جو پرانی ہڈیاں، تسبیح یعنی مالے اور دیگر استعمال کے برتن اور اوزار برآمد ہوئے ہیں ان بے جان اشیاء میں بھی اس زمانے کے لوگوں کی ایسی روحانی تاثیرات اور باطنی کمالات وابستہ ہیں کہ جنہیں دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اور ایک سلیم العقل منصف مزاج شخص اس سے یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جب ان قدیم لوگوں کی ان جامد بے جان اشیاء میں اس قدر روحانی طاقتیں پنہاں ہیں تو ان کی اپنی روحانی طاقتوں کا کیا حال ہوگا۔

اس سچے تاریخی واقعے کے بیان کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ اہل سلف کے باطنی علوم اور روحانی طاقتیں اس وقت افق الاعلیٰ پر پہنچی ہوئی تھیں۔ اور جس طرح آج سے سو سال پہلے کے لوگ آج کل کے سائنس کی مادی ترقیوں کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اسی طرح آج کل کے الحاد زدہ مادہ پرست لوگ قدیم زمانے کے اہل سلف بزرگان دین کے روحانی کرشموں اور باطنی کمالات کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ یہی الحاد زدہ مہذب دنیا آج بھی الگ زمانے کے پیشوایان مذہب اور بانیان دین یعنی پیغمبروں اور اولیاؤں کی اپنی عبادتگاہوں اور معبدوں میں دن رات مداح اور ثنا خوان نظر آتی ہے۔ اور اسی کو ذریعہ نجات سمجھتی ہے۔ سبحان اللہ! وہ الحاد زدہ یورپ جس کو اپنی مادی طاقت پر اس قدر ناز اور گھمنڈ ہے آج بھی اپنے اسرائیلی پیغمبروں کا لوہا طوعاً و کرہاً مان رہا ہے۔ جس کی تعریف و توصیف کے گیتوں

سے دن رات یورپ کے گرجے اور کلیسائیں گونج رہی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اگلے
لوگوں کے روحانی پنجوں نے اس زمانے کے مادی لوگوں کے قلوب کو پکڑ رکھا ہے۔
اور انہیں باطن میں زنجیر تسخیر سے جکڑ رکھا ہے۔ گو وہ نہیں سمجھتے کہ ان کی گردنوں میں
یہ باطنی ڈوریں کس طرح پڑی ہوئی ہیں۔ ان سے نکلنا چاہتے ہیں لیکن نکل نہیں
سکتے جیسا کہ ہاتھی، اونٹ، بیل وغیرہ اگرچہ مادی طاقت اور ظاہری قوت میں انسان
سے زور آور اور طاقت ور ہیں۔ لیکن عقل، فہم اور علم کی بدولت انسان نے اپنے
سے طاقتور اور شہ زور حیوانوں کو مسخر اور قابو کیا ہوا ہے۔ اور ان سے اپنا کام لے رہا
ہے۔ اسی طرح مردہ دل نفسانی لوگ اگرچہ مادی عقل اور ظاہری علم میں کتنے ہی دانا
اور فیلسوف کیوں نہ ہوں لیکن باطنی علم اور روحانی طاقت والوں کے سامنے
حیوانوں کی طرح ہیں۔ جن کو یہ لوگ سر کے باطنی بالوں سے نوری ہاتھ ڈال کر پکڑ
لیتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ۔ ما من دآبۃ الا ھوا خذ بنا صیتھا۔ ترجمہ۔ اور نہیں ہے کوئی
حیوان زمین میں مگر اللہ تعالیٰ نے اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے۔ جس
طرح حیوانوں کو سینگوں یا پیشانی کے بالوں سے پکڑا جاتا ہے اور حسب خواہش ہر
طرف لے جایا جاتا ہے۔ اسی طرح ملکوتی روحانی علوم والے لوگ ان مادی
حیوانات ناطق کو باطنی طور پر بہت آسانی سے دماغی بالوں سے پکڑ کر جس طرف
چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ رباعی

اے کز پئے علم و عقل پر برپا شدہ
تحصیل علوم را مہیا شدہ
از دفتر عشق تا نخوانی ورقے
بو جہلی اگرچہ ابن سینا شدہ

ترجمہ:۔ اے انسان تو جو علم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ اور مختلف علوم کو حاصل
کرنے کے واسطے تیار ہوا ہے۔ عشق کے دفتر سے جب تک تو چند ورق نہیں پڑھے گا

۔تب تک ابوجہل یعنی جاہل مطلق ہے۔چاہے ابن سینا کی طرح دانا کیوں نہ ہو۔

آج اگر چہ سائنس اور مادی ترقی یورپ کو فرعونیت کے بام بلندی پر چڑھا رہی ہے۔لیکن اخلاقی اور روحانی انحطاط اس کو نفسانی ظلمت اور شہوانی غفلت کے ورک اسفل اور جہالت کے تحت الثریٰ کی طرف نہایت تیزی سے گھسیٹ رہا ہے۔ انہیں آج اپنی مادیت پر فخر کی بجائے اپنی روحانیت کے فقدان پر ماتم کرنا چاہیئے تھا۔مادی اور سیاسی عروج اگر انہیں ایک گز ابھار رہا ہے۔تو روحانی جہالت انہیں کوسوں نیچے دبا رہی ہے۔اگر یورپ آج مادی عیش وعشرت اور دنیوی سازو سامان کی وجہ سے شداد کی بہشت کا نمونہ بنا ہوا ہے۔مگر اخلاقی اور روحانی لحاظ سے تمام دنیا میں سخت مفلس ترین،نہایت نادار اور قحط زدہ علاقہ ہے۔اگر چہ مادی سازو سامان اور ظاہری خوراک کی بڑی فراوانی اور بہت بہتات ہے۔لیکن باطنی خوراک اور روحانی غذا ذکر فکر،طاعت اور عبادت الٰہی وہاں عنقا کی طرح نادرو نایاب ہے۔ہر جگہ دن رات ناچ و رنگ کی محافل قائم ہیں۔شراب کے دور چل رہے ہیں۔زنا، بد معاشی،فسق و فجور کا دور دورہ ہے۔خمر اور خنزیر عالم خورونوش ہے۔ایک طرف کتوں کو اور دوسری طرف لیڈیوں کو بغل میں دبائے بیٹھے ہیں۔شیطانی لہو ولعب اور نفسانی کھیل کود کے سوا وہاں اور کوئی شغل نہیں ہے۔جہلا کی جہالت کا جہاں یہ جوبن اور شیطانی شہوت کا یہ شباب ہو وہاں اللہ کا نام لینے کی کسے مجال ہو۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

جس روز سے زمانے نے مادی ترقی اور دنیوی عروج کی طرف قدم اٹھایا ہے۔ اور بالکل اسی ایک ہی طرف رخ کر ڈالا ہے اسی روز سے اخلاقی،مذہبی اور روحانی پستی کا انحطاط شروع ہوا ہے۔اور دین کے ضروری،حقیقی اور اصلی پہلو سے لوگ غافل اور بے پرواہ ہوتے چلے گئے ہیں۔یہاں تک کہ زمانہ گو آج مادی ترقی کے

فلک الافلاک پر پہنچ چکا ہے۔مگر روحانی اوراخلاقی پستی کے تحت الثر ٰی اور درک اسفل میں گراہوا ہے۔

صفائیاں جتنی ہو رہی ہیں دل اتنے ہی ہو رہے ہیں میلے
اندھیرا چھا جائے گا جہاں پر اگر یہی روشنی رہے گی!

افسوس مادہ پرست علم الابدان کی موشگافیوں میں عمریں صرف کررہے ہیں۔اور عزیز جانیں تلف کررہے ہیں۔مگرعلم الادیان کی طرف مطلق توجہ نہیں ہے۔دنیا کی چند روزہ زندگی کی آرائش وآسائش کے سامان مہیا کرنے کا شغف ان کے نزدیک لابد اورضروری ہے۔لیکن ابدی سرمدی حیات اور باطنی نوری دولت کے حصول کا مطلق خیال نہیں۔خانۂ عنکبوت کی آرائش اوراس میں سامان کی افزائش کا کمال بندوبست ہے۔مگر دارِ عالمِ ملکوت کا کچھ فکر نہ نہیں ہے۔

ابیات

چن در فکر سرائے و غم منزل باشی
گذرد قافلۂ عمر تو غافل باشی
کعبہ درگام نخستیں کند استقبالت
از سر صدق اگر ہم سفر دل باشی
گر در آرائش ظاہر دگراں مے کوشند
تو در آں کوش کہ فرخندہ شمائل باشی
کشتی تن بشکن چند دریں قلزم خوں
تختۂ مشق صد اندیشۂ باطل باشی

ترجمہ:۔تو کب تک جائے قیام اور منزل کی فکر کرتا رہے گا۔اسی فکر میں عمر کا قافلہ گذر جائے گا اور تو غافل رہے گا۔

۲۔کعبہ پہلے قدم پر ہی تیرا استقبال کرے گا۔اگر تو حقیقی طور پر دل کا ہم سفر بن جائے۔

۳۔اگر دوسرے لوگ ظاہری آرایش کی کوشش کریں۔تو تو صرف اس بات کی کوشش کر کہ تیرے اعمال نیک ہوں۔

آخری شعر کا مطلب یہ ہے کہ اس تن کی کشتی کو توڑ ڈال۔یعنی عشق الٰہی میں فنا حاصل کر لے اور اپنے جسم کو مٹا دے۔تا کہ تو سینکڑوں فضول خطرات سے نجات پا لے۔خون سمندر جسم ہی کو بتلایا گیا ہے۔کیونکہ جسم خون سے بھرا ہوا ہے۔

۴۔اس تن کی کشتی کو توڑ ڈال۔کب تک تو اس خون کے سمندر میں صدہا باطل اندیشوں کا تختۂ مشق بنا رہے گا۔

اللہ تعالٰی احکم الحاکمین کی بڑی مہربانی اور کمال حکمت ہے کہ اس نے قاہر و قوی اور جابر و جری یورپ کو مذہبی احساس، روحانی ذہنیت اور باطنی بصیرت سے خالی اور

بے بہرہ کر دیا ہے۔ اور دجال کی طرح اسے دینی اور مذہبی آنکھ سے کانا کر کے محض دنیوی جوع الارض اور سیاسی علو کی طرف لگا دیا ہے۔ ورنہ اگر انہیں علاوہ مادی قہر مانیت کے مذہبی اور دینی احساس بھی ہوتا تو آج تمام دنیا کو کفر اور الحاد کے باطل عقیدے کے ماننے پر مجبور کرتا۔

یورپ والے پہاڑوں کی چوٹیاں اور سمندروں کی گہرائیاں ناپتے پھریں۔ وہ دریاؤں کے دہانے اور عمق اور طول وعرض جانتے پھریں۔ قطب شمالی اور قطب جنوبی میں تحت الارض سٹیشن بنا کر موسمی حالات معلوم کرتے پھریں۔ ہوا، پانی اور خشکی کو مسخر کرتے رہیں۔ خلائی جہازوں کے ذریعے ستاروں تک پہنچنے کے خیال اور دھن میں خوش ہوتے رہیں۔ انہیں یہ مادی خاک رانی مبارک! مژدہ باد، او شہیدان نازو ادا و کشتگان غمزہ و جفا کہ وہ نیز اعظم، انوار جمال وجلال کہ جس کے ایک ذرۂ شعاع سے آفتاب، ماہتاب منور ہیں۔ پھولوں کا رنگ و بو جس کے دم سے ہے۔ بتان جہاں کے لبوں کا تبسم جس کے کرم سے ہے وہ ہمہ خیر، وہ ہمہ دان، ہمہ بین، ہمہ نور، خوبی کی جان اور حسن کی روح رواں، حق سبحان تمہارا مقصود اور مطلوب ہے۔ رندان جام وحدت تو روضۂ رضوان کو، جحیم سوزاں کو اور آسمان و زمین گردان کو تین نوالے بنا کر آپ ہی آپ رہ جاتے ہیں۔ مبارک ہیں وہ مسعود وجود جن کے مبارک دم سے آسمان سے بارشیں ہوتی ہیں۔ زمین بار آور ہوتی ہے۔ دنیا سے طرح طرح کی آفات اور مصائب ٹلتی ہیں۔ ان کے ابرو کے ایک ادنیٰ اشارے سے دنیا کی بڑی بڑی مہمیں سر ہوتی ہیں۔ ان کے باطنی ہاتھ کی ایک جنبش بادشاہوں کے تاج اور تخت الٹ دیتی ہے۔ ان کے لطف کی نیم نگاہ مفلس گداگروں کو تاج اور تخت کا مالک بنا دیتی ہے۔ وہ اگر دنیا میں بے کار نظر آتے ہیں تو اس لئے کہ وہ عالم جاودانی کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ دنیا میں جس قدر کوئی بڑا ہوتا ہے اتنا ہی اس کا کام تھوڑا ہوتا ہے۔ بادشاہ ہمیشہ اشاروں سے کام کیا کرتے ہیں۔ عام ملازموں

کی طرح دن رات دفتر کے دفتر سیاہ نہیں کرتے ۔اگر چہ یہ لوگ مفلس اور بے نوا نظر آتے ہیں۔لیکن باطن میں روئے زمین کے حقیقی مالک ہوتے ہیں ۔

خشت زیر سر و بر تارک ہفت اختر پائے!
دست قدرت نگر و منصب صاحب جاہی

افسوس کہ زمانے سے روحانی علوم اور باطنی فنون مٹ گئے ہیں اور باطنی امراض کے طبیب الارواح اور معالج القلوب دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں ۔اسلام در کتب اور مسلماناں در قبور والا نقشہ نظر آتا ہے ۔مذہبی تعلیم اور روحانی تلقین کے دروازے بند ہو گئے ہیں ۔آج کل کے مدرسے اور کالج کیا ہیں ۔انسانی فطرت اور مذہبی ضمیر کے لئے گویا قصاب خانے اور بوچڑ خانے ہیں ۔جہاں لاکھوں انسانی قلوب کے معصوم ریوڑ کفر اور الحاد کی کالی دیوی کی بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں ۔اور بے شمار پاک ارواح دہریت اور بے دینی کی دیوی کی دہلیز پر قربان ہوتی ہیں ۔ظاہر طور پر اگر چہ تعلیم پاتے نظر آتے ہیں ۔مگر درحقیقت معنوی طور پر ذبح ہوتے رہتے ہیں ۔

کما قال اللہ تعالی ولا تقتلو اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم و ایاکم ان قتلھم کان خطاء کبیرا.

ترجمہ ۔بھوک اور افلاس کے خوف سے اپنی اولاد اور بچوں کو قتل نہ کرو ۔ہم ہی انہیں اور تمہیں رزق پہنچانے والے ہیں ۔ بے شک انہیں قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے''۔ یادرہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اکثر لوگ اپنے بچوں کو دینی اور مذہبی تعلیم کی بجائے دنیوی تعلیم صرف اس لئے دیتے ہیں کہ دین اور مذہب کی تعلیم میں انہیں دنیوی دولت کے حصول کی کوئی امید اور صورت نظر نہیں آتی ۔اور سکول یا کالج میں داخل کر کے انہیں اس بات کی توقع ہوتی ہے کہ لڑکا اس تعلیم کے ذریعے کسی اچھے عہدے پر فائز ہو جائے گا ۔اور خوب روزی کمائے گا ۔یہاں اس آیت کا وہ پرانا مفہوم ہرگز تطبیق نہیں کھاتا کہ پرانے زمانے میں کفار عرب اپنی لڑکیاں زندہ

دفن کیا کرتے یا انہیں ذبح کر ڈالتے۔ کیونکہ وہ لوگ یہ کام محض عار کی وجہ سے کیا کرتے تھے۔ تا کہ کوئی شخص ہمارا داماد نہ ہو ہرگز بھوک اور افلاس کے خوف سے یہ کام نہیں کرتے تھے۔ یہ ذکر ایک دوسری آیت میں یوں آیا ہے۔ واذا المو ءدۃ بای ذنب قتلت ۔ غرض بہت لوگ ہیں جو اپنے معصوم بچوں کو بھوک اور افلاس کے خوف سے سکولوں اور کالجوں میں داخل کر کے معنوی اور باطنی طور پر انہیں اپنے ہاتھوں قتل کر ڈالتے ہیں اور ان کی فطرت دینی اور استعداد مذہبی کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اکبر مرحوم نے اس مضمون کو اپنے اس معر میں کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

کالج کفر و الحاد کے ٹکسال ہیں۔ جہاں ضمیر اور فطرت کے زرعیار میں بے دینی اور بد اخلاقی کا کھوٹ ملا کر انسانی قلوب کے سادہ لوحوں پر کفر، الحاد اور دہریت کی مہریں لگ رہی ہیں۔ اور مغربی رسم و رواج کے موافق رائج الوقت سکے اور کام کے مطابق دام تیار ہو رہے ہیں۔ اور یوں ہزاروں یوسف ان کھوٹے داموں کے عوض بکے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی مذہبی ذہنیت مفقود ہو گئی ہے۔ اور اگر دنیا میں کہیں خال خال مذہبی خیال موجود ہے تو مغربی تعلیم اور یورپین تہذیب نے اسے بگاڑ کر مسخ کر دیا ہے۔ اکثر قلوب مذہبی اور روحانی لحاظ سے مر چکے ہیں۔ ان میں کوئی مذہبی حس ہی باقی نہیں رہی۔ اگر کچھ تھوڑے سے قلوب کسی قدر زندہ رہ گئے ہیں تو وہ سخت مہلک باطنی امراض میں مبتلا ہیں۔ ان باطنی امراض کے اثر اب مذہب کی نسبت آئے دن سخت کفر انگیز خیالات اور ملحدانہ شکوک اور اعتراضات کی شکل میں ان لوگوں کے دلوں میں ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ اب دنیا میں نہ معالج القلوب ہیں اور نہ طبیب الارواح۔ اکثر کو تو اپنے مرض کا احساس ہی نہیں۔ بھلا جو مریض اپنے آپ کو تندرست اور صحت یاب سمجھے، اس کا علاج کون کرے۔ یہاں پر

ہم اس قسم کے چند دہریانہ شکوک اور شبہات اور ملحدانہ خیالات اور اعتراضات بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتے ہیں جو مغربی تعلیم کے اثرات سے دنیا میں پھیل گئے ہیں ۔جس سے تقریباً مذہبی دنیا متعفن اور مسموم ہوگئی۔ ان میں بعض وہ لوگ ہیں جو سرے سے خدا کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایسے خدا کو کیونکر مانیں جو نہ خود دنیا میں محسوس اور معلوم ہوتا ہے ۔اور نہ اس کا کوئی عمل اور فعل دکھائی دیتا ہے ۔بھلا جو خدا سمجھ میں نہ آئے اسے کیونکر جانا اور مانا جائے۔ یہ لوگ دل کے اندھے ہیں۔ مادرزاد اندھے کو سورج کی اور اشیاء کی رنگت کا احساس کرانا ناممکن ہے۔سورج تمام دنیا کو روشن کررہا ہوتا ہے۔سارا جہان اس کی روشنی سے تاباں اور درخشاں اور تمام اشیاء کی صورتیں اور رنگتیں اس سے نمایاں ہوتی ہیں۔لیکن اندھوں کے نزدیک نہ دنیا میں سورج کا کوئی وجود ہے نہ دنیا میں اس کی روشنی اور حرارت کو کوئی فعل موجود ہے۔ ایسے لوگ اگر سورج کی روشنی اور حرارت اور اشیاء کی صورت اور رنگت کو نہ سمجھیں اور جانیں تو قصور کس کا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم

چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ترجمہ: اگر دن کے وقت چمگادڑ کچھ نہ دیکھ سکے تو اس میں چشمہ آفتاب کا کیا قصور ہے۔

جب کہ کائنات عالم کا ذرہ ذرہ اس کا آفتاب عالم تاب کے انوار سے زندہ اور تابندہ ہے ۔اور تمام دنیا کے اولوا الالباب، دانایان جہان اور اولی الابصار، بینایان زمان اس کی ذات والا صفات اور دنیا میں اس کی قدرت کے افعال جلال کے مشاہدہ اور اعمال باکمال کے مشاہد ہیں۔

ان میں بعض سیاسی ملحد ہیں۔جن کے سر پر سیاسی شیطان مسلط ہوتا ہے۔ شیطان ان کے دماغ میں یہ باطل خیال جما دیتا ہے کہ مذہب اور ادیان محض بنی نوع

انسان کی ظاہری اور دنیوی بہبودی اور اقتصادی و سیاسی ترقی اور تہذیب و تمدن اور طرز معاشرت کی اصلاح کے لئے وضع کیے گئے ہیں۔ اور تمام مذہبی پیشوا یعنی اگلے پیغمبر اور اولیاء وغیرہ اپنے اپنے زمانوں میں اپنی قوموں کے محض دنیوی ریفارمر اور ملکی مصلح اور سیاسی لیڈر ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے اپنی دماغی قابلیت اور عقلی ذہانت سے اس زمانے کی محض دنیوی اصلاح اور سیاسی ترقی کے لئے مذاہب ایجاد کیے تھے۔ اور بہشت کے خالی بہلاوے اور دوزخ کے وہمی ڈر کے ڈنڈے سے اس زمانے کے سادہ لوح لوگوں کو بچوں کی طرح اپنی خود ساختہ مذہبی پگڈنڈیوں اور شرعی راہوں پر چلاتے رہے ہیں۔ اور نعماء بہشت، حور و قصور محض طفل تسلیاں اور بھول بھلیاں تھیں۔ اور عذاب دوزخ محض ایک فرضی ہوا تھا جو اس زمانے کے سادہ اور توہم پرست دماغوں کے لئے کھڑا کیا گیا تھا۔ دراصل سیاسی ترقی اور ملکی فتح کی نقد بہشت مقصود اور مطلوب تھی۔ چنانچہ آزاد اور فاتح قومیں حکومت اور سلطنت کی بہشت میں یہاں راحت اور آرام پاتی اور عیش و عشرت کرتی ہیں۔ اور محکوم و مغلوب قومیں غلامی و ذلت اور افلاس و مسکنت کی دوزخوں میں دکھ اور عذات پاتی ہیں۔ پس مذہب کا مدعا یہی کچھ ہے۔ سوائے اس کے نہ کوئی بہشت ہے اور نہ دوزخ۔ نہ موت کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے اور نہ حساب کتاب ہے۔ نہ سزا ہے اور نہ جزا۔ اسی سیاسی الحاد اور دنیوی مفاد کی تائید میں وہ مفصلہ ذیل باطل خیالات اور بیہودہ خرافات بھی کہہ ڈالتے ہیں کہ یہ سب ظاہری شرعی شعائر اور مذہبی ارکان اسی دنیوی بہبودی اور سیاسی بہتری کیلئے وضع کیے گئے ہیں۔ ہر شرعی حکم اور دینی رکن میں کوئی نہ کوئی دنیوی مفاد اور سیاسی بہتری کا راز مضمر ہے۔ مثلاً کلمہ شہادت صرف قومی اتحاد اور ایک توحید کا ایک رسمی اظہار ہے۔ صوم اور روزہ ماہ رمضان جہاد نفس اور تہذیب اخلاق کی ایک پریکٹس ہے۔ یعنی نفس کو بھوک اور پیاس کی عادت ڈالنے اور شہوات و خواہشات کی ضبط کا خوگر بنانے کی مشق ہے۔ تاکہ لڑائیوں میں خرچ اور خوراک

وغیرہ نہ ملنے کے موقع پر کام آئے۔ نماز با جماعت صرف اطاعت امیر ہے۔ اور نماز ایک قسم کی ورزش ہے۔ اور وضو کا مطلب محض صفائی ہے۔ اور مساجد سیاسی اجتماع اور ملکی معاملات اور دنیوی مصالحات کی صلاح اور مشوروں کی پنج وقتہ انجمنیں ہیں۔ ان لوگوں کا خیال کہ جملہ علماء و فضلاء متقدمین و سلف صالحین و ائمۂ دین متین و محدثین اور کل فقہاء مفسرین نے قرآن و احادیث کے اصل مدعا اور مفہوم کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اور غرض و غایت دین کا وہی ہے۔ جو ہم نے سمجھا ہے۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست۔ قاتلھم اللہ انی یؤفکون۔ غرض یہ لوگ سب دینی ارکان اور تمام مذہبی شعائر کے تحت کسی نہ کسی دنیوی اور سیاسی مفاد کو مضمر سمجھتے ہیں۔

بعض کور چشم ملحد نبوت۔ رسالت اور حقیقت الوحی کی توجیہہ کرتے ہیں کہ پیغمبر اور رسول اپنی قوم کے ایسے ہمدرد لیڈر اور خیر خواہ مصلح ہوئے ہیں کہ جن میں فطرتاً اپنی قوم کی بہبودی اور ہمدردی کا جوش اور جذبہ ہوا کرتا تھا۔ اس جوش اور جذبے کے سبب ان پر اس قسم کے خیالات کا غلبہ رہا کرتا تھا۔ اور غلبۂ تخیلات سے بعض مضامین کو ان کی قوت متخیلہ مہیا کر لیتی تھی۔ حتیٰ کہ بعض اوقات اس غلبے کی حالت میں ان کو کوئی نہ کوئی آواز بھی سنائی دیتی تھی۔ جس کو وہ وحی و الہام سے موسوم کرتے تھے۔ حالانکہ خارج میں نہ کوئی اس قسم کا غیبی وجود ہے اور نہ کوئی فرشتہ ہے۔ یہ سب ان کی فطرتی قوت متخیلہ کی موہوم کارستانیاں ہیں۔ غرض یہ عقل کے دشمن پیغمبروں کو یا تو فریبی یا فریب خوردہ تصور کرتے ہیں۔ اور جملہ انبیاء و مرسلین اور اولیاء کاملین کی وحی و الہامات اور معجزات و کرامات کو ان کے غلبۂ واہمات اور خیالات کی پیداوار خیال کرتے ہیں۔ اور اپنے کو بڑے فیلسوف اور دانا محقق سمجھتے ہیں۔ سبحنہ و تعالیٰ عما یقولون علوا کبیرا۔

فلسفی گشتی و آگہ نیستی
خود کجاؤ از کجاؤ کیستی

از خود آگہ چوں نۂ اے بے شعور
پس نباید برچنیں علمت غرور

ملاحدۂ دہر کا خیال ہے کہ مذاہب دور جاہلیت کی پیداوار ہیں۔اور اب روشنی اور علم کا زمانہ ہے۔پرانے مذاہب اور قدیم طریقے اسی پرانے توہم پرست زمانے کیلئے موزوں اور مناسب تھے۔اور اسی زمانے کے ساتھ رہ جانے چاہیئں۔اب زمانہ ماشاءاللہ بہت ترقی کر گیا ہے۔پرانے مذاہب اور قدیم طریقے اس مہذب اور بیدار زمانے کو سنبھالنے اور شاہراہ ترقی پر چلانے کے لیے کافی نہیں ہیں۔اس واسطے نئے ریفارمروں اور نئے فیشنوں کی ضرورت ہے۔ چنانچہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔منہ سے ہر وقت اٹھتے بیٹھتے دھواں نکالنا۔سیٹیاں بجانا۔لہو ولعب اور کھیلوں میں بندروں کی طرح ناچنا اور مینڈکوں کی طرح پھدکنا پھاندنا ان کے نزدیک تہذیب کی علامتیں اور شائستگی کے آثار ہیں۔

اب نظر آتی نہیں ہے مسجدوں کے فرش پر
قوم نے اتنی ترقی کی کہ پہنچی عرش پر

تو فلسفی تو بن گیا ہے مگر تجھے اتنا علم نہیں کہ تو کہاں ہے، کہاں سے آیا ہے اور تیری حقیقت کیا ہے۔اے بے خبر! جب تجھے اپنی ہی خبر نہیں تو تجھے ایسے علم پر غرور نہیں کرنا چاہیئے۔

اگر ان کے سامنے مذہب اور اخلاق کا نام لیا جائے تو کہتے ہیں کہ یہ لوگ ہم کو پرانے فرسودہ دقیانوسی زمانے کی طرف پیچھے دھکیلنا چاہتے ہیں۔زمانہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ یہ لوگ عورتوں کی آزادی اور بے پردگی کا بڑا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں۔اور یورپ کے جاہلوں اور بے دینوں کی طرح عورتوں کو محفلوں اور مجلسوں میں مردوں کے دوش بدوش عریاں اور رقصاں دیکھنا چاہتے ہیں۔اس بے شرمی، بے حیائی اور بے عزتی کو ترقی، آزادی اور تہذیب کا نام دیتے ہیں۔اے مغرب پرستو! اگر اس دیوی کا نام ترقی اور آگے بڑھنا ہے۔تو یہ آگے بڑھنا تم کو مبارک ہو۔ہم

پیچھے ہی آہی۔

ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

بعض لوگ ہیں کہ جملہ انبیاء کے معجزات اور تمام اولیاء کی کرامات اور خوارق عادات کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قانون قدرت کے خلاف کبھی واقع نہیں ہو سکتا۔ اور دنیا میں جو علت و معلول، شرط و جزا اور سبب و اثر کا سلسلہ جاری نظر آتا ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی علت ہے اور نہ کوئی غیبی محرک و فعال قدرت موجود ہے۔ دنیا محض یہی عالم اسباب ہے جو دائرہ حواس کے اندر معلوم اور محسوس ہے۔ جس طرح کسی چیز کی فطرت واقع ہوئی ہے۔ اس کے برخلاف کبھی واقع نہیں ہوسکتا۔ سورج مشرق سے نکلتا ہے۔ آگ جلاتی ہے۔ پانی ڈھلوان کی طرف بہتا ہے اور اس الحاد اور دہریت کی تائید میں یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

فطرت الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله ذالک الدین القیم.

جس کی تفسیر ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ اس فطرت سے مراد فطرت دینی ہے۔ اور لاتبدیل لخلق اللہ سے مراد یہ ہرگز نہیں ہوسکتی کہ مادے کی خلقت میں تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی۔ بلکہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ مادہ ہر وقت اور ہر لمحہ بدلتا رہتا ہے۔ اور ہر چیز میں تغیر و تبدل رونما ہے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ قانون قدرت کے برخلاف کچھ واقع نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ علی کل شئی قدیر ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ہرگز اپنے قانون کے تابع اور پابند نہیں ہے۔ اگر وہ اپنے بنائے ہوئے اصول اور قواعد کا پابند ہو تو وہ خدا کس بات کا رہا۔ پھر تو کائنات میں مادے اور اس کے قوانین اور قواعد کا عمل و دخل رہا۔

خدا ہے فہم سے وہم اور سے دور

سمجھ لے جس کو بندہ وہ خدا کیا

اس دنیا کی چند روزہ مادی حکومتوں کو بھی گاہے گاہے بطور ضرورت قانون آرڈی ننس جاری کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ اللہ تعالی احکم الحاکمین اور فعال لما یرید کو اپنے قانون کا اور قاعدے میں اسیر اور مقید رکھا جائے۔ اللہ تعالی اپنے کلام پاک میں صاف صاف فرما رہے ہیں۔

یمحوا اللہ ما یشآء و یثبت و عندہ ام الکتاب

یعنی اللہ تعالی اپنی لوح قدرت اور لوح محفوظ میں جس امر کو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس لوح علم کی ام الکتاب ہے۔ اور مسلمہ مسئلہ ہے کہ الامر یتغیر والعلم لا یتغیر یعنی امر اللہ بدلتا ہے اور علم اللہ نہیں بدلتا۔ بلکہ علم کے ذریعے امر کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً پانی ڈھلان کی طرف بہتا ہے۔ لیکن علم پمپ اور فوارہ کے ذریعے پانی نیچے سے اوپر کی طرف لایا جا سکتا ہے۔ وعلی ہذا القیاس باقی سب امور کو تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ یفعل ما یرید اور یحکم ما یرید یعنی اللہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرے اپنے حکم سے پورا کرتا ہے۔ کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ اور پھر صاف طور پر فرماتے ہیں۔ واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ یعنی اللہ تعالی اپنے ہر امر اور قانون پر غالب ہے۔ اور اس کے تغیر و تبدل پر قادر ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو کائنات کی ہر چیز میں طلوع و غروب تغیر و تبدل اور ہر اصول و قواعد میں نقیض اس کے قہر مانیت قدرت اور غلبۂ امر کا صاف صاف پتہ دے رہے ہیں۔ اور کوئی بات ہماری توقع اور قیاس کے مطابق واقع ہوتی نظر نہیں آتی۔ اور کسی امر کے وقوع کے لئے صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اسباب کی آستین میں قدرت

کا ہاتھ کارفرما ہے۔ اور اکثر اسباب کے پردے میں کام کرتی رہتی ہے۔ لیکن گاہے بوقت ضرورت اسباب کی آستین چڑھا کر اور اتار کر کام کرنے لگ جاتی ہے۔ لہٰذا انبیاء علیہ السلام کے معجزات اور اولیاء کرام کی کرامات اور خوارق عادات محض قدرت کے ننگے ہاتھ کے کرشمے ہوا کرتے ہیں۔ اور قانون جاریہ کے برخلاف وقتی ضرورت کی تکمیل کیلئے گویا آرڈی ننس ہوا کرتے ہیں۔ جن نادان نفسانی کورچشم لوگوں کی نظریں مادی اسباب تک محدود ہوا کرتی ہیں۔ اور کوئیں کے اندھے مینڈک کی طرح وہ مادی کوئیں کو ساری کائنات سمجھتے ہیں۔ وہ قدرت کی فوق الفطرت غیر مادی کارفرمائیوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ اور قرآن میں جہاں کہیں اس قسم کے غیر فطری خلاف قیاس اور مفہوم میں عجیب قطع و برید اور سخت ناروا کفر انگیز تاویلیں کیا کرتے ہیں۔ ہم ان کورچشموں کو معذور اور مجبور سمجھتے ہیں۔

ز اہل مدرسہ اسرار معرفت مطلب

کہ نکتہ داں نشود کرم گر کتاب خورد

ترجمہ۔ مدرسہ اور مکتب والوں سے معرفت کے اسرار نہ پوچھ۔ کیونکہ کیڑا چاہے کتاب بھی کھالے وہ نکتہ داں نہیں بن سکتا۔

نہیں ہے سائنس واقف کار دیں سے

خدا ہے دور حد دور بیں سے

بعض مذہب کو سیاست سے علیحدہ سمجھتے ہیں۔ اور مذہب کو محض عبادات اور اعتقادات میں محدود خیال کرتے ہیں۔ کہ بندے کا خدا کے ساتھ ذاتی اور انفرادی معاملہ ہے۔ سیاست کا معاملہ بندوں کے درمیان آپس کا ہے۔ دنیوی اور سیاسی ترقی میں مذہب رکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔ اس لئے اس کو عملی دنیا میں جگہ نہیں دیتے۔ اسے ایک خیالی چیز سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ مذہب کا مدعا اور غرض و غایت توحید یعنی اللہ تعالٰی کو ایک ماننا اور جاننا ہے۔ اور یہ چیز ہمارے خیالات میں حاصل ہے تو

پھر عملی اور شرعی تکلیفات کی کیا ضرورت ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک تقریباً پانچ سو سال کے عرصے میں احکام اور قوانین میں تبدیلی کی ضرورت پڑی۔ مگر تیرہ سو سال تک وہی ایک مذہب اور ایک ہی قسم کے قوانین اور احکام جاری ہیں۔ یہ بڑا ظلم ہے۔

بعض منکر نبوت نجات کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انبیا توحید کے واسطے مبعوث ہوئے ہیں۔ اور انہیں بھی اسی توحید کے علم اور عمل کا حکم تھا۔ پس جس کو اصل مقصود حاصل ہو غیر مقصود کا انکار اسے نقصان نہیں دیتا۔ پس توحید اعتقادی طور پر ہمیں حاصل ہے۔ عبادت اور اعمال اسی اعتقاد کے مختلف مظاہر ہیں یا اس کی صحت کے لوازمات اور ذرائع ہیں۔ جب اصل مقصود حاصل ہو جائے تو ذرائع اور وسائل کی کچھ ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح یہ بدبخت یریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ کے مصداق بن کر اپنے آپ کو نبی اور اس کی شریعت سے بری سمجھتے ہیں۔

ایک اور فرقہ ہے۔ جو اپنے آپ کو اہل قران کہتا ہے اور احکام کو محض قران میں محدود سمجھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ احادیث غلطی سے محفوظ نہیں ہیں۔ اسلئے ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ قران خود مکمل چیز ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آیات قران کی اپنے مطلب کے موافق تاویلیں کر کے یضل بہ کثیرا کے مصداق ہوتے ہیں۔ بعض ائمہ دین کے اجتہاد اور فقہ کا انکار کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ قرانی آیات اور احادیث میں سے اپنے مطلب کے موافق جس کا جس طرح جی چاہے اپنے لئے ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر علیحدہ دین بناتے ہیں۔ اور دین قیم کی وحدت اور اجماع امت میں بگاڑ، تفرقہ اور تشتت ڈالتے ہیں۔ انسان چونکہ فطرتاً اور قدرتاً جھگڑالو، جلد باز، سہل انگار، سست اور کم چور واقع ہوا ہے۔ اس واسطے وہ خواہ مخواہ دینی قیود اور مذہبی پابندیوں سے آزادی حاصل کرنے اور اس میں قطع و برید کر کے آسانی پیدا کرنے

کے لئے ہزاروں مکر اور لاکھوں بہانے اور حیلے بناتا ہے۔ اور خدائی احکام کو کسی نہ کسی طرح توڑ مروڑ کر اپنی خواہش نفسانی کے موافق اور مطابق کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ لوگ نفس کے بندے ہیں۔ اور ہوائے نفس کے تابع ہیں۔ اور جملہ احکام کو اپنے نفس کے موافق بنانے میں حیلے بہانے تراشتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ افرء یت من اتخذ الٰھہ ھوہ و اضلہ اللہ علی علم و ختم علی سمعہ و قلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ ط فمن یھدیہ من بعد اللہ افلا تذکرون.

ترجمہ۔ آیا تو نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنایا۔ اور باوجود علم کے اللہ نے اس کو گمراہ کیا۔ اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ پس کون ہے جو ایسے شخص کو ہدایت کرے سوائے اللہ کے۔ آیا تم نہیں سمجھتے ہو۔

مختصر یہ کہ مغربی تعلیم نے الحاد اور دہریت کا زہر تعلیم یافتہ طبقے کے دلوں اور دماغوں میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ اکثر دل مذہبی نقطۂ نگاہ سے مر چکے ہیں۔ ان کے اندر کوئی مذہبی حس باقی نہیں رہی اور نہ انہیں ہدایت کی طرف لانے کی کوئی امید ہو سکتی ہے۔ باقی اگر چند دل رہ گئے ہیں۔ تو سخت مہلک امراض میں مبتلا ہیں۔ اور مذکورہ بالا شکوک اور شبہات ان کے قلوب کو بری طرح گھیرے ہوئے ہیں۔ اکثروں کو تو دنیوی خطرات اور نفسانی خیالات سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ دین اور مذہب کے معاملے پر تہہ دل سے غور کریں اور سوچیں کہ آخر ہم کیا ہیں؟ کیوں ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟ موت کی ضروری، اٹل اور لابد مہم کو اس طرح بھولے ہوئے ہیں کہ گویا انہیں یہ دور دراز سخت کٹھن، جاں گداز اور روح فرسا سفر درپیش ہی نہیں۔ بعض کو اگر بھولے سے بھی کبھی اچانک موت کی یہ بڑی بھاری مہم یاد بھی آ جاتی ہے تو اسے یوں ٹال دیا جاتا ہے کہ موت جب آئے گی

تو اس وقت دیکھا جائے گا۔ اس سے پہلے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اتنے لوگ چلے گئے ہیں۔ وہ گذارہ کریں گے ہم بھی کر لیں گے۔ اس قسم کی طفل تسلیوں سے شیطان ان نادانوں کو تھپکا تھپکا کر خواب غفلت میں سلا دیتا ہے۔ اور اس سفر آخرت کے لئے زادراہ اور توشہ و سامان بنانے سے باز رکھتا ہے اور اس وقت ہوش آتا ہے جب پانی سر سے گذر جاتا ہے اور خالی ہاتھ محتاج، نادار، اپاہج، اندھا، لوا، لنگڑا، سخت مصائب و آلام میں مبتلا اور گرفتار ہو کر دار آخرت کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔ اس وقت حسرت، ندامت اور تاسف سے ہاتھ ملتا ہے۔ لیکن پھر پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

حشمت میں ہو تو گرچہ سکندر سے زیادہ
اور عمر تری نوحؑ پیمبر سے زیادہ
روز پسیں نہ کچھ بھی رہے گا بجز دریغ
ہر چند کہ روئے تو سمندر سے زیادہ

ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوگا۔ کہ اس کتاب کا مفہوم تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان بس دنیا کے تمام کام کاج چھوڑ کر جنگل میں جا بسے۔ یا کسی حجرے یا گوشے میں بیٹھ کر تمام عمر اللہ اللہ ہی کرے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تصور میں محو اور غرق ہو کر رہے۔ سو اس کتاب کی غرض و غایت تو رہبانیت کی مشق معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ لارھبانیۃ فی الاسلام آیا ہے۔ یعنی اسلام میں رہبانیت کی تعلیم نہیں ہے۔ ایسی تعلیم تو عیسوی دین کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے جنگلوں اور پہاڑوں کے غاروں میں جا رہے۔ یعنی عیسٰی علیہ السلام صاحب غار تھے۔ اور ہمارے پیغمبرؐ صاحب السیف اور صاحب الجہاد ہوئے ہیں۔ آج اقوام عالم خصوصاً یورپین اقوام سیاسی اور دنیوی ترقی کے فلک الافلاک پر پرواز کر رہی ہیں۔ اور مسلمان ذلت اور ادبار کے گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ اسلام کو تنظیم،

اتحاد، تعلیم، دولت دنیوی، عروج اور سیاسی علو وغیرہ کی ضرورت ہے۔ افسوس! مسلمانوں میں سے اکثر لیڈرانِ سیاست و دولت کے مجنوں للچائی ہوئی نظروں سے یورپین قوموں کی چند روزہ حیوانی لذتوں اور نفسانی دولتوں اور نفسانی مسرتوں کی طرف دیکھ دیکھ کر ترستے ہیں۔ اور جب خدا اور رسول اور اسلام کو اپنی نفسانی اغراض میں مؤید اور معاون نہیں پاتے تو دل ہی دل میں بگڑتے اور اسلام کے برخلاف طرح طرح کی خرافات اگلتے ہیں۔ اس کتاب کے لکھنے سے ہماری غرض یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسلمان جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف نکل جائیں۔ یا حجروں میں بیٹھ کر ساری عمر اللہ اللہ ہی کریں۔ اور دنیا کا کوئی کام نہ کریں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا۔ ہاں البتہ مسلمانوں کو ذکر اللہ اور اسم اللہ ذات کی طرف راغب اور مائل کرنے سے ہماری غرض اور غایت یہ ہے کہ مسلمان پہلے اصلی اور حقیقی معنوں میں مسلمان ہو جائیں۔ ذکر اللہ اور اسم اللہ ذات سے نور ایمان اور روشنیٔ ایقان و عرفان حاصل کر کے اسلام کے پاک اخلاق سے متخلق اور ایمان کی نوری صفات سے متصف ہو جائیں۔ اس کے بعد جب وہ اصلی اسلامی شان کے ساتھ میدان عمل میں نکلیں گے تو زندگی کے ہر شعبے اور دنیا کے ہر فعل اور عمل میں تائید ایزدی ان کے شامل حال ہو گی۔

کما قال اللہ تعالیٰ اولئک کتب جی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منہ

وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان لکھ دیا گیا ہے۔ اور انہیں اپنی روح سے تائید فرمائی ہے۔ ایسے اہل ایمان لوگوں کی زندگی کے دونوں دینی و دنیوی، ظاہری و باطنی، صوری و معنوی، سیاسی و اخلاقی اور بدنی و روحانی پہلو ہر طرح سے نہایت کامیاب اور خوشگوار ہو جاتے ہیں۔ ایسا شخص اپنے لئے اور غیر کے لئے، گھر کے لئے اور قوم کے لئے غرض تمام دنیا کے لئے اور آخرت میں باعث صد راحت اور موجب ہزار رحمت ہو جاتا ہے۔ جس طرح جانور اللہ کے نام کی تکبیر سے ذبح

کے وقت پاک اور حلال ہو جاتا ہے۔اسی طرح انسان ذکر اللہ اور اسم اللہ ذات کے نور سے پاک اور طیب ہو کر صحیح طور پر اسلام، ایمان، ایقان اور عرفان وغیرہ کے درجات اور مراتب سے مشرف اور سرفراز ہو جاتا ہے۔ جب تک کسی قوم کے افراد فرداًفرداً اپنے نفس کا تزکیہ ذکر اللہ اور اسم اللہ سے نہ کر لیں اور اپنے نفسوں کی حالت اور کیفیت کو اللہ کے لئے بدل نہ ڈالیں ۔ ہرگز اللہ تعالیٰ اس قوم کی مجموعی حالت کو نہیں بدلتا۔

کما قال عذذکرہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم.

کیا ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، تجلیۂ روح اور تخلیہ سر کی خاطر ابتدائے وحی کے زمانے میں رہبانیت اختیار کر کے کئی دفعہ اکیلے پہاڑ میں نہیں جا رہتے تھے۔اور متواتر کئی ہفتوں تک غار حرا میں تصور اسم اللہ ذات کے پاک شغل کی خاطر دن رات معتکف نہیں رہتے تھے۔سو ہر مسلمان پر جو اصلی اور حقیقی معنوں میں مسلمان اور مومن با ایمان بننے کا خواہش مند ہو۔فرض عین اور سنت عظیم ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ایک دفعہ ضرور اپنے دل کو اسم اللہ ذات کے صبغتہ اللہ سے پوری طرح رنگ لے اور بطور کتب فی قلوبھم الایمان اپنی لوح قلب پر نقش اسم اللہ ذات کو نقش اور مرقوم کر لے۔اس کے بعد وہ عملی دنیا میں اگر نکلے گا۔تو تائید ایزدی اس کی ہر جگہ اور ہر فعل میں دستگیری کرے گی۔قوم کا ہر فرد جب اس شان سے نمایاں ہو جائے گا۔تو اس وقت قوم کی مجموعی حالت بھی بدل جائے گی۔ اور الاسلام یعلو ولا یعلی کی صفت سے جلوہ گر ہو جائے گی۔ورنہ صرف اسلامی نام کے رکھے جانے یا مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے سے انسان کی نجات ہرگز نہیں ہو سکتی۔اور نہ دینی اور دنیوی ترقی حاصل ہو سکتی ہے۔ بلکہ صرف ظاہر صورت اسلامی اور رسمی رواجی عمل سے بھی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔جب تک صحیح اسلامی سیرت اور کردار اور ایمانی قلب اور خالص نیت پیدا نہ کرے۔جیسا

کہ حدیث نبویؐ میں ہے۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الی اعمالکم ولکن ینظر فی قلوبکم و نیاتکم.

ترجمہ۔ اور یہ تمہارے اعمال اور افعال بلکہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورت کو دیکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کا جب باطن صحیح اور درست ہو جائے گا۔ تو ان کا ظاہر بھی اصلاح پذیر اور ترقی یافتہ ہو جائے گا۔ جب دل کی اصلاح ہو جاتی ہے تو جسد اور تن تبعاً درست ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

ان فی جسد بنی آدم مضغة اذا صلحت، صلح الجسد کله الآ وهی القلب.

ترجمہ۔ بنی آدم کے جسد میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ جب اس کی اصلاح ہو جاتی ہے تو تمام جسد اور بدن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ خبردار وہ گوشت کا لوتھڑا دل ہے۔ غرض جس وقت قوم کے افراد کے قلوب اور نفوس اصلاح پذیر ہو کر بدل جائیں تو قوم کی ظاہری، دنیوی، سیاسی، اقتصادی اور باطنی مذہبی اور روحانی حالت بھی بدل جاتی ہے۔ جس زمانے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرماں بردار اور قرآن اور حدیث پر عمل کرنے والے یعنی مسلمان متقی اور پرہیزگار تھے۔ دنیا کی حکومت اور بادشاہی بھی ان کے قدم چومتی تھی۔ لیکن جس وقت مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت اور فرماں برداری چھوڑ دی۔ اور نفس اور ہوا کے پیچھے پڑ کر قرآن اور حدیث پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس نافرمانی کی سزا میں ان پر ذلت اور مسکنت کو مسلط کر دیا۔ اور ان سے سلطنت اور حکومت چھین کر اغیار کے حوالے کر دی۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار قریش نے جب اشاعت دین اور

تبلیغ حق کے اجراء سے روکنے کی انتہائی کوشش کی۔حتیٰ کہ آپؐ کو قتل کرنے اور دین اسلام کے مٹانے کا تہیہ کرلیا۔اور آپؐ کو اپنا وطن مالوف مکہ معظمہ چھوڑ کر مدینے کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا۔تو آپؐ نے وہاں جا کر تبلیغ اسلام اور اشاعت دین حق کا کام شروع کر دیا۔کفار نابکار کو جب معلوم ہوگیا کہ آپؐ نے اپنا مشن وہاں بھی جاری کر دیا ہے۔اور آپؐ کو وہاں اس میں زیادہ کامیابی ہو رہی ہے تو ان الٰہی دشمنوں نے آپؐ کو وہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔اور آپؐ کے مشن کو مٹانے کے لئے کوششیں جاری رکھیں اور وہاں جا کر حملے شروع کر دیئے۔تو آپؐ کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان معاندین اور مخالفین کے خلاف مجاہدانہ کاروائی شروع کرنے اور علم جہاد بلند کرنے کا اذن عام مل گیا۔چنانچہ آپؐ نے اور آپؐ کے اصحابؓ کبار نے محض اعلاء کلمۃ الحق اور تبلیغ دین حق کے لئے بمصداق حتیٰ لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ۔ تمام مخالفین اور جملہ کفار و مشرکین کے خلاف تلوار اٹھائی۔چنانچہ اللہ تعالیٰ کی نصرت آپؐ کے شامل حال رہی۔اور آپؐ کو اپنے سچے جہاد اور حقیقی مشن میں پوری کامیابی حاصل ہوئی۔اور آپؐ کو اور آپؐ کے جانشینوں اور دین حق کے سچے پیروؤں کو دین حق کی تبع میں دنیا کی بادشاہی اور سلطنت بھی حاصل ہوگئی۔اور جہاں کہیں خدا کے ان صادق بندوں کے مبارک قدم پہنچے۔وہاں توحید اور دین حق کا آفتاب چمک پڑا۔اور کفر، شرک اور نفاق کی ظلمتیں دلوں سے کافور ہوگئیں۔اور تمام دنیا کی کایا پلٹ گئی۔دل صاف ہوگئے اور نیتیں بدل گئیں۔ہر شخص اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے برائی سے رک گیا۔اور رجاء رحمت کے ارادے سے نیک کام کرنے لگ گیا۔اور اسی طرح تمام دنیا اسلام کی سلامتی، ایمان کے امن اور عرفان کی عافیت میں راحت اور آرام کی زندگی بسر کرنے لگ گئی۔دنیا میں ہر جگہ عدل اور انصاف کا دور دورہ ہوگیا۔اخوت اور مساوات قائم ہوگئی۔اور اسی طرح اسلام کی نوری فضا میں دنیا نے اطمینان اور تسکین کا سانس لیا۔

ہمارے اس زمانے کے لیڈروں میں جب تک مذہبی اور روحانی سپرٹ پیدا نہ ہوگی۔ ان کی نیت نیک اور دل صاف نہ ہوں گے۔ وہ قوم کو دینی اور دنیوی نجات کا راستہ دکھانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے آج کل کے لیڈروں کو اللہ تعالیٰ اور دار آخرت پر ایمان نہیں ہے۔ وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اسی دنیا کے لئے کرتا ہیں۔ وہ گویا ایک قسم کے تاجر ہیں۔ وہ اگر کبھی مصلحت وقت کی خاطر قوم کے لئے کوئی تھوڑی سی وقتی جانی یا مالی قربانی پیش بھی کرتے ہیں۔ تو اس کے عوض تمام قوم سے بہ ہیئت مجموعی وسیع پیانے پر دائمی عزو جاہ اور دولت دنیا کے طالب ہوتے ہیں۔ ملحد اور بے دین لیڈر کسی صورت میں قوم کا حقیقی راہنما اور اصلی نجات دہندہ نہیں بن سکتا۔ اور نہ اس کی نیت صاف ہوسکتی ہے۔ وہ تھوڑے سے شخصی سرمائے کے ذریعے قوم کی ساری پونجی پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ وہ تو ایک قصاب ہے۔ جس نے اپنی نیت کی چھری من کے میان میں چھپا رکھی ہے اور گڈریے اور پاسبان کا لباس اوڑھ رکھا ہے۔ قوم کا سچا راہنما اور اصلی نجات دہندہ وہی شخص ہوسکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ پر ایمان رکھے۔ جسے یوم آخرت حساب کتاب اور سزاء اور جزاء کا صحیح یقین ہو۔ جس کا ہر فعل اور عمل اللہ تعالیٰ کیلئے ہو۔ ایسا شخص قوم کا حقیقی خیر اندیش اور سچا بہی خواہ ہوتا ہے۔ وہ لوگوں سے کسی چیز کا طالب نہیں بنتا۔ وہ لوگوں کو اپنے لئے نہیں بلکہ انہیں کے فائدے کے لئے چاہتا ہے۔ اس کا سچا سودا اور لین دین اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ وہ اپنی متاع اپنے خالق کے ہاتھ بیچتا ہے اور بازار آخرت میں اس کی قیمت اور معاوضے کا طلب گار ہے۔ نہ مخلوق سے اسے کوئی دنیوی غرض اور نہ نفسانی سروکار ہے۔ دنیا کے تمام ملحد اور بے دین لیڈر چور، اچکے، ڈاکو اور رہزن ہیں۔ یہ لوگ کبھی دنیا میں امن قائم نہیں کرسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مہذب ڈاکو مذہب اور روحانیت کو الٹا موجب باہمی نزاع و نفاق قرار دے کر دنیا سے اسے مٹانا چاہتے ہیں اور اس کے استیصال اور بیخ

کنی کے درپے ہیں۔ یہ نادان الحاد اور دہریت کی رو میں بہے جا رہے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ اگر مذہب اور روحانیت دنیا سے نکل جائے تو دنیا میں امن قائم ہو جائے گا۔ لیکن یاد رہے کہ اگر مذہب اور روحانیت کا سلیمانؑ دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے نہ رہا تو دہریت کے عفریت سے یہ بھی امید نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ دنیا میں امن قائم کر سکے۔ ہاں دہریت اور بے دینی کے دور سے یہ فائدہ ضرور رہے گا کہ انسانی جبر و استبداد سے آزادی نہ سہی۔ خدا اور رسول سے تو آزادی مل جائے گی۔ ایک قوم کی اصلی ترقی یہ ہے کہ وہ ظاہری و باطنی، صوری و معنوی، دینی و دنیوی، مادی و روحانی اور سیاسی و مذہبی دونوں طریقوں پر ترقی کرنے میں گامزن ہو۔ ورنہ اگر دین اور مذہب کو سیاست کی بھینٹ چڑھا کر بفرض محال دنیوی ترقی حاصل بھی کر لی جائے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ایک شخص نے سر دے کر ٹوپی حاصل کر لی اور پاؤں کٹوا کر جوتے پائے۔ اور انسان کی چند روزہ غلامی سے نجات پانے کی خاطر نفس اور شیطان کی ابدی غلامی میں گرفتار ہوا۔

رباعی

گیرم پسرا کہ رستم و سام شدی
یا خسرو نیمر و زیا شام شدی
نے زور بہ گور می تواں برد نہ زر
افسوس کہ یہ کیمیائے او ہام شدی

اے فرزند! میں نے تسلیم کر لیا کہ تو (بہادری میں) رستم زال اور سام نریمان جیسا ہو گیا۔ تو نیمروز یا شام کے ملک کا تاجدار بن گیا ہے لیکن یاد رکھ کہ قبر میں تیرے ساتھ نہ تیرا زور جا سکے گا نہ زر۔ افسوس صد افسوس کہ تو وساوس و اوہام کی کیمیا گری میں مبتلا ہو گیا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ اور دار آخرت کا منکر ہو۔ اور اس کی تمام اغراض دنیا تک محدود ہوں۔ اور مخلوق سے اس کی تمام امیدیں وابستہ ہوں وہ بھلا اس دنیوی

ردوبدل اور مادی سودابازی کے سوا اور کیا کرسکتا ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

جولوگ دنیا میں حیوانی زندگی بسر کرتے ہیں۔جن کا مشغلہ کھانا پینا اور ٹٹی کرنا ہے۔دنیا میں آئے اور چند روز حیوانوں کی طرح کھا پی کر چلتے بنے۔جن کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا و لھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون.

ترجمہ: ان کے دل تو ہیں لیکن ان سے کچھ سمجھتے نہیں۔ان کے کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں۔اور ان کی آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں ہیں۔یہ لوگ حیوانوں کی طرح ہیں۔بلکہ ان سے بدتر اور گمراہ ہیں۔یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور دار آخرت سے غافل ہیں۔

ابیات

خواجہ را بیں کہ از سحر تا شام
دارد اندیشۂ شراب و طعام
شکم از خوشدلی و خوشحالی
گاہ پر مے کند گہے خالی
فارغ از خلد و ایمن از دوزخ
جائے او مزبلہ است یا مطبخ

جوکور چشم نفسانی محض گوشت اور ہڈیوں کے ڈھانچے ہیں۔اور جو خالی اسی آب و گل

> تو دنیادار کو دیکھ کہ صبح سے شام تک اسے بس کھانے پینے کا فکر رہتا ہے۔ وہ اپنے پیٹ کو خوشحالی اور فراخیِ رزق کے باعث کبھی بھرتا ہے کبھی خالی کرتا ہے۔۔۔۔ وہ جنت اور دوزخ دونوں سے فارغ اور بے غم ہے (نہ تو نیک عمل کی طرف میلان ہے اور نہ معصیت سے اجتناب) اس کا ٹھکانہ بیت الخلا ہے یا باورچی خانہ۔

یعنی مادی دنیا میں سب کچھ جانتے ہیں۔ جو باطنی حواس سے محروم اور نور ایمان سے خالی ہیں۔ ایسے لوگ اگر اللہ تعالیٰ اور دار آخرت کا انکار کریں تو وہ معذور ہیں۔ کیوں کہ ان کے قلوب مادے کے غلاف میں مستور ہیں۔ بھلا ایسے لوگ روح اور روحانی دنیا کو کیا جانیں۔ روحانی اور باطنی دنیا میں موجود ہیں۔ لیکن جن کے سر میں نہ باطنی آنکھیں ہوں اور نہ باطنی کان وہ کیا خاک دیکھیں اور سنیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے باطنی حواس کھلتے ہیں۔ لیکن نہ وہ اس طرف کبھی آئے اور نہ انہوں نے کوشش کی۔ تو قصور کس کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض اور کنارہ کشی باطنی کور چشمی کا موجب ہے۔

قولہ تعالیٰ و من اعرض عن ذکری فان لہ معیشة ضنکا و نحشرہ یوم القیمة اعمی.

اور مشاہدہ کے لئے مجاہدہ شرط ہے۔ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔** ترجمہ۔ جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ اور کوشش کرتے ہیں۔ ہم انہیں اپنے راستے دکھاتے ہیں۔ یہ لوگ قلبی امراض میں مبتلا ہوئے۔ لیکن وہ کبھی طبیب القلوب کے پاس علاج کے لئے نہ گئے۔ ان کی آنکھیں آئیں اور اندھے ہو کر رہ گئے۔ لیکن کبھی سلیمانی سرمے کی تلاش میں نہ نکلے۔ ہم اس جگہ مادی دنیا میں باطنی شخصیتوں اور روحانی جسوں کے افعال اور آثار بطور مشتے نمونہ ازخروارے بیان کرتے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے ناظرین اہل یقین کو پتہ لگ جائے گا کہ ہماری اس مادی دنیا کے علاوہ ایک باطنی اور روحانی دنیا بھی موجود ہے۔ جس کے آثار گاہے گاہے اس مادی دنیا میں بھی نمودار ہو جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ باطنی اور روحانی دنیا اس مادی اور عنصری

دنیا کے ساتھ اس طرح متحد اور پیوست ہے۔ جس طرح روح جسد عنصری کے ساتھ متصل اور مربوط ہے۔

مادی دنیا میں باطنی حسوں کے آثار وافعال

اس مادی دنیا میں انسان پر صرف خواب کے اندر عالم غیب اور روحانی دنیا کے واردات غیبی گاہے گاہے واقع ہوتے ہیں۔اور محض خواب ہی میں ان غیر مرئی اشیاء کا ظہور ہونے لگتا ہے۔اور نیند میں دوسری زندگی کے تاثرات کسی قدر باطنی حواس پر رونما ہوتے رہتے ہیں۔اور عالم امر یعنی لطیف دنیا کی اشیاء کو محض خواب کے وقت انسان گاہے گاہے بطور مشتے نمونہ از خروارے محسوس کر کے اندازہ لگا سکتا ہے کہ ہاں اس مادی دنیا کے علاوہ کوئی اور لطیف دنیا بھی موجود ہے کیونکہ خواب کے وقت انسان کے ظاہری حواس بند ہو جاتے ہیں۔اور تمام مادی اعضاء اپنے کام سے معطل ہو جاتے ہیں۔گویا انسان پر ایک گونہ بے ہوشی اور موت واقع ہو جاتی ہے۔اگر خواب کو موت اصغر یعنی چھوٹی موت کہیں تو بجا ہے اس واسطے النوم اخ الموت آیا ہے۔یعنی نیند موت کا بھائی ہے۔جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

اے برادر من ترا از زندگی دادم نشاں

خواب را مرگ سبک داں مرگ را خواب گراں

چنانچہ موت بھی ظاہری حواس اور قویٰ اور جسمانی اعضاء کے انعطال اور بے کار ہو جانے کا نام ہے۔اور جو کچھ موت کے بعد واقع ہوگا اس کا نمونہ کسی قدر خواب میں ضرور پیش آ جانا چاہیئے۔موت کے بعد کی کیفیت کے اثرات کچھ نہ کچھ خواب میں پیش آنے بہت ہی قرین قیاس ہیں۔عوام کے لئے عالم غیب اور عالم امر کی طرف جھانکنے کے لئے یہی خواب کا ایک روزن رکھا گیا ہے۔اور سچے خوابوں سے ایک سلیم العقل انسان دار آخرت کے ثبوت کے لئے بہت اچھے نتیجے نکال سکتا ہے۔اس واسطے رؤیائے صادقہ یعنی سچے خوابوں کو نبوت کا ایک جزو قرار دیا گیا ہے۔پس خواب کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ کہ جب خواب کے وقت انسان پر نفس کی قوت متخیلہ غالب ہوتی ہے۔اور حواس ظاہرہ کے مدرکات خزانہ خیال میں مجتمع ہو جاتے

ہیں۔ اوران کا عکس دل کے آئینے پر پڑتا ہے۔ اس وقت بعینہٖ وہی عادی خیالات اور تصورات خواب میں متشکل ہو کر نظر آتے ہیں۔ یہ اضغاث احلام یعنی خیالات پریشان کہلاتے ہیں۔ جن کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لیکن کبھی نفس ناطقہ جب کہ وہ اس عالم محسوس سے بسبب انعطال حواس خمسہ اور قویٰ ظاہری عالم غیر محسوس یا عالم ارواح کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، تو اس جوہر صافی پر عالم غیب کے واقعات اس طرح منعکس ہوتے ہیں جس طرح صاف آئینے میں محسوسات کی صورتیں نظر آتی ہیں۔ پھر عالم بیداری میں وہ ہو بہو اسی طرح واقع ہوتی ہیں۔ ایسے خوابوں کو اضغاث احلام قرار دینا اور پریشان خیالات کہنا پرلے درجے کی حماقت اور سچے واقعات کا انکار ہے۔ ہاں کبھی جب دل کے آئینے کو عالم محسوس کے عادی خیالات نے مکدر کیا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس پر عالم غیب کے واقعات کا عکس کماحقہٗ نہیں پڑ سکتا۔ اس وقت دل پر رویائے صادقہ اور پریشان خیالات کی مٹھ بھیڑ ہو جاتی ہے۔ اس وقت ایک تیسری شکل پیدا ہوتی ہے۔ ایسے خواب کے بعض حصے سچے خواب ہوتے ہیں اور بعض پریشان خیالات، سو یہ حالت بھی چنداں قابل وقعت نہیں۔ مگر بعض دفعہ انسان خواب کے اندر ایسی باطنی وادی میں چلا جاتا ہے۔ کہ جہاں روزانہ عادی خیالات، نفسانی ارادات اور دنیوی خطرات کا دخل ہی نہیں ہوتا۔ اور انسان خواب میں صبح صادق کی طرح شک اور شبہ کے غبار سے پاک اور صاف مطلع دیکھتا ہے۔ اس وقت دل کے آئینے پر عالم ملکوت یعنی عالم غیب کے حالات اس طرح منعکس ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فلم کے پردے پر متحرک او متکلم صورتیں بعینہٖ ہو بہو صاف طور پر نمودار ہوتی ہیں۔ اس قسم کے واقعات جب خواب میں انسان دیکھتا ہے تو بیداری میں ہو بہو اسی طرح یا گاہے ہفتہ یا مہینہ یا گاہے سال اور کبھی برسوں کے بعد ضرور رونما ہو جاتے ہیں۔ سو ایسے خواب دل کے سچے حقائق کا نمونہ ہوتے ہیں۔ قولہٗ تعالیٰ۔ ما کذب الفؤاد ما رای۔ یعنی دل جو کچھ دیکھتا ہے اس میں کبھی جھوٹا ثابت

نہیں ہوتا۔ دنیا میں تقریباً ہر انسان کو کسی نہ کسی سچے خواب کا واقعہ ضرور پیش آیا ہوگا۔ جس سے اس بات کا کافی ثبوت مل سکتا ہے کہ انسان کے اندر ان مادی اعضاء اور ظاہری حواس کے ماسوئی ایک اور چیز بھی مدرک ہے۔ جس کو باطنی شخصیت یا نفس، قلب اور روح کہتے ہیں۔ اور موجودات کا سلسلہ صرف محسوسات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس مادی دنیا کے علاوہ ایک اور لطیف روحانی دنیا بھی موجود ہے۔ جس کے آثار کبھی کبھار اس مادی دنیا میں اس عنصری جسم پر نمودار ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر انسان نے عمر بھر میں کوئی نہ کوئی سچا خواب دیکھا ہوگا۔ جو ہو بہو جلدی یا بدیر واقع ہوا ہوگا۔ یا اگر کوئی شخص خود نہیں دیکھ سکا تو کسی قریبی خویش یا دوست اور رفیق کے خواب کی صداقت ضرور آزمائی ہوگی۔ کیونکہ اس قسم کے واقعات نہایت معمولی باتیں ہیں۔ چھوٹے بچے، کمزور، ناقص العقل عورتیں، فاسق، فاجر انسان حتیٰ کہ کفار مشرکین اور منافقین تک ہر قسم کے سچے خواب دیکھ سکتے ہیں۔ اور یہ عام روزن ہر خاص و عام کے لئے کھلا ہوا ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے۔ ایک واقعہ خواب میں دیکھا گیا ہے۔ اور صبح کو ہو بہو اسی طرح واقع ہو گیا ہے۔ یا کبھی کسی گمشدہ چیز کی بابت خواب میں اطلاع کے مطابق وہ چیز مل گئی۔ یا کبھی کسی مرض کی دوا بتائی گئی ہے۔ اور اس پر عمل کرنے سے صحت کلی حاصل ہوگئی ہے۔ یا کبھی کسی موت یا فوت کی خبر سنائی گئی ہے۔ یا کسی اولاد نرینہ کی پیدائش کی بشارت مل گئی ہے۔ اور اسی طرح ظہور پذیر ہو گیا ہے۔ یا کبھی کسی مقدمے کی فتح یا کسی سفر پر گئے ہوئے خویش یا دوست کی آمد کی خبر مل گئی ہے۔ یا کبھی آئندہ رنج یا خوشی کا واقعہ خواب میں نظر آ گیا۔ یا کوئی اجنبی شخص یا نادیدہ مکان یا نیا شہر خواب کے اندر دیکھا گیا۔ بعد میں بیداری پر ہو بہو ان سب کا وقوع اور ظہور ہو گیا۔ سو یہ امر بدیہی ہے کہ یہ حواس ظاہری اور بدنی ادراکات کا کام تو ہرگز نہیں ہے۔ ملحد مادہ پرست، کور چشم اس قسم کے سچے حقائق اور دیگر غیبی ادراکات اور روحانی واردات کی جو ان کی مادی عقل کے

میزان میں پوری نہ اتر سکیں۔کوئی نہ کوئی تاویل اور توجیہہ کر لیتے ہیں۔لیکن کچھ عقل سلیم اور ذرا باطنی حواس کے مالک اس قسم کے واقعات سے ضرور اندازہ لگا لیتے ہیں کہ ہماری اس مادی دنیا کے علاوہ ضرور ایک روحانی لطیف دنیا بھی آباد ہے۔جو گاہ بگاہ باطنی حواس سے معلوم اور محسوس ہوتی رہتی ہے۔ورنہ نیک لوگ تو ایسے سچے خواب ہر روز دیکھتے ہیں اور انہیں ہمیشہ سچا پاتے ہیں۔اور کبھی خطا نہیں کرتے۔ بعض زندہ دل لوگ مستقبل کے آئندہ واقعات مراقبے کے اندر گاہے بیداری میں دیکھا کرتے ہیں۔اور انبیاء اور اولیاء کا تو کہنا ہی کیا ہے ان کا دل تو جام جمشید اور آئینہ سکندری ہوتا ہے۔جس میں تمام دنیا کے حالات اور واقعات رونما ہوتے ہیں۔انسانی دل اللہ تعالیٰ کی لوح محفوظ کا ایک ماڈل اور نمونہ ہوا کرتا ہے۔اور ہر شخص بقدر وسعت و استعداد اس میں حال، ماضی اور مستقبل کے حالات اور واقعات کا نظارہ کر سکتا ہے۔جس طرح انسان کو ظاہری حواس سے متمتع کیا گیا ہے کہ جس وقت چاہے۔ان سے عالم محسوسات کی اشیاء معلوم اور محسوس کر سکتا ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے باطنی حواس عطا کر دیئے ہیں۔وہ جس وقت چاہیں ان سے باطنی اور روحانی دنیا کی اشیاء اور عالم امر کے واقعات اور حالات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم اور جس کے دل کی دوربین کا آئینہ جس قدر وسیع ہے۔اس میں غیبی حقائق اور روحانی اشیاء وسیع پیانے پر رونما ہوتی ہیں۔حال ہی میں ماہیت دانوں اور سائنس دانوں نے ایک ایسی بھاری اور وسیع دوربین ایجاد کی ہے جو کیلے فورنیا کی رصد گاہ اور آبزرویٹری میں نصب کی گئی ہے جس سے کروڑہا ایسے سیارے اور ستارے نظر آ گئے ہیں جو پہلی دوربینوں سے نظر نہیں آ سکتے۔اور آئندہ اس سے زیادہ بڑی اور وسیع ترین دوربین عالم وجود میں آنے والی ہیں۔جب اس مادی وسعت نظری پر کسی قسم کا کوئی کنٹرول نہیں ہے۔اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی ولی یا نبی کے دل کی دوربین کو

وسعت بخشے۔اور اس میں تمام جہان کا نظارہ کرے۔تو اس میں اے حاسدو! تمہارا کیا بگڑتا ہے۔ یعلمون ظاہرا من الحیوۃ الدنیا وھم عن الآ خرۃ ھم غافلون۔

آئینہ سکندر جام جم است بنگر
تا بر تو عرصہ دارد احوال ملک دارا

ترجمہ۔دل آئینہ سکندر جام جمشید کی طرح ہو۔اس میں دیکھ،تا کہ یہ تجھے دارا کے ملک کے حالات بتائے۔

شعر کے دوسرے مصرع میں دارا سے دو معنی نکلتے ہیں۔ایک وہ جو بیان ہوا۔دوم یہ کہ دارا کے معنی مالک کے بھی ہیں۔لہذا اس کا یہ مطلب ہوا۔کہ دل آئینہ سکندر اور جام جمشید کی طرح ہے۔اس میں اللہ تعالی کی کائنات کے تمام حالات دیکھنے پر نظر آ سکتے ہیں۔

ہاں کل عالم غیب اور عالم امر اور عالم خلق کو ہر وقت اور ہر آن انفرادی اور مجموعی، اجمالی اور تفصیلی، اندرونی اور بیرونی طور پر معلوم اور محسوس کرنا اور تمام کائنات اور اس کے ہر ایک ذرے کا علم ہمیشہ کے واسطے رکھنا اور اس علم میں کسی وقت نقص اور کمی نہ آنا یہ اللہ تعالی واجب الوجود اور عالم الغیب والشہادۃ کو مسلم ہے اور اس کی مخصوص اور ممتاز صفت ہے۔جس میں اور کوئی ذات اس کی شریک اور رہمتا نہیں ہوسکتی۔

هو الاول و الاخر والظاهر و الباطن و هو بكل شيء عليم.

اول و آخر توئی کیست حدوث و قدم
ظاہر و باطن توئی چیست وجود و عدم
اول بے انتقال آخر بے ارتحال
ظاہر بے چند و چوں باطن بے کیف و کم

تمام کائنات اور اس کا علم بھی اللہ تعالی کی مخلوق ہے۔اگر تمام کائنات کا علم کسی کو عطا کر دے۔اور مخلوق کو مخلوق اور حادث کا علم بخش دے۔تو اس واجب الوجود غیر مخلوق ذات کی نامتناہی صفت علم میں ایک ذرہ برابر دخل اور شرک لازم نہیں آتا۔

کیونکہ ہماری تمام کائنات کا ہمہ گیر اور ہمہ دان علم ہر حال میں مخلوق ہے۔ اور اسے خالق غیر مخلوق کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وہ ذات وراء الوراء اور ثم وراء الوراء مخلوق کے علم اور جہل سے بالاتر ہے۔

اولی و ہم در اول آخری
باطنی و ہم در آں دم ظاہری
تو محیطی بر ہمہ اندر صفات
و ز ہمہ پاکی و مستغنی بذات

ترجمہ۔ تو اول بھی ہے اور آخر بھی ہے اور تو باطن بھی ہے اور اسی وقت ظاہر بھی ہے تو اپنی صفات کے لحاظ سے سب مخلوق پر محیط ہے۔ لیکن اپنی ذات کے لحاظ سے سب سے پاک اور مستغنی ہے۔

اے دوست یقین کر لے کہ انسان کامل اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چشم بصارت ظاہری اور چشم بصیرت باطنی سے کائنات کی ظاہری اور غیبی اشیاء کو دیکھ سکتا ہے۔ ہر برتن اور ظرف میں اسی قدر چیز آتی ہے۔ جس قدر اس میں وسعت ہوتی ہے۔ تاہم اگر حاسدین اور بخلاء برا نہ مانیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب اس خالق ذوالجلال کی بے مثل و بے مثال رویت ولقا اور وصل کو قبل یا بعد از موت شریعت نے (اس خاکی انسان کے لئے) جائز کر دیا ہے۔ تو مخلوق کے مخلوق اور محدود علم میں کونسا سرخاب کا پر لگا ہے کہ وہ اس کے لئے جائز نہ ہو۔

ظہور تو بمن است و وجود من از تو
فلست تظہر لولائی لم اکن لولاک

ترجمہ۔ اے اللہ تیرا ظہور مجھ سے ہے اور میرا وجود تجھ سے ہے۔ پس تو ظاہر نہیں ہوتا جب تک میں نہ ہوں۔ اور میں موجود نہیں ہوتا اگر تو نہ ہو۔

ہم ایک طویل اور غیر مختتم بحث میں پڑ گئے ہیں۔ ہم پھر اپنے اصلی موضوع کی

جانب رجوع کرتے ہیں۔

غرض خواب کے اندر بعض اشخاص کو بڑے بڑے علوم اور معارف حاصل ہوئے ہیں۔ چنانچہ بعض اشخاص کو خواب کے اندر قران کی لمبی سورت یاد کرائی گئی۔ اور جب وہ صبح کو اُٹھتے ہیں۔ تو انہیں وہ سورت ہمیشہ کے لئے یاد رہ گئی۔ بلکہ ایسا بھی ہوا کہ بعض سعادت مند اشخاص کو خواب میں سارا قران ایک رات کے اندر حفظ کرایا گیا ہے۔ اور جب صبح کو اٹھے ہیں۔ تو ہمیشہ کے لئے قران کے حافظ بنے رہے ہیں۔ بعض لوگوں کی نسبت بروایت صحیح سنا گیا ہے کہ رات کو سوتے وقت عجمی تھے اور انہیں خواب کے اندر عربی زبان بولنے کا ملکہ عطا کیا گیا۔ جب وہ صبح کو اٹھے تو فصیح عربی زبان بولنے والے پائے گئے اور ہمیشہ عربی زبان بولتے رہے۔ چنانچہ ان کا قول ہے۔ امسیت عجمیا واصبحت عربیا یعنی میں سوتے وقت عربی زبان سے بے بہرہ محض عجمی تھا۔ لیکن صبح کو اٹھا تو عربی بنا ہوا تھا۔ بعض لوگ جاہل سوئے اور عالم ہو کر اٹھے۔ کئی دفعہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی کے خواب میں چوٹ لگی ہے اور بیداری میں اس کا اثر اس کے وجود پر نمایاں طور پر پایا گیا۔ چنانچہ ایک شخص کو اس راقم الحروف نے دیکھا کہ رات کو خواب میں کسی نے اس کی ٹانگ پر چوٹ لگائی۔ صبح کو وہ ٹانگ سے لنگڑا ہو گیا۔

راقم الحروف کا اپنا واقعہ ہے کہ جب میری عمر تقریباً ۳۵ سال کی ہو گی۔ اور جب کہ ماہ رمضان شریف جون جولائی کے گرم مہینوں میں پڑتا تھا۔ میری طبیعت ناساز ہو گئی۔ اور روزہ رکھنے کے لئے پاس کے مغربی پہاڑ کے ایک سرد مقام پر چند احباب کے ہمراہ چلا گیا۔ مگر وہاں بسبب چند وجوہات کے رہنے کا اتفاق نہ ہو سکا ۔ مجبوراً رمضان کی پہلی تاریخ سے ایک دو روز پہلے گھر کو روانہ ہوا۔ ہمارے شہر سے چند میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں رات آ پڑی۔ اتفاقاً شام کو رمضان کا چاند نظر آ گیا۔ طبیعت گو ناساز تھی۔ لیکن صبح روزہ بھی تھا اور پیدل کافی سفر بھی۔ رات کوشش و

پنج میں تھا۔ کہ روزے کی نیت کی جائے یا نہ۔ آخر دل مضبوط کر کے روزے کی نیت
کر ہی لی۔ اور صبح کو گھر پیدل روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس شدت کی پیاس لگی کہ دل
بیٹھا جاتا تھا۔ اور منہ میں لعاب خشک ہو گیا۔ گھر پہنچ کر غسل کیا اور پیاس بجھانے
کے بہتیرے بیرونی جتن کیے۔ لیکن کسی طرح پیاس کا غلبہ کم نہ ہوا۔ دوپہر کو چارپائی
پر لیٹ کو سونے کی بہتیری کوشش کی۔ لیکن بسبب شدت پیاس نیند نہیں آتی تھی۔
آخر تھوڑی سی آنکھ جو لگی تو کیا دیکھتا ہوں کہ خواب میں بھی اپنی پیاس بجھانے کے
لئے پانی تلاش کر رہا ہوں۔ اتنے میں اسی خواب کے اندر کسی شخص نے شربت کا
ایک گلاس پیش کیا۔ جسے میں پی گیا۔ جب آنکھ کھلی تو پیاس کا نام ونشان نہ تھا گویا
بیداری میں پی گیا ہوں۔ حتیٰ کہ شام کے وقت بھی پیاس نہیں تھی۔

اس فقیر کے ابتدائی زمانے کا ایک واقعہ ہے کہ جب ابتدائے حال میں اس فقیر
نے کالج چھوڑ کر فقر اختیار کیا تو ان دنوں اپنے روحانی مربی حضرت سلطان باہو
صاحبؒ کے دربار پر مقیم تھا۔ مجھے رات کو سانپ نے پیر پر کاٹ کھایا۔ سانپ کو تو
میرے ساتھ کے ایک درویش نے اسی وقت مار ڈالا۔ اس واقعہ کو سن کر دربار شریف
کے چند درویش اظہار ہمدردی کیلئے میرے پاس آئے۔ ان میں بعض مجھ سے
سانپ کے زہر چڑھ جانے کی یوں علامات دریافت کرتے رہے کہ آیا تمہارا گلا تو
نہیں گھٹتا؟ یا غنودگی تو طاری نہیں ہو رہی وغیرہ وغیرہ۔ اس سے قبل گو میں بالکل
مطمئن اور بے فکر تھا۔ لیکن ان کی اس قسم کی باتوں سے مجھے تشویش لاحق ہو گئی۔ اس
وقت لیٹے ہوئے میری تھوڑی سی آنکھ لگ گئی۔ تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ خواب کے
اندر میرے منہ، ناک اور کانوں سے خون جاری ہے اور گھبراہٹ کی وجہ سے میرا دل
دھڑک رہا ہے۔ اتنے میں ایک شخص میری طرف بھاگتا ہوا نظر آیا۔ قریب آ کر اس
نے مجھے ایک گلاس دوا کا پینے کو دیا۔ اسے پیتے ہی لہو بند ہو گیا۔ اور دل ساکن اور
مطمئن ہو گیا۔ میری آنکھ کھلی پاس بیٹھنے والوں کو کہا کہ آپ چلے جائیں۔ مجھے

خیریت ہے۔ چنانچہ بالکل خیریت اور عافیت سے رات کٹی۔ اور سانپ کے زہر کا کچھ اثر نہ ہوا۔ یہ واقعہ دربار شریف کے درویشوں کو ابھی تک یاد ہوگا۔

اسی طرح اس فقیر کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ میں بیمار ہوگیا۔ اور میرے کان سے سفید بدبودار پیپ بہنے لگی۔ جب میرے کان کا سوراخ اس پیپ سے بھر جاتا تھا۔ تو میں اپنی انگلی سے اسے نکال لیتا تھا۔ چنانچہ چند روز یہ معاملہ رہا۔ اس کے بعد شاید اس پیپ کے بہنے کی وجہ سے یا میری انگلی کی بار بار رگڑ سے کان کے اندر سوراخ کے قریب ایک چھوٹی رسولی سی بن گئی۔ کان سے پیپ بہنی تو بند ہوگئی۔ مگر اس پھوڑے کی یہ حالت ہوگئی کہ ایک کپی سی بن گئی۔ اس میں ایک باریک سوراخ تھا۔ جب میں اس کو انگلی سے دبالیتا تھا تو اس کی پیپ نکل جاتی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر اس میں پیپ جمع ہو جایا کرتی تھی۔ میں اسے روزانہ چند بار دبا کر خالی کرلیا کرتا تھا۔ لیکن اس کی پیپ ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ اس میں سخت جلن اور درد تھا۔ اور میں اس سے نہایت بے چین اور بے آرام تھا۔ وہ کسی طرح علاج پذیر نہ ہوتا تھا۔ اس کے اندر مرہم وغیرہ نہیں جا سکتا تھا۔ اس نے میرا بہت برا حال کر دیا تھا۔ رات کو اس کی سوزش سے مجھے نیند نہ آتی تھی۔ چنانچہ میں نے تنگ آ کر باطنی علاج کی طرف رجوع کی اور ایک روحانی اہل قبر سے استعانت طلب کی۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔

اذا تحیر تم فی الامور فاستعینوا من اھل القبور ۔

یعنی جب تم کسی معاملے میں حیران ہو جاؤ تو اہل قبور سے استعانت اور امداد طلب کرو۔ چنانچہ میں رات کو ایک بزرگ کی قبر پر گیا۔ اور اس جگہ دعوت قرآن مجید پڑھی۔ دعوت کا علم ایک نہایت نادر الوجود اور عزیز القدر علم ہے۔ جس کا بیان انشاء اللہ اسی کتاب میں آگے کسی موقع پر کیا جاوے گا۔ میں دعوت قرآن پڑھ کر سویا۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ اسی جگہ زمین کے اندر ایک نہایت عالی شان ہسپتال

ہے اور اس میں ایک خوب صورت خوش لباس ڈاکٹر کھڑا لوگوں کو دوائیاں دے رہا ہے۔ چنانچہ میں نے بھی اپنا کان دکھا کر عرض کی کہ میرے کان میں یہ پھوڑا ہے۔ اس کا معالجہ فرما دیجیے۔ وہ یہ سن کر آتشی شیشی کی مانند ایک براق سفید لمبی گردن والی شیشی ایک الماری سے نکال لایا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ اپنا کان سامنے کرو۔ میں نے کان سامنے کیا۔ آنکھ کے گوشے سے مجھے اپنا کان ایسا نظر آیا۔ گویا اسے آگ لگی ہوئی ہے۔ اور چراغ کی لو کی طرح ایک سرخ شعلہ اس سے نکل رہا ہے۔ اور میرا کان گویا جل رہا ہے۔ غرض اس روحانی ڈاکٹر نے اس شیشی سے کچھ سفید عرق میرے کان پر چھڑکنا شروع کیا۔ اس کے کان پر پڑنے سے آگ بجھنے کی چس چس کی سی آواز مجھے سنائی دے رہی تھی۔ آخر وہ بجھ گئی اور میرا کان برف کی مانند ٹھنڈا ہو گیا۔ اور اسی وقت میں خواب سے جاگ اٹھا۔ آپ یقین جانیں کہ میں نے اسی وقت اپنا کان ٹٹولا۔ تو نہ پھوڑا تھا اور نہ درد۔ بلکہ ڈھونڈنے سے بھی پتہ نہ لگتا تھا کہ پھوڑا کس جگہ تھا۔ یہاں پر اس فقیر نے اپنے چند ایک واقعات بطور مشتے نمونہ از خروارے محض ناظرین کے اطمینان قلب، تسکین خاطر اور ازدیاد یقین کے لئے بیان کر دیئے ہیں۔ اللہ شاہد حال ہے کہ اس میں خودنمائی اور خودفروشی کو مطلق دخل نہیں ہے۔ کیونکہ فقیر اور درویشوں کے لئے یہ بہت معمولی باتیں ہیں۔ اس سے بڑی باتیں چونکہ عوام کی سمجھ سے باہر اور ان کے درجۂ یقین سے بالاتر ہیں۔ اور خوف طوالت اور اندیشۂ خودستائی بھی دامن گیر ہے۔ اس لئے ایک دو واقعات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ورنہ روحانی دنیا میں ایسے عجیب واقعات کی کوئی کمی نہیں ہے۔

من از فریب عمارت گدا شدم ورنہ
ہزار گنج بہ ویرانۂ دل افتاد است

ترجمہ۔ میں صرف (ظاہری) فریب مکان کے طور پر بھکاری بن گیا ہوں۔ ورنہ دل کے ویرانے میں ہزاروں خزانے پڑے ہیں۔

فریب عمارت سے مراد یہ ہے کہ پہلے زمانے میں جب کوئی خزانہ دفن کیا جاتا تھا تو اس پر ایک ویران عمارت بنادی جاتی تھی۔تاکہ کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہاں خزانہ مدفون ہے۔اور لوگ یہ سمجھیں کہ یہ تو ایک ویران عمارت ہے۔اس شعر کا مطلب بھی یہ ہے کہ میں نے ظاہری صورت اسی لئے بھکاریوں جیسی بنالی ہے تاکہ لوگ میرے باطنی خزانے سے آگاہ نہ ہوسکیں۔ورنہ دل کے ویرانے میں ہزاروں باطنی خزانے موجود ہیں۔

جو لوگ خواب کی حقیقت کا انکار کرتے ہیں۔اور اسے بدہضمی اور محض عادی خیالات کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔وہ نہایت نادان ہیں۔خواب کی اہمیت اور وقعت سے صرف ایسے مردہ دل نفسانی لوگ بے خبر اور غافل ہیں۔جن کے دل پتھر کی طرح بے حس اور مردہ ہوگئے ہیں۔جنہوں نے عمر بھر کوئی سچا خواب نہیں دیکھا۔بھلا وہ خواب کی حقیقت کیا جانیں۔اہل سلف علماء عاملین نے اپنے شاگردوں کو خواب میں ایک رات کے اندر بڑے بڑے عجیب وغریب علوم سکھائے ہیں۔یہ علوم بلا واسطہ سینہ بسینہ ایک دم منتقل کئے گئے ہیں۔حالانکہ اگر کسی طور پر سکھائے جاتے تو ان کی تحصیل میں سالہا سال صرف ہوتے۔اسی طرح اولیاء کاملین نے موت کے بعد قبروں سے اپنے طالبوں اور مریدوں کو ایک ہی نگاہ اور توجہ سے سلوک کی کٹھن منازل اور باطنی مقامات طے کرائے ہیں کہ اگر انہیں بیان کیا جائے تو عقل باور نہیں کرے گی۔بلکہ فقراء اپنی زندگی میں بعض مصلحتوں کی بناء پر روحانی طاقت کا چنداں مظاہرہ نہیں کرتے۔لیکن موت کے بعد اپنی قوتوں کو بروئے کار لاسکتے ہیں۔عوام کالانعام اور اولیاء کرام کے خوابوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔نفسانی مردہ دل لوگوں کے خواب بے حقیقت، ہیچ، خالی، بے مغز، ناکارہ اور فضول ہوتے ہیں۔لیکن خدا کے خاص بندوں کے خواب ٹھوس حقیقت کے حامل، بہت بھاری، وزنی، سنگین نور باطن سے منور اور ہر دو خالق اور مخلوق کے آگے مقبول اور معقول ہوتے ہیں۔اس میں شیطانی شرارت کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔اور نہ اس میں نفسانی خطرات کا دخل ہوتا ہے۔کامل مرد کا خواب تو ایسے ٹھوس حقائق کا انبار ہوتا ہے۔کہ جس کے

مقابلے میں نفسانی مردہ دل لوگوں کی ساری عمر بے معنی اور بیہودہ بیداریاں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ اس لئے خاصان حق کے خوابوں کو اپنے اوپر ہرگز قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔

چراغ مردہ کجا زندہ آفتاب کجا
ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

حضرت پیر سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز اپنے آغاز وعظ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ کہ مجھے خواب میں ایک دفعہ اپنے جداعظم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ملے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ بیٹا! وعظ کیا کر۔ میں نے عرض کی۔ حضور! میں ایک عجمی شخص ہوں۔ عراق عرب کے فصحاء اور بلغاء کے سامنے کیوں کر زبان کھولوں گا؟ آپؐ نے فرمایا۔ منہ کھول۔ منہ کھولا۔ تو آپؐ نے سات دفعہ میرے منہ میں پھونک مار کر دم کر دیا۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ملے۔ آپؓ نے بھی یہی فرمایا کہ بیٹا! وعظ کیوں نہیں کرتا؟ میں نے وہی عرض کی۔ تو آپؓ نے بھی منہ کھولنے کا حکم دے کر اس میں چھ مرتبہ پھونک دیا۔ اس پر میں نے عرض کی کہ جناب حضرت رسالت مآب صلعم نے تو سات مرتبہ دم دیا تھا۔ آپؓ نے چھ مرتبہ پر کیوں اکتفا فرمایا۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ حضور کے پاس ادب کی خاطر ایک عدد گھٹا دیا۔ حضرت محبوب سبحانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس کے بعد میرے قلزم قلب میں توحید اور معرفت کے بے پناہ طوفان اٹھنے لگے۔ اور طبیعت کی روانی گویا ایک اُمڈا ہوا دریا تھا جو حقائق اور معارف کے موتی ساحل زبان پر لا کر حاضرین پر نثار کرتی تھی۔ آپؒ کا وعظ فتوحات ربانی والہامات یزدانی کا ایک بحر بے کراں یا نور کا بادل ہوا کرتا تھا۔ جس وقت یہ خدائی بحر جوش میں اور ربانی ابر خروش میں آتا تھا۔ تو سامعین کی جن میں اطراف عرب وعجم کے بڑے علماء وفضلاء شامل ہوتے تھے۔ اور جن کی تعداد تقریباً ستر ہزار تک پہنچ جایا کرتی تھی، عجیب حالت ہو جایا کرتی تھی۔

بعض پر وجد کی حالت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ بعض مضطرب اور بے اختیار ہو کر چیخیں مارنے اور کپڑے پھاڑنے لگ جایا کرتے تھے۔ بعض بالکل بے خود اور بے ہوش ہو جاتے تھے۔ بعض عاشقان لاابالی تجلیات انوار ذات ذوالجلال کی تاب نہ لا کر قوم موسیٰ کی طرح جاں بحق ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؒ کے صاحبزادے شیخ ابو عبداللہ کی روایت ہے کہ آپؒ کی مجلس وعظ میں دو چار آدمی ضرور مر جایا کرتے تھے۔ بعض صاحب استعداد سامعین پر جب آپؒ کی برق توجہ کی تجلی پڑتی۔ تو مجلس میں سے آسمان کی طرف پرواز کر جاتے۔ بعض کے سینے معارف و اسرار سے کھل جاتے۔ عین کرسی وعظ پر آپؒ کے وجود با جود سے بے شمار کشف و کرامات بے اختیار صادر ہوتے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا تمام سامعین کے قلوب آپؒ کی انگلیوں میں ہیں۔ اور ان میں جس طرح چاہیں تصرف کر رہے ہیں۔ کبھی ان کے خواطر پر آگاہی پا کر ان سے خطاب فرماتے۔ بعض کو خلعت ولایت پہناتے۔ غرض آپ کا وعظ ظاہری اور باطنی جود اور کرم کا ایک بحر ناپیدا کنار تھا۔ جس سے ہر شخص حسب وسعت ظرف بھرپور اور سرشار ہو کر جاتا تھا۔ ہزارہا کافر یہود و نصاریٰ اور مجوس آپؒ کی مجلس وعظ میں مشرف با اسلام ہو جایا کرتے۔ اور بے شمار فاسق و فاجر، چور، ڈاکو تائب ہو کر اہل رشد و ہدایت بن جاتے۔ آپؒ کے وعظ میں جن، ملائکہ، ارواح رجال الغیب بلکہ انبیاء اور مرسلین کی ارواح تک حاضر ہوتے۔ اور کئی دفعہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف لائے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپؒ اثناء وعظ میں کرسی وعظ سے اتر آئے۔ اور ہاتھ باندھ کر دیر تک سر جھکائے رہے۔ اور آپؒ کے ہمراہ بہت سے صاحب حال اہل کمال فقراء اسی ہیئت میں کھڑے رہے۔ وعظ کے خاتمہ پر آپؒ سے عرض کی گئی کہ جناب! آج کیا بات تھی؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ حضور انور ہمارے جد اکبر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس وعظ میں تشریف لائے تھے۔ فرمایا۔ بیٹا! تیرا وعظ سننے آیا ہوں۔ میں نے کرسی وعظ سے

اتر کر عرض کی۔ حضور! غلام کی کیا مجال ہے کہ آں ذات مجمع جملہ کمالات کے سامنے لب کشائی کروں۔ چنانچہ حضور واپس تشریف لے گئے۔ آپؒ فرماتے ہیں۔ کہ دنیا میں کوئی جن، کوئی فرشتہ، کوئی ولی اور کوئی نبی نہیں ہے جو میری مجلس وعظ میں نہ آیا ہو۔ زندہ ظاہری جسموں سے اور روحانی باطنی جسموں سے میرے وعظ میں حاضر ہوئے ہیں۔ گاہے گاہے آپؒ کے وعظ میں خضر علیہ السلام تشریف لاتے۔ تو آپؒ ان سے یوں تخاطب فرماتے۔ یا اسرائیلی قف اسمع کلام محمدی صلعم۔ یعنی اے اسرائیلی پیغمبر ٹھہر محمدی کا کلام سن۔ مختصر آپؒ کا وعظ کیا تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشموں کا ایک غیر مختتم اور لازوال سلسلہ تھا جو آپؒ کے وجود مسعود سے ظہر پذیر ہوتا تھا۔

اس موقع پر فقیر اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہے۔ کہ ایک دفعہ اثنائے سلوک میں مجھے چند روز علم جفر سیکھنے کا خیال پیدا ہو گیا۔ ان دنوں میں اپنے روحانی مربی حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہو صاحبؒ کے مزار پرانوار پر مقیم تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرتؒ کی خانقاہ مقدس پر لمبی شیروانی پہنے ہندوستانی وضع کے ایک لمبے قد والے بزرگ تشریف لائے ہیں۔ اور لوگ ان کی طرف انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں کہ یہ شخص آج دنیا میں سب سے بڑے جفار یعنی علم جفر کے ماہر ہیں۔ چنانچہ وہ بزرگ میرے پاس آئے۔ جب میں ان کو سلام کر کے ملا۔ تو انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کا ارادہ علم جفر سیکھنے کا ہے؟ میں نے کہا بے شک میرا خیال تو ہے کہ میں علم جفر سیکھ جاؤں۔ اس بزرگ نے کہا۔ کہ آؤ تا کہ میں سارا علم جفر آپ کو سکھا دوں۔ چنانچہ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار اور مسجد کے سامنے بڑے چبوترے پر لے گیا۔ جہاں ایک بڑی الماری کھڑی تھی۔ وہاں اس بزرگ نے جب الماری کا دروازہ کھولا تو اس میں ایک بڑی لوح یعنی ایک عجیب و غریب منقش تختہ نمودار ہوا جس میں رنگ برنگ کے جلی قلم

سے خوشخط ابجد کے حروف مرقوم تھے۔ اور نیز اس میں اپنے اپنے مناسب موقعوں پر بارہ بروج اور سات ستاروں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ اور ان کے اوپر مدہم یا ستار کی طرح آرپار تاریں لگی ہوئی تھیں۔ غرض قدرت کا ایک نہایت خوشنما نقشہ تھا۔ جو اس الماری میں جگمگا رہا تھا۔ اس بزرگ کے ہاتھ میں ایک پوائینٹر یعنی لکڑی تھی۔ جس سے انہوں نے اس تختے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ وہ لوح قدرت ہے جس میں تمام علم جفر مندرج ہے۔ اب دیکھو میں تمہیں اس سے ایک عمل کر کے دکھا دوں۔ بعدہٗ تجھے یہ سارا علم سکھا دوں گا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ ایک آٹھ دس سال کا لڑکا سامنے کھڑا تھا۔ اس نے فرمایا۔ دیکھو علم جفر کے ذریعے یہ لڑکا میں گم کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھ کی لکڑی اس لوح کے تار پر جہاں عطارد کا لفظ (مجھے یاد ہے) مرقوم تھا، دے ماری۔ جس سے ایک عجیب آواز نکلی۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ لڑکا غائب ہو گیا۔ تب وہ میرا ہاتھ پکڑ کر فرمانے لگے کہ آؤ میں آپ کو سارا علم جفر القاء کر دوں۔ چنانچہ وہ مجھے چبوترے کی مشرق کی طرف جہاں اب تالاب بنا ہوا ہے، لے گئے۔ اس وقت انہوں نے ایک ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور دوسرا ہاتھ اپنی داڑھی پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ اور مجھے توجہ دینے لگے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ حضرت سلطان العارفینؒ اپنے مزار مقدس سے گھوڑے پر سوار نورانی چہرے اور لال داڑھی کے ساتھ نمودار ہوئے۔ حضور نے مجھے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے بلایا۔ ایسا معلوم ہوا کہ میں پرندے کی طرح اڑ کر حضورؒ کے پاس چلا گیا۔ آں حضرتؒ نے گھوڑے سے اتر کر اس عاجز کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ کہ بیٹا! علم جفر حساب کتاب اور بکھیڑوں کا کام ہے۔ آ تا کہ میں تمہیں ایک جامع اور بہترین علم سکھا دوں۔ میں نے عرض کی کہ کمال ذرہ نوازی ہو گی۔ اس وقت حضورؒ نے فرمایا کہ دیکھ وہ لڑکا جو علم جفر کے ذریعے گم اور غائب ہو گیا۔ میں ایک نظر سے پیدا کرتا ہوں۔ اس وقت میں نے آں حضرتؒ کے چہرے مبارک کی

طرف نگاہ کی۔تو آپؒ کی آنکھوں کے اوپر یعنی دونوں ابرو کے برابر حرف ک اور حرف ن نوری آفتابی رنگ سے مرقوم دو ستاروں کی طرح چمک دمک دکھا رہے تھے۔جس وقت آں حضرتؒ نے اس زمین کی طرف جہاں وہ لڑکا غائب ہوا تھا،نگاہ ڈالی تو آپؒ کی آنکھوں سے ایک شعلہ نکلا اور اس زمین پر نوری حروف سے مرقوم لفظ کن نظر آیا۔اس وقت ایسا معلوم ہوا کہ اس زمین میں حرکت آ گئی۔اور اس پر سے پے در پے پردے اٹھ رہے ہیں۔اور ایک دم وہ لڑکا نمودار ہو گیا۔آں حضرتؒ نے فرمایا کہ کیا یہ علم جفر سے بہتر نہیں ہے؟میں نے عرض کی کہ جناب یہ تو اعلیٰ ترین علم ہے۔اس کے بعد حضورؒ میرا ہاتھ پکڑ کر خانقاہ کے اندر لے گئے۔اس وقت میں بے ہوش ہو گیا۔بعدہٗ جب مجھے ہوش آیا۔تو میں نے اپنے آپ کو اس حجرے کے اندر لیٹا ہوا پایا۔جہاں میں سویا پڑا تھا۔اس وقت مجھے اپنا چہرہ نظر آیا۔اور مجھے اپنی آنکھوں کے اوپر اور ابرو کے برابر بعینہٖ آں حضرت قدس سرہ کی طرح حرف ک اور حرف ن نوری آفتابی رنگ سے مرقوم نظر آئے۔اس وقت مجھے اپنے چند ضروری اور مشکل کام یاد آ گئے۔چنانچہ میں جس کام کی طرف خیال کرتا تھا۔اس کام کے ہونے والے محل اور مقام پر لفظ کن مرقوم نظر آتا تھا۔اور وہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل اور اپنے مربی کی نظر عنایت سے حل ہوتا ہوا نظر آتا تھا۔اور بعدہٗ وہ سب کام اپنے اپنے وقت پر نہایت آسانی سے باحسن وجوہ سر انجام پائے۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

اللہ تعالیٰ کا ہزار بار شکر ہے۔اور اپنے فیاض اور جواد اور ماں باپ سے زیادہ مہربان مربی کے بے شمار احسانات ہیں۔جن کی ادائیگی شکر و امتنان سے زبان قاصر ہے۔

اے پیر روشن ضمیر! تیری زیارت ہر سوال کا جواب ہے۔کہے سنے بغیر تیری برکت سے

مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

گر برتن من زباں شود ہر موئے
یک شکر تو از ہزار نہ تو انم کرد

ایک اور واقعہ سن لیجئے۔ کہ ایک دفعہ خوب میں راقم الحروف نے دیکھا کہ ایک بڑی مٹی کی مسجد ہے۔ جس میں حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرما رہے ہیں۔ اور یہ عاجز مع چند انبیاء و اصحاب کبار حضورؐ کے پیچھے مقتدی بن کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ اور اس نماز میں ایسی لذت آ رہی ہے۔ کہ ہم وجد اور سرور سے درخت کی ٹہنیوں کی طرح کھڑے جھوم رہے ہیں۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے۔ تو آپؐ نے ہماری آج کل کی رسم کے خلاف دائیں اور بائیں پھر کر نہیں بلکہ اسی طرح بدستور قبلہ کی طرف رخ کئے ہوئے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ اور جب آں حضرت صلعم دعا سے فارغ ہوئے تو راقم الحروف نے اٹھ کر عرض کی کہ حضورؐ اس جماعت میں چند انبیاء اور اصحاب کبار موجود ہیں۔ حضورؐ اللہ تعالی کی بارگاہ میں اس عاجز کے لئے دعا فرما دیں۔ کہ تمام انبیاء کی زیارت اور ملاقات کا شرف اس عاجز کو نصیب ہو جائے۔ چنانچہ حضورؐ نے دوبارہ اپنے دست مبارک کھڑے کئے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ مسجد کے باہر والے چبوترے پر قبلہ رخ کھڑا ہوں۔ اور دائیں طرف سے تمام انبیاء ایک قطار بن کر میری طرف آ رہے ہیں۔ اور اس ناچیز سے مصافحہ کر کے گذر رہے ہیں۔ چنانچہ ہر نبی کو آں حضرتؐ کے طفیل قدرت کی الگ الگ شان اور آن، اپنی اپنی صفت کے علیحدہ رنگ ڈھنگ اور حسن اعمال و افعال کی جدا جدا چال اور حال میں دیکھا۔

ترا نوالہ دمادم ز خوان یطعمنی
ترا پیالہ مدام از شراب یسقینی
مرا تو قبلۂ دینی ازاں سبب گفتم

بمردماں که لکم دینکم ولی دینی

۱۔اگر میرے جسم کا رُواں رُواں زبان بن جائے تو تیرے ہزاروں شکروں میں سے (جو مجھ پر واجب ہیں) ایک کا حق بھی ادا نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔۔۲۔ تجھے ہر وقت خوان ایزدی سے رزق مل رہا ہے۔اور تو چشمۂ وحدت سے ہمیشہ سیراب ہو رہا ہے۔تو میرے لئے دینی قبلہ گاہ ہے۔ اسی لئے میں نے لوگوں سے یہ کہہ دیا ہے کہ میرے لئے میرا دین اور تمہارے لئے تمہارا دین ہے۔

خواب کے علاوہ قلبی اثرات اور دل کی آگاہی کے اور بھی راستے اور طریقے ہیں۔جن سے انسان کبھی کبھی زندگی میں دوچار رہوتا ہے۔انسان کے وجود میں دل کے اندر ایک لطیف روزن ہے جس سے انسان کبھی کبھی عالم غیب اور عالم امر کے لطیف جہان کی طرف جھانک سکتا ہے۔جو ظاہری حواس سے معلوم اور محسوس نہیں ہوتا۔اس قسم کے قلبی واردات اور باطنی ادراکات انسان کو زندگی میں گاہے گاہے پیش آجایا کرتے ہیں۔لیکن بسبب کثرت مادی مشاغل معلوم نہیں کرتا۔چنانچہ بعض دفعہ انسان اپنے اندر ایک بے وجہ گھبراہٹ یا بلا سبب رنج یا اداسی محسوس کرتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند روز بعد کوئی ہولناک اور رنجدہ واقعہ پیش آجاتا ہے۔واقعہ کے رونما ہونے سے پہلے جس قدر دل کی گھبراہٹ زیادہ سخت یا دیر پا ہوتی ہے۔اسی قدر پیش آنے والا واقعہ صعب،سخت اور طویل ہوتا ہے۔اور گاہے اس کے برعکس دل میں بے وجہ خوشی اور خرمی پیدا ہوتی ہے۔اور چند روز کے بعد کوئی خوشگوار اور فرحت بخش واقعہ رونما ہو جاتا ہے۔جس قدر کسی کے باطنی حواس تیز اور قوی ہوتے ہیں۔اسی قدر انسان کو ان باتوں کا احساس جلدی،صاف اور واضح تر ہوتا ہے۔جن لوگوں کو ان باتوں کا احساس دل میں نہیں ہوتا۔تو ان کے ظاہری جسم پر آنے والے واقعات کا یوں اثر ہوتا ہے کہ بعض دفعہ انسان کی بائیں یا دائیں آنکھ پھڑکتی ہے۔بعض دفعہ جسم کا کوئی حصہ پھڑکنے لگتا ہے۔گاہے ہاتھوں سے چیزیں گرتی ہیں۔کبھی کسی چیز سے ٹکریں آتی ہیں۔اور کسی وقت بے وجہ غصہ آتا ہے۔اور

گاہے نیند نہیں آتی۔ گاہے گھر کے بچے بے وجہ سوتے میں اٹھ اٹھ کر چلاتے ہیں۔ اور گاہے گھر کے کتے بے وجہ بھونکتے ہیں۔ اور عجیب آوازیں نکالتے ہیں۔ غرض اس قسم کی باتیں بھی گاہے آئندہ برے اور رنجدہ واقعات کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ گاہے گھر یا مکان میں کوئی خوشی آنے والی ہوتی ہے۔ تو اس گھر یا مکان کا منظر اور سماں پہلے کی نسبت بہت خوب صورت بن جاتا ہے۔ اور درو دیوار سے ایک باطنی لطف اور جمال ٹپکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ مکان خوشی سے اترا رہا ہے اور رقص کر رہا ہے۔ لیکن یہ چیز بہت باریک بین آنکھ محسوس کرتی ہے۔ اور گاہے اس کے برعکس جس گھر میں کوئی صعب اور سخت واقعہ رونما ہونے والا ہوتا ہے تو اس گھر کا منظر پہلے کی نسبت بگڑا ہوا اور ویران سا معلوم ہوتا ہے۔ درو دیوار سے مایوسی اور اداسی ٹپکتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی شہر یا ملک پر کوئی عالم گیر آفت یا مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو سارے شہر اور ملک کی یہی حالت ایک خاص وقت کے لئے ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی شخص کو کوئی خوشی یا رنج کا واقعہ پیش آنے والا ہوتا ہے تو باطن میں آدمی اس واقعہ کا عکس اس کے چہرے اور جسم پر اس طرح معلوم اور محسوس کرتا ہے جس طرح پردۂ فلم پر کسی واقعہ کو دکھایا جاتا ہے۔ لیکن عوام اس کا چہرہ اترا ہوا، پھیکا اور بے رونق معلوم کر سکتے ہیں۔

جب کوئی نیا مکان تعمیر ہوتا ہے۔ یا کوئی قبر تیار ہوتی ہے تو اس میں بھی آئندہ خوشی یا رنج کے آنے والے واقعات کے آثار معلوم ہوتے ہیں۔ یا کوئی شادی رچنے والی ہوتی ہے۔ یا کسی معاملے کی رسم یا تقریب منائی جاتی ہے۔ یا کسی بادشاہ کی تاجپوشی ہوتی ہے تو ان میں بھی سعادت اور نحوست کے آثار نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔ گاہے ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے کسی کام میں مصروف اور منہمک ہوتا ہے۔ یا کسی غیر فکر اور خیال میں مگن ہوتا ہے کہ اچانک وہم معترضہ کے طور پر اس کے دل میں اپنے دوست آشنا یا کسی رشتہ دار کا خیال بے واسطہ گذر جاتا ہے۔ اور یہ

خیال اگلے سلسلہ خیال کو بیچ میں سے توڑ کر آتا ہے۔ بعدہٗ وہی دوست یا آشنا یا رشتہ دار کہیں سے آنکلتا ہے یا اس کا کوئی خط یا پیغام آجاتا ہے۔ اگر کسی کے حواس باطنی ذرا زیادہ تیز اور قوی ہوتے ہیں۔ تو اس کی یادداشت کے ساتھ ایک باطنی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔ کہ فلاں شخص آرہا ہے یا بلا رہا ہے۔ اور کبھی اس کی شکل بھی سامنے دکھائی دیتی ہے۔ اور گاہے ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص انسان کو کوئی بات کہنے والا ہوتا ہے۔ اور ابھی تک وہ بات کہنے نہیں پاتا کہ سننے والا اگر باطنی طور پر قدرے حساس ہوتا ہے۔ تو اس کے دل کی بات کا عکس اپنے دل میں معلوم کر لیتا ہے۔ کہ یہ شخص مجھے فلاں بات کہنے والا ہے۔ انگریزی میں اس علم کو ٹیلی پیتھی کہتے ہیں۔ یورپین اقوام میں بھی اس علم کا مطالعہ شروع ہے۔ گو ابھی تک انہیں اس علم میں چنداں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ اور نہ وہ خیالات کو صحیح طور پر معلوم کر سکتے ہیں۔ لیکن جس طرح ریڈیو کے ذریعے ہزاروں کوس سے گانے بجانے اور تقریریں سننے میں آتی ہیں۔ اور طاقت آواز اور روشنی وغیرہ بذریعہ بجلی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی ہے اسی طرح دل کی باتیں اور خیالات بھی حساس اور زندہ دل والوں کو معلوم اور محسوس ہو جاتے ہیں۔ اب ایک شخص نے ایک قسم کا آلہ حال ہی میں ایجاد کیا ہے، جس میں خیالات کی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ یعنی جو شخص اسے دل پر لگاتا ہے تو مختلف قسم کی لکیریں اس میں پیدا ہوتی ہیں۔ اس بات کے تجربے کیے جا رہے ہیں۔ سینکڑوں کوس کی دوری پر مختلف مقامات پر وقت مقررہ پر چند آدمیوں نے خیالات کی لہروں کو پیدا کیا اور ہر ایک نے دوسری جگہ سے آئی ہوئی لہروں کو حوالۂ تحریر کیا۔ تو ہم جنس خیالات کی لہریں ہم جنس شکل اور نوعیت کی معلوم ہوئیں۔ جنہوں نے ایسے تجربات کیے وہ ابھی تک خیالات کی صحیح طور پر ترجمانی کرنے اور ان کو ٹھیک طور پر حیطۂ تحریر میں لانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ لیکن انہوں نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ خیالات کی لہریں سینکڑوں ہزاروں میلوں کی دوری پر بجنسہٖ پہنچ

جاتی ہیں۔ غرض دل کو دل کی طرف راستہ ہے اور زندہ دل روشن ضمیر لوگوں کے لئے
کشف القلوب یعنی خیالات پر آگاہی حاصل کرنا بہت ہی معمولی بات ہے۔ ان کا
دل بھی ٹیلی پیتھی کا ایسا زبردست آلہ ہوتا ہے کہ تمام لوگوں کے دل کے خیالات اس
میں صاف طور پر معلوم اور محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی زبان پر قدرت کی
مہر لگی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اپنے آپ کو چھپائے رہتے ہیں۔ خودفروش یا ریا کار
دکاندار بننا ہرگز قبول نہیں کرتے۔ عارف سالک کے لئے یہ بات بہت آسان ہے
کہ کوئی شخص دور سے اسے یاد کر رہا ہو۔ اور اس وقت وہ اس کے دل کے خیالات گھر
بیٹھے معلوم اور محسوس کر لے۔ لیکن یہ بات ذرا مشکل ہے اور بہت کامل عارف کا
کام ہے کہ وہ جس شخص کے دل کی طرف جس وقت بھی خواہ کتنی دوری سے متوجہ ہو
اس کے دل کے خیالات معلوم کر لے۔ اس سے تعجب ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ
یہ علم ہے۔ اور دل کی یہ لہریں ہوا کے ذریعے پہنچتی ہیں۔ اس لئے تو جب بھائی
پیراہن یوسف لے کر مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوا تو یعقوبؑ نے وقوف قلبی
سے اس بات کو معلوم کر کے فرمایا کہ انی لاجد ریح یوسف لولا ان تفندون کہ مجھے
تو یوسف کی بو آ رہی ہے۔ اگر تم میرا مذاق نہ اڑاؤ۔

اور گاہے ایسا ہوتا ہے کہ انسان کو ایک خاص شخص بے وجہ برا معلوم ہوتا ہے جس
سے کبھی اسے کسی قسم کا نقصان بھی نہیں پہنچا ہوتا۔ اور نہ اس کا وہ برا معلوم ہونا اس کی
بری شکل و شباہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ محض بے وجہ اور بے واسطہ اس کے دل کو برا
معلوم ہوتا ہے۔ تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس شخص سے کبھی کسی وقت اسے ضرور کوئی
گزند یا نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اور گاہے اس کے برعکس کوئی شخص بے وجہ اچھا معلوم
ہوتا ہو۔ تو اس سے اس کو ضرور جلد یا بدیر کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ اور یہ سلسلہ کبھی اولاد
تک جا پہنچتا ہے۔ یعنی اگر باپ برا معلوم ہوتا ہے۔ تو اگر اسے خود کوئی برائی نہیں
پہنچتی اس کی اولاد سے دیکھنے والے کو یا اس کی اولاد کو برائی پہنچتی ہے اور اس کے

برعکس اسی طرح نیکی اور بھلائی کو قیاس کر لینا چاہیئے۔

دل را بدل رہیست دریں گنبد سپہر

از کینہ کینہ خیزد و ز مہر مہر

ترجمہ:۔اس آسمانی گنبد یعنی دنیا میں ایک دل کو دوسرے دل سے راستہ ہے۔ کینہ کینے سے اٹھتا ہے اور دوستی دوستی سے۔

دل کو دل سے عداوت اور دوستی کی بو آتی ہے۔

جس طرح مادی آئینے میں اشیاء منعکس ہو کر نظر آتی ہیں۔اسی طرح دل ایک لطیف معنوی آئینہ ہے۔تمام لطیف معنوی اشیاء جب اس کے سامنے آجاتی ہیں۔ اگر وہ غبار آلودہ نہیں ہے اور دیکھنے والا صاحب بصیرت ہے تو اس میں صاف طور پر نظر آجاتی ہیں۔انسانی دل اللہ تعالیٰ کی لوح محفوظ کا ایک ماڈل اور نمونہ ہے۔اس لئے روشن ضمیر شخص کو پیش آنے والے واقعات اس میں نظر آجاتے ہیں۔انسان کا مادی اور عنصری جسم مکان اور زمان کی قید میں ہے اور وقت اور مکان میں ہر طرف سے گھرا ہوا ہے۔مگر دل ایک مکانی لطیفہ ہے جو مکان اور زمان کی قید سے بری ہے۔اس لئے جب دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے زندہ ہو کر تصفیہ پالیتا ہے۔اس وقت قرب اور بعد زمانی اور مکانی اس کے لئے یکساں ہو جاتے ہیں۔اور دور اور نزدیک کی چیز اس کے لئے برابر ہو جاتی ہے۔اور ماضی و مستقبل اس کے لئے حال کا حکم رکھتے ہیں۔غرض دل کا باطنی لطیفہ مشرق، مغرب، جنوب، شمال اور تحت وفوق ان سب مکانی شش جہات اور ماضی۔حال اور مستقبل کے زمانی اوقات سے باہر ہو جاتا ہے۔اس کا علم بہت وسیع ہو جاتا ہے۔اور اس کی نظر بہت دور تک پڑتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا۔من اتقوا فراستہ المؤمن فانہ ینظر بنوراللہ۔ یعنی مومن کی فراست سے ہوشیار رہو۔کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔بعض لوگ خواب میں جن، ملائکہ یا اہل قبور روحانیوں سے ملاقی ہوتے ہیں۔بعض انبیاء و اولیاء، غوث،

قطب، شہداء، اصحاب کبار حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔ ہر امتی کے لئے یہ ضروری ہے کہ کم از کم ایک دفعہ تمام عمر میں اپنے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پر انوار سے مشرف ہو۔ بعض خواص ہر سال، بعض ہر ماہ، بعض ہر جمعرات، بعض عارف اکمل ہر رات، بعض جامع نور الھدیٰ، خدا کے منظور اور مقبول فنافی الرسول پاک ہستیاں ہر وقت اور ہر آن جس وقت چاہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پہنچ کر آپؐ کے دیدار سے مشرف اور آپؐ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

بعض لوگوں کو مؤکلات نماز کے لئے جگاتے ہیں۔ بعض کو کسی خطرے یا نقصان کے وقوع سے مؤکلات بیدار اور خبردار کر دیتے ہیں۔ مثلاً کسی مکان کو آگ لگتی ہے۔ یا کوئی مکان گرنے لگتا ہے۔ یا مکان کو چور نقب لگاتے ہیں۔ یا کوئی دشمن یا جانور درندہ حملہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اس قسم کے مختلف خطرناک واقعات سے بعض لوگوں کو مؤکلات آواز سے کر یا دل میں وہم ڈال کر آگاہ کرتے ہیں۔ ہر سچے خواب کی ایک علامت یہ ہے کہ اس خواب کا معاملہ اور اس کا اثر دل پر بہت واضح اور دیرپا ہوتا ہے۔ اور عموماً ایسے سچے خوابوں کے دیکھتے ہی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اور طبیعت ہلکی پھلکی ہوتی ہے۔ اور وجود میں کسی قسم کی کسالت اور غفلت نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ اس کے بعد دیر تک نیند نہیں آتی۔ بعض دفعہ ایک ہی رات میں کئی بار ایک ہی خواب آتا ہے۔ بعض لوگ ساری عمر کوئی خواب نہیں دیکھتے۔ بعض ساری رات خواب دیکھتے ہیں۔ بعض بہت کم مگر سچے خواب دیکھتے ہیں۔ بعض رات کو بہت پریشان اور ڈراؤنے خواب دیکھتے ہیں۔ بعض خواب دیکھتے ہیں لیکن بسبب نسیان انہیں خواب یاد نہیں رہتے۔ گاہے انسان تاریک مکان میں لحاف اوڑھے ہوئے اور آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن جب وہ اس مکان کی طرف خیال کرتا ہے۔ تو اسے مکان کے اندر کی سب چیزیں نظر آتی ہیں گویا کہ مکان روشن ہے۔ بعض کی یہ

نظر وسیع ہوتی رہتی ہے اور بہت دور چلی جاتی ہے۔ بعض کو رات کو لیٹے اور لحاف اوڑھے ہوئے آسمان پر چاند اور ستارے وغیرہ نظر آتے ہیں۔ کبھی انسان بہت قلیل عرصہ میں بہت لمبے خواب دیکھتا ہے۔ اور بظاہر گو ایک منٹ نہیں گذرا ہوتا باطن میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت عرصہ گذر گیا ہے۔ اور گاہے اس کے برعکس ظاہر میں ساری رات گذر جاتی ہے۔ لیکن باطن میں اسے ایک پلک مارنے کا وقت معلوم ہوتا ہے۔

اگر کوئی بیمار شخص اپنے آپ کو یا کوئی کسی دوسرے بیمار شخص کو غسل کرتے دیکھے۔ تو یہ صحت کی علامت ہے۔ اگر کوئی شخص بیمار کے گھر میں قصابوں کو چھریاں لئے یا چھریاں تیز کرتے دیکھے تو بیمار جلدی مرنے والا ہوتا ہے۔ اور مکان کا گرنا موت کی علامت ہے۔ لیکن بعض دفعہ جب کوئی نمازی رات کے وت نماز عشاء کو ترک کر کے یا تہجد قضا کر کے سو جائے۔ تو ایسی حالت میں اگر مکان گرتا ہوا دیکھے۔ تو اس سے مراد مکان نماز کا انہدام ہوتا ہے۔ یا کسی گھر میں سے کسی شخص کو سفر پر جاتا ہوا دیکھا جائے اور منزل مقصود معلوم نہ ہو، یا کسی گھر میں شادی رچی ہوئی اور گانا بجانا خواب میں نظر آئے اور دلہن معلوم نہ ہو۔ تو ایسے گھر میں موت واقع ہوتی ہے۔ اور اگر دلہن موجود اور معلوم ہو تو حصول دولت کی علامت ہے۔ اگر کسی گھر میں چیل جھپٹ کر یا بلی حملہ کر کے کسی مرغی کے بچے یا چھوٹے پرندے کو خواب میں اٹھالے تو ایسے گھر میں کوئی چھوٹا بچہ مر جاتا ہے۔ اگر کوئی مقدمہ درپیش ہو۔ اور کمرۂ عدالت میں یا عدالت کی میز پر کسی باجے یا کسی اور طرح گانے کی عمدہ آواز سنائی دے تو یہ علامت فتح اور کامرانی کی ہے۔ خواب میں سانپ یا بچھو وغیرہ موذی جانوروں کا مارنا دشمنی اور عداوت کے مٹنے پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کا بچ نکلنا دشمنی کے قائم رہ جانے کی علامت ہے۔ خواب میں کتے یا درندے کا حملہ کرنا کسی اہل دنیا اور سرکاری اہلکار سے نقصان پہنچنے کی علامت ہے۔ خواب میں اگر کوئی مرا ہوا خویش یا آشنا کوئی

چیز دے تو فائدے اور نفع کی علامت ہے۔اور اگر مردہ خواب میں کوئی چیز مانگے یا لے لے تو بری علامت ہے۔خواب میں غلہ از قسم گندم، باجرہ، جوار کا گھر میں آنا یا دیکھنا سختی اور مصیبت یا پیش خیمہ ہے۔اور گندگی، بھنا ہوا اور پکا ہوا گوشت اور پکی روٹیاں دیکھنا دولت اور نعمت پر دلالت کرتا ہے۔خواب میں گھوڑے، اونٹ، ہاتھی اور کشتی پر سوار ہو کر منزل مقصود پر پہنچنا یا بلندی اور بلند مکان پر چڑھنا کسی مہم اور کام میں کامیابی اور سرداری اور بلندئ مرتبہ کی نشانی ہے۔خواب میں آندھی، بجلی کی کڑک، بندوق کی آواز خطرے کا اندیشہ ہے۔اور آسمان ابر آلود، باران رحمت اور بہتا ہوا صاف پانی بہتری کی علامت ہے۔سبز اور سفید پوشاک خواب میں اچھے ہیں۔اور زرد، سرخ اور سیاہ لباس برے ہیں۔زلزلہ سے ملکی انقلاب مراد ہے۔موٹے اور خوشنما جانور ملک کی آبادی پر دال ہیں۔اور دبلے لاغر اس کے برعکس۔خواب میں کسی پرندے کا پکڑنا کامیابی کی علامت ہے۔یہ چند مذکورہ بالا خواب کی علامتیں اور تعبیریں اس فقیرؒ نے جلدی میں اپنے مشاہدے اور تجربے کی بناء پر لکھ دی ہیں۔شاید اس سے ناظرین کو اپنی زندگی میں کچھ فائدہ حاصل ہو۔یہ کتاب چونکہ تعبیر نامہ نہیں ہے، اس لئے اس چند تعبیرات پر اکتفاء کی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ موت کے وقت خوف و رجاء کا غالب آنا یعنی اس وقت دل کا مطمئن ہونا ایمان کی علامت ہے۔جیسا کہ آیا ہے کہ الایمان بین الخوف والرجآء۔ لیکن موت کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید کا زیادہ ہونا اور دل کا مطمئن ہونا ایمان کی سلامتی کی نشانی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن کی روح موت کے وقت آئندہ عالم برزخ میں پیش آنے والی خوشی راحت اور آرام کو معلوم کر لیتی ہے۔لیکن خدا کے بعض نیک برگزیدہ بندوں کو بہشت کی خوشخبری بھی مل جاتی ہے۔اور بعض کو بہشت کا مقام بھی نظر آ جاتا ہے۔

قولہ تعالیٰ۔ تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا و

ابشروا بالجنة التی کنتم توعدون.

یعنی ارواح اور ملائکہ انہیں بشارت دیتے ہیں کہ خوف اور غم نہ کرو۔ اور خوش رہو۔ کہ اب عنقریب تمہیں وہ بہشت ملنے والی ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا۔ اور برخلاف اس کے کافر، مشرک اور منافق کی روح موت کے وقت اپنے آئندہ آنے والے برزخی عذاب کو معلوم کر لیتی ہے۔ اس لئے اس وقت اس کا پریشان اور مضطرب ہونا یقینی ہے۔

خدا کے نیک بندے جب کسی بات یا آئندہ واقعات یا کسی کام کے نیک و بد انجام کو معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے استخارہ کرتے ہیں۔ یعنی کچھ نفل اور کلام پڑھ کر سوتے ہیں تو خواب میں صاف جواب باصواب پاتے ہیں۔ یا بعض قرآن یا کسی کتاب سے فال لیتے ہیں۔ اور گاہے گاہے فال بھی صحیح اور موافق ہو جاتے ہیں۔ بعض عارف زندہ دل لوگ بیداری میں اپنے دل کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور طرفۃ العین میں آگاہی پالیتے ہیں۔

آئینۂ سکندر جام جم است بنگر
تا بر تو عرضہ دارد احوال ملک دارا

ترجمہ۔ دل آئینۂ سکندر اور جام جمشید کی طرح ہے۔ اس میں دیکھ۔ تاکہ یہ تجھے دارا کے ملک کے حالات بتائے۔

ایسے لوگوں کے حق میں آیا ہے۔ حدیث۔ استفت قلبک یعنی جب کوئی کام شروع کرو تو اس کی صحت اور غلطی کے لئے اپنے دل سے فتوٰی لے لیا کرو۔ اور یہ خواص کا کام ہے۔ عوام صرف اس قدر کر سکتے ہیں۔ کہ کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے اگر کسی شخص کو تردد اور پریشانی لاحق ہو کہ آیا یہ کام میرے حق میں مفید ہے یا مضر۔ پہلے تو نوافل پڑھ کر اور ذکر اللہ کر کے دل کو صاف کر لیا جائے۔ اس کے بعد دل کو تمام غیر خیالات سے صاف اور خالی کر کے تصور اسم اللہ ذات یا تصور اسم

حضرت سرور کائنات صلعم کے ذریعے بارگاہ الٰہی یا بزم نبوی کی طرف متوجہ اور ملتجی ہو جائے۔ اور مراقبہ کرے یا سو جائے۔ اگر مراقبہ یا خواب کے اندر کچھ اشارات یا بشارت ہو جائے تو فبہا ورنہ اگر عین مراقبہ سے فراغت یا خواب سے بیدار ہوتے وقت دل کو مطمئن اور اس کی طرف مائل اور راغب پائے تو جانے کہ اس کام کے کرنے میں نفع اور فائدہ ہے۔ اور اگر دل کو پریشان، خائف اور متنفر پائے۔ تو جانے کہ اس کام میں ضرر اور خطرہ ہے۔ کیونکہ دل خواب اور مراقبے کے ذریعے کام کے ضرر اور نفع معلوم اور محسوس کر لیتا ہے۔ ابتداء میں جب طالب مولا کا لطیفۂ دل زندہ ہونے لگتا ہے۔ تو اس میں بعض علامات یہ ہوتی ہیں کہ پہلے اس کو خواب میں بیداری حاصل ہوتی ہے۔ یعنی خواب میں ہوش اور شعور حاصل کر لیتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ یہ جو اس وقت میں دیکھ رہا ہوں۔ خواب کی حالت ہے۔ اور اگر یہ حالت زیادہ ترقی پکڑے اور ہر خواب میں اسے ہوش اور شعور حاصل ہو جائے تو اس نے گویا مراقبے کی حالت کو پا لیا ہے۔ اور جب وہ ہوش اور حواس کے ساتھ خواب کی حالت میں اپنے اختیار سے چلا جائے۔ اور پھر اپنے اختیار سے واپس آ سکے۔ تو اس شخص نے مراقبے کو گویا حاصل کر لیا ہے۔

بعض لوگوں کو جب کشف ہونے لگتا ہے، تو خواب یا مراقبے کے اندر انہیں اپنے گھر کے آئندہ واقعات نظر آتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسی طرح ظہور پذیر اور نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جب اس کی نظر وسیع ہوتی جاتی ہے تو اپنے محلے اور تمام شہر اور ضلع حتیٰ کہ صوبے اور ملک کے مختلف حالات اور واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ گاہے ہفتے، مہینے اور سال حتیٰ کہ بعض کو عمر بھر کے حالات اور واقعات بھی معلوم ہو جاتے ہیں۔ ایسے مبتدی طالبوں کو چاہیے کہ اس قسم کی غیبی آگاہیوں کو اپنے دل میں مخفی رکھے۔ اور خاص و عام کے سامنے بیان کر کے شہرت کا طالب نہ بنے۔ کیونکہ اس قسم کی خودنمائی اور خودفروشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ حالت اس سے سلب ہو جاتی

ہے۔ اور پھر یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔ ایسے صاحب کشف اگر اپنے راز کو مخفی رکھیں اور مستقل مزاج رہیں تو بعد میں انہیں اہل تکوین متصرفین غوث، قطب، اوتاد، ابدال اور اخیار وغیرہ کے زمرے میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ اور اسے کشف تام اور مکاشفۂ دوام حاصل ہو کر باطن میں صاحب منصب اور روحانی ملازم بنا لیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر باطنی لوگوں کا ایک گروہ ہوتا ہے جنہیں اہل تکوین متصرفین کہتے ہیں اور انہیں رجال الغیب بھی کہتے ہیں۔ اور یہ گروہ درجہ وار غوث، قطب، اوتاد، ابدال، نجباء، نقباء اور اخیار پر مشتمل ہوتا ہے۔ غوث یا قطب الاقطاب ان سب کا سردار ہوتا ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باطنی جانشین یا نائب اور خلیفہ ہوا کرتا ہے۔ غوث ہمیشہ دنیا میں ایک ہوتا ہے۔ وہ خود قطب ارشاد کا کام بھی کرتا ہے۔ اور اس کے نیچے تین قطب کام کرتے ہیں۔ ان کے ماتحت سات اوتاد ہوتے ہیں۔ اور اوتاد کے نیچے چالیس ابدال کام کرتے ہیں۔ ان کے ماتحت نجباء، نقباء اور اخیار ہوا کرتے ہیں۔ یہ کل تین سو ساٹھ اولیاء اللہ کا باطنی محکمہ ہوتا ہے۔ اور دنیا کے چپے چپے پر ان کا تصور ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے ادنیٰ درجے کا تصرف جسے متصرف دہقانی کہتے ہیں۔ بارہ بارہ کوس تک زمین اور اہل زمین کا نگران اور پاسبان ہوتا ہے۔ وہ اپنے علاقے میں ایک چڑیا کے انڈے تک کو اپنی نگرانی اور تصرف میں رکھتا ہے۔ اسے اپنے زیر تصرف علاقے کے اندر عورتوں کی ہانڈیوں اور آٹے میں ڈالے ہوئے نمک تک کا اندازہ اور حال معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنے زیر تصرف علاقے کی تمام چھوٹی موٹی باتوں اور کل ادنیٰ و اعلیٰ واقعات سے اللہ تعالیٰ کے خداداد علم کے ذریعے واقف اور آگاہ ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون ان فی هذا لبلغا لقوم عبدین.

ترجمہ۔اور تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور کے اندر ذکر کی تعریف کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ البتہ میری زمین کے حقیقی وارث میرے نیک اور صالح بندے رہا کریں گے۔ چنانچہ اس امر میں میرے عبادت گذار بندوں کیلئے عام پیغام ہے۔یعنی میرے تمام بندوں کے لئے عام پیغام ہے کہ کثرت ذکر اور عبادت سے جو لوگ اپنے آپ کو الصالحون یعنی اللہ تعالی کے نیک برگزیدہ بندوں میں شامل کر لیتے ہیں۔وہی اصلی اولی الامر او روارثین فی الارض بن جاتے ہیں۔جیسا کہ آیا ہے

و اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم.

یعنی اللہ تعالی اور اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔ان اولی الامر سے مراد ہرگز یہ دنیا کے ظاہر، کافر، جابر، ملحد اور بے دین حکمران نہیں ہیں۔جنہوں نے مکروفریب، ظلم اور تشدد سے اللہ تعالی کی مظلوم اور عاجز خلقت پر ناروا قبضہ اور بے جا تصرف جمالیا ہے۔جن کے جابر، مستبد حکومت کی مشینری غریبوں اور مسکینوں کو دن رات روندتی اور پیستی رہتی ہے۔اور بے کس محتاج اور مظلوم رعایا کا خون چوستی ہے۔

دراصل اس ظاہری مادی حکومت کے اوپر عالم امر کی ایک لطیف روحانی حکومت قائم ہے۔اور یہ مادی حکومت اس باطنی حکومت کے لئے بمنزلہ ظل اور سائے کے ہے۔ظاہری دنیوی حاکموں کی حکومت ظاہری اجسام اور مادی ابدان پر ہے۔لیکن باطنی اولی الامر روحانیین عاملین کا تصرف باطنی قلوب اور ارواح کے جہان پر ہے۔ ظاہری بدن چونکہ باطنی دل اور روح کی قید اور تصرف میں ہے۔دل اور روح جو کچھ چاہتے ہیں۔جسم اور بدن بے اختیار وہی کام کرتے ہیں۔جسم دل کے قبضے میں اس طرح ہے جس طرح کاتب کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے کہ جو کچھ کاتب چاہتا ہے وہی قلم سے لکھواتا ہے۔پس اصل حاکم اولوالامر وہی لوگ ہیں جن کا تصرف عالم امر

کے لطیف جہان پر ہے۔ اور جو قلوب اور ارواح پر حکومت کر رہے ہیں۔ پاس اصل حقیقی حاکم یہی رجال الغیب، اولوالامر، اہل تکوین اور متصرفین کا محکمہ ہے۔ اور در اصل انہی کا تصرف دنیا میں جاری اور ساری ہے۔ اور ظاہری حکام اور مادی سلاطین ان کے زیر اثر اور زیر فرمان اس طرح ہیں جس طرح انسانی جسم دل اور جان کے تصرف اور قید میں ہے۔ ظاہر حاکم جس وقت اپنے قلم سے کسی مقدمے کا فیصلہ لکھ رہا ہوتا ہے تو اس حاکم کا دل اس وقت ان باطنی حاکموں کی انگلیوں میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح حاکم کی انگلیوں میں قلم اور پر ہوتا ہے۔ پس در اصل فیصلہ لکھنے والے اور حکم کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں۔ گو ہمیں بظاہر یہی مادی لوگ حکومت کرتے اور چلاتے نظر آتے ہیں۔ گو بظاہر ہمیں نہ ان لوگوں کی شکل نظر آتی ہے اور نہ ان کا فعل اور عمل محسوس ہوتا ہے۔ کیا دنیا میں ہر فعل دل اور روح نہیں کرتے۔ اور دل اور روح کی صورت اور ان کا فعل اور عمل نظر آتا ہے؟ اندھے مردہ دل خوابیدہ نفسانی لوگوں کو ان روحانی، نورانی لوگوں کا عمل اور پتہ نہیں ہے۔ یہ مادی جہان گویا ایک بڑا طویل اور عریض مکان ہے۔ اور جس کا فرش زمین اور چھت آسمان ہے۔ اس وسیع مکان کے مردہ دل نفسانی مکین سوئے ہوئے مادے کا لحاف اوڑھے ہوئے غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ لیکن روحانی زندہ دل لوگ اس مکان دنیا کے اندر جاگتے ہوئے بیدار ہیں۔ سو نفسانی سوئے ہوؤں کو نہ اپنا پتہ ہے اور نہ غیر کا۔ لیکن بیدار روحانیوں کو اس مادی مکان کے چپے چپے اور اس کی تمام اشیاء اور اس کے جملہ سوئے ہوئے بیدار مکینوں کا ہر طرح علم رہتا ہے۔ وہ اس مادی دنیا میں باطنی سپاہیوں اور چوکیداروں کی طرح چکر لگاتے اور اپنے زیر تصرف اور زیر نگرانی زمین کی خبر پاتے ہیں۔ اور اس کی ظاہری باطنی حفاظت اور نگرانی کرتے کراتے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں باطنی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے، بات چیت کرتے، اور اپنے باطنی منصبی کام کرتے رہتے ہیں۔ ظاہری نفسانی لوگ ان کی چال، افعال

اور احوال سے بالکل بے خبر ہیں۔ ان رجال الغیب اولوالامر متصرفین لوگوں کی باطن میں اپنی مجلسیں اور کانفرنسیں ہوا کرتی ہیں۔ اور دنیا کے تمام کاروبار پہلے عالم امر میں ان کے ہاتھوں طے ہوتے ہیں۔ بعدہٗ مادی دنیا کے عالم خلق میں ان کا اجراء اور نفاذ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی تعداد ہمیشہ تقریباً تین سو ساٹھ رہتی ہے۔ کبھی کام کی کثرت سے ان کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ لیکن گھٹتی نہیں ہے۔ جب غوث دنیا سے گذر جاتا ہے تو تین اقطاب میں سے ایک اس کی جگہ متعین ہو جاتا ہے۔ اور اگر قطب دنیا سے رحلت کر جائے تو اس کی جگہ اوتاد میں سے ایک شخص مقرر ہوتا ہے۔ اور اوتاد کی جگہ ابدال وعلیٰ ہذا القیاس۔ اس محکمے میں سالک اور مجاذیب ہر قسم کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ لیکن جب اس میں مجاذیب کی کثرت ہو جاتی ہے تو دنیا میں ابتری اور افراتفری اور فسادات رونما ہو جاتے ہیں۔ اور جب سالکین کی کثرت ہوتی ہے تو دنیا میں امن وامان اور ہر طرح سے آرام رہتا ہے۔ اکثر غوث ایک جگہ قیام رکھتا ہے۔ اور باقی متصرفین پھرتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ شاید یہ ۱۹۰۹ء یا ۱۹۱۰ء کا واقعہ ہے۔ کہ جن دنوں اس فقیر نے کالج چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی تھی۔ تو ان دنوں اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ میرا ارادہ حج کو جانے کا ہو گیا تھا۔ ان دنوں مجھے خواب میں کہا گیا کہ اس زمانے کے غوث آج دل جدہ میں رہتے ہیں۔ اگر تمہیں حج کے لئے جانے کا اتفاق ہو تو اسے ملتے جائیں۔ لیکن اس سال مجھے حج پر جانے کا اتفاق نہ ہو سکا۔ اکثر دفعہ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی کامل عارف فقیر سفر کا ارادہ کرتا ہے تو جس علاقے میں داخل ہوتا ہے تو اس علاقے کا متصرف اسے باطن میں آملتا ہے۔ اور اپنے علاقے کی کنجیاں اسکے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور اس کے ہر کام میں معاون اور مددگار اور اس کے ظاہر باطن کا محافظ اور چوکیدار رہتا ہے۔ ان لوگوں میں خاص بات یہ ہے کہ یہ اپنا راز بہت پوشیدہ رکھتے ہیں اور کسی کو اپنا بھید نہیں دیتے۔ اظہار اور شہرت ان کے حق میں سم قاتل کا حکم رکھتی ہے۔ اگر ان کی کوئی بات ظاہر اور

آؤٹ ہو جائے تو بس اپنے منصب سے سلب ہو جاتے ہیں۔ ہر وقت گمنامی کی چادر اوڑھے رہتے ہیں۔

ذیل میں ہم چند احادیث جو رجال الغیب کے ثبوت میں وارد ہوئی ہیں۔ بیان کرتے ہیں۔

ابو نعیمؒ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کے بعض ایسے خاص خاص مقبول بندے ہوتے ہیں کہ جن کی دعا اور برکت سے اللہ تعالیٰ لوگوں پر رحمت فرماتا ہے۔ آسمان سے بارشیں برساتا ہے اور زمین سے پیداوار اگاتا ہے۔ یہ لوگ دنیا میں باعث امن و امان ہیں۔ اور بمنزلہ روح و روان ہیں۔ یہ تین سو ساٹھ آدمی ہوتے ہیں۔ ان میں بعض کے قلوب آدم علیہ السلام کے قلب کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے قلوب موسیٰ علیہ السلام کے قلب کی طرح ہوتے ہیں۔ اور بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے دل ابراہیم علیہ السلام کی مانند ہوتے ہیں۔ اور بعض کے دل ملائکہ مقربین اور دیگر ملائکہ کے مشابہ ہوتے ہیں۔

کتاب کرامات الاولیاء میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روئے زمین کبھی ایسے چالیس آدمیوں سے خالی نہیں رہتی۔ جن کی برکت سے آسمان سے بارشیں ہوتی ہیں۔ اور نباتات اگاتی ہے۔ یہ لوگ میری امت کے ابدال کہلاتے ہیں۔

امام احمدؒ عباد ابن صامتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ میری امت میں قیامت تک چالیس آدمی ایسے رہیں گے۔ جن کی وجہ سے زمین اور آسمان کا نظم ونسق قائم رہے گا۔ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا کہ ان کی صفت کیا ہوگی؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ ان پر کوئی ظلم کرے تو معاف کرتے ہیں۔ اور برائی کے بدلے احسان کرتے ہیں۔

جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ ابدال کی خبر احادیث میں صحیح ہے۔ بلکہ معناً ایسی متواتر ہے۔ کہ ان کا وجود درجۂ یقین تک جا پہنچا ہے۔

سخاوی نے لکھا ہے کہ سب سے واضح روایت ابدال کی وہ ہے جو امام احمدؒ نے شریح بن عبید سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اہل شام پر لعنت نہ کرو۔ کیونکہ اس میں چالیس ابدال رہتے ہیں۔ کہ ان کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں اور ان سے دین کو مدد پہنچتی ہے۔ امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ روایت جو امام احمدؒ نے نقل کی ہے اس کی اسناد کے طریقے دس سے زیادہ ہیں۔

خطیب نے تاریخ بغداد و کتابی سے نقل کی ہے۔ نقباء سو ہوتے ہیں۔ اور نجباء ستر اور ابدال چالیس اور سات عمود یعنی اوتاد ہوتے ہیں۔ اور قطب زمین میں تین اور ایک قطب الاقطاب یا غوث ہوتا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ بدلاء ملائکہ کی مثل ہوتے ہیں۔ اوتاد انبیاء مرسلین کی مانند ہوتے ہیں۔ نقباء اور نجباء انبیاء بنی اسرائیل کی طرح۔ چار قطب خلفاء راشدین جیسے، اور قطب الاقطاب یا غوث حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہوتا ہے۔ یہ شخص آپ کا ظل اور دنیا میں آپ کا جانشین اور نائب ہوا کرتا ہے۔

مذکورہ بالا اسناد سے ثابت ہوتا ہے کہ رجال الغیب کا وجود متواتر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ یہ متاخرین کی اپنی اختراع نہیں ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بس دنیا میں یہی مذکورہ بالا تین سو ساٹھ اولیاء اللہ ہی ہوا کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ ان کے علاوہ ان سے بڑھ چڑھ کر بھی دنیا میں بہت اولیاء ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا طبقہ تو اولیاء کا ایک خاص شعبہ ہے جو دنیوی کاروبار کے باطنی نظم و نسق کے لئے قائم ہوتا ہے۔ انہیں طالبوں کے ارشاد اور تلقین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان میں صرف غوث کامل پیر اور صاحب ارشاد ہوتا ہے۔ اور قطب آدھے پیر کا درجہ رکھتا ہے۔ باقی جس

قدر بھی اہل تکوین متصرفین دنیا میں ہوتے ہیں ۔ وہ ملکی معاملات اور دنیوی کاروبار اور نظم ونسق کے کارکن اور چلانے والے ہوتے ہیں ۔ ان کی تائید سے کاروبار میں رونق آ جاتی ہے ۔ مشکلات حل ہو جاتے ہیں ۔ بگڑے ہوئے کام سنور جاتے ہیں اور مرادیں پوری ہو جاتی ہیں ۔ اس لئے اگر کوئی شخص ان رجال الغیب کی تائید حاصل کرنی چاہے تو کام شروع کرتے وقت یا سفر یا کسی مہم پر جاتے وقت یا ورد وظیفہ یا دعوت یا کلام شروع کرتے وقت اول آخر درود شریف پڑھ کر ان رجال الغیب پر یوں سلام کہے اور ان سے استمداد حاصل کرے ۔

السلام علیکم یا رجال الغیب و یا ارواح المقدسة اغیثو نی بقوة انظرونی بنظرة یا نقبآء یا نجبآء یا ابدال یا اوتاد یا اقطاب و یا غوث اغیثو بحرمة محمد صلی الله علیه و علی اله و اصحابه و اهل بیته اجمعین و بارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا.

اور اس سے پہلے اگر اول آخر درود اور فاتحہ اور تین بار اخلاص پڑھ کر ان ارواح مقدسہ کو بخشے تو اور بہتر ہے ۔ بعض لوگوں نے چہل ابدال کی نسبت عجیب وغریب باتیں مشہور کر رکھی ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ رات کے وقت سر پر سے بہت تیزی کے ساتھ کوئی چیز اڑتی ہوئی گذر جاتی ہے ۔ عوام گمان کرتے ہیں کہ یہ چہل ابدال ہوتے ہیں ۔ لیکن یہ بات غلط ہے ۔ یہ ایک قسم کا پرندہ ہوتا ہے جو رات کو نکلتا ہے اور بہت تیزی سے پرواز کرتے ہوئے گذر جاتا ہے ۔ بعض لوگوں نے کتابوں میں چہل ابدال کا نقشہ بھی دیا ہے کہ وہ چاند کی خاص تاریخوں میں اپنا مقام بدلتے ہیں اور ہر تاریخ کو ایک خاص طرف ہوا کرتے ہیں ۔ لیکن ہمیں اس بات کی صحت میں شک ہے ۔ رجال الغیب جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے ۔ غیبی لطیف وجود سے دنیا میں چکر لگاتے ہیں اور کاروبار کرتے ہیں ۔

عام نفسانی لوگ انہیں آتے جاتے نہیں دیکھ سکتے ۔ حج کے موقع پر بیت اللہ

شریف میں سب لوگ ایک خاص وقت میں جمع ہوتے ہیں۔اور لیلۃ القدر کی رات اور لیلۃ الرغائب یا شب برات کی رات اور دیگر مبارک راتوں میں یہ لوگ روحانیوں کے باطنی جلسوں میں شامل ہوتے ہیں۔کامل عارف لوگ دنیوی کاروبار میں صرف ان کی حاضرات کر کے ان سے مدد لیتے ہیں۔یہ امت محمدی میں گویا ایک باطنی پولیس کا محکمہ ہوا کرتا ہے۔جن کے ذمے ظاہری کاروبار کا نظم ونسق ہوا کرتا ہے۔ان لوگوں کو کاروبار چلانے کیلئے باطنی موکلات کی تائید اور خدمات حاصل ہوتی ہیں۔اور یہ لوگ اپنے کاروبار میں ان سے چپڑ اسیوں اور پیادوں کا کام لیتے ہیں۔رجال الغیب کی نسبت ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

ترجمہ۔اس بات میں کچھ فائدہ نہیں کہ راز ظاہر ہو۔ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی بات ایسی نہیں جو موجود نہ ہو۔

اگر کسی شخص نے تمام عمر کبھی کوئی سچا خواب نہ دیکھا ہو۔اور نہ ان مذکورہ بالا قلبی واردات میں سے کچھ بھی اسے اپنی ساری زندگی میں محسوس ہوا ہو۔تو ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ اپنے دل کا علاج کریں اور کسی معالج قلوب کے پاس جا کر اور اپنے بیضۂ ناسوتی کو ذکر اللہ کی حرارت سے گرم کر کے اسے پھوڑنے کی جدوجہد اور سخت کوشش جاری رکھیں۔ورنہ شقاوت اور حرمان ان کے گلے کا ہار ہوگی۔اور کسی کا یہ بیت ان کے حسب حال ہوگا۔

نہ گلم نہ سبزہ زارم، نہ درخت میوہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

رابطۂ شیخ و طالب

مبتدی طالب کو مرشد کامل کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ جس طرح عورت بچہ جننے میں مرد اور خاوند کی محتاج ہے۔ سو اسی طرح محض مرشد کی صحبت اور توجہ ہی سے طالب کے دل کا معنوی بچہ یعنی لطیفۂ قلب زندہ ہوتا ہے۔ اس کی کیفیت اور صورت یہ ہوتی ہے کہ مرشد کامل طالب کے رحم قلب میں اپنے زندہ کامل بالغ دل سے نور اسم اللہ ذات کا نوری لطیفہ ڈال دیتا ہے۔ اور وہ نوری لطیفہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زندہ ہو کر ایک جنین اور معنوی لطیف بچے کی صورت میں بڑھتا رہتا ہے۔ وہ معنوی بچہ مرشد کے بطن باطن یعنی قلت کے ساتھ ایک باطنی رشتے کے ذریعے وابستہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ مادی بچہ ناف یعنی ناڑ کے رشتے سے ماں کے پیٹ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے۔ اور اس کی ناف کے رشتے سے بچے کو غذا پہنچتی رہتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح طالب کا باطنی، معنوی نوری طفل اپنے مربی کے باطنی بطن کے ساتھ ایک نوری رشتے کے ذریعے بندھا ہوا ہوتا ہے۔ اور اسی باطنی رابطے اور روحانی رشتے سے باطنی غذا پاتا رہتا ہے۔ اس کو اصطلاح تصوف میں رابطۂ شیخ کہتے ہیں۔ شیخ مربی کے بغیر لطیفۂ قلب کا زندہ ہونا ناممکن ہے۔ محض اپنی کوشش اور خالی ورد وظائف سے بے راہبر چلوں چپلوں سے ہرگز دل کی زندگی حاصل نہیں۔ اسے محض تزکیۂ نفس ہو کر کچھ عارضی صفائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور بعض وقت تھوڑا سا ناسوتی کشف اور رجوعات خلق بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر دل کی زندگی کا راستہ ہی اور ہے۔

وظیفوں، ورد چلوں سے اگر حاصل خدا ہوتا
انگشتوں سے حمل ہوتا تو شوہر کب روا ہوتا

جس طرح ایک روشن چراغ سے دوسرے بے شمار چراغ روشن کیے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح مرشد کامل اپنے دل کے باطنی چراغ سے ہزاروں لاکھوں طالبوں کے قلبی چراغ روشن کر لیتا ہے لیکن چراغ کے اندر اگرچہ تیل بتی وغیرہ کا تمام سامان

موجود ہو، لیکن اسے روشن ہونے کے لئے ایک دوسرے روشن چراغ سے روشنی لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح دل کے باطنی چراغ روشن کرنے کے لئے ایک باطنی روشن چراغ کی سخت ضرورت ہے۔ اور سوائے اس کے اور دوسرا راستہ ہی نہیں ہے۔

ایک انسان کامل کے وجود کی مثال جس میں اسم اللہ کا نوری چراغ روشن ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتے ہیں۔

اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ ط الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبرکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ و لا غربیۃ یکادزیتھا یضی ولو لم تمسسہ نار ط نور علی نور یھدی اللہ لنورہ من یشاء و یضرب اللہ الامثال للناس ط واللہ بکل شی علیم ط .

ترجمہ۔ (اسم) اللہ زمین اور آسمانوں کا نور ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ گویا ایک دریچہ ہے جس میں چراغ رکھا ہوا ہے۔ اور وہ چراغ ایک شیشے کی چمنی کے اندر ہے جو ایک روشن ستارے کی طرح چمک رہا ہے۔ اور ایک مبارک درخت زیتون سے آویزاں ہے۔ جس کا تیل نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ یعنی اس کی نہ کوئی جہت ہے اور نہ کیف۔ یعنی ایک بے مثل غیر مخلوق نوری جوہر ہے۔ نزدیک ہے کہ اس کا تیل جل اٹھے اور روشن ہو جائے۔ چاہے اسے مادی آگ تک چھوئے بھی نہیں۔ یعنی یہ کوئی مادی چراغ نہیں ہے کہ مادی آگ سے روشن ہو۔ بلکہ یہ تو اس کے ظاہری نور کے اوپر ایک بالا غیر مخلوق نور ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے اپنے نور کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو مثالیں پیش کر کے سمجھاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ یہاں پر لفظ اللہ سے مراد ذات اللہ ہر گز نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کو زمین اور آسمان کا نور کہا جائے۔ اور اسے چراغ

کی طرح آسمان اور زمین کو روشن کرنے والا سمجھا جائے تو معاذ اللہ اس کی ذات پر سورج کی طرح طرفیت لازم آتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ زمین اور آسمانوں اور مافیہا اور اس کے ماسوا تمام کائنات کا خالق ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں۔ سو یہاں ایک کامل انسان کے وجود میں اسم اللہ ذات کا چراغ اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے بطور ودیعت رکھ دیا ہے۔ اس میں استعداد اور توفیق ہدایت اور نوری قابلیت تیل کی مانند ہے۔ اور چراغ کو باد مخالف سے محفوظ رکھنے کے لئے انسان کے وجود میں قلب صنوبری چمنی کی طرح لٹک رہا ہے۔ اور چمنی کے رکھنے کے لئے مشکوٰۃ یعنی دریچہ انسان کامل کا سینہ ہے۔ اور انسان کامل کا عنصری وجود ایک درخت زیتون کی مانند ہے۔ جس سے یہ نوری چراغ آویزاں ہے جو بمثل شجر طور کے قائم ہے۔ سو اسی طرح اس نوری چراغ کے تمام لوازمات انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے ازل سے رکھ دیئے ہیں۔ اب اگر ضرورت ہے تو صرف ایک دوسرے روشن چراغ کی ہے۔ جس کی لو اور روشنی سے اس نے روشنی لے کر روشن ہونا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود اسی آیت کے اگلے حصے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہ.

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے امر اور اذن دے دیا ہے کہ اس کے نام کو گھروں کے اندر بلند کیا جائے۔ اور اس کے اسم کا ان میں ذکر کیا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اسم اللہ ذات کو ایک بجلی گھر اور پاور ہاؤس کی طرح وجود محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں قائم کر دیا ہے جو کہ زمین اور آسمانوں کو اپنے نور سے روشن کئے ہوئے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اذن اور امر فرما دیا ہے کہ ایک بجلی اور روشنی کا ایک ایک ستون ہر گھر میں قائم کیا جائے۔ اور ہر شخص اس نور اور بجلی کا تار اپنے دل کے گھر میں لگا لیوے تا کہ ہر دل کا گھر نور اسم اللہ ذات سے روشن اور منور ہو اور یوں تمام جہان اسم اللہ ذات کے عالم گیر نور سے جگمگا اٹھے۔

ابیاتِ مصنفؒ

اے خدا نور محمدؐ کو درخشاں کر دے
نور عرفان سے دنیا میں چراغاں کر دے
سینہ سینا ہو ہر اک آنکھ ہو بینا جس سے
خامہ مثل ید بیضا مرا تاباں کر دے

غرض طالب یہ باطنی بجلی اپنے مرشد مربی سے بذریعہ تار باطنی یعنی رابطۂ شیخ لیتا ہے۔اور وہ مرشد اپنے شیخ اور مربی سے،اور اس کا شیخ اپنے شیخ سے سلسلہ وار لیتا ہے۔یہاں تک کہ یہ سلسلہ اپنے اصلی ہیڈ کوارٹر اور حقیقی پاور ہاؤس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات تک منتہی ہو جاتا ہے۔اسی طرح اس باطنی بجلی کے تار ایک دوسرے سے پیوست اور مربوط ہیں۔اور تمام اہل اللہ باطن میں اسی نوری رشتے سے آپس میں جکڑے ہوئے ہیں۔اور اسی سلک میں منسلک ہیں۔اور ان تمام سلاسل و روابط یعنی باطنی برقی تاروں کا ہیڈ کوارٹر،مرکز اعلیٰ اور پاور ہاؤس وجود مسعود حضرت سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ذات بابرکات و مجمع جمیع فیوضات ہے۔وہاں سے تمام سلاسل اور روابط اور سب باطنی برقی تار نکلتے ہیں اور وہاں جا کر ختم ہوتے ہیں۔آپؐ سب کے مبداء و معاد ہیں۔اور آپ کا وجود مبارک ہی باعث کون و مکان اور مظہر وجود و ایجاد ہے۔باطن میں ان سلاسل و روابط کا ایک نوری جال بچھا ہوا نظر آتا ہے۔اور تمام باطنی شیران زمان ان سلاسل سے وابستہ ہیں۔

ہمہ شیران جہاں بستۂ سلسلہ اند
روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

ترجمہ۔دنیا کے تمام شیر یعنی اولیاء اللہ اس سلسلے سے وابستہ ہیں۔یہ لومڑ مزاج لوگ اس سلسلے کو کب اپنے حیلوں سے توڑ سکتے ہیں۔

ابیات مصنف رحمۃ اللہ علیہ

سروریاں چہ عجب برق براقے دارند
کہ بیک طرفہ بمنزل برد قافلہ را

خفتہ باناز بایں مرکب برقی اے دل
چشم بکشا و ببیں طے شدہ صد مرحلہ را

واقف نکتۂ ایں غیب نۂ عیب مکن
راز محرم نہ دہد محرم اہل گلہ را

جذب حق است کہ از سینۂ پاکاں خیزد
تو کجا دیدۂ ایں جنبش و ایں زلزلہ را

ترجمہ۔ طالبان طریقہ سروری قادری ایسے عجیب برقی براق پر سوار ہوتے ہیں جو آنکھ جھپکنے کے اندر قافلے کو منزل پر پہنچا دیتے ہیں۔ اے دل! اس برقی سواری پر ناز سے سو جا۔ اور پھر جب آنکھ کھول کر دیکھے گا تو تیرے سینکڑوں منازل طے ہوئے ہوں گے۔ جب تو اس غیب کے نکتے سے واقف نہیں ہے تو اسے عیب کی نظر سے نہ دیکھ۔ محرم لوگ ایسے غیب میں مجرموں کو اپنا محرم راز نہیں بناتے۔ یہ ایک حق کا جذبہ ہے جو پاک لوگوں کے سینے سے نکلتا ہے۔ تو نے اس جنبش اور اس زلزلے کو نہیں دیکھا۔

غرض جب طالب کے اندر یہ نوری بچہ شیخ کی توجہ سے زندہ اور قائم ہو جاتا ہے تو پہلے پہل طالب خواب میں ایک گونہ شعور اور بیداری حاصل کر لیتا ہے۔ یعنی جس وقت وہ خواب دیکھتا ہے تو ساتھ ہی یہ علم اور شعور بھی رہتا ہے کہ یہ جو میں دیکھ رہا ہوں۔ یہ خواب کی حالت ہے۔ یہ مراقبے کی ابتدائی حالت ہے۔ بعدہٗ وہ ترقی حاصل کر کے اپنے اختیار سے خواب کے باطنی لطیف عالم میں ہوش اور حواس کی حالت میں آتا اور جاتا ہے۔ ابتداء میں طالب اپنے سینے کے اندر ایک گونہ زندگی کی

حرکت، تموج اور ثقالت محسوس کرتا ہے۔ کچھ مدت کے بعد وہ نوری بچہ اسم اللہ ذات کی حرارت سے بیضۂ ناسوتی کو توڑ کر مرغ لاہوتی کی طرح بحکم پروردگار باہر آ جاتا ہے۔ یہ قلبی لطیفہ عالم امر کا لطیف جسہ رکھتا ہے اور عالم روحانی اور عالم ملکوت میں پرواز کرتا ہے۔ جب یہ مرغ لاہوتی عنقائے قاف قدس کی طرح آشیانۂ عالم شہادت سے فضائے عالم غیب کی طرف پرواز کرتا ہے۔ تو اس کا پہلا قدم تمام عالم آب و گل یعنی شش جہات سے باہر پڑتا ہے۔ تمام انبیاء کے معجزات اور جملہ اولیاء اللہ کے کشف کرامات اور طیر سیر کل سفلی اور علوی مقامات اور اس نوری لطیف وجود کے کرشمے ہوتے ہیں۔ اس نوری وجود پر ہمیشہ ہر وقت نئ واردات غیبی اور فتوحات لاریبی کا نزول ہوتا ہے۔ اس نوری وجود والے سالک کا دل ایسے نئے علوم باطنی و غیبی معانی اور اچھوتے معارف و اسرار سے گویا لبریز ہو جاتا ہے۔ جو کتابوں میں ہرگز نہیں ملتے۔ نہ حیطۂ تحریر و تقریر میں آ سکتے ہیں۔ اس قسم کا نوری وجود خواب، مراقبے اور بیداری میں ہر وقت ذکر فکر، نماز، تلاوت، عبادت اور اطاعت میں مشغول رہتا ہے۔ یہی اس کی قُوت اور قوت ہوتی ہے۔ یہ نوری وجود ہمیشہ مجلس انبیاء و اولیاء اللہ میں حاضر رہتا ہے۔ مگر طالب مبتدی کو گاہے اپنا جسہ معلوم ہوتا ہے۔ اور گاہے اس کے علم سے وہ جسہ معدوم ہوتا ہے۔ اگر طالب کسی گناہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ نوری جسہ مانع ہوتا ہے۔ اور سخت محاسبہ اور ملامت کرتا ہے۔ اور اگر اتفاقاً گناہ سرزد ہو جائے تو باطن میں وہ جسہ اس قدر ندامت، پشیمانی، سوز اور گداز دلاتا ہے۔ کہ طالب توبہ واستغفار اور گریہ، آہ و نالہ سے گناہ کے وجود کو جلا دیتا ہے۔ وہ نوری وجود مقام ارشاد میں شیخ کی صورت اور مقام طلب میں طالب کی صورت میں نظر آتا ہے۔ مگر اس کی اصلی صورت شیخ اور طالب کی صورت سے آمیختہ ایک تیسری صورت ہوتی ہے۔ وہ اصلی صورت میں بہت کم نظر آتا ہے۔ جیسا کہ انسان اپنا چہرہ بہت کم دیکھتا ہے۔ اور دوسروں کی شکل ہمیشہ ہر وقت نظر آتی ہے۔ یہ

لطیفہ فنا فی الشیخ کہلاتا ہے۔ جس قدر شیخ کامل اور طالب صاحب استعداد ہوتا ہے اتنا ہی طالب کا یہ باطنی نوری وجود قوی، طاقت ور، صاحب جمال و صاحب کمال ہوتا ہے۔ غرض جب طالب کا یہ نوری وجود شیخ کی تربیت اور پرورش سے پل کر اور بڑھ کر بالغ ہو جاتا ہے تو اس وقت اسے مرتبۂ ارشاد حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں دوسرے طالبوں کے قلوب کو زندہ کرنے کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اور شیخ مربی کی طرف سے باطن میں خلق خدا کو تلقین اور ارشاد اور فیض پہنچانے کا اذن اور امر ہو جاتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے امر سے لوگوں کے قلوب کو فیض باطنی سے مالا مال کرتا ہے۔ خواہ لوگ اسے جانیں یا نہ جانیں۔

اکثر خدا کے سچے صادق بندے لوگوں کو فیض پہنچاتے ہیں۔ لیکن اپنے آپ کو درمیان میں نہیں لاتے۔ قولہ تعالیٰ۔ قل ما اسئلکم علیہ من اجر۔ کہہ دے اے میرے نبی صلعم کہ میں اس ہدایت کے بدلے جو تمہیں کرتا ہوں۔ تم سے اجرت نہیں مانگتا۔ ان کی حالت ایسی ہر گز نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آج کل کے رسمی دکاندار ناقص نفسانی پیر دام تزویر پھیلا کر لوگوں کو دست بیعت اور مرید محض اس لئے کرتے ہیں کہ ان سے نذر و نیاز اور روپیہ فراہم کر کے اپنی جائدادیں بنائیں۔ اور دن رات عیش اڑائیں۔ مریدوں کے گھروں میں چراغ جلانے کو تیل نہیں ملتا اور پیر کے گھر میں بجلی کے قمقمے جگمگاتے ہیں۔ بجلی کے پنکھے چلتے ہیں۔ مرید بے چارے پیدل چل کر پیر کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی اس طرح بچا کر پیر کی خدمت میں حاضر کرتے ہیں۔ لیکن پیر صاحب عالی شان کاروں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں۔ گھر میں ریڈیو لگے ہوئے ہیں۔ سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتے ہیں۔ اور وہ عیش و عشرت اور گلچھرے اڑاتے ہیں کہ نوابوں اور رئیسوں کو بھی میسر نہیں۔ یہ بہشتی ٹھیکیدار گو اپنے گھروں میں دوزخ کا سامان مہیا

کرتے ہیں اور خود دوزخ کا ایندھن بننے والے ہیں۔ لیکن مریدوں کو خالی جھوٹی تسلیاں دے کر قیامت کے دن انہیں بہشت میں داخل کرنے کے پکے ذمہ دار بن جاتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ۔ یا یھا الذین امنو ان کثیرا من الاحبار والربھان لیاکلون اموال الناس بالباطل و عصدون عن سبیل اللہ ط والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشر ھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم و ظھور ھم ھذا ما کنزتم لانجسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون ط

ترجمہ۔ اے ایمان والو! بہت سے علماء بے عمل اور جھوٹے مشائخین مکرو فریب سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں (اور انہیں اپنے دام تزویر میں پھنسا کر) خدا کے راستے سے روک دیتے ہیں۔ (یہ رسمی رہنما ہیں) جو سونا چاندی اور نقدی وغیرہ اللہ کے نام پر بطور نذر و نیاز لے کر جمع کرتے ہیں اور انہیں راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔ (اے میرے نبیؐ) ان لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دے۔ اور وہ یوں ہوگا کہ وہ سونا، چاندی اور نقدی دوزخ کی آگ میں گرم کر کے لال کی جاوے گی۔ اور اس سے ان کے ہر دو پہلو اور سینے اور پشت کو غرض چاروں طرف سے جسموں کو داغا جائے گا۔ اور ساتھ ہی ان سے خطاب کیا جائے گا کہ یہ وہ نقدی ہے، جن کو تم مکروفریب سے اللہ کے نام پر اپنے نفسوں کے لئے جمع کرتے تھے۔ اب اس نقدی کی لذت چکھو۔

طالب کو چاہیئے کہ پیر اور مرشد کو دنیا کے لین دین میں دیکھے۔ اگر وہ دنیا کے لین دین میں حریص طامع اور دنیا کو فراہم کرنے والا جامع ہے تو اسے فوراً طلاق دے دے۔ دوم دیکھے کہ اگر وہ نفس پرست، عیش و عشرت کرنے والا، خوب موٹا اور فربہ بنا ہوا ہے کہ اس سے اپنے چوتڑ نہیں سنبھالے جاتے۔ تو ایسے مرشد سے جدا ہو جائے۔

کیونکہ داناؤں نے کہا ہے کہ حکیم فربہ باید و پیر لاغر۔ یعنی حکیم موٹا اور تندرست تلاش کرو، اور پیر دبلا پتلا۔ حکیم جب خود بیمار اور لاغر ہے تو وہ تیرا کیا علاج کرے گا۔ اور پیر جب خود نفس کا ٹٹو، بیل اور دنبے کی طرح موٹا اور فربہ نفس پرور ہے تجھے خدا کا راستہ کیا دکھائے گا۔ سوم رسمی یا خانہ زاد پیر نہ ہو بلکہ کسی کامل کی خدمت میں ریاضتیں اور مجاہدے کر کے باطنی مقامات طے کئے ہوں اور سلوک کی جملہ منازل اور مراتب سے واقف اور آگاہ ہو۔ دیگر صرف تصوف کی کتابیں پڑھنے یا ظاہری فقہ، منطق معانی کے علوم حاصل کرنے یا بزرگوں کے گھروں میں پیدا ہونے یا رسمی طور پر کسی دکاندار پیر سے خلافت لینے سے ہرگز انسان پیر اور مرشد نہیں بن سکتا۔ اور نہ ایسے رسمی رواجی پیروں سے کبھی ہدایت اور فیض حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ خود خالی اور عاری ہوتے ہیں۔ دوسروں کو کیا خاک دیں گے۔ آج کل دنیا میں ناقص پیروں نے وہ اودھم مچا رکھا ہے کہ خدا پناہ دیوے۔ اللہ تعالیٰ ان پیروں کو ہدایت کرے اور مریدوں کو عقل اور تمیز عطا کرے۔

خدا کے خاص بندے لوگوں کو محض اللہ تعالیٰ کے حکم سے اور ان کے فائدے کی خاطر تلقین اور ارشاد کرتے ہیں۔ اور اگر کبھی کچھ لیتے ہیں تو ان کے لئے اللہ کی راہ میں دیتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امر تھا کہ

خذ من اموالھم صدقۃ تطھر ھم و تزکیھم بھا ط

۔ یعنی اے رسول صلعم! ان کے اموال سے صدقہ لے یہ چیز انہیں پاک کرے گی۔ اور ان سے ان کے نفوس کا تزکیہ ہوگا۔ غرض مرشد کامل طالبوں کا تزکیۂ نفس۔ تصفیۂ قلب، تجلیۂ روح اور تخلیہ سر محض اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ ان کی غرض اور مراد یہ ہوا کرتی ہے کہ کسی طرح طالب اللہ کا بندہ بن جائے اور ہدایت پا کر اللہ تعالیٰ سے وصل ہو جائے۔

یاد رہے کہ ہر چیز بنائے بن جاتی ہے اور سنوارے سنور جاتی ہے۔ مگر انسان کا

بناؤ سنگار نہایت مشکل اور دشوار کام ہے۔ لیکن ہزاروں لاکھوں میں سے جب کوئی ایک آدھ طالب اصلی کامل آدم اور باطنی انسان کی صورت میں کسی کامل مشاطہ کے ہاتھ سے دلہن کی طرح بن ٹھن کر سنور جاتا ہے تو اسکے بناؤ اور سنوار پر فرشتے عش عش کرتے ہیں اور اس پر فیفتہ ہوتے ہیں اور اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ

فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سجدین.

رباعی

هر پا کہ بخدمت رسد سر گردد
مقصود دو عالمش میسر گردد
ما جملہ مسیم تو کیمیائی شاہا
هر مس کہ بہ کیمیا رسد زر گردد

ترجمہ۔ اے محبوب ہر پاؤں جو تیرے کوچے میں داخل ہوتا ہے، سر کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور اسے دونوں جہان کے مقصود حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور ہم سب بمنزلہ تانبے کے ہیں۔ جو تانبا کیمیا اکسیر سے ملتا ہے۔ وہ سونا بن جاتا ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ تصوف محض توہمات اور خیالات کا مجموعہ ہے۔ اور اہل تصوف کو اپنے خیالات اور توہمات خواب یا مراقبے میں متشکل ہو کر نظر آتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ تصوف کا اصل معاملہ خواب و خیال سے دور، شک و شبہ سے بالکلہ پاک اور وہم و گمان سے منزہ ہے۔ وہاں صبح کی طرح ایک روشن ٹھوس جہان ہے۔ جہاں تمام وہم و گمان، خطرات و ارادات کی ظلمت کو دور اور کافور کرنے والا شمس حقیقی درخشاں ہے۔ جو شخص رحم کی مانند اس تنگ و تاریک نفسانی ظلماتی مادی جہان میں معنوی طور پر مر جاتا ہے تو اس اصلی روحانی، جاودانی اور نورانی جہان میں بصورت طفل نورانی پیدا ہو جاتا ہے۔ مدت کے بعد جب اس کا وہ نوری اور معنوی

جسم بڑھ کر عقل کلی سے عاقل ہو جاتا ہے۔اور مادر باطنی سے باطنی زبان سیکھ جاتا ہے۔تو وہاں کی اشیاء کے اسماء اور حقائق سے واقف ہوتا ہے۔اس کے بعد وہ وہاں کے روحانی اور باطنی لوگوں کی باتیں سنتا اور سمجھتا ہے۔ وہاں باطنی مدرسوں اور کالجوں میں باطنی علوم بے واسطہ سینہ بسینہ اور نظر بہ نظر حاصل کرتا ہے۔اس وقت اس کا معاملہ شک اور شبہ سے گذر جاتا ہے۔اور اس کا درجہ یقین علم الیقین سے گذر کر عین الیقین تک پہنچ جاتا ہے ایسے سالک کا معاملہ شنید سے دید، دید سے رسید اور رسید سے یافت تک پہنچ جاتا ہے۔جس کو حق الیقین کہتے ہیں۔

جن لوگوں نے ساری عمر حیوانی زندگی بسر کی ہو۔اور سوائے کھانے پینے کے اور کوئی شغل اور مقصد زندگی نہ رکھا ہو۔کوئیں کے اندھے مینڈک کی طرح تمام عمر اس مادی دنیا میں گذاری ہو۔اسے لامحدود وسیع روحانی دنیا کا کیا پتہ ہے اے طالب سعادت مند! اگر تجھے ابدالاباد کی زندگی درکار ہے۔اور تیری قسمت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب، مشاہدہ اور وصال و دیدار ہے۔تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جا۔اور کسی استاد کامل سے یہ ضروری اور دقیق علم سیکھ۔تاکہ تو دنیا میں زندگی کے مقصد کو حاصل کرے۔اور اپنی اصلی منزل کو پہنچ جائے۔اور اس دار نعیم میں ابدی حیات پا کر ایسے درجات اور باطنی لذات سے بہرہ ور ہو جائے جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھی ہیں اور نہ کانوں نے سنی ہیں۔اور نہ کسی کے دل پر کبھی ان کا خیال اور قیاس گذرا ہے۔یاد رہے کہ تصور اسم اللہ ذات کے بغیر نہ دل زندہ ہوتا ہے۔اور نہ باطنی راستہ کھلتا ہے۔اور نہ اللہ تعالیٰ کا قرب، مشاہدہ وصال اور دیدار حاصل ہوتا ہے۔اگرچہ کوئی شخص تمام عمر سخت مجاہدے اور ریاضتیں کرتا پھرے۔اور ہمیشہ قائم اللیل اور صائم الدہر رہے۔ کیونکہ ظاہری بدنی اعمال اور طاعت و بندگی سے محض نفس کا تزکیہ تو ہو جاتا ہے۔مگر دل ویسا تاریک اور مردہ رہتا ہے۔ پاس عبد کو معبود تک اور مخلوق کو خالق تک پہنچنے کا واسطہ اور ذریعہ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب

اور وصال کی کلید محض ذکر ہے۔ اور جملہ اذکار میں سے اسم اللہ ذات کا ذکر جامع ترین اور افضل ترین ذکر ہے۔ اور طریقہ تصور ذکر کے تمام طریقوں سے افضل، اعلیٰ، اکمل، سہل اور پر امن طریقہ ہے۔ یعنی اسم اللہ کے نقش کو انگشت تفکر سے بذریعہ خیال و تصور تحریر اور مرقوم کرنا اور ذکر کے مقامات میں سے بہتریں مقام ذکر آنکھ ہے۔ جس سے دیدار اور مشاہدے کا راستہ کھلتا ہے۔ اور جملہ عبادات اور اطاعات، ریاضات اور جملہ احکام و ارکان، شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت اور تمام سلوک اور تصوف کی غرض و غایت اللہ تعالیٰ کی رویت، لقاء اور دیدار ہے۔ اور کوئی نعمت درجہ اور مرتبہ دیدار کے مرتبے سے افضل اور اعلیٰ نہیں ہے۔ اس لئے طالب کو چاہیئے کہ اسم اللہ ذات کے ذریعے علم دیدار پڑھے۔ دین اور دنیا کے تمام مراتب اور دنیا و آخرت کے جملہ ظاہری و باطنی خزانے علم دیدار میں حاصل ہو جاتے ہیں۔ من لہ المولیٰ فلہ الکل جب طالب تصور اسم اللہ ذات کا شغل شروع کرتا ہے تو شیطان اس کی راہ مارتا ہے۔ اور قسم قسم کے وسوسوں اور خطرات کے ذریعے طالب کے دل میں یہ خیال ڈالتا ہے۔ کہ یہ تصور کا کام بننے والا نہیں ہے۔ اور اسم اللہ ذات دل پر جمنے والا نہیں ہے۔ اس طرح اس شغل میں لگا رہنا تضیع اوقات ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ کچھ ورد و ظائف، نفل نوافل اور تلاوت وغیرہ کا شغل اختیار کر لیا جائے۔ کیونکہ اس میں کم از کم ثواب تو ہو گا۔ اور جب طالب ظاہر عمل عبادت و اطاعت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور دن رات حجرے میں عبادت، ذکر، تلاوت، نفل نوافل، پاس انفاس اور حبس دم میں لگ جاتا ہے تو شیطان اس کے دل کے حجرے پر جو ذکر کا اصلی اور حقیقی محل ہے قبضہ جمالیتا ہے۔ چنانچہ اس کی زبان اور دیگر اعضاء وغیرہ تو ذکر اذکار اور عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن دل اپنے نفسانی خیالات، دنیوی خطرات اور شیطانی شہوات میں مارا مارا پھرتا ہے۔ اور اس میں ذکر کا کچھ اثر نہیں ہونے دیتا۔

دل پریشان و مصلی در نماز
ایں نمازے کے پذیرد بے نیاز

اور نیز اسے شیطان لوگوں کی نظروں میں مشہور ومعروف کر دیتا ہے کہ فلاں شخص بڑا دیندار اور عابد شب زندہ دار ہے۔ اور رجوعات خلق سے فریفتہ کر کے اس کی کمائی کو برباد کرتا ہے۔ اور کبرو انانیت کی چھری سے اسے ذبح اور ہلاک کر دیتا ہے۔ وہ دل میں سمجھتا ہے کہ میں نے اتنی عبادت کر لی ہے۔ اور کولھو کے بیل کی طرح چلتے چلتے خیال کرتا ہے کہ میں نے بہت منزل طے کر لی ہے۔ لیکن جب آنکھیں کھولتا ہے تو وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ جب کوئی شخص ظاہری اطاعت، ذکر فکر اور عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور خناس اس کے دل کو قابو کر لیتا ہے۔ تو شیطان پاس کھڑا ہنس رہا ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔

رباعی

اے فسق و فجور کار ہر روزہ ما
وے پرز شراب کاسئہ و کوزۂ ما
مے خندد روزگار مے گرید عمر
بر طاعت و نماز و روزۂ ما

ترجمہ۔ باوجودیکہ نیکوکاروں کی شکل اور صورت اور ظاہری نیک عمل کے خیال فسق اور فجور ہمارا مشغلہ ہے۔ اور ہمارا کاسہ اور کوزۂ دل محبت شراب دنیا سے پر ہے۔ سو ہماری اس اطاعت، نماز اور روزے پر زمانہ ہنس رہا ہے اور عمر رو رہی ہے۔

پس طالب کو چاہیئے کہ تصور اسم اللہ ذات کے شغل کو جاری رکھے۔ خواہ اسم اللہ ذات ابتداء میں دل پر قائم نہ بھی ہو۔ کیونکہ مبتدی طالب کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ تصور اسم اللہ ذات کا مطلب یہ ہے کہ اسم اللہ ذات کا نقش دل پر قائم ہو جائے۔ اور ہمیشہ اسم اللہ ذات متجلی رہے تاکہ جس وقت دل کی طرف متوجہ اور ملتفت ہو۔ اسم

اللہ ذات نقش اور مرقوم نظر آئے۔

نمازی نماز پڑھ رہا ہے اور اس کا دل پریشان ہے۔وہ بے نیاز ذات اس قسم کی نماز کو کیوں کر قبول فرمائے۔

یعنی اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسم اللہ ذات اس کی قید میں آ جائے۔مگر یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔اسی وجہ سے اکثر طالب اس مبارک شغل کو ترک کر دیتے ہیں۔

یاد رہے کہ اسم اللہ ذات غیر مخلوق ہے۔اور انسان اور اس کا خیال اور تصور مخلوق ہے۔غیر مخلوق چیز مخلوق کی قید میں نہیں آ سکتی۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یعنی طالب کا دل اور دماغ اور حواس اور سب اعضا ءتصور سے اسم اللہ ذات کی قید میں آ جاتے ہیں۔انسان جب جسم کو اسم اللہ کے تصور میں غرق کرتا ہے۔تو جسم اسم کے اندر گم ہو جاتا ہے۔چونکہ اسم اللہ ذات پاک اور حق ہے۔اس واسطے صاحب تصور کے جسم کی ناپاکیاں غل ،غفلت، غلاظتیں اور تمام کدورتیں، ظلمتیں اور بطالتیں اسم اللہ ذات کے نور سے دفع اور دور ہو جاتی ہیں۔اسی طرح بار بار مشق تصور اسم اللہ ذات سے طالب اسم اللہ ذات کے اصلی حقیقی دروازے پر جو آفتاب کی مانند انسان کے وجود میں مخفی اور پنہاں بطور امانت موجود ہے جا پہنچتا ہے۔اس وقت اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے طالب کو اسم اللہ ذات حقیقی کے بحر انوار میں جذب کر لیتا ہے۔ اگر مرشد کامل، رفیق، راہبر ہمراہ شامل ہے تو اس وقت طالب پختہ وجود صاحب استعداد کو ایک ہی توجہ سے اللہ تعالی کے ساتھ واصل کر دیتا ہے۔یا دائمی حضوری حضرت سرور کائنات صلعم میں داخل کر دیتا ہے۔مگر ابتداء میں طالب اسم اللہ ذات کو اپنی قید میں لانے اور اسے جلدی اپنے صفحۂ دل پر نقش اور مرقوم دیکھنے کی آرزو اور ہوس نہ کرے۔جب تک اسم اللہ ذات کے تصور سے طالب کا نفس اور نفسانیت فنا نہ ہو۔ اور اس کے اس بیضۂ ناسوتی کے اندر اسم اللہ ذات کی حرارت اور مرشد کامل

کی توجہ سے لطیفۂ قلب کا غیر مخلوق مرغ لاہوتی سر نہ نکالے۔ اسم اللہ ذات دل پر نقش اور قائم و منجلی دیکھنے کے خیال اور ہوس کو ہرگز دل میں نہ لائے اور اپنا کام دن رات خوب زور شور سے جاری رکھے اور نیز مراقبے، مکاشفے، طیر سیر علوی، کشف کرامات یا دیگر روحانی نظارے اور باطنی تماشوں اور کرشموں کے خیال میں بچوں کی طرح نہ پڑا رہے۔ بلکہ ہمت اور استقلال سے ہر وقت اسم اللہ ذات کے نقش کو دل اور دماغ میں اس طرح جمائے کہ آفتاب اسم اللہ ذات کی حرارت اور نور سے طالب کے وجود سے غفلت نفسانی، ظلمت شیطانی اور کدورت خیالات دنیائے پریشانی ہٹ کر دور اور کافور ہو جائے۔

جس وقت تصور اسم اللہ ذات صاحب تصور کے وجود میں اثر کرنے لگتا ہے۔ تو اول اول طالب کے اندر ایک قسم کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے طالب کو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا تپ لازمی کی حرارت اور تپش جسم میں پیدا ہو گئی ہے۔ رات کو اسے نیند نہیں آتی۔ خصوصاً بائیں پہلو پر لیٹنے سے اسے درد محسوس ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں طالب کو گھبرانا نہیں چاہیئے۔ بلکہ یہ ابدی سرمدی صحت کلی کے آثار ہیں۔ ایسے وقت میں طالب کے دل میں ترک توکل کے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔ لوگوں سے وحشت پیدا ہوتی ہے۔ یہ خیال آتا ہے کہ گھر بار چھوڑ بیوی کو طلاق دے کر جنگل کو نکل جائے اور گودڑی پہن کر فقیر بن جائے۔ لیکن خبردار زنہار ایسا کام نہ کرے جب تک اسے باطن میں صحیح طور پر یا اسے مرشد کامل کی طرف سے ایسی باتوں کا اذن اور امر نہ ہو۔ بلکہ فقر احمدی صلعم کا طریقہ اور طرز یہ ہے کہ لوگوں میں ملا جلا رہے اور اپنے راز کو پوشیدہ رکھے اور گمنامی کو اپنا شیوہ بنائے رکھے۔ ہرگز ننگا اور انگشت نما اپنے آپ کو نہ ہونے دے۔ کیونکہ بعض وقت طالب کے دل میں محض عارضی اور تقلیدی طور پر کچھ تھوڑے عرصے کیلئے ترک توکل اور گھر بار چھوڑنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ جب بیوی کو طلاق دے کر اور بال بچے اور گھر بار چھوڑ کر جنگل

کی طرف نکل جاتا ہے۔اور گودڑی پہن کر فقیر تارک الدنیا ہو جاتا ہے۔چونکہ اس قسم کے خام خیال جلد باز، تقلیدی، رسمی، مبتدی طالب کو باطنی راستہ بھی نہیں کھلتا۔ بلکہ ابتداء میں بطور آزمائش سخت ٹھوکریں کھاتا ہے۔اور جب اسے بھوک پیاس اور راہ میں طرح طرح کی تکالیف پیش آتی ہیں تو اس کے عارضی تقلیدی ترک توکل کا نشہ تھوڑے عرصے میں ہرن ہو جاتا ہے۔اس وقت اس کے نفس کو پشیمانی لاحق ہوتی ہے۔لیکن چونکہ لوگوں میں فقیر تارک الدنیا مشہور ہو جاتا ہے۔اس لئے واپس اسے لوگوں میں شامل ہونے اور دنیوی کام کرنے سے شرم آتی ہے۔لہٰذا وہ ایک سخت کشمکش اور تذبذب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔وہ دھوبی کے کتے کی طرح نہ گھر کا رہتا ہے اور نہ گھاٹ کا۔ایسے رنج اور رجعت کی حالت سے اللہ تعالیٰ امان دیوے۔اس لئے مبتدی طالب کو اپنے خیال خام سے بیوی، بال بچوں کو چھوڑ کر جنگل کی طرف ہرگز نہیں نکلنا چاہیے۔کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

ابیات

ایک شخص چلا گھر سے نکل کر سوئے صحرا
مولا کی طلب میں زن و فرزند کو چھوڑا
سمجھا زن و فرزند ہی ہیں مانع دیدار
ہے منزل مقصود میں حائل یہی دیوار
صحرا میں سمندر میں اسے ڈھونڈ رہا تھا
ہر بحر میں ہر بر میں اسے ڈھونڈ رہا تھا
کھویا گیا خود آپ مگر اس کو نہ پایا
سب کھو کے بھی بیچارے کو کچھ ہاتھ نہ آیا
مایوسی سے دل ٹوٹ گیا پاؤں کی مانند
ڈھلتی رہی عمر اس کی یونہی چھاؤں کی مانند

بے چارے پہ جس وقت گھٹا موت کی چھائی
اس وقت کسی کی یہ صدا کانوں میں آئی
اے طالب حق! حق تو ترے گھر میں مکیں تھا
جس جا سے تو نکلا تھا ارے میں تو وہیں تھا

لہٰذا طالب کو اپنی حالت ہرگز اپنے وہم وخیال سے نہیں بدلنی چاہیئے۔ بلکہ اسے انتظار کرنا چاہیئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود اس کے لئے حالات مساعد اور واقعات سازگار کر کے بدل ڈالے۔

پس طالب کو چاہیئے کہ اسم اللہ ذات کی حرارت سے جب ایسی حالت پیدا ہو جائے اور وحشت ترک وتوکل کے خیالات رونما ہو جائیں تو اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور یا درود شریف کی کثرت سے اس جلالیت اور حرارت کو ٹھنڈا اور فرو کرے۔ کیونکہ اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسم جمالی ہے۔اس کی ٹھنڈک اور جمالیت سے طالب کے وجود میں صبر، تحمل اور حوصلۂ وسیع پیدا ہو جاتا ہے۔اور اسم اللہ ذات کے جلالی بار گراں کو ہر طرح برداشت کر لیتا ہے۔اور بے حوصلہ، بےصبر اور بےقرار نہیں ہوتا۔

بعض وقت تصور اسم اللہ ذات کے غلبۂ حرارت سے ظاہری عبادت میں کوتاہی پیدا ہو جاتی ہے۔اور ظاہری نوافل اور زبانی ذکر اور بدنی اشغال میں سستی واقع ہو جاتی ہے۔اور ان کی اہمیت اور وقعت طالب کی نظر میں اس قدر گر جاتی ہے کہ وہ فرض نماز کو بھی ترک کر دیتا ہے۔سو طالب کو چاہیئے کہ ایسی حالت سے بچا رہے۔ اور ہرگز فرض نماز اور شریعت ظاہری کی پابندی سے باہر نہ نکلے۔ یہ بھی شیطان کا ایک بڑا داؤ اور دھوکا ہے۔حتیٰ کے بعض لوگوں کو ابتداءِ تصور میں خواب اور مراقبے کے اندر شیطان بڑے عمدہ تماشے اور باطنی نظارے دکھایا کرتا ہے۔اور جب وہ ظاہری عبادت اور فرض نماز کی طرف رجوع کرتا ہے تو ان باطنی شیطانی اور تماشوں میں کمی اور کوتاہی نظر آنے لگتی ہے۔لہٰذا طالب خام خیال شیطان کے دام میں پھنس

کر فرض نماز اور شریعت کی پابندی چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح وہ ہمیشہ کے لئے طریقے کا مردود اور مرتد ہو جاتا ہے۔ ہزاروں طالبوں کو اس قسم کی گمراہیوں اور رجعتوں میں دیکھا گیا ہے۔ جو ایک دفعہ ان طریقت کے گردابوں میں غرق ہو جاتا ہے۔ پھر ساری عمر ساحل نجات کا منہ نہیں دیکھ سکتا۔

دریں ورطہ کشتی فرو شد ہزار
کہ پیدا نہ شد تختہ بر کنار

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ طالب جب تصور اسم اللہ ذات کرتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کسی شکنجے میں سب اعضاء کسے جا رہے ہیں یا کولھو میں بھینچا جا رہا ہے۔ اور شغل کے وجود کو سخت کوفت اور ماندگی معلوم ہوتی ہے۔ بدن گھائل اور مضمحل ہو جاتا ہے۔ اگر ایسی حالت پیش آئے تو طالب کو ظاہری عبادت کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ اسی طرح ظاہر باطن دونوں طرح طالب کسی طرح نفس کو اللہ کے ذکر سے فارغ نہ رکھے۔ کیونکہ نفس کی مخالفت ذکر اللہ ہے۔

اس بھنور میں بہت سی کشتیاں ڈوب گئیں جن کا ایک تختہ بھی کنارے تک نہ لگا۔

گاہے مبتدی طالبوں کو اس قسم کے خیالات وواہمات ترک توکل اور فقیری کی طرف لے آتے ہیں۔ کہ جب میں فقر میں قدم رکھوں گا تو مجھے دولت دنیا ظاہری کی پرواہ نہ رہے گی۔ کیونکہ میں اس طرف قدم رکھتے ہی خدا کا مقرب اور ولی بن جاؤں گا۔ مجھے غیب سے روزی ملے گی۔ جن اور فرشتے میرے تابع فرمان ہو جائیں گے۔ اور جو کچھ ان سے مانگوں گا۔ مجھے لا کر دے جائیں گے۔ میرا روزینہ مقرر ہو جائے گا۔ یا میرا دست غیب جاری ہو جائے گا۔ یا مجھے زمین کے نیچے خزانے اور دفینے نظر آنے لگ جائیں گے۔ یا کیمیاء اکسیر کے نسخے حاصل ہو جائیں گے۔ یا سنگ پارس مل جائے گا۔ غرض اس قسم کے ہزاروں فضول واہمات اور خیالات طالب کے دل میں جاگزیں ہو جاتے ہیں۔ شیطان اس قسم کے خیالی سبز باغ دکھا

دکھا کر طالب کو ظاہری کسب کمائی اور روزگار چھڑا کر فقیر بنا دیتا ہے۔ بعض خام خیال طالب نوکریوں سے استعفے دے دیتے ہیں۔ بعض اپنی جائدادیں فروخت کر کے لٹا دیتے ہیں۔ ایسے طالبوں کی نیت چونکہ خالص نہیں ہوتی۔ اس لئے جب کچھ مدت پھر ان چیزوں میں سے انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا تو پھر پھرا کر اپنا سا منہ لے کر واپس آتے ہیں۔ اور تمام عمر افسوس اور ندامت کی وجہ سے دست حسرت ملتے رہتے ہیں۔ ایسے خام خیال طالب جب ناقص دکاندار جھوٹے پیروں کے ہاتھ چڑھتے ہیں تو وہ اس قسم کے اور سبز باغ دکھا کر اور جھوٹے وعدے دلا کر انہیں لوٹتے رہتے ہیں۔ اور اپنی خدمت میں لگائے رکھتے ہیں اور امروز وفردا کے جھوٹے وعدوں میں ان کی عمر گراں مایہ ضائع اور برباد کر دیتے ہیں۔ بعض طالب جب ان دکاندار مکار پیروں کو وعدہ ایفائی کے لئے بار بار تنگ کرتے ہیں تو جھوٹے پیر ایسے طالبوں کو چلوں، خلوتوں اور مجاہدوں میں ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ اکثر طالب تو ان چلوں میں پاگل ہو جاتے ہیں۔ بعض بیمار ہو جاتے ہیں۔ اور بعض بے فائدہ ٹکریں مار مار کر کسی طرف منہ کر جاتے ہیں۔ اور یوں پیر صاحب ان سے پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ سو طالب کو ان خام خیالیوں اور بے ہودہ مالیخولیا سے بچنا چاہیئے۔

مشق تصور اسم اللہ ذات ذکر کے تمام طریقوں سے بہتر، افضل، آسان اور پر امن طریقہ ہے۔ موت کے وقت انسان کی زبان خشک ہو جاتی ہے۔ اور باقی تمام اعضاء اور حواس کام سے رہ جاتے ہیں۔ اس وقت ذکر کے لئے انسان کے پاس صرف تصور اور تفکر کا آلہ باقی رہ جاتا ہے۔ اگر زندگی میں طالب نے تصور اور تفکر سے اسم اللہ ذات کی مشق کی ہے۔ اور اسم اللہ ذات کو اپنے اندر قائم کیا ہے۔ اور اپنے وجود کو اسم اللہ ذات میں طے اور دل کو اسم اللہ ذات سے زندہ کیا ہے۔ تو موت کے آخری نازک وقت میں اسے اپنے اس مبارک شغل کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے گی۔ جب کہ تصور اسم اللہ ذات کی باطنی برق سے اس کے تمام باطنی لطائف

اور گوشت پوست، تمام اعضاء اور جسم کے تمام بال ذکر سے گویا ہو جائیں گے۔ اور جوش وخروش میں آ کر اللہ اللہ پکارنے لگ جائیں گے۔ اور تمام جسم باجے کی طرح ذکر اللہ سے بجنے لگ جائے گا۔ اور جسم کے ہر رگ اور ریشے سے باجوں کی تاروں کی طرح ذکر اللہ کے باطنی نغمے سنائی دیں گے۔ ایسے آدمی کا خاتمہ بالخیر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ موت کے وقت شیطان ایسے آدمی کے نزدیک نہیں پھٹک سکتا۔ صاحب تصور اسم اللہ ذات کو جس وقت منکر نکیر قبر میں سوال وجواب کے لئے جگا کر اٹھاتے ہیں۔ جس وقت صاحب تصور قبر میں اٹھتا ہے تو اس کے ماتھے، اس کے سینے اور اس کی دونوں ہتھیلیوں پر اسم اللہ ذات نوری حروف سے مرقوم سورج کی طرح شعلے اور تجلے مارتا ہے۔ اور کراماً کاتبین یہ دیکھ کر حیرت میں آ جاتے ہیں۔ اور ادب سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ یا عبداللہ نم کنومہ العروس جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ یعنی اے بندۂ خدا تو سو جا جس طرح دلہن سوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے۔ تجھے سوال اور جواب کی حاجت نہیں رہی۔ تیرا وجود مسعود خود گواہی دے رہا ہے۔ آفرین تیری ہمت پر اور شاباش تیری کمائی پر، تیرے ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء صبغتہ اللہ یعنی اسم اللہ ذات کے رنگ سے رنگین ہیں۔ ہمیں تجھ سے سوال کرنے میں شرم محسوس ہوتی ہے۔ اب تو اپنے خاوند اللہ تعالیٰ کے دیدار اور وصل کے انتظار میں دلہن کی سی نیند سو جا۔

بیٹھ جاؤں میں انہیں چھاپ کے یوں حشر کے دن

لوگ دیکھیں تو کہیں وعدہ وفا ہوتا ہے

انسان کا عنصری جسم غار کی طرح ہے۔ اور نفس و شیطان مار یعنی سانپ کی طرح اس میں گھسے ہوئے ہیں۔ ظاہری بدن اور جسمانی اعضاء وجوارح سے عبادت، ذکر فکر کرنا ت گویا سانپ کے غار پر ڈنڈے اور لاٹھیاں چلانا ہے۔ جس سے غار کے اندر نفس اور شیطان کو کوئی ایذا نہیں پہنچتی۔ بلکہ اسے آگاہی تک بھی نہیں ہوتی۔ مگر

تصور اسم اللہ ذات گویا غار کے اندر کھولتا ہوا پانی یا ابلتے ہوئے تیل کی دھار اور رو داخل کرنا ہے۔ جس سے نفس اور شیطان جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں۔ اگر جان و مال خرچ کرنے اور سالہا سال کی محنت اور مشقت کے بعد بھی یہ دولت ہاتھ لگ جائے تو اسے نہایت سستا اور ارزاں سودا خیال کرنا چاہیئے۔

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

ترجمہ۔ خاقانی کو تیس سال کے بعد اس حقیقت کا علم ہوا کہ ایک دم باخدا رہنا سلیمانؑ کے ملک سے بھی بہتر ہے۔

اس مبارک اور عزیز شغل سے روکنے اور باز رکھنے کے لئے شیطان ہزاروں لاکھوں بکھیڑے اور طرح طرح کے مکر اور حیلے پیش کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ مرشد کامل کی توجہ کے بغیر اسم اللہ ذات قائم نہیں ہونے کا۔ اس لئے کوئی ظاہری بدنی عبادت کرنی چاہیئے۔ لیکن یاد رہے کہ مرشد کامل اس طالب کو توجہ کرتا ہے۔ جس کے وجود کا ظرف پختہ ہمت قوی اور استعداد وسیع ہو۔ سو یہ باتیں سوائے تصور اسم اللہ ذات کے حاصل نہیں ہوتیں۔ تصور اسم اللہ ذات طالب کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور مرشد کے فیض کے قابل بنا دیتا ہے۔ اور تصور اسم اللہ ذات کے ذریعے طالب مرشد کے باطنی دروازے پر پہنچ جاتا ہے اور مرشد کو اس پر مہربان کر دیتا ہے۔ لیکن نفس اور شیطان ہر حیلے سے طالب کو اس مبارک شغل سے باز رکھتے ہیں۔ کیونکہ نفس کے لئے تصور اسم اللہ ذات سم قاتل کی طرح ہے۔ اس سے جلدی نفس نامراد مر جاتا ہے۔ جس وقت صاحب تصور اسم اللہ ذات شغل تصور اختیار کرتا ہے تو شیطان کے گھر کو گویا آگ لگ جاتی ہے اور شیطان الانس والجن میں ایک کہرام مچ جاتا ہے۔ اور جنود ابلیس فوج فوج مقابلے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ جو اسے کسی طرح اس شغل سے باز رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب صاحت تصور پے بہ پے مقامات طے کرتا ہوا

اللہ تعالیٰ کے قرب میں داخل ہونے کو ہوتا ہے تو خود بہ نفس خبیث مقابلے کے لئے آ موجود ہوتا ہے۔ سو اے طالب سعادت مند! حوصلہ وسیع اور ہمت بلند رکھ۔ اپنی تمام عمر اس مبارک شغل میں وقف کر دے۔ کسی طرح اس پاک شغل کو ایک لمحہ کے لئے بھی ترک نہ کر۔ انشاء اللہ بہت جلد تو یہ کلید خزائن دارین اور مفتاح کنز کونین حاصل کرے گا۔

مبتدی صاحب تصور چونکہ مشق وجودیہ کے وقت نہایت شش و پنج میں ہوتا ہے کہ تصور اسم اللہ دل اور دماغ اور وجود کے دیگر اعضاء پر کیوں کر کیا جائے۔ اور کس طرح اور کیوں کر اسم اللہ ذات کے نقش کو اپنے اندر مرقوم کرے۔ آیا اپنے آپ کو ایک علیحدہ انسان کی شکل میں اپنے سامنے لا کر کھڑا کیا جاوے۔ اور خیال اور فکر سے اس کے دل اور دماغ اور سینے اور دیگر اعضاء پر اسم اللہ ذات کے نقش کو مرقوم کرے۔ یا دوسرے شخص کو اپنے اعضاء پر لکھنے والا خیال کرے یا خود اپنے وجود پر کیوں کر اور کس طرف سے اسم اللہ تحریر اور نقش کرے۔ یہ باتیں چونکہ نہایت ضروری ہیں اور کتابوں میں نہیں ملتیں اس لئے ہم اپنے تجربات اور مشاہدات کی بناء پر چند اہم اور آسان طریقے بیان کرتے ہیں۔ اگر صاحب مشق اور صاحب تصور نے ان پر عمل کیا تو انہیں اسم اللہ ذات کے نقش اور مرقوم کرنے میں بہت مدد ملے گی۔ اور بہت جلدی اس مبارک شغل میں کامیاب ہو جائے گا۔ تصور اسم اللہ ذات کے متعلق یہ نہایت سچی، مفید اور قیمتی معلومات ہیں۔ ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ یہ مدت مدید اور سالہا سال کی جانفشانی اور جانکاہی کے بعد حاصل کئے گئے ہیں۔

صاحب تصور اسم اللہ ذات کو چاہیئے کہ وضو کرکے اور پاک کپڑے پہن کر کسی پاک جگہ میں مربع ہو کر بیٹھے۔ اور دل کو تمام غیر خیالات یعنی دنیوی تفکرات اور نفسانی واہمات سے خالی اور فارغ کر لیوے اور ظاہری وساوس شیطانی اور خطرات نفسانی کا راستہ بند کرنے کے لئے اپنے اوپر ذیل کا حصار کرے۔ یعنی مفصلہ ذیل

کلاموں کو پڑھ کر اپنے اوپر دم کرے۔

الحمد شریف۔آیۃ الکرسی۔چہار کل یعنی قل یا ایھا الکافرون۔قل ھو اللہ احد۔قل اعوذ برب الفلق۔اور قل اعوذ برب الناس۔ہر ایک سورت کو تین تین دفعہ پڑھے۔ اس کے بعد درود شریف۔استغفار، آیت سلام قولا من رب الرحیم۔آیت واللہ المستعان علی ما تصفون۔کلمۂ تمجید یعنی

سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.

کلمۂ توحید، لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد یحیی و یمیت و ھو علی کل شئی قدیر.

اور کلمۂ طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک تین بار پڑھ کر سینے پر دم کرے۔اور دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر دم کر کے تمام بدن پر ہاتھ پھیرے۔اس کے بعد آنکھیں بند کر کے اللہ تعالیٰ کے مشاہدے اور مجلس حضرت سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم و مجلس انبیاء و اولیاء اور یاد موت اور یاد آخرت و قبر حشر نشر وغیرہ تفکرات کو دل میں جاگزیں کرے۔اور اسم اللہ ذات کو ماتھے اور دل پر اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تفکر کی انگشت شہادت سے خیال کے ذریعے اپنے سینے پر بار بار لکھنے کی کوشش کرے۔اور اگر کسی کا نفس سرکش ہو اور معصیت سے باز نہ آئے تو اسم اللہ ذات کو تصور سے مقام ناف پر مرقوم اور تحریر کرے۔صاحب تصور اپنی انگشت شہادت کو قلم خیال کرے اور اپنے سامنے آفتاب کو بمنزلہ دوات کے خیال کرے۔اور اپنی انگلی کو آفتاب کی دوات میں ڈال کر اپنے ماتھے اسم اللہ ذات اس طرح لکھے کہ سر کو ایک بڑی قندیل اور لالٹین خیال کرے۔اور اس کے اندر بیٹھ کر اپنے سامنے والے شیشے کے رخ پر اسم اللہ ذات تحریر کرے۔اس سے جذب جلالی پیدا ہوگا۔اور اسم محمد کو لمبا کر کے سینے پر لکھے۔اس طرح کہ اسم محمد صلعم کے دونوں میم

پستانوں پر آ جائیں۔اور غرف دال دل پر آ جائے۔اس سے جذب جمالی حاصل ہو گا۔اور اسم محمد صلعم کو سفید ماہتابی رنگ سے لکھے۔یا ان دونوں مذکورہ بالا مقامات یعنی ماتھے اور سینے پر اگر اسم اللہ ذات اور اسم محمد سرور کائنات از سر نو لکھنے میں دشواری محسوس ہو تو اسم اللہ ذات انگشت شہادت کی طرح موٹے اور خوشخط سرخ آفتابی رنگ کے حروف میں مرقوم اپنے ماتھے یا دل پر لکھا ہوا خیال کرے۔اور خود اسے اپنی شہادت کی انگلی سے ٹریس کرتا جائے۔یعنی انگلی اس پر قلم کی طرح اپنے خیال اور تصور میں پھیرتا جاوے۔اور اسی طرح اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے پر ماہتابی سفید رنگ سے مرقوم خیال کرے۔اور اس کے اوپر انگشت شہادت پھیرنے کی کوشش کرے۔بعض کو اس دوسری صورت میں آسانی ہوتی ہے۔اور ساتھ ہی دل سے پاس انفاس جاری رکھے۔یعنی جب سانس اندر کو جائے تو ساتھ دل میں لفظ اللہ کہے۔اور جب سانس باہر کو نکلے تو دل میں خیال سے لفظ ھو کہے۔اور جب اسم محمد صلعم کی مشق کرے تو سانس اندر جاتے وقت محمد رسول اللہ کہے اور سانس باہر آتے وقت صلی اللہ علیہ وسلم خیال سے دل میں کہے۔اس طرح بار بار مشق کرنے سے اسم اللہ ذات اور اسم محمد سرور کائنات صلعم طالب کے اندر متجلی ہو جائے گا۔اور اگر طالب شیخ کامل رکھتا ہے۔تو یوں خیال کرے کہ میرے سر اور سینے اور دل کے اندر شیخ بیٹھا ہوا اسم اللہ ذات اور اسم حضرت سرور کائنات صلعم لکھ رہا ہے۔اس سے اور بھی زیادہ آسانی ہوتی ہے۔اور ساتھ ساتھ پاس انفاس بھی جاری رکھے۔اس طرح طالب بہت جلدی کامیاب ہو جاتا ہے۔جس وقت طالب کے تصور اور تفکر اور مرشد کامل کی توجہ اور تصرف اور طالب کی کوشش اور مرشد کی کشش اسم اللہ ذات اور اسم حضرت سرور کائنات صلعم پر مرکوز اور متحد ہو جاتی ہیں۔اس وقت باطنی واردات یاد نہیں رہتیں۔اور اگر اسے جذب جمالی کی بجلی نے کھینچ لیا ہے۔تو اس کو باطنی واردات خواب یا مراقبے میں یاد رہتی ہیں۔اس وقت مجلس انبیاء و اولیاء اور ذکر

اذکار کھل جاتے ہیں۔ اور طالب مجلس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں یا مجلس انبیاء و اولیاء میں حاضر ہو جاتا ہے۔ یا ذکر نفسی، قلبی، روحی، سری وغیرہ جاری ہو جاتے ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کی تجلیات ذاتی، صفاتی یا افعالی صاحب تصور پر وارد ہو جاتی ہیں۔ یا طالب کو طیر سیر مقامات علوی یا سفلی حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر نقش اسم اللہ ذات اور اسم حضرت سرور کائنات صلعم بسبب کثرت ہجوم وساوس شیطانی و ظلمات نفسانی دل پر قائم نہ ہوں، تو طالب کو چاہیئے کہ مشق وجودیہ شروع کرے۔ تاکہ تمام وجود اسم اللہ ذات سے منقش ہو کر پاک اور مزکی ہو جائے۔ اور حضور سرور کائنات صلعم اور مشاہدۂ حق ذات کے قابل ہو جائے۔ اسم اللہ شئی طاھر لا یستقر الا بمکان طاھر۔ اسم اللہ پاک چیز ہے۔ وہ پاک جگہ میں قیام اور استقرار پکڑتا ہے۔ شغل تصور اسم اللہ ذات کے لئے وقت کا تعین نہیں ہے۔ جس وقت چاہو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن سب سے بہتر وقت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب یا چاشت تک کا ہے۔

(نقش اسم اللہ ذات اور اسم حضرت سرور کائنات صلعم سامنے صفحہ پر مرقوم ہے)

صاحب تصور کو چاہیئے کہ دماغ میں نقش اسم اللہ ذات تصور اور تفکر سے مرقوم کرتے وقت دماغ کو ایک مربع قندیل یا لالٹین کی طرح خیال کرے کہ گویا اس کے چاروں طرف اور اوپر کے شیشے ظلمت کے سیاہ دھوئیں سے آلودہ ہیں۔ اور صاحب تصور اندر بیٹھ کر سامنے والے شیشے پر شہادت کی انگلی سے نقش اسم اللہ ذات یوں بنا رہا ہے۔ کہ اس کی انگلی کی تحریر سے سیاہی دور ہوتی جا رہی ہے اور اسم اللہ ذات کی تحریر سے بیرونی روشنی کے لئے راستہ اور روزن بنتا جا رہا ہے۔ اور اسم اللہ ذات تاباں اور نمایاں ہو رہا ہے۔ اسی طرح یہی تحریر دائیں، بائیں، پیچھے اور اوپر والے شیشے پر کرے۔ اسی طرح دماغ نور اسم اللہ ذات سے منور ہو جاتا ہے۔

یاد رہے کہ مبتدی کو آنکھوں میں تصور اسم اللہ ذات مشق کرتے وقت حیرانی ہوتی ہے۔ کہ آنکھوں میں اسم اللہ کیونکر مرقوم ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی

آنکھوں کو عینک کے دو گول شیشوں کی طرح خیال کرکے اندر کی طرف سے ان پر اسم اللہ ذات نقش اور مرقوم کرے۔ اور علی ہذا القیاس بدن کے ہر عضو اور خانے پر اندر کی طرف سے اسم اللہ ذات فکر اور خیال کے قلم سے تحریر کرے۔ نیز یاد رہے کہ دماغ میں اسم اللہ ذات مرقوم کرنے کے پانچ مقام ہیں۔ اور ماتھے پر اور ہر دو آنکھوں پر اور دونوں کانوں پر اور ایک ناک پر اور ایک زبان پر اسم اللہ ذات تصور سے مرقوم کرے۔ اور دل پر اسم اللہ ذات تحریر کرنے کا یہ طریق ہے کہ دل کو لیمپ کی چمنی کی طرح اپنے بائیں پہلو پر لٹکا ہوا خیال کرے اور اس کی سطح پر اسم اللہ ذات اور اسم حضرت سرور کائنات صلعم خیال اور فکر سے تحریر کرے۔ جیسا کہ مذکورہ بالا نقشے میں مرقوم ہے۔ اور بعض اس طرح دل پر تصور اسم اللہ ذات مرقوم اور تحریر کرتے ہیں کہ دل کے موٹے سرے پر چمنی کی طرح گول سوراخ کو گول دائرہ خیال کرکے اس میں اسم اللہ مرقوم کرتے ہیں۔ یعنی دل صنوبری کو ایک گلاب کے نیم شگفتہ پھول کی طرح تصور کرکے اس کے گول کشادہ منہ کے دائرے میں اسم اللہ ذات مرقوم کرتے ہیں۔ جب اسم اللہ ذات دل پر مرقوم ہو جاتا ہے تو دل کا لطیفہ گل گلاب کی طرح کھل جاتا ہے۔ جس سے سات نوری لطیفے سات نوری پتیوں کی طرح سرخ رنگ معطر و معنبر دل کے اردگرد نمودار ہو جاتے ہیں۔ اور ہر لطیفۂ نور اسم اللہ ذات کی سات ذاتی صفات کے انوار سے جگمگا اٹھتا ہے۔ دل کے دائرے پر اسم مرقوم اور مثل گل گلاب شگفتہ بمع اردگرد سات لطائف مرقوم باسم اللہ کا نقشہ مندرجہ ذیل ہے۔

---------------------نقشہ---------------------

اسم اللہ ذات جب کسی عضو پر مرقوم ہو جاتا ہے۔ تو اس سے نور کی تجلی نمودار ہو جاتی ہے۔ اور وہ مقام جس کا وہ لطیفہ ہے۔ ذکر اللہ یا کلمۂ طیب سے گویا ہو جاتا ہے۔ اور وہ عضو اسم اللہ ذات میں طے اور اس کے اندر لطیفۂ ذکر اللہ سے حی اور زندہ

ہو جاتا ہے۔

نیز طالب ہاتھ کی دو ہتھیلیوں پر اور ہر دو پہلوؤں پر اسم اللہ مرقوم کرے اور مقام ناف پر اسم اللہ مرقوم کرے۔ طالب کو چاہیئے کہ اپنے عنصری جسم کو لباس خیال کرے۔ جسے روح اور جان سر سے لے کر قدم تک اوڑھے ہوئے ہے۔ اور اندر سے اس لباس کے مقامات تصور پر گویا اسم اللہ ذات کی چھینٹ لگی ہوئی ہے۔ اور طالب اس لباس کے اندر اپنے آپ کو گھسا ہوا اور بیٹھا ہوا خیال کرے۔ اور ہر مقام تصور پر اندر سے اسم اللہ ذات مرقوم پر انگشت شہادت پھیرنے کی مشق کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فاذکرونی اذکرکم۔ یعنی تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ سو ہم اس آیت کی تشریح اور تفسیر پہلے کافی بیان کر چکے ہیں۔ کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کو جس صفت اور جس اندام سے یاد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی اندام اور عضو کے اندر اپنے اسی نام کے نور کی بجلی پہنچاتا ہے۔ اور وہ عضو اور اندام اللہ تعالیٰ کے نور سے زندہ روشن اور منور ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ یتقرب العبد الی بالنوافل حتی اکون عینیہ ینظر بی و اذنیہ یسمع بی و یدیہ یبطش بی و رجلیہ یمشی بی۔ الخ۔ یعنی بندہ میری طرف کثرت ذکر اور نوافل سے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے دیکھتا ہے۔ میں اس کے کان ہو جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے سنتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ ہو جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے پکڑتا اور چلتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کا اپنے ذاکر اور عابد بندے کے اعضاء اور اندام ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ عارف سالک کے تمام اعضاء دماغ نور اسم اللہ ذات سے زندہ اور منور ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ ذیل کے نقشہ میں دکھایا گیا ہے۔

(نقشہ سامنے والے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

نقش اسم اللہ ذات اگر جسم کے ہر اندام پر مرقوم کرنے میں دقت ہو۔ تو جس

مقام پر آسانی سے مرقوم ہو۔ اور جو اسم کامیابی کے ساتھ اور سہل طریقے سے لکھا جا سکے پہلے اسی کی مشق کی جائے۔ اور آنکھیں بند کر کے جس جگہ ہو سکے۔ صرف اسم اللہ ذات کی تحریر اور اس کے نقش پر اپنی توجہ اور فکر مبذول رکھے۔ اسم اللہ ذات جس وقت صاحب تصور کے اندر نوری حروف سے مرقوم ہو جاتا ہے۔ تو وہ خود بخود اپنے مخصوص مقام جسم کو پکڑ لیتا ہے۔ نیز یاد رہے کہ اگر کسی طالب کی طبیعت کند اور غبی ہو۔ اور اسم اللہ ذات کا تصور اس سے نہ بن سکے۔ تو مقابلہ کے لئے ایک اسم اللہ ذات خوشخط تاباں شیشے یا کاغذ پر لکھا ہوا سامنے رکھے۔ اور تصور کرتے وقت اسے اپنے اندر قائم کرے۔ اور دوسرے وقتوں میں اسی اسم اللہ ذات کا خیال اور تصور کیا کرے۔ اسی طرح بار بار کرنے سے نقش اسم اللہ قائم ہو جاتا ہے۔ اگر اس سے زیادہ آسانی مطلوب ہو تو سلیٹ پر موٹی پنسل یا چاک کے ذریعے رات کو یا دن کو فرصت کے وقت بار بار اسم اللہ لکھے۔ کم از کم روزانہ ۶۶ دفعہ لکھے۔ اس طرح بھی تصور اسم اللہ ذات جلدی آ جاتا ہے۔ رات کو یا دن کو سونے سے پہلے ضرور تصور اسم اللہ ذات کی مشق کرے یا نقش اسم اللہ ذات کاغذ یا شیشے پر خوشخط لکھا ہوا، اپنے سامنے رکھ کر سوتے وقت اس کی طرف دیکھے۔ اور بار بار اسے اندر جمانے کی کوشش کرے اور اس حالت میں سو جائے۔ ایسا کرنے سے خواب میں بھی اسم اللہ متجلی اور مرقوم ہوتا ہے۔

تصور کے لئے سات اسماء ہیں۔ کہ جو ہفت گنج باطنی کے لئے بمنزلۂ کلید اور کنجیوں کے ہیں۔ اور سات لطیفوں کے لئے ہر اسم علیحدہ علیحدہ ہے۔ وہ اسماء ذیل ہیں۔

الـلـہ ۔ لـلہ ۔ لہ ۔ ھو ۔ محمدؐ ۔ فقر، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلعم

اللہ تعالٰی کے ننانوے اسماء اور حروف تہجی کے تیس حرفوں کا بھی تصور کیا جاتا

ہے۔اوران کے علاوہ مختلف نقش وجود یہ مرقوم ہیں۔جن کا تحریر کرنا موجب طوالت ہے۔ان کے تصور سے بھی بڑے بھاری باطنی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔اگر طالب کو ان باطنی خزائن کی تفصیل درکار ہوتو کتاب نورالہدیٰ یا عقل بیدار شریف اردو مصنفہ حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو قدس سرہ منگوا کر مطالعہ کرے۔

اسم اللہ ذات کے صحیح طور پر تصور کے ذریعے نقش اور مرقوم ہونے کی علامت یہ ہے کہ اسم اللہ ذات مرقوم ہوکر آفتاب کی طرح تجلی مارتا ہے۔اور صاحب تصور کو فوراً استغراق اور محویت حاصل ہو جاتی ہے۔اور دل، روح یا سرّ کا لطیفہ ذکر اللہ یا ذکر کلمۂ طیب سے گویا ہو جاتا ہے۔اور طالب کو اس استغراق کے اندر کوئی نہ کوئی مشاہدہ اور مکاشفہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اے طالب سعادتمند! ہم نے تصور اسم اللہ ذات کے یہ مذکورہ بالا چند نہایت مفید آسان پر امن، صحیح اور سچے طریقے اور راستے بیان کر دیئے ہیں۔جو مدت مدید کے خون جگر پینے کے بعد حاصل اور معلوم کئے گئے ہیں۔اگر تو نے ان کی قدر جانی اور ان پر عمل کیا۔تو یقیناً بہت جلدی سلوک باطنی اور روحانیت کے فلک الافلاک پر پہنچ کر اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہو جائے گا۔اور بزم انبیاء و اولیاء میں داخل ہو کر وہاں ایسی باطنی لذتوں اور روحانی مسرتوں سے لطف اندوز ہوگا۔جو کبھی نہ آنکھوں نے دیکھی ہیں اور نہ کانوں نے سنی ہیں۔اور نہ کسی کے دل پر ان کا خیال گذرا ہے۔

تصور کے فوائد یہ ہیں کہ یہ ایک نہایت پوشیدہ، بے ریا، بے رجعت اور زود اثر طریقہ ذکر ہے۔اس میں نہ کسی وقت یا جائے معین کی ضرورت ہے۔نہ اس میں وضو یا پاک کپڑوں یا پاک جگہ وغیرہ کی پابندی ہے۔اور نہ اس میں ذکر کی خاص گنتی اور شمار وغیرہ کی حاجت ہے۔اور اس کے بغیر باطنی لطائف کا کھلنا محال اور ناممکن ہے۔اور مقام اور روحانی منزل طالب بغیر تصور کے ہرگز طے نہیں کر سکتا۔اسلام، ایقان، عرفان، قرب، مشاہدہ، وصل، فنا اور بقا کی جو باطنی منازل اور مدارج ہیں۔

ان سب کے اصول پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غرض و غایت انسان کی توجہ، تصور، تفکر اور تصرف کو ایک مرکز اور ایک نکتے پر لانا ہے۔ جسے انگریزی زبان میں (CONCENTRATION) کہتے ہیں۔ مثلاً دیکھو اسلام میں توحید اصل کار ہے۔ اور اسی توحید پر تمام اسلامی افعال اور اعمال کا دارومدار ہے۔ یعنی متفرق اور مختلف معبودوں کی عبادت سے توجہ ہٹا کر ایک ہی واحد معبود کی طرف انسان مائل اور ملتفت ہو جاتا ہے۔ قولہ تعالیٰ ۔ ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار۔ یعنی آیا متفرق اور مختلف رب اور معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ کی واحد ذات قہار۔ سو انسانی توجہ ایک ہی معبود برحق کی طرف مبذول کرنے کے لئے اسلام نے ذکر کو ہر فعل اور ہر عمل میں لازمی اور ضروری ٹھہرایا ہے جیسا کہ ہم کتاب کے اگلے حصوں میں بیان کر آئے ہیں۔ اور تمام اذکار کو ایک ہی ذکر اسم اللہ ذات میں جمع کر دیا ہے۔ اور ذکر اسم اللہ ذات کے تمام طریقوں میں سے تصور کا طریقہ انسان کی توجہ کو ایک مرکز پر لانے کے لئے بہترین طریقہ ہے۔ اسی لئے اس کو اختیار کیا گیا ہے۔ الغرض اگر غور سے دیکھا جائے تو تصور اسم اللہ ذات کا طریقہ اسلام، ایمان، عرفان، ایقان، قرب، مشاہدہ، وصل، فنا اور بقا کے مدارج اور منازل کے حصول کے لئے اصلی، آخری اور جامع کلید ہے یعنی ایک مقصد تو تصور اسم اللہ ذات کا سالک کو عالم کثرت سے صرف جملۂ وحدت کی طرف لانا ہے۔ دوم مقصد صاحب تصور کا علم دعوت کے ذریعے طالب کو ظلمت کثرت سے نور لطافت کی طرف لے جانا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لے آئے ہیں۔ انہیں عالم ظلمت سے نکال کر عالم نور کی طرف لے جاتا ہے۔ سو وحدت حضور اور لطافت نور کے دو اعلیٰ مقامات پر پرواز کرنے کے لئے سالک کے لئے دو لازمی پر و بال ہونے چاہئیں۔ ایک تصور اسم اللہ ذات دوم دعوات۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

الم نجعل له عينين و لسانا و شفتين و هدينه النجدين.

ترجمہ۔آیا نہیں بنائی ہم نے انسان کے لئے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ ۔اور دکھا دیئے ہم نے اس کو دو راستے۔سو آنکھوں کا راستہ تو تصور اسم اللہ ذات کا راستہ ہے ۔اور زبان اور دو لبوں یا ہونٹوں کا راستہ ورد وظائف یعنی دعوات کا راستہ ہے۔جس سے سالک عالم کثیف کی ظلمت سے نکل کر عالم لطیف کی نورانی دنیا میں داخل ہوتا ہے اور عالم غیب کی نورانی لطیف مخلوق سے مل کر ان سے استفادہ حاصل کرتا ہے۔سو نور اور آنکھیں جس طرح لازم اور ملزوم ہیں۔یعنی اگر نور اور روشنی موجود نہ ہو تو آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہے۔سو اسی طرح تصور اسم اللہ ذات اور دعوات کے دونوں راستے اور طریقے لازم اور ملزوم ہیں ۔اور عارف سالک کے لئے بمنزلۂ پر و بال کے ہیں۔تصور اسم اللہ ذات کا طریقہ تو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔اب ہم ناظرین اور سالکین کے لئے دوسرا اہم راستہ دعوات کا بیان کرنے والے ہیں۔

....

علم دعوات

دعا اور دعوت کے معنی ہیں دعا کرنے یا کسی کو بلانے کے۔ دعا یا کلام کے ذریعے جب غیب کی باطنی لطیف نوری مخلوق کو بلایا جائے اور اسے اپنے پاس حاضر کر کے اس سے استمداد اور اعانت حاصل کی جائے۔ اور ان کے ذریعے دینی اور دنیوی امور، مشکلات اور مہمات حل کئے جائیں۔ اس کو دعوت کہتے ہیں۔ تمام دعوتوں اور دعاؤں کا اصل مرجع اور معاد اللہ تعالیٰ مجیب الدعوات کا اعلیٰ دربار اور عالی سرکار ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ قال ربکم ادعونی استجب لکم۔ یعنی تم مجھ سے دعا مانگو۔ میں اسے قبول کروں گا۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

و اذا سالک عبادی عنی فانی قریب ط اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فالیستجیبو لی و الیو منوا بی لعلھم یرشدون.

ترجمہ۔ "یعنی اے میرے رسولؐ! جب میرے بندے تجھ سے میری بابت سوال کریں۔ تو انہیں کہہ دو۔ کہ میں ان کے قریب ہوں اور میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں اور اسے قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا مانگتے ہیں پس چاہیئے کہ مجھ سے دعا طلب کریں۔ اور میری قبولیت دعا پر ایمان لائیں اور یقین رکھیں۔ شاید وہ ہدایت پا لیویں۔ تیسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فاذکرونی اذکرکم۔ یعنی تم مجھے یاد کرو اور میں تم کو یاد کروں گا۔ اس میں بھی ایک قسم کی قبولیت دعا کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اگر دعا کی جائے تو وہ دعا کو سنتا ہے اور قبول فرماتا ہے۔ لیکن دعا کے لئے شرائط اور لوازمات ہیں۔ جس طرح نماز کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ ضروری شرائط اور لوازمات مقرر کئے ہیں۔ مثلاً پاک کپڑے۔ جائے پاک۔ تعین وقت اور وجود پاک اور خاص ترتیب کے ساتھ ہاتھ منہ پاؤں وغیرہ کو وضو کر کے دھونا اور پھر نماز کے ہر رکن یعنی قیام، رکوع، قعود اور سجود وغیرہ کو ایک خاص ترتیب سے ادا کرنا اور ان میں مخصوص تسبیح، تہلیل، تحمید، تکبیر اور قرأت

قرآن وغیرہ حسب تعداد پڑھنا یہ سب لوازمات اور شرائط ہیں کہ جب یہ سب شرائط پوری ہوں تو تب نماز مکمل اور قبولیت کے قابل ہوتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ اسی طرح دعاؤں، کلاموں اور ورد و ظائف کے لئے شرائط اور لوازمات ہیں۔ کہ جب وہ پورے طور پر ادا کئے جا چکتے ہیں۔ تو وہ درجۂ اجابت اور قبولیت کو پہنچ جاتے ہیں۔ ورنہ نہیں۔ دیگر اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کی دعا یا کوئی عمل یا عبادت قبول فرماتے ہیں۔ تو اس دعا اور درخواست کی تعمیل اور تکمیل اللہ تعالیٰ خود اپنے ہاتھ سے نہیں فرماتے اور نہ خود دنیا میں اس بندے کے پاس آ کر وہ کام کرتے ہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی غیر مخلوق عظیم الشان اور عظیم المرتبت مقدس ذات سے بعید ہے۔ بلکہ اس کی تعمیل یا عمل درآمد اور داد و دہش انعام کا کام اپنی بارگاہ کے باطنی کارکنوں اور ملازموں یعنی ملائکہ اور روحانیوں کے ذریعے کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مریم علیہ السلام کے حق میں فرماتے ہیں۔

فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا . قالت انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا ط قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلما زکیا ط .

پس ہم نے بی بی مریم علیہ السلام کی طرف اپنی ایک روح بھیجی۔ جو ایک صحیح سالم انسان کی شکل میں اس کے آگے متمثل ہوئی۔ سو ایک اجنبی شخص کو دیکھ کر آپ نے ڈر کر فرمایا کہ میں تجھ سے اللہ کے ساتھ پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تو خدا سے ڈرنے والا ہے۔ اس پر اس روح نے جواب دیا کہ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا قاصد ہوں۔ اور میں اے مریم! تجھے بیٹا دینے آیا ہوں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس چار فرشتے انسانوں کی شکل میں۔ لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے آئے تھے۔ اور ساتھ ہی انہیں آخری عمر میں اور یاس کی حالت میں فرزند اسحاقؑ کی بشارت بھی دے دی۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام نے علم لدنی سیکھنے کی آرزو کی تو

انہیں اپنے ایک بندے خضر علیہ السلام سے ملایا۔ جن سے انہوں نے علم لدنی کے بعض سبق سیکھے۔

کما قال عزہ ذکرہ. فوجدا عبدا من عبادنا اتینہ رحمة من عندنا و علمنہ من لدنا علما.

ترجمہ۔ پس موسیٰ علیہ السلام ہمارے ایک بندے سے ملے۔ جنہیں ہم نے اپنی طرف سے خاص رحمت سے نوازا تھا۔ اور جنہیں اپنی طرف سے غیبی علم عطا کیا تھا۔ غرض باطن میں عارف سالک لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء کلاموں اور وردوظیفوں کے ذریعے جن، ملائکہ اور ارواح کی حاضرات کر کے مختلف کاموں میں مدد لیتے ہیں۔ جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کو جب ملکہ سبا کے تخت لانے کی ضرورت پڑی تو آپ نے موکلات کے باطنی لشکر کو خطاب کر کے فرمایا کہ

قال یایھا الملوا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین قال عفریت من الجن انا اتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک و انی علیہ لقوی امین قال الذی عندہ علم من الکتب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک فلما راہ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربی.

ترجمہ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ اے میرے لشکریو! تم میں کون ایسا ہے جو ملکہ سبا کے تخت کو لا کر حاضر کر دے۔ پیشتر اس کے کہ وہ تابع ہو کر میرے پاس آئے۔ اس وقت عفریت نامی ایک جن نے کہا کہ حضور میں اسے آپ کے اپنی جگہ سے اٹھ جانے سے پہلے لا کر پیش کر دوں گا۔ اور مجھے اس بات کی طاقت حاصل ہے اور میں اس کا ذمہ اٹھاتا ہوں۔ اس پر ایک مصاحب نے جسے علم کتاب حاصل تھا کہا کہ میں آپ کے ایک پلک مارنے کے اندر تخت لا دوں گا۔ سو جب سلیمانؑ نے اس وقت تخت بلقیس کو اپنے پاس موجود دیکھا۔ تو فرمایا۔ یہ سب میرے رب کے فضل کے طفیل ہے۔ غرض حضرت سلیمان علیہ السلام دنیا میں سید العالمین یعنی

عالموں کے سردار ہوئے ہیں۔ اور یہ نعمت خاص اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا اور التجا پر آپ کو مرحمت فرمائی۔ قولہ تعالیٰ۔

قال رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی انک انت الوھاب۔

ترجمہ۔ سلیمان نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے اللہ میرے معاف کر مجھ کو اور مجھے ایسی حکومت اور بادشاہی عنایت فرما جو میرے بعد قیامت تک کسی کو حاصل نہ ہو۔ تو بے شک بڑا وہاب اور بخشش والا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ باطنی مملکت انہیں عطا فرمائی۔ کہ جن وانس اور پرندے ان کے مسخر کر دیئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

و حشر لسلیمن جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون۔

اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لئے جن وانس اور پرندوں کے مختلف لشکر مسخر کر دیئے تھے۔ وہ فوج فوج جمع ہو کر اس کے پاس آتے تھے۔ جن وانس سے باطن میں سیر کرنے والی غیبی مخلوق مراد ہے۔ اور طیر سے باطن میں اڑنے والے موکلات مراد ہیں۔ ان سے ہمارے یہ بے زبان حیوان مادی پرندے ہرگز مراد نہیں۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام ان باطنی غیبی لشکر سے مختلف کام لیتے تھے۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں جابجا موجود ہے۔ حضرت سرور کائنات صلعم نے ایک دن اپنے صحابہ کو فرمایا کہ رات کو جب میں نماز پڑھ رہا تھا تو میرے پاس ایک جن آیا۔ میں نے چاہا کہ اسے پکڑ کر ستون مسجد سے باندھ لوں۔ تاکہ صبح کو مدینہ کے لڑکے اس سے کھیلیں۔ لیکن پھر مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کا خیال آیا۔ میں نے آپ کی دعا میں مداخلت روا نہ سمجھی۔ آج چونکہ الحاد اور مادیت کا زمانہ ہے۔ اس لئے آج کل کے مادی عقل والوں کے سامنے اس قسم کے باطنی محیر العقول اور خلاف عادت کارناموں اور روحانی کرشموں کا ذکر اگر کیا جائے۔ تو پہلے وہ اس کا صاف انکار کر دیتے ہیں۔ یا توڑ مروڑ کر انہیں اپنی مادی عقل پر منطبق کرنے کے لئے اس

کی سخت ناروا تاویلیں کرتے ہیں۔ اس قسم کے اندھے کور چشم لوگوں کو ہم معذور سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے مادے کے عالم اسباب، علت معلول اور شرط و جزا کے بغیر اور کچھ نہیں دیکھا۔ ان کی نظر تمام عمر عالم اسباب کی آستین پر پڑتی رہی ہے۔ قدرت کا ہاتھ ان کے مادی حواس سے بالکل اوجھل رہا ہے۔ جسے محسوس اور معلوم کرنا باطنی حواس کا کام ہے نہ کہ ظاہری حواس اور عقل کا۔ عالم امر کی غیبی لطیف مخلوق تین قسم کی ہے۔ ایک جن، دوم ملائکہ یعنی فرشتے، سوم ارواح۔ ان میں سے دو پہلی قسم کی غیبی لطیف مخلوق کا انبیاء اور اولیاء کے پاس حاضر ہونے کا ثبوت تو ہم نے آیات قرانی سے دے دیا ہے۔ اب ہم تیسری قسم کی مخلوق یعنی ارواح کے حاضر ہونے کا ثبوت آیات قرانی سے پیش کرتے ہیں۔ قران کریم کے پہلے پارے اور سورۃ بقر میں موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا ایک قصہ آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے اندر ایک بڑا آدمی قتل ہو گیا۔ جس کے قاتل کا پتہ نہیں لگتا تھا۔ جس کے سبب قوم میں جھگڑے اور فساد رونما ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اس وقت لوگوں نے اس معاملے کی تحقیق کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کی کہ آپ اپنی باطنی اور غیبی طاقت سے اصلی قاتل کا پتہ لگا دیویں۔ تا کہ قوم میں جھگڑا اور فساد رونما نہ ہونے پائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کو ایک خاص قسم کی گائے تلاش کرنے کا حکم دیا۔ بہت تلاش اور جستجو کے بعد ویسی گائے مل گئی۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اس گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ ذبح کی گئی۔ تو آپ نے حکم دیا کہ اس کے فلاں عضو کے گوشت کو اس مقتول کے جسم پر مارو۔ جب اس طرح کیا گیا۔ تو مقتول ایک لحظہ کے لئے زندہ ہو گیا۔ اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتا دیا۔ اور اس طرح یہ جھگڑا مٹ گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

و اذا قتلتم نفسا فادرءتم فیھا واللہ مخرج ما کنتم تکتمون فقلنا

اضربوہ ببعضھا کذلک یحیی اللہ الموتی و یریکم ایتہ لعلکم تعقلون.

ترجمہ۔اے بنی اسرائیل یاد کرو اس وقت کو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور تم اس کے قاتل کی نسبت شک میں پڑ گئے تھے۔تو اللہ تعالیٰ ہی ظاہر کرنے والے ہیں۔اس معاملے کو جس کو تم نے چھپایا تھا۔پس ہم نے کہا کہ اس گائے کے بعض حصے کو مقتول کے جسم پر مارو۔تو وہ جی اٹھا۔تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس طرح مردہ زندہ کرتے ہیں۔اور تمہیں اپنی قدرت کے کرشمے دکھاتے ہیں تاکہ تم سمجھ جاؤ۔سو اس سے ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے باطنی علم اور روحانی طاقت سے اس مقتول کی روح کو حاضر کیا۔اور تمام لوگوں کے سامنے اس سے ہم کلام ہو کر اس سے صحیح حالات دریافت کئے۔ایسی صورت اگر ایک فرد میں صحیح ہوسکتی ہے تو تمام افراد انسانی میں بھی صحیح ہونی چاہیئے۔بشرطیکہ کوئی شخص اس غیر معمولی علم کا ماہر ہو۔اور صحیح طریقے پر روح کی حاضرات کرے تو ضرور روحانی حاضر ہو کر ہم سخن اور ہم کلام ہوتے ہیں۔اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔بعض لوگ کہیں گے کہ یہ تو پیغمبر کا معجزہ تھا کہ وہ مردہ زندہ ہو گیا تھا۔ہم کہتے ہیں کہ اگر معجزہ تھا۔اور حاضرات ارواح کا علم نہ ہوتا۔تو موسیٰ علیہ السلام ہاتھ پھیر کر اسے زندہ کر دیتے۔ایک خاص قسم کی گائے کو ذبح کرنے اور اس کے جسم کے خاص حصے کو مقتول کے جسم پر مارنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ ساری ترتیب حاضرات ارواح کا طریقہ تھا۔اور دوسری بات یہ ہے کہ اگرچہ نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے لیکن امت مرحومہ کے اندر پیغمبر کی آسمانی کتاب، اس کا علم اور اس کی روحانی طاقت بطور ورثہ موجود ہے۔اور قیامت تک رہے گی۔جیسا کہ حضرت سرور کائنات صلعم فرما چکے ہیں۔علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہوں گے۔ اور ویسی روحانی طاقت رکھیں گے۔اور یہ بھی آیا ہے۔کہ العلماء ورثۃ الانبیاء

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ سو یہ وراثت محض مسئلے مسائل اور قیل وقال کی نہیں ہے۔ بلکہ روحانی طاقت اور حال کی بھی ہونی چاہیئے۔ باقی رہا یہ سوال کہ اس زمانہ کے مادہ پرستوں کے دماغ میں یہ بات کیونکر آئے کہ ایسے واقعات صحیح ہیں۔ کیونکہ وہ تو سرے سے قران کے ہی منکر ہیں۔ اور جو برائے نام مانتے ہیں۔ تو ایسی باتوں کی تاویلیں اور توجیہیں نکالنا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ آج کل کے مغرب زدہ اور نئی روشنی کے دلدادہ لوگوں کے نزدیک ہر وہ بات جو اہل یورپ کے قلم اور زبان سے نکلے وحی آسمانی سے زیادہ وقعت اور صداقت رکھتی ہے۔ اس لئے انہیں روحانی دنیا کی نسبت یقین دلانے اور حاضرات کے باور کرانے کے لئے اگر خود اہل یورپ کے مسلمات اور معتقدات پیش کئے جائیں تو انشاءاللہ ان کے لئے زیادہ وقیع اور معتبر ہوگا۔ سو اس جگہ ہم اہل یورپ کے آج کل کے روحانی حالات بیان کرتے ہیں۔ ناظرین اس بات سے تعجب تو ضرور کریں گے کہ کجا مادہ پرست یورپ اور کجا روحانیت۔ لیکن یہ بات بالکل حقیقت ہے۔ اور اس میں جھوٹ اور مبالغے کا ذراشمہ تک نہیں کہ اہل یورپ کو روحانی دنیا کا پتہ لگ گیا ہے۔ اور یاجوج ماجوج کی طرح قاف قلب میں سوراخ اور روزن نکالنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اب اس کی تفصیل ذرا غور سے سنیں۔

تقریباً سو سال سے اہل یورپ میں حاضرات ارواح کا علم جسے انگریزی میں (Spiritualism) کہتے ہیں۔ شائع اور رائج ہے۔ جس کا وہاں بڑا چرچا ہے۔ اور یہ علم وہاں ایک عالم گیر مذہب کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔ امریکہ میں کروڑہا آدمی اس نئے مذہب کے معتقد اور پیرو ہیں۔ اور یہ مذہب تمام یورپ میں پھیلا ہوا ہے۔ اور یورپ کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جس میں اس نئے مذہب کی بے شمار روحانی مجلسیں، بڑی بڑی انجمنیں، وسیع پیمانے پر سوسائٹیاں، ہزارہا لیکچرار اور سینکڑوں عامل یعنی میڈیم موجود نہ ہوں۔ بڑے بڑے ڈاکٹر، کیمسٹس، سائنس

دان، فلاسفر اور لارڈ حتیٰ کہ پارلیمنٹ کے ممبر تک اس نئے مذہب کی انجمنوں اور سوسائٹیوں کے خاص ممبر اور جوشیلے کارکن ہیں۔ یورپ میں ایسے روزانہ اخبارات اور ہفتہ وار رسالہ جات بہ کثرت جاری ہیں۔ جو ان روحانی انجمنوں کے کارنامے شائع کر کے پبلک تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ لنڈن میں سایکلک نیوز لنڈن ایک بڑا مشہور اخبار ہے۔ جس کی اشاعت بڑی وسیع ہے۔ اور اس قسم کے بے شمار اخبار اس علم کی اشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ اور وہاں اس علم کے کالج ہیں۔ اس علم کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ اور لنڈن برٹش کالج آف سایکلک سائنس لندن (BRITISH COLLEGE OF PSYSHIC SCIENCE LONDON) اس علم کا بہت بڑا کالج ہے۔ ہمارے دین سے برگشتہ مادہ پرست نئے تعلیم یافتہ طبقے کے بے شمار افراد جو دن رات ناولوں کی فرضی عشقیہ کہانیوں کے مطالعہ میں عمر گراں مایہ ضائع کر دیتے ہیں۔ اس علم کے نام سے بھی واقف نہ ہوں گے۔ حالانکہ اس علم اور مذہب کی کتابیں اگر لاکھوں نہیں تو ہزاروں کی تعداد میں ضرور یورپ کے ہر بڑے شہر میں موجود ہیں۔ جن کا مطالعہ وہ لوگ بڑے شوق سے کرتے ہیں۔ اور اس علم میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی اس علم اور مذہب کی انگریزی کتابیں بہت ہیں۔ لیکن ہمارے نئی روشنی والوں کو ناولوں کے مطالعہ اور سینما کے کھیلوں سے فرصت ہی کہاں کہ وہ ان علوم لطیفہ اور فنون نفیسہ کے مطالعہ کے لئے وقت نکال سکیں۔ یورپ میں روحوں کو حاضر کرنے کے جو جلسے اور حلقے قائم کئے جاتے ہیں انہیں روحانی جلسے (SPIEITUAL SEANCES) یا روحانی حلقے (SPISLTNAL CIRCLES) یا روحانی نشستیں (SPIRITUAL SUTCUGS) کہتے ہیں۔ ان روحانی حلقوں میں ایک عامل یعنی میڈیم (MEDIUM) کا وجود نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اور اسی پر سارے حلقے اور جلسے کی کامیابی کا دارومدار ہوتا

ہے۔میڈیم یا وسیط ایسا شخص ہوا کرتا ہے جس پر فطرتی اور قدرتی طور پر کوئی روح مسلط ہوا کرتی ہے۔ گو آج کل وہاں کالجوں میں اب یہ روحانی قابلیت یعنی میڈیم شپ (MEDIUM SHIP) کسی طور پر بھی حاصل کی جاتی ہے۔لیکن عموماً میڈیم اور وسیط فطرتی اور پیدائشی ہوا کرتے ہیں۔

ان حلقوں میں تین آدمی میز پر بیٹھتے ہیں۔جن میں ایک میڈیم ہوتا ہے۔اور دو اس کے معاون اور مددگار ہوتے ہیں۔باقی لوگ تماش بین ہوتے ہیں۔بعض دفعہ یہ حلقے سینکڑوں تماشائیوں کی موجودگی میں بڑی کامیابی کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان حلقوں میں روحیں آتی جاتی ہیں۔بولتی ہیں۔شکلیں دکھاتی ہیں۔بند مقفل کمروں سے بعض چیزیں اٹھا کر باہر لے جاتی ہیں اور بعض بیرونی چیزیں اندر لا کر ڈال دیتی ہیں۔اندر کا سامان الٹ پلٹ کرتی ہیں۔ڈھول باجے بجاتی ہیں۔میڈیم کو بند کمرے سے باہر اٹھا لے جاتی ہیں۔حاضرین کے جسموں کو چھو کر اپنے حاضر ہونے کا احساس کراتی ہیں۔دیواروں پر نقوش اور تحریر لکھ جاتی ہیں۔ بلکہ آج کل تو یہ علم وہاں اتنی ترقی کر گیا ہے کہ فوٹوگرافی (PHOTOGRAPHY) کے نہایت اعلیٰ سامان اور پلیٹیں پاس رکھ کر روحوں کی فوٹو لی جاتی ہیں۔ان حلقوں اور جلسوں میں روحیں حاضر ہو کر لیکچر دیتی ہیں۔اور ان کی آواز کے ریکارڈ بھرے جاتے ہیں۔غرض اتنے بے شمار عجیب وغریب کام کیے جاتے ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔اور مادی عقل اور سائنس ان کی توجیہہ اور تاویل سے عاجز اور قاصر ہے۔یہاں پر ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم اس علم کی مختصر سی ابتدائی تاریخ بیان کرتے ہیں۔ابتدا میں یہ علم کب، کہاں اور کس طرح شروع ہوا۔اور یورپ کے الحاد زدہ ملک میں اس کا رواج کیونکر ہو گیا۔اس علم کا پہلا عجیب وغریب واقعہ امریکہ کے ایک گاؤں ہیڈس فیل میں رونما ہوا جس کی تفصیل یوں ہے۔کہ اسی گاؤں ہیڈس فیل میں ۱۸۴۷ء کے اندر ایک شخص فیکمان نامی رہتا تھا۔اس کے گھر

میں رات کے وقت لگاتار کھٹ کھٹ کی آوازیں متواتر کئی دن تک سنائی دیتی رہیں۔اس کے گھر والے ان غیبی اور غیر مرئی آوازوں سے اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ چند ماہ کے بعد انہوں نے اس مکان کو چھوڑ دیا۔ان کے چلے جانے کے بعد ایک دوسرا شخص جان فوکس نامی اپنی بیوی اور دو بیٹوں کے ساتھ اس مکان میں مقیم ہوا۔ان کو بھی اس مکان کے اندر وہی کھٹ کھٹ اور پٹ پٹ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔انہوں نے جب اس کی اطلاع آس پاس کے لوگوں کو کی۔تو گاؤں کے لوگ اس خوفناک آواز کی تحقیق کے لئے دوڑے۔معلوم ہوا کہ کسی غیبی ہاتھ اور غیر مرئی چیز سے یہ کھٹ کھٹ کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ایک شخص میڈام فوکس نامی نے یہ خیال ظاہر کیا۔کہ یہ کام کسی روح کا ہے۔اور بتایا کہ یہ ایک مسافر مقتول کی روح ہے۔جس کا نام شارل ریان تھا۔واقعہ یہ ہے کہ چند سال پہلے یہ شخص سفر کرتا اور گھومتا ہوا اس گاؤں میں آ نکلا۔اور رات کو اس مکان میں ٹھہرا۔ایک دوسرے شخص نے جو پہلے اس مکان میں ٹھہرا ہوا تھا۔اس کے مملوکہ مال اور نقدی وغیرہ کی لالچ کے خیال سے اس کو قتل کر دیا۔جب کھٹ کھٹ کی یہ خبر ہر جگہ مشہور ہو گئی۔اکثر لوگ اس عجیب واقعہ روحانی کا مذاق اڑانے لگے۔بعض نے تو کہا۔کہ یہ صریح جھوٹ ہے۔ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔اس کے بعد جان فوکس بچارا اپنی بیوی اور بچوں سمیت تنگ آ کر ایک دوسرے شہر رولٹر نامی میں چلا گیا۔اس شہر میں بھی یہ خبر پھیلی۔وہ بے چارہ وہاں کے ملحد اور مادہ پرست لوگوں کے مذاق کی آماجگاہ بن گیا۔یورپ کے لوگوں میں ایک ممتاز وصف ہے۔کہ جب وہ ایک نئی چیز کو دیکھ لیتے ہیں تو اس کی تحقیق و تفتیش میں سب کے سب ہمہ تن محو اور مصروف ہو جاتے ہیں۔اور اسے معلوم کئے بغیر ہرگز نہیں چھوڑتے۔جب اس نئے واقعے کی بحث و تمحیص نے رولٹر میں طول پکڑا۔تو وہاں کے لوگوں نے واقعہ کی تحقیق کے لئے تین دفعہ علماء کی ایک کمیٹی بنا کر بھیجی۔لیکن کمیٹی کسی صحیح نتیجے پر نہ پہنچی تو لوگوں نے جان فوکس اور کمیٹی

کے ممبروں کو طعن و تشنیع کی آماجگاہ بنالیا۔ اخبارات کے لئے یہ تمام واقعات سرمایۂ ظرافت بن گئے۔ اور انہوں نے خوب مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ لیکن اس اثنا میں دوسرے مقامات پر اس قسم کے عجیب روحانی واقعات رونما ہونے لگے اور جا بجا تحقیقات شروع ہو گئی۔ اور جب اس کی صحت ثابت ہو گئی۔ تو صرف چار سال کے اندر اندر یہ مسئلہ تمام ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ پھیل گیا اور ہر جگہ اس کا چرچا ہو گیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس کھٹ کھٹ اور پٹ پٹ سے ٹیلیگراف کا کام لیا اور ہر جگہ روحانی جلسے اور حلقے قائم ہو گئے۔ لوگ میڈیم یعنی وسیط کے ہمراہ ایک بڑی میز کے اردگرد بیٹھ جایا کرتے۔ ایک شخص حروف تہجی پڑھتا۔ جب حروف مقصود پر پہنچتے اور کھٹ کھٹ کی آواز پیدا ہوتی یا میز کے پائے ہل جاتے تو اس حرف کو لکھ لیتے۔ اسی طرح تمام حروف کو ٹیلیگراف کی طرح جس وقت جمع کرتے اور ان کے الفاظ اور فقرے بنا کر دیکھتے تو وہ روح کی ایک معقول بات اور ان کے سوالات کے صحیح جوابات بن جاتے۔ اس طرح ابتداء میں روحوں کے ساتھ بات چیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اس علم میں مزید ترقی ہوتی گئی۔ ۱۸۵۴ء ابھی نہیں گذرا تھا کہ ان غیر طبعی حوادث کی تحقیق واشنگٹن کی پارلیمنٹ نے اپنے ذمے لے لی۔ یعنی ابتدائی حادثۂ مذکورہ کے آٹھ سال بعد خود واشنگٹن کی مجلس اعیان یعنی پارلیمنٹ کے ممبروں نے اس کی تحقیق کی طرف توجہ کی۔ کیونکہ پندرہ ہزار شخصوں کے دستخطوں کے ساتھ ایک طویل درخواست اعیان پارلیمنٹ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

''ہم ذیل کے دستخط کنندگان ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے باشندے آپ کی معزز مجلس کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ چند حوادث غیر طبعی اور غیر معمولی تھوڑے دنوں سے اس ملک میں اور یورپ کی اکثر اطراف میں ظاہر ہو رہے ہیں جو شمالی غربی اور وسطی امریکہ میں زیادہ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ ان حوادث کے متعلق

کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ عام پبلک بالکل مضطرب اور حیران و پریشان ہے۔ چونکہ اس درخواست کا اصل مقصد آپ حضرات کو اس طرف متوجہ کرنا ہے۔ اس لئے اس عریضہ میں کچھ حوادث کا بالاجمال تذکرہ عرض کئے دیتے ہیں۔

ا۔ ہزاروں عقلاء نے ایک پوشیدہ قوت کا مشاہدہ کیا ہے۔ جو بڑے بڑے اور بھاری اجسام کو حرکت دے دیتی ہے۔ اور ہر طرح سے اسے الٹ پلٹ دیتی ہے۔ جو بظاہر اصول طبعی کے خلاف اور ادراک بشری و طاقت کی حدود سے باہر ہے اب تک کوئی شخص بھی ان حوادث کی صحیح توجیہ نہیں کر سکا۔

۲۔ تاریک کمرہ میں مختلف شکل اور رنگ کی روشنی ظاہر ہوتی ہے۔ حالانکہ پہلے سے اس کمرہ میں کوئی اس قسم کا مادہ نہیں ہوتا۔ جو تولید عمل کیمیاوی یا تنویر فاسفورس یا سیال کہربائی کا باعث ہو۔

۳۔ ان حوادث میں سب سے عجیب بات جس پر توجہ کی زیادہ ضرورت ہے یہ ہے کہ مکان کے اندر مختلف قسم کی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ بعض وقت کھٹ کھٹ کی ایسی آوازیں آتی ہیں جو کسی نظر نہ آنے والی عاقل ذات پر دلالت کرتی ہیں۔ بعض وقت مشینوں اور کارخانوں کی مانند آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ کبھی سخت آندھی کی سرسراہٹ کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ کبھی ایسی آواز سننے میں آتی ہے۔ جیسے ہوا کی وجہ سے کسی دیوار پر موج کے ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے۔ کبھی زور کی کھڑک اور توپ کی سی ایسی آواز نکلتی ہے کہ آس پاس کے تمام مکانات گونج اٹھتے اور لرز جاتے ہیں۔ بعض وقت تو یہ آواز انسانی آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔ کبھی اس مکان سے باجے کی آوازیں نکلتی ہیں۔ حالانکہ اس مکان میں کوئی باجہ وغیرہ نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گراموفون یا ہارمونیم یا ستار یا سارنگی یا باجے خود بخود مکان کے اندر موجود ہو کر بجنے لگتے ہیں۔ بجانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ کبھی باجوں کی موجودگی کے بغیر یہ تمام آوازیں نکلتی رہتی ہیں۔ اور یہ تمام آوازیں قانون طبیعت کے مطابق نکلتی

ہیں۔ جن کا حدوث، تموجات ہوائی سے ہوتا ہے۔ اور باقاعدہ ہمارے ظاہری کانوں تک پہنچتی ہیں۔ محققین نے ان آوازوں کے ظاہر کرنے والوں کو معلوم کرنے کی بڑی کوشش کی۔ لیکن اب تک اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ ہم لوگ مناسب سمجھتے ہیں کہ ان دونوں اصولوں کو بھی اس جگہ بیان کردیں۔ جن کو اس مشکل کے حل کرنے کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ اول یہ کہ ان تمام حوادث کی نسبت مردوں کی ارواح کی طرف کی گئی ہے۔ نیز یہ کہ ان ارواح کا اثر ان عناصر وقیقہ میں ہوتا ہے جو تمام اشکال ہیولوی میں جاری اور ساری ہیں۔ اس کی تشریح خود اس کی پوشیدہ قوت نے کی تھی۔ جب کہ اس سے اس سوال کے متعلق سوال کیا گیا۔ دوم ہمارے ملک کی بڑی بڑی ممتاز ہستیاں اس کو تسلیم کرتی ہیں۔ لیکن دوسری ممتاز ہستیاں اس کا انکار کرتی ہیں۔ اور کہتی ہیں کہ اس کی تحقیق علوم نظر کی قوت کے ماتحت ہونی چاہیے تاکہ اس سے بالکل حقیقی سبب معلوم ہوسکے۔ جو ان تمام حوادث کے لئے صحیح وجہ ثابت ہوسکے۔

ہم لوگوں کی اس آخری رائے سے موافقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ تحقیق کے بعد ہم لوگ اس نتیجہ پر پہنچے کہ کوئی ایسی چیز ہے کہ اس علت کی مخالف ہے جس کو ان حوادث کی علت اور سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔ ہم لوگ آپ معزز حضرات کی مجلس سے پر زور درخواست کرتے ہیں۔ کہ یہ حوادث جو بظاہر ہورہے ہیں بالکل سچے اور یقینی ہیں۔ نیز ان کی تحقیق اور تفتیش جنس بشری کی مصلحت کے لئے اوق علمی مبحث کو چاہتی ہیں۔ لہذا آپ حضرات کی توجہ کی سخت ضرورت ہے۔ کیا ہر عقلمند یہ نہیں سمجھ سکتا کہ شاید ان حوادث کی تحقیق کوئی ایسا اہم نتیجہ پیدا کرے جو باشندگان امریکہ کی ادبی، مادی اور عقلی حالتوں کے لئے بہت زیادہ مفید ہو جو ہمارے اصول معیشت کو ہی بدل دے۔ نیز ہمارے ایمان اور ہمارے فلسفہ کی اصلاح کردے۔ نیز نظام عالم ہی کی ہیئت کو تبدیل کردے۔

ہم لوگ ایسے مسائل کی تحقیق کے لئے جن سے ہیئت اجتماعی کے لئے کوئی اہم نتیجہ پیدا ہو۔آپ حضرات کی معزز مجلس ہی کی طرف رجوع کرنا اپنے نظام اجتماعی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ہم ابنائے وطن آپ حضرات سے نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کرنے آئے ہیں کہ ان عجیب حوادث کے متعلق ہم لوگوں کی راہنمائی کریں۔اس طرح ہو کہ اس کے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کر دی جائے خواہ اس کے لئے کتنا ہی خرچ کیوں نہ ہو۔ہم لوگوں کو کامل یقین ہے کہ کمیٹی جو کچھ کرے گی۔اس کے نتائج سے ہماری ہیئت اجتماعی کو بہترین نفع پہنچے گا۔ہم لوگوں کو یہ امید ہے کہ آپ کی معزز مجلس ہماری اس عاجزانہ مگر اہم درخواست کو ضرور قبول فرمائے گی۔''

اس کے بعد واشنگٹن کی پارلیمنٹ نے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی ہے۔جس نے تحقیق و تفتیش کے بعد اس کی صحت کا اعلان کر دیا۔اس کے بعد یہ علم تمام ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں پھیل گیا یہاں تک کہ ۱۸۹۸ء میں امریکہ کے اندر اس مذہب کے تابعین دو کروڑ کی تعداد تک پہنچ چکے تھے۔ ۱۸۷۰ء میں عام روحانی مجلسیں بیس اور خاص انجمنیں ایک سو پچاس اور دو سو سات لیکچرار اور عام میڈیم یعنی وسیط بائیس تھے۔اس کے زبردست اور مشہور عالموں میں ادمون تھے۔جو پارلیمنٹ میں کئی بار منتخب ہو چکے تھے۔علامہ رابرٹ ہیر امریکی نے اس کے متعلق ایک کتاب تصنیف کی۔اسی طرح علامہ رابرٹ ڈال ادین نے بھی ایک کتاب حدود عالم غیب کے نام سے امریکہ میں لکھی۔گذشتہ صدی کے آخر میں تقریباً بائیس ایسے اخبارات تھے جو ان کمیٹیوں اور انجمنوں کے کارنامے شائع کر کے عام پبلک تک پہنچاتے تھے۔

یہ تمام علماء اس کی تحقیق اس وجہ سے کرتے تھے کہ لوگوں کو گمراہی سے بچائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم طبیعات، ریاضیات، سائنس اور فلسفہ وغیرہ سے بہرہ

یاب کیا تھا۔ جب اس واقعہ اور اس کے متعلق علماء امریکہ کی تحقیقات کی خبر انگریزوں کے کانوں تک پہنچی تو انگلستان میں بھی بڑے بڑے علماء اس کی تحقیق و تفتیش میں مصروف ہو گئے۔

چنانچہ لنڈن کی علمی انجمن نے جو ۱۸۶۷ء میں قائم ہوئی تھی۔ اپنے ایک جلسہ منعقدہ ۔ ۶ دسمبر ۱۸۶۹ء میں یہ تجویز پیش کی۔ کہ اس قسم کے روحانی حوادث کی تحقیق کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔ جو لوگوں کو صحیح حالات سے واقف کرے۔ چنانچہ یہ کمیٹی متواتر اٹھارہ مہینے تک تحقیق و تفتیش میں مصروف رہی۔ جب اس نے اپنی تحقیق کے بعد حادثۂ روحانی کی صحت کا اعلان کر دیا تو انگریز قوم متحیر ہو کر رہ گئی۔ علامہ والاس نے ایک کتاب تصنیف کی۔ جس کا نام "عجائب روحانی" ہے۔ ان علماء میں سے جو اس علم کے سخت مخالف تھے۔ ڈاکٹر جارج سا کسٹن بھی تھے۔ انہوں نے مخالفت چھوڑ کر پندرہ سال تک اس کا گہرا مطالعہ کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مطالعہ اور مشاہدہ کے بعد مجھے مذہب روحانی پر کامل یقین ہو گیا۔ اور میں نے اثنا تحقیقات میں اپنے متوفی عزیزوں، بزرگوں اور دوستوں سے بات چیت کی۔ ڈاکٹر شامیرس، ڈاکٹر ہیگن اور علامہ میرس وغیرہ نے بھی اس کی تحقیق کی۔ لنڈن میں ایک انجمن مباحث نفسیہ قائم کی۔ جس کی طرف سے ایک مجلہ اشباح الارواح کے نام سے بھی شائع ہوا۔ جو اس قسم کے غیر طبعی حوادث و واقعات سے متعلق تحقیقات لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔

امریکہ اور انگلینڈ کی طرح فرانس کے ارباب علم و فن کو بھی اس سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ اور اسی طرح یہ علم روحانیت جرمنی، روس، اٹلی، بلجیم، اسپین، پرتگال، ہالینڈ، سویڈن وغیرہ میں پھیل گیا اور تمام یورپ میں اس علم کی بے شمار سوسائٹیاں۔ انجمنیں قائم ہیں اور بے شمار کتابیں اس علم پر لکھی جا چکی ہیں۔ اور اخبارات اور رسالے اس علم کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ غرض یہ علم یورپ میں ہر جگہ رائج ہے

اور روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ اگر ہم یورپ کے اس جدید علم روحانی کے مفصل طور طریقے اس کی حقیقت اور اس کے مفصل حالات بیان کریں تو ایک علیحدہ ضخیم کتاب بن جاتی ہے۔ تاہم اس کے اہم اور ضروری حالات ناظرین کی دلچسپی کے لئے مختصر طور پر بیان کئے دیتے ہیں۔ گو اس فقیر کو اس قسم کے روحانی حلقوں میں بیٹھنے کا بظاہر کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ اور نہ ہمارے ملک پاکستان میں اس روحانی علم کی کوئی انجمن یا سوسائٹی موجود ہے لیکن میں اس روحانی مذہب اور روحانی علم یعنی سپریچولزم (SPIRITUALISM) کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس کی پوری تحقیق کی ہے کہ یہ کس قسم کی ارواح ہیں جنہیں یہ لوگ حاضر کرتے ہیں۔ اور اس علم کا کافی لٹریچر اور بہت کتابیں میری نظر سے گذری ہیں۔ یہاں ہر اس علم کا ذکر کر دینا اس لئے ضروری سمجھا کہ ہماری نئی روشنی کے دلدادہ نوجوان اہل یورپ کی تقلید کے اس قدر مفتون اور مجنون ہیں کہ اہل یورپ کے ہر قول و فعل اور ان کے ہر عقیدے اور نظریے کو وحی آسمانی سے بڑھ کر اور برتر سمجھتے ہیں۔ یہ ذہن نشین کر لیں کہ موت کے بعد زندگی اور روح کا وجود اور اسے سزا اور جزاء وغیرہ کا مسئلہ آپ کے مادی پیشوایان یورپ اور دانایان فرنگ کا تو اب ایک مسلمہ عقیدہ اور یقینی نظریہ بن چکا ہے۔ لیکن آپ ہیں کہ ابھی تک الحاد اور دہریت کے دجالی گدھے پر سوار نظر آتے ہیں۔ اور اسے جہنم کی طرف سرپٹ دوڑائے جا رہے ہیں۔ آپ لوگوں ہمارے علم حاضرات ارواح پر اگر کوئی شک اور شبہ ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ آپ آخر اپنے مادی پیشواؤں کے عقیدوں اور نظریوں کو تو ضرور مانیں گے۔ جن میں آپ کے بڑے بڑے فلاسفر، ڈاکٹر، سائنس دان اور دانا و مدبر سیاست دان بھی شامل ہیں۔ اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہ ہو تو آپ خود ان کی تصنیفات کا مطالعہ کریں۔ اور اگر اس پر بھی تسلی نہ ہو تو آپ کو اکثر ڈاکٹری، بیرسٹری، سائنس، فزیکس، انجینئری وغیرہ علمی شعبوں میں بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرنے کے لئے ولائت جانے کا بھی

اکثر اتفاق ہوتا ہے۔آپ وہاں جا کر ان روحانی حلقوں اور مجالس میں ذرا شریک ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں۔وہ کس قدر صحیح ہے۔لیکن آپ لوگوں کا وہاں بھی یہی حال ہے کہ اگر آپ کا علمی مشاغل اور فنی مصروفیتوں سے کچھ وقت بچ نکلتا ہے تو اسے ناولوں کے مطالعے، تھیٹروں کے نظاروں اور ناچ گھروں کے تماشے کی نذر کر دیتے ہیں۔اور جب اپنے وطن واپس لوٹتے ہیں تو بس اپنے پاپی پیٹ اور شریر شرم گاہ کو بھرنے اور خالی کرنے کا ایک کاغذی پرمٹ ہاتھ میں لئے ہوئے اسی دہریت اور الحاد کے گدھے پر سوار ہو کر آ دھمکتے ہیں۔اور اگر بھولے سے کبھی آپ سے کوئی شخص خدا اور رسول اور مذہب کی بات کر بیٹھے تو بس آپ نتھنے پھلا کر بڑبڑا اٹھتے ہیں۔ کہ اس علم اور روشنی کے زمانے میں ہمارے سامنے یہ دقیانوسی باتیں نہ کرو۔افسوس کس بے دردی سے آپ عقل اور دانش کا خون کرتے ہیں۔اور اس پر بھی آپ دانا اور روشن خیال کہلاتے ہیں۔اب ہم اس روحانی علم کے کچھ طور طریقے اس کی حقیقت اور اس کے کچھ مختصر حالات بیان کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی کوئی شہر ایسا نہیں۔جس میں اس قسم کی غیبی اور غیر مرئی آوازیں پیدا نہ ہوتی ہوں۔اور اس قسم کے غیر معمولی واقعات اور حادثات رونما نہ ہوتے ہوں۔ ہم لوگ اس قسم کے مکانوں کو جن بھوت کا مسکن کہہ کر خوف کے مارے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا کرتے ہیں۔اور اس میں کوئی شخص رہنے سہنے کی جرأت نہیں کرتا۔اور نیز ہمارے ملک میں وسیط یعنی میڈیم بھی بے شمار ہیں۔جن پر فطرتی اور پیدائشی طور پر کوئی مسلط ہوتی ہے۔جنہیں ہم جن بھوت کا آسیب یا کوئی مرض خیال کر کے نظر انداز کر دیتے ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ اہل یورپ جو بلا کے پرکالے ہیں۔ان لوگوں نے اس چیز کی تحقیق اور تفتیش کر کے اور اس سے سلسلۂ خبر رسانی قائم کر کے اس سے مفید نتیجے نکال لئے ہیں۔اور اس کو ترقی دے کر اسے ایک باقاعدہ علم اور جن کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔لیکن ہم لوگ ہیں کہ امریکہ کے

ہیڈس فیل گاؤں والوں کی طرح ابھی تک ان چیزوں سے بھاگتے پھرتے ہیں۔اور ہنوز ہم اس کی ابتدائی منزل سے ایک قدم آگے نہیں بڑھے۔ ہمارے اہل سلف بزرگان دین نے اپنے زمانے میں اس روحانی علم اور باطنی طاقت کے وہ حیرت انگیز کمالات اور محیر العقول خوارق عادات دکھائے ہیں کہ آج کے یورپ کے روحانی عامل سپر چولسٹ (SPIRITUALISTS) ان کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔اور یہ لوگ ان کے مقابلے میں طفل ابجد خوان سے بھی کم درجہ رکھتے ہیں۔لیکن ہم ہیں کہ ''پدرم سلطان بود'' کے خالی گھمنڈ پر اتراتے پھرتے ہیں۔اور ان گذرے ہوئے عزیز القدر بزرگوں کے نام کو بھی اپنے ناپاک اور غلیظ پندار سے سخت بٹے اور غلیظ دھبے لگا رہے ہیں۔معصیت اور نافرمانی میں سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے ہیں۔اور پھر بھی خدا کے پیارے اور محبوب ہونے کا گھمنڈ ہے۔ دربدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔لیکن جنت کے ٹھیکیدار ہونے کا دعویٰ دامن گیر ہے۔چیتھڑے اور جوئیں تو سنبھال نہیں سکتے۔لیکن خیر امتہ کہلانے کا بھوت سر پر سوار ہے۔ذلت اور مسکنت کا پیکر بنے بیٹھے ہیں۔لیکن تقدس اور پاکبازی کا نشہ سر میں ایسا سمایا ہے کہ کبھی اترتا نہیں۔غرض ہماری ناخلف امت ایک ایسے لاعلاج عصبی مرض میں مبتلا ہے کہ جس سے جانبر ہونا محال نظر آتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس امت مرحومہ کے حال پر رحم فرماوے۔اہل یورپ کے نزدیک اس علم کے حصول کے تین بڑے اصول ہیں۔ اول غور اور فکر جسے میڈیٹیشن (MEDITATION) کہتے ہیں۔دوم تصور اور تفکر یعنی خیال کو ایک مرکز پر جمانے کی مشق کرنا۔جسے کنسنٹریشن (CONCENTRATION) کہتے ہیں۔سوم اپنے حواس سے بات چیت کرنے اور خبر رسانی کے بہت طریقے ہیں۔ لیکن خاص بڑے طریقے حسب ذیل ہیں۔

(۱) اول اس غرض کے لئے ایک بڑی میز بنائی جاتی ہے جس کے نیچے پہیے لگے

ہوئے ہوتے ہیں جو روح کی تھوڑی سی طاقت سے پھرنے اور ہلنے لگ جاتی ہے یا اس میں کچھاؤ پیدا ہو جاتا ہے جس کے گرد ایک میڈیم یعنی ایک عامل اور اس کے آس پاس دو معاون و مددگار اور باقی تماشائی بیٹھ جایا کرتے ہیں۔ ہر حلقے اور میٹنگ میں میڈیم اور عامل کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ اور روح اس میڈیم پر فطرتی طور پر مسلط ہوتی ہے۔ اول اسے حلقے کے اندر دعوت دی جاتی ہے۔ اسے رہنمائے روح یا گائیڈ سپرٹ کہتے ہیں۔ اور اس کے ذریعے دوسری مطلوبہ روحوں کی حاضرات کی جاتی ہے۔ روح کو حاضر کرنے کے لئے میڈیم یا عامل کو استغراق یا بیہوشی میں جانا پڑتا ہے۔ جسے انگریزی میں (TRANCE) بولتے ہیں۔ میڈیم گاہے تو خود توجہی سے اپنے اوپر استغراق یا بے ہوشی طاری کر لیتا ہے یا اسے معاون اور مددگار ہپناٹزم کی مقناطیسی نیند سلا کر بے ہوش اور بے خود بنا دیتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کی مسلط روح یا بھوت اس کے سر پر آ کر سوار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد اس سے سلسلۂ کلام اور بات چیت شروع کی جاتی ہے۔ کلام اور بات چیت ابتدائی حالت میں ٹیلی گراف کی طرح کھٹ کھٹ اور پٹ پٹ کے اشاروں سے کی جاتی ہے۔ یعنی بعض وقت ایک بار کی کھٹ کھٹ سے بات کا اثبات اور دو دفعہ کی کھٹ کھٹ سے سوال کی نفی مراد لی جاتی ہے۔ ایک شخص میز پر مطلوبہ سوال کرتا ہے۔ اور اس کی نفی یا اثبات کو روح کی ایک دفعہ یا دو دفعہ کی کھٹ کھٹ سے معلوم کیا جاتا ہے۔

(۲) دوم۔ اس سے زیادہ ترقی یافتہ صورت یہ ہوتی ہے کہ جس وقت میڈیم پر روح مسلط ہو جاتی ہے۔ اور میز پھرنے اور ہلنے لگ جاتی ہے اور کھٹ کھٹ کی آوازیں آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ تو ایک شخص میز پر حروف تہجی پڑھتا جاتا ہے۔ اور جس حرف پر کھٹ کھٹ کی آواز آتی ہے اس حرف کو ایک شخص لکھ لیتا ہے۔ اور اس طرح جو حروف جمع ہو جاتے ہیں۔ ان کے الفاظ اور فقرے جوڑ کر اپنے سوال کا

جواب اور روح کی بات معلوم کی جاتی ہے۔ یہ اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ مسلط روح تعلیم یافتہ ہوتی ہے۔

(۳) سوم۔ میز کے اوپر ایک دل کی شکل کی گاؤدم لکڑی بنائی جاتی ہے۔ جس کا سرا لمبا ایک پوائنٹر کی طرح ہوتا ہے۔ اس کے نیچے تین پھرنے والے پہیے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ تاکہ روح کی تھوڑی سی طاقت سے ادھر اُدھر ہلنے لگیں۔ میڈیم اپنے دونوں ہاتھ اس دل کی شکل کی گاؤدم لکڑی پر رکھ دیتا ہے۔ اور وہ معاون اور مددگار بھی گاہے اپنے ہاتھ کی انگلیاں میڈیم کے ہاتھوں پر رکھ دیتے ہیں۔ تاکہ روح کے ساتھ رابطہ قائم کیا جائے۔ میز کے سامنے حروف تہجی لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور روح میڈیم کے جسم میں حلول کر کے باری باری سے حروف تہجی کے تیس حروف میں سے ایک ایک کی طرف اس گاؤدم لکڑی کے سرے سے اشارہ کرتی جاتی ہے۔ اور میز پر ایک آدمی ان حروف کو نقل کرتا جاتا ہے۔ اسی طرح جو حروف جمع ہو جاتے ہیں۔ ان سے ٹیلی گرام کی طرح الفاظ اور فقرے جوڑ کر روح کی مطلوبہ بات بنالی جاتی ہے۔

(۴) چوتھا طریقہ یہ ہے کہ میڈیم یعنی عامل اپنے ہاتھ میں پنسل رکھتا ہے۔ اور روح اس پر مسلط ہو کر اس کے ہاتھ کو غیر ارادی حرکت دے کر نیچے کاغذ یا تختی پر اپنا مطلب لکھتی جاتی ہے۔ یہ زیادہ ترقی یافتہ میڈیم اور پڑھی لکھی روح کا کام ہوتا ہے۔

(۵) پانچواں طریقہ یہ ہے کہ ایک ڈبیا کے اندر پنسل اور خالی کاغذ رکھ دیئے جاتے ہیں۔ اور میڈیم اس ڈبیا یا چھوٹی صندوق پر اپنا ہاتھ رکھ دیتا ہے تو وہ اوراق خود بخود روح کی اپنی تحریر سے مرقوم ہو جاتے ہیں۔

(۶) چھٹا طریقہ یہ ہے کہ روح میڈیم کی زبان سے بولتی ہے اور سوالوں کو جواب دیتی ہے۔ حاضرین سے خطاب کرتی ہے اور لیکچر دیتی ہے۔ بعض دفعہ روح

مجسم اور مرئی شکل اختیار کر کے حاضر ہوتی ہے۔ حاضرین کو چھوتی ہے۔ چیزوں کو الٹ پلٹ دیتی، گھنٹیوں، باجوں اور ڈھولوں کو بجاتی ہے۔ گاہے میڈیم کو بھی اٹھا کر لے جاتی ہے۔ مقفل کمروں کے اندر سے چیزیں اٹھا کر باہر لے جاتی ہے اور باہر کی چیزیں اندر لا کر ڈال دیتی ہے۔ غرض عجیب وغریب مادی عقل اور ادراک سے بعید حرکتیں اور کام کرتی ہے جس کی توجیہہ سے سائنس اور فلسفہ آج تک عاجز ہے اور انسانی عقل اس کے ادراک اور فہم سے قاصر ہے۔

ذیل میں ہم ان روحانی علموں کے چند نادر اور عجیب وغریب واقعات جو ان سے روحوں کے ذریعے ظاہر اور رونما ہوئے ہیں، درج کرتے ہیں۔

(۱) اول واقعہ ایک جرمن میڈیم مسمی ڈاکٹر سرپاکس اپنی کیفیت یوں بیان کرتا ہے کہ میں نے روح کے ذریعے کاغذ پر لکھنے کی انیس دفعہ کوشش کی۔ اور میری سب نشستیں بے نتیجہ ثابت ہوئیں۔ لیکن بیسویں مرتبہ جب میں حاضرات کے لئے بیٹھا۔ تو میں نے ایک غیر مالوف برودت اور ساتھ ہی ایک غیر ارادی حرکت اپنے ہاتھ میں محسوس کی۔ بعدہٗ ایک سرد ریح اور ہوا میرے چہرے اور ہاتھ پر چلی۔ اس کے بعد میرا ہاتھ غیبی تحریر پر چل پڑا۔ اور میں غیر ارادی طور پر عالم ارواح کی خبریں لکھنے لگ گیا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ میں روحانی باتیں لکھتے وقت اپنے پاس بیٹھے ہوئے احباب سے باتیں بھی کیا کرتا۔ اور میرا ہاتھ غیبی روحانی معقول باتیں لکھتا جاتا۔

(۲) واقعہ دوم۔ ولیم کروکس لکھتے ہیں کہ ہم نے ایک عامل آنس فوکس کو دیکھا کہ وہ ایک جگہ پر مقالہ روحانی بھی لکھتے۔ اور اسی وقت کوئی دوسرا موضوع میز کی طرقات کے ذریعے کسی میڈیم کو لکھواتے۔ اور ساتھ ہی کسی تیسرے آدمی کے ساتھ کسی مخالف موضوع پر بہت آسانی کے ساتھ کلام بھی کرتے۔

(۳) ایک عامل کا بیان ہے کہ ایک لڑکے کو ہم نے دیکھا جو کہ میڈیم شپ کیا

کرتا تھا۔ وہ علم اور تہذیب سے بالکل عاری تھا۔ ہم نے روح کے استیلا کے وقت اس سے علم فلسفہ، علم منطق اور علم معرفت کے مسائل مثلاً علم غیب و ارادہ اور قدرت کے مسائل دریافت کئے تو اس نے ان سب کے مفصل جوابات نہایت بلیغ اور فصیح عبارات میں ادا کئے۔ حالاں کہ اسے ان علوم کی ذرا بھی واقفیت نہیں تھی۔

(۴) واقعہ چہارم۔ ایک لڑکی کی نسبت تحقیق کی گئی کہ وہ روح کے مسلط ہونے کے وقت آٹھ مختلف زبانوں مثلاً فرنچ، ہسپانوی، یونانی، اطالوی، پرتگالی، لاطینی، ہندی اور انگریزی میں کلام کرتی تھی۔ حالاں کہ وہ صرف انگریزی جانتی تھی۔

(۵) پانچواں واقعہ۔ ولیم کروکس کا بیان ہے کہ ایک روحانی حلقے کے اندر جس میں مسٹر ہوم میڈیم تھے۔ فلورنس کوک کی روح بالکل مرئی اور ظاہری صورت میں ظاہر ہوئی۔ اور میں نے ہاتھ میں ہاتھ ملا کر مکان کے اندر اس کے مشایعت کی۔

(۶) چھٹا واقعہ۔ بارون گلاسٹو یہ لکھتے ہیں کہ ماہ آب کی تیرہ تاریخ ۱۸۸۶ء کو میں ایک سفید ورق اور پنسل مقفل ڈبیہ میں رکھے اور اس کی کنجی اپنے پاس رکھی تو میرے تعجب کی کوئی حد نہ رہی۔ جب میں نے اس کو کھولا تو لکھا ہوا پایا۔ پھر اسی روز میں نے اس عمل کو دس دفعہ آزمایا اور ہر دفعہ کامیاب ہوا اور ڈبیا میرے سامنے کھلی پڑی رہتی۔ اور عبارتیں خود بخود میرے سامنے لکھی جاتیں۔ بعدہٗ میں نے سفید کاغذ میز پر بغیر قلم اور پنسل کے رکھا تو وہ بغیر کسی کے ہاتھ لگانے کے لکھے ہوئے اور مرقوم پائے گئے۔

اس فقیرؔ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ یہ فقیر اپنے ایک دوست کے ہاں جو خوشاب میں سکول ماسٹر تھے مقیم تھا۔ اس کے چند احباب میرے پاس ایک بڈھے نیلگر کو لے آئے۔ کہ اسے کسی جن بھوت کا مدت سے آسیب ہے اور اسے تنگ کیا کرتا ہے۔ اس کا کچھ علاج کریں کہ یہ آسیب اس سے دفع ہو جائے۔ ہمارے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ ان بھوت پریت سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کیا کرتے

ہیں۔ چنانچہ بعض دکاندار عامل انہیں حاضر کر کے آسیب زدہ کو بری طرح مارتے اور ستاتے ہیں۔ خیر وہ نیل گر میرے سامنے بٹھایا گیا۔ میں نے تھوڑا سا کلام پڑھا تو جن حاضر ہو گیا۔ اس نیل گر کا تمام حلیہ بدل گیا۔ اور اس کا چہرہ سخت ڈراؤنا اور ہیبت ناک صورت اختیار کر گیا۔ حتیٰ کہ اس مجلس کے اندر جس شخص کی طرف دیکھتا وہ تھر تھر کانپنے لگ جاتا۔ آخر وہ نیلگر سنسکرت زبان کے شلوک اور منتر ایسی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ پڑھنے لگا گویا کوئی وِدوان اور پنڈت ہے۔ اس نے مجھ سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ مہاراج کرپا کرو۔ میں ہندو جوگی ہوں۔ تیرے دو بچوں کی خیر (اس وقت میرے دو لڑکے تھے) میں آپ کی گئو (گائے) ہوں۔ مجھے کچھ نہ کہو۔ اس نے اس قسم کی بہت منت سماجت کی باتیں کیں۔ آخر میں اس نے مجھے خوش کرنے کے لئے میری نسبت کچھ پیشین گوئیاں بھی کیں جو بعد میں حرف بحرف صحیح نکلیں۔ بعدہٗ اس نے مجھے کہا کہ مجھے اب جانے دو۔ چنانچہ میں نے اسے کہا کہ جاؤ۔ تب وہ نیل گر ایک لمبی انگڑائی لے کر اپنی اصلی حالت اور ہیئت پر آ گیا۔ جب اس نیلگر سے پوچھا گیا کہ آسیب کے چڑھ جانے اور روح کے مسلط ہو جانے کے بعد تجھے کچھ ہوش رہتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس وقت مجھے کچھ ہوش نہیں رہتا۔ اور نہ میرا اختیار اور ارادہ باقی رہتا ہے۔ جو کچھ بولتی اور کام کرتا ہے، وہ جن بھوت یا روح کہتی اور کرتی ہے۔ جو مجھ پر مسلط ہو جایا کرتی ہے۔ بعدہٗ اس نے یہ بھی بتایا کہ مجھ پر اس طرح شدت کے ساتھ یہ روح اس سے پہلے کبھی مسلط نہیں ہوئی جس طرح اب کی دفعہ ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کے تسلط سے میرا جسم اور ہر عضو درد کرتا ہے۔

غرض انسانی جسم ایک ظرف اور برتن کی طرح ہے۔ اور سفلی اور علوی روح اس میں اس طرح حلول کر جاتی ہے جس طرح برتن میں مائع چیز مثلاً پانی، عرق یا روغن وغیرہ ڈالنے سے فوراً اسی برتن کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

یورپ میں روحوں کو حاضر کرنے اور دعوت دینے کے لئے بعض امدادی کام کئے

جاتے ہیں جو کہ گویا ان کی روحانی غذا اور خوراک کا کام دیتی ہے۔ اور ان کی طرف مائل اور راغب ہو کر روحانی حلقوں میں جلدی اور آسانی سے حاضر ہوتی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک چیز راگ اور گانا بجانا بھی ہے۔ اس سے ایک تو میڈیم (وسیط) کے وجود میں عالم ارواح کی طرف تحریک اور ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ دوم ارواح کو راگ اور گانے بجانے سے انس ہے۔ وہ ایسی مجلسوں اور محفلوں کی طرف جہاں راگ اور گانا بجانا ہو رہا ہو، جلدی مائل اور راغب ہوتی ہیں۔ سوم خوشبو وغیرہ مثلاً بخور کی دھونی دی جاتی ہے اور پھول رکھے جاتے ہیں۔ ان سے بھی روح کی حاضرات میں مدد ملتی ہے۔ چہارم۔ جن مکانات کے اندر ارواح کی حاضرات کی جاتی ہے۔ وہ تقریباً تاریک رکھے جاتے ہیں اور روشنی کم کر دی جاتی ہے یا مکان کے اندر سرخ روشنی کی جاتی ہے۔

اب ہم ان غیبی چیزوں کی نسبت اپنی رائے لکھتے ہیں کہ یہ کیا چیزیں ہیں۔ جنہیں یہ لوگ حاضر کرتے ہیں سو یاد رہے کہ غیبی عالموں اور لطیف روحانی جہانوں میں سب سے نیچے اور ادنیٰ عالم ناسوت کا اسفل ترین جہان ہے۔ جو تمام سفلی نفوس کا مسکن ہے۔ اس میں جن بھوت، شیاطین اور سفلی ارواح رہتی ہیں۔ انسانی وجود میں لطیفۂ نفس ان سفلی لطیف مخلوق کے ہم جنس ہوا کرتا ہے تو بعض دفعہ موقع پا کر جن شیاطین اور سفلی ارواح میں سے وہ ہم جنس مخلوق اس میں داخل ہو کر حلول کر جاتی ہے اور اس سے مل جل کر اتحاد پیدا کر لیتی ہے۔ اور انسان کے وجود میں اپنا مسکن اور گھونسلا بنا کر ہمیشہ کے لئے اس میں رہائش اور سکونت اختیار کر لیتی ہے۔ اور جس طرح پرندہ اپنے آشیانے اور گھونسلے میں آجایا کرتا ہے۔ اسی طرح یہ روح انسانی وجود میں وقتاً فوقتاً آیا جایا کرتی ہے۔ اور جب ایک روح اس میں جگہ اور روزن بنا لیتی ہے تو وہ دیگر جن اور شیاطین اور سفلی ارواح کے لئے بھی مسکن اور روزن بن جاتا ہے اور جب اس قسم کی کوئی روح انسانی وجود میں داخل ہوتی ہے۔ تو اس کے

تمام جسم، دل، دماغ اور حواس پر قبضہ جمالیتی ہے۔اور اصلی ساکن مکان کو تقریباً اسی وقت بے دخل اور خارج کر دیتی ہے اور وہی غاصب روح اس میں بولتی چلتی، سوچتی سمجھتی اور کام کاج کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ یورپ میں ان سفلی ارواح کے میڈیم اکثر عورتیں ہوا کرتی ہیں۔اور ہمارے ملک میں بھی عورتیں ہی آسیب زدہ ہوا کرتی ہیں۔اور مرد بہت کم ہوتے ہیں۔کیونکہ عورتوں کا دل اور دماغ فطرتی طور پر کمزور ہوا کرتا ہے۔اور یہ ناقص العقل اور ناقص الدین ہوا کرتی ہیں۔لہذا جن شیاطین اور سفلی ارواح ان کے وجود پر آسانی سے تصرف اور قبضہ جمالیتی ہیں۔جن شیاطین اور سفلی ارواح کا یہ ناسوتی عالم باقی لطیف غیبی عوالم کی نسبت ہمیں سب سے زیادہ نزدیک ہے اور اکثر ہمارا نفس خواب کے اندر اسی عالم میں رہتا ہے۔جن شیاطین اور سفلی ارواح بعض دفعہ بدنی اور عصبی امراض کا موجب بن جایا کرتی ہیں جو کسی طرح ظاہری دواؤں سے علاج پذیر نہیں ہوتے۔یہی وجہ ہے کہ یورپ میں جو میڈیم شپ کا پیشہ کرتے ہیں عموماً ان کی صحت اچھی نہیں رہتی۔لیکن چونکہ یورپ کے لوگوں نے اس علم تسخیر الارواح کو ایک پیشہ بنا رکھا ہے وہ لوگ اس سے تجارت کرتے ہیں۔چنانچہ ہر روحانی حلقے اور جلسے میں شامل ہونے والوں سے فیس لی جاتی ہے۔اور ٹکٹ کے ذریعے داخل ہونا پڑتا ہے۔اس لئے ہر حلقے اور نشست میں میڈیم کے لئے کافی رقم جمع ہو جاتی ہے۔اور جو عامل و میڈیم زیادہ زبردست اور عجیب وغریب کرشمے دکھانے والے ہوتے ہیں۔ان کے حلقوں اور جلسوں میں بیٹھنے والوں اور تماشائیوں کا بڑا رش اور انبوہ ہوتا ہے۔ایسے حلقوں میں سیٹیں اور نشستیں ایک دو ماہ پہلے ہی بک ہو جایا کرتی ہیں۔اور وہاں ٹکٹ حاصل کرنا بہت مشکل ہو جایا کرتا ہے۔سو افسوس ہے کہ ان زر پرست نفسانی لوگوں نے ایسے نفیس اور نادر علم کو بھی ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔اور بجائے نصیحت اور عبرت حاصل کرنے کے اس سے چند روزہ متاع دنیا حاصل کی جاتی ہے۔

ہماری اس کتاب میں اہل یورپ کے حاضرات ارواح کے واقعات اور حالات بیان کرنے کا مقصد اور غرض یہ ہے کہ قرآن کریم میں پیغمبروں کے جس قدر معجزات اور روحانی کمالات مذکور ہیں۔ ان پر سچے دل سے ایمان لے آئیں۔ مثلاً سلیمان علیہ السلام کی روحانی طاقت کے ذریعے تخت بلقیس کا حاضر کرنا جب ایک غیبی مخلوق کے لئے ایک بند مقفل کمرے سے ٹھوس وزنی چیزیں اٹھا کر باہر لے جانا اور باہر کی چیز اٹھا کر اندر لے آنا صحیح ہوسکتا ہے تو سب سے بڑے عالموں کے سردار حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے پیغمبر کی روحانی طاقت سے یہ ہرگز بعید نہیں ہے۔ اسی طرح تمام پیغمبروں کے معجزات اور اولیاؤں کی کرامات کو قیاس کر لینا چاہیئے۔ کہ وہ لوگ فرشتوں اور اعلی روحوں کی حاضرات کر کے ان سے ایسے حیرت انگیز کام لیا کرتے تھے کہ عقل انسانی اس کے فہم وادراک سے عاجز رہ جاتی ہے۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

یورپ میں تحضیر الارواح کے حلقوں میں یہ ارواح اکثر میڈیم کے پیٹھ پیچھے اور بائیں جانب نمودار ہوتی ہیں اور یہ بات جن شیاطین اور سفلی ارواح سے مخصوص ہے کہ وہ ہمیشہ عامل کے پیچھے اور بائیں جانب سے آ کر حاضر ہوتی ہیں۔ دیگر ان ارواح کے حاضر ہونے سے پہلے بند کمروں میں سرد ہوا چلتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کمرے کا ٹمپریچر کافی حد تک گر جاتا ہے اور گاہے گاہے کمرے کے پردوں یا کسی اور چیز کو آگ بھی لگ جایا کرتی ہے۔ اور اکثر اوقات جب میڈیم عورت ہوتی ہے تو استیلاءِ روح کے وقت ننگی ہو جایا کرتی ہے۔ ان سب حرکات اور اس قسم کے دیگر افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کام جن شیاطین اور سفلی ارواح کے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان حلقوں میں گاہے نیک ارواح بھی آ جاتی ہوں۔ موت کے بعد کے جو واقعات اور حالات ان ارواح کے ذریعے معلوم ہوئے ہیں۔ وہ سب ہمارے اسلامی عقائد اور مسائل سے ملتے جلتے ہیں۔ چنانچہ روحوں نے اپنے ذیل کے

حالات اور واقعات بیان کئے ہیں۔

(۱) ارواح اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو بجنسہٖ گوشت اور ہڈیوں کے ڈھانچوں میں دیکھتے ہیں اور جب زندہ لوگ کسی مردے کی وفات پر روتے ہیں۔تو مردوں کو اس سے بڑا دکھ پہنچتا ہے (شارع اسلام نے مردوں پر رونے اور ماتم کرنے سے منع فرمایا ہے)

(۲) زندگی میں اگر کوئی شخص اندھا یا لنگڑا یا جسمانی طور پر ناقص یا معیوب ہوتا ہے تو موت کے بعد عالم برزخ میں وہ نقص نیک عمل کی وجہ سے رفع ہو جاتا ہے اور وہ صحیح وسالم ہوتا ہے۔

(۳) موت کے بعد ارواح کو عالم برزخ میں اپنے بد اعمال اور برے کرداروں کے سبب سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔

(۴) باطن میں عالم ارواح کے سات عالم اور جہان ہیں۔ نیک اور پاک ارواح عالم بالا کے نہایت اعلیٰ اور عمدہ طبقوں میں رہتی ہیں۔ اور نہایت چین، راحت اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتی ہیں۔اور ادنیٰ سفلی ارواح نیچے کے سفلی عوالم میں رہتی ہیں اور سزا پاتی ہیں۔

(۵) وہاں علوی ارواح کے لئے دوسرے جہان میں باغ باغیچے، محلات، مدرسے اور دیگر سامان عیش مہیا رہتے ہیں۔

(۶) مرد اور عورت کی جنسی تمیز وہاں بھی قائم رہتی ہے لیکن عالم برزخ میں شادی، نکاح اور تولد وتناسل کا سلسلہ نہیں ہے۔

(۷) روحوں کا بیان ہے کہ تناسخ اور آواگون کا مسئلہ بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔اور روح واپس دنیا میں ہرگز جنم نہیں لے سکتی۔اور ہر روح کیلئے دنیا میں ایک بار آنا ہے اور ایک ہی جسم مخصوص ہے۔

(۸) موت کا وقت مقرر ہے اور اس سے آگے پیچھے ایک سیکنڈ نہیں ہو سکتا۔

(۹) روحوں کے لئے دوسری دنیا میں روحانی پیشوا، مربی اور مرشد ہیں۔ جو انہیں روحانی تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ اور الگ الگ باطنی مدرسے اور کالج ہیں۔ اور ان کے خاص قانون اور قواعد ہیں۔

(۱۰) روحوں کو بعض آئندہ مستقبل کے حالات اور واقعات معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ زندہ لوگوں کے پاس آتی ہیں۔ اور ان سے خواب، مراقبے یا بیداری میں ملاقات بھی کرتی ہیں۔

(۱۱) روحیں اپنے خویش و اقارب اور دوستوں کی حتی الوسع ان کے دنیوی کاروبار اور مہمات میں امداد بھی کرتی ہیں اور ان کی خوشی اور کامیابی سے خوش ہوتی ہیں اور ان کے غم سے اندوہگین ہوتی ہیں۔ سو اس قسم کے دوسرے حالات اور واقعات ہیں جو اسلامی اور مذہبی عقائد سے بالکل ملتے جلتے ہیں۔

یورپ کے سپر چولسٹ یعنی عاملین روحانیات جن غیبی لطیف مخلوق کی حاضرات کرتے ہیں۔ وہ عالم ناسوت کے جن شیاطین اور سفلی ارواح ہیں۔ جو ان کے پاس آتے ہیں۔ اور ان سے بات چیت کرتے اور طرح طرح کے روحانی کرشمے دکھاتے ہیں۔ یہ غیبی لطیف مخلوق دنیا میں آ کر جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان کی ارواح جمادی، نباتی، حیوانی اور روح انسانی سے اتحاد پیدا کر کے ان کے اندر حلول کر جاتی ہیں۔ اس غیبی لطیف مخلوق کی دو قسمیں ہیں ایک نوری دوم ناری۔ نوری مخلوق کے اس دنیا میں آنے کی غرض و غایت خلق خدا کو فیض اور نفع پہنچانا ہوتا ہے۔ اور ناری مخلوق خلق خدا کو دکھ پہنچانے اور انہیں گمراہ کرنے کیلئے اس دنیا میں آیا کرتی ہے۔ چنانچہ سفلی ناسوتی ناری مخلوق میں سے ایک قسم شیاطین کی ہے۔ جن کا کام لوگوں کو گمراہ کرنا، انہیں شرک اور کفر میں مبتلا کرنا اور فسق فجور اور معصیت کی طرف راغب کرنا ہے۔ اس گمراہی کے کام میں ان شیاطین کے ہمراہ برے جن اور بد ارواح بھی امدادی ہو جایا کرتی ہیں۔ چنانچہ پرانے زمانوں میں بتوں کے اندر یہ

شیاطین حلول کر کے لوگوں کو شرک، کفر اور بت پرستی میں مبتلا رکھتے۔ بتوں کے اندر سے ان کے سوالوں کے جوابات دیتے۔ پیشین گوئی کرتے اور طرح طرح کے غیبی کرشمے دکھا کر لوگوں کو بتوں کی غیبی امداد اور ان کی الوہیت کے قائل اور معتقد بنائے رکھتے۔ چنانچہ اس کی ایک مثال قرآن کریم میں سامری کے بچھڑے کی بیان کی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے قوم فرعون اور بنی اسرائیل سب بت پرست تھے۔ جب بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ان پر ایمان لے آئے اور فرعون بمعہ لشکر غرق ہو گیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر سالہا سال تک جنگلوں اور بیابانوں میں پھرتے رہے اور اپنی قوم کو اور دیگر لوگوں کو توحید کی تعلیم دیتے رہے۔ اسی اثنا میں بنی اسرائیل کا گذر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے بتوں کی پوجا پاٹھ اور ان کے آگے رقص و سرود میں مشغول تھی تو اپنی قدیم رسم کے تقاضے نے ان کے دل میں بھی بت پرستی کا شوق پیدا کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا۔ قالوا یموسی اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ ط ۔ یعنی اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی ایک ایسا ٹھوس معبود بنا دے۔ جس طرح ان لوگوں کا معبود ہے۔ تاکہ ہم بھی اس کی عبادت اور پرستش سے اسی طرح حظ اٹھائیں۔ جس طرح یہ لوگ گا بجا کر اٹھا رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ لوگ گمراہ ہیں۔ کیا تم بھی ان کی طرح گمراہ ہونا چاہتے ہو۔ غرض جب موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ اپنی قوم سے تیس دن کا وعدہ کر کے اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے اور اپنی قوم کے لئے نئے احکام لانے کے لئے کوہ طور پر گئے اور بجائے تیس روز کے آپ کو دس روز اور بھی لگ گئے تو قوم سمجھی کہ موسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ اس وقفہ میں سامری نے جو بڑا ساحر تھا، موقع غنیمت سمجھ کر قوم کے مال غنیمت سے سونے چاندی کا ایک بچھڑا تیار کیا۔ اور اس میں اپنے سحر کے ذریعے ایک شیطانی روح کو داخل کیا جو کہ زندہ بچھڑے کی طرح آواز نکالتی تھی۔ ان لوگوں کی سرشت میں پہلے ہی سے بت پرستی کا

خمیر موجود تھا۔ سامری نے اس سے فائدہ اٹھا کر لوگوں سے کہا کہ یہی تمہارا اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہے۔ اور اب تمہارے پاس ٹھوس مادی شکل میں نمودار ہو گیا ہے۔ تا کہ تم اس کی پوجا کرو۔ چنانچہ ساری قوم اس کو پوجنے لگ گئی۔ گو ہارون علیہ السلام نے لوگوں کو بہتیرا سمجھایا اور نصیحت کی کہ اس شرک کے کام سے باز آ جاؤ اور یہ سامری کے سحر کا کرشمہ ہے یہ معبود نہیں ہو سکتا۔ لیکن بنی اسرائیل کے اکثر لوگ اسے پوجتے رہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے واپس آ کر اپنی قوم کو یوں بت پرستی میں مبتلا پایا تو آپ کو سخت رنج اور افسوس ہوا۔ اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی سخت سست کہا۔ بعدہٗ سامری کو بلا کر اس سے کہا کہ قال فما خطبک یسامری۔ یعنی اے سامری! یہ تو نے کیا کام کیا۔ جس پر سامری نے جواب دیا۔ کہ

بصرت بما لم یبصروا به فقبضت قبضة من اثر الرسول فنبذتها فکذلک سولت لی نفسی.

یعنی میں نے اپنی روشن ضمیری کے ذریعے ایسی غیبی چیز کو دیکھ لیا ہے جو ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھی جا سکتی۔ تب میں نے ایک رسول کے قدم کے نیچے سے مٹی اٹھا لی۔ اور بچھڑے کے اندر ڈال دی۔ جو ایک زندہ نفس مجسم کی طرح میرے لئے تیار ہو گیا۔ رسول روحانی کے قدم میں یہ تاثیر ہوا کرتی ہے کہ جب وہ اس مادی دنیا میں آ کر کسی جگہ قدم رکھتے ہیں تو ان کے قدم کو جو مٹی چھوتی ہے اس میں برق حیات نفوذ اور تاثیر کر جاتی ہے۔ اس مٹی میں کسی روح کے قیام کی طاقت اور قابلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یعنی اس مٹی میں قابلیت وسیلہ یعنی میڈیمسٹک پاور (MEDIUMOSKIP) آ جاتی ہے۔ چنانچہ سامری نے وہ مٹی جب بچھڑے کے بت کے اندر ڈال دی تو اس نے اپنے سحر سے اس کے اندر ایک شیطان کو داخل کر دیا۔ اور وہ اس کے اندر زندہ بچھڑے کی طرح آوازیں نکالنے لگا۔ غرض اس سونے چاندی کے خوبصورت عجیب و غریب بچھڑے کی اس غیر معمولی حرکت اور فعل

سے یہ لوگ اس کے فریفتہ ہو کر اسے پوجنے لگ گئے۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بددعا کی۔ کہ جا تو کوڑھی ہو جائے گا۔ اور جو شخص تجھے چھوئے گا۔ وہ بھی کوڑھی ہو گا۔ اور بچھڑے کے اندر جو شیطان داخل ہوا تھا اسے اپنی روحانی طاقت سے نکال کر جلا دیا۔ اور اس کی راکھ دریا میں ڈال کر اسکی شیطنت کا خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ یہ سارا واقعہ قرآن کریم میں **مفصل** موجود ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے جنہوں نے بچھڑے کو پوجا تھا۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سزا مقرر کی کہ تم آپس میں لڑ کر ایک دوسرے کو قتل کرو۔ چنانچہ بعض نے تو اپنے اوپر اس سزا کو منظور کر لیا۔ اور آپس میں لڑ کر قتل ہو گئے۔ اور جو زخمی ہو کر یا ویسے بچ رہے ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ اور بعض اس سزا سے ڈر کر بھاگ گئے اور اطراف عالم میں پھیل گئے۔ اور جس جگہ آباد ہوئے۔ وہاں اپنی بت پرستی پر قائم رہے۔ ہندوستان میں جو آریہ قوم کوہ ہندوکش کے راستے آ کر آباد ہوئی۔ یہ وہی موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بھگوڑے تھے۔ جنہوں نے یہاں ہندوستان میں وہی گوسالہ پرستی جاری رکھی۔ جو آج تک گئو رکھشا کی صورت میں موجود ہے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے گوسالہ یعنی بچھڑے کو جلا کر راکھ کر دیا تھا اور اس کی راکھ کو دریا میں بہا دیا تھا۔ یہ لوگ آج تک اپنے اس قدیم باطل معبود کی تقلید میں اپنے مردے جلاتے ہیں اور ان کی راکھ کو دریا میں بہاتے ہیں۔

سو بتوں کے اندر یہی شیاطین اور ارواح خبیثہ داخل ہو کر لوگوں کو گمراہ کرنے کا موجب بن جایا کرتی تھیں۔ یہ غیبی بلائیں اپنے پجاریوں اور پرستاروں کو بھی ستا ستا کر اور اپنا خوف دلا دلا کر اپنی پرستش میں لگایا کرتیں۔ اور کبھی ان بتوں کے اندر سے انہیں اپنے کاروبار میں امداد کی غیبی بشارتیں دیا کرتیں۔ یعنی ان بت پرستوں کا ایمان اور اعتقاد بھی اپنے بتوں پر ان ارواح خبیثہ کی وجہ سے خوف اور رجاء کے طفیل قائم تھا۔ ورنہ اشرف المخلوقات انسان خواہ وہ کسی زمانے میں بھی ہو اس قدر احمق اور

بے وقوف نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے پتھر کے مجسموں اور مورتیوں کو بے وجہ پوجنے لگ جائے اوراس پر ہزاروں برس تک قائم رہے۔ انسان ایک ایسے مہمل اور بے سود فعل پر مدتوں تک بلاوجہ قائم نہیں رہ سکتا۔ کاٹھ کی ہنڈیا ایک دفعہ چڑھا کرتی ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو جابجا بےنقاب کیا ہے۔ اور بتوں کے اندر گھسی ہوئی ارواح خبیثہ کو کبھی جن اور کبھی شیاطین سے تعبیر کیا ہے۔ قولہ تعالیٰ۔

و یوم یحشرھم جمیعا ثم یقول للملئکۃ اھئولاء ایاکم کانوا یعبدون قالوا سبحنک انت ولینا من دونھم بل کانوا یعبدون الجن، اکثرھم بھم مئومنون.

ترجمہ۔ اور جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب مشرکین کو جمع کرکے فرشتوں سے خطاب فرمائے گا۔ کہ کیا یہ لوگ دنیا میں تمہاری پرستش کیا کرتے تھے۔ فرشتے عرض کریں گے کہ اے اللہ! تو ہماری شرکت سے پاک ہے اورتو ان کے معاملے میں ہمارے حال کا نگران ہے۔ (بلکہ اصل بات یہ ہے) کہ یہ لوگ جنات کی پرستش کیا کرتے تھے اور اکثر ان پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ اور ایک دوسری جگہ آیا ہے۔

وجعلو اللہ شرکاء الجن و خلقھم و خرقوا لہ بنین و بنت بغیر علم. سبحنہ و تعلی عما یصفون.

ترجمہ۔ اور کافروں نے جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا تھا۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ اور بعض نے جہالت سے (بطور دیوتا و اوتار) انہیں اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور بیٹیاں بنا رکھا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے ان باتوں سے جن سے یہ لوگ اسے منسوب کرتے ہیں۔ اور نیز ارشاد ربانی ہے۔

و کذالک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس و الجن یوحی

بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا. ولو شاء ربک ما فعلوه فذرهم وما یفترون.

ترجمہ۔ اور اسی طرح ہم نے انسان اور جن شیاطین کو ہر پیغمبر کا دشمن اور مخالف بنا دیا تھا۔ اور وہ ایک دوسرے کو دھوکے اور فریب کی باتیں القاء کیا کرتے تھے۔ اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے۔ لیکن اے میرے پیغمبر! تو انہیں چھوڑ دے۔ اور کرنے دے جو وہ افترا کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا امتحان اور حکمت ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔ ان پر ان شیاطین کی کوئی دسترس اور غلبہ نہ ہوگا۔ جن اور شیاطین لوگوں کو ستا ستا کر اور طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر کے اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا کر ان کو اپنی عبادت اور پوجا میں لاتے رہتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم میں آیا ہے۔ کہ انی مسنی الشیطن بنصب و عذاب ۔ یعنی (ایوب علیہ السلام نے عرض کی) کہ اے اللہ مجھے شیطان نے چھو کر تکلیف اور عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔

ایک دفعہ میرے پاس ایک اچھا خاصا انگریزی دان اپ ٹو ڈیٹ جنٹلمین آیا۔ اس نے مجھے کہا کہ میں ایک سخت مصیبت میں مبتلا ہوں۔ کیا آپ میری کسی طرح مدد کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ کیا مصیبت ہے۔ اس نے کہا۔ میری بیوی پر ایک ظالم جن اور موذی خبیث روح مسلط ہے۔ اور وہ وقتاً فوقتاً جب کبھی اس کے سر پر آتی ہے۔ تو اسے سخت اذیت اور تکلیف دیتی ہے۔ جس سے اس کی صحت خراب ہوگئی۔ وہ خبیث روح اس کی زبان پر بولتی ہے اور اس کے علاوہ جب کبھی ہم اس کے علاج معالجے اور دم تعویذ کے ذریعے اس کے تدارک اور دفعیے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو ہم سب گھر والوں کو خواب اور بیداری میں ستاتی ہے۔ غرض اس نے سارے کنبے کو پریشان کر رکھا ہے۔ اس موذی روح نے ہمیں اس کی زبانی بتایا ہے کہ میری فلاں کنوئیں کے کنارے رہائش ہے۔ تم روزانہ شام کو وہاں چراغ جلایا

کرو۔اور میری چوکی بھرا کرو۔تب میں تمہیں تکلیف نہیں دوں گی۔ چنانچہ ہم روزانہ وہاں شام کو چراغ جلایا کرتے ہیں۔اور اس کا سلام اور مجرا کرتے ہیں۔اگر ایک دن بھی ہم اس کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کرتے ہیں۔تو وہ اسی رات میری بیوی کے سر پر آدھمکتی ہے۔اور اس رات ہم سب گھر والوں کی شامت آجاتی ہے۔غرض اس خبیث روح نے سارے کنبے کو تقریباً پجاری بنا رکھا تھا۔حتیٰ کہ جب کبھی وہ جن اس کی بیوی پر مسلط ہو جاتا اور بولنے لگتا تو سب گھر والے اس کے آگے سربسجود ہو جاتے اور اس کے آگے گڑگڑاتے اور اس سے معافیاں مانگتے۔یہ حال دیکھ کر مجھے اللہ تعالیٰ کا سچا فرمان یاد آگیا۔

و انه كان رجال من الانس يعوذون برجال من الجن فزادوهم رهقا.

ترجمہ۔اور انسانوں میں سے بہت آدمی ایسے ہیں۔جو جن لوگوں کی پناہ اور مدد ڈھونڈتے ہیں۔جس سے ان کی سرکشی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔واقعہ مذکورہ بالا جن، شیاطین اور ارواح خبیثہ کے ذریعے بت پرستی کے رواج پانے کی ایک زندہ مثال ہے۔ پہلے زمانے میں جب کہ دنیا پیغمبروں کے وجود سے خالی ہو جاتی، تو جن شیاطین موقع پا کر لوگوں کو ستا ستا کر اور دکھ پہنچا کر ان سے اپنے مجسمے اور مورتیاں بنوا کر پجواتے۔اور ان مورتیوں اور مجسموں کے اندر یہ جن شیاطین داخل ہو کر اپنے مجاوروں اور پجاریوں کو دھوکے اور فریب کی باتیں بتا کر انہیں اپنی پرستش اور عبادت میں جکڑے رکھتے۔اور ان سے سخت ناروا اور ناجائز مشرکانہ افعال قبیحہ کا ارتکاب کراتے تھے۔چنانچہ پرانے زمانے میں تمام دنیا کے اندر ان ارواح خبیثہ نے ظلم وستم کا ایک اودھم مچا رکھا تھا۔اور ہر جگہ اپنے مندر، تیرتھ اور بت خانے قائم کرا رکھے تھے۔اور ہر جن، شیطان اور خبیث روح نے اپنے نام کا الگ مجسمہ اور بت بنوایا تھا۔بلکہ بعض نے اپنے نام کے علیحدہ کئی بت قائم کر رکھے تھے۔

ہمارے ہندوستان کے اندر بھی پرانے زمانے میں ان جن اور شیاطین اور ارواح خبیثہ کے بے شمار مندر اور تیرتھ تھے۔ اور انہیں بمعنی شیطان انگریزی ڈیولز (DEVILS) کے نام سے پکارتے اور پوجتے تھے۔ ہر سال ان کے بڑے بڑے میلے لگا کرتے اور انہیں خوش کرنے کے لئے ان کی دہلیز اور قربان گاہ پر طرح طرح کے چڑھاوے چڑھائے جاتے۔ حتیٰ کہ بعض سخت قسم کے موذی چڑیل جن اور شیطان کو خوش اور راضی رکھنے کے لئے ہر سال ان کے آگے بے گناہ انسانوں کو ذبح کر ڈالتے۔ چنانچہ کلکتہ کی کالی دیوی کا مندر اس معاملے میں مشہور ہے۔ جس کے گلے میں کسی زمانے میں انسانی سروں کا ہار تھا۔ ہر سال اس کی دہلیز پر انسانوں کو قربان کیا جاتا تھا۔ جس کو بعد میں انگریزوں نے بند کرا دیا تھا۔ آج ان کی بجائے بکرے ذبح کرائے جاتے ہیں۔ ان دیویوں اور دیوتاؤں کی بڑی مہیب اور ڈراؤنی شکلیں ہی صاف طور پر بتا رہی ہیں کہ یہ جن، شیاطین اور ارواح خبیثہ ہیں جنہوں نے جاہل بے دین لوگوں کو ستا ستا کر ان سے اپنی مورتیاں بنوا ڈالیں۔ اور اسی طرح ایک دنیا ان بتوں کی پرستار بن کر شرک میں گرفتار ہوگئی۔

بھارت میں بت گنگ و جمن پجتا ہے
پجتی ہے زمیں چرخ کہن پجتا ہے
اللہ کی پوجا ہے یہاں جرم عظیم
ان اندھوں کی نگری میں وطن پجتا ہے

بتوں میں گھس کر لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے گمراہ کرنے والے جن، شیاطین اور ارواح خبیثہ الگ ہیں۔ اور ان کی ایک قسم وہ ہے جو آسمانوں کی طرف چڑھ کر ملائکہ ملاء الاعلیٰ سے خبریں سن لیا کرتے اور اپنے رفیق کاہنوں اور ساحروں کو وہ خبریں آ کر سنا دیا کرتے۔ اور وہ لوگوں کو بعض آئندہ مستقبل کے حالات بتا بتا کر اپنی جیبیں گرم کرتے۔ اسی طرح ان ہر دو قسم کے جنات اور شیاطین نے لوگوں کو دین حق اور

توحید سے روک رکھا تھا۔ اور انہیں مشرکانہ اور بت پرستانہ قسم کے باطل توہمات اور جھوٹے معتقدات میں گرفتار کر رکھا تھا۔ قرآن کریم میں جن شیاطین کا عالم بالا سے غیبی خبریں سن کر لانے کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے۔ لیکن پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے عالم بالا میں فرشتوں کے پہرے لگ گئے اور آسمانی راستوں پر جا بجا ملائکہ متعین کر دیئے گئے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور رسالت کی سچی ڈاک میں باطل کا کوئی دخل نہ ہو اور خلق خدا کو حق صحیح طور پر معلوم ہو اور باطل بالکلیہ معدوم ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

و انا لمسنا السماء فوجد نها ملئت حرسا شديدا و شهبا و انا كنا تقعد منها مقاعد للسمع فمن يستمع الان يجد له شهابا رصدا.

ترجمہ۔ جنات نے کہا ہم نے بے شک اب تو آسمان کو جا بجا طاقتور پہرے داروں اور شہاب ثاقب سے بھرپور پایا ہے۔ حالانکہ زمانۂ نبوت سے پہلے ہم غیب کی خبریں سننے کے لئے آسمان کی بیٹھکوں میں چھپ کر بیٹھتے تھے۔ لیکن اب جو کوئی غیب کی خبریں سننے کے لئے وہاں جاتا ہے۔ تو تاروں کا انگارہ اس کی تاک میں رہتا ہے۔ اور اسے لگ کر بھگا دیتا ہے۔

صحیح بخاری میں منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایک روز زمانۂ جاہلیت میں ہم اپنے بتوں کے پاس بیٹھے تھے کہ اس وقت ایک شخص گائے کا بچہ ایک بت پر چڑھاوے اور نذرانے کے طور پر لایا اور اس کو ذبح کیا۔ اس وقت اس بت کے اندر سے ایک سخت آواز نکلی۔ جو ہم نے اس سے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ ہر خاص و عام نے اس آواز کو سنا۔ اس آواز سے ڈر کر سب لوگ بھاگ گئے۔ لیکن میں وہاں اس غرض سے کھڑا رہا کہ دیکھوں یہ کیسی آواز ہے اور کس کی ہے پھر دوسری اور تیسری دفعہ اس بت کے اندر سے میں نے وہی آواز سنی۔ مجھ کو اس سے سخت حیرانی اور پریشانی ہوئی۔ بعدہٗ اس بت کے اندر سے ایک بولنے والا بولا کہ اے قوت والے ایک ایسا

کام ظاہر ہوا ہے۔ جس میں بڑے مطلب کی بات ہے۔ اور ایک شخص پکار کر کہتا ہے کہ لا الہ الا اللہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اس کی بابت لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک پیغمبر ظاہر ہوا جو کہتا ہے لا الہ الا اللہ۔ غرض وہ پہلی سخت چیخ اور پکار اس بت کے اندر کافر جن کی تھی۔ جس کو ایک مسلمان جن نے مار بھگا دیا تھا۔ اور بعد کی آواز اس فاتح مسلمان جن کی تھی۔ جس نے بت کے اندر سے بت پرستوں کو توحید اور اسلام کی تلقین کی۔

نقل ہے کہ فتح مکہ کے وقت آنحضرت صلعم نے خالدؓ بن ولید کو تیس سواروں کے ہمراہ نخلہ کی طرف بھیجا۔ تاکہ وہاں جا کر بت خانہ عزیٰ کو توڑ کر برباد کرے۔ حضرت خالدؓ نے وہاں جا کر بت خانے کو گرایا اور برباد کیا اور بتوں کو توڑ ڈالا۔ جب خالدؓ آنحضرت کی خدمت میں پہنچے اور بت خانے کو گرانے اور بتوں کو توڑنے کا ذکر کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ کہ اے خالدؓ! وہاں تو نے کچھ دیکھا۔ خالدؓ نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ تب آں حضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ پھر تو نے عزیٰ کے بت کو توڑا ہی نہیں۔ خالدؓ غصے ہو کر دوبارہ چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو تلوار نکالی اور عزیٰ بت کی تفتیش شروع کی۔ آخر اسے پالیا۔ اور جب اسے توڑا تو اس میں سے ایک سیاہ فام، بکھرے بالوں والی، بدشکل ننگی عورت چیختی چلاتی ہوئی نکلی۔ جب واپس آ کر صورت واقعہ کو خدمت اقدس میں عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ عزیٰ یہی تھی جسے اب تو تباہ کر کے آیا ہے۔ آئندہ اس ملک میں اس کی پرستش کبھی نہ ہوگی۔

تعارف

حضرت قبلہ والدم بزرگوار صاحب مصنف کتاب عرفان کا اسم گرامی فقیر نور محمد صاحب سروری قادریؒ ہے۔ آپ کی پیدائش صوبہ سرحد ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں کے ایک غیر معروف اور دور افتادہ قصبہ کلاچی کے اندر 13-3ھ میں واقع ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام حاجی گل محمد صاحبؒ ہے۔ جو نہایت متقی، زاہد، عابد اور پرہیزگار بزرگ ہوئے ہیں۔ انہیں چار دفعہ حج بیت اللہ شریف اور بغداد شریف کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ علم دین میں پورے عالم باعمل تھے۔ اور فقیر صاحبؒ کی نسبت انہیں کامل حسن ظن اور پورا یقین تھا۔ کہ ظاہر باطن صاحب کمال نکلیں گے۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہیں کئی دفعہ خواب کے اندر اور چند کامل بزرگوں کی زبانی بشارتیں اور اشارتیں مل چکی تھیں۔ چونکہ عرفان کے پہلے حصے میں راقم الحروف کے بھائی عبدالرشید خاں نے حضرت قبلہ فقیر صاحبؒ کے حالات زندگی پوری تفصیل سے دیئے ہیں۔ لہٰذا انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقیر صاحبؒ قبلہ نے کتاب عرفان لکھ کر خلق خدا پر اور خصوصاً طالبان مولا پر بڑا بھاری احسان فرمایا ہے اور تشنگان آب زلال زندگی کے لئے گویا چشمہ آب حیات مہیا فرمایا ہے۔ بے شمار خوابیدہ اور غافل قلوب اس کے مطالعہ سے بیدار ہو گئے ہیں اور بہ کثرت گمراہان بادیہ ضلالت اسے مشعل راہ بنا کر طریقت کے راہ مستقیم کے راہوار ہو گئے ہیں۔ اور یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہ ہوگا کہ علم تصوف اور روحانیت میں اس قسم کی معرکتہ الآراء، جامع، دلچسپ، معقول، مدلل اور معیاری کتاب نہ آج تک کسی نے لکھی ہے اور نہ لکھ سکے گا۔ کتاب عرفان محض آپؒ کے روشن دل اور بیدار دماغ سے نکلے ہوئے اور چھوٹے ہوئے بالکل اچھوتے، نئے، نادر اور نایاب معارف اور اسرار کا مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعہ سے اہل مطالعہ کے دل میں اپنے خالق اور مالک کی طلب اور تلاش کا ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اسے اپنی لیلائے حجلۂ لاہوت کا مجنوں اور دیوانہ بنا

دیتا ہے اور راتنے تک بے قرار اور بے آرام رکھتا ہے۔ کیا سے اپنے محبوب ازلی سے ملا دیتا ہے۔ اس کتاب میں قبلہ فقیر صاحبؒ نے تین باتیں ایسی نادر اور نرالی ظاہر کی ہیں جو آج تک کسی اہل قلم سے نہیں ظاہر ہو سکیں۔ ان میں ایک بات تو یہ ہے کہ آپ نے اس کتاب میں یورپ کے جدید علم روحانی یعنی سپر چولیزم پر قلم اٹھائی ہے۔ جس سے آج تک تمام اہل مشرق بالکل غافل اور بے خبر ہیں۔ اور اس علم کے پوشیدہ راز اور مخفی بھید کو پوری طرح بے نقاب اور طشت از بام کر دیا ہے۔ اور اہل مشرق کو اس سے پہلی دفعہ روشناس کرایا ہے۔ دوم اس علم کے ذریعے جو اسلامی اور قرآنی حقائق اور پیغمبروں کے دور از عقل معجزات اور خوارق عادات کو عقل اور نقل سے ثابت کیا ہے وہ صرف انہیں کا حصہ ہے۔ جنہیں تمام سلیم العقل، منصف مزاج اصحاب اپنے مطالعہ گاہوں میں پڑھ کر دلی داد دیں گے۔ تیسرے آپ نے اس کتاب میں قرآن کریم کی آیتوں اور سورتوں کی معنی المعنی اور تفسیر التفاسیر بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کر کے ایک ایسا قابل فخر کام کیا ہے کہ جس نے قرآن کریم کی صداقت اور حقانیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ اور جس نے قرآن کریم پر اعتراض کرنے والوں اور بے جا اور ناروا تاویل کرنے والوں کو لا جواب کر دیا ہے۔ اور اب انشاء اللہ قرآن کریم کے کسی منکر اور معترض کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو سکے گی۔ کہ قرآن مجید ایک بے ربط کلام یا دور از عقل اور بعید از قیاس خوارق عادات کا مجموعہ اور بےلذت اور بے کیف قصوں اور کہانیوں کا مرقع ہے۔ نیز قبلہ فقیر صاحبؒ نے اس کتاب کو محض ناظرین کی دلچسپی اور ازدیاد یقین کی خاطر اپنے عینی مشاہدات اور دیدہ تجربات سے اور بھی دلچسپ اور مرغوب خاطر بنا دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت سے لے کر اللہ تعالےٰ کی معرفت، مشاہدے، قرب، وصال، فنا اور بقا کے تمام مراتب اور مدارج کو ایسی خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والوں کو کسی جگہ شک اور شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ غرض دنیائے تصوف اور روحانیت میں عرفان

ایک بے مثل اور بے نظیر کتاب ہے۔ اور انشاءاللہ قیامت تک عرفان گم گشتگان بادیہ ضلالت کے لئے مشعل راہ بنا رہے گا۔ اور مستفیان بحر ظلمات طریقت کے لئے چشمہ آب حیات کا کام دے گا۔ اس کے علاوہ فقیر صاحبؒ قبلہ نے چند اور کتابیں بھی لکھی ہیں جو خاص اور عام لوگوں میں بہت ہی مقبول ہوئی ہیں۔ اور جن کے مطالعہ سے ہزاروں لوگ مستفید اور مستفیض ہوئے ہیں۔ ان میں ایک کتاب حق نما ہے جو حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ کی نہایت نادرو نایاب کتاب نور الہدیٰ فارسی کا اردو ترجمہ مع شرح ہے۔ دوم مخزن الاسرار و سلطان الاوراد، وردو وظائف اور بزرگان دین کے حالات میں ہے۔ سوم نور الہدیٰ فارسی بھی طبع فرما کر شائع کی ہے۔ چہارم کتاب عرفان کو دو حصوں میں شائع کیا۔ یہ کتابیں شریعت اور طریقت میں اس زمانے کی بہترین اور مفید ترین تصانیف ہیں۔ آخر میں حق سبحانہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استدعا ہے کہ ان کتب کو جملہ گم گشتگان بادیہ ضلالت کے لئے مشعل راہ، تمام بے بصران کو رباطن اور محرومان دیدہ یقین کے لئے نور نگاہ اور سالکان راہ طریقت کے لئے خضر راہ بنائے۔ آمین و ما علینا الا البلاغ المبین والحمدللہ رب العالمین

سرو رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

احقر غلام سرور خان سروری
فرزند قبلہ فقیر صاحبؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی رسولہ محمد و الہ و اصحابہ اجمعین

امابعد! مصنف تصنیف کتاب عرفان، فقیر نور محمد سروری قادری کلاچویؒ ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ کتاب کے پہلے حصے میں ہم اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت سے لے کر ذکر اذکار اور تصورات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب، مشاہدے اور وصال کی دولت لازوال سے مالا مال ہونے کے طور طریقے بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم یہاں عرفان کے اس دوسرے حصے میں اللہ تعالیٰ کی غیبی لطیف مخلوقات اور باطنی موکلات یعنی جن، ملائکہ اور ارواح کی حاضرات اور تسخیرات کے آسان اور مجرب طور طریقے بیان کرتے ہیں۔ کہ ان جنود اللہ اور حزب اللہ کو اللہ تعالیٰ کے پاک نام اور مقدس کلام یعنی ورد وظائف اور قرآنی آیات کے عملیات اور دعوات کے ذریعے کس طرح حاضر کر کے مطیع اور منقاد کیا جاتا ہے۔ اور ان سے کیونکر عالم امر میں کام اور استخدام لیا جاتا ہے۔ عرفان کا پہلا حصہ فقر و سلوک اور تصوف کا گویا علمی حصہ ہے۔ اور یہ دوسرا عملی حصہ ہے یا دوسرے لفظوں میں اول سب جیکٹو (Subjective) اور انٹلکچول (INTELLECTUAL) پارٹ ہے۔ اور دوسرا آبجیکٹو (OBJECTIVE) اور پریکٹیکل پارٹ (PRACTICAL PART) ہے۔ یاد رہے کہ دنیا میں جس وقت اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اپنی مخلوقات کی ہدایت اور تبلیغ پر مامور فرماتا ہے تو انہیں اور ان کے پیرووں کو ظاہری اور باطنی اور مادی و روحانی اسلحہ اور ہتھیاروں سے مسلح کیا جاتا ہے تاکہ ان ہتھیاروں کے ذریعے وہ اہل باطل یعنی کافروں، منافقوں، مشرکوں اور فاسقوں و فاجروں کا مقابلہ کر سکیں جو اللہ تعالیٰ کے

نور کو دنیا سے مٹانا اور بجھانا چاہتے ہیں۔قولہ تعالی

یریدون لیطفو انور اللہ بافو ھھم و اللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

کفار چاہتے ہیں کہ اللہ تعالی کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا ڈالیں لیکن اللہ تعالی اپنے نور کو کامل اور مکمل کرنے والا ہے۔اگر چہ کافروں کو یہ بات بری اور ناگوار گزرے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اہل حق کے اس نوری مشن کو مٹانے اور اس میں روڑے اٹکانے کے لئے شیطان اپنے باطن کے ظلماتی اور ناری جنو و ابلیس کو لا کر کھڑا کر دیتا ہے۔لیکن نور حق کے سامنے ظلمت باطل کی کیا مجال ہے۔کہ قائم اور برقرار رہ سکے۔بلکہ حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ راہ فرار اختیار کرتا ہےقولہ تعالی:

قل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھو قا

ترجمہ: کہہ دے اے میرے نبی! کتاب نور حق آ گیا ہےاور ظلمت باطل بھاگ گئی ہے تحقیق باطل کی ظلمت آفتاب حق کے سامنے سے بھاگنے اور ٹلنے والی چیز ہے۔

بہت مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

جنو و ابلیس اور حزب الشیطان کے مقابلے میں ہمیشہ جنو و اللہ اور حزب اللہ مقابل اور صف آراء رہتے ہیں۔اور ہمیشہ اہل حق حزب اللہ کی فتح ہوتی ہے۔اور وہ اہل باطن حزب الشیطان کا مغز توڑ کر انہیں تہس نہس کر دیتے ہیں۔قولہ تعالی

بل نقذف بالحق علی الباطل فید مغہ فاذا ھو زاحق

ترجمہ: بلکہ پھینکتے ہیں ہم حق کو باطل کے اوپر پس وہ توڑ دیتا ہے اس کا سر، وہ فوراً مٹ جاتا ہے۔ سو ہر زمانے میں اہل حق ایمان داروں اور اہل باطل بے دینوں کے درمیان مقابلے اور مقاتلے ہوتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ ان ظاہری مقاتلوں اور مادی مجاہدوں کے حالات اور کارناموں سے مذہبی، تاریخی اور آسمانی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اور ہر شخص ان سے واقف اور آگاہ ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اہل حق اور اہل باطل کے درمیان ایک غیبی باطنی لڑائی اور روحانی جنگ بھی جاری رہتی ہے۔ جس سے ظاہر بین مادی عقل والے بالکل بے خبر اور ناواقف ہیں۔ کیوں کہ یہ باطنی مقاتلہ اور مقابلہ ظاہری عقل اور مادی حواس سے مخفی اور پوشیدہ ہے۔ اور ہم یہاں پر ان غیبی اور باطنی لطیف مخلوق کے وجود کو ہر دو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کریں گے اور اہل باطن جنود الشیطان کے مقابلے میں ان کے باطنی جنگی کارنامے بیان کریں گے۔ اور دیدہ تجربات اور عینی مشاہدات سے اس پر روشنی ڈالیں گے۔

چنانچہ قرآن کریم میں پیغمبر خدا اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی امداد کے لئے کافروں سے جنگ و جدال کے وقت آسمان سے ملائکہ یعنی فرشتوں کے نازل ہونے اور مسلمانوں کے دوش بدوش کافروں سے لڑنے کے حالات اور واقعات بہت جگہ مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ اور غیبی لطیف غیر مرئی مخلوق بھی اسلام کے تبلیغی مشن اور جنگی کارناموں میں شریک حصہ دار اور اہل باطل سے برسر پیکار رہی۔ جن کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے قولہ تعالیٰ وما یعلم جنود ربک الا ھو اور تیرے رب کے غیبی لشکروں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی پوری طرح جانتا ہے۔ اور ان تمام غیبی لطیف مخلوق یعنی جن ملائکہ اور ارواح کی حاضرات اور تسخیرات اللہ تعالیٰ کے پاک نام اور اس کے مقدس کلام سے کی جاتی ہے۔ آج اس موجودہ زمانے میں قرآن کریم ہی ایک ایسی کتاب ہے جسے صحیح طور پر آسمانی کتاب اور اللہ تعالیٰ کا غیر مخلوق کلام کہا جا سکتا ہے۔ جو آج تک اپنے اصلی طور پر اور صحیح صورت میں بغیر کسی تحریف

اورتصریف کے ہمارے پاس موجود ہے۔اورجس کے نزول اور تلاوت میں وہ غیر مخلوق نور مستور ہے کہ اگر اس کا نور سنگین پہاڑ پر نازل ہوتو پہاڑ مارے خوف کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے قولہ تعالی

لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرایته خاشعا متصد عا من خشیة الله سو

قرآن کی یہ ایک ازلی فطری اور قدرتی صفت اور خاصیت ہے کہ جس وقت وہ پاک اور طیب وجود اور طاہر زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس کی تلاوت سے ایسا نور پیدا ہوتا ہے کہ جس کی شمع جمال پر تمام ظاہری و باطنی مخلوقات خصوصاً جن، ملائکہ اور ارواح پروانوں کی طرح گرتی ہیں۔اوراس کے امر اور حکم کی تعمیل کے لئے دوڑتی ہیں۔اور سر تسلیم خم کرتی ہیں قولہ تعالی

و سخر لکم ما فی السموت و ما فی الارض جمیعاً منه

ترجمہ:اور اللہ تعالی نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں اور زمین کے اندر ہے تمام اسی کے ذریعے حضرت علامہ اقبال صاحبؒ فرماتے ہیں

تو بر نخل کلیمے بے محابا شعلہ مے ریزی
تو بر شمع یتیمے صورت پروانہ مے آئی

اگر قرآن اللہ تعالی کی غیر مخلوق وقدیم نوری کلام ہے تو اس کا نزول اور تخاطب کل کائنات کی ہر قسم کی مخلوقات کیا جمادات، نباتات، حیوانات، انسان و جنات، ملائکہ اور ارواح کی طرف ہے۔اور ہر چیز میں اس کا کلام حکم اور امر جاری و ساری ہے۔اور ہر شے اس کے امر اور حکم کے مطیع اور منقاد ہے۔سو اللہ تعالی کے نام اور کلام کے نور سے عالم غیب اور عالم شہادت کی ہر چیز کی حاضرات اور تسخیرات کی جا سکتی ہے۔جسے علم دعوت کہتے ہیں۔جس کے ذریعے عالم غیب کی لطیف مخلوقات مثلاً جن، ملائکہ اور ارواح کی حاضرات کر کے ان سے تمام مشکل مہمات میں امداد لی

جاتی ہے۔غرض علم دعوات اور روحانیات کی حاضرات وتسخیرات کا علم مسلمانوں کا اصلی قدیم ورثہ اور پرانا ترکہ ہے۔اور یہی وہ قدیم روحانی اسلحہ اور باطنی ہتھیار ہے۔جس کے ذریعے مسلمانوں نے تمام دنیا کو تھوڑی عرصے میں مسخر اور زیر نگیں کر لیا تھا۔آج دنیا میں مسلمان صرف اس لئے محکوم ومغلوب اور ذلیل وخوار ہیں کہ وہ اپنے اصلی دینی دولت اور اپنے روحانی ہتھیار کھو بیٹھے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

ولا تھنو ولا تحزنو وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

ترجمہ: اے مومنو نا امید مت ہو اور نہ غم کرو تم ہی دنیا میں سر بلند اور غالب رہو گے۔بشرطیکہ تمہارے اندر نور ایمان ہو۔اور تمہارے پاس باطنی ایمانی طاقت ہو۔ جب تک مسلمانوں میں نور ایمان، باطنی قوت اور روحانی طاقت رہی اور مسلمان بادشاہوں کی پشت پر روحانی لوگ یعنی اولیاء اللہ رہے۔مسلمان ہر میدان میں اور ہر ملک میں کفار کے مقابلے میں غالب رہے۔یہاں تک کہ شیر اسلام تمام بیشہ دنیا پر چھا گیا اور تمام مادی حکومتیں اور ظاہری سلطنتیں عام جانوروں کی طرح ہر جگہ شیر اسلام سے لرزہ بر اندام رہیں۔افسوس مسلمان اپنے اصلی موروثی فن اور علم سے بالکل تہی دست ہو گئے ہیں۔عموماً تمام عالم اسلام میں مسلمانوں کی کوئی ایسی انجمن یا سوسائٹی نہیں جو اصلی معنوں میں صوفی اور روحانی کہلانے کی مستحق ہو۔ جو علم روحانیت کے ہر وہ علمی اور عملی پہلوؤں پر ترقی کر کے تجربے اور مشاہدات حاصل کرتی ہو۔ہاں نام کے لباسی دکاندار رسمی اور رواجی صوفی بے شمار ہیں۔جنہیں تصوف اور روحانیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔بس خالی پدرم سلطان بود کے بل بوتے پر اور اپنے باپ دادا کی قبروں پر روضے بنا کر اور سجادگی کا جال بچھا کر مرغان سادہ لوح کی طرح احمق مریدوں کو خالی طفل تسلیوں میں پھنسائے رکھتے ہیں۔اور ان کے مال جان اور ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔برخلاف اس کے یورپ کے لوگ جو ہر طرح سے بیدار اور منظم ہیں۔ان کے ہاں ہر قسم کے علوم وفنون کے با قاعدہ

ادارے، خاص انجمنیں اور منظم سوسائٹیاں ہیں۔اور جملہ امراء اور اکابر قوم ہر مفید فن اور کار آمد علم کی ترقی اور توسیع میں کوشاں ہیں۔اور ان علوم اور فنون کے عاملین اور ماہرین کی امداد کرتے ہیں۔حتیٰ کہ حکومت بھی ایسے برگزیدہ اور چیدہ اشخاص کی ہر طرح سے پشت پناہی اور حوصلہ افزائی کرتی ہے۔اور یہی وہ چیز ہے جس نے مغرب کو بام عروج کے فلک الافلاک پر پہنچا دیا ہے۔اور اسی ہمدردی، تنظیم اور اتحاد میں ان کی ترقی اور کامیابی کا راز مضمر ہے۔

افسوس کہ ہماری قوم میں اگر کوئی باکمال شخص پیدا ہو جائے تو قوم کا ہر فرد اس سے الٹا حسد کرتا ہے۔اور سب لوگ اس کی دشمنی اور عداوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس کے کام اور مشن میں روڑے اٹکاتے ہیں۔مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے موروثی علم و روحانیت کو اپنائیں۔باقاعدہ انجمنیں اور سوسائٹیاں قائم کریں اور اس کے لئے ہر قسم کا لٹریچر مہیا کریں۔حتیٰ کہ اس علم کے حصول کے لئے اگر غیر ممالک میں بھی جانا پڑے تو اپنے چیدہ اور قابل اشخاص کو وہاں بھیج کر اس علم کو عملی طور پر حاصل کر کے اسے اپنے ملک میں شائع کریں۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔اطلبو العلم ولو کان بالصین ترجمہ: طلب کرو علم اگرچہ اس کی طلب میں چین تک جانا پڑے

الحکمۃ ضالۃ المومنین فاطلبھا ولو کان عند الکافر

ترجمہ: حکمت مومنوں کی گم شدہ متاع ہے پس اسے تلاش کر کے حاصل کرو۔ اگرچہ کسی کافر کے پاس سے ہی ملے۔اگر مسلمانوں نے اس طرف قدم اٹھایا تو انشاءاللہ وہ تھوڑے عرصے میں جن، شیاطین اور سفلی ارواح تو کیا پاک نوری مخلوق یعنی مومن جن، ملائکہ اور مومن انسان اولیاءاللہ اور انبیاء کی مقدس ارواح کی حاضرات کر کے ان سے ایسے حیرت انگیز کام لیں گے جن سے دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت حاصل کرلیں گے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا یعنی شہزادی بلقیس کو اپنا زیر فرمان بنانا چاہا تو انہوں نے کس طرح اس سے اپنا روحانی لوہا منوایا۔ اور اپنی باطنی بادشاہی اور غیبی لشکر کا یقین دلا کر اسے اپنا مرید، معتقد اور آخر میں مسلمان بنالیا۔ چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے پہلے اپنا ایک حکم نامہ ایک غیبی موکل ہدہد کے ہاتھ ایسی حالت میں اس کی طرف پہنچایا جب کہ وہ اپنے دار الخلافہ شہر سبا کے اندر سو رہی تھی۔ اور ارد گرد ایسے سخت پہرے لگے ہوئے تھے کہ کسی پرندے کا بھی وہاں گذرنے کا امکان نہ تھا خط کا مختصر مضمون نہ تھا۔

انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ان لا تعلق علی وا تو نی مسلمین

ترجمہ: یعنی یہ خط خدا کے پیغمبر سلیمان کی طرف سے ہے اور اسے اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم کے نام کی طاقت سے بادشاہی حاصل ہے جس کا مقابلہ کرنا مادی طاقت والے بادشاہوں کا کام نہیں۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ تم مجھ پر اپنی برتری اور بہتری کا خیال ترک کر کے میرے پاس مطیع فرمان اور مسلمان بن کر آ جاؤ۔ بلکہ بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کا یہ عجیب و غریب خط پاتے ہی اپنے امیروں اور وزیروں کو جمع کیا۔ اور ان سے مشورہ کیا کہ میرے پاس سلیمان پیغمبر کی طرف سے کتاب کریم یعنی بڑی عزت اور شان والا خط موصول ہوا ہے جس کے ذریعے انہوں نے ہم کو دین اسلام کی طرف دعوت دی ہے۔ اب تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے۔ خط والے کی باطنی طاقت اور روحانی عظمت اس خط اور اس کے غیبی طور پر پہنچنے کی عجیب و غریب نوعیت سے نمایاں تھی۔ کیوں کہ وہ ایک معمولی خط نہ تھا جسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ چنانچہ دربار میں اس معاملے پر خوب بحث و تمحیص ہوئی اور مختلف آراء دی گئیں۔ اس زمانے میں یمن کے علاقہ سباء میں ملکہ بلقیس کی بڑی وسیع اور عظیم الشان سلطنت تھی۔ وہ لوگ سورج دیوتا کی پرستش کیا کرتے تھے۔ آخر

دربار کے امراء و زراء نے متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی کہ

نحن اولو قوۃ و اولو باس شدید والامر الیک فانظری ماذا تامرین.

یعنی ہمارے پاس بڑی زبردست فوجی طاقت ہے جس کے ذریعے اطراف عالم میں لوگوں کے دلوں کے اندر ہمارا خوف و ہراس چھایا ہوا ہے۔ اے ہماری ملکہ! حکومت کی باگ ڈور تیرے ہاتھ میں ہے۔ اب تو خود سوچ سمجھ کر اپنا آخری فیصلہ ظاہر کر کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ چنانچہ ملکہ بلقیس نے اپنی رائے یوں ظاہر کی

ان الملوک اذا دخلو قریۃ افسدوھا وجعلو اعزۃ اھلھا ذلۃ و کذالک یفعلون

چنانچہ اپنی اس رائے میں ملکہ نے جنگ و جدال اور خوں ریزی سے یہ کہتے ہوئے پہلو تہی کیا کہ ہمیشہ سے دنیاوی بادشاہوں کا یہی وطیرہ اور طریقہ چلا آیا ہے کہ جب انہیں اپنے مخالف فریق پر فتح اور غلبہ حاصل ہو جاتا ہے وہ ان کے ملک پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ اور اسے جذبہ انتقام میں تاخت و تاراج کو تہ و بالا کر دیتے ہیں۔ یعنی جنگ کا نتیجہ بنی نوع انسان کی تباہی اور بربادی کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتا ساتھ یہ بھی کہا وانی مرسلۃ بھدیۃ فنظرۃ بم یرجع المرسلون یعنی میں سلیمان علیہ السلام کو کچھ تحفے تحائف بھیج کر راضی کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ کیوں کہ اکثر دنیا کے حریص بادشاہ ان باتوں سے خوش اور مطمئن ہو جایا کرتے ہیں۔ لیکن میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ پیغمبر آخر کس بات کے خواہاں ہوتے ہیں۔

فلما جاء سلیمان قال اتمدونن بمال فما اتنے اللہ خیر مما ایتکم بل انتم بھدیتکم تفرحون ارجع الیھم فلنا تینھم بجنود لا قبل لھم بھا ولنخر جنھم منھا اذلۃ وھم صغرون

ترجمہ: جب سلیمان علیہ السلام کے پاس بلقیس کے قاصد تحفے تحائف لے کر

پہنچے تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ تم لوگ مجھے اپنے مال کا لالچ دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو باطنی دولت مجھے بخشی ہے وہ دنیا کی تمام مادی دولت سے بدرجہا بہتر ہے۔ یہ تم ہی ہو جو اس قسم کے مادی تحائف سے خوش ہوتے ہو۔ اپنے یہ تحائف واپس لے جاؤ۔ اگر تمہاری ملکہ مسلمان اور مطیع فرمان ہو کر میرے پاس آتی ہے تو فبھا ورنہ میں ایسے ظاہری اور باطنی لشکر کے ساتھ تمہارے **ملک** پر چڑھ آؤں گا۔ جس کے مقابلے کی تاب تمہیں ہرگز نہ ہوگی۔ اور میں تمہیں ذلیل اور خوار کر کے اس **ملک** سے نکال دوں گا۔ چنانچہ جب قاصدوں اور ایلچیوں نے واپس آکر اپنی ملکہ کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی ظاہری اور باطنی سلطنت اور پیغمبری شان و شوکت کا حال سنایا تو بلقیس پر آپ کی نبوت اور صداقت کھل گئی۔ اور مزید تحقیقات اور اطمینان خاطر کے لئے خود بہ نفس نفیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس اس قسم کی کوئی غیر مرئی غیبی طاقت ضرور موجود ہے جو آنکھوں سے اوجھل کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بغیر ظاہری اسباب کے بطور اپورٹس (APPORTS) ایک دم میں پہنچا سکتا ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنا خط اسی غیبی مرئی طاقت۔ پر مجھ تک پہنچا دیا تھا۔ سو اگر سلیمان علیہ السلام کوئی بڑی بھاری چیز بھی اسی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑا کر لے جا سکتا ہے تب تو وہ ہمارے خزانوں اور سامان حرب پر آسانی سے قبضہ کر سکتا ہے۔ پس ایسے زبردست روحانی طاقت والے پیغمبر کا مقابلہ کرنا ہماری مادی طاقت سے بالاتر ہے۔ دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام نے فوراً ملکہ بلقیس کے سنہری تخت کو جو کئی سو من وزنی تھا۔ اپنے پاس اٹھا کر لانے کا بندوبست کیا تھا اور ملکہ بلقیس ابھی راستے ہی میں تھی کہ آپ نے اپنے موکلوں اور مصاحبوں کو حاضر کر کے ان سے دریافت کیا کہ

یایھا الملاء ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین

ترجمہ، حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اے میرے دانش مند اور ہنر مند مصاحبو! تم

میں سے کون ہے جو ملکہ بلقیس کے تخت کو اٹھا کر اس کے یہاں مسلمان اور مطیع فرمان ہو کر پہنچنے سے پہلے میرے سامنے پیش کر دے۔

قال عفریت من الجن انا اتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک وانی علیہ لقوی امن

ترجمہ: ان مصاحبوں میں سے ایک عفریت نامی جن سردار تھا۔ اس نے کہا پیشتر اس کے کہ آپ اپنی جائے نشست سے اٹھ کھڑے ہوں میں وہ تخت لا کر حاضر کر دوں گا۔ اور مجھے اس قدر طاقت حاصل ہے۔ اور میں اس بات کا بھی ضامن ہوں کہ میں اس تخت کے زور و جواہر میں کسی چیز کی خیانت نہ کروں گا۔

وقال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک

ترجمہ: اس کے بعد آپ کے ایک مصاحب (آصف برخیا) جس کے پاس آسمانی کتاب کی دعوت کا علم تھا، کہا کہ میں طرفۃ العین یعنی آنکھ جھپکنے کے اندر وہ تخت حاضر کر دوں گا۔ الغرض وہ تخت طرفۃ العین میں آپ کے پاس حاضر کر دیا گیا۔ آپ نے اس تخت کو اپنے پاس اس قدر سرعت سے حاضر ہوتے دیکھ کر فرمایا ھـذا من فضل ربی لیبلونی ء اشکر ا امرا کفر یعنی یہ میرے رب کا محض فضل ہے کہ مجھے آزمائے کہ آیا میں اس کی نعمت کا شکریہ ادا کرتا ہوں یا کفران نعمت کرتا ہوں۔

غرض جب وہ تخت آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا

نکرو لھا عرشھا ننظر واتھتدی امر تکون من الذین لا یھتدون

یعنی اس کے جواہرات وغیرہ اتار کر اس کی ہیئت ذرا تبدیل کر دو۔ کیوں کہ ملکہ بلقیس ہماری روحانی طاقت آزمانے آ رہی ہیں۔ ہم اس کی مادی عقل کا امتحان لیتے ہیں۔ کہ آیا وہ اپنے تخت کو بھی جس پر وہ اتنی مدت بیٹھتی رہی ہے پہچان سکتی ہے یا نہیں۔

فلما جاءت قیل اھکذا عرشک قالت کانہ ھو واوتینا العلم من

قبلها و کنا مسلمین

ترجمہ پس جب بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئی۔ اور اپنے تخت کے قریب لائی گئی تو بلقیس کے مصاحبوں میں سے ایک نے تخت کو دیکھ کر بلقیس سے کہا یہ تو آپ کے تخت ہی کی طرح ہے۔ بلقیس نے متحیر ہو کر جواب دیا بلکہ یہ تو وہی نظر آتا ہے۔ بعدہ بلقیس سلیمان علیہ السلام کی روحانی طاقت کو مانتے ہوئے اور آپؑ کی فوق الفطرت پیغمبرانہ قوت کو تسلیم کرتے ہوئے کہنے لگی کہ ہمیں پہلے بھی اس بات کا علم تھا کہ سلیمان علیہ السلام واقعی خدا کا پیغمبر ہے اور اس کے پاس اللہ تعالی کی روحانی غیبی طاقت ہے اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔

دوسری آزمائش حضرت سلیمانؑ نے ملکہ بلقیس کی یوں کی۔ کہ آپ کے مصاحب اسے ایک محل میں فردکش کرنے کے لئے لے گئے۔ جب ملکہ اس محل کے صحن میں پہنچی تو اس کا فرش ایسے صاف و شفاف بلور لرزاں کا بنا ہوا تھا کہ بالکل پانی کا ایک حوض معلوم ہوتا تھا۔ جب بلقیس اس فرش پر سے گذرنے لگی تو اس نے اسے پانی کا حوض سمجھ کر اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اوپر کھینچ لیا۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام کے مصاحب اس کے عقل کی کوتاہی پر ہنس پڑے اور وہ کھسیانی سی ہوئی چنانچہ قرآن کریم نے یہ واقعہ یوں بیان کیا ہے۔

قیل ادخلی الصرح فلما راته حسبته لجة و کشفت عن ساقیها قال انه صرح ممرد من قواریر قالت رب انی ظلمت نفسی و اسلمت مع سلیمن لله رب العلمین

ملکہ بلقیس اپنی مادی عقل کی کوتاہی اور پیغمبروں کی عقل کل کے کمال کی برتری کا اعتراف کرتے ہوئے کہنے لگی کہ انی ظلمت نفسی یعنی میں نے سلیمان علیہ السلام کا امتحان لینے سے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔ کیونکہ مجھے خود شرمندہ ہونا پڑا۔ اور اب میں آپ کے ہاتھ پر اسلام لا کر اپنے رب العالمین پر ایمان لائی ہوں کہ بے

شک وہ اپنے واحد پاک خدا کا سچا پیغمبر ہے۔

افسوس ہمارے زمانے کے نیچر مزاج علماء نے اس قسم کی خوارق عادت اور قرآنی حقائق کی بہت ناروا تاویلیں کی ہیں اور انہیں اپنے مادی خام خیالات کے ساتھ تطبیق دینے کے لئے توڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ بنا کر رکھ دیا ہے۔ لیکن ہم ان مادہ پرست اندھے علماء کو ان کے جد امجد یورپین مادہ پرست علماء کے آج کل کے نظریات، عینی مشاہدات اور دیدہ تجربات کے ذریعے تمام قرآنی خوارق عادات اور معجزات ثابت کر کے دکھائیں گے۔ جن کے علوم اور فنون کے یہ لوگ خوشہ چین ہیں۔ سو ہم نے سلیمان علیہ السلام اور ملکہ بلقیس کا قصہ آیات قرآنی سے مفصل اسی غرض کے لئے بیان کر دیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام تمام پیغمبروں میں سے فن تسخیرات جنات میں بے مثل اور یکتائے روزگار ہو گزرے ہیں۔ آپ ﷺ نے جس طرح جنات کو مسخر اور قید کیا تھا اور آج تک کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اور نہ ہی کر سکے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی یہ استدعا اس بات پر شاید ہے۔

قال رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لا حد من بعدی انک انت الوھاب

یعنی آپ نے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ! مجھے ایسی سلطنت اور حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہول۔ تو بے شک بہت بخشنے والا ہے عاملین اسم یا وھاب کا عمل! اس قسم کی تسخیر کے لئے کیا کرتے ہیں۔ اور واقعی اس سے تسخیر کا زبردست عمل جاری رہتا ہے۔ بشرطیکہ کسی عامل کامل کی نگرانی اور اجازت سے یہ عمل کیا جائے۔ حضرت سرور کائنات ﷺ کا رات کے وقت ایک جن کو پکڑ لینا اور بہ لحاظ حضرت سلیمان علیہ السلام سے رہا کر دینا۔ یہ احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔

بات یہ ہے کہ آج کل یورپین سپر چولسٹس اپنے حلقوں میں جن شیاطین اور سفلی ارواح کی حاضرات کر کے ان سے بہت قسم کے کام لیتے ہیں چنانچہ ان میں سے

ایک علم اپورٹس (APPORTS) کا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگ اپنے حلقوں کے اندر جن ارواح (SPIRITS) کو حاضر کرتے ہیں ان کے ذریعے وہ بعینہ اسی طرح دور کی چیزیں منگواتے ہیں۔ جس طرح سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا تخت منگوایا تھا۔ چنانچہ یورپین سپر چولسٹس کے نزدیک (APPORTS) ایک بہت معمولی بات ہے۔ یعنی ارواح بہت دور کی چیزیں اٹھا کر بند کمروں کے اندلا کر پیش کر دیتی ہیں اور اندر سے بعض چیزیں اٹھا کر باہر لے جاتی ہیں۔ واضح ہو کہ یورپ کے سپر چولسٹس کے پاس اپورٹس کا نہایت معمولی قسم کا عمل ہے جس کے مقابلے میں سلیمانؑ کے اپورٹس (APPORTS) کا مظاہرہ نہایت حیرت انگیز تھا کہ کئی سو من کے تخت کو طرفۃ العین میں سینکڑوں میل کی مسافت سے لا کر پیش کر دیا گیا۔ اور اس حیرت انگیز کارنامے سے ملکہ بلقیس کو اور اس کی لاکھوں مشرک آفتاب پرست رعایا کو موحد اور مسلمان بنالیا۔

مسلمان اگر خواب غفلت سے اٹھ کر اپنے موروثی علم روحانیت کو اپنائیں۔ اور شیر اسلام اگر اپنے دینی دانتوں اور روحانی ناخنوں سے مسلح ہو جائے تو دنیا و آخرت ہر دو کی بادشاہت اور سلطنت اس کے قدم چومے گی۔ لیکن افسوس کہ شیر اسلام اپنے فطرتی ہتھیاروں سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اور وہ یورپ کے مادی گدھوں کے مقابلے میں مادی طاقت کی دولتیاں چلا رہا ہے۔ بھلا شیر اپنے نرم بے ناخن پنجوں سے گدھے کے سخت آہنی سموں کا مقابلہ کرنے میں سوائے اپنا سر پھوڑنے کے اور کیا کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کی دور اندیش اور دانش مند حکومتیں ابتداء سے لے کر آج تک شیر اسلام کو اپنے دینی دانتوں اور روحانی ناخنوں سے محروم کر کے بے دست و پا بناتے چلے آئے ہیں۔ اور جب کبھی دیکھتے ہیں کہ یہ شیر تقاضائے فطرت سے پھر نئے دانت اور ناخن نکالنے لگ گیا ہے۔ ان کے سیاسی پاسبان اور پولیٹیکل نگران ان کے نئے روحانی دانت اور ناخن اپنے مضبوط زنبوروں اور

زبردست ہتھوڑوں سے جلدی توڑ مروڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

اہل یورپ کا سیاسی فہم اور فراست اور پولیٹیکل دوبینی داد دینے کے قابل ہے۔ ان کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ جس طرح بن پڑے مسلمانوں کو اپنی اصلی دینی سپرٹ اور روحانی ہتھیاروں سے عاری اور محروم رکھا جائے۔ انہیں کامل یقین ہے کہ اگر شیر اسلام پھر اپنے دینی دانت اور روحانی ناخن حاصل کر چکا۔ تو پھر ہم مادی حیوان کہیں کے نہیں رہیں گے۔ کیوں کہ انہیں معلوم ہے کہ اگر مسلمان اپنے خدا کے سچے خادم بن گئے اور ان کا خدا ان کے ساتھ ہو گیا تو وہ قادر قدیر ذات ابابیل پرندوں سے ہوائی جازوں اور ان کی کنکریوں سے ایٹم بموں کا کام لینے لگ جائے گا۔ انہیں اچھی طرح یاد ہے کہ مسلمانوں کے خدا نے نمرود مردود کے زبردست جرار لشکر کو ناچیز مچھروں سے ہلاکت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ انہیں خوب معلوم ہے کہ فرعون کے لاکھوں فوجیوں کی تیز تلواروں اور چمک دار نیزوں اور ہامان کے زبردست ساز و سامان اور تدبیروں کے مقابلے میں ایک اسرائیلی فرولیش موسیٰ کے عصائے چوبیں نے کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ اور کس طرح ایک زبردست پادشاہ کو اپنے لاؤ لشکر سمیت آب وگل کے اندر تہس نہس کر دیا تھا۔ غرض مسلمانوں کی آسمانی طاقت کی ہیبت آج تک ان کے دلوں پر چھائی ہوئی ہے اور شیر اسلام کی خوفناک اور مہیب گرج ان کے دماغوں میں آج تک گونج رہی ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ سے مسلمانوں سے ان کی دینی دولت اور روحانی ہتھیار چھین لینے کے در پے رہے ہیں۔ چنانچہ ہم اپنے اس خیال کی تائید میں ایک چھوٹا سا واقعہ بطور مشتے نمونہ زخروارے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ شاید مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کی فکر کریں۔

واقعہ یہ ہے کہ مرحوم محمد علی پاشا والئے مصر کے زمانے میں مصر کے طالب علم مغربی علوم وفنون سیکھنے کی خاطر فرانس جایا کرتے تھے اور ان کے ہمراہ چند شیخ یعنی

مذہبی رہنما اور روحانی پیشوا بھی بھیج دیئے جاتے تھے جو انہیں ساتھ ساتھ دین کی تعلیم اور روحانی تلقین بھی کیا کرتے تھے۔ تاکہ مصری طالب علم مغربی تعلیم سے متاثر ہو کر الحاد اور دہریت کی طرف راغب نہ ہو جائیں۔ ایک دفعہ فرانس میں ایک اخبار کے نامہ نگار نے صبح ایسے وقت میں جب کہ ہر جگہ برف پڑی ہوئی تھی ایک مصری طالب علم کو وضو کے لئے پانی کی تلاش میں پھرتے دیکھا کہ وہ برف کو توڑ کر وضو کر رہا ہے۔ وہ یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ چنانچہ اس نے دوسرے روز فرانس کے ایک اخبار میں اس قسم کا ایک مضمون لکھ مارا کہ اگر مصری نوجوانوں کا جذبہ دین کی یہ حالت رہی تو عنقریب مصر تمام یورپ کو غلام بنا لے گا۔ ایسے عزم کی نظیر اور استقلال کی مثال یورپ میں نہیں مل سکتی۔ یہ وہ عزائم ہیں جو پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا دیتے ہیں۔ اور ملکوں کو زیروزبر کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد مصری طلبہ کے ہمراہ مذہبی شیوخ اور روحانی رہنماؤں کے بھیجنے کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

غور و فکر کا مقام ہے کہ یورپین لوگ مسلمانوں کی مذہبی سپرٹ اور روحانی قوت سے کس قدر خائف اور ہراساں ہیں کہ دن رات ہمارے مذہبی اعمال اور روحانی احوال پر کڑی نگرانی رکھتے ہیں۔ کیونکہ مذہبی جذبہ اور روحانی جوش ہی وہ اصلی جوہر ہے جو مسلمانوں کو ترقی کے معراج پر پہنچانے والا ہے۔ مغرب خود تو مدتوں سے دنیوی حرص و آز میں اپنا روحانی حاسہ اور مذہبی سپرٹ کھو چکا ہے۔ اس کے سینے کی انگیٹھی میں مذہبی آگ کی آخری چنگاری بھی بجھ چکی ہے۔ اور صرف برائے نام رسمی و رواجی طور پر مذہب کی راکھ ہی پڑی ہوئی ہے۔ جو کبھی کبھار گرجوں کے اندر پادریوں کے خشک وعظ کی پھونکوں اور آرگن باجوں کی چوں چوں سے اڑتی ہوئی اور دیکھنے والی آنکھوں کو الٹا اندھا کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کے خلاف مسلمانوں کی غفلت اور مخالف ہتھکنڈوں سے اگرچہ مسلمانوں کے سینوں کی انگیٹھیاں سرد پڑ چکی ہیں۔ لیکن ان کے قلوب کے کوئلوں میں ایمان کی آخری چنگاری ابھی تک دبی

پڑی ہے۔ کہ جب کبھی اسے علمائے عاملین کے پندو نصائح یا فقراء کاملین کی موافق ہوا کا جھونکا پہنچتا ہے۔ وہ چنگاری فوراً بھڑک اٹھتی ہے۔ اور ان کے سینے کی انگیٹھیاں گرم اور دلوں کے آتش دان روشن ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مسلمان اگرچہ سیاسی صورت میں مدت سے محکوم اور مغلوب ہے اور اقتصادی طور پر مفلس اور مفلوک ہوگیا ہے۔ لیکن جب بھی اس کے سامنے اسلام کے نام پر کٹ مرنے یا اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے ناموس پر جان عزیز کی بازی لگانے کا سوال آیا ہے۔ تو مسلمان نوجوان سر سے کفن باندھ کر میدان امتحان میں بے تامل کود پڑا ہے۔ اور سینہ تان کر گولیوں کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے۔ اور خوشی سے جام شہادت نوش کر لیا ہے۔

اسلام کے اصلی مذہبی پیشوا اور حقیقی روحانی رہنما اپنے پاک ہاتھوں سے دین اور روحانیت کے ایسے محکم اشجار طیبہ مسلمانوں کے دلوں میں لگا گئے ہیں کہ تیرہ سو سال سے ابلیس خبیث بمع اپنے ظاہری و باطنی جنود شیاطین الانس والجن اپنے طرح طرح کے ہتھیاروں اور اوزاروں سے اسے دن رات کاٹ رہے ہیں۔ اور کاٹتے کاٹتے ان کے بازو تھک گئے ہیں۔ اور ان کے اوزار کند ہو گئے ہیں۔ اس سے گو ان کی ٹہنیاں کٹ گئی ہیں۔ پتے جھڑ گئے ہیں۔ نہ پھل رہے ہیں نہ پھول۔ لیکن آفرین ہے اسلام کے اس مبارک شجر طوبیٰ پر کہ ابھی تک اس کا پاک تنا اور مبارک جڑ مسلمانوں کے دلوں کی زمین کے اندر بدستور قائم اور قرار ہے۔ اور اس گئے گذرے زمانے میں بھی دنیا کا کوئی مذہب اور ملت اپنے ظاہری اعمال و افعال اور باطنی احوال میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلامی شعائر اور دینی احکام پس پشت ڈال دیئے ہیں۔ اور اخلاقی طور پر بہت گر گئے ہیں۔ اس لئے دنیا میں ذلیل وخوار ہو گئے ہیں۔ کافروں اور مشرکوں نے ان کے اچھے اسلامی محاسن اور دینی حامد اپنا لئے ہیں۔ اس

لئے مسلمان ان کافروں اور بے دینوں کے ہاتھوں محکوم و مغلوب ہو گئے ہیں۔ایک وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کا اخلاق شہرۂ آفاق تھا۔اور دنیا کی تمام قومیں ان کی بلندی اخلاق کو دیکھ کر عش عش کرتی اور رشک کھاتی تھیں۔دور کیوں جائیں ان انگریزوں کے ابتدائی دور حکومت میں مسلمانوں کے کردار اس قدر اعلیٰ تھے کہ وہ مخالفین اور دشمنان دین سے بھی خراج تحسین حاصل کرتے تھے۔مسلمان شخصی اور ذاتی مفاد کے لئے بھی تو بھولے سے جھوٹ نہیں بولتے تھے۔بلکہ جس معاملے میں سچائی سے تمام قوم اور ملت کے نقصان کا احتمال ہوتا وہاں بھی راستی کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔اور قرآن کریم کی مفصلہ ذیل ہدایات پر عمل پیرا تھے

یایھا الذین امنوکونوقوامین بالقسط شھداءللہ ولوعلی انفسکم ولولدین والامربین

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر قائم اور اللہ کے لئے حق کی گواہی دینے والے رہو۔خواہ وہ تمہیں اپنے اور اپنے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف دینی پڑے قولہ تعالیٰ

ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلو اعدلو اھو اقرب للتقویٰ

ترجمہ:اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے معاملے میں انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو۔بلکہ ہر حال میں انصاف پر قائم رہو یہ بات تقویٰ کے بہت قریب ہے۔

انگریزی عملداری کے ابتدائی دور کا واقعہ ہے کہ ضلع مظفر نگر کے ایک قصبہ کاندھلہ میں ایک جگہ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جھگڑا ہوا کہ یہ ہندوؤں کا مندر ہے یا مسلمانوں کی مسجد انگریز مجسٹریٹ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد مسلمانوں سے تخلیے میں پوچھا کہ ہندوؤں میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی صداقت پر آپ اعتماد کر سکتے ہوں اور جس کی شہادت پر فیصلہ کر دیا جائے۔انہوں

نے کہا ہمارے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے۔ اس کے بعد ہندوؤں سے پوچھا تو انہوں نے کہا یہ بڑی آزمائش کا موقع ہے اور بڑا اہم مذہبی معاملہ ہے۔ لیکن پھر بھی ایک مسلمان بزرگ ایسے ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ شاید وہ اس معاملے میں بھی صداقت سے گریز نہیں کریں گے۔ اور یہ بزرگ مفتی الٰہی بخش صاحبؒ (شاگرد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ) تھے مجسٹریٹ نے ان کے پاس چپراسی بھیج کر عدالت میں طلب کیا۔ انہوں نے چپراسی سے کہا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ فرنگی کا منہ کبھی نہیں دیکھوں گا۔ مجسٹریٹ نے کہلا بھیجا کہ آپ میرا منہ نہ دیکھیں لیکن تشریف لے آئیں۔ معاملہ بڑا اہم ہے۔ اور آپ کے یہاں تشریف لائے بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ وہ بزرگ تشریف لائے اور پیٹھ پھیر کر عدالت میں کھڑے ہو گئے۔ معاملہ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ اور کہا گیا کہ آپ کا اس معاملے کے بارے میں کیا علم ہے۔ کمرہ عدالت ہندوؤں اور مسلمانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اور تمام لوگوں کی نگاہیں آپ کے چہرے پر تھیں۔ اور سب ہمہ تن گوش تھے۔ اس پاک باز بزرگ نے یوں زبان کھولی

صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ جگہ ہندوؤں کی ہے مسلمانوں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عدالت نے فیصلہ دے دیا اور جگہ ہندوؤں کو مل گئی۔ مسلمان ایک قومی مقدمہ ہار گئے۔ لیکن اسلام نے اخلاقی فتح پائی۔ صداقت اور اسلامی بلند اخلاق کے مظاہرے نے چند گز زمین کھو کر بہت سے غیر مسلمانوں کے ضمیر جیت لئے۔ بہت سے ہندو اسی روز آپؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ اور دور دور اسلام کی بلندی اخلاق کوڈنکا بج گیا۔

ضمیر کے علاوہ مسلمانوں میں علم و فضل اور دین و دانش بھی ایک مقدس اور قیمتی متاع سمجھی جاتی تھی۔ جس کو کسی قیمت پر غیروں کے ہاتھ فروخت کرنا گناہ عظیم خیال کیا جاتا تھا۔ ہماری قوم کے سابق علمائے عامل تو اسے اللہ تعالیٰ کا ایک بے بہاء

قیمتی عطیہ اور قومی امانت سمجھتے تھے۔ خصوصاً کفر، شرک اور فسق و فجور کی بلاواسطہ یا بالواسطہ تقویت اور اعانت میں اس کو صرف کرنا اور کافر حاکم کے نظام میں آلہ کار بن کر اسے استعمال کرنا بڑی قومی خیانت اور ایمان فروشی خیال کرتے تھے۔ اسی طرز کے نیک سیرت اور پاک طینت بزرگ مولانا عبدالرحیم صاحب رام پوری (1234ھ) روہیل کھنڈ کے انگریز حاکم مسٹر ہاکنسن نے ان کو بریلی کالج کی درس و تدریس کے لئے ڈھائی سو روپیہ ماہوار مشاہرہ کی پیش کش کی جو 1857ء سے پہلے آج کے ہزار بارہ سو روپے ماہوار کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ وعدہ بھی کیا کہ تھوڑی ہی مدت میں اس مشاہرہ میں ترقی اور اضافہ کر دیا جائے گا۔ انہوں نے عذر کیا کہ ریاست سے ان کو دس روپے ماہوار ملتے ہیں۔ وہ بند ہو جائیں گے۔ ہاکنسن نے کہا میں تو اس وظیفے سے پچاس گنا زیادہ پیش کرتا ہوں۔ اتنی بڑی رقم کے مقابلے میں ریاست کی یہ حقیری سی رقم کیا وقعت رکھتی ہے۔ انہوں نے اس کے بعد یہ عذر کیا کہ میرے گھر میں بیری کا درخت ہے۔ جس کے بیر بہت لذیذ اور مجھے مرغوب ہیں۔ بریلی میں وہ بیر کھانے کو نہیں ملیں گے۔ ظاہر بین انگریز اب ان کے دل کی بات کو نہ پا سکا۔ اس نے کہا رام پور سے بیر لے جانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔ اور آپ بریلی میں بیٹھے بھی اپنے گھر کے بیر کھا سکتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا۔ ایک بات اور بھی ہے اور وہ یہ کہ میرے طالب علم جو رام پور میں مجھ سے درس لیتے ہیں ان کا درس بند ہو جائے گا۔ اور میں ان کی خدمت سے محروم ہو جاؤں گا۔ انگریز کا دماغ اب بھی بات کی تہہ تک نہ پہنچ سکا۔ اس نے کہا میں ان کے وظائف مقرر کرتا ہوں وہ بریلی میں آپ سے تعلیم جاری رکھیں اور اپنی تکمیل کرتے رہیں۔ آخر اس با عمل اور متقی عالم نے اپنے ترکش کا آخر تیر ایسا چھوڑا جس کا کوئی جواب انگریز کے پاس نہ رہا۔ مولانا نے فرمایا آپ کی باتیں سب بجا سہی۔ لیکن تعلیم پر اجارت لے کر میں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔ اس وقت ہندوستان کے مادی

فاتح نے ایک پاک باز عالم کے اخلاقی اور روحانی ہتھیار کے ایک ہی ضرب کے سامنے اپنی شکست تسلیم کرلی۔ اور یوں ایک سچے مسلمان عالم نے ایک غیر مہذب عالم کے دل پر اسلام کی بلندی اخلاق کا سکہ بٹھا دیا اور اسلام کے نام کو چار چاند لگا دیئے۔

اس اخلاقی بلندی اور اعلیٰ کردار کا مقابلہ ہمارے اس آخری زمانے کی دانش فروشی سے کیجئے کہ ہمارے بڑے بڑے علامہ زمان اور جیج العلماء نے اپنی علمی لیاقت اور ذہانت کو نیلام پر چڑھا رکھا ہے کہ جو زیادہ بولی دے گا اسی کے ہاتھ فروخت کردیں گے۔ اگر کوئی اسلامی ادارہ سودے رہا ہے اور کسی نصرانی، یہودی، ہندو اور سکھ ادارے نے ایک سو پانچ لگا دیئے بس اسی کے ہاتھ بک جائیں گے۔ مناسب موضوع اور ذوق طبع کی بھی کوئی شرط نہیں۔ محکمہ تعلیم کا آدمی ترقی پر پولیس اور محکمہ صیغہ سی آئی ڈی یا کسی غیر مسلم سیاسی فوجی محکمے کی طرف بطیب خاطر منتقل ہو سکتا ہے۔ ایک مسلمان شاعر جس کی ولولہ انگیز اسلامی نظمیں مسلمان نوجوانوں کے سینوں میں اسلامی حمیت اور قومی جذبات کا طوفان برپا کردیتی ہیں۔ بہ آسانی ممکن ہے کہ کل وہ اسی روانی کے ساتھ فوجی بھرتی کے لئے نظمیں لکھنے لگے اور اس کی نظمیں مسلم نوجوانوں کو طاغوت کے جھنڈے تلے لڑنے اور جان دینے کے لئے میدانا جنگ میں پہنچادیں۔

آج اسلام اور دین اس لئے خوار اور بے وقعت نظر آتا ہے کہ علماء سو یعنی بے عمل علماء اس کے علم بردار اور مبلغ بنے ہوئے ہیں جن کی نیت صاف نہیں ہے۔ اور دنیوی طمع و لالچ اور سیاسی علو اقتدار ان کا مطلوب اور مقصود ہے۔ ان کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ گو وہ اپنی تقریروں کو مبالغہ آمیز، دلچسپ قصوں، کہانیوں اور دل آویز نغموں سے دل کش بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان میں کوئی کشش اور دلچسپی نہیں ہوتی۔ اگر ان کی غرض و غایت محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دین کی اشاعت و

تبلیغ ہوتی تو وہ ضرور خالق اور مخلوق ہر دو کی نظروں میں مقبول اور منظور ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ مردانِ خدا یعنی اولیاء اللہ کی دنیا میں اور بعد از مرگ بھی عزت اور توقیر قائم رہتی ہے۔ ان کی خاک چومی جاتی ہے۔ اور ان کے مزاروں پر لوگ پروانوں کی طرح گرتے ہیں۔ اور ان کی تصانیف اور ملفوظات کا قیامت تک اثر ہوتا ہے۔ اور لوگ اسے سر اور آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین اور اولیائے کاملین کے پاس علم کا مغز اور مخ ہوتا ہے اور علمائے بے عمل کے پاس علم کا محض خشک بے لذت چھلکا ہوتا ہے۔ اس لئے سکولوں اور کالجوں میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ علم روحانیت اور تصوف کا ایک شعبہ ہونا چاہیے۔ اور اس کے لئے اصلی روحانی علماء اور کامل فقراء کی خدمات حاصل ہونی چاہئیں۔ ظاہری علم شریعت اور کسی علم روایت تو ظاہری علماء سے کسی طور پر حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن علم تصدیق اور علم ہدایت کتابوں کے کاغذی دفینوں اور ظاہری کسی عاملوں کی زبانی تقریروں سے حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ علمائے عاملین اور فقرائے کاملین کے سینوں سے سینوں میں بطور نظر و توجہ منتقل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انبیاء مرسلین اور اولیاء کاملین کو نہ صرف زبانی باتیں، قصے کہانیاں اور قیل و قال ہی عطا کیا تھا۔ بلکہ انہیں نور نبوت و الہام، روحانی طاقت، معجزات و کرامات اور علم تسخیر و دعوات سے بھی آراستہ و پیراستہ فرمایا تھا۔ اور انہیں علم تسخیرات اور حاضرات کے ذریعے جن، ملائکہ اور ارواح پر حکومت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔ انبیاء اور اولیاء خالی اہل قیل و قال و اہل شنید نہیں ہوتے بلکہ صاحب حال اور دید، اہل رسید اور اہل یافت ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس توریت کی صرف خالی روائتی تختیاں نہیں تھیں جنہیں وہ زبانی طور پر بنی اسرائیل کو پڑھ پڑھ کر سناتے تھے جنہیں وہ سن کر ہدایت پاتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تسع ایات بینات یعنی نو قسم کے باطنی علوم اور روحانی طاقتیں بھی انہیں عطا فرمائی تھیں۔ جن میں سے ایک عصا اور دوم ید بیضا دو

مشہوری نوری ہتھیار تھے۔ جنہیں موسیٰ علیہ السلام وقتاً فوقتاً گمراہ خلقت کی ہدایت اور بد خواہ مخالفین یعنی کفار اور مشرکین کی تباہی اور ہلاکت کے نازک موقعوں پر استعمال کیا کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا اصلی سرمایہ اور آپ کی نبوت کے نوری نیزے، باطنی تلواریں اور روحانی تیر و کمان قدرت کے یہی غیبی سامان اور ہتھیار تھے۔ جن کے ذریعے فرعون اور اس کی جرار فوج کو آپ کی عصائے چوبی کی ایک ضرب نے دریائے نیل کی خوفناک لہروں کے حوالے آب و گل میں تہس نہس کر ڈالا۔ انہی باطنی ہتھیاروں کے بل بوتے پر آپ نے قارون جیسے زبردست سرمایہ دار کو قعر مذلت میں گرا کر برباد کر دیا۔ سامری کے سحر گوسالہ سازی کا ستیاناس کر دیا۔ انہی کی بدولت من و سلویٰ آسمان سے نازل ہوتے تھے۔ خشک پتھروں اور جامد چٹانوں سے پانی کے چشمے ابل پڑتے تھے۔ کڑکڑاتی دھوپ میں سایہ کرنے کے لئے بادل ساتھ ساتھ چلتے۔ اور اسی طرح کے بہتیرے قدرت کے کرشمے آپ کے ہاتھ پر نمودار ہوتے۔ جنہیں دیکھ کر بنی اسرائیل جیسی جاہل، گمراہ اور سرکش قوم ایمان لائے ہوئے تھی۔ توریت کے خالی کاغذی انبار تو بعد کے یہودی علماء کے پاس بھی موجود تھے۔ اگر انہیں کی بدولت وہ وارث انبیاء تھے تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن کریم میں کمثل الحمار یحمل اسفارا کے خطاب کر عتاب سے کیوں خطاب فرما کر انہیں ایسے گدھوں سے تشبیہ دی ہے جن کی پیٹھ پر خالی کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ غرض انبیاء علیہم السلام کی وراثت صرف کاغذی، رواتی اور زبانی کسی علم نہیں بلکہ وہ باطنی نوری حضوری علم اور روحانی طاقت ہے جو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بلا واسطہ وہبی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا رہا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو حق میں فرمایا ہے وعلمنا من لدنا علما یعنی ہم نے انہیں اپنی طرف سے بے واسطہ باطنی علم عطا کیا تھا۔ یہی وہ اصلی وراثت ہے جو انبیاء علیہم السلام کے حقیقی وارثوں اور جانشینوں یعنی علمائے عاملین اور فقراء کاملین

اور صدیقین و صالحین کی طرف منتقل ہوتی چلی آئی ہے۔ ظاہری کسی علم کی مثال چراغ کی سی ہے جو تیل، بتی وغیرہ سے تیار کی جاتی ہے۔ لیکن باطنی علوم اور روحانی طاقت اور نوری حضوری کمالات کی مثال اس برقی رو کی سی ہے کہ ایک پاور ہاؤس سے روشنی، آواز اور برقی طاقت ہزاروں گھروں کے اندر صرف بٹن دبانے سے ایک دم میں منتقل ہو جاتی ہے۔ باطنی علم اور روحانی طاقت توجہ اور نگاہ سے بلاواسطہ ایک دم میں ایک مرشد کامل کے سینے سے ہزارہا طالبوں کے سینوں کے اندر طرفۃ العین میں منتقل ہو جاتی ہے۔ جامی صاحبؒ نے اسی علم کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جامی کہ فیض از دو سہ پیانہ دریافت
ترسم کہ شیخ شہر نیابد بصد چلہ

اور مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں۔

آں چہ بہ تبریز یافت یک نظر از شمس دینؒ
طعنہ زند بردہ و سخرہ کند بر چلہ

یعنی جو باطنی فیوضات اور روحانی برکات ہم نے اپنی پیر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزیؒ کی ایک نظر اور توجہ سے پائیں وہ دس دن کے اعتکاف اور چالیس دن کے چلوں پر طعنے اور مسخرے کرتے ہیں۔ سو جب کسی کامل انسان کو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی ہدایت پر مامور فرماتا ہے تو اسے اپنی قدرت کے غیبی نوری خزانوں پر مطلع فرما کر بلاواسطہ اپنے پاس سے باطنی علوم اور روحانی طاقتیں عطا فرماتا ہے اور اسے اپنی طرف سے جن، ملائکہ اور ارواح پر باطنی حکومت عطا فرماتا ہے جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی باطنی سلطنت کا حال پہلے بیان کیا گیا ہے۔ سو جس طرح ظاہری بادشاہ کے پاس ظاہری سلطنت اور حکومت چلانے کے لئے سونے، چاندی اور زر و جواہر کے خزانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جن سے زندگی کے لوازمات خریدے جاتے ہیں۔ جب بادشاہ اور حاکم وقت کے پاس اس قسم کا خزانہ

بافراط جمع ہو جاتا ہے اور وہ دراالضراب کا مالک ہو جاتا ہے اور اپنے علاقے میں اس کے نام کا سکہ رائج ہو جاتا ہے تو طوعاوکرہا ایک جہان اس کا تابع فرمان ملازم، نوکر، خادم اور تابع دار بن جاتا ہے۔ اور تمام لوگ اپنے پیٹ کی خاطر اس کے خدمت گار اور ملازم بننے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ سوا سے دو قسم کے ملازم اور نوکر رکھنے پڑتے ہیں۔ ایک سول لائن کے ملازم اور نوکر ہوتے ہیں۔ جن سے ہر قسم کے ملکی اور انتظامی کاروبار میں مدد لی جاتی ہے۔ دوم ملٹری اور فوجی مد کے سپاہی اور عسکری نوکر ہوتے ہیں جن سے ملک اور حکومت کے دشمنوں اور مخالفوں سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کا کام لیا

جاتا ہے۔ بعینہ جب کسی کامل انسان مثلاً کسی ولی یا نبی کو اللہ تعالیٰ باطنی بادشاہی عطا فرماتا ہے۔ تو اسے نیک اعمال، ذکر فکر اور دعوت کی باطنی دولت یعنی روحانی زرو جواہر کے باطنی لطیف غیبی خزانے عنایت فرماتا ہے۔ یعنی کامل انسان کے نیک اعمل، طاعت، عبادت، ذکر فکر تلاوت اور دعوت وغیرہ سے جو نور پیدا ہوا تا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی غیبی لطیف مخلوق یعنی جن، ملائکہ اور ارواح کی غذا اور خوارک ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الیہ یصد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں پاک کلمات (کے انوار) اور عامل صالح (کے انوار) اس کی طرف بلند ہوتے ہیں۔

نیز ایک حدیث میں آیا ہے کہ قرآن کی تلاوت سے جو نور پیدا ہوتا ہے۔ وہ فرشتوں اور ملائکہ کی غذا ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اذ مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا فیھا جب کبھی تمہارا باغ جنت کی جانب گذر ہو تو اس میں چرنے لگ جایا کرو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا حضرت! وہ جنت کا باغ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا حلقۃ الذکر یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر کا نور ہوتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یعنی محض اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے قلوب سیر ہوتے ہیں اور

انہیں اطمینان حاصل ہوتا ہے۔نہیں دیکھتے کہ بھوک اور پیاس سے انسان پریشان خاطر اور بےقرار ہوتا ہے۔اور جب اسے کھانا پینا مل جاتا ہےتو وہ ہر طرح سے خاطر جمع اور مطمئن ہو جاتا ہے۔نیز ارشاد ربانی ہے کہ من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا جو ہمارے ذکر سے اعراض اور کنارہ کرتا ہے اور اس کی معیشت اور روزی تنگ ہو جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ذکر فکرت اور تلاوت وغیرہ چونکہ باطنی غذا اور اس کا حصول روحانی معیشت اور روزی ہے۔لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض اور کنارہ کرے گا اس کی روزی ضرور تنگ ہو جائے گی۔ورنہ ایسے ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر سے اعراض اور کنارہ کرنے والے دنیا اور مالدار لوگ دیکھے جاتے ہیں۔اور ان کی ظاہری روزی اور معیشت کشادہ اور فراخ ہوا کرتی ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض اور کنارہ کرنے سے دنیا کی ظاہری تنگی لاحق ہوتی ہے تو دنیا میں اللہ اللہ کرنے والے ہی دولت مند اور آسودہ حال نظر آتے۔اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل لوگ دنیا میں مفلس نظر آتے۔حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔اور اس طرح اللہ تعالےٰ کے کلام حق نظام میں سخت اشکال پیدا ہوتا ہے۔

دیگر اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی رزق کا قرآن مجید میں دو مختلف جگہ ذکر فرمایا ہے وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا یعنی نہیں ہے کوئی جانور روئے زمین پر مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے جنہیں بلا امتیاز حیوان کہا گیا ہے۔اور دوسری جگہ ارشاد ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون یعنی تم اہل ایمان انسانوں کا رزق آسمان میں ہے۔اور یہ وہ نوری حضوری آسمانی رزق ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے کہ بہشت میں تمہیں ملا کرے گا۔اس باطنی رزق کو اس واسطے آسمانی رزق کہا گیا ہے کہ وہ کلمات طیبات اور اعمال صالحات کی صورت میں آسمان کی طرف نوری صورت میں چڑھتا ہے۔اور وہاں اہل آسمان ملائکہ اور ارواح کی

غذا بنتا ہے۔ ان مذکورہ بالا آیات اور احادیث سے ایک سلیم العقل منصف مزاج آدمی ان دو قسم کے ظاہری اور باطنی طعام اور غذا کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے اور ذہن نشین کر سکتا ہے جب کبھی اہل زمین اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر، طاعت عبادت اور نیک اعمال کی ادائیگی میں سست، کاہل اور غافل ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے نیک اعمال کا نور آسمان کی طرف نہیں چڑھتا تو اہل آسمان میں قحط رونما ہو جاتا ہے۔ اور وہ صفیں اور پرے بنا کر بطور نماز استسقا دعائیں مانگتے ہیں کہ اے اللہ اہل زمین کو ذکر، فکر، نیکی اور عبادت کی توفیق دے تا کہ ان کی عبادت اور نیکی کا نور آسمان پر برسے اور ہماری غذا بنے علاوہ اس کے روزمرہ صدق دل سے اللہ اللہ کرنے والوں کو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ کس طرح اللہ اللہ کرنے سے دل کو باطنی غذا پہنچتی ہے۔ اور دل اللہ تعالےٰ کے ذکر کے نور سے معمور اور سیراب ہوتے ہیں۔ یہ بات تو عام طور پر اللہ اللہ کرنے والے بھی معلوم کر لیتے ہیں کہ انسان جس روز حسب معمول اللہ تعالیٰ کے ذکر کا وظیفہ ادا کرتا ہے تو اس روز دل بے وجہ خوش وخرم اور بے واسطہ ہشاش و بشاش رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ظاہری حواس بھی روشن اور منور ہوتے ہیں۔ دل میں صبر و سکون اور ایک گونہ اطمینان رہتا ہے۔ اگر گھر میں ظاہری طور پر کچھ نقدی اور مال نہ بھی ہو۔ تب بھی دل ایسا مطمئن ہوتا ہے گویا سب کچھ موجود ہے۔ اور کسی قسم کی پریشانی اور بے قراری لاحق نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے برخلاف جس روز انسان کے اپنے روزمرہ کے وظائف، عبادات اور ذکر و فکر کا ناغہ ہو جاتا ہے۔ اس روز طبیعت بے وجہ پریشان، دل پژمردہ اور زندگی بے لطف معلوم ہوتی ہے۔ دل کو ایک قسم کی تنگی اور پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ مال اور دولت کے ہوتے ہوئے دل میں حرص اور بے صبری آ جاتی ہے۔ دنیا کی تمام فضا بے مزہ اور بے رونق معلوم ہوتی ہے۔ دل کمزور اور طبیعت مضمحل ہو جاتی ہے۔ یہ بات عام ذکر فکر کرنے والوں کو معلوم ہوتی ہے۔ لیکن خواص جن کے ذکر فکر اور عبادت میں کمال درجے کا صدق اور اخلاص ہوتا

ہے۔ اور ان کے ذکر، فکر اور عبادت سے بہ کثرت نور پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس باطنی غذا کو ظاہری اور مادی غذا کی طرح معلوم اور محسوس کرتے ہیں۔ اور ان کے بطن باطن کو اس طرح ذکر فکر سے پُری اور سیری معلوم ہوتی ہے جس طرح وہ ظاہر غذا سے سیر اور مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے ذکر سے بہ افراط نور پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ نور ان کی ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے تو وہ جنات، ملائکہ اور ارواح کو اپنے پاس آتے اور اپنی مخصوص باطنی غذا پاتے دیکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی مومن قرآن پڑھنے والا اہل دعوت کسی اہل قبر کے پاس سے گذرتا ہے تو اہل قبر روحانی اس کے قرآن کی بو پا کر اپنی قبر سے اس طرح سر نکال کر جھانکتا ہے اور ثواب، فاتحہ اور تلاوت قرآن پاک کی آرزو اور التجا کرتا ہے جس طرح چڑیا کا بچہ اپنی ماں کی آواز سن کر اپنے گھونسلے سے سر نکال کر چوں چوں کرتا ہے اور دانہ دنکا لینے کے لئے منہ پھاڑ پھاڑ کر چلاتا ہے۔

اس فقیر کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ یہ فقیر اپنے والد صاحب کے ہمراہ سفر پر جا رہا تھا۔ ان دنوں ہمارے وطن میں موٹر لاریوں کا رواج نہیں تھا۔ ہم اپنے شہر کلاچی سے ڈیرہ اسماعیل خاں کی طرف اونٹوں پر جا رہے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ والد صاحب اگلے اونٹ پر کجاوے میں سوار تھے۔ اور میں پچھلے اونٹ پر کجاوے میں اونگھ رہا تھا۔ میں نے اس غنودگی کی حالت میں دیکھا کہ والد صاحب کجاوے سے اتر پڑے ہیں۔ ان کے پاس چادر میں کچھ شیرینی ہے۔ سڑک کے قریب کچھ لوگ جمع بیٹھے ہیں مجھے کچھ تعجب سا ہوا کہ اس اندھیری رات میں سڑک کے کنارے یہ لوگ کہاں سے آ گئے ہیں اور والد صاحب کو ان کے درمیان شیرینی تقسیم کرنے کی کیا سوجھی ہے۔ اس حالت حیرت میں میری آنکھ کھلی۔ اور میں نے دیکھا کہ ہمارے اونٹ ایک گورستان آبا شہید کے پاس سے گذر رہے ہیں جو کلاچی اور ڈیرہ کے درمیان واقع ہے۔ اور والد صاحب اس وقت ہاتھ اٹھائے فاتحہ وغیرہ پڑھ کر ان

اہل قبور کو بخش رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ سڑک کے کنارے جو لوگ مجھے بیٹھے نظر آئے وہ اس گورستان کے اہل قبور روحانی لوگ تھے۔اور والد صاحب جو شیرینی ان کے درمیان تقسیم کرتے نظر آ رہے تھے۔وہ اس فاتحہ اور کلام کی باطنی غذائی صورت تھی جو اس وقت مجھے خواب میں نظر آ رہی تھی۔ غرض اس قسم کے واقعات اور مشاہدات بے شمار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر، فکر، تلاوت، عبادت، صدقات اور خیرات وغیرہ کا نور جن، ملائکہ اور ارواح کی غذا بن جاتا ہے۔ اور وہ اس غذا سے بہت خوش اور محظوظ ہوتے ہیں۔ اور غذا پہنچانے والے کے ہر طرح سے مدد، معاون، مددگار، ملازم اور خدمت گار بن جاتے ہیں۔ کیوں کہ وہ باطن میں اس کے نوری لنگر کے وظیفہ خوار ہوتے ہیں۔

سو اہل دعوت کامل سالک کو جب باطنی حکومت حاصل ہوتی ہے۔ تو اس کے ارد گرد چار قسم کے لطیف غیبی موکلات بطور چوکیدار اور معاون و مددگار لگے رہتے ہیں۔ اول مسلمان جن، دوم ملائکہ اور فرشتے موکلات، سوم ارواح شہداء چہارم ارواح پاک طیبہ انبیاء و اولیاء اللہ۔

انسان کے اندر مختلف باطنی لطیف جیسے مغز در مغز اور پوست بر پوست واقع ہیں۔ جیسا کہ دودھ کے اندر مکھن اور مکھن کے اندر گھی ہوتا ہے۔ اور انسان کے اس خام بیضہ عنصری کے اندر نفس کا ناسوتی لطیفہ اس طرح زندہ ہو جاتا ہے جس طرح انڈے کے اندر بچہ نمودار ہوتا ہے۔ لطیفہ قلب میں لطیفہ روح اور پھر لفیطہ سر وغیرہ سات لطائف پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ لطائف اللہ تعالیٰ کے ذکر، فکر، تلاوت، عبادت، اطاعت، نیک اعمال اور مرشد کامل کی توجہ سے یکے بعد دیگرے زندہ اور بیدار ہوتے ہیں۔ اور سالک ہر لطیفے سے اللہ تعالےٰ کے ذکر، فکر اور دعوت وغیرہ سے مشغول ہوتا ہے۔ اور اسی طرح ترقی کرتا ہے سو جس وقت سالک لطیفہ نفس سے دعوت شروع کرتا ہے۔ اور یہ لطیفہ چونکہ مقام ناسوت میں واقع ہے اور جن،

شیاطین اور سفلی ارواح اسی مقام میں رہتی ہیں۔اس لئے دعوت لطیفہ نفس کے وقت سالک کے پاس غیبی لطیف مخلوق میں سے جن حاضر ہوتے ہیں۔اور اس قسم کی دعوت سے جنات اور سفلی ارواح کی غذا پیدا ہوتی ہے۔اور وہ مطیع اور فرماں بردار ہوتے ہیں۔ان ناری مخلوقات کی تسخیر اور حاضرات کے دوران اہل دعوت کو سخت مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔باطن میں ہر وقت ان سے آسیب اور آزار پہنچنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔اہل دعوت کو ہمہ وقت باوضو،صاحب احتیاط اور باحصار رہنا پڑتا ہے۔تھوڑی سی بے احتیاطی اہل دعوت کے لئے ایک لازوال مصیبت اور رجعت کا موجب بن جاتی ہے۔جس کا انسداد اور ازالہ بعد میں بہت مشکل ہو جاتا ہے۔بہت لوگ جب تسخیر جنات کے عمل کے لئے خلوت اور چلے اختیار کر لیتے ہیں۔تو وہ چونکہ کسی عامل کی طرف سے ماموراور ماذون نہیں ہوتے۔ اور علم دعوت کے قواعد اور قوانین سے جاہل اور ناواقف ہوتے ہیں۔اور پڑھنے میں بھی ناقص ہوتے ہیں۔اور کسی عامل کامل کی نگرانی اور سرپرستی کے بغیر عمل تسخیر میں قدم رکھتے ہیں۔لہٰذا موکل ایسی بھولی بھٹکی بھیڑوں کو بہت جلدی اور آسانی سے شکار کر لیتے ہیں۔ اکثر اس قسم کے ناقص خام ناتمام طالب دوران عمل میں دیوانے اور مجنون ہو جاتے ہیں۔بعض لاعلاج امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔بعض قسم قسم کی تنگیوں اور پریشانیوں میں گرفتار ہو کر عمر بھر کف افسوس ملتے رہتے ہیں۔اس لئے طالب کو چاہیے کہ جب تک وہ پہلے اپنے وجود کو تصور اسم اللہ ذات سے پختہ نہ کر لے اور پڑھنے کے قابل نہ ہو جائے اور کسی عامل کی اجازت حاصل نہ کر لے ہرگز ہرگز عمل تسخیر جنات کا قصد اور ارادہ نہ کرے۔بعض طالب ہر دو امر یعنی پڑھنے اور اجازت میں ناقص ہوتے ہیں۔عمل تسخیر اس وقت تکمیل کو پہنچتا ہے جس وقت طالب پڑھنے اور اجازت ہر دو میں کامل اور قابل ہو۔پڑھنے میں قابل اور اجازت میں ناقص کی یوں مثال ہے کہ گویا ایک شخص بندوق چلانے میں ماہر ہے لیکن اس

کے پاس لائسنس نہیں۔ اور اجازت میں کامل اور پڑھنے میں ناقص کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص کے پاس لائسنس تو ہے لیکن وہ بندوق چلانے میں ماہر نہیں ہے۔ ہم نے بہت طالبوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ خلوت میں عمل تسخیر کے لئے داخل ہوتے ہیں تو انہیں ابتداء میں کچھ فائدہ اور اثر معلوم ہوتا ہے لیکن بعد میں خواب یا مراقبے کے اندر انہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس کوئی ہتھیار بندوق وغیرہ ہے۔ اور انہیں خواب میں کوئی سپاہی قسم کا آدمی ملتا ہے اور ان سے بندوق چھین لیتا ہے اور ڈانٹتا ہے کہ تم کیوں بغیر لائسنس بندوق چلاتے ہو۔ اور خواب میں انہیں بمع اسلحہ گرفتار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد وہ فوراً رجعت اور رنج میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ عالم جنونیت کی رجعتیں بے شمار ہیں۔ بعض ناقص طالب بیمار ہو جاتے ہیں اور پشتوں تک جنونیت کا آسیب اور آزار چلا جاتا ہے۔

جنات کی دعوت کے وقت مکان میں نیم اندھیرا ہونا چاہیے۔ خوشبو اور بخور بھی مفید ہے۔ جنات کے حاضرات کے وقت ایک قسم کی بدبو جو گندھک کے جلنے کے مشابہ ہوتی ہے۔ اہل دعوت کی ناک میں آنے لگتی اور ساتھ ساتھ تھوڑی سی وحشت اور ہیبت کلام پڑھنے والے کے دل پر چھانے لگتی ہے۔ کبھی آس پاس کچھ کھڑک اور چوٹ کی سی آوازیں آنے لگتی ہیں۔ سوتے میں جن وغیرہ سینے پر سوار ہو جاتے ہیں جس سے بیدار ہونے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے اور کابوس یعنی (NIGHT MARC) کی سی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ کبھی کان کی لو یا انگلی یا جسم کا کوئی حصہ جنات کی چھوٹ اور مس سے جل اٹھتا ہے۔ کبھی خواب میں ان موکلات کی طرف سے ڈانٹ، للکار اور سخت مہیب آواز کان میں سنائی دیتی ہے جس سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کبھی جن موکلات اپنے ہمراہ اہل دعوت کو دور دراز سفر پر خواب میں لئے پھرتے ہیں۔ اور نئے نئے عجیب ملکوں اور ان دیکھے مقامات کی سیر کراتے ہیں۔ گاہے ڈراؤنے مہیب خواب دکھاتے ہیں۔ اگر مرشد کامل جلدی

طالب کو اس خطرناک منزل سے نہ نکالے اور راہ نجات نہ دکھائے تو طالب مدت دراز تک ان موذیوں کے بُرے بکھیڑوں اور سخت الجھنوں میں پھنسا رہتا اور بطور نہ پائے رفتن و نہ جائے ماندن اس کی زندگی دو بھر ہو جاتی ہے۔ یہ تو اس راستے کی مشکلات اور مصائب ہیں جو خام ناقص طالبوں کو پیش آتی ہیں جیسا کہ ضرب المثل ہے کہ جائے کہ گنج است آنجار مار است لیکن طالب کامل کو اس راستے میں بے شمار فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض طالبوں کو کشف جنونی حاصل ہو جاتا ہے اور جن اسے آئندہ کے واقعات اور غیب کی خبریں بتانے لگ جاتے ہیں۔ بعض کو سلب امراض کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ جب وہ مریض پر ہاتھ پھیرتے یا دم کرتے ہیں۔ تو مریض فوراً اچھا ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے عامل کا تعویذ، دھاگہ اور دم ورد خوب چلتا ہے۔ جنات لوگوں کو پکڑ پکڑ کر ان کے پاس مریض کر کے لاتے ہیں اور ان کے ہاتھوں شفایاب ہو کر جاتے ہیں۔ بعض عاملوں کو جنات پر روزینہ مقرر ہو جاتا ہے اور جن عامل کے پاس نقدی وغیرہ لاتے ہیں جس سے عامل مستغنی ہو جاتا ہے لیکن اس منزل کو کوئی منتہی عامل پہنچتا ہے۔ بعض عاملوں کو آسیب زدہ لوگوں سے جن اتارنے کا ڈھنگ آ جاتا ہے یعنی جب کسی آسیب زدہ شخص کو ان کے پاس لایا جاتا ہے تو اگر آسیب زدہ شخص پر اس کا کوئی اپنا آشنا اور مطیع جن مسلط ہوتا ہے تو اس کے دم تعویذ سے فوراً نکل جاتا ہے اور اگر آسیب زدہ شخص پر کوئی اجنبی جن مسلط ہوتا ہے تو اسے نکالنے کے لئے عامل کلام پڑھ کر اپنا کوئی جن بلا کر حاضر کرتا ہے۔ اور اگر آسیب زدہ کا مسلط جن غالب ہے تو عامل کو اس سے قوی تر جن بلانے اور اس کے ذریعے اسے نکالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اگر عامل کے تمام بلائے ہوئے جنات مریض کے مسلط جن پر غالب نہیں آسکتے اور اسے نکالنے اور اتارنے پر قادر نہیں ہوسکتے تو جن بدستور مریض پر مسلط رہتا ہے بلکہ بعض اوقات عامل پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور اسے نقصان پہنچا دیتا ہے۔

جنات کی مختلف قسمیں ہیں۔اور ان کے آسیب اور آزار بھی مختلف ہوتے ہیں۔
غرض جن کو اور اس کے آزار اور آسیب کو کسی دوسرے جن کے ذریعے اتار اور زائل
کیا جا سکتا ہے۔انسان کا مادی ہاتھ اس کے لطیف غیبی وجود تک نہیں پہنچ سکتا۔
جنات کے ذریعے بغض وعداوت اور تسخیر ومحبت کے عمل کئے جاتے ہیں۔لوگوں کو
غیبی طور پر دکھ سکھ پہنچاتے ہیں۔زمین پر طیر سیر کرتے ہیں۔ہوا میں اڑتے ہیں۔
پانی پر تیرتے ہیں۔آگ میں داخل ہوتے ہیں اور انہیں ضرر نہیں پہنچتا۔ہندوستان،
بنگال، تبت اور چین میں اس قسم کے سفلی عامل بے شمار پائے جاتے ہیں۔یورپ
کے سپر چولسٹس نے بھی اسی سفلی عمل کو اپنایا ہے اور اسی میں مبتلا ہیں۔اسلامی تصوف
کے کامل عارف شہباز ان قدس کے نزدیک ان عاملوں کی حیثیت مکھیوں اور
پروانوں کی سی ہے۔جیسا کہ حضرت جنید بغدادی صاحب کا قول ہے

اذا رایت رجل ایطیر فی الھواء او یمشی علی الماء و یاکل النار
و ترک سنۃ من سنۃ رسول اللہ صلعم فا ضربہ بالنعلین فانہ شیطان
و ما صدر منہ فھو مکر واستدراج

ترجمہ: جب تو کسی شخص کو دیکھے کہ ہوا میں اڑتا ہے اور پانی پر چلتا ہے اور آگ
کھاتا ہے۔دراں حالیکہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ایک سنت کا تارک ہو تو اسے جو
توں سے مار کیوں کہ وہ شیطان ہے۔اور جو کچھ اس سے صادر ہو رہا ہے وہ مکر اور
استدراج ہے۔کسی نے فارسی میں اس کا یوں ترجمہ کیا ہے

مرد درویش بے شریعت اگر
پرد بر ہوا مگس باشد
دو چو کشتی رواں شود بر آب
اعتقادش مکن کہ خس باشد

جنات کے ظہور کا مخصوص وقت غروب آفتاب یعنی شام سے لے کر نصف رات

تک ہے۔ ہمارے ہاں تمام غیبی مخلوق یعنی جن، ملائکہ اور ارواح کی حاضرات کا سب سے بھاری ذریعہ اور وسیلہ قرآن مجید کی دعوت اور تلاوت ہے۔ جس وقت سالک زبان نفس سے دعوت شروع کرتا ہے تو عالم غیب میں سے جنات اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس سے قوت اور قوت پاتے ہیں اور اس کے وظیفہ خوار اور خدمت گار بن جاتے ہیں۔ اس وقت اگر سالک جنات کا عامل ہو کر اسی کو منزل مقصود سمجھ لے اور اسی پر غرہ ہو کر سفلی دکان کھول بیٹھے تو آگے ترقی کرنے سے رہ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب اور وصال سے محروم رہ جاتا ہے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ دعوت پڑھنے کے وقت اہل دعوت کے پاس جن، ملائکہ اور ارواح حاضر ہوتے ہیں۔ اور جس قدر پاک اور لطیف زبان سے کلام الٰہی پڑھا جائے اتنا ہی زیادہ اس سے نور پیدا ہوتا ہے۔ اور جس قدر زیادہ نور پیدا ہوتا ہے۔ اتنے زیادہ لطیف باطنی موکلات اس نور کو حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس لطیف غذا سے قوت اور قوت پاتے ہیں۔ چنانچہ زبان عنصری یعنی گوشت کی ظاہری زبان سے نفس کی زبان زیادہ لطیف اور پاک ہے۔ جس وقت اہل دعوت نفس کی زبان سے قرآن شریف پڑھتا ہے تو اس وقت اس سے ایک قسم کا نور پیدا ہوتا ہے جو جنات کی غذا بنتا ہے۔ اور ایسے دعوت کے پڑھنے والے کے پاس جنات حاضر ہوتے ہیں اور اس سے قوت حاصل کرتے ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک دفعہ قرآن کی تلاوت فرماتے وقت جنات حاضر ہوئے تھے۔ زبان نفس سے زیادہ پاک، طیب، طاہر اور لطیف زبان قلب کی ہے۔ اور جب طالب زبان قلب سے دعوت پڑھتا ہے تو اس دعوت سے جو نور پیدا ہوتا ہے۔ وہ ملائکہ اور فرشتوں کی غذا بنتا ہے۔ اور ایسے سالک اہل دعوت کے اس نور تلاوت کے لینے کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ پاک لطیف زبان روح کی ہے۔ زبان روح کی تلاوت سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ چونکہ ارواح

کی غذا ہے لہٰذا اس کے لینے کے لئے روح حاضر ہوتی ہیں اور اس سے قوت حاصل کرتی ہیں عوام کالانعام جو محض گوشت پوست کا ایک ڈھانچہ ہوتے ہیں۔ اور اس عنصری مادی زبان یعنی گوشت کی بوٹی کے سوا اور کسی چیز کو نہیں۔ انہیں ان باطنی لطیف زبانوں اور ان سے پیدا شدہ انوار اور ان انوار کو غذا بنانے والے موکلات کا قائل کرانا ایک نہایت مشکل اور تقریباً محال کام ہے۔ کیوں کہ جس وقت اس ظاہری عنصری زبان یعنی گوشت کی بوٹی سے اللہ تعالیٰ کا پاک غیر مخلوق کام پڑھا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہی زبان جھوٹ، لغویات، شکایات اور طرح طرح کے کفریات سے آلودہ رہتی ہے۔ اس واسطے بسبب عدم جنسیت و توافق اس تلاوت سے کچھ نور نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن بعض دفعہ اہل دعوت کی زبان عنصری کے ساتھ ساتھ زبان نفس بھی دعوت میں شامل ہو جاتی ہے۔ اس وقت دعوت اور تلاوت سے کچھ نور پیدا ہونے لگتا ہے۔ اور جب نفس کا لطیفہ باطن میں مزکی ہو کر زندہ ہو جاتا ہے تو اس وقت نفس کی زبان پورے طور پر کلام اللہ پر گویا ہو جاتی ہے اور اس سے کافی نور پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اہل دعوت کے پاس جنات حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس سے قوت حاصل کرتے ہیں۔ نیز یاد رہے کہ نفس کا معنوی طفل جسم عنصری کے مادر جسہ کثیف سے اس طرح کلام، دعوت اور تلاوت اخذ کرتا رہتا ہے جس طرح ماں اور دایہ کے تکرار اور کثرت کلام سے بچہ بولنے لگ جاتا ہے۔ اور گاہے مادر جسہ کثیف کے ساتھ ساتھ طفل معنوی لطیف دعوت میں شریک ہو جاتا ہے۔ لیکن پڑھنے والا اس بات کو معلوم نہیں کرتا۔ گاہے بیداری میں جب جسہ کثیف سے دعوت شروع کرتا ہے تو خواب میں یا مراقبے کے اندر اس ذکر اور دعوت کو بچہ لطیف اختیار کر لیتا ہے۔ غرض جن عارف سالک لوگوں کے لطائف ذکر اللہ سے زندہ بیدار ہو کر دعوت میں شریک ہو جاتے ہیں تو ایسی دعوت سے ضرور نور پیدا ہوتا ہے۔ بعض کامل عارف لوگوں کی دعوت کلام اللہ سے اس قدر نور پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس کے ایک لحظہ دعوت پڑھنے

کے انور کی اس طرح موسلا دھار بارش ہو جاتی ہے۔ کہ ہزاروں اہل قبور کی معذب سڑی جلی خشک کھیتی ایک دم میں سرسبز و شاداب ہو کر لہلہا اٹھتی ہے کہ یا تو اس گورستان میں ہر قبر جہنم کا گرم ابلتا ہوا تنور تھی۔ یا پل کے پل میں سارا سوختہ سوزاں گورستان بہشت بریں کا نمونہ اور مہکتا ہوا گلستان بن جاتا ہے۔ ناظرین کو اس سے تعجب ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے قدیم غیر مخلوق نوری کلام کی عظمت اور شان کو اندھے نفسانی لوگ کیا جانیں جنہیں ناولوں کے فرضی قصوں اور بے ہودہ فحش افسانوں کے پڑھنے سے تو بڑا لطف آتا ہے لیکن قرآن مجید سننے اور پڑھنے سے ان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ قرآن مجید دل اور روح کی باطنی لطیف غذا ہے۔ اور ان لوگوں کے قلوب اور ارواح یا تو مردہ اور بے حس ہیں یا بیمار اور مریض ہیں۔ اور یہ ایک امر مسلم ہے کہ غذا خواہ کتنی ہی عمدہ اور لذیذ ہو۔ بیمار آدمی کو کڑوی اور بد مزہ معلوم ہوتی ہے نفسانی مردہ دل آدمی گبریلے کی طرح دنیا کی گندگی کا شیدائی اور طالب ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے نافہ ہائے مشک اور طلب ہائے عنبریں سے منہ موڑ کر نفسانی ناولوں کی گندگی کی طرف اس لئے دوڑتا ہے کہ پلیدی اور گندگی میں اسے نفسانی اور حیوانی قوت اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے خلاف مشک اور عنبر کی خوشبو اور مہک اس کے لئے موت کا پیغام ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے غیر مخلوق نور کا ایک سحر بے پایاں ہے۔ اور تمام دعوتوں سے افضل اور اعلیٰ دعوت قرآن مجید ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے افضل العبادۃ تلاوۃ القرآن یعنی قرآن مجید کی تلاوت تمام عبادتوں سے افضل عبادت ہے۔

اب ہم تلاوت قرآن مجید کے مختلف مراتب اور مدارج بیان کرتے ہیں۔ گو یہ حقائق جو ہم بیان کر رہے ہیں مردہ دل نفسانی لوگوں کے فہم سے بالاتر ہیں۔ چوں کہ یہ بالکل صحیح ہیں۔ اس لئے بیان کیے دیتے ہیں۔ شاید اللہ تعالےٰ کا کوئی مقبول بندہ ان حقائق سے دوچار ہو جائے۔ اور اپنی حالت اور کیفیت کو اس کے مطابق پا کر

خوش وقت اور مطمئن ہو جائے۔ حضرت سلطان العارفینؒ اپنی کتابوں میں مختلف لطائف کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر سالک ایک دفعہ زبان نفس سے یا اللہ کہے جو تمام قرآن مجید کا نعم البدل ہے تو اس کا ثواب اور درجہ ستر ہزار دفعہ اس ظاہری عنصری زبان یعنی گوشت کے لوتھڑے کے ختم قرآن کے برابر ہے۔ اور اگر قلب کا لطیفہ ایک دفعہ یا اللہ کہے تو وہ زبان نفس سے ستر ہزار دفعہ ختم قرآن کے ثواب کے برابر ہے۔ اور اسی طرح لطیفہ روح و لطیفہ سر وغیرہ کو قیاس کر لینا چاہیے۔

اب ہم قرآن کی عظمت، شان اور اس کے نرالے قدیم نور کے خیر و برکت اور ثواب کا کچھ خیال بیان کیے دیتے ہیں کہ اگر قرآن مجید نوری زبان سے کماحقہ، ادا ہو، اور اس کا نور، فیض اور برکت اہل قبور کو پہنچے تو اس کے نور سے اہل قبور کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔ اور اسے کس قدر خیر اور برکت پہنچتی ہے۔

اس فقیر کی ایک عزیزہ ہمشیرہ تھی۔ جس کا اسم گرامی بی بی رابعہ تھا۔ بڑی نیک، عابدہ، پارسا اور سعادت مند لڑکی تھی۔ اس فقیر سے مرحومہ کو کمال درجہ کی محبت تھی۔ نوجوانی کی عمر میں بیچاری مرض استسقاء کا شکار ہو گئی۔ اس مرض میں ان کا پیٹ، ہاتھ، پاؤں میں غرض تمام جسم پھول گیا تھا۔ اور ان کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔ ان کے نزع کے آخری وقت میں یہ فقیر ان کے پاس موجود تھا۔ اور اس فقیر نے اس وقت ان کے پاس سورہ یسین پڑھی۔ اور کلمہ طیب اور کلمہ شہادت کی تلقین کی۔ چنانچہ اسی کمزور حالت میں ان کا خاتمہ ہوا۔ اور دنیا سے گذر گئیں۔ مجھے ان کی قبر کے اندر برزخی حالات کا بڑا فکر تھا۔ ان کے فوت ہونے کی تیسری رات میں نے باطنی طور پر واقعہ میں دیکھا کہ میں اپنے خاندانی گورستان کی طرف جو ہمارے گھر کے قریب ہے جا رہا ہوں۔ اور جب میں اس جگہ پہنچا، جہاں ہمشیرہ مرحومہ کو دفن کیا گیا تھا۔ تو میں نے اس جگہ کو ایسی حالت میں پایا کہ وہاں ایک ٹوٹا شکستہ مکان ہے اور وہاں

ایک ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر ہمشیرہ اسی بیماری کی حالت میں زرد رنگت اور پھولے ہوئے جسم کے ساتھ زار زار پڑی ہوئی ہے۔ اور مجھے پکار رہی ہے کہ بھائی جلدی پہنچو میں گھبرا رہی ہوں۔ چنانچہ یہ فقیر جلدی دوڑ کر ان کی چارپائی کے قریب پہنچا اور انہیں تسلی دے کر کہا کہ بہن ڈرو نہیں میں آن پہنچا ہوں۔ چنانچہ میں ان کی چارپائی کی پائنتی کی جانب بیٹھ گیا اور آیت الکرسی پڑھی اور اس کے بعد سورہ مزمل شریف پڑھنی شروع کی۔ سورہ مزمل ختم کرنے سے پہلے میں نے دیکھا کہ وہ ٹوٹا ہوا مکان ایک عالی شان محل بن گیا ہے۔ اور معمولی چارپائی ایک خوش نما شاندار پلنگ کی شکل میں تبدیل ہوگئی اور ہمشیرہ کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک اٹھا۔ اور ان کے اوپر رنگ برنگ اور زرق برق ریشمی اور زربفت کے ملبوس نظر آئے۔ اسی اثناء میں چند روحانی عربی لباس پہنے ہوا میں اڑتے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کر کے واپس چلے گئے۔ اس کے بعد چند باطنی حالات اور واقعات پیش آئے۔

یہ واقعہ بیان کرنے سے ناظرین کو محض یہ دکھانا منظور ہے کہ اہل قبور روحانیوں کو کامل اہل دعوت کی تلاوت قرآن اور اس کے نور سے طرفۃ العین میں کیا کچھ فیوضات اور برکات پہنچتی ہیں۔ اس فقیر نے اس قسم کے بے شمار حالات اور واقعات بالکل ہوش وحواس اور عالم بیداری میں دیکھے اور آزمائے ہیں۔ کس قدر نادان ہیں مسلمان کہ جب ان کے گھر میں نور قرآن کی اس قدر عظیم الشان دولت جاوداں موجود ہے اور وہ اس سے غافل اور روگردان ہو کر چند روز کی مادی فانی دنیا کی طلب میں حیران و پریشان اور دن رات رواں دواں ہیں۔ ان کی اس کوتاہ عقل پر صد افسوس ہے۔ وہ آخرت کے ابدی سرمدی ہیرے جواہرات سے منہ موڑ کر بچوں کی طرح فانی دنیا کی کوڑیوں اور ٹھیکریوں سے کھیل رہے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ دنیا اور دنیا والے ان سے روٹھ گئے ہیں اور انہیں چھوڑ گئے ہیں وہ کیوں اپنے مولا کی طرف رخ نہیں کرتے جو ہر وقت ان سے یوں مخاطب ہے عبدی تنعم بی

وانس بی انا خیر لک من کل ماسوای یعنی اے میرے بندے! میرے ساتھ انس حاصل کر اور عیش کر، میں تیرے لئے جملہ ماسوی نعمتوں سے بہتر ہوں۔

قرآن کریم ذاتی انوار کا ایک لازوال باطنی پاور ہاؤس ہے جس کی کلیمی تجلی کی ایک کرنٹ نے کوہ طور کو پاش پاش کر دیا تھا۔ وہی طوفان برق باطنی اس کے حروف اور الفاظ کے تاروں میں اب بھی مخفی اور مستور ہے۔ کہ اگر اسے دل اور روح کی پاک زبان کے مضراب سے چھیڑا جائے تو وہی شان پیدا ہو جو اس آیت قرآن مجید میں نمایاں ہے

لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر بھی نازل کرتے تو تو اسے اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھتا۔

افسوس ہے ان بد بخت لوگوں پر جو اللہ تعالیٰ کے غیر مخلوق نوری کلام کی قدر و منزلت کو نہیں جانتے۔ یا اس کے پیغمبر ﷺ کی شان میں کمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا مذہب اسلام میں نقص و عیوب نکالتے ہیں۔ ایسا کرنے سے یہ لوگ خود اللہ تعالیٰ کی قدر و عزت گھٹاتے ہیں۔ ورنہ اگر ہم کہتے ہیں اللہ اکبر اللہ بہت بڑا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس کا کلام قدیم، اس کا رسول اور اس کا مذہب اسلام بہت بڑی عظمت اور شان والے ہوں۔ دنیا میں آج ایک ہی ایسی آسمانی کتاب موجود ہے جو خود ایک معجزہ ہے اور آفتاب کی طرح خود اپنی صداقت پر شاہد ہے۔ اور جس کی حفاظت کا اللہ تعالےٰ نے خود بقول وانا له لحافظون ذمہ لیا ہے۔ جو تواتر سے حرفاً حرفاً اپنے لانے والے کی طرف سے حفظ و تحریر دونوں طریقوں سے بے کم و کاست صحیح طور پر نقل ہوتی چلی آئی ہے جو اپنی بے مثلی اور یکتائی کا ڈنکے کی چوٹ

دعویٰ کرتی ہے۔ کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر مخلوق کلام نہیں ہے تو تمام مخلوق جمع ہو کر اس جیسی ایک سورۃ بنا کر لے آئے۔ سو وہ بے مثل اور بے ہمتا غیر مخلوق نوری قدیم کلام قرآن مجید ہے۔

دوم آج دنیا میں صرف ایک ہی خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایسا ہے جس کی زندگی کی تاریخ متصل اور متواتر سانید کے ساتھ حفظ و تحریر دونوں طریقوں سے روایت ہوتی چلی آئی ہے۔ جسے دستور العمل بنا کر ہر انسان ظاہری و باطنی و معنوی اور دینوی و دنیوی لحاظ سے زندگی کے تمام شعبہ جات اور مراحل میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اور وہ پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

سوم آج دنیا میں صرف ایک ہی ایسا دین موجود ہے جو تمام بنی نوع انسان کے لئے ایک مکمل نظام حیات پیش کر سکتا ہے۔ جس پر عمل کر کے انسانیت امن و سلامتی، اخوت و مساوات اور عدل و انصاف کے اعلیٰ اوصاف سے متصف ہو کر دنیا میں چین اور آرام کی زندگی بسر کر سکتی ہے اور جو انسانوں کے بنائے ہوئے تمام ناقص نظاموں مثلاً کمیونزم، سوشلزم، فاشزم، میٹیریلزم غرض تمام ازموں کا مکمل جواب ہو سکتا ہے۔ اور جو کمیونزم اور سرمایہ داری کی افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کا صحیح اور درست مسلک بن سکتا ہے اور وہ دین اسلام ہے۔

دنیا کے مذاہب اور ملل میں سب سے سچا اور برحق مذہب وہی ہے جس پر چلنے کے بہت ضوابط و شرائط اور بے شمار قواعد و قوانین ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں علی اللہ قصد السبیل ومنھا جائرہ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایک سیدھا راستہ اور اس سے ادھر ادھر غلط اور گمراہی کے بے شمار ٹیڑھے راستے ہیں۔ سو جو مسافر اور راہرو کسی خاص منزل مقصود تک جانے والا ہو۔ اسے قدم قدم پر احتیاط اور پابندی سے چلنا پڑتا ہے۔ تاکہ راستہ سے بھٹک نہ جائے۔ لیکن ایک آوارہ گرد اور بے مقصد مسافر جس کا کوئی نصب العین اور مقرر منزل مقصود نہ ہو۔ وہ جس طرف چلا

جائے اور اس پر کوئی پابندی نہیں۔ جس طرف منہ آیا چلا گیا۔ ہر طرح سے آزاد ہے۔ دیگر ایک خاص نشانے پر تیر مارنے یا گولی چلانے میں کس قدر کوشش، پابندی اور احتیاط برتنی پڑتی ہے۔ لیکن بغیر نشانے کے ویسے فضول تیر اور بندوق چلانے والا شخص ہر قسم کی پابندی اور قید سے آزاد ہوتا ہے۔ سو جس مذہب اور ملت کی منزل مقصود اور نصب العین اللہ تعالیٰ جیسی مخفی، پوشیدہ، غیب الغیب عقل اور قیاس سے دور اور فہم و فراست سے مستور ذات ہوگی۔ اس کا راستہ بہت دور دراز اور بے حد پیچیدہ اور پوشیدہ ہونے کے سبب بے شمار قواعد اور قوانین جاری اور نافذ ہوں۔ لیکن ایک وحشی اور غیر متمدن علاقہ ہر قسم کے قاعدوں اور قوانین سے آزاد ہوتا ہے۔ اور وہاں دن رات خون خرابے اور لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اب تمام دنیا کے مذہب اور ملل پر نظر ڈالو۔ جس کثرت کے ساتھ اوامر و نواہی اور قواعد و قوانین مذہب اسلام میں ہیں اور کسی مذہب میں ان کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ دنیا بھر کے مذاہب میں سے کسی کو لے لیجئے کسی میں اسلام کے برابر مامورات اور منہیات موجود نہیں لیکن مذہب اسلام کو دیکھئے کہ آغوش مادر میں آنے کے وقت سے لے کر گوشہ لحد میں جانے تک انسانی زندگی کا کوئی فعل، کوئی قول، کوئی حرکت اور کوئی سکون ایسا نہیں چھوڑا گیا جس پر بے شمار مامورات اور منہیات عائد اور نافذ نہ کی گئی ہوں۔ بلکہ مامورات میں فرض، واجب، سنت اور مستحب کے مرتبے اور منہیات میں حرام، مکروہ اور مکروہ تحریمہ و تنزیہہ کے درجے بھی مقرر اور معین فرما دیئے۔ ایمان کے پانچ اجزاء کر دیئے ہیں۔ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت اور ہر ایک کے ماتحت صدہا ابواب اور فصول مرتب کئے گئے ہیں۔ مثلاً عقائد کو لیجئے اس میں عقائد ذات بحت، متعلقہ صفات الٰہیہ اور متعلقہ رسالت وغیرہ الگ الگ ہیں۔ اور ہر ایک ثقیلہ اور خفیفہ کے دو درجے ہیں۔ عبادات میں ارکان اربعہ کی تفصیل اتنی لمبی ہے کہ انسان کی عمر ختم ہو جاتی ہے مگر فہرست پوری یاد نہیں ہوتی۔ شرائط الگ ہیں،

ارکان جدا، مستحبات الگ ہیں۔ واجبات جدا، مکروہات الگ ہیں اور مفسدات جدا سر سے لے کر پاؤں تک بدن کا کوئی عضو کیوں نہ ہو ہر ایک کے لئے خاص عبادت ہے اور بے شمار پابندیاں از قسم اوامر و نواہی ہر قدم پر اور ہر دم میں اس پر عائد ہیں۔ معاملات کی فہرست تو اس سے بھی بیش از بیش ہے کہ بادشاہ سے لے کر ایک مفلس گداگر تک ہر طبقے اور ہر پیشے کا جو شخص بھی ہو اور کوئی بھی کاروبار اختیار کیے ہوئے ہو مثلاً تجارت، زراعت، صنعت و حرفت غرض کوئی کام اور پیشہ ایسا نہیں ہے جس پر شریعت محمدیہ ﷺ نے تفصیل کے ساتھ بے شمار اوامر و نواہی اور بکثرت پابندیاں عائد نہ کی ہوں۔ تاکہ اس کے پیشے اور کاروبار سے کسی انسان پر کسی قسم کا ناجائز دباؤ نہ پڑے اور وہ ہر قسم کے ظلم و تعدی اور لوٹ کھسوٹ سے محفوظ ہو۔ پھر اخلاق میں تخیلات و شمائل و عادات و خصائل کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کو نظر انداز کیا گیا ہو۔ اسی طرح معاشرت میں دنیا کی تمام مخلوقات کیا انسان، حیوان، نباتات، جمادات غرض تمام مخلوقات کے ساتھ جس قسم کا بہتر سلوک اور برتاؤ ہو سکتا ہے۔ سب کو اوامر و نواہی سے آراستہ و پیراستہ کر دیا ہے۔ اور محیر العقول کمال یہ ہے کہ موجودات اور واقعات ہی نہیں بلکہ انسان کی قوت متخیلہ جو محال سے محال چیز بھی اپنے ذہن سے اختراع کرے۔ ناممکن ہے کہ شریعت محمدیہ ﷺ اس پر جواز یا عدم جواز کا فتویٰ عائد نہ کرے۔ غرض شریعت محمدیہ ﷺ کے قواعد اور قوانین کا یہ دائرہ اس قدر وسیع ہے جس قدر اس پاک مذہب کی منزل، مقصد اور نصب العین اللہ تعالیٰ کی مقدس ذات کے شایان شان ہو سکتا ہے۔ اور ان سب قواعد و قوانین پر اس دنیا میں اس گئے گذرے زمانے میں بھی عمل درآمد جاری ہے۔ چنانچہ ہر زمان اور ہر مکان میں دن رات صبح اور شام ہر وقت آپ اس امت مرحومہ کو اپنے خالق اور مالک کی عبادت میں مصروف اور مشغول پائیں گے۔ مسلمان قوم خشکی اور تری میں سفر میں ہوں یا حضر میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سرنگوں اور سجدہ ریز نظر آئیں گے۔ ریلوں،

بحری جہازوں حتیٰ کہ ہوائی جہازوں کے اندر آپ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے پائیں گے۔ رمضان کا مہینہ آتا ہے تو فرزندان اسلام صبح سے شام تک اپنے آپ کو محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر بھوکا اور پیاسا رکھ کر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ اور رات کو تراویح میں اللہ کا کلام سنتے ہیں۔ حج کے زمانے میں ہر سال دنیا کے اطراف و جوانب سے لاکھوں مسلمان کس قدر ذوق شوق اور جوش و جذبے سے دور دراز سفر کی صعوبتیں اور تکلیفیں جھیل کر اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی کعبۃ اللہ میں جمع ہوتے ہیں۔ عرب کی سرزمین ان کی تکبیر و تہلیل اور ان کے نعروں سے گونجتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا گھر سال کے بارہ مہینوں اور دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ایک لمحہ کے لئے طواف سے خالی نہیں ہوتا۔ غرض اللہ تعالیٰ کی سرزمین مسلمانوں کی عبدات، اس کی حمد و ثناء اور دن رات ان کی تہلیل و تکبیر کے نعروں سے معمور ہے۔
سچ پوچھو تو اسلام ہی ایک ایسا سچا اور پاک مذہب ہے۔ جس کی صداقت اور سچائی کے آثار ہر زمان اور ہر مکان میں روز روشن کی طرح نمودار نظر آتے ہیں۔ برخلاف اس کے جب ہم دنیا کے دیگر مذاہب کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور ان کی طرف خیال کرتے ہیں۔ تو سوائے چند معمولی ماموررات اور رسمی رواجی تہوارات اور تفریحی عبادات کے ان میں کچھ بھی نہیں ہے۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے گرجوں، ہندوؤں اور سکھوں وغیرہ کے مندروں اور گوردواروں میں اگر گانے بجانے اور راگ رنگ کے نفسانی تفریحی مشاغل نہ ہوتے تو بھولے سے بھی ان میں کوئی قدم نہ رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی ظاہری و باطنی خوبیوں سے متاثر ہوکر دنیا کے تمام مذاہب اور ملل آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ مجبور ہوکر اسلام کی طرف آرہے ہیں۔ اور ان کے طور طریقے عو حاو کرہاً اختیار کررہے ہیں۔ ہندو لوگ جو مدت سے بت پرستی کے قبیح اور ناقص ترین رسم و رواج کے بری طرح پابند چلے آتے تھے۔ اسلامی تعلیم سے متاثر ہوکر اب بت پرستی، مناظر پرستی مخلوق اور ہر غیر پرستی کو چھوڑ کر خالق پرستی

کے قریب آ رہے ہیں۔ اسلامی مساوات کو دیکھ کر ذات پات کی اونچ نیچ اور چھوت چھات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گئے ہیں۔ ہندوؤں میں بیوہ عورتوں کی شادی اور عورتوں کی طلاق کا کوئی رواج نہ تھا۔ لیکن اسلام کے صحیح مسلک کی خوبی دیکھ کر ان خرابیوں کی اصلاح اور انسداد کر رہے ہیں۔ عیسائیوں میں تثلیث اور کفارے کا غلط عقیدہ جو مدت مدید سے ان کی نجات کا اصل اصول مانا جاتا تھا۔ اور ہر عیسائی اسے بہشت کی راہداری اور سرٹیفکیٹ خیال کرتا تھا۔ اسلام کے صحیح مسلک توحید نے اس کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ اور یورپ کا تمام سمجھ دار اور تعلیم یافتہ طبقہ آج اس غلط عقیدے سے بیزاری کا اعلان کر چکا ہے۔ ان کے دانش مند اور حق شناس لیڈر پادریوں کے خدر ساختہ ناقص مذہب کی ریفارمیشن اور اصلاح کرتے کرتے تھک گئے ہیں۔ چونکہ اس کے غلط اصول اور ناقص قواعد نفسانی پادریوں کی خود ساختہ فریب کاریوں اور باطل آرائیوں کی پیداوار تھی۔ اس واسطے اس میں نت نئے نقص نکلتے رہے ہیں۔ اور آج تمام عیسائی دنیا اس سے بیزار ہے اور برسر پیکار ہے۔ شراب، خنزیر، سود اور بے پردگی کی قباحت معلوم ہوگئی ہے۔ غرض تمام دنیا کی پیاسی روحیں آج اسلام کے چشمہ آب حیات کے لئے بے تاب اور مضطرب نظر آتی ہیں۔ کیونکہ قلوب کا اطمینان اور دلوں کا سکون نہ تو اب اشتراکیت کے خشک، بے کیف، الحادی اور مادی نظام حیات میں پایا جاتا ہے۔ اور نہ اب کسی سرمایہ دارانہ، غیر مساویانہ اور ظالمانہ قارونی مسلک میں نظر آتا ہے۔ آج دنیا ہلاکت ونجات وموت وحیات کے سخت بحران میں مبتلا ہے۔ اور اس کش مکش کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو مذہب دنیا سے بالکل ختم ہو جائے گا اور اس کی جگہ دہریت اور مادیت لے لے گی۔ انسانیت حیوانیت کے درک اسفر میں گر جائے گی۔ اور باطنی اور معنوی موت مر جائے گی۔ دنیا میں ہر جگہ انسان نما حیوان نظر آئیں گے۔ یہی وہ زمانہ ہوگا جسے قرآن کریم اور احادیث شریفہ نے دابۃ الارض کے خروج اور دجالی دور کی حیوانیت اور گدھے پن سے تعبیر کیا ہے۔ اور یا اگر

کسی عیسیٰ کے نزول اور خروج سے دنیا کے تن مردہ میں پھر روح القدس کی مذہبی اور روحانی زندگی عود کر آئے اور دنیائے اسلام یا اسلام جیسا کوئی نیا صحیح نظام اختیار کر لے جو دنیوی لوٹ کھسوٹ سے جمع کردہ سرمایہ کاری کو ختم کر دے اور انسانی زندگی کا مقصد عبادت اور معرفت قرار دے۔ اور انسانیت، حیوانیت و مادیت سے عروج کر کے ملکوتیت کے اعلیٰ اخلاق سے متخلق اور عبودیت کی پاک صفات سے متصف ہو جائے۔ اور دنیا میں مساوات و اخوت اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔ اور ظلم و تعدی، جبر و استبداد، بے جا لوٹ کھسوٹ، قومی تعصب، نسلی امتیاز اور برتری، حرص و آز، جوع الارض اور قارونیت و فرعونیت سے دنیا پاک و صاف ہو جائے۔ اس وقت دنیا

بہشت بریں کا نمونہ بن جائے گی۔ اور یا اگر شامت اعمال ما صورت نادر گرفت والا معاملہ بن گیا تو دنیا اپنی سائنس اور جدید علوم کی روشنی طبع میں ایک لا زوال عذاب اور غیر مختتم وبال میں پھنسی رہے گی حتیٰ کہ وہ اپنے ہاتھ کی لگائی ہوئی اور پھیلائی ہوئی آگ اور دھوئیں میں دم گھٹ گھٹ کر ختم ہو جائے گی جس کی پیشن گوئی قرآن مجید پہلے کر چکا ہے۔

یوم تاتی السماء بدخان مبین یغشی الناس ھذا عذاب الیم

ترجمہ: جس روز دنیا مہلک دھوئیں سے بھر جائے گی۔ اور وہ دھواں ہر جگہ لوگوں پر چھا جائے گا۔ اس وقت یہ بہت الم ناک عذاب ظاہر ہوگا۔

شان قرآن

سورہ رحمٰن میں مخلوق پر اپنے آلاؤ نعماء کو ظاہر کرتے ہوئے اللہ تعالٰی نے اپنی تمام نعمتوں میں سے قرآن کو اول درجے میں رکھا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے الرحمن علم القرآن خلق الانسان علمه البیان یعنی اللہ تالٰی ارحم الراحمین کی پہلی اور اولین کمال مہربانی یہ ہے کہ اس نے انسان ضعیف البیان کو اپنے کلام کی تعلیم دی۔ اسے اسی غرض کے لیے پیدا کیا۔ اور اپنی صفت متکلمی سے گویا فرمایا۔ ان آیات سے چند عجیب وغریب اسرار ومعارف مترشح ہوتے ہیں اول یہ کہ الرحمن علم القرآن ط خلق الانسان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن کا وجود تخلیق آدم سے پہلے ظہور پذیر ہوا ہے جس سے قرآن کے غیر مخلوق ہونے کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے کنت نبیا کان الادم بین الماء و الطین یعنی میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم ابھی مٹی اور پانی میں تھا۔ آپ کا یہ ارشاد اس بات کی تیصدیق کر رہا ہے کہ آنحضرت ﷺ پیدائش سے پہلے مورد انوار الٰہی اور شان نبوت اور نزول وحی سے سرفراز تھے۔ یا یوں کہیے کہ آپ کو وجود مسعود روز ازل اور یوم یثاق سے بھی پہلے قرآن کی غیر مخلوق نوری صورت سے جو کہ ابھی حروف وصورت کے کالبد میں نہیں پڑی تھی بلا واسطہ مقتبس اور منور تھا۔ قرآن کی اس غیر مخلوق نوری صورت کی طرف اللہ تعالٰی نے جا بجا قرآن کریم میں اشارے فرمائے ہیں وانزلنا الیک نورا مبینا یعنی اے محمد ﷺ! ہم نے تمہاری طرف ایک نور مبین نازل فرمایا واتبوع النور الذی انزل معه یعنی اے مومنو! اس نور کی تابعداری کرو۔ جو ہم نے اپنے نبیؐ کے ہمراہ نازل فرمایا ہے قرآن کریم کو اگر اللہ تعالٰی کا کلام مانا جائے تو اسے قدیم اور غیر مخلوق ماننا لازم آتا ہے۔ کیوں کہ کلام اللہ تعالٰی کی ذاتی صفت ہے۔ اور کلام کی ذات متکلم قدیم سے کسی طرح جدا نہیں ہو سکتی۔ آفتاب ذات متکلم نے جب کائنات قلوب پر اپنے کلام کی تجلی فرمائی تو اس کلام قدیم کی تجلی اور پرتو سے

انسان میں نطق اور گویائی کی صفت پیدا ہوئی اور وہ علمہ البیان کی شان سے نمایاں ہوا۔ انسان اللہ تعالیٰ کی جملہ صفات کی جامعیت کے باعث ہی وہ اللہ تعالیٰ کا مظہر اتم اور خلیفہ اعظم ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے خلق اللہ ادم علی صورتہ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا ہے یعنی اپنی صفات سے متصف فرمایا ہے ورنہ اللہ تعالےٰ شکل وصورت سے پاک اور منزہ ہے۔ چنانچہ انسان میں ہر روز اللہ تعالیٰ کی ایک نئی شان ہے۔ اور من جملہ ان کے ایک شان یہ ہے کہ انسان اس کی صفت کلام کے پرتو اور تجلی سے دیگر جملہ حیوانات سے ممتاز اور قادر الکلام ابو البیان ہے۔ اسی سورہ رحمٰن کی اگلی آیت الشمس والقمر بحسبان کی تفسیر اس مطلب کو اور بھی صاف اور واضح کر دیتی ہے کہ جس طرح سورج اور چاند حساب سے چلتے ہیں۔ اور ان کی مختلف گردش سے چاند کی تیس تاریخیں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح انسان کے قمر قلوب پر اللہ تعالیٰ کا جب ازل سے آفتاب کلام چمکا تو اس کلام قدیم کی تجلی سے انسان کے وجود میں نطق اور گویائی کا ملکہ پیدا ہوا۔ اور انسان کی زبان پر تیس تاریخوں کے مطابق تیس عدد حروف تہجی جاری ہوئے۔ جس کے ذریعے حضرت انسان کے قمر قلوب میں حروت اور اصوات کی صورتیں نمودار ہوئیں۔ چنانچہ جملہ اقوام عالم کی مختلف زبانیں انہی تیس حروف کی ترکیب اور جوڑ توڑ سے ماخوذ ہیں۔ اور آج دنیا میں جو تقریباً چار ہزار پانچ سو کے قریب زبانیں بولی جاتی ہیں۔ سب کے حروف تہجی تقریباً یہی تیس حروف ہیں۔ اور اگلی آیت والنجم والشجر یسجد ان بتا رہی ہے کہ جس طرح آفتاب کی روشنی سے رات کو اجرام فلکی یعنی کواکب اور ستارے اور دن کو اجرام ارضی یعنی شجر و حجر وغیرہ نمودار ہو رہے ہیں۔ اسی طرح آفتاب کلام قدیم کے نوری پرتو سے انفس اور آفاق کے لیل ونہار میں اشیاء اور ان کے حقائق انسان پر ظاہر ہو رہے ہیں۔ ورنہ اگر انسان میں ملکہ نطق وبیان نہ ہوتا اور کلام کے ذریعے انسان ایک دوسرے پر

اپنے دل کے خیالات کا اظہار نہ کر سکتے تو تمام انسانی دنیا جہل اور نادانی کے ایک تنگ و تاریک ماحول میں گرفتار رہتی اور انسان ہر قسم کی عقل، علم و دانش کی روشنی سے محروم رہتے۔ غرض یہ اس ذات رحمان حق سبحان کا عالم انسان پر قرآن نازل فرمانے کا بڑا بھاری فضل و احسان ہے کہ ایک تو اس کے وجود میں علمہ البیان سے نطق اور گویائی کے ذریعے زمین ہموار کر ڈالی اور الرحمن علم القرآن یعنی اپنے کلام کے نزول سے سرفراز اور ممتاز فرمایا۔

یہی حروف تہجی ہی اصل الاصول ہیں جن سے کلام کی بنیاد پڑی اور ان کی ترکیب اور ترتیب سے انسان نے اشیاء کائنات کو مناسب اسماء سے موسوم کیا۔ اور انہی کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے اپنے تمام ذاتی، صفاتی، اسمائی اور افعالی صفات سے انسان کو روشناس فرمایا اور وہ علم ادم الاسماء کلھا کے خطاب کے سرفراز ہوا۔ اور ملائکہ سے گوئے سبقت لے گیا۔

یاد رہے کہ علم الحروف دنیا کے تمام علوم میں سے نہایت اعلیٰ، افضل اور بہت دقیق اور عمیق علم ہے۔ کیونکہ یہی حروف ہی وہ سابق عناصر ہیں جو انسان کے اندر فطرتی اور قدرتی طور پر دنیائے نطق، عالم کلام اور جہان بیان کی تخلیق کا باعث بنے ہیں۔ انہی کے ذریعے انسان میں علم و معانی کا ظہور ہوتا ہے۔ اور تمام قلبی واردات اور باطنی خیالات کا اظہار انہی کے ذریعے ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر قرآنی سورتوں کے آغاز میں جابجا حروف مقطعات صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ یہ وہ قدیم ازلی، ابدی اور قدرتی غیر مخلوق کلام ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی یہ غیر مخلوق زبان خاکی مخلوق کی کوتاہ سمجھ اور کم فہم کے لئے قدم کے افق اعلیٰ سے حدوث اور امکان کی منزل اسفل میں اترنے کو تھی۔ اور اس کا پہلا لطیف قدم جو کہ ابھی حدوث صورت و الفاظ کے گرد و غبار سے کسی قدر پاک اور صاف تھا۔ تو آفتاب کلام قدیم کی شعاعیں ان حروف مقطعات کی دھیمی کرنوں میں نمودار ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نوری مقال اور اس

کے غیبی منزہ حال کو صرف نبی کی ذات بابرکات ہی سمجھ سکت ہے۔ یہی اس نبی امی ؐ (فداہ امی وابی) صاحب ام الکتاب کی امیت تھی۔ جو کہ اس علوم ذات حی و قیوم سے ماخوذ لیکن تمام کسبی علوم سے منزہ اور معصوم تھی۔ اسے کہتے ہیں تلمیذ الرحمٰن اور استاد کل ہو اور شاگرد کسی کا نہ ہو اسے انگریزی میں (Teacher Of All And Pepil Of None) کہتے ہیں۔ قدرت یہاں کس طرح اپنا جلوہ عیاں طور پر ظاہر فرماتی ہے اور اسباب کی آستین چڑھا کر اپنا ہاتھ عیاں اور عریاں طور پر دکھاتی ہے کہ اس کی تعلیم لدنی میں اسباب اور رسم و کسب کو دخل نہ ہو۔ اور اس غیر مخلوق قدیم مکتب کا تلمیذ کسی مخلوق استاد کی تسلیم کی بار منت کا مرہون نہ ہو۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

نگار من کہ بہ مکتب نہ رفت خط ننوشت
بہ غمزہ نکتہ آموز صد مدرس شد

ایک دوسرے صاحب فرماتے ہیں

نبی امی و ام الکتاب درس دہی
علیم اول و کشاف راز ما اوحیٰ

دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے سیاسی حاکموں خصوصاً فوجی افسروں کو جب کبھی حکومت وقت کی طرف سے خاص خاص پوشیدہ اسرار اور نہایت مخفی بھید کی باتیں اور پولیٹکل حالات تاروں یا لاسلکی کے ذریعے پہنچانے مقصود ہوتے ہیں۔ ان کی ظاہری صورت اور طرز ادا ایسی اجنبی اور انوکھی ہوا کرتی ہے کہ سوائے مخصوص افسروں کے انہیں اور کوئی شخص نہیں سمجھ سکتا۔ یہاں تک کہ خود ڈاک کے منشی، تار بابو اور لاسلکی کے کارکن بھی انہیں نہیں سمجھ سکتے۔ اور وہ یا تو حروف مفردات یا خالی اعداد کی شکل میں محض مرموز اشارات ہوا کرتے ہیں۔ غرض قرآنی حروف مقطعات بھی اجنبی اور قدیم زبان کے تمہیدی مرموز اشارات اور مخفی نکات ہیں جسے محض نبی ؐ کی

عقلِ کل یا ان کی طفیل ان کے خاص جانشین ہی سمجھ سکتے ہیں اور بس

ایک روایت ہے کہ جب جبرئیل علیہ السلام سورۂ بقر لائے ۔اور جبرائیلؑ بولے الف، لام، میم، تو آپ ﷺ نے فرمایا علمت یعنی میں سمجھ گیا ۔تو جبرائیلؑ نے دریافت کیا ما علمت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ میرے اور اللہ کے درمیان راز ہے ۔

غرض قرآن اللہ تعالیٰ کی ایک نوری قدیم غیر مخلوق زبان ہے ۔لیکن اس کا نور غافل لوگوں سے بے شمار حجابوں کے اندر مخفی اور پنہاں ہے قولہ تعالیٰ

واذا قرات القرآن جعلنا بینک و بین الذین لا یومنون بالاخرة حجابا مستورا و جعلنا علی قلوبهم کنة ان یفقهوه و فی اذانهم و قرا

ترجمہ: اور اے ہمارے نبیؐ! جس وقت تو انہیں قرآن سناتا ہے تو ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے طرح طرح کے حجاب اور پردے ڈال دیتے ہیں ۔اور ان کے دلوں پر غفلت کے تالے لگا دیتے ہیں ۔تا کہ وہ کچھ نہ سمجھ سکیں ۔اور ان کے کانوں میں گرانی ٹھونس دیتے ہیں ۔تا کہ وہ کچھ نہ سنیں ۔

غرض مذکورہ بالا آیت میں نفوس، قلوب اور ارواح کے مختلف حجابوں اور پردوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔جو غافل انسان اور قرآن کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں ۔جن کی وجہ سے قرآن کا اثر نہیں ہوتا ۔نہیں دیکھتے کہ کسی بڑے پاور ہاؤس سے لاکھوں وولٹ کی بجلی اگر کسی تانبے کی تار میں سے دوڑائی جائے تو ربڑ اور ریشم کی ایک معمولی پتلی تہہ اس کے اثر کو زائل کر دیتی ہے ۔سو قرآن کی غیر مخلوق قدیم نوری زبان کی برق باطن کی عظیم الشان بجلی حروف کو زائل کر دیتی ہے ۔سو قرآن کی غیر مخلوق قدیم نوری زبان کی برق باطن کی عظیم الشان بجلی حروف اور الفاظ کے تاروں میں مخفی اور پنہاں ہے ۔ لیکن غافل نفسانی انسانوں کے جسم اور زبانیوں چونکہ طرح طرح کے مخالف اور

مانع اثر مادوں سے ملوث اور آلودہ ہوتی ہیں۔لہذا قرآنی نور کو انسانی جسم کے اندر جانے نہیں دیتے جیسا کہ آیا ہے کلام اللہ شی طاھر لا یستقر لا بمکان طاھر یعنی کلام اللہ اور اسم اللہ پاک چیز ہے اور بجز پاک جگہ کے قرار نہیں پکڑتا۔اور یہ بھی آیا ہے بہت لوگ کلام اللہ کو پڑھتے ہیں۔لیکن قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا۔یعنی گلے کے نیچے جو دل ہے۔اس میں نفوذ نہیں کرتا۔اور یوں بھی روایت ہے کہ بہت لوگ قرآن پڑھتے ہیں۔لیکن قرآن الٹا انہیں لعنت اور پھٹکار کرتا ہے۔سو قرآن کریم کی صورتیں مختلف ہیں۔اور اس کے پڑھنے کی زبانیں اور جسے الگ الگ ہیں۔اسی اختلاف کی وجہ سے قرآن کے درجے اور مرتبے مختلف بن جاتے ہیں۔اور ان کا اثر مختلف ہوتا ہے۔چنانچہ ایک تو وہ قرآن ہے جس کی شان اس آیت سے نمایاں ہے کہ اگر وہ پہاڑ پر بھی نازل ہو تو اس کے اثر سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔اور وہ بھی قرآن ہے جو الٹا پڑھنے والے کو لعنت کرتا ہے۔غرض اللہ تعالےٰ کے کلام اور اس کے نام کے انوار اور اس سے غفلت اور ظلمت کے حجابوں کا ذکر ان دو مختلف آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے۔اول آیت نور یہ ہے

الله نور السموت والارض مثل نوره كمشكوة فيها مصباح المصباح في زجاجة الزجاجة كانها كوكب دري يوقد من شجرة مباركة زيتونة لا شرقية ولا غربية يكاد زيتها يضئي ولو لم تمسسه نار نور على نور يهدى الله لنوره من يشاء ويضرب الله الامثال للناس والله بكل شئي عليم

اور وہ آیت جس میں ظلمت غفلت کا بیان ہے یہ ہے

او كظلمات في بحر لجي يغشه موج من فوقه موج من فوقه سحاب ظلمت بعضها فوق بعض

یہاں پہلی آیت میں اس اسم اللہ کے نور کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں ذکر

اللہ سے غفلت اور ظلمت کے حجابوں کا بیان ہے اللہ نور السموت والارض
اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نور اور ظلمت کی
تشبیہوں اور مثالوں سے پاک اور منزہ ہے اور وہ نور اور ظلمت دونوں کا خالق ہے۔
جیسا کہ وجعل الظلمت والنور سے ظاہر ہے جس کی تشریح کسی قدر ہم عرفان
حصہ اول میں کر آئے ہیں سو اس نور اور ظلمت کے تفاوت اور اختلاف کی وجہ سے
ذکر اللہ اور کلام اللہ کے مراتب اور تاثیر میں فرق آ جاتا ہے۔ ان مختلف درجات کے
سبب قرآن کے مختلف اسم اور مختلف قسم بیان کیے گئے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے
قرآن کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ کہیں قرآن مجید، قرآن کریم،
قرآن عظیم، قرآن حکیم، کتاب عزیز اور کتاب مکنون کے مختلف القاب دیئے گئے
ہیں اور یہ القاب مہمل نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے یہ مختلف اسما، قرآن کی مختلف اقسام اور
صفات کے حامل ہیں جنہیں ہم یہاں ذرا تفصیل کے ساتھ الگ الگ آیتوں میں
بیان کرتے ہیں۔

قرآن کی ایک صورت وہ بھی تھی جو حضرت رسول کریم ﷺ کے دل پر نازل
ہوئی اور اس میں ہمیشہ کے لئے محفوظ اور متمکن ہو گئی۔ اور قرآن آپ کو ہمیشہ کے
لئے بغیر کوشش و تکرار کے یاد رہ گیا تھا۔ اور کبھی نہیں بھولتا تھا۔ حالانکہ ایک شاعر
جب چند شعر کہتا ہے جب تک ان اشعار کو لکھ نہ دے وہ فوراً ذہن سے اتر جاتے
ہیں۔ باوجود اس کے کہ نظم کا یاد رکھنا بہ نسبت نثر کے بہت آسان اور قرآن تمام نثر
ہے جس کی یاد اور حفظ بہت مشکل ہے۔ چنانچہ ابتدائے وحی میں حضور کو یہی خوف لا
حق ہو گیا تھا۔ اور آپ قرآن کے نزول کے بعد خوف نسیان کی وجہ سے اس کو بار بار
تکرار کرنے لگے تھے کہ اگر قرآن مجھے یاد نہ رہا اور میں اسے بھول گیا تو میں اسے
لوگوں کو کیوں کر سناؤں گا۔ اور قرآن کتاب کی صورت میں کیوں کر جمع ہو گا۔ چنانچہ
اس آیت میں اللہ تعالیٰ انہیں تکرار کی تکلیف سے منع فرماتے ہیں۔ اور قرآن کے

حفظ اور جمع کرنے اور بیان کرنے کا ذمہ خود اٹھاتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے

لا تحرک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه و قرانه فاذا اقرانا فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه

ترجمہ: اے ہمارے نبیؐ! قرآن کا (کتاب کی صورت میں) جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب نزول اور وحی کی صورت قرآن پڑھ لیا جائے تو اس قرأت کی تابعداری تبعاً کرو۔ اس کا دوبارہ بیان کرنا ہمارے ذمے ٹھہرا۔ غرض یہ قرآن کا بڑا بھاری اعجاز ہے کہ جس پر نازل ہوا اس کے مغز یعنی دل اور روح کے اندر اتر گیا۔ قرآن کی یہ نرالی شان اب بھی موجود ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جب کسی کے دل اور روح میں اتر جاتا ہے تو بن پڑھے اور تکرار کے یاد ہو جاتا ہے اور ہمیشہ پڑھا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں کہ دل اور روح کی لطیف زبان تمام قرآن کو ایک طرفۃ العین میں ختم کر ڈالتی ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت مشہور ہے کہ آپؓ ایک رکاب سے دوسری رکاب میں پاؤں ڈالنے کے وقفہ میں قرآن ختم کر لیتے تھے اس سے بالکل تعجب نہیں کرنا چاہیے۔

تذکرۃ الاولیاء میں حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کی نسبت مذکور ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے ایک ولی اللہ کو دیکھا کہ اس پر آسمان سے نور کی تجلی ہوتی تھی۔ پس میں حصول فیض و برکت کی غرض سے اس کے پیچھے ہو لیا اور جہاں زمین پر اس کا قدم پڑتا تھا۔ میں بھی تبرک کے طور پر اس کے قدم پر قدم رکھتا جاتا تھا۔ آخر اس نے مڑ کر میری طرف دیکھ کر کہا کہ اے نادان! جب تک تو میرے جیسے عمل نہیں کرے گا۔ خالی میرے قدم پر قدم رکھنے سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ خدا جانے یہ کونسا عمل کرتا ہوگا۔ اس نے پھر میری طرف مڑ کر کہا کہ میرا عمل یہ ہے کہ میں روزانہ ستر بار قرآن کریم ختم کرتا ہوں۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ شخص خیال میں قرآن

اتنی دفعہ پڑھ لیتا ہوگا۔ ظاہر اطوار پر تو یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اس نے پھر میری طرف مڑ کر کہا کہ میں خیال سے نہیں بلکہ لفظاً اور عبارتاً قرآن پڑھتا ہوں۔ سو اس طرح بھی قرآن پڑھنے کی صورت ہے۔

ایک دفعہ ایک درویش محمد یار نامی نے مجھے اپنا واقعہ سنایا کہ میں جوانی میں حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر اس خیال سے حاضر ہوا کہ میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ حضرتؒ کے مزار پر زائر جو مراد لے کر جاتا ہے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میں یہ مراد دل میں لے کر حاضر ہوا کہ حضرتؒ مجھے اپنی اصلی صورت میں زیارت سے مشرف فرمائیں۔ میں کئی روز اسی خیال سے وہاں ٹھہرا رہا۔ مگر مجھے دوران قیام آپؒ کی زیارت نصیب نہ ہوئی اور میں نا امید ہو کر وہاں سے پچھلے پہر اپنے وطن کی طرف روانہ ہوا۔ اور دل میں خیال کیا کہ یہ محض غلط پراپیگنڈی ہے کہ حضرت زائر کی دلی مراد معلوم کر کے پوری فرماتے ہیں۔ رات کو میں راستے میں ایک مسجد کے اندر شب باش ہو گیا۔ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں دربار شریف کے اندر موجود ہوں اور وہاں سے رخصت ہونے کی تیاری میں ہوں۔ میں نے خواب کے اندر دل میں کہا کہ چلو آخری بار حضرتؒ کے مزار کی زیارت کر لوں پھر گھر کو روانہ ہو جاؤں گا۔ چنانچہ میں اسی خیال سے محل کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ وہاں کوئی مزار وغیرہ نام کو موجود نہیں بلکہ ایک پلنگ پڑا ہوا ہے جب میں اس پلنگ کے قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ آپؒ نے اپنے چہرہ مبارک سے نقاب اٹھا کر مجھے فرمایا کہ محمد یار مجھے دیکھو دنیا میں میری یہی صورت تھی جو اس وقت تم دیکھ رہے ہو محمد یار نے بیان کیا کہ خدا کی قسم میں ایک جاہل مطلق اور ان پڑھ آدمی ہوں لیکن آپؒ کا چہرہ مبارک دیکھتے ہی میرا قرآن جاری ہو گیا۔ اور میرے اندر قرآن اس طرح پڑھا جانے لگا جس طرح پڑھے ہوئے حافظ پڑھتے ہیں۔ اور میں وہ قرآن ہوش وحواس کی حالت میں استغراق کے اندر پڑھتا تھا اور

ساتھ ہی گریہ بھی جاری تھا۔ محمد یار نے بیان کیا کہ مدت تک میری یہ حالت جاری رہی اور جوں ہی میں باطن کی طرف متوجہ ہوتا مجھے غیبت حاصل ہوتی۔ اور میرا قرآن جاری رہتا۔ اس بارے میں اس فقیر کا اپنا بھی تجربہ ہے جو اسی کتاب کے اگلے صفحات میں انشاءاللہ بیان کیا جائے گا۔ غرض قرآن کی یہ شان اب بھی موجود ہے۔ اور خاصان خدا میں مروج اور جاری ہے غافل مردہ دل اور نادان لوگ قرآن کی اس نرالی شان کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔

دوسری صورت قرآن کریم کی یہ مذکورہ ہے کہ اس نوری مخفی قرآن کو نفسانی ناپاک لوگ ہرگز چھو نہیں سکتے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

انه القرآن كريم فى كتاب مكنون لا يمسه الا المطهرون

یعنی قرآن کریم کا ایک پاک نوری وجود ایک مخفی پوشیدہ کتاب کی صورت میں بھی موجود ہے جسے چھو نہیں سکتے مگر پاک لوگ یعنی ناپاک نفسانی لوگوں کی اس قرآن تک رسائی نہیں ہے۔ یہاں لفظ لا یمسہ مضارع کا صیغہ ہے جس کے معنی حال اور مستقبل کے ہیں یعنی اس قرآن کو نہیں چھوتے یا نہیں چھوئے گے مگر پاک لوگ سو یہاں نہی کا صیغہ ہرگز نہیں ہے۔ کہ اسے ناپاک آدمی نہ چھوئے کے معنی لئے جائیں سورہ عبس میں آیا ہے۔

كلا انها تذكرة فمن شاء ذكره فى صحف مكرمة مرفوعة مطهرة بايدى سفرة كرام بررة

ترجمہ: خبردار قرآن ایک عام ذکر کا دستر خوان ہے جو چاہے اس میں شامل ہو جائے۔ اس کی نوری تحریر تو عزت والے بلند اور پاک صحیفوں کے اندر محفوظ ہے جسے عزت والے پاک فرشتوں نے تحریر کیا ہے۔ یہاں اس قرآن کا ذکر نہیں ہے جسے جودھ سنگھ اور سنت سنگھ وغیرہ ناپاک پلید ہاتھوں سے لکھواتے چھپواتے اور چند ٹکوں کے عوض بیچا کرتے ہیں۔ بلکہ وہ ایک بلند، پاک اور عزت والی کتاب ہے جسے پاک

اور نیک ملائکہ کے لطیف ہاتھوں نے نوری حروف سے تحریر کیا ہے۔سو قرآن اگر اللہ تعالیٰ کا قدیم اور غیر مخلوق کلام ہے تو اس کی ہر دو قدیم تحریری اور تقریری صورتیں موجود ہونی چاہئیں۔اور یہ وہ قدیم تحریری اور تقریری صورتیں ہیں جو پچھلی آیتوں میں بیان کی گئی ہیں۔قرآن کی قدیم تقریری صورت وہ ہے جو قاری کے مغز یعنی لطیفہ قدیم قلب اور روح میں اتر جاتا ہے۔اور کبھی نہیں بھولتا۔ورنہ حادثات دماغ والے حافظ اگر قرآن کا دور اور تکرار کرنا چھوڑ دیں تو قرآن ان کے دماغ سے اتر جاتا ہے۔اسی طرح جو دھ سنگھ اور سنت سنگھ کے چھپے ہوئے حادث قرآن ضائع اور بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔لیکن بایدہ سفرۃ کرام بررۃ کا پاک نوری قرآن بوسیدہ اور ضائع ہونے سے پاک ہے۔

ایک آیت میں قرآن کا یوں ذکر آیا ہے انہ لکتاب عزیز لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید یعنی تحقیق قرآن ایک ایسی غالب کتاب ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی باطل نہ آگے سے اور نہ پیچھے سے قائم رہ سکتی ہے۔کیوں کہ یہ حکمت والے اور تعریف والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ خواب یا مراقبے کے اندر جس مجلس میں قرآن پڑھا جائے اس میں شیطان کا دخل نہیں ہوسکتا۔اور وہ خواب یا مراقبہ شیطانی نہیں ہوتا بلکہ رحمانی ہوتا ہے۔غرض قرآن حق اور باطل کے پرکھنے کا سچا معیار ہے اور تصوف کا مسئلہ ہے کہ شیطان باطل میں ان تین صورتوں پر متمثل نہیں ہوسکتا۔دوم: قرآن یا اس کی کسی صورت یا آیت کی صورت میں سوم: خانہ کعبہ کی صورت

سو قرآن کے یہ مختلف نام بے فائدہ اور مہمل نہیں ہیں۔بلکہ جس طرح اس کے مختلف نام ہیں اسی کے مطابق اس کے الگ الگ اقسام ہیں۔اور اسی طرح اس کے پڑھنے کے علیحدہ اجسام ہیں۔اور اس کے لئے مختلف زبانیں اور ان کے پڑھنے کی جدا تاثیرات، نتیجے اور انجام ہیں۔

غرض قرآن کریم اگر اپنی اصلی شان میں نمایاں ہو اور ذات متکلم کی غیر مخلوق نوری بجلی کی برقی لہر اور کرنٹ اس میں رواں ہو تو اس کی طاقت اور ثقالت سے سنگین پہاڑ بھی ریزہ ریزہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ سو قرآن کا نور اور اس کا اثر جسم اور زبان کی لطافت اور پاکی پر موقوف ہے مولانا روم صاحبؒ اپنی مثنوی میں اپنے پیر صحبت مولانا حسام الدینؒ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں۔

اے حسام الدینؒ بخدق رائے تو
حلق بخشد سنگ را حلوائے تو

یعنی اے حسام الدین تیری بیدار اور پختہ رائے کی قسم کہ تیرے کلام کی شیرینی بے جان پتھر میں بھی ذوق شوق اور اشتہاء پیدا کر رہا ہے کہ پتھر اور پہاڑ بھی اس کے لینے اور قبول کرنے کے لئے منہ پھاڑ رہے ہیں جیسا کہ داؤد علیہ السلام اللہ تعالی کی مناجات اور حمد و ثناء میں جس وقت مشغول تو ان کی آواز اور تاثیر سے بے جان پہاڑ اور بے شعور طیور متاثر ہو کر آپ کی طرف مائل اور راغب ہوتے۔ اور آپ کے ہمراہ حمد و مناجات میں شریک ہوتے۔ جیسا کہ اللہ تعالے فرماتے ہیں

واذکر عبدنا داؤد الاید انہ اواب انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعمشی والا شراق والطیر محشورة کل له اواب

اور یاد کرو ہمارے بندے داؤد کو جو تھے (باطنی) ہاتھوں والے اور تھے اللہ تعالی کی طرف جھکنے والے اور ہم نے اس کے ساتھ مسخر کر دیئے تھے پہاڑ جو اس کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی حمد و تسبیح میں رات اور دن شریک رہتے اور پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ سب اس کی طرف مائل اور راغب رہتے۔ غرض کلام اور آواز کی حلاوت اور تاثیر سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ کلام اور قوت بیان میں سحر اور جادو بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ان من البیان لسحرا بارہا دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ بے شمار اس قسم کے کلام، منتر اور جادو وغیرہ مخلوق میں خاص امراض اور آزار کے لئے موثر اور مفید

پائے گئے ہیں جو انسانوں کے اپنے بنائے ہوئے ہیں جو زہریلے جانوروں مثلاً سانپ، بچھو، دیوانے کتے اور اکثر عصبی اور دیگر بدنی امراض کے لئے تیر بہدف موثر پائے گئے ہیں۔اور طرفہ یہ ان کلاموں کے معنی ان کلاموں کے عامل بھی نہیں سمجھتے۔صرف طوطے کی طرح سر زبان یاد کیا ہوا ہوتا ہے اور اسی طرح پڑھ دیتے ہیں۔اور وہ فوراً اپنا اثر کر جاتے ہیں۔تو پھر قرآن جو اللہ تعالیٰ کا برحق غیر مخلوق نوری کلام ہے کیوں اثر نہ کرے۔ضرور کلام اللہ اپنا اثر رکھتا ہے۔بشر طیکہ وہ طاہر جسم اور پاک زبان سے ادا ہو۔اور اس میں غیر مخلوق نور کی بجلی اور پاور موجود ہو۔اور اگر وہ صحیح طور پر برمحل ادا ہو تو ہر چیز اور کام پر اس کا عمل نافذ اور جاری ہو جاتا ہے۔قولہ تعالیٰ

ولو ان قرانا سيرت به الجبال او قطعت به الارض او كلم به الموتى بل لله الا مر جميعا

یعنی ممکن ہے کہ قرآن اس طرح کا ہو کہ اس کی تاثیر سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں یا زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے یا مردے جی کر بولنے لگ جائیں۔لیکن اس امر کی بجلی اللہ تعالیٰ کے پاور ہاؤس میں محفوظ ہیں۔وہاں سے جاری ہوتی ہے۔سو ہم دیکھتے ہیں کہ بجلی اپنے پاور ہاؤس سے نکلتی ہے اور موافق اور مناسب اجسام میں سرایت کرتی ہے اور مخالف اجسام میں نفوذ نہیں کرتی۔اسی طرح کلام کی بجلی اپنے متکلم کے دل و دماغ کے ڈائینمو سے خارج ہو کر حروف، الفاظ اور عبارت کی صورت میں تار تنفس کے ذریعے سامعین کے کانوں سے ہو کر ان کے دل اور دماغ کو متاثر کرتی ہے۔اسی طرح جس وقت قرآن کریم کے حروف، الفاظ اور عبارت اپنے محل سے صحیح اور درست طور پر ادا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کی غیر مخلوق انوار ذات و صفات و افعال کی بجلی سے بھر پور اور معمور ہوتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے پاور ہاؤس سے اس کا کنکشن قائم ہوتا ہے۔اور وہاں سے الہام، تجلیات اور باطنی برقی طاقت کی لہریں

پڑھنے والے کے وجود میں منتقل ہوتی ہیں۔ ہر چیز اپنے صحیح محل اور ٹھیک موقع سے چالو ہوتی ہے۔ چنانچہ کارتوس اور توپ کا گولہ اپنے محل بندوق اور توپ کے اصلی مقام سے چلے تو وہ چالو اور کارگر ہوتا ہے۔ اور اگر صرف ہاتھ سے کسی پر پھینک جائے تو وہ اثر نہیں کرتا۔ قرآن پاک کی تاثیر اور طاقت اگر دیکھنی ہو تو اس کی ادائیگی کے لئے پہلے پاک زبان، طاہر جسم، زندہ دل اور روشن دماغ کی ضرورت ہوگی۔ عارف کامل کا دل اللہ تعالیٰ کی لوح محفوظ کا نمونہ اور ماڈل ہوتا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کے پاور ہاؤس کے مشابہ اور مماثل بیٹری لگی ہوئی ہوتی ہے کہ جب اس کا بٹن دبا دیا جاتا ہے تو اس کے نور کا روزن کھل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر مخلوق پاور ہاؤس سے اس کا تعلق اور کنکشن قائم ہو جاتا ہے۔ اس وقت دل کی باطنی سوئی اگر قرآن کے اصلی حقیقی ریڈیو سٹیشن سے ملا دی جائے تو قرآن پڑھنے والے کے دل پر اپنی اصلی شان اور آن سے جاری ہونے لگ جاتا ہے۔

سائنس کا یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جس قدر انسان، جانور اور پرندے جو کلام کر چکے ہیں۔ یا جو بولیاں بول چکے ہیں۔ ان سب کی آواز اس فضا میں محفوظ اور موجود ہے۔ اور ان کو دوبارہ اخذ اور جاری کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو حادثات مادی زبان کی بولیوں اور آوازوں کا حال ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے قدیم غیر مخلوق نوری کلام کو بمعہ آواز وصورت قدیم وصورت تحریر وتقریر قدیم اور جملہ قدیم آن اور شان کے ساتھ ہمیشہ قائم دائم اور موجود ہونا چاہیے۔ قرآن کی ظاہر کتابی صورت، حروف اور الفاظ کی سیاہی اور اس کے اوراق گو مخلوق ہیں۔ لیکن اس کی باطنی نوری صورت جو اس کی روح اور جان ہے۔ وہ غیر مخلوق ہے۔ اصل و نقل، قشر و لب، ظاہر و باطن اور جسد و روح میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ایک نفسانی مردہ دل، ناپاک جسم اور ناپاک زبان والا شخص جو قرآن پڑھتا ہے وہ اصلی حقیقی قرآن کا خالی نمونہ اور عکس پیش کرتا ہے نہ کہ اصلی حقیقی قرآن، اصل قرآن وہ ہے جو نبی آخر

زمان پر اپنی حقیقی عظمت اور شان کے ساتھ تئیس برس کے عرصہ میں وقتاً فوقتاً مکہ اور مدینہ کے اندر نازل ہوتا رہا۔ جس کے نزول کے وقت نبی علیہ السلام کے دل سے لے کر ساق عرش تک جبرائیل امینؑ اور اس کے ملائکہ معاونین کے پرے اور صفیں قائم ہو جایا کرتیں۔ اور آپؐ کے طور دل پر انوار اور تجلیات کی بجلیاں کوندنے لگتیں۔ اور ساتھ ساتھ قرآنی معانی کے معارف و اسرار اور روحانی انوار کی موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا قدیم اور غیر مخلوق کلام ہے۔ سو جب وہ قدیم ہے۔ تو اس کے نزول کی وہ قدیمی شان اب بدستور قائم اور موجود ہے۔ سو جو لوگ نبی علیہ السلام کی مکمل پیروی کر کے آپ تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ اور آپؐ کے ساتھ کمال محبت اور عشق کے ذریعے درجہ فنافی الرسول حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ حضور کے خاص لطف و کرم سے تلاوت قرآن اور دعوت قرآن کے وقت حضور اکرمؐ کے ہم جسم، ہم دم، ہم قدم اور ہم جان و ہم زبان ہو کر آپ کی اس شان قرآن کو پا لیتے ہیں۔ اور حضورؐ کے اس صبغۃ اللہ میں رنگ دیئے جاتے ہیں۔ اور آپ کی شان قرآن میں جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر بو داز امتم

کہ بود ہم جوہر و ہم ہمتم

اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ جب کمال ادائے نوافل کے سبب اللہ تعالیٰ سے اس قدر قرب حاصل کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی آنکھیں ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے علیٰ ہذا القیاس تو ایک خاص بندے کا کمال متابعت اور محبت نبویؐ کے سبب آپ کے اخلاق سے متخلق اور آپ کی صفات سے متصف ہونے میں کیا کوئی شک اور شبہ ہو سکتا ہے۔ سو عوام نفسانی لوگوں کے رسمی طور پر قرآن پڑھنے کا طور اور طریقہ الگ ہے۔ اور خاصان خدا کے قرآن

پڑھنے کی شان کچھ اور قسم کی ہوتی ہے۔

زولو چرخ اگر خواہی کہ یابی آب خوش خوردن
بحبل اللہ بزن دستے بروں چہ زیں و چہ زنداں
تو کاندر نکتۂ حرفی چہ دانی سر ایں معنٰے
کہ جز دو دے ندیدی از حروف روشن قرآں
نہ حرف و نکتہ قرآن است ظلمت نور کے گردو
ولیکن اندر آں ظلمات ہست آں چشمۂ حیواں
ہماری قاری کہ از عادت کند ختمے بہر ساعت
اگر یک نکتہ دریابد بماندتا ابد حیراں

جس طرح مادی اور ظاہری بجلی کی دو مثبت و منفی برقی لہریں ہوا کرتی ہیں۔ اسی طرح جب قرآن کے حروف و الفاظ کے تاروں کو زبان سے حرکت دے کر چھیڑا جاتا ہے تو اگر زبان سے انسانی دل اور دماغ تک نوری بجلی کے پہنچنے کے لئے توفیق اور استعداد کے موافق تارلگی ہوئی ہو تو قرآن کے قدیم نوری پاور ہاوس میں باطنی بجلی کی دو قسم کی لہریں یعنی نور تفسیر و نور تاثیر کی نوری لہریں پڑھنے والے کے دل اور دماغ کے بلبوں تک جاری ہو جاتے ہیں۔ دماغ تک جو نوری لہر جاتی ہے۔ وہ نور علم کی تفسیری رو ہے۔ اور دل کی طرف جو رو چلتی ہے وہ نور امر کی تاثیری لہر ہوتی ہے۔ تفسیر اور تاثیر کی یہ دو لہریں سالک عارف کے جسم کے اندر دل اور دماغ کے بلبوں تک کو روشن کرتی ہیں۔ جس شخص کے قرآن پڑھنے سے یہ دو قسم کے نور پیدا نہ ہوں وہ اگر تمام عمر قرآن پڑھتا رہے اسے قرآن پڑھنے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

ہیچ علمے بہتر از تفسیر نیست
ہیچ تیفسیر ے بہ ازتاثیر نیست

قرآن کے یہ دو قسم کے نار ظاہری زبانی عالموں سے درسی اور کسبی طور پر حاصل

نہیں ہوتے بلکہ یہ باطنی برقی لہریں انبیاء اور ان کے وارث اولیاء کے سینوں سے جاری ہوتے ہیں۔اور جس شخص کا ان سے باطنی رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔اور وہ باطنی بجلی کے نوری کنکشن کے ذریعے اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کے پاور ہاؤس سے منسلک ہو جاتے ہیں۔اور یہ دو قسم کی نوری لہریں اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کی طرف سے وہبی طور پر بے واسطہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے سینوں میں منتقل ہوتی ہیں۔ان دو علوم کے حصول کے لئے طالب کو دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک اپنے جسم اور جان اور دل و زبان کو پاک و صاف کر کے اللہ تعالےٰ کے نام اور اس کے کلام کے ساتھ موافقت اور مناسبت پیدا کرنی پڑتی ہے۔دوم کسی باطنی مربی اور روحانی استاد کے ذریعے اپنے اصلی پاور ہاؤس سے نوری کنکشن، باطنی رابطہ اور روحانی رشتہ جوڑنا پڑتا ہے۔کیوں کہ اس نور کا فیضان بغیر باگنی رابطے اور روحانی رشتے کے ناممکن اور محال ہے۔پہلی بات سے طالب سالک دعوت پڑھنے میں کامل ہو جاتا ہے۔اور دوسری سے طالب صاحب اجازت و صاحب رابطہ بن جاتا ہے۔ اگر یہ دو باتیں کسی میں نہ ہوں تو اس سے کلام اور دعوت کا عمل جاری نہیں ہوتا۔یعنی قرآن کا نور زبان تک ہی محدود رہ جاتا ہے اور دل و دماغ کے بلبوں کو روشن نہیں کرتا۔لہٰذا نور قرآن کو زبان سے دل اور دل سے دماغ اور وہاں سے تمام جسم و جاں اور اس کے جملہ اعضاء تک پہنچنے کے لئے تمام جسم اور جان وغیرہ کو پاک ہونا چاہیے۔اور قرآن اس طرح پڑھا جائے کہ اس کی پھر وہی اصلی لطیف نوری صورت بن جائے جو صورت اس کی نزولی حالت میں تھی۔اور جو ملائکہ اور ارواح کی لطیف غذا بن جاتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کے اصلی پاور ہاؤس سے کنکشن اور روحانی رابطہ پیدا کرنے کے لئے زبان، جسم، اعضاء اور دل و دماغ کی موافقت اور مناسبت کیوں کر پیدا کی جائے۔اس امر کے لئے اس فن کے متقدمین عاملین اور اہل سلف

بزرگان دین نے کچھ اصول، قاعدے اور قوانین مقرر کیے ہیں۔ ان قواعد اور قوانین پر جو طالب اور سالک عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے نام کا ورد جاری رکھتا ہے۔ تو اس سے ضرور نور پیدا ہونے لگ جاتا ہے۔ اور غیبی لطیف مخلوق میں سے جن، ملائکہ اور ارواح ایسے سالک عامل کے پاس اپنی نوری لطیف غذا حاصل کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً حاضر ہو کر اس سے قوت اور قوت حاصل کرتے ہیں۔ اور اس کے وظیفہ خوار بن کر اس کے کاموں میں معاون اور مددگار بن جایا کرتے ہیں۔ سو وہ شرائط اور قوانین حسب ذیل ہیں۔

1. اول شرط یہ ہے کہ طالب حق گو اور راست رو ہو اور یاوہ گوئی و بدزبانی سے پرہیز کرے اور کبھی بھولے سے بھی جھوٹ نہ بولے۔ کیوں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام برحق ہے بالحق انزلنه و بالحق نزل قوله الحق و له الملک اور جھوٹ اس کلام حق کی ضد ہے۔ سو اگر طالب جھوٹ بولنے، لغویات، کفریات، غیبت اور ہر قسم کی دشنام طرازی سے زبان کو آلودہ کرے گا تو اس کی زبان قرآن پاک پڑھنے کے قابل نہیں ہوگی۔ اور اس کے قرآن پڑھنے سے نور ہرگز پیدا نہ ہو گا۔

2. دوم شرط اکل الحلال ہے یعنی طالب حق کی کمائی حلال کی ہو۔ اور اس کی غذا اور قوت پاک اور طیب ہو۔ کیوں کہ حرم غذا سے جس آدمی کا خون، گوشت اور جسم تیار ہوتا ہے۔ اس میں قرآن کا نور داخل نہیں ہوتا۔ اور اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔

3. سوم تن، جسم، کپڑے اور تلاوت کی جگہ پاک ہو۔ اگر ہو سکے تو وجود اور اس جگہ کو خوشبو مثلاً عطر، بخور اور پھولوں سے خوشبودار رکھے۔ کیوں کہ غیبی لطیف مخلوق خوشبو کی طرف راغب اور بدبو سے متنفر ہوتی ہے۔ حقہ نوشی، نسوار، کچے پیاز و لہسن وغیرہ ہر قسم کی بدبودار اشیاء سے اجتناب کرے۔

4. چہارم اگر جلالی جمالی پرہیز رکھے اور ترک حیوانات کرے تو بہتر ہے۔ یعنی حیوانات کے خون، گوشت، دودھ، گھی، دہی، چھاچھ وغیرہ کو ترک کرے۔ کیوں کہ جس غذا میں خون اور ظلم کی بو آتی ہو موکلات اس سے نفرت کرتے ہیں۔

5. پنجم جائے مقیم اور تعین وقت بھی اس عمل کے لیے لازمی گردانا گیا ہے۔ یعنی تا ادائے زکوۃ کلام اور تا اجرائے عمل ایک معین جگہ مقررہ وقت میں کلام پڑھا کرے۔ یعنی جس وقت عامل کلام پڑھتا ہے تو موکلات اپنی باطنی لطیف غذا کے حصول کے لئے اس معین مقام اور مقررہ وقت پر عامل کے پاس حاضر ہو کر اور اپنی مخصوص غذا حاصل کر کے خوش وقت ہو جاتے ہیں۔ اور اگر پڑھنے کی جگہ اور وقت تبدیل ہو جائے تو موکلات کو عامل کے پاس حاضر ہونے میں دقت پیش آتی ہے۔ اور بعض دفعہ ناراض ہو کر اس کے پاس آنا جانا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے اگر کوئی شخص دریا کے کنارے مچھلیوں کے لئے ایک مقررہ گھاٹ پر اور معین وقت میں آٹا یا کوئی کھانے کی چیز پانی میں ڈالتا ہے۔ تو مچھلیاں مقررہ گھاٹ پر اور معین وقت پر غذا حاصل کرنے کے لئے آموجود ہوتی ہیں بلکہ ان میں اور زیادہ ملتی جلتی ہیں۔ اور اگر ان کا گھاٹ اور وقت تبدیل ہوتا رہے تو انہیں غذا حاصل کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ یہی حال ان غیبی موکلات کا ہے۔

6. ششم بار بار قرآن، کلام اللہ اور ذکر اللہ کو زبان سے تکرار کرے۔ اسی طرح بار بار قرآنی الفاظ کو زبان سے تکرار کرنے اور رگڑنے سے نور کی بجلی پیدا ہونے لگتی ہے۔ اور قرآن باطنی یعنی قلب اور روح وغیرہ کی طرف منتقل ہونے لگ جاتا ہے۔ اور دل اس طرح ظاہر زبان کے تکرار سے کلام اللہ پر گویا ہو جاتا ہے۔ جس طرح ماں کے بار بار بولنے سے بچہ بولنے لگ جاتا ہے۔ اس کے لئے عاملوں نے ہر کلام کے لئے تکرار اور بار بار پڑھنے کی تعدادیں مقرر کی ہیں۔ جنہیں زکوۃ، نصاب، بذل، قفل، کلید اور دومدور کے ناموں سے موسوم کیا ہے۔

7. ہفتم جسم اور جان کو نور قرآن سے موافق بنانے کے لئے قرآن پر ایمان لانا لازمی ہے یعنی قرآن کو اللہ تعالیٰ کا برحق کلام ماننا اور اس پر سچے دل سے ایمان لانا لازمی ہے۔ مذکورہ شرائط کے ساتھ جو شخص قرآن پڑھتا ہے۔ اس کے دل اور دماغ کو نور قرآن سے منور ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ اور قرآن کا عمل اس سے جاری ہوتا ہے۔ قرآن کے پاور ہاؤس میں سے نور قرآن کے اجراء کا راستہ صاف ہو جاتا ہے

اب سب سے بڑی اور اہم شرط کسی ایسے عامل کامل کے ساتھ باطنی رابطہ اور غیبی رشتہ پیدا کرنا ہے جس کا تعلق اور کنکشن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے نوری پاور ہاؤس سے ہو۔ اسے کلام کی اجازت اور اذن بھی کہتے ہیں اور رابطہ شیخ کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں پہلی سات شرائط سے طالب کے اندر گویا باطنی بجلی کے لئے راستہ صاف ہو جاتا ہے۔ اور اس کے وجود تک بجلی کے تار، کھمبے اور بلب وغیرہ لگ جاتے ہیں۔ اور آخری شرط سے پاور ہاؤس سے کنکشن مل کر وہاں سے نورانی بجلی کی رو جاری ہو جاتی ہے اور طالب کے دل و دماغ اور تمام اعضاء وغیرہ کے بلب روشن ہو جاتے ہیں۔

عمل دعوت دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک جمالی دوم جلالی، عمل جمالی محبت، تسخیر، جذب اور تالیف قلوب کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور دعوت جلالی ہر قسم کے باطنی و ظاہری دشمنوں کی مقہوری اور ہلاکت کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ اس عمل میں پہلی سات شرائط سے طالب بندوق کی قسم کے ہتھیار چلانے میں قابل اور ماہر بن جاتا ہے۔ اور آخری شرط سے گویا اسے بندوق وغیرہ رکھنے کی سرکاری سند اور لائسنس مل جاتا ہے۔

آج کل کے مغرب زدہ علماء میں یہ خیال عام طور پر پایا جاتا ہے کہ قرآن کو بار بار پڑھنا اور ثواب کے طور پر اس کا روزانہ ورد کرنا یا کسی حاجت یا مرض کی شفاء کے

لئے اسے پڑھنا بےفائدہ اور بے سود ہے۔یعنی یہ لوگ قرآنی تاثیر کے سرے سے منکر ہیں ۔لیکن جس وقت دیکھتے ہیں کہ انسانوں کے بنائے ہوئے منتر جنتر خالی زبانی طور پر پڑھے جانے سے فوری اثر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا غیرمخلوق قدیم کلام کیوں نہ اثر کرے جس کا امر تمام کائنات میں نافذ اور جاری ہے ۔اور جس میں تمام کائنات اور کائنات کی جاندار و بے جان اور ظاہری و باطنی کل مخلوق مخاطب، مکلّف، مامور اور مطیع ہے ۔قرآن ہر قسم کے ظاہری و باطنی، صوری و معنی اور مادی و روحانی امراض اور آفات کے لئے شفاء اور رحمت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے ۔ وننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمة للمومنین یعنی قرآن مومنین کے لئے موجب شفائے بدن وموجب احیائے قلوب اور باعث راحت ارواح ہے ۔ قرآن کے ظاہری حروف، الفاظ اور عبارت جسم انسان کے لئے اور اس کے معنی باطن قلوب کے لئے معنی المعنی روح کے لئے علی ہذاالقیاس قرآن الی سبع بطون یعنی سات لطائف تک موجب شفا اور باعث رحمت ہے مطابق اس حدیث کے للقرآن ظاھر و باطن ولکل باطن بطن الی سبع بطون اسی کے مطابق یہ حدیث بھی ہے۔انزل القرآن علی سبع احرف یعنی قرآن سات مختلف حرق وطرح پر نازل ہوا ہے

حرف قرآں راہداں کہ ظاہر است
زیر ظاہر باطنے ہم قاہر است
زیر آں باطن یکے بطن دگر
خیرہ گردو اندر و فکر و نظر
زیر آں باطن یکے بطن سوم
کہ درو گردو خزدہا جملہ گم

بطن چارم از نبی خود کس ندید زز
بے خدائے بے نظیر و بے ندید
ہم چنیں تا ہفت بطن اے بو الکرم ز
لے شمر تو زیں حدیث معتصم
نور قرآں اے پسر ظاہر مبین
دیو آدام راندیدہ غیر طین
گرچہ قرآن از لب پیغمبر است
ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است

ایک حدیث میں ہے من لم یتغمن بالقرآن فلیس منا یعنی جو قرآن کے ذریعے ہر چیز سے غنی اور بے نیاز نہ ہو جائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یعنی قرآن کے جانتے ہوئے وہ پھر بھی محتاج رہے تو وہ ہماری امت میں سے نہیں ہے۔ غرض جسے قرآن کا پڑھنا اور اس کا عمل صحیح طور پر آیا گیا وہ جملہ حاجات، مرادات اور لا یحتاج ہو گیا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔ خذ من القرآن ما شئت لما شئت یعنی قرآن میں سے جس آیت اور سورت کو تو جس کام اور جس امر کے لئے استعمال کرے گا وہ اس کے لئے مفتاح الفتوح اور کافی و شافی ثابت ہو گا۔ سو تلاوت قرآن یا دعوت کلام حق سبحان و ذکر رحمٰن کو جزو جسم و جان بنانے کے لئے پچھلی مذکورہ شرائط نہایت لازمی اور ضروری ہیں۔ اور ان کے بغیر قرآن اثر نہیں کرتا اور اس کے پڑھنے سے نور پیدا نہیں ہوتا۔ آج کل دنیا میں لوگوں کی اخلاقی حالت بہت کمزور ہو گئی ہے اکل الحلال اور صدق المقال نہیں رہا۔

عمل دعوت اور عمل تسخیر چونکہ ایک قسم کی باطنی حکومت ہے اور جس طرح بعض ظاہری حاکم اور مادی بادشاہ دوسرے حاکم اور بادشاہ کے ملک پر چڑھائی کر کے اس کے ملک کو فتح کر لیتے ہیں۔ اور اس کے خزانے اور رعیت کو اپنے قبضے میں لے لیتے

ہیں اور اسے ہلاک واسیر یا ملک بدر کر دیتے ہیں اور اس کے ملک کے مالک بن جاتے ہیں اسی طرح عمل دعوت اور عمل تسخیر کے حامل جن، ملائکہ اور ارواح کے باطنی عسا کر کے ذریعے لوگوں پر حکومت اور تصرف کرتے ہیں۔ اور یہ باطنی حاکم اور روحانی بادشاہ بھی ایک دوسرے پر باطن میں چڑھائی کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو سلب کر لیتے ہیں۔ بہت ظاہر بین لوگوں کو اس بات کا پتہ بھی نہیں لگتا اور وہ بے خبری میں مارے اور لوٹ لئے جاتے ہیں اور اکثر تو اس باطنی لوٹ کھسوٹ کو سمجھتے اور جانتے بھی نہیں بلکہ اس کا انکار کرتے ہیں لہذا عمل دعوت اور تسخیر کے طالب کو اثنائے عمل میں بہت محتاط رہنا چاہیے کہ جب اس کے دعوت کا عمل رواں اور جاری ہو تو کوئی دوسرا زبردست عامل اسے سلب نہ کر لے۔ ورنہ تمام عمر کف افسوس ملتا رہ جائے گا۔ اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ جب کوئی طالب عمل دعوت قرآن یا عمل اسماء حسنیٰ یا دیگر وظائف باقاعدہ مذکورہ بالا شرائط اور قوانین کے ساتھ پڑھتا ہے تو ہر دو انفس اور آفاق میں اس کا عمل جاری ہو جاتا ہے۔ انفس میں اجراء عمل کی یہ تاثیر ہوتی ہے۔ کہ طالب کو پڑھنے میں لذت آتی ہے۔ اور اس کے ذوق شوق، توفیق عمل اور باطنی قوت و طاقت اور روحانی مکاشفات و مشاہدات میں دن بدن ترقی ہوتی ہے۔ اور آفاق میں لوگوں کے قلوب اس کے مسخر اور مطیع فرمان ہوتے ہیں۔ اور لوگ اس کی دل و جان سے خدمت کرتے ہیں اور اسے ظاہری و باطنی کشائش حاصل ہوتی ہے لیکن بعض طالبوں پر جب یکدم باطنی ڈاکہ پڑ جاتا ہے اور کوئی زبردست اور طاقتور عامل اسے سلب کر لیتا ہے تو اس کی ساری پونجی لٹ جاتی ہے۔ دعوت، ورد وظائف پڑھنے میں پہلی سی لذت نہیں رہتی۔ اور سارا معاملہ بر عکس ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ ہمارے اس بیان پر حیران ہوں گے کہ اللہ تعالےٰ کے گھر میں بھی عجیب اندھیر گردی ہے۔ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کی کھلی چھٹی اور اجازت ہے۔ لیکن یہ لوٹ کھسوٹ عمل دعوت اور تسخیر کی باطنی حکمرانی میں واقع ہوتی ہے۔

مولا کی طلب اور اللہ تعالیٰ کے عشق اور محبت والوں میں یہ معاملات نہیں ہوتے۔ اس باطنی لوٹ کھسوٹ کی بھی وجہ ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ جس طرح اسے کسی پروٹکٹڈ سٹیٹ (Protected State) کی حیثیت میں رہنا پڑتا ہے۔ وہ اگر زبردست حکمران کی اطاعت سے سرتابی کرتا ہے تو وہ محافظ حکمران اس سے اپنی حفاظت اٹھالیتا ہے۔ تو ایسے وقت میں دوسرا طاقت ور حکمران اس پر چڑھ دوڑتا ہے۔ اور اس کی حکومت، ملک اور مال وزر اس سے چھین لیتا ہے۔ بعینہ اسی طرح باطنی عمل اور روحانی حکومت کا حال ہے کہ جب کوئی طالب اپنے عمل پر غرہ ہو کر اپنے استاد مربی اور مرشد کے امر اور اطاعت سے روگردان ہو جاتا ہے تو ایسے طالب سے مرشد اپنی توجہ ہٹالیتا ہے۔ اس وقت وہ باطن میں بے یارو مددگار اکیلا رہ جاتا ہے۔ اس وقت اس پر باطنی ڈاکہ پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا طالب کو چاہیے کہ عمل دعوت اور تسخیر کسی عامل کامل مربی کی نگرانی میں پڑھے۔

ابتدائے حال میں جب اس فقیر کو عمل دعوت میں طاقت سلبی حاصل ہوئی اور اہل باطن سے مقابلے شروع ہوئے تو ان مقابلوں کا ایک واقعہ یوں پیش آیا۔ ایک رات میں اپنے باطنی روحانی مربی حضرت سلطان العارفینؒ کے دربار میں حاضر تھا۔ میں نے باطن میں دیکھا میں حضرت کے دربار میں داخل ہو رہا ہوں۔ میں نے ایک بزرگ عامل کو آپؒ کے دربار کے باہر غلام گردش پر بیٹھا ہوا دیکھا کہ وہ اپنے ایک طالب کو سورہ مزمل کے پڑھنے کی ایک خاص تلقین فرما رہے ہیں۔ چنانچہ دربار کے دروازے میں میری آنکھیں اس بزرگ سے دوچار ہو گئیں اور میری اس کے ساتھ باطنی رسہ کشی شروع ہو گئی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اور اس عامل کے درمیان ایک نور کا رسہ ہے جس کا ایک سرا اس بزرگ کے ماتھے میں لگا ہوا ہے اور دوسرا سرا میرے ماتھے میں لگا ہوا ہے۔ اور ہم دونوں خوب زور لگا کر اس نوری رسے کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جس وقت وہ نوری

رسے کو اپنی طرف زور لگا کر کھینچ لیتا تھا تو اس کی آنکھیں چوڑی اور جسم بھاری اور موٹا ہو جاتا تھا اور جب میں اپنی طرف زور لگا کر اس نوری رسے کو کھینچ لیتا تھا تو اس کی آنکھیں اور جسم ہر دو بہت چھوٹے جاتے تھے۔ اسی طرح ہم ہر دو کے درمیان ایک لحظہ خوب رسہ کشی جاری رہی۔ چونکہ اس وقت میں عین دروازے میں کھڑا تھا اور میرا منہ اس عامل کی طرف تھا اور پیٹھ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کی طرف تھی۔ میں نے دیکھا کہ پیٹھ کی طرف سے میرے اندر ایک زبردست روحانی طاقت اور باطنی پاور داخل ہوگئی ہے۔ غرض جب میں نے اس پاور کے ہمراہ زور لگا کر وہ نوری رسہ اپنی طرف کھینچا تو وہ نوری ستون اس عامل کے جسم سے تڑاخ کے ساتھ نکل کر میرے جسم کے اندر آ گیا۔ اس وقت اس عامل کا جسم چوہے کی طرح چھوٹا ہو گیا۔ اور کسی نے مجھے پیٹھ پر تھپکی دی اور آفرین کہی۔ میرا سینہ اور جسم وزنی معلوم ہوئے۔ اس قسم کے مقابلے ہاتھ، آنکھ اور سینہ ملانے سے ہوا کرتے ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ اپنے خاص برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء اور اولیاء کو جب اپنی مخلوق کی رشد اور ہدایت پر مامور فرماتا ہے تو انہیں ایک تو اپنا باطنی علم عطا فرماتا ہے جسے علم لدنی کہتے ہیں قولہ تعالیٰ اتینہ رحمۃ من عندنا و لمنہ من لدنا علما ترجمہ جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔ دوم انہیں عالم غیب کے باطنی لطیف مخلوق یعنی جن، ملائکہ اور ارواح پر حکم اور حکومت عنایت فرماتا ہے جب کہ اکثر انبیاء کے حق میں قرآن کریم کے اندر آیا ہے۔ ولما بلغ اشدہ اتیناہ حکما و علما یعنی جب وہ تبلیغ اور دعوت کی حد اور عمر کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا اور ان ہر دو روحانی علم اور باطنی عمل اور حکم سے انبیاء عظام اور ان کے نائب اولیاء کرام مخلوق میں رشد و ہدایت اور تبلیغ اور دعوت کا حق ادا فرماتے ہیں۔ اسلام میں ان ہر دو علوم اور فنون کا منبع قرآن کریم ہے۔ اور اس پاک کلام کی تلاوت اور دعوت میں تمام انبیاء اور مرسلین کے ظاہری اور باطنی علوم اور فنون

جمع ہیں۔ اور قرآن کی تلاوت اور دعوت میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا زبردست امر اور حکم جاری ہوتا ہے جس کے ذریعے اہل دعوت کے پاس تمام غیبی لطیف مخلوق یعنی جن، ملائکہ اور ارواح حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس کے مسخر مطیع اور منقاد ہوتے ہیں۔ ہمارے آقائے نامدار حضرت احمد مختار ﷺ کو دعوت قرآن کا علم اور عمل بدرجہ اتم حاصل تھا۔ اور آپ ﷺ کے دعوت نور قرآن کی شمع پر جن، ملائکہ اور ارواح پروانہ وار گرتے تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ چونکہ ہر دو طائفہ جن اور انس کی رشد اور ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اور آپؐ سید الکونین اور رسول الثقلین ہیں۔ اس لئے علاوہ انسانوں کے طائفہ جنات نے بھی آپ کا قرآن سن کر آپ کا دین قبول کیا۔ اور ان میں سے بعض جن مبلغ بن کر اپنی قوم جنات میں تبلیغ اسلام اور اشاعت دین پر مامور ہوگئے۔ اور اسی طرح ان کی سعی اور کوشش سے بے شمار جن مسلمان اور اہل ایمان ہوگئے۔

قولہ تعالیٰ قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقا انا سمعنا قرانا عجبا یھدی الی الرشد فامنا بہ

ترجمہ اے میرے نبیؐ اپنے اصحاب سے کہو کہ مجھے اس بات کی وحی ہوئی ہے کہ تمہیں بتادوں کہ میرے پاس جنات کے ایک گروہ نے آکر قرآن سنا۔ انہوں نے اپنی قوم کو واپس جا کر بتایا کہ اے ہمارے جن بھائیو! ہم ایک عجیب آسمانی کتاب یعنی قرآن سن کر آئے ہیں جو رشد اور ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں بھی اس قسم کا بیان ہے۔

واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القران فلما حضروہ قالو انصتو فلما قضی ولو الی قومھم منذرین

ترجمہ یاد کر اے ہمارے نبیؐ وہ وقت جب کہ ہم نے بھیجا تمہاری طرف ایک گروہ جنات کا تا کہ وہ تمہارا قرآن سنیں۔ پس جب وہ ایسی حالت میں تمہارے

پاس حاضر ہوئے جب کہ تم قرآن پڑھ رہے تھے تو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا کہ خاموش ہو کر سنو۔ پس جب کہ ان کے قرآن سننے اور اس پر ان کے ایمان لانے کا معاملہ طے ہو گیا۔ تو وہ اپنی قوم کی طرف داعی اور مبلغ بن کر چلے گئے۔ قرآن پاک کی یہ ایک فطرتی خاصیت ہے کہ جس وقت یہ پاک زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس کی شمع جمال پر جن، ملائکہ اور ارواح پروانوں کی طرح گرتے ہیں اور اس کا مقناطیسی نور پروانہ کونین کو اپنی تسخیر اور لپیٹ میں لے لیتا ہے قولہ تعالیٰ

و سخر لکم ما فی السموت و ما فی الارض جمیعا منه

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سب کچھ زمین اور آسمان کے اندر ہے مسخر کر دیا ہے۔

غرض جس طرح آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر انسان قرآن معجز بیان سن کر ایمان لے آئے تھے۔ اسی طرح قرآن کی آیات بینات سن کر آنحضرت ﷺ پر جنات کی ایک اچھی خاصی جماعت ایمان لے آئی۔ اور جس طرح مسلمان انسانوں نے اپنی ہم جنس قوم انسانی کے اندر دعوت تبلیغ اور جہاد کے ذریعے اسلام پھیلایا۔ یعنی جو لوگ حقائق قرآنی اور اس کا اعجاز بیانی سن کر ایمان لے آئے۔ ان کو اپنی اخوت اور برداری میں شامل کر لیا اور جنہوں نے انکار اور پیکار کیا انہیں یا تو ملک بدر کر دیا اور یا تہہ تیغ کر کے ہلاک کر دیا۔ اسی طرح جو جنات آنحضرتؐ کے ہاتھ پر اسلام لے آئے۔ انہوں نے اپنی قوم جنات کے اندر جا کر بجنسہ اسی طرح دعوت، تبلیغ اور جہاد کے ذریعے اسلام کی اشاعت میں سعی اور کوشش کی۔ بعض جن تو ایمان لے آئے اور جنہوں نے انکار کیا۔ اور مدافعت کی انہیں اپنی باطنی اور روحانی تلواروں سے ملک بدر یا ہلاک کر دیا۔ چنانچہ جن بتوں اور مورتیوں کے اندر یہ جن بھوت اور شیاطین گھستے ہوئے تھے یا جو عالم بالا میں چڑھ کر اور ملاء الاعلیٰ سے غیب کی باتیں سن کر کاہنوں اور ساحروں کو آکر بتاتے تھے۔ انہیں مسلمان جنوں نے بتوں اور مورتیوں

کے اندر سے نکال کر بھگا دیا یا قتل اور ہلاک کر دیا۔ علاوہ بریں ملائکہ آسمانی یعنی فرشتوں نے پہرے لگا کر ان کے عالم بالا کے راستے مسدود کر دیئے اور شہاب ثاقب مار مار کر انہیں ہلاک کر دیا اور باقیوں کو آسمان پر جانے سے روک کر دیا۔ اسی طرح ان شیاطین کے دم قدم سے جو بت پرستی کا بازار گرم تھا۔ وہ یکدم سرد پڑ گیا۔ اور بت پرستی کی ساری عمارت رفتہ رفتہ منہدم ہوگئی۔ کاہنوں کی کہانت اور ساحروں کے سحر سب گرد و غبا اور ھباء منثورا بن کر رہ گئے۔ اور یوں نعرہ تکبیر اور کلمہ توحید سے کفر کا جادو اور شرک کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اور آفتاب حق کے نور سے باطل، ظلمت کی شب یلدہ دور اور کافور ہوگئی۔ اور بعض کامل انسانوں اور عامل جنوں نے یہاں تک دعوت اور تبلیغ کا حق ادا کیا کہ عامل جنات نے انسانوں کے اندر اور کامل انسانوں نے جنات میں شامل ہو کر دعوت اور تبلیغ کا فرض انجام دیا۔ چنانچہ ہم یہاں احادیث سے اس قسم کی تبلیغ، دعوت اور جہاد باطنی کے حالات اور واقعات پیش کرتے ہیں۔ جن سے ہمارے مذکورہ بالا بیان کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔

بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ہم کو سورہ رحمٰن سنائی تو ہم نے خاموشی کے ساتھ اسے سنا۔ جب آپ نے سورہ رحمٰن ختم کی تو فرمایا کہ میں نے فرقہ جنات کو استماع قرآن کے معاملے میں تم سے بہتر پایا۔ کیوں کہ جس میں فبای الاء ربکما تکذبین پر آتا جس کے معنی ہیں پھر تم اللہ تعالیٰ کی کن کن نعموں کو جھٹلاؤ گے تو جن جواب دیتے ولابشی من الائک یا رب نکذب فلک الحمد یعنی اے رب ہم آپ کی نعمتوں میں سے کسی ایک کی بھی تکذیب اور کفران نہیں کرتے۔ بے شک تو حمد اور ستائش کے لائق ہے۔

خطیب نے جابر بن عبداللہ سے رایت کی ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ ایک سفر میں کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھے تھے کہ ایک بڑا کالا سانپ ہمارے سامنے نمودار ہوا اور آپ کی طرف چلا۔ لوگوں نے اٹھ کر اسے مارنے کا ارادہ کیا۔

لیکن آپؐ نے انہیں اشارے سے منع فرمایا۔ وہ سانپ اپنا منہ آپؐ کے کان کے پاس لے گیا۔ پھر آپؐ نے اس سانپ کے کان میں کچھ فرمایا۔ بعد میں وہ سانپ ایک طرف کو چل دیا۔ جب وہ ہماری نظر سے غائب ہو گیا تو ہم نے عرض کیا کہ یا حضرتؐ یہ سانپ کا ہے کو آپؐ کے پاس آیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ سانپ نہیں تھا بلکہ جنات کا ایک قاصد تھا۔ جو قرآن کی چند آیتیں بھول گئے ہیں وہ یاد کرنے آیا ہے۔ اور اب انہیں یاد کر کے واپس اپنی قوم کو سنانے اور یاد کرانے جا رہا ہے۔

بیہقی نے سواد بن قارب سے روایت نقل کی ہے کہ سواد نے کہا کہ ایام جاہلیت میں ایک جن میرا آشنا تھا۔ وہ مجھے گاہے گاہے ملا کرتا تھا۔ اور مجھے آئندہ کے واقعات اور مستقبل کے حالات سنایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مجھے ملا۔ مجھے چند عربی شعر سنائے جن کا ترجمہ یہ ہے ایک شخص لوئی ابن غالب کی اولاد سے پیدا ہوا ہے۔ میں نے جنات کو دیکھا کہ اونٹوں پر کچارے باندھ کر اور گھوڑوں پر زینیں کس کر مکہ کی طرف جا رہے ہیں اور ہدایت پر رہے ہیں اے سواد تو بھی اس کی طرف جا اور اس مراد خدا سے ہدایت پا جسے بنی ہاشم میں سے اللہ تعالیٰ نے چنا ہے اور چند شعر آپ کی تعریف میں کہے۔ جن میں سے آخری شعر کو ترجمہ یہ ہے۔ اور تم میرے واسطے شفیع ہو جس دن نہ ہوگا کوئی کام آنے والا شفیع بغیر تیرے سواد کہتا ہے کہ میں نے پے در پے تین راتیں یہ معاملہ دیکھا۔ اس کے بعد میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا آپؐ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا مرحبا یا سواد! مجھے معلوم ہے جو چیز تجھے یہاں لائی سو میں آپؐ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اس واقعہ میں ایک جن نے انسان کو اسلام کی طرف لانے کی ایک کامیاب کوشش کی۔

اس موقع پر اسی قسم کا ایک اپنا واقعہ بیان کرنا یہ فقیر ضروری سمجھتا ہے

ابتدائے حال میں یہ فقیر ایک روز دوپہر کو لیٹا ہوا تھا کہ چند جن قوالوں نے خواجہ حافظؒ کی یہ فارسی غزل میرے پہلو میں بیٹھ کر نہایت خوش الحانی سے گانی شروع کی۔

ساقی بنو ربا وہ برا فروز جام ما

مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما

مادر پیالہ عکس رخ یا دیدہ ایم

اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

اور جب وہ اس شعر پر آئے

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

تو مجھے وجد سا آ گیا اور بہت دیر تک وجدانی حالت مجھ پر طاری رہی۔

اور ایک دفعہ میں نے زائرین جنات کا ایک بہت بڑا قافلہ حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار پر اپنی سواریوں سے اترتے اور فروکش ہوتے دیکھا۔ میرے دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ چل کر جنات کے اس قافلے کی سیر کروں اور دیکھوں کہ یہ لوگ کس طرح رہتے سہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بازار کی طرح دوطرفہ لائن اور قطاروں میں انہیں فروکش پایا۔ میں نے دیکھا کہ دوطرفہ بازار کی طرح دو قطاروں میں انہوں نے چارپائیاں ڈال رکھی ہیں۔ اور ان چارپائیوں کے نیچے انہوں نے کتوں کی طرح لمبے اور گہرے غار کھود رکھے ہیں۔ چارپائیوں پر جن مرد اور عورتیں چڑھے بیٹھے ہیں۔ اور نیچے غاروں کے اندر ان کے بچے بھرے پڑے ہیں۔ ان کی شکلیں بالکل انسانوں جیسی تھیں۔ صرف آنکھوں اور انگلیوں کی ساخت میں قدرے فرق تھا۔ میں نے جنات کے اس قافلے کو اول سے آخر تک دیکھا۔

جو لوگ اس غیبی اسرار سے واقف ہیں کہ ان غیبی واقعات کے دیکھنے کے وقت سالک کو ایک گونہ غیبت ضرور لاحق ہوتی ہے۔ لیکن وہ بالکل ہوش اور حواس کی حالت میں پوری طرح بیدار اور ہوشیار رہتا ہے۔ جنات کے عالم میں داخل ہوتے وقت سالک کو ہلکی سی غیبت حاصل ہوتی ہے۔ اور عالم ملکوت میں اس سے زیادہ

گہری غیبت زندہ دل سالک پر مسلط ہوتی ہے۔ لیکن عالم اروح میں داخل ہوتے وقت موت کی سی بھاری غیبت میں عارف مستغرق ہوتا ہے۔ جنات کے عالم سے واپسی پر سالک کو ایک ہی جنبش اور حرکت سے بیداری حاصل ہو جاتی ہے۔ عالم ملکوت سے دو دفعہ بیدار ہونا پڑتا ہے اور عالم ارواح سے تین دفعہ بیداری حاصل کی جاتی ہے۔ ایسی حالت میں مبتدی سالک عجیب شش و پنج میں مبتلا ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنے آپ کو بیدار سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ ابھی تک غیب کی دنیا میں محصور ہوتا ہے۔

جن بعض انسانی عورتوں سے تعشق پیدا کر لیتے ہیں۔ اور ان سے مردوں کی طرح جماع کرتے ہیں۔ اور اگر جن کے جماع سے انسانی عورت کے رحم کے اندر نطفہ استقرار پکڑ لے تو اس سے دوغلی قسم کے آسیب زدہ اور کاہن مزاج بچے پیدا ہوتے ہیں۔ یورپ کے پیدائشی اور فطرتی میڈیم وسیط ایسے لوگ ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک اصحابی نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی کہ مجھے اپنی عورت کے فرج کے اندر آگ نظر آتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ کسی جن شیطان کے جماع کا اثر ہے۔ اس واسطے حدیث میں آیا ہے۔ کہ اپنی عورت سے ہم بستری کے وقت یہ دعا پڑھی جائے۔ اللھم جنبنی من الشیطان و جنب الشیطان عنی ترجمہ اے اللہ مجھے جن شیطان سے بچا اور شیطان کو مجھ سے دور رکھ۔

بیہقی نے ایک قصہ حضرت امام زین العابدینؓ سے ارسال کے طور پر ذکر کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ پہلے پہل آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر مدینے میں ایک جن کے ذریعے پہنچی تھی جس کی تفصیل یوں ہے کہ ایک جن مدینے کی ایک عورت سے تعشق رکھتا تھا۔ وہ جن ہمیشہ رات کے وقت اندھیرے میں جب لوگ سو جاتے تھے انسانی شکل اختیار کر کے اس عورت کے پاس آجایا کرتا تھا اور مردوں کی طرح اس عورت سے مجامعت کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ یکا یک بہت روز تک

اس جن کا آنا جانا موقوف ہو گیا۔ پھر کافی عرصہ کے بعد ایک رات حسب معمول
جب وہ آ نکلا تو اس عورت نے اس سے دریافت کیا کہ تو اتنے دن تک کہاں تھا اور
میرے پاس کیوں نہیں آیا۔ اس جن نے جواب دیا کہ تجھے معلوم نہیں کہ مکہ شہر میں
خدا کا ایک برگزیدہ اور سچا نبیؐ ظاہر ہوا ہے میں اس کے ہاتھ پر ایمان لے آیا ہوں
اور چونکہ اس کی شریعت میں زنا حرام ہے۔ اس لئے میں تیرے پاس اتنا عرصہ نہیں
آیا اور نہ آئندہ آسکوں گا۔ اب میں تیرے اس کام کا نہیں رہا۔ یہاں بھی ایک جن
نے انسانوں کو اسلام کی طرف بلانے کی کوشش کی۔

ابن عساکر اور خرائطی نے مرداسؓ ابن قیس دوسی سے روایت کی ہے کہ ایک دن
آنحضرت ﷺ کی مجلس میں کاہنوں اور کہانت کا ذکر چھڑا اور لوگ اس بارے میں
اپنے چشم دیدہ واقعات اور حالات بیان کرنے لگے۔ مرداسؓ کہتا ہے کہ میں نے
آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا حضرتؐ! مجھے اس معاملے میں ایک
بہت ہی عجیب اتفاق ہوا ہے جس سننے کے قابل ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسے بیان
کرو تا کہ ہم بھی سنیں۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ ایام جاہلیت میں ہمارے پاس
ایک لونڈی تھی۔ اس کا نام خلصہ تھا۔ اس لونڈ نے ایک روز ہمیں بتایا کہ ان دنوں
مجھ پر عجیب حالت گذر رہی ہے۔ اور میں ڈرتی ہوں کہ تم کہیں مجھے زنا کاری کا
اتہام اور احرام کاری کا الزام نہ دے دو۔ اس لئے میں بیان کرتی ہوں۔ واقعہ یہ
ہے کہ رات کے وقت ایک سیاہ فام غیبی وجود مجسم ہو کر مجھ پر چڑھ بیٹھتا ہے۔ اور
جس طرح مرد عورت سے صحبت کرتا ہے وہ میرے ساتھ اسی طرح مجامعت کرتا
ہے۔ چنانچہ چند ماہ کے بعد اس لونڈی کو حمل ہو گیا۔ اور وہ وقت معینہ پر ایک بچہ جنی
جس کے کان کتے جیسے تھے اور اس کی شکل بھی عام مردوں کی طرح نہ تھی۔ چنانچہ
جب وہ کچھ سیانا اور بڑا ہوا تو کہانت کی سی باتیں کرنے لگا۔ اور آئندہ کے واقعات
اور غیب کی خبریں بتایا کرتا۔ ایک دن اس نے ہمیں بتایا کہ تمہارے دشمن فلاں جگہ

تمہاری گھات میں ہیں۔ جب ہم وہاں گئے تو ہم نے اسی طرح ان کو وہاں موجود پایا۔ اس طرح وہ ہمارے درمیان کہانت میں مشہور ہو گیا۔ پھر اس نے یکا یک کہانت اور غیب کی باتیں کہنا چھوڑ دیں۔ اور اگر کوئی بات کہتا بھی تو وہ غلط ثابت ہوتی۔ آخر ہم نے اسے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا ہے۔ اور تیری باتیں اب کیوں غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے تین دن رات ایک علیحدہ مکان کے اندر بند کر دو۔ اور پھر مجھے نکالو۔ تب میں اصل واقعہ بیان کرنے کے قابل ہوں گا۔ چنانچہ ہم نے ایسا کیا۔ جب وہ تیسرے روز نکالا گیا تو وہ کہانت کے طور پر یوں بولنے لگا۔ کہ مکہ میں خدا کا ایک مقدس نبیؐ ظاہر ہوا ہے جس کے ظہور کے باعث اب جن شیاطین آسمان پر جانے اور غیب کی باتیں لانے سے روک لئے گئے ہیں۔ یہ بھی ایک جن کے ذریعے اسلام کی طرف سے انسانوں کو بلانے کا واقعہ ہے۔

اس فقیر کے بچپن کا ایک واقعہ ہے کہ ہمارے گھر کے نزدیک ایک بیوہ عورت رہتی تھی جو بہت نیک اور پاک دامن تھی۔ میری موجودگی میں ہماری والدہ صاحبہ نے بطور نصیحت اسے کہا کہ بہن تو بیوہ عورت ہے اور تیرے چال چلن کے متعلق بھی ہمیں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں گذرتا۔ لیکن تو کیوں اس طرح بیا ہی ہوئی عورتوں کی طرح بنی ٹھنی رہتی ہے۔ اور جوان شوہر دار عورتوں کی مانند ہار سنگار کرتی ہے۔ تیرے اس معاملے پر لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ اس پر وہ عورت رو پڑی اور اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے ہماری والدہ صاحبہ سے کہا بہن! میں تجھے کیا بتاؤں میرا معاملہ بہت ہی عجیب ہے۔ چنانچہ اس نے قسم کھا کر کہا کہ بات یہ ہے کہ رات کے وقت ایک جن مجسم (Meterialise) ہو کر میرے پاس آیا کرتا ہے۔ اور مردوں کی طرح میرے ساتھ ہم کنار اور ہم صحبت ہوتا ہے۔ اور جس رات وہ مجھے میلی کچیلی پاتا ہے تو مجھ پر بہت غصے ہوتا ہے اور ستاتا ہے کہ آج تو نے اپنے آپ کو کیوں نہیں سنوارا۔ چنانچہ وہ مجھے بہت دق کرتا ہے اور ساری ساری رات میری نیند حرام کر دیتا

ہے۔غرض میں اس جن کے ہاتھوں مجبور ہوں۔اس لئے اس موذی ظالم کی خاطر اپنے آپ کو سنوارتی ہوں اور بناتی ہوں۔ میں چونکہ ان دنوں بھی بچہ ہی تھا۔اس لئے مجھے اس عورت کی ان باتوں پر تعجب ہوا۔

غرض خاص خاص مخصوص حالات کے ماتحت جن مردوں کا انسانی عورتوں کے ساتھ اور انسان مردوں کا جن عورتوں کے ساتھ مجامعت کرنے کے واقعات دنیا میں عام ہیں۔اس سے تعجب ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔کیوں کہ جن ہماری ایک مخلوق ہے۔اور ہمارے بہت قریب رہائش رکھتے ہیں۔

عطاء ابن یسار، عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں حضرت رسالت مآب ﷺ کے ہمراہ مکہ سے کوہ صفا کی طرف جا نکلا۔ہم نے کفار قریش کو وہاں ایک بت کی پرستش میں مشغول پایا۔آنحضرت ﷺ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ اے گروہ قریش اس بت پرستی! اور شرک سے باز آ جاؤ۔اللہ تعالیٰ کو ایک جانو اس پر ان میں سے ولید پلید نے ابوجہل سے کہا۔اے ابوالحکم! اگر تو چاہے تو میں اس شخص یعنی محمد ﷺ کو لاجواب اور شرمندہ کر دوں۔ابوجہل نے جواب دیا اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے تب ولید پلید اٹھا اور اس بت کو اپنی گردن پر رکھے ہوئے آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا۔اے محمدؐ! تو جو کہتا ہے کہ میرا خدا مجھے میری شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے لیکن اب دیکھ کہ میرا خدا یعنی یہ بت تو میری گردن پر میری شہ رگ کے نزدیک لگا ہوا نظر آ رہا ہے۔تو اپنا خدا مجھے اس طرح شہ رگ کے نزدیک دکھا دے۔آنحضرت ﷺ نے جب ولید پلید کی یہ گستاخانہ اور جاہلانہ حجت بازی سنی تو آپ ﷺ نے اسے کچھ جواب نہ دیا۔اس پر وہ سب بت پرست کھل کھلا کر ہنس پڑے۔اور پھر اس بت کی پرستش میں مشغول ہو گئے۔اور اس کے سامنے سربسجود عرض کرنے لگے۔اے ہمارے آقا اور سردار! محمدؐ کے قتل میں ہماری امداد کیجو تب اس بت کے اندر سے چند عربی اشعار سنائی دیئے۔جن میں

آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کے دین کی ہجو اور شکایت تھی۔ آپؐ اور آپؐ کے اصحابؓ کے قتل کی ترغیب تھی۔ اس معاملہ سے آنحضرت ﷺ ملول خاطر ہو کر وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ واپس جاتے ہوئے میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔ یا حضرتؐ! آپؐ نے بت کی باتیں سنیں آپؐ نے فرمایا ہاں یہ ایک شیطان ہے جو بتوں کے اندر داخل ہو کر کافروں کے سامنے انبیاء علیہم السلام کی ہجو اور شکایت کرتا ہے۔ اور کافروں کو انبیاء علیہم السلام کی ترغیب دیا کرتا ہے اور سوائے اس معلون کے اور کوئی شیطان انبیاء کی ہجو اور شکایت نہیں کرتا۔

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے دو تین روز بعد میں آپؐ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ غیبی طور پر کسی کہنے والے نے آپؐ پر سلام کہا۔ لیکن بظاہر ہمیں کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ تب آپؐ نے اسے سلام کا جواب دے کر پوچھا۔ کہ آیا تو اہل آسمان سے ہے۔ اس نے کہا کہ نہیں پھر آپؐ نے پوچھا کہ آیا تو جن ہے۔ اس نے کہا ہاں میں جن ہوں۔ آپؐ نے اس سے آنے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ میں نے اپنے چچا زاد بھائی سے سنا کہ مشعر نامی جن نے بت کے اندر سے کوہ صفا پر حضورؐ کی شان میں گستاخانہ اور بے ادبانہ باتیں کہی ہیں۔ چنانچہ آج میں اس سے آپؐ کا انتقام لینے گیا۔ اور اسے کوہ صفا پر پایا۔ اور ایک ہی ضرب سے اس کا کام تمام کر دیا ہے۔ اور مسلمانوں کو اس کے شر سے بچا لیا ہے۔ اور میں آپؐ کے پاس اس امر کی اطلاع دینے آیا ہوں۔ آپؐ براہ مہربانی صبح سویرے کوہ صفا پر تشریف لے چلیں کہ اس وقت وہ مشرک اس بت کی پوجا پاٹ میں مشغول ہوں گے۔ تو اس وقت اس بت کے اندر سے میں ان لوگوں کے منہ پر آپؐ کی اور آپؐ کے دین کی تعریف کروں گا تا کہ وہ شرمندہ اور شرمسار ہوں آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے۔ اس نے کہا میرا نام مسحج ہے۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو چاہے تو تجھے اس سے بہتر نام سے موسوم کروں۔ اس نے عرض کیا ہاں آپؐ نے فرمایا آج سے تیرا نام عبداللہ ہے ابن مسعودؓ

سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہم صبح کو کوہ صفا پر گئے تو مشرک حسب معمول اس بت کی پرستش میں مصروف تھے۔ آپؐ نے پھر کلمہ توحید کی تلقین فرمائی جس سے ان کا غرور اور طغیان اور بڑھ گیا۔ اور پھر اس بت کی منت اور سماجت کرنے لگے کہ وہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے دین کی ہجو اور شکایت کرے لیکن خلاف معمول جب اس بت کے اندر سے مومن جن نے آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے دین کی تعریف اور توصیف میں چند عربی اشعار پڑھے تو جوں ہی ان مشرکوں نے اپنے بت کی زبانی آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے دین کی تعریف سنی وہ غصہ سے آگ بگولہ ہو گئے۔ اور اس بت کو پتھر مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اس فقیر نے جنوں کو بہت دفعہ بالکل ہوش وحواس اور بیداری کی حالت میں اپنے پاس آتے دیکھا ہے۔ بہت دفعہ وہ اپنے بیماروں کو لا کر دم کراتے اور اپنی حاجات کے لئے دعائیں کراتے۔ ایک دفعہ فرقہ جنات کا بادشاہ اس فقیر کو ملا جو اونچے لمبے قد کا سفید خوبصورت جوان تھا۔ میں نے اس سے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام متقہ بتایا۔ مذکورہ بالا روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں بت پرستی کے رواج پانے کی اصلی وجہ جن شیاطین اور اروح خبیثہ کی پرفریب کارستانیوں اور بتوں کے اندر سے ان کی مشرکانہ دروغ بیانیاں تھیں۔ ورنہ اشرف المخلوقات، ذی شعور اور صاحب عقل انسان ہزار ہا سال کیوں کر بے وجہ اپنے پتھر اور دھات کے بنائے ہوئے بتوں اور مورتیوں کی پوجا اور پرستش پر قائم چلے آتے رہے ہیں۔ نیز مذکورہ بالا روایات سے ایک نئی بات یہ بھی ثابت ہو گئی ہے کہ ابتداء سے مسلمان جنات بھی مسلمان انسانوں کے دوش بدوش مذہب اسلام اور توحید کی تبلیغ، دعوت اور جہاد میں شریک رہے ہیں اور انہوں نے بھی اس دینی خدمت میں بڑا پاٹ ادا کیا ہے۔

بعض مغرب زدہ کور چشم لوگ ان غیبی لطیف مخلوق جنات کے وجود کے قائل

نہیں۔ اور قرآن اور احادیث میں جنات کا جو صحیح ذکر آتا ہے۔ اس کی بہت ناروا تاویلیں کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد جنگلی اور وحشی لوگ ہیں۔ چونکہ ان دل کے اندھوں نے کبھی تمام عمر اس قسم کی کوئی غیبی مخلوق نہیں دیکھی ہوتی۔ لہذا کہتے ہیں کہ جو چیز ہمیں معلوم اور محسوس نہیں اس کے وجود کو ہم کیوں کر مانیں۔ اور اگر کوئی شخص جنات کے متعلق اپنا کوئی واقعہ یا مشاہدہ بیان کرے تو اسے کئی حیلوں، بہانوں اور حجتوں سے جھٹلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ لوگ کہتے ہیں کہ مرگھٹوں اور گورستانوں کے اندر اکثر ہڈیاں ہوتی ہیں۔ اور ہڈیاں میں چونکہ فاسفورس ہوتی ہے جو رات کو کبھی کبھی ہوا کے جھونکے میں جل اٹھتی ہے۔ اور ہوا میں اڑتی ہوئی نظر آتی ہے جاہل توہم پرست عوام جنگل میں اس قسم کی اڑتی ہوئی آگ کو جب دیکھتے ہیں تو اس جن پری اور دیو کے مظاہرے اور کارنامے شمار کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ رات کو جب کوئی شخص اکیلا جنگل میں جا رہا ہوتا ہے تو ایسے وقت میں وہمی آدمی کے دل میں خواہ مخواہ جن پری وغیرہ کا خیال آ جاتا ہے۔ تو اس وقت اس کی قوت متخیلہ خود بخود ایسی موہوم شکل سامنے لے آتی ہے۔ اور ان کے آئینہ خیال میں ایسی موہوم صورت فوراً نمودار ہو کر متشکل ہو جاتی ہے۔ سو وہمی آدمی انہیں جن، پری اور دیو خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ غرض مذکورہ بالا اور اس قسم کی دوسری جھوٹی حجتیں اور دلیلیں قرآنی حقائق کو جھٹلانے کے لئے کس قدر لغو، بے ہودہ اور بودی تاویلیں ہیں۔ بھلا جن لوگوں نے ان غیبی لطیف مخلوق کو بے شمار دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا بھالا ہو۔ انہیں بیداری اور ہوش و حواش کی حالت میں محسوس اور معلوم کیا ہو۔ اور ان سے معاملات اور کاروبار میں بارہا امداد لی ہو۔ وہ ان بے ہودہ حجتوں کو گوزخر سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتے۔ یہ لوگ اگر کسی جن کے آسیب زدہ مریض شخص کو دیکھتے ہیں تو پہلے اسے کسی عصبی یا دماغی امراض سے منسوب کرتے ہیں۔ اور اگر کسی عورت کو اس قسم کے آسیب میں مبتلا پاتے ہیں تو اسے اس عورت کا مکر یا اسے

ہسٹیریا وغیرہ خیال کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو ان غیبی موذیوں سے واسطہ پڑ جاتا ہے یا جو ان غیر مرئی بلاؤں اور آفتوں کے آسیب اور آزار میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ تو کبھی انکار نہیں کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی دنیا میں دل کے اندھوں اور مادی گدھوں کی کمی نہیں ہے۔ جو سرے سے تمام عالم غیب جن، ملائکہ، ارواح یوم آخرت، دوزخ، جنت، وغیرہ حتی کہ خود اللہ تعالیٰ کے وجود کا بھی انکار کرتے ہیں۔ ایسے کور چشم شقی القلب مادرزاد اندھوں کا کوئی علاج نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کو اس قسم کی نصیحت کرنا بے سود ہے۔ یہ لوگ اگر اسی طرح بے خبری اور غفلت میں مر جائیں تو بہتر ہے۔

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی

تا بے خبر بمیرد در عین خود پرستی

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جنات کو نبی آدم کی طرح ایک الگ مخلوق کی طرح خطاب فرما دیا ہے۔ اور ان کی تخلیق کو انسانی تخلیق سے پہلے اور سابق بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے وما خلقت الجن و لا نس الا یعبدون ترجمہ نہیں پیدا کیا ہم نے جن اور انسان کو مگر اپنی عبادت کے لئے قولہ تعالیٰ یا معشر الجن والا نس الم یاتکم ورسل منکم یقصون علیکم ایتی وینذرونکم لقاء یومکم ھذا (ترجمہ) اے جن اور انسان کے گروہ! کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں آئے۔ اور کیا انہوں نے تمہارے سامنے ہماری آیتیں بیان نہیں کے اور اس یوم قیامت سے نہیں ڈرایا۔ قولہ تعالیٰ یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذو من اقطار السموت والارض فانفذوا (ترجمہ) اے فرقہ جن وانس! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل دیکھو۔ غرض اللہ تعالےٰ نے ہر جگہ انسانوں کے ہمراہ جنات کو بھی قرآن کریم میں خطاب فرمایا ہے اور ان کی خلقت آگ سے بیان فرمائی ہے۔ خلق الانسان

من صلصال کالفخار و خلق الجان من مارج من نار (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے انسان کو بجانے والی مٹی سے ٹھیکری کی طرح بنایا ہے اور جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے پیدا کیا ہے۔ غرض جو لوگ قرآن کو مانتے ہیں وہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ جنات سے مراد جنگلی لوگ ہیں۔ بلکہ ان کا یقین ہے کہ جن انسانوں کی طرف مکلّف مخلوق ہے اور ہمارے قریب اسی زمین پر رہتی سہتی ہے۔ اور ان میں بعض انسانوں کی طرح کافر، مشرک، فاسق اور فاجر ہوتے ہیں۔ اور بعض مومن، مسلمان، دیندار، نیک، متقی اور صالح ہوتے ہیں۔ اور ان کی الگ الگ قومیں اور نسلیں ہیں۔ اور ان کی مختلف شکلیں، صورتیں اور رنگ وروپ ہیں۔

عربی زبان میں لفظ جن چھپنے اور پوشیدہ ہونے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فلما جن علیہ الیل راکو کبا یعنی جب اس پر رات کی تاریکی چھا گئی تو اس نے ستارے کو دیکھا کیونکہ یہ ایک پوشیدہ غیبی لطیف مخلوق ہے اس واسطے اسے جن کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور شیطان ابلیس بھی جن کی قسم سے تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کان من الجن ففسق عن امر ربہ یعنی شیطان بھی فرقہ جن میں سے تھا۔ پس وہ اللہ تعالےٰ کے امر سے پھر گیا تھا۔ اور چونکہ بعض جن جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو وہ سانپ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اس واسطے قرآن کریم میں سانپ کے لئے جان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے قولہ تعالیٰ والق عصاک فلما راھا تھتز کانھا جان (ترجمہ) اور ہم نے موسیٰ سے کہا کہ اپنی عصا کو زمین پر ڈال دے پس جب اس نے اپنے عصا کو دیکھا کہ وہ ہلتا جلتا ہے گویا کہ وہ ایک بڑا سانپ ہے۔

واضح ہو کہ ان جن شیاطین اور ارواح خبیثہ کی بہت سی اقسام ہیں ل اور ان کی علیحدہ اوصاف اور الگ الگ کام ہیں۔ چنانچہ ان کی ایک قسم وہ ہے جو کسی گھر یا مکان کے اندر سکونت اختیار کر لیتی ہے۔ اور اس گھر کے رہنے والوں کو خواب اور

بیداری میں ڈراتی اور دکھ اور آزار پہنچاتی ہے۔ دنیا کے ہر شہر میں کوئی نہ کوئی ایسا گھر اور مکان ضرور ہوتا ہے جن میں یہ عامر جن رہائش رکھتے ہیں۔ ایسے مکان اور گھر کو عرف عوام میں بھارا اور آسیب زدہ کہتے ہیں۔ یورپ میں ایسے مکانوں کو ہانٹیڈ ہاؤسز (Hunted Houses) کہتے ہیں۔ ایسے مکانوں میں جن مختلف حرکتیں کرتے ہیں۔ بعض اوقات گھر کے رہنے والوں پر اینٹیں اور پتھر برساتے ہیں۔ بعض جگہ پاخانہ اور گندگی گرتے ہیں۔ کئی گھروں کے دریچوں اور الماریوں سے چیزیں نیچے گراتے اور توڑتے پھوڑتے رہتے ہیں۔ بعض گھروں میں کپڑوں اور سامان کو آگ لگاتے ہیں۔ غرض طرح طرح کی حرکتیں روز روشن میں لوگوں کی نظروں کے سامنے کرتے ہیں۔ یورپ کے سپر چولسٹس (Spirirtualsisti) نے ایسے مکانوں کی ریسرچ کے لئے اس علم کے چند ماہرین کی ایک کمیٹی مقرر کی ہے جس اس قسم کے ہانٹیڈ ہاؤسز کا پتہ لگا کر ان کی تحقیقات کرتی ہے اور ان کے حالات قلم بند کر کے اپنی سوسائٹی کو بھیجتی ہے۔ اور وہ حالات اخباروں میں شائع ہوتے ہیں۔ مسلمان جن اگر کسی مسلمان آدمی کے مکان میں رہائش اختیار کر لیں تو وہ گھر والوں کو دکھ اور آزار نہیں پہنچاتے۔ بلکہ وہ ان گھر والوں کی دوسرے کافر جنات سے حفاظت کرتے ہیں۔ ایسے جن ہمارے گھروں میں ہمارے پالتو جانوروں، بلیوں اور کتوں کی طرح رہائش رکھتے ہیں۔ لیکن کافر جن اگر کسی مسلمان کے گھر میں سکونت اختیار کر لے تو اس گھر والوں کو ضرور ستاتا ہے۔ ایسے آسیب زدہ گھر ہر شہر میں پائے جاتے ہیں۔ اکثر غیر آباد اور تاریک مکانوں میں جن بسیرا کیا کرتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ شام کے بعد اپنے مکانوں کے دروازوں کو کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ کیوں کہ ایسے وقت میں بعض مسافر جن آ کر ان میں سکونت اختیار کر لیتے ہیں جن گھروں میں قرآن کریم کی تلاوت کی جائے یا نماز اور ذکر الٰہی کا شغل جاری رہے وہاں جن، شیاطین اور ارواح خبیثہ کا بہت کم دخل ہوتا ہے

دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآں خوانند

جن بعض اوقات غیر وزن شدہ مال، جنس اور غیر شمار نقدی میں سے چوری اٹھا لیتے ہیں۔ بعض گھروں اور دکانوں کی برکت سلب کر لیتے ہیں۔ گھروں میں فساد اور جھگڑے کا موجب بنتے ہیں۔ دلوں میں حسد، اور عداوت کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ خاوند، بیوی اور دوستوں کے درمیان تفرقہ اور عداوت پیدا کرتے ہیں۔

جن، شیاطین اور ارواح خبیثہ کی دوسری قسم وہ ہے جو انسانوں پر مسلط ہو جایا کرتی ہے۔ جس سے ان کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اور سخت لاعلاج امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ظاہر حکیموں اور ڈاکٹروں کی دواؤں سے ہرگز علاج پذیر نہیں ہوتے۔ بعض دفعہ یہ جسم کے کسی خاص عضو کو آسیب زدہ کر دیتے ہیں۔ چنانچہ جسم کے اس خاص حصے اور عضو کا آزاد پہنچ جاتا ہے اور وہ عضو شل، مفلوج اور بے کار ہو جاتا ہے یا اس پر کوئی زخم نمودار ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اس قسم کے شیطانی و جنونی آسیب کا انکار کرتے ہیں گویا وہ حقائق قرآنی کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں ایوب علیہ السلام کی زبانی فرماتے ہیں انی مسنی الشیطان بنصب وعذاب یعنی شیطان نے مجھے چھو کر اپنے آسیب سے دکھ اور عذاب میں مبتلا کر دیا ہے۔ بعض دفعہ وہ آسیب زدہ عضو سخت درد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بعض انسان کے دل اور دماغ پر جب شیطان مسلط ہو جاتا ہے تو وہ یا تو مجنون اور دیوانہ ہو جاتا ہے یا اسے بعض وقت اس آسیب کا دورہ ہوتا رہتا ہے۔ ان کے آزار پہنچانے کے بہت طریقے ہیں۔ بعض عضو سے حرارت غریزی اور نور حیات سلب اور خارج کر لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ عضو ٹھنڈا، بے حس اور مفلوج ہو جاتا ہے۔ اور بعض عضو کے اندر اپنی ناری حرارت اور خبیث مادہ داخل کر دیتے ہیں جس سے وہ عضو اس جنونی حرارت سے جل کر دردناک ہو جاتا ہے یا اس عضو کا خون فاسد ہو جاتا ہے اور وہاں دانہ دنبل یا کوئی لاعلاج پھوڑا نکل آتا ہے۔ ان امراض کے اسباب اور علل کی طلبی

تشریح اور توجیہہ چاہے کچھ بھی ہو۔ لیکن مذکورہ بالا حقائق اپنی جگہ مسلم ہیں۔ بعض انسانوں پر جن شیاطین جب مسلط ہو جاتے ہیں تو ان کے دورے کے وقت وہ سر ہلاتے ہیں اور کھیلتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ ان کے سامنے گانا بجانا، سرود اور راگ وغیرہ کا شغل کیا جائے۔ یورپ میں اس قسم کے آسیب زدہ مرد یا عورت کو میڈیم وسیط کہتے ہیں اس کے اردگرد حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں اور اس کے سامنے گاتے ہیں۔ جن شیطان جب آسیب زدہ پر مسلط ہو جاتا ہے تو وہ اس کی زبانی بولتا ہے۔ یورپ کے سپر چولسٹس نے اس چیز کو ترقی دی ہے۔ اور گاہے میڈیم سے علیحدہ اسی مکان میں آکر مختلف زبانوں میں جن باتیں کرتا ہے۔ چونکہ وہاں گھر گھر اس قسم کے حلقے کئے جاتے ہیں اس لئے وہاں جن بھوت بہت کثرت سے لوگوں پر مسلط ہونے لگ گئے ہیں اور اس قسم کے جنونی آسیب اور آزار وہاں بہت عام ہو گئے ہیں۔ اس قسم کے آسیبی آزار اور جنونی دکھ اور امراض کا علاج بھی جن شیطانوں کے ذریعے کیا جاتا ہے یعنی جن اشخاص پر معالج قسم کے قوی اور طاقتور جن بھوت مسلط کئے جاتے ہیں۔ ایسے جن شیطان اپنے میڈیم سے کہتے ہیں کہ تم روحانی علاج کا شغل اختیار کرو۔ چنانچہ ایسے میڈیم ہیلنگ چرچز (Healing Churches) کھول لیتے ہیں۔ اور روحانی علاج میں مشہور ہو جاتے ہیں۔ ان کے وہاں گھر گھر روحانی حلقوں کے سبب وہاں اس قسم کے آسیب زدہ جنونی مریض بھی چونکہ بکثرت ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ان ہیلنگ چرچز یعنی روحانی علاج گھروں پر مریضوں کا بڑا ہجوم رہتا ہے۔ ایک مخصوص وقت میں جب کہ ہیلر میڈیم (Healer Medium) یعنی روحانی معالج پر جن بھوت مسلط ہوتا ہے۔ وہ مریضوں کو چھو کر اچھا کرنے اور سلب امرض کے لئے اپنے مکان سے نکلتا ہے۔ قسم قسم کے مریضوں پر ہاتھ پھیرتا جاتا ہے۔ اور طرح طرح کے پاسز (Passes) کرتا ہے۔ جس سے بعض مریض تو فوراً اچھے ہو جاتے ہیں۔ اس وقت حاضرین اور تماشائیوں سے تعریف و تحسین کا

ایک بڑا شور وغل اٹھتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر اس کے روحانی علاج کا خوب سکہ بیٹھ جاتا ہے بعض مریضوں کو کچھ افاقہ ہو جاتا ہے جو مزید روحانی علاج کے لئے اس روحاونی ہسپتال میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان ہسپتالوں میں روحانی علاج کا کافی سٹاف اور اچھا خاصہ عملہ رہتا ہے جو دن رات اس قسم کے علاج معالجوں میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ لوگ ان مریضوں سے کافی اجرت اور بڑی رقمیں بطور فیس وصول کرتے ہیں۔

غرض ان جنونی اور شیطانی مریضوں کا علاج بھی غالب اور قوی جن شیاطین کے ذریعے کے جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جس آسیب زدہ عضو پر میڈیم ہاتھ پھیرتا ہے۔ حالانکہ اس عضو کو پہلے کسی جن بھوت نے اپنے مس سے ٹھنڈا، بے حس اور مفلوج کیا ہوا ہوتا ہے۔ تو وہ معالج جن بھوت کے دوبارہ چھونے سے گرم ہو کر تندرست ہو جاتا ہے۔ یا اگر گرم ہوتا ہے تو ٹھنڈک پہنچانے سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔ اس روحانی علاج کا یورپ میں بڑا چرچا ہے اسی ہیلنگ پاور (Healing Power) اور جنونی طاقت پر وہ لوگ بڑا فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگلے پیغمبر مثلاً عیسی علیہ السلام جو کوڑھی اور جذامی مریضوں کو ہاتھ سے چھو کر اچھا اور تندرست کر دیا کرتے تھے۔ ان کے پاس بھی یہی روحانی طاقت تھی۔ حالاں کہ اسلامی نکتہ نگاہ میں اور صوفیاء اور فقراء کے نزدیک اس قسم کے جنونی اور سفلی شعبدوں کو نہایت حقارت اور عیب کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ افریقہ اور امریکہ کے قدیم باشندوں اور ہندوستان، چین اور تبت کے لوگوں میں اس قسم کے سفلی عاملین بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جو محض چھونے اور ہاتھ لگانے سے آسیبی مریضوں کو اچھا کر دیتے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی اس قسم کی سفلی جنونی دکانیں موجود ہیں۔ جو اس قسم کا علاج جوتی کی نوک سے کرتے ہیں۔

چنانچہ ہمارے ڈیرہ اسماعیل خان اور شیخ یوسف صاحبؒ جنات کے ایک بڑے

حامل ہوگذرے ہیں اور آج تک ان کی اولاد ان کے مسخر کردہ جنات سے کام لے رہی ہے۔ ان کے مکان پر جب اس قسم کے مریض پکڑے ہوئے آتے ہیں تو وہ ان جن بھوتوں کی جوتیوں سے مرمت کرتے ہیں۔ جس وقت یہ لوگ جنوں کو جوتا سنگھاتے ہیں تو جن فوراً بھاگ جاتے ہیں۔ چنانچہ دور دور سے جوڑوں کے درد اور ریحی دردوں کے مریض لائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوتے ہیں لیکن وہ فوراً ٹھیک ہوجاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا تو اس قسم کی باتوں میں ذکر کرنا ہی سوادب اور گستاخی ہے۔ اولیاء کرام کے نزدیک بھی اس قسم کے سفلی عمل کو پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھا جاتا۔

ان جن شیاطین کی ایک تیسری قسم ہے جو مرگھٹوں اور قبرستانوں کے اندر رہتی ہے۔ یہ جن زندگی میں انسانوں کے ہمراہ رہنے والے طبعی جن اور ہمزاد شیاطین ہوتے ہیں۔ جو موت کے بعد جسد عنصری سے جدا ہوکر کچھ عرصہ متوفی لوگوں کی قبروں اور مرگھٹوں پر منڈلاتے رہتے ہیں۔ ہندو لوگوں میں یہ عقیدہ عام طور پر پایا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد مردہ کی روح بھوت بن کر مردہ کے خویش و اقارب تو حلیہ کی تبدیلی میں اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ اپنے مردہ کے بعد سر، ڈاڑھی اور مونچھوں تک منڈوا ڈالتے ہیں تاکہ موت کے بعد ان کے متوفی کی روح بھوت بن کر انہیں پہچان نہ سکے۔ اس طرح سے یہ لوگ اس کے تسلط سے بچاؤ کی تدبیر کرتے ہیں۔ نیز ہندو لوگوں میں یہ بھی رواج ہے کہ مرگھٹ میں جس وقت یہ لوگ اپنا مردہ جلاتے ہیں اور مردے کی کھوپڑی جل کر تڑاخ سے پھٹتی ہے تو وہاں جس قدر ہندو جمع ہوتے ہیں سب کے سب الٹے پاؤں شہر کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور پیچھے دیکھنے کا نام نہیں لیتے۔ دراصل ان کا یہ خوف بے وجہ نہیں ہوتا۔ مردہ کی روح بھوت نہیں بن جایا کرتی بلکہ اس کا ہمزاد جن شیطان جو پیدائش سے اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ موت کے بعد اس کے جسد عنصری سے الگ ہوجایا کرتا ہے۔ اور ممکن ہے وہ جن شیطان موت

کے بعد متوفی کے کسی خویش یا دوسرے شخص پر مسلط ہو جاتا ہو۔

جن شیاطین کا ایک چوتھا گروہ ہے جو بو بڑ خانوں اور مذبح گاہوں کے آس پاس منڈلاتا رہتا ہے۔اور جانوروں کے خون اور ہڈیوں وغیرہ سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گوبر، ہڈی اور کوئلے سے استنجا کرنے سے اپنے اصحاب کو منع کیا۔اور فرمایا کہ یہ چیزیں جنات کی غذا اور خوراک ہیں۔جب ان سے استنجا کیا جائے یا گوشت کھاتے وقت ہڈی کو چبایا جائے تو پھر وہ جنات کی خوراک کے قابل نہیں رہتے۔دراصل بات یہ ہے کہ جن ہڈی، گوبر اور کوئلے کو بجنسہ کھانہیں لیتے بلکہ ان میں سے فاسفورس اور کاربن کی قسم کی خارج ہونے والی گیسوں میں ان کی غذا موجود ہوتی ہے۔بوچڑ خانوں اور مذبح گاہوں کے پاس اس قسم کے جن اپنی مخصوص غذا حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

ان میں پانچواں گروہ وہ ہے جو ہر وقت فضا میں طیران اور پران رہتا ہے۔یہ جن پرندوں کی طرح ہوا میں چکر لگاتے ہیں۔سلیمان علیہ السلام کے تخت کو اس قسم کے جن اٹھاتے رہتے تھے۔اس قسم کے جن اپنے عاملوں کو مختلف ممالک کی سیر کراتے ہیں۔ان جنات کے عامل ہوا میں اڑتے ہیں اور طے الارض کرتے ہیں۔ تبت کے علاقے میں اس قسم کے عامل پائے جاتے ہیں۔

ان کا چھٹا گروہ آگ کے قرب و جوار میں رہتا ہے۔یہ اصل ناری جن شیاطین ہوتے ہیں۔اگر یہ جن کسی شخص پر مسلط ہو جائے تو وہ انگارے کھاتا اور شعلے نگلتا ہے۔ان جنات کے عامل آگ میں گھس جاتے ہیں۔اور صحیح سلامت نکلتے ہیں۔ آتش پرستوں کے آتش کدوں کے اندر یہ جن شیاطین سکونت رکھتے ہیں۔اور آتش پرستوں کے سامنے آتش کدوں کے اندر یہ جن شیاطین سکونت رکھتے ہیں۔اور آتش پرستوں کے سامنے آتش کدوں میں سے طرح طرح کے کرشمے دکھاتے ہیں اور ان کو غیبی بشارتیں اور اشارتیں دے کر آتش پرستی پر قائم رکھتے ہیں۔قدیم زمانے میں

آتش پرستی کے رواج پا جانے کا باعث یہی جن شیاطین ہیں۔ یہ جن اور شیاطین گاہے گاہے سوتے ہیں جب انسان کے کان کی لو یا انگلی کو چھوتے ہیں تو وہ جل اٹھتی ہے۔ ان جنات کا تسلط بہت دردناک عذاب ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص پر اس قسم کا جن شیطان مسلط ہو گیا تھا۔ اس کے گھر والے چوبیس گھنٹے اس کے سینے پر پانی ڈالتے رہتے تھے۔ تب اسے آرام آتا تھا۔ اگر ایک دم کے لئے پانی ڈالنا بند کر دیتے تھے تو وہ آدمی مارے درد اور جلن کے چیخ اٹھتا تھا۔

جن شیاطین کا ساتواں گروہ جنگلوں، باغوں اور کھیتوں کے اندر رہتا ہے۔ یہ جن درختوں اور جھاڑیوں پر بسیرا رکھتے ہیں۔ اس قسم کے جن بھوت مختلف صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں بعض بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور رنگ برنگ کی سرخ، زرد اور سبز وردیوں میں ملبوس ہوتے ہیں بعض بڑے قوی ہیکل ہوتے ہیں۔ جو لوگ جنگل میں درخت کاٹتے ہیں وہ لوگ بعض دفعہ اس قسم کے جن شیاطین کے آسیب میں آ جاتے ہیں۔ قدیم زمانے سے بعض ہندو لوگ جو درختوں مثلاً جنڈ، پیپل اور بڑ وغیرہ کی پرستش آج تک کرتے چلے آتے ہیں۔ اس پرستش کا باعث بھی یہی جن شیاطین ہوئے ہیں۔

آٹھواں گروہ ان شہوانی اور زانی جن شیاطین کا ہے جو جوان مردوں اور عورتوں پر مسلط ہو کر ان سے مجامعت کرتے اور کراتے ہیں۔ لوگوں میں زنا کی ترغیب اور تحریص کا موجب یہی جن شیاطین ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض لوطی قسم کے جن شیاطین ہوتے ہیں۔ جو لوگوں سے لواطت کے قبیح فعل کا ارتکاب فاعلی اور مفعولی دونوں صورتوں میں کرتے اور کراتے ہیں۔ یہ شیاطین جن لوگوں پر مسلط ہو جاتے ہیں وہ ہرگز کسی صورت میں اس فعل بد سے باز نہیں آتے۔ ان جن شیاطین کے لوطی تسلط اور تصرف سے بعض اشخاص اپنی جوان خوبصورت عورتوں سے منہ پھیر کر دیوانہ وار دن رات فطری وضع کے خلاف فعل کرتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے۔ اور بعض

مفعولیت کی صورت میں مرتے دم تک دوسرے سے یہ شرمناک اور حیا سوز فعل کراتے پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالٰی ان شیاطین کے تسلط سے انسان کو محفوظ رکھے۔

نانواں گروہ وہ ہے جو انسانوں پر مسلط ہو کر انہیں بیمار کر دیتا ہے اور انسان کو خون چوستا ہے۔ یہ ظالم جن شیطان حیوان پر بھی مسلط ہو جایا کرتے ہیں۔ اکثر شیر دار گائے بھینس اور بکریوں پر ان کا تسلط ہو جاتا ہے۔ ان کے دودھ اور مکھن میں کمی بیشی میں ان کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ عورتیں جو دودھ دوہتی اور بلوتی ہیں۔ ان کی اکثر شرارتوں سے بہت چلاتی ہیں۔ سچ پوچھو تو ان عورتوں کا چیخنا اور چلانا محض بے وجہ نہیں ہوتا۔ اور یہ نرا توہم بھی نہیں ہوتا۔ جن شیاطین تعداد میں انسانوں سے زیادہ ہیں اور ان کی شرارتیں اور آزاد بے شمار ہیں۔

ان میں دسواں گروہ ان جن شیاطین کا ہے جو بتوں اور مورتیوں میں گھس کر لوگوں میں بت پرستی کے مشرکانہ رسم و رواج کا موجب بنا رہتا ہے۔ اس قسم کے جن شیاطین طرح طرح کے مکروفریب سے اپنے پجاریوں کو اپنی پرستش میں پھنسائے رکھتے ہیں۔ جب کبھی ان کے پجاری ان کی چوکی بھرنے یا سلام اور سجدے کے روزانہ فرائض ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو یہ جن شیاطین ان پر اور ان کے گھر والوں پر مسلط ہو کر انہیں ستاتے ہیں۔ اور دکھ آزار پہنچاتے ہیں۔ بعض چڑھاوے طلب کرتے ہیں اور قربانیاں مانگتے ہیں۔ چنانچہ کلکتہ کی کالی دیوی جو ایک سخت خونخوار اور سفاک قسم کی بھوتنی ہے۔ اس معاملے میں بہت مشہور چلی آتی ہے۔ یہ چڑیل دیوی اپنے پجاریوں سے انسانوں کی قربانی طلب کرتی رہی ہے۔ اور جب تک کئی بے گناہ اس کی دہلیز پر ہر سال ذبح نہیں کیے جاتے تھے یہ اپنے پجاریوں اور پرستاروں سے ناراض سمجھی جاتی تھی۔ اور اس کی پاداش میں اپنے مشرک پرستاروں کو سخت اذیتیں اور تکلیفیں پہنچاتی تھی۔ اس کی خوفناک ڈراونی سیاہ صورت

جس کے گلے میں انسانی کھوپریوں کی بڑی مالا پڑی ہوئی ہے۔ آج تک اس کے شیطانی ظلم وستم کی شہادت دے رہی ہے۔ چونکہ انگریزوں کی عملداری میں یہ سفاکانہ اور مشرکانہ رواج قانوناً بند کر دیا گیا تھا۔ اس واسطے اب ہر سال میلے پر بجائے انسانوں کے بکروں اور دیگر جانوروں کی قربانیاں دی جاتی ہیں۔

گیارھواں گروہ جن شیاطین کا وہ ہے جا کاہنوں، ساحروں اور سفلی عاملوں کے پاس غیب کی خبریں لاتا ہے۔ یا اپنے عاملوں کے دم دھاگے، تعویذوں، جھاڑ پھونکوں اور ٹوٹکوں سحروں میں ان کی امداد اور اعانت کرتے ہیں۔ اور یوں ان کے دم قدم سے ان کے سفلی عمل اور کالے علم کی دکان گرم رہتی ہے۔ اس قسم کے سفلی عامل اپنے خبیث موکلوں کی طرح پلید اور نجس رہتے ہیں۔ اور اپنے سفلی الٹے کلاموں کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت پاک اور طیب ارواح سے بچنے کی خاطر اپنے اردگرد گوبر اور گندی کا حصار کرتے ہیں۔ اس قسم کے جن شیاطین اور ارواخ خبیثہ کے عاملین کے نمونے اگر دیکھنے ہوں تو ہندوؤں کے کنبھ کے میلے میں ان مادرزاد ننگے میلے کچیلے گندگی کھانے والے سادھوؤں کو جا کر دیکھو جو ہزاروں کی تعداد میں اس میلے میں شامل ہوتے ہیں۔ وہاں ان الف ننگے اور گندے غلیظ لوگوں کا ایک لمبا جلوس نکلتا ہے۔ اور ہندو مرد عورتیں لاکھوں کی تعداد میں دوطرفہ قطار باندھ کر ان کے درشن کے لئے بڑے ادب اور احترام سے کھڑے ہوتے ہیں اور سب کے سب ان کے آگے ہاتھ جوڑتے، ڈنڈوت بھرتے اور زمین پر اوندھے اور دہرے ہو کر آتے ہیں۔ اور طرح طرح کی مشرکانہ حرکتیں کرتے ہیں۔ ان میں جو سادھو بہت ڈراؤنی، خوفناک صورت والا اور بہت میلا کچیلا اور گندہ غلیظ ہوتا ہے۔ وہی بڑا صاحب کمال اور صاحب کرامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ پاخانہ کھاتے اور پیشاب پیتے دیکھے گئے ہیں۔ باطن میں ان سفلی کالے علم والے ساحرین اور علوی نوری علم کے عاملین کے درمیان طرح طرح کے مقابلے ہوا کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ جن شیاطین اور ارواح خبیثہ کی اور بہت سی قسمیں ہیں جن کا ذکر موجب طوالت ہے۔ انسان جب نیک عمل عبادت، طاعت، نماز، روزہ، تلاوت، ذکر فکر اور تہہ دل اور اخلاص سے کرتا ہے تو اس کے ساتھ ارواح طیبہ، مومن جن، ملائکہ اور نیک ارواح شامل ہوتے ہیں۔ اور اس کے اردگرد رہتے ہیں۔ اور اس کی امداد، اعانت اور حفاظت کرتے ہیں۔ اور جب بُرے اعمال، بد افعال اور فسق و فجور، گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی شروع کرتا ہے تو پاک ارواح اس سے جدا ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ جب تک ایک بھی پاک روح اس کے ہمراہ ہوتی ہے وہ اسے باطن میں ملامت کرتی ہے اور اسے گناہ پر ندامت ہوتی ہے۔ اور جب پاک ارواح اس سے جدا ہو جاتی ہیں تو وہ گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا بلکہ اس پر خوشی اور فخر کا اظہار کرتا ہے۔ اس وقت اس کے ساتھ جن شیاطین اور ارواح خبیثہ ملنے اور شامل ہونے لگتے ہیں۔ جس قدر کوئی شخص نیکی، تقویٰ، عمل صالح، اطاعت، عبادت اور ذکر و فکر میں ترقی کرتا ہے۔ اسی قدر اس کے دل میں نور ایمان قوی اور زیادہ روشن و تاباں ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کے دل میں اس نور کی مقناطیسی طاقت یعنی میگنیٹک پاور (Magnatic Power) ترقی کرتی جاتی ہے۔ اسی قدر اس کی باطنی نوری شمع پر ہر طرف سے یہ نوری لطیف مخلوق یعنی جن ملائکہ اور ارواح پروانہ وار گرتے ہیں اور اس کے نور سے قوت اور قوت حاصل کرتے ہیں۔ اور جوں جوں باطن میں سالک ترقی کرتا ہے اس کا نوری دائرہ اور باطنی ماحول وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔ گویا زندہ دل عارف سالک نور کا ایٹم ہوتا ہے۔ اس کا دل نور کا مرکز اور نیوکلی آس ہوتا ہے۔ اور آس پاس کی نوری مخلوق اس کے ساتھ بمثل برقی ذرات اور الیکٹرونز ہوتے ہیں۔ اور جوں جوں اس کے دل کے مرکز میں نوری پاور زیادہ ہوتی جاتی ہے توں توں اس کے اردگرد کا نوری ماحول ترقی کرتا جاتا ہے اور اپنے اس نور سے دیگر آس پاس کے حلقہ احباب اور ہم نشینوں میں بھی اثر کرتا ہے۔ اور اس کے احباب، ارادت مند اور ہم نشین اس کے

نور سے اقتباس اور اس کے فیوضات اور برکات سے بہرہ ور اور فیض یاب ہوتے ہیں ان کے پاس بیٹھنے والوں کے گناہ جھڑتے جاتے ہیں۔ اور ان کی معصیت کی آگ بجھتی ہے اور ان کے شیاطین بھاگ جاتے ہیں قولہ تعالیٰ

او من کان میتا فاحیینہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثل فی الظلمت لیس بخارج منھا کذلک زین للکفرین ما کانو یعملون

(ترجمہ) آیا وہ شخص جو پہلے مردہ تھا۔ پھر ہم نے اس کو اپنے نور سے زندہ کر دیا۔ اور اس میں ایسا نور بھر دیا جس سے وہ لوگوں کے اندر گھستا اور سرایت کرتا ہے۔ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو اپنی باطنی ظلمت اور اندھیرے میں محصور اور مقید ہے اور کسی طرح نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ کافروں کے اپنے بداعمال اور ان کی ظلمت کا باعث بن گئے ہیں۔ اور وہ بدعمل ان کے سامنے مزین کر دیئے گئے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب کوئی مومن متقی قیامت کے روز پل صراط سے گذرے گا۔ تو دوزخ اسے کہے گی کہ اے مومن جلدی سے گذر جا۔ تیرے نور سے میری آگ بجھ رہی ہے۔ سو وہ کل قیامت کا معاملہ آج اسی دنیا میں ہو رہا ہے جب کسی مومن اہل ایمان کا گذر کسی فاسق اہل نار پر ہوتا ہے تو اول الذکر کے نور ایمان سے اس کی نار معصیت بجھتی ہے۔ شیطان جو مجسم نار معصیت اور دوزخ ہے ان ہر دو کو آپس میں ملنے نہیں دیتا۔ اور جلدی گذرنے کی تاکید کرتا ہے۔ قرآن کریم میں ان لوگوں کو حزب اللہ اور جنود اللہ کے خطاب سے یاد کیا گیا ہے۔ اس کے برخلاف جو لوگ بدعملی، فسق و فجور، شرک اور کفر میں کمال ترقی کر جاتے ہیں۔ تو وہ نار معصیت اور ظلمت ظلم و نافرمانی کے سبب گویا دوزخ کی ایک بھٹی بن جاتے ہیں۔ اور کافر جن شیاطین اور ارواح کی آگ اور ظلمت میں اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ ان کی صحبت میں

رہتے ہیں یا ان کے پاس بیٹھتے ہیں۔ وہ بھی ان کی اس آگ اور ظلمت کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ اور ان کے بد اعمال اور برے افعال سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں

والاترکنوالی الذین ظلموفتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من اولیاء ثم لاتنصرون

(ترجمہ) اور نہ جھکو ان لوگوں کی طرف جو ظالم ہیں۔ پس تمہیں ان لوگوں کی آگ لگ جائے گی۔ کیونکہ سوائے اللہ کے تمہارا کوئی آسرا اور تکیہ نہیں ہے۔ پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے۔

ایک دفعہ مجھے ایک ہندوستانی درویش نے اپنا حال سنایا کہ کچھ عرصہ پہلے میرا بہت اچھا حال تھا۔ میں اپنے ارد گرد روحانی اور نوری لوگ دیکھا کرتا تھا۔ میرا سلسلہ چلا ہوا تھا۔ اور میں لوگوں کو توجہ کیا کرتا تھا۔ ان کو فیض اور اثر ہو جایا کرتا تھا۔ آخر مجھے ایک عورت سے عشق ہو گیا۔ اور میں زنا کے گناہ میں مبتلا ہو گیا۔ چنانچہ زنا کی پہلی رات میں جب میں نے مراقبہ کیا تو بجائے نوری روحانی لوگوں کے میں نے اپنے ارد گرد کالے سیاہ اور چار چشم کتے دوڑتے ہوئے دیکھے۔ اس کے بعد میری روحانیت کا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا۔ میری حالت خراب سے ابتر ہو گئی۔ پیری مریدی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب کوئی میری بات تک نہیں پوچھتا ہر چند ریاضت اور کوشش کرتا ہوں لیکن کچھ نہیں بنتا۔ غرض گناہ کے ارتکاب سے جن شیاطین اور ارواح خبیثہ انسان کے ساتھ لگ جایا کرتی ہیں۔

ہمیشہ سے دنیا کا یہ قاعدہ چلا آیا ہے کہ جب کبھی دنیا شموس انبیاء اقمار اولیاء اور نجوم صلحاء کے نوری وجودوں سے خالی ہو جاتی ہے۔ تو ایسی تاریکی اور ظلمت کے زمانے میں جن شیاطین اور اروح خبیثہ موقع پا کر دنیا پر چھا جاتی ہیں۔ جن کے باطنی خبث اور پلید اثر سے دنیا میں سحر اور کہانت، کفر، شرک، فسق وفجور، لہو ولعب، قتل و غارت، ظلم وتعدی اور دیگر ہر قسم کی برائیوں اور بدکاریوں کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔

ایسے زمانے میں سفلی عاملین، جوگیوں، ساحروں اور کاہنوں کی دکانیں چلنے لگ جاتی ہیں۔ قرآن کریم میں اس خبیث گروہ کو حزب الشیطان اور جنود ابلیس کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ایسے زمانے میں الحاد، دہریت اور مادہ پرستی کو بڑا فروغ ہوتا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے زمانے میں ان جن شیاطین کو اپنی باطنی طاقت اور روحانی قوت سے مسخر کر رکھا تھا۔ اور جب آپؑ دنیا سے رحلت فرما گئے تو یہ جن شیاطین آزاد ہو گئے تھے۔ تب ان اروح خبیثہ نے موقع پا کر لوگوں پر نازل ہونا اور تسلط جمانا شروع کر دیا۔ اور سفلی عاملوں کو سحر اور کہانت کی باتیں القاء کیا کرتے تھے۔ تب ہر جگہ اس سفلی اور کالے علم کا چرچا ہو گیا تھا۔ اور نبوت اور رسالت کی جگہ سحر اور کہانت نے لے لی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

واتبعو ما تتلو الشیطین علی ملک سلیمان و ما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفرو یعلمون الناس السحر

(ترجمہ) حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملک کے لوگ ان باتوں میں لگ گئے تھے۔ جو ان کی طرف شیاطین القاء کیا کرتے تھے۔ اور یہ کفر کا کام سلیمان علیہ السلام کا نہیں تھا۔ بلکہ ان شیاطین کا اپنا اختراعی فعل تھا جس سے وہ لوگوں کو سحر اور جادو سکھاتے تھے۔ یورپ کے سپر چولسٹس یعنی سفلی عاملین بھی اس قسم کے شیاطین کے اثر اور تسلط میں آج کل مبتلا ہیں۔ اور وہ لوگ ان جن شیاطین کے ذریعے جو سفلی شعبدے اور غیبی کرشمے دکھاتے ہیں ان کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ سابق انبیاء کے معجزے اور اولیاء کی کرامات بھی اس قسم کی چیزیں تھیں جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں جن شیاطین اپنے کفر کی کرتوتوں کو سلیمان علیہ السلام کی کرامات بتاتے تھے۔

ہمارے ملک میں بھی جنات کے سفلی عجیب اور محیر العقول واقعات بہت رونما ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے پاس اس قسم کے واقعات کی ریسرچ اور تحقیقات کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اور نہ ہی ہمارے مشرق اور ایشیاء میں کوئی روحانی ادارہ اور سوسائٹی

ایسی موجود ہے جو اس قسم کے عجیب واقعات کا ریکارڈ رکھے اور ان سے کوئی نتیجہ اخذ کرے۔ ہم اہل مشرق کو صرف پیٹ کا ہی ایک مشکل دھندا ایسا گلے پڑا ہوا ہے کہ کسی دوسری طرف ہمیں متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

چند سال ہوئے ہیں ہمارے ضلع لائل پور کے ایک مخلص محمد صادق کو اسی قسم کا نہایت عجیب واقعہ پیش آیا۔ اگر یورپ میں کسی کو ایسا معاملہ پیش آتا تو اخباروں اور رسالوں کے ذریعے تمام ملک میں اس کے عجیب وغریب حالات شائع ہوتے۔ اور ایسے شخص کو اپنے حلقوں میں بطور میڈیم یعنی وسیط بٹھا کر وہ لوگ اس سے طرح طرح کے عجیب روحانی تجربات اور مشاہدات حاصل کرتے۔ اور یہ شخص یورپ کے سب سے بڑے میڈیم میں شمار ہوتا۔

واقعہ یوں ہے کہ تحصیل سمندری ضلع لائل پور کے ایک چک میں ہمارے ایک مخلص محمد صادق نامی رہتے ہیں۔ یہ واقعہ انہیں کا ہے جو بالکل صحیح ہے اور اس میں کسی قسم کا جھوٹ اور مبالغہ نہیں ہے۔ ہم نے خود اس کی تحقیقات کی ہے۔ چنانچہ ہم یہ واقعہ محمد صادق کی زبانی بیان کرتے ہیں۔ محمد صادق نے بیان کیا کہ میں ایک روز جمعہ کی نماز پاس کے ایک چک میں پڑھنے کے لئے گیا۔ واپسی پر نہر کے پل کے قریب ایک درخت کے نیچے ایک ملنگ صورت فقیر کو میں نے دیکھا۔ جو سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اور اس کے گلے اور ہاتھ میں عقیق کے دانوں کی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی لکڑی سے جو اس کے ہاتھ میں تھی۔ میری طرف اشارہ کر کے مجھے اپنی طرف بلا کر کہا کہ مجھے راستے پر لگاؤ۔ میں سمجھا کہ یہ کوئی نابینا مسافر ہے اور کہیں جانا چاہتا ہے۔ لیکن جونہی میری آنکھیں اس سے دوچار ہوئیں۔ میں اسی وقت بے ہوش ہو گیا۔ اور اس کے بعد مجھے اپنی کوئی سدھ بدھ نہ رہی۔ حتیٰ کہ وہ دن اور رات اسی حالت میں گذر گئے۔ صبح دن چڑھے۔ جب میں نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو ایک جنگل میں پڑا ہوا پایا۔ میرا وجود بہت تھکا ماندہ اور چور چور تھا۔ میں اٹھ

بیٹھا اور سوچنے لگا کہ میں اس جنگل میں کس طرح آ گیا ہوں۔ میں نے جب اپنے لباس کی طرف دیکھا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میرے بدن پر اس ملنگ کے سیاہ کپڑے تھے۔ اور میرے گلے اور ہاتھوں میں بھی اس کے عقیق کے دانوں والی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ جسے دیکھ کر مجھے ملنگ کے ساتھ جمعہ کے روز والا واقعہ یاد آ گیا۔ اتنے میں دو شخص ہل جوتے ہوئے میرے پاس سے گذرے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سا علاقہ ہے۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا کہ یہ شورکوٹ کا علاقہ ہے۔ میں اپنے علاقہ میں لوگوں سے اکثر سنا کرتا تھا کہ شورکوٹ میں حضرت سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ حضرت سلطان باہو کا دربار کس طرف ہے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ جو دو آدمی آ رہے ہیں وہ حضرتؒ کے دربار کے زائرین معلوم ہوتے ہیں۔ اگر وہاں جانا ہے تو ان کے ہمراہ چلے جاؤ۔ چنانچہ میں وہاں سے اٹھ کر راستے میں جا بیٹھا۔ اور جب وہ زائرین میرے قریب آ گئے تو میں نے ان سے کہا کہ کیا آپ لوگ دربار شریف جا رہے ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ تب میں نے ان سے التجا کی کہ میں بیمار اور کمزور ہوں۔ اگر مجھے اپنے ہمراہ لے چلو تو بڑی مہربانی ہوگی۔ انہوں نے کہا بے شک آؤ۔ چنانچہ ہم چل پڑے۔ وہ میرے عجیب لباس اور ہیئت کذائی کو دیکھ کر پوچھنے لگے کہ تم کون اور کہاں سے آ رہے ہو؟ اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ میں نے کہا اگر تم آہستہ آہستہ چلو تو میں اپنی داستان تمہیں سناتا ہوں۔ چنانچہ وہ آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ اور مجھ سے کہا۔ سناؤ کیا قصہ ہے۔ میں نے اپنا تمام واقعہ اول سے آخر تک سنا دیا۔ وہ میرا حال سن کر بہت حیران ہوئے۔ وہ سپاہی آدمی تھے۔ چھٹی لے کر زیارت کے لئے جا رہے تھے۔ جب ہم دربار شریف پہنچے تو انہوں نے وہاں کے لوگوں کے سامنے میرا قصہ بیان کیا۔ وہاں کے لوگ تعجب کرتے تھے بعض لوگ میری بات کو جھوٹ سمجھتے تھے۔ تین چار دن ہم وہاں قیام پذیر رہے۔ میں اتنا کمزور

تھا کہ پہلے دو روز محض لنگر کی دال پی سکتا تھا۔ بعد وہ مجھے اپنے ہمراہ ملتان لے گئے۔ اور وہاں کی زیارتیں کی۔ انہوں نے وہاں میرا اسی لباس میں فوٹو بھی لیا اور اپنے پاس رکھا اور مجھے کرایہ دے کر روانہ کر دیا۔

اسی اثناء میں مجھے گھر سے نکلے ہوئے سات آٹھ روز ہو گئے تھے۔ میرے گھر میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی۔ وہ سمجھے تھے کہ مجھے کسی نے مار ڈالا ہو گا اور نہر میں بہا دیا ہو گا۔ ہمارے دور دور کے خویش و اقارب اور یار دوست ماتم پرسی کے لئے جمع تھے۔ کہ میں اچانک اس عجیب و غریب لباس اور ہیئت کذائی کے ساتھ وہاں آ نکلا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو خوشی کے نعروں سے تمام گھر میں ایک شور مچ گیا۔ جب میں نے اپنا واقعہ بیان کیا تو سب انگشت بدنداں رہ گئے۔ لوگ جوق در جوق مجھے ملنے اور میرا عجیب واقعہ سننے کے لئے آتے تھے۔ میرے گھر والوں نے مجھ سے وہ ملنگ والے سیاہ کپڑے اتروا ڈالے کہ مبادا پھر اس قسم کا کوئی حادثہ رونما ہو جائے۔ وہ کپڑے ایک چھوٹے سے صندوق میں بند کر کے الماری میں رکھ دیئے گئے۔ جب کوئی شخص ان کپڑوں کو دیکھنے کی خواہش کرتا تو اسے دکھا کر پھر الماری میں رکھ دیئے جاتے۔ آخر ایک روز جب کسی کو دکھانے کے لئے وہ صندوق کھولا گیا تو وہ کپڑے غائب تھے۔

میرے ایک لاہور کے مخلص نے جوان کا رشتہ دار تھا۔ مجھے بتایا کہ میں بھی ماتم پرسی کے لئے وہاں گیا تھا۔ اور میں نے بھی وہ کپڑے دیکھے تھے۔ ان کپڑوں کی حالت کچھ ایسی عجیب قسم کی تھی کہ سلائی کا دھاگہ کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کپڑے کے مختلف بند آپس میں ویسے ہی جڑے ہوئے ہیں۔ اور ان میں کوئی دھاگہ سلائی کے لئے استعمال نہیں ہوا۔

مغرب کے سپر چولسٹس کے نزدیک یہ واقعات بڑے روحانی کمالات سمجھے جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ سیاہ پوش جن حضرت سلطان باہو کا مرید تھا۔ جو محمد صادق

مذکور کو اپنے علاقے سے اٹھا کر ستر اسی میل دور حضرت سلطان العارفینؒ کے مزار کی زیارت کرانے لے گیا تھا۔ اور وہ جن اس کے جسم میں داخل ہو گیا تھا۔ اس لئے بطور نشانی اور یادگار اپنے کپڑے اس کے تن پر چھوڑ گیا تھا۔ اور اس کے کپڑے خود لے گیا تھا۔ اس قسم کے واقعات ہمارے ملک میں بہت رونما ہوتے ہیں۔ جو یونہی نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔ یورپین سپر چولسٹس کے پاس جو کچھ ہے وہ پرانے کہانت اور سحر کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ ان لوگوں نے اس علم کو ایک باقاعدہ آرٹ اور سائنس کی شکل دے رکھی ہے۔

ایک دفعہ میں خوشاب میں اپنے چند احباب کے ہاں جو سکول ماسٹر تھے ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں کے لوگ میرے پاس ایک بوڑھے نیل گر کو لے آئے اور کہا کہ اس شخص پر ایک جن مسلط ہے۔ اور وہ جن اسے نہ نماز پڑھنے دیتا ہے اور نہ کوئی دوسرا کام کرنے دیتا ہے ہر وقت اسے ستاتا رہتا ہے۔ اس وقت چند گریجویٹ احباب میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کچھ پڑھ کر جب اس جن کو حاضر کیا تو وہ فوراً اس نیلگر پر مسلط ہو گیا۔ اس جن کے تسلط سے اس نیل گر کی صورت بھی بدل گئی۔ اور جن کی صورت اس پر غالب اور مستولی ہو گئی سپر چولسٹس اسے ٹرانس فیگریشن (Trandce Figration) یعنی عمل تبدیلی ہیئت کہتے ہیں۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح لال ہو گئیں۔ اور اس کی شکل بہت مہیب اور ڈراؤنی ہو گئی۔ میں نے ان گریجویٹوں کو دیکھا سب خوف کے مارے کانپ رہے تھے اور ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایک دو منٹ کے بعد وہ جن اس نیل گر کی زبانی مجھ سے یوں مخاطب ہوا کہ میں ایک ہندو جوگی ہوں مہاراج کرپا کرو۔ مجھے کچھ نہ کہو میں آپ کی گئو (گائے) ہوں آپ کے دو بچوں کی خیر۔ مجھے چھوڑ دو۔ آخر اس نے اس قسم کی بہت منت سماجت کی باتیں کیں۔ پھر وہ سنسکرت زبان کے شلوک اور منتر اس طرح پڑھنے لگا جیسے وہ ایک بڑا ودوان اور پنڈت ہے۔ اس نے میری بابت

چند پیشن گوئیاں کیں جو حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں۔ آخر اس نے خود ہی مجھے بتایا کہ آپ سورہ والشمس پڑھیں میں نکل جاؤں گا۔ چنانچہ میں نے سورت والشمس پڑھی تو اس آسیب زدہ نیل گر نے ایک لمبی انگڑائی لی اور آسیب کو چھوڑ کر نکل گیا۔ بعد وہ نیل گر مذکورہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ جن جو کچھ تمہاری زبان پر بول رہا تھا تجھے بھی اس کی کوئی خبر ہے۔ اس نے بتایا کہ مجھے اس کی کوئی خبر نہیں۔ اس وقت مردے کی طرح بے ہوش تھا۔ اس نیل گر نے بتایا کہ جس شدت کے ساتھ یہ جن مجھے آج چڑھا ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہیں چڑھا۔ اب میرا تمام بدن تھکا ماندہ اور چور ہے۔ اور میرا ہر عضو درد کر رہا ہے۔ آخر لوگ اسے گھر لے گئے۔ مجھے ان گریجویٹ احباب نے بعد میں بتایا کہ ہم نے ایسا عجیب ڈرامہ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اور اسے کبھی نہ بھولیں گے۔

ابتداء میں جب یہ فقیر رات کو سورۂ مزمل کی دعوت پڑھتا تھا تو جنات غول کے غول ٹڈی دل کی طرح میرے سر پر آ کر اترتے تھے۔ اور میرے اردگرد جمع ہو جاتے تھے۔ جیسا کہ سورۂ جن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وانه لما قام عبدالله یدعوه کادو ایکو لون علیه لبداً

(ترجمہ) اور جب کوئی اللہ کا بندہ خاص دعوت پڑھنے کھڑا ہوتا ہے۔ تو یہ جن اس پر ہجوم لا کر اسے گھیر لیتے ہیں۔ سالک کے لئے تسخیر جنات کا یہ ابتدائی زمانہ بہت پر آشوب ہوتا ہے۔ کیوں کہ ابتداء میں جب سالک عالم غیب کے اس ناری طبقے میں سے گذرتا ہے تو جنات کے ایک بے پناہ طوفان میں الجھ جاتا ہے جنات کی مختلف عادات اور ناری اثرات سے متاثر ہوتا ہے۔ ہزاروں بے سمجھ سالک اس ناری مخلوق کی شرارتوں اور آزار کے سبب دیوانے اور مجنون ہو جاتے ہیں۔ بعض لا علاج امراض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ غرض بہت لوگ دوران عمل میں طرح طرح کی رجعتوں اور آفتوں میں پھنس کر اپنی صحت اور عزیز زندگی سے ہاتھ

دھو بیٹھتے ہیں۔ اس لئے کسی عامل کے اذن اور امر کے بغیر اس عمل میں قدم رکھنا موت کو دعوت دینے اور خودکشی کے مترادف ہے۔

یاد رہے کہ عالم غیب یا عالم امر کی لطیف مخلوق دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک نوری دوم ناری۔ نوری لطیف مخلوق میں مسلمان جن، ملائکہ اور مومن لوگوں، اولیاء اور انبیاء کی ارواح شامل ہیں۔ انہیں ارواح طیبہ بھی کہتے ہیں۔ اور ناری مخلوق کافر جن، شیاطین اور ارواح خبیثہ پر مشتمل ہے۔ یہ دو قسم کی لطیف مخلوق ایک دوسرے کی ضد اور دشمن ہے۔ اور باطن میں قیامت تک ان کے درمیان جنگ و جدال قائم ہے اور یہ ہمیشہ برسر پیکار رہتے ہیں۔ اور ارواح طیبہ ہمیشہ باطن اور ارواح خبیثہ کا استیصال کرتی ہیں،

ان روایات سے دوسری نئی بات یہ ثابت ہوگئی ہے کہ ابتداء سے مسلمان جنات نے بھی مسلم انسانوں دوش بدوش تبلیغ، دعوت اور جہاد فی الدین میں بڑا پارٹ ادا کیا ہے۔ نیز واضح ہو کہ یورپ کے سپر چولسٹ یعنی روحانین نے بھی اپنے حلقوں میں اسی قسم کی سفلی غیبی مخلوقات یعنی جن، شیاطین اور ارواح خبیثہ کی حاضرات کر کے ان سے کلام کرتے ہیں۔ غیبی خبریں پاتے اور طرح طرح کے سفلی شعبدے اور ناسوتی کرشمے دکھا کر حاضرین اور تماش بین لوگوں سے رقمیں وصول کرتے ہیں۔ ان سفلی ارواح اور خاص کر جنات کے ذریعے کشف جنونی اور سلب امراض کے کرشمے بھی دکھائے جاتے ہیں۔ یورپ والوں نے اس سفلی علم کو اتنی ترقی دی ہے کہ اسے ایک باقاعدہ آرٹ اور روحانی سائنس اور ایک نیا مذہب بنا رکھا ہے۔ اور لاکھوں آدمی اس کے پیرو ہیں۔ پارلیمنٹ کے ممبر، بڑے بڑے سائینس دان، ڈاکٹر اور فلاسفر اس میں شامل ہیں۔ گھر گھر اس علم کے حلقے اور چرچ قائم ہیں۔ اور اب تو انہیں پارلمنت کے ہر دو ایوانوں یعنی ہاؤس آف لارڈز اور ہاؤس آف کامنز میں نمائندگی بھی حاصل ہوگئی تھی۔ اور ان کی پریکٹس کو قانوناً جائز تسلیم کرلیا گیا ہے۔ حالانکہ اس

سے قبل عیسائی مذہب میں اس قسم کے لوگوں کو وچ لاء (Witch Law) کے ذریعے سولی پر چڑھاتے یا زندہ جلا دیتے تھے۔ یہ عملی ابتداء زمانہ سے سحر اور کہانت کی صورت میں مروج چلا آیا ہے۔ اور آج بھی افریقہ، بنگال، تبت، چین اور امریکہ کی قدیم وحشی اقوام کے اندر یہ سفلی طاقتیں اور روحانی اعمال فرداً فرداً کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ان وحشی لوگوں کی یہ سفلی طاقتیں یورپ کے مہذب، تعلیم یافتہ اور روشن خیال اصحاب کی نسبت بدرجہا بڑھی ہوئی ہیں۔

اب ہم یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یورپ کے سپر چولسٹس جن سفلی ارواح کی حاضرات کر کے ان سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ آخر وہ کیا چیز ہیں۔ اور ان سے جب دریافت کیا جاتا ہے کہ آپ کون لوگ ہیں۔ تو وہ جواب میں یہ کیوں کہتے ہیں کہ ہم تمہارے آباؤ اجداد ہیں۔ اور ہم ان لوگوں کی ارواح ہیں جو دنیا سے گذر گئے ہیں۔ اور اس سے پہلے ہم تمہاری طرح روئے زمین پر زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ اور اب عالم ارواح کے سات طبقوں میں آباد ہیں۔ اور اپنی روحانی ترقی میں مصروف ہیں۔

اگر یہ بات صحیح ہے تو تمام مذاہب اور ادیان خصوصاً مذہب اسلام کے عقائد یعنی حساب یوم آخرت، حشر نشر، عذاب قبر اور سوال جواب، منکر نکیر، قیام قیامت، سزا و جزا اور وجود جنت و دوزخ وغیرہ پر سے اعتقاد اٹھ جاتا ہے۔ کیوں کہ ان ارواح یعنی سپرٹ سے جب اس قسم کے سوالات کیے جاتے ہیں تو وہ ان سب کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں اس قسم کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ نہ دوزخ ہے نہ جنت ہے اور نہ خدا یعنی (God Head) کا کوئی وجود ہے۔ گو سپر چولزم کی بدولت یورپ کے سائنس زدہ مادہ پرستوں کا سابق نیچری اور دہری نظریہ اب بالکل بدل گیا ہے۔ اور وہ سب کے سب حیات بعد الموت کے قائل ہو گئے ہیں۔ اور عیسائی مذہب کے پرانے پاپائی اور پادریانہ فریب کاریوں سے انہیں نجات مل گئی ہے۔

جنہوں نے انہیں تثلیت اور کفارے کی غلط طفل تسلیوں میں مبتلا کر رکھا تھا۔اب ہر شخص اپنے آپ کو اپنے اعمال کا خود ذمہ دار سمجھتا ہے۔لیکن ان سپرٹس یعنی سفلی ارواح اور جن شیاطین کی ملمع اور جھوٹی باتوں نے انہیں نئی قسم کی دہریت اور بے دینی کی دلدل میں ڈال دیا ہے۔اور ڈارون کے ارتقاء (Evolution) کا بھوت پھر ان کے دل اور دماغ پر مسلط ہو گیا ہے۔یعنی یہ کہ زندگی ایک فطرتی چیز ہے۔اور جس دنیا کی زندگی میں انسانی جسم مادی ترقی اور ارتقاء کی منازل طے کر رہا ہے۔اسی طرح موت بھی ایک فطرتی اور نیچرل تبدیلی کا نام ہے۔اور موت کے بعد انسان روحانی ترقی اور ارتقاء کی منازل اور مدارج خود بخود طے کرتا رہتا ہے۔اس سے پہلے گو کسی قدر موت کا خدشہ اور ڈر ہر شخص کو لاحق تھا۔جس کے سبب بُرے اعمال، بد افعال اور گناہ کے ارتکاب سے وہ لوگ کتراتے اور جھجکتے تھے۔لیکن اب موت کا ڈر بھی دلوں سے کافور ہو گیا ہے۔اور سزا و جزا کا خیال بھی دور ہو گیا ہے۔صرف ترقی اور ارتقاء کا نام اور اس کا کام باقی رہ گیا ہے جو خود بخود ہو رہا ہے۔اسی طرح شیطان نے انہیں ایک نئی قسم کی بے دینی اور گمراہی میں ڈال دیا ہے۔غرض آسمان سے گرے اور کھجور میں اٹکے کی مثال ان پر صادق آتی ہے۔اور ساتھ ہی انہیں اس زعم باطل میں گرفتار کر دیا ہے کہ اگلے پیغمبروں کے معجزے اور کشف و کرامات بھی اسی قبیل اور اسی قسم کے سفلی جنونی کرشمے تھے۔اور ان کے میڈیم جب جنونی آسیب سے پیدا شدہ امراض کا ازالہ اور علاج کرتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اگلے پیغمبر اور خصوصاً حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو کوڑھی اور جذامی یا اپاہج، لولے، لنگڑے یا مادر زاد اندھوں کو اچھا کیا کرتے تھے۔ان کے اندر بھی اسی طرح کی روحانی طاقت اور ہیلنگ پاور (Healing Power) تھی جن کی پریکٹس یہ لوگ اپنے ہیلنگ چرچز کے اندر پاسز وغیرہ کے ذریعے کرتے ہیں۔حالانکہ ان ہر دو سفلی شعبدوں اور اصلی علوی معجزوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

شیر قالیں اور ہے شر نیستاں اور

کجا فرعونی ساحروں کے نقلی سانپ اور کجا موسوی عصا کا حقیقی اژدہا

سحر با معجزہ پہلو نہ زند دل خوش دار

سامری کیست کہ دست از ید بیضا نہ برد

اب ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ آخر جن ارواح یعنی سپرٹس (Spirits) کو یورپ کے سپر چولسٹس اپنے حلقوں کے اندر حاضر کرتے ہیں۔ اور جو کہتی ہیں کہ ہم تمہارے دنیا سے گذرے ہوئے متوفی آبا ؤ اجداد ہیں یا ان مردہ انسانوں کی ارواح ہیں جو اس روئے زمین پر آباد تھے اور اب دنیا سے گذر گئے ہیں۔ اور وہ اپنے خویش و اقارب کو اپنی پوری پوری صحیح نشانیاں اور پتے دیتی ہیں۔ یہ کیا چیز ہیں۔ اور ان کی حقیقت کیا ہے۔

واضح رہے کہ یورپ کے میڈیم اکثر عورتیں یا کمزور ان پڑھ سادہ لوح مرد ہوا کرتے ہیں اکثر میڈیم کچھ عرصہ عصبی امراض میں مبتلا رہے ہوتے ہیں۔ اور جو گائڈ سپرٹ ان پر مسلط ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو غیر ملکی باشندہ بتاتی ہے۔ سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض ایسے کم سن بچے جو ایک ہفتہ عشرہ سے بھی کم عرصہ دنیا میں رہ کر مر جاتے ہیں۔ ایسے کم سن چھوٹے شیر خوار بچوں کی روحیں جب حاضر کی جاتی ہیں تو وہ بغیر سیکھے سکھائے بڑے آدمی کی طرح بولتے ہیں۔ باتیں کرتے اور ہر سوال کا جواب دیتے ہیں۔ نیز جب بعض آدمی مرتے ہیں تو ابھی ان کی تکفین و تدفین بھی نہیں ہونے پاتی۔ اسی روز روحانی حلقوں کے اندر حاضر ہو کر بے دھڑک بولتے اور باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ متوفی کو طویل بیماری، جان کندن کے عذاب، سکرات الموت، برزخ کے نادیدہ اور ناشنیدہ عالم میں داخل ہو کر طرح طرح کے انقلابات اور طوفانوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ اسے خواہ مخواہ اپنے وطن عزیز، گھر بار، خویش و اقارب اور جدائی کا صدمہ لاحق ہوتا ہے۔ وہ کیوں کر ایک ہی

آن میں ان تمام الجھنوں اور آفتوں سے نجات پا کر اہل حلقہ سے بے روک ٹوک باتیں کرنے لگ جاتا ہے۔غرض یہ یاسی باتیں ہیں جسے عقل سلیم ہرگز نہیں مان سکتی ۔پس یہ کیا چیزیں ہیں جو اپنے آپ کو مردہ لوگوں کی روح بتاتے ہیں۔اگر یہ روحیں نہیں ہیں تو روحوں کی تمام معلومات اور حالات سے وہ کیوں اور کیسے واقف ہوتی ہیں۔

سو اصل بات یہ ہے کہ اسلامی عقائد کے مطابق جس وقت انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے ساتھ ایک شیطان مسلط اور متعین کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے جب اس بارے میں سوال کیا گیا کہ آیا آپؐ پر بھی اس قسم کا شیطان مسلط کر دیا گیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا۔ہاں !میرے ساتھ بھی ایک شیطان لگا دیا گیا ہے۔ لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے اس پر غلبہ عطا کیا ہے اور میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے ایسے طبعی جن اور شیطان ہر انسان کے ہمراہ فطرتی طور پر جنم لیتے ہیں۔اور اس کے ہم جان اور ہم جسم ایک باطنی جسہ ہوتا ہے۔ جسے بعض لوگ ہمزاد او رڈپلی کیٹ (Duplisate) بھی کہتے ہیں۔یہ جسہ انسانی روح کا ظل، عکس اور مکمل ماڈل ہوتا ہے اور تمام انسانی احساسات اور ادراکات کا حامل ہوتا ہے۔اس کے علاوہ انسانی وجود کے اندر اور بھی لطیف جسے ہوا کرتے ہیں۔ ہمارے روحانی پیشوا حضرت سلطان باہوؒ اپنی کتاب نور الہدیٰ کلاں میں فرماتے ہیں۔

آدمی را در وجود چند جسم است و ہر جسم بچند قسم است و قسم بچند اسم است کہ وجود آدمی مثل خزانہ گنج طلسم است ایں طلسم جسم را معما صاحب طلسم و صاحب اسم و صاحب جسم بحکمت مے کشاید و علیہ بعین مے نماید بعضے جسم آدمی را مثل روحانی ،بعضے جسم زندہ قلب و حیات جاودانی ،بعضے جسم غرق فنانی اللہ اولیاء اللہ بقرب سبحانی ،بعضے جسم دوام در مطالعہ علم علوم مطالب معرفت مطول کتاب حی قیوم بدل ورق تجلے برق انوار رحمت درس دیدار خوانی ،بعضے جسم بعقل حکمت شعور انسانی ،بعضے جسم در ناسوت

مردہ دل مطلق نفسانی، بعضے جسم پر خطرات وسوسہ واہمات از خناس خرطوم بشر شیطانی، بعضے جسم باکل وشرب وشہوت بدتر از کاؤخر احمق حیوانی، بعضے جسم مشرف دیدار از شرک وکفر بیزار مرتبہ عظیم شرع شریف محمدیؐ بردار عارف عیانی، بعضے بد خصالت العادۃ لایرد الا بالموت مثل طفل نادانی ایں ہر جسہ وجسم ہفت اندام بالشرح شد تمام۔

ترجمہ: آدمی کے وجود کے اندر چند جسم ہیں۔ اوران جسموں کی کئی قسمیں ہیں اور ہر قسم کے مطابق اس کا ایک اسم ہے کیونکہ آدمی کا وجود مثل گنج خزانہ طلسم ہے اس طلسم جسم کا معمے صاحب طلسم بذریعہ حکمت اسم مسمّی کھول دیتا ہے اور دولت ونعمت باطنی لے لیتا ہے۔ وہ باطنی جسے مفصل ذیل ہیں۔ چنانچہ بعضے جسم مثل روحانی ہیں۔ بعضے جسے زندہ قلب باحیات جاودانی، بعضے جسم غرق فنافی اللہ درمقام قرب سبحانی، بعضے جسے دوام صاحب مطالعہ علم علوم از کتاب مطول معرفت حی وقیوم درورق تجلی برق انوار رحمت درس دیدار خوانی، بعضے جسم صاحب عقل وشعور وحکمت انسانی، بعضے جسے ناسوتی مردہ دل مطلق نفسانی، بعضے جسے پر خطرات وسوسہ واہمات کمین گاہ خناس خرطوم شیطانی، بعضے جسے مشغول اکل وشرب وشہوت مثل گاؤخر احمق حیوانی، بعضے جسے مشرف دیدار، شرک وکفر سے بیزار مطابق شرع شریف محمدیؐ عارف صاحب عیانی اور بعض جسم بدخصالت العادۃ لا یرد الا بالموت مثل طفل نادانی ہیں۔

اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

از ہر اعمال بقولیت وصال عارف باللہ رایک بارگی از یک جسہ نوجسہ برآید

چنانچہ مار برآید از پوست،

چنانچہ آں نہ جسہ این است

چہار جسہ نفس امارہ، نفس ملہمہ، نفس لوامہ ونفس مطمئنہ است، وسہ جسہ ہائے قلب برآید، جسہ قلب سلیم، جسہ قلب منیب وجسہ قلب شہید، ودوجسہ روح برآید، جسہ روح وجسہ روح نباتی برآید۔

ترجمہ: عارف باللہ کے جسم سے نوقسم کے لطیف جسم باہر آتے ہیں۔ چنانچہ چار جسم نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس ملہمہ اور نفس مطمئنہ کے باہر آتے ہیں۔ اور تین جسم قلوب کے اول قلب سلیم، دوم قلب منیب، سوم قلب شہید اور دو جسم روح کے ایک جسم روح جمادی دوم جسم روح نباتی کے باہر آتے ہیں۔

تیسری جگہ فرماتے ہیں کہ ہر جسم سے ہزار بلکہ بے شمار جسم باہر آتے ہیں۔ اور پھر ایک جسم میں آ کر مل جاتے ہیں۔

غرض اس قسم کے بے شمار جسم انسانی وجود کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ اور موت کے بعد دنیا میں انسان کے اس قسم کے لطیف جسم معنوی اولاد کی طرح پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار غیبی لطیف مخلوق ہے جس کی تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا وما یعلم جنود ربک الا ھو

ایک جسم ہمزاد جسے انگریزی میں ڈپلی کیٹ (Duplicate) کہتے ہیں۔ انسان کے ساتھ پیدائش سے لگایا جاتا ہے۔ اگر یورپ کے سپر چولسٹس متوفی انسان کے کسی ایسے غیبی لطیف جسے کو حاضر کر لیتے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اسی مردہ متوفی کا جسم اور جون یا روح بتاتا ہے تو اس سے مختلف آسمانی مذاہب اور ادیان خصوصا مذہب اسلام کے عقائد پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اور انسان کی اصلی روح کے متعلق عذاب، جان کندن وقبر وسوال منکر ونکیر وغیرہ اور قیام سجین وعلیین اپنی جگہ پر مسلم اور قائم ہیں۔ اہل یورپ کے پرانے مذہبی عقائد میں جن کا وجود اگر چہ مسلم اور ثابت ہے اور ان کی زبان میں جن، دیو، پری وغیرہ کے الفاظ (Ginideuil,Fairy) کے نام سے موجود ہے لیکن سپر چولسٹس جس قسم کی بھی غیبی لطیف مخلوق سے اپنے حلقوں کے اندر یا باہر دو چار ہوتے ہیں۔ انہیں مردہ لوگوں کی ارواح بتاتے ہیں یا جو کچھ وہ ارواح انہیں حلقوں کے اندر جھوٹ یا سچ بتاتی ہیں اسی پر یقین رکھتے ہیں حالانکہ آج سے ایک سو سال پہلے تمام یورپ کے اندر

ایک شخص بھی ایسا نہیں پایا جاتا تھا جو موت کے بعد روح کے رہنے کا قائل ہو۔ صرف اب سپر چولسٹس کے روحانی حلقوں کے اندر ارواح کی حاضرات اور آئے دن روحوں کے عینی مشاہدات اور دیدہ تجربات نے تمام یورپ کو حیات بعد الممات کا قائل کر دیا ہے۔ اور مذہب اسلام کے بے شمار مسلمات اور معتقدات میں سے صرف ایک ہی مسئلہ حیات بعد الموت کی معمولی سی جھلک معلوم کر لی گئی ہے اور باوجود اس قدر مشاہدات اور تجربات کے شیطان نے انہیں پھر ایک نئی قسم کی دہریت اور نیچریت میں مبتلا کر دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

افرایت من اتخذا الھه هو هه واضله الله علی علم و ختم علی سمعه وقلبه و جعل علی بصره غشوة فمن یهدیه من بعد الله افلا تذکرون

(ترجمہ) آیا تو نے دیکھا ایسے شخص کو جس نے اپنی ہوا اور خواہش کو اپنا معبود اور مقصود بنایا اور باوجود تحصیل علم یعنی سوجھ بوجھ کے اللہ تعالےٰ نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔ اور اس کے کانوں اور دل پر غفلت کی مہر لگا دی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس اللہ کے بعد کون اسے ہدایت دے سکتا ہے۔ آیا تم اس سے عبرت اور نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اس قسم کا ایک اور ارشاد ہے

ولو اننا نزلنا الیهم الملئکه و کلمهم الموتی و حشر نا علیهم کل شئی قبلا ما کا نو لیومنو الا ان یشاء الله ولکن اکثرهم یجهلون وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا ولو شاء ربک ما فعلوه فذرهم وما یفترون

(ترجمہ) اگر ہم ان کی طرف فرشتے بھی نازل کر دیں اور مردے جی کر ان سے ہم کلام ہو جائیں۔ اور حشر نشر قائم کر کے انہیں پہلے سے دکھا دیا جاوے۔ پھر بھی یہ

(ازلی شقی) ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔لیکن اکثر لوگ (ہدایت ازلی سے) جاہل ہیں کیونکہ ہم نے ہر نبی کے مقابلے اورمخالفت پر انسان اور جن شیطان دشمن بنا دیئے ہیں جن میں سے بعض شیطان الجن بعض شیطان الانس کی طرح فریب اور جھوٹ کی ملمع باتیں القاء کرتے ہیں۔اور اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرسکتے۔پس اللہ تعالیٰ نے مصلحتاً بطور امتحان انہیں ایسا کرنے کی مہلت دی ہے۔پس اے میرے نبیؐ! تو بھی انہیں چھوڑ دے کہ وہ اپنے جھوٹ اور فریب سے تمہارا مقابلہ کرتے رہیں مذکورہ بالا آیتوں سے اللہ تعالیٰ نے کس طرح ہر زمانے میں اہل باطل شیاطین الانس اور شیاطین الجن کا اہل حق انبیاء اور اولیاء کے درمیان دشمنی، عداوت اور مقابلے کا نقشہ کھینچا ہے خصوصاً آج کل کے یورپین سپر چولسٹوں کا خاکہ مذکورہ بالا آیتوں میں پوری طرح دکھایا گیا ہے کہ مردے آکر ان سے ہم کلام ہو رہے ہیں پھر بھی دہریت اور بے دینی کا بھوت بدستور ان کے سروں پر سوار ہے۔پس اصل ہدایت من جانب اللہ ہے۔بعض ایسے لوگ ہیں جو ظاہری اور کسبی علم سے عاری ہیں۔اورانہوں نے عالم غیب کی لطیف مخلوق جن، ملائکہ اور ارواح میں سے کچھ بھی نہیں دیکھا ہے۔لیکن اللہ تعالےٰ اس کے فرشتوں، آسمانی کتابوں، پیغمبروں، یوم آخرت، دوزخ، جنت اور حساب کتاب وغیرہ تمام چیزوں پر اس طرح کامل یقین رکھتے ہیں گویا کہ انہوں نے ان سب غیبی چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ برخلاف اس کے آج کل کے شقی ازلی ہیں جو ظاہری اور کسبی علوم وفنون میں افلاطون زمان ہیں اور آئے دن اپنے حلقوں کے اندر ان غیبی ارواح کے عینی مشاہدے اور نظارے کر رہے ہیں۔لیکن ان کی بے دینی اور دہریت میں سر مو فرق نہیں آتا۔

صد ہزاروں فضل وارد از علوم
جان خود را مے نہ داند ایں ظلوم

داند او خاصیت ہر جو ہرے
درمیان جو ہر خود چوں خرے
خویش را صافی کن از وصاف خود
تا بہ بینی ذات پاک صاف خود
بینی اندر دل علوم انبیاء
بے کتاب و بے معین واوستا

اب ہم حاضرات وتسخیرات جنات کے بعد ملائکہ اور فرشتوں کی حاضرات اور تسخیرات کا ذکر کرتے ہیں۔ جن چونکہ انسان کی طرح مکلّف مخلوق ہے۔ اور ان کا لطیف طبقہ اور غیبی عالم چونکہ انسانوں کے عالم شہادت کے بہت قریب ہے۔ اور ان کے اثرات جنونی آسیب اور آزار کی صورت میں انسانوں کے اندر نظر آتے ہیں۔ جب کہ جن کسی مرد، عورت یا بچے پر مسلط ہو جاتا ہے۔ اور گاہے خواب یا بیداری بعض لوگ جنات سے دوچار ہوتے ہیں۔ لہٰذا انسان ان کے وجود کا کسی نہ کسی طرح قائل ہو جاتا ہے۔ اور ان کی حاضرات اور تسخیر بھی تھوڑی بہت سمجھ میں آ جاتی ہے۔ لیکن عام طور پر ملائکہ اور فرشتوں کو ایک فوق الفطرت اور سمجھ اور ادراک سے بالاتر چیز خیال کیا جاتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ فرشتوں اور ملائکہ کی آمد ورفت اور حاضرات محض انبیاء اور مرسلین کے ساتھ متعلق مخصوص اور محدود ہے۔ اور انبیاء کے بغیر خواہ کوئی ولی ہی کیوں نہ ہو یہ حیثیت اور طاقت حاصل نہیں ہو سکتی کہ فرشتوں کو دیکھ سکیں یا ان سے ملاقات کر سکیں یا ان سے کوئی کام لے سکیں۔ لیکن عام لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ہماری خدمت پر مامور ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

ان الذین قالو ربنا اللہ ثم استقامو اتتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافو ولا تحزنو و ابشرو بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاء کم فی

الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ

(ترجمہ) وہ لوگ جنہوں نے (الست کا وعدہ وفا کر کے) کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اس اقرار پر قائم رہے۔ ہم ایسے لوگوں پر اپنے فرشتے نازل کرتے ہیں جو انہیں یوں بشارتیں دیتے ہیں کہ تمہارے لئے کوئی خوف اور غم نہیں ہے۔ اور تمہیں خوشخبری ہو بہشت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے۔ اور ہم تمہارے رفیق اور شفیق ہیں دنیا کی حیاتی کے اندر اور آخرت میں اس آیت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مومنوں کے ساتھ ملائکہ کی رفاقت اور حمایت دنیا کی زندگی میں بھی ثابت ہے۔ چنانچہ کراماً کاتبین جو ہمارے دائیں بائیں ہمارے نیک و بد اعمال کے ہر وقت کاتب اور نگران ہیں۔ ہمارے اعمال و اقوال کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ اور انہیں فائل بنا کر اللہ تعالیٰ کے دفتر میں پہنچاتے اور جمع کرتے ہیں یہ فرشتے ہر وقت ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ ہمیں رزق پہنچانے پر الگ فرشتے مامور ہیں۔ لیلۃ القدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تنزل الملئکۃ و الروح فیھا یعنی اس رات فرشتے اور ارواح آسمان سے نازل ہوتے رہتے ہیں اور زمین و آسمان کے درمیان ان کی آمد و رفت اور تانتا لگا رہتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے ہیں جنہیں سیاحین کہتے ہیں جو مومنوں کے حلقہ ہائے ذکر میں پہنچتے ہیں۔ اور جب واپس بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! تم نے میرے بندوں کو زمین پر کس حالت میں پایا۔ حالاں کہ وہ ہر حال اور واقعہ سے واقف و آگاہ ہے۔ تو فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم نے انہیں تیرے فکر اور تسبیح و تحمید میں مشغول پایا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ نہیں۔ تو اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! تم گواہ رہو کہ میں انہیں اس کے عوض ایسی ابدی نعمتیں عطا کروں گا جو نہ ان کی آنکھوں

نے کبھی دیکھی ہوں گی اور نہ ان کے کانوں نے ان نعمتوں کے بارے میں سنا ہوگا۔

اور نہ ان کے دل پر ان نعمتوں کا گمان گذرا ہوگیا۔ایک حدیث میں یوں مذکور ہے۔

لولا ان الشیاطین یحومون علی قلوب بنی ادم لنظر وا الی ملکوت السموت والاض

یعنی اگر شیاطین بنی آدم کے قلوب کو اپنی آماج گاہ اور جولان گاہ نہ بناتے تو البتہ وہ آسمان اور زمین کے عالم ملکوت کا مشاہدہ کرتے۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سامری ایک معمولی کاہن آدمی تھا۔اس نے موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں جبریل علیہ السلام کو دیکھ کر اس کے پاؤں کے نیچے سے مٹی اٹھالی تھی۔جس سے اس نے سونے چاندی کے بچھڑے میں جان ڈال دی تھی۔جسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم پوجنے لگ گئی تھی۔ابراہیم علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض ولیکون من المقنین

ترجمہ: اسی طرح دکھائے تھے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین کے عالم ملکوت تاکہ ان کا یقین پختہ ہوجائے۔

ایک دفعہ رات کو ایک صحابیؓ نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کا گھوڑا بدکنے لگا۔اور جب تک وہ نماز پڑھتا رہا اس کا گھوڑا بدکتا رہا۔اس نے صبح آنحضرت ﷺ سے اس بات کی شکایت کی۔تو آپؐ نے فرمایا کہ تیری نماز میں قرأت کو سننے کے لئے تیرے پاس ایک فرشتہ حاضر ہوتا تھا جسے دیکھ کر رات کو تیرا گھوڑا ڈرتا اور بدکتا رہا۔

توریت اور انجیل میں مذکور ہے کہ جس وقت بلعم باعور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے حق میں بد دعا کرنے کے لئے پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ تین دفعہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔اور اسے بد دعا کرنے سے منع کیا۔

حالاں کہ بلعم باعور معمولی آدمی تھا۔ اسی طرح اہل سلف اولیاء کاملین اور سابق بزرگان دین کے حالات میں بہت جگہ اس قسم کا ذکر آیا ہے کہ انہوں نے اسی دنیا میں فرشتوں سے ملاقات کی ہے۔ اور ان سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ سو اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنے خاص ممتاز اور برگزیدہ بندوں کو یہ توفیق بخش دے کہ وہ جس وقت چاہیں ملائکہ اور فرشتوں سے ملاقات کر کے ان سے استفادہ حاصل کر سکیں۔

حضرت میاں میرؒ کے حالات میں آیا ہے کہ ایک دفعہ آپؒ کی آنکھ میں پھوڑا نکل آیا۔ بہتیری دوائیں ڈالی گئیں لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر یہ بات ٹھہری کہ اس پر عملی جراحی کیا جائے۔ اتنے میں ان کے ایک طالب درویش نے عرض کیا کہ جناب آپریشن کی تکلیف نہ فرمائیے۔ اس سے خطرہ ہے کہ مبادا آنکھ کا ڈیلا پھٹ جائے میں عالم ملکوت میں کسی فرشتے سے اس کی دوا دریافت کر لوں گا۔ آپؒ نے حکم دیا کہ بہت اچھا۔ چنانچہ رات کو اس درویش نے مراقبہ کر کے ایک فرشتہ سے دوا دریافت کر لی کہ فلاں بوٹی کا پانی نکال کر آنکھ میں ٹپکایا جائے۔ چنانچہ ایسا کرنے سے آنکھ ٹھیک ہو گئی۔ اس پر ایک دوسرے درویش نے حضرت میاں میر صاحبؒ سے سوال کیا کہ جناب اس درویش کے مربی اور مرشد ہیں۔ کیا آپؒ خود فرشتوں سے اس کا علاج دریافت نہیں کر سکتے تھے۔ اس پر آپؒ نے فرمایا کہ میری منزل عالم ملکوت سے بالا ہے۔ میرے لئے ہتک اور توہین کی بات ہے کہ میں اپنی منزل سے نیچے اپنے سے ادنیٰ ملائکہ سے التجا اور استدعا کروں۔ ورمیرا یہ طالب آج کل عالم ملکوت میں طیر سیر رکھتا ہے۔ اور ان سے استمداد اور استفادہ کرنا اسی کا منصبی کام ہے۔

غرض ملائکہ سے ملاقات، استفادہ اور استمداد حاصل کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس غیبی لطیف مخلوق کا دیکھنا اور معلوم کرنا باطنی حواس اور روحانی جسم کا کام ہے۔ مادی عقل اور ظاہری حواس کی تمام دوڑ دھوپ مادہ اور اربعہ عناصر کی چار

دیواری تک محدود ہے۔ عالم غیب کا باطنی دروازہ ان ناطق حیوانوں پر بالکل مسدود ہے۔ جن لوگوں کا حوصلہ وسیع اور استعداد بلند ہوتی ہے وہ نفس کے ناسوتی مقام کو جلدی عبور کر لیتے ہیں۔ اور حاضرات و تسخیر جنونیت کے ادنیٰ اور سفلی مقام سے نکل جاتے ہیں۔ ان کا لطیفہ قلب ذکر اللہ اور تصور اسم اللہ سے زندہ ہو جاتا ہے۔ اور زبان قلب سے دعوت پڑھنے لگ جاتا ہے انسان کے اندر یہ لطیفہ چونکہ عالم ملکوت میں واقع ہے۔ اس لئے زبان قلب سے جب دعوت پڑھی جاتی ہے۔ اس سے جو نور پیدا ہوتا ہے۔ وہ سالک کے لطیفہ قلب کی غذا اور خوراک بنا جایا کرتی ہے۔ اور جب سالک یہ باطنی نعمت اور روحانی غذا ضرورت سے زیادہ پیدا کرتا ہے تو چونکہ یہ نور لطیفہ قلب کی ہم جنس لطیف غیبی مخلوق ملائکہ اور فرشتوں کی بھی غذا ہے۔ اس لئے سالک کی دعوت قلب کے وقت اپنی یہ مخصوص غذا حاصل کرنے کے لئے ملائکہ اور فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور اس کے وظیفہ خوار بن کر اس کے کام میں معاون اور مددگار بن جاتے ہیں۔ اس قسم کا سالک عارف زندہ دل ملائکہ سے ملتا جلتا ہے۔ اور ملائکہ اور فرشتوں کے اوصاف حمیدہ سے متصف اور ان کے اخلاق سعیدہ سے متخلق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر، فکر، تلاوت، عبادت، طاعت اور نیک اعمال سے ایسے زندہ دل عارف کو پوری قوت اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ وہ عالم ملکوت میں طیر سیر کرتا اور وہاں کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ سالک کے لئے اس مقام میں گرسنگی و سیری اور خواب و بیداری ایک ہو جاتی ہے۔ اس مقام میں اس سے کشف و کرامات ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنے کشف و کرامات ظاہر کرے تو خلقت میں شہرت پذیر، صاحب رجوعات اور مشہور و معروف ہو جاتا ہے۔ یہ مقام بھی رجعت اور لغزش کا ہے۔ سالک کو اس مقام پر غرہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ آگے قدم رکھنا چاہیے۔

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے

یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

بعض سالک اس مقام پر دکان مشیخیت کھول بیٹھتے ہیں اور غرہ وفریفتہ ہو جاتے ہیں۔لوگوں کی بے جا خوشامد، آؤ بھگت اور بے حد تعظیم وتکریم کی وجہ سے اس کا نفس موٹا اور مغرور بن جاتا ہے۔اور خودی اور انانیت کے گرداب میں پھنس جاتا ہے۔ اور طریقت کے کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

اے طالب! یاد رکھ خود پسندی ایک سخت کفر ہے۔خودی اور خدا اکٹھے نہیں ہو سکتے۔اور ایک ظرف میں نہیں سما سکتے۔انسانی دل خانہ کعبہ اور بیت اللہ کی طرح ہے۔اسے خودی اور جملہ نفس وہوا کے غیر معبودوں اور بتوں سے خالی رکھنا چاہیے۔

دل کعبہ اعظم است بکن خالی از بتاں
بیت المقدس است مکن جائے بت گراں

عارف سالک کا قبلہ قلب اللہ تعالی کا خاص حرم اور حقیقی کعبہ ہے۔اور اس کے دل کا سودا سویدا بمنزل حجر اسود کے ہے۔اول الذکر کعبہ دل اور حقیقت ہے۔کیوں کہ وہ گذرگاہ رب جلیل ہے۔اور کعبہ آب وگل اس کی نقل اور مجاز ہے کہ بنائے بندہ خلیل ہے کعبے کے حجر اسود کی نسبت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔وہ بہشت کا ایک پتھر تھا جسے بہت سے لا کر خانہ کعبہ کی دیوار میں نصب کیا گیا ہے۔اور پہلے یہ پتھر بہت روشن اور چمکدار تھا۔لیکن طائفین کعبہ اور زائرین حجاج کے بوسوں سے ان کے گناہ اس پتھر میں جذب اور داخل ہوتے رہے ہیں جس سے اب وہ سیاہ ہو گیا ہے

حدیث: عن ابن عباسؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزل حجر الاسود من الجنۃ وھو اشد بیا ضا من اللبن فسودتہ خطا یا بنی ادم (اخرجہ الترمذی و قال حدیث حسن صحیح)

(ترجمہ) ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حجر اسود جنت سے نازل ہوا تھا اور بوقت نزول دودھ سے زیادہ

سفید تھا۔ بنی آدم کے گناہوں نے اسے سیاہ کر دیا ہے۔ اسی طرح حجر اسود کے مقابلے میں دل کے سودا سویدا کا حال ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے عارف کا دل زندہ اور تابندہ ہو جاتا ہے تو اس کا سودا سوید آنکھ کی پتلی کی طرح روشن اور منور ہو جاتا ہے اور جس وقت عارف سالک مرجع خلائق ہو جاتا ہے تو لوگوں کی بے حد تعظیم و تکریم اور کثرت دست بوسی و قدیم بسی سے لوگوں کے گناہ اس کے اندر جذب ہوتے ہیں۔ اور عارف سالک کے منور اور روشن دل کو سیاہ اور تاریک کر دیتے ہیں۔ پس سالک کو حتی الوسع شہرت اور رجوعات خلق سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اور لوگوں کی بے جا تعظیم و تکریم سے فریفتہ نہیں ہونا چاہیے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت بایزید بسطامیؒ نے اپنے طفل نفس کو دیکھا کہ اس کا تمام جسم ضعیت، نحیف اور دبلا پتلا ہے۔ لیکن اس کا سر بہت موٹا ہے۔ حضرت بایزیدؒ نے اپنے نفس سے پوچھا کہ اے نفس! تیرا سارا جسم بہت دبلا پتلا ہے لیکن تیرا سر اتنا موٹا کیوں ہے نفس نے کہا یہ بات بتانے کی نہیں بایزیدؒ نے کہا یہ بات تجھے ضرور بتانی پڑے گی۔ نفس نے کہا بات یہ ہے کہ میرے وجود کو آپ نے مجاہدوں، ریاضتوں اور بھوک پیاس سے بہت کمزور اور ناتوان کر دیا ہے۔ لیکن لوگوں میں بے حد رجوعات تعظیم و تکریم اور تعریف و توصیف سے میرے سر کو ایک خمار اور نشہ چڑھتا ہے۔ جس سے میرا سر پھولتا اور موٹا ہوتا ہے۔ سر کے اس قدر موٹا ہونے کی وجہ یہی ہے بایزیدؒ نے دل میں کہا کہ اس باطنی کفر اور انانیت کا علاج چاہیے۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ تھا۔ دل کے اس باطنی مرض کے سبب روزنے کی نیت نہ کی۔ اور ایک روٹی اپنے ساتھ لے کر مریدوں اور طالبوں کے مجمع کے ہمراہ بازار میں چلے گئے۔ اور جب بازار میں داخل ہوئے تو علی روس الاشہاد روز روشن کو ایک ایک نوالہ توڑ کر کھاتے جاتے تھے اور بازار میں چلے جاتے تھے۔ بایزیدؒ کے اس غیر شرعی فعل کو دیکھ کر تمام لوگ ان سے پھر گئے۔ اور جا بجا ان کی شکایت ہونے

لگی۔ اس کے بعد بایزیدؒ نے اپنے نفس کو حاضر کر کے اس کی طرف دیکھا۔ تو اب کی
دفعہ اس کا سر بھی دیگر جسم کی طرح بہت چھوٹا اور کمزور تھا۔ نفس نے بایزیدؒ سے کہا۔
میں نے اپنے سر کے موٹے اور بڑے ہونے کا سبب تجھ پر ظاہر کر کے اپنا ستیاناس
کر دیا۔ بایزیدؒ نے کہا اے نفس! شکر ہے کہ تیرا کفر ٹوٹا۔ میرے لئے رمضان کے
ایک روزے کا کفارہ ادا کرنا آسان ہے لیکن تیری انانیت کا توڑنا بہت مشکل اور
دشوار کام تھا۔ الحمدللہ اس کی تدبیر بن گئی۔ اے نفس تیرا اور میرا بھلا اسی میں ہے کہ تو
ضعیف اور ناتواں رہے۔ بلکہ تیری بھلائی اور تیری نشوونما تیری موت اور فنا میں
ہے۔ دانہ اور تخم جب تک زمین کے اندر اپنے آپ کو فنا کر کے مٹا نہیں دیتا، سرسبز،
بلند اور زندہ نہیں ہوسکتا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو خودی کو بلند کرتے ہیں۔ شیطان
نے خودی اور انانیت کا علم بلند کیا۔ سر کے بل گرا اور راندہ درگاہ ہوا۔

فرعون کو خدائی کے دعویٰ سے کیا ملا
بندہ جدا ہوا جو خودی سے خدا ملا

یہاں ہم لفظ نفس کی ذرا تشریح کیے دیتے ہیں۔ کیونکہ عوام کیا خواص بھی نفس کی
حقیقت جاننے میں غلطی کر جاتے ہیں۔ نفس عربی میں جان، وجود اور ذات کو کہتے
ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ویحذرکم اللہ نفسہ ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو اپنی
ذات سے ڈراتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں قیاسی گھوڑے دوڑانے اور چون
چرا کرنے سے پرہیز کرو بعض لوگوں کو شیطان بطور وسوسہ ایسے خیالات میں مبتلا کر
دیتا ہے کہ خدا کیوں کر بن گیا اور اسے کس نے پیدا کیا ہوگا اور اس سے پہلے کیا تھا۔
انہی وسوسوں کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وضرب لنا مثلا نسی خلقہ کہ
انسان میری ذات کے متعلق مثالیں قائم کرتا ہے حالانکہ اس نے اپنی خلقت کو
بھلایا ہوا ہے اور اسے اپنا پتہ نہیں ہے۔ غرض اللہ تعالےٰ کے متعلق ہر قسم کے خیال اور
سوچ بچار خطرے سے خالی نہیں۔ سو آیا ہے کہ تفکر وانی ایاتہ وصفاتہ ولا

تفکر وا فی ذاتہ یعنی فکر کرو اس کی آیات وصفات میں اور نہ فکر کرو اس کی ذات میں نفس سے مراد ذات اور جان اور کبھی دل بھی ہو جاتا ہے مثلاً ناسرھا یوسف فی نفسہ (ترجمہ) پس یوسف علیہ السلام نے اس بات کو اپنے دل میں بھائیوں سے چھپا لیا قولہ تعالیٰ فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ یعنی موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈر گیا۔ کبھی نفس سے مراد شخص ہوتا ہے۔ لا یکلف اللہ نفسا لا وسعھا یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی وسعت اور طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

یہ تو لفظ نفس کے عام ظاہری معنی ہیں جس کو ہر شخص سمجھتا اور جانتا ہے لیکن بعض مقامات پر قرآن کریم میں لفظ نفس اپنے حقیقی اور باطنی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جس کے صوفیائے کرام کے نزدیک مختلف مرتبے اور درجے ہیں یعنی نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس ملہم، اور نفس مطمئنہ ہر نفس کا ذکر نمبر وال ذیل کی آیات میں آیا ہے۔

.1 وما ابری نفسی ان النفس لا مارۃ بالسوء (ترجمہ) (زلیخا نے کہا) کہ میں اپنے نفس کی بریت نہیں کرتی۔ اور اسے گناہ سے بری نہیں سمجھتی۔ کیوں کہ یہ (شہوانی) نفس ہمیشہ برائی کا امر کرتا ہے۔ اس آیت میں نفس امارہ کا ذکر ہے۔

.2 اس آیت میں نفس لوامہ کا ذکر ہے قولہ تعالیٰ

لا اقسم بیوم القیمۃ ولا اقسم بالنفس اللوامۃ

(ترجمہ) خبردار! میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں اور نفس لوامہ یعنی گناہ پر ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں۔ سو نفس لوامہ، نفس امارہ سے دوسرے درجے میں افضل ہے۔ اور اسے قیامت کے دن پر یقین ہوتا ہے۔ اور ایسے نفس والے شخص کو اس کا نفس گناہ پر ملامت کرتا ہے۔ لیکن نفس امارہ والا روز قیامت اور سزا و جزاء پر یقین نہیں رکھتا ہے۔ اور گناہ کے بعد ندامت اور پشیمانی محسوس نہیں

کرتا۔لیکن نفس لوامہ والا گناہ تو کر بیٹھتا ہے لیکن بعد میں اسے نفس ملامت کرتا ہے اور خوف اور ندامت دلاتا ہے۔

3. تیسرے درجے پر نفس ملہمہ یعنی الہام والے کا اس آیت میں ذکر ہے قولہ تعالی

ونفس وما سوھا فالھمھا فجورھا و تقوھا قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا

(ترجمہ) پس میں قسم کھاتا ہوں نفس ملہمہ یعنی الہام پانے والے کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست کیا اور اس کی اصلاح کر لی۔ پس اس نے الہام کے ذریعے سے اسے ملہمہ بنا کر نیکی اور برائی سے آگاہ کیا۔ تحقیق چھٹکارا پا گیا۔ جس نے اس کو پاک اور مزکی کیا۔ اور ہلاک ہوا جس نے اسے آلودہ اور خراب کیا۔ یہاں نفس ملہمہ کی صفت بیان کی گئی ہے۔

4. چوتھے نمبر پر نفس مطمئنہ کا اس آیت میں ذکر ہے قولہ تعالی

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

(ترجمہ) اے نفس مطمئنہ مائل اور متوجہ ہو جا اپنے رب کی طرف ایسی حالت میں کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو پس اب تو میرے خاص برگزیدہ بندوں کی صفت میں شامل ہو جا۔ اور میرے جنت قرب و رضا میں داخل ہو جا۔ اس آیت میں ایک باریک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سوائے اللہ تعالی کے برگزیدہ خاص بندوں کی صف میں داخل ہونے کے جنت میں کوئی بشر داخل نہیں ہو سکتا جنت میں داخل ہونے سے پہلے خدا کے خاص بندوں کے گروہ میں شمولیت اور ان کی رفاقت لازمی امر ہے بعض حاسد، متکبر لوگ اللہ تعالےٰ کے انبیاء اور اولیاء کی رفاقت اور پیروی سے روکنے کے لئے طرح طرح کے حیلے اور بہانے تراش کر لوگوں کو ان مقدس رفیقوں کی شمولیت سے یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء خواہ کتنے ہی بڑے

پاک کیوں نہ ہوں۔ اللہ تعالےٰ کے مقابلے میں ہیچ اور ناچیز ہیں ۔اللہ تعالےٰ انسان کے لئے ہر حال میں کافی ہے۔ حالاں کہ یہ لوگ نہ اللہ کے ہوتے ہیں اور نہ اللہ کے دوستوں کے ۔ جو اللہ کے دوست ہیں وہ اللہ کے دوستوں یعنی انبیاء اور اولیاء اللہ کے بھی دوست ہوں گے۔ اور جو اولیاء اللہ کے گلہ گو اور دشمن ہوں وہ اللہ کے بھی دشمن ہوں گے ۔ کیوں کہ دوست کا دوست بھی انسان کا دوست ہے۔ اور دوست کا دشمن اور بد خواہ انسان کا دشمن ہوا کرتا ہے۔ یہ لوگ شیطانی کبر اور حسد کے سبب اللہ تعالیٰ اور اس کے دوستوں کے درمیان تفریق ڈالتے ہیں۔ اور انہیں ایک دوسرے کے ضد اور مقابل و مخالف بنا کر سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ تعالےٰ کے دوست اپنے مولا کے ساتھ متفق متحد اور یکتا ہوتے ہیں۔ اور اس کی ذات میں فنا اور بقاء حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں قولہ تعالیٰ

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ و یریدون ان یفر قوابین اللہ و رسلہ و یقولون نومن ببعض و نکفر ببعض و یریدون ان یتخذو بین ذلک سبیلا اولئک ھم الکفرون حقا

(ترجمہ) تحقیق وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے درمیان جدائی اور تفرقہ ڈالیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسولوں میں سے بعض کو یعنی اللہ کو تو مانتے ہیں اور بعض یعنی رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ ان کے بین بین کوئی راستہ نکالیں ۔ یہ لوگ حقیقی طور پر کافر ہیں۔ سچ پوچھو تو انسان کے اندر نفس اور ہوا تمام برائیوں گناہوں، معصیتوں، ظلم و ستم، فسق و فجور، شرک، کفر اور نفاق کا موجب اور باعث ہے اور نفس ہی وہ بڑا آذر اور بت گر ہے جس نے انسان کے لئے دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار شریک، معبود اور بت کھڑے کر کے اسے اللہ تعالیٰ سے روگردان کیا ہوا ہے کہیں سامری کے بچھڑے کی طرح سونے اور چاندی کے بت پوجے جاتے ہیں ۔ کہیں عورت کی مچھلی کھڑی کر

دی گئی ہے۔ اور اسے خوش کرنے کے لئے ہر قسم کا ناروا اور حرام پیسہ جمع کر کے اس کے قدموں پر نچھاور کیا جاتا ہے۔ کہیں زر، زمین اور زن کے بتوں کی خاطر ناحق خون بہائے جاتے ہیں۔ اور طرح طرح کے ظلم وستم ڈھائے جاتے ہیں کہیں سیاسی علو اور اقتدار اور ہوس حکمرانی کے صنم اکبر کی دہلیز پر بڑے بڑے فلاسفر اور علماء فضلاء سر جھکا کر ڈنڈوت کرتے ہیں۔ کہیں جوع الارض اور تیل کے چشموں کے لئے لڑائیاں لڑی جاتی ہیں۔ غرض دنیا میں جس قدر بے شمار غیر معبود پوجے جاتے ہیں اور جس قدر اللہ تعالےٰ کی نافرمانیاں اور اس سے روگردانیاں کی جاتی ہیں۔ ان سب کا واحد موجب اور باعث نفس اور ہوا ہے۔ اور پتھروں کے جامد بتوں کو تو محض بے وجہ بدنام کیا گیا ہے کبھی کسی پتھر یا دھات کے بت نے کسی کو گناہ پر آمادہ نہیں کیا ہے اور نہ کسی کو معصیت کی ترغیب دی ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان (معاذ اللہ) محض مہمل اور بے معنی ہے؟ کہ

افریت من اتخذ الهه هو له واضله الله علی علم و ختم علی سمعه و قلبه و جعل علی بصره غشوة

(ترجمہ) کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے خواہش نفسانی کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ اور باوجود علم کے اللہ تعالےٰ نے اسے گمراہ کیا ہوا ہے۔ اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے۔ اور اس کی آنکھوں اور کانوں پر پردے ڈال دیئے ہیں یہ آیت ان جاہل علماء کے حق میں آئی ہے۔ جو باہر سے ہر چیز کو شرک کا نام دیتے ہیں اور اندر اپنے نفس وہوائے صنم اکبر کو سار کھا ہے۔ افسوس کس قدر اندھیرا اور ظلم ہے کہ نفسانی کور چشم، حاصد، بے عمل عالموں نے اپنے نفس کے صنم اکبر کو تو اپنے پہلوؤں میں پال رکھا ہے۔ دن رات اس کی پوجا پاٹ میں مصروف ہیں۔ اور اللہ کے محبوں اور محبوبوں یعنی انبیاء اور اولیاء جو اللہ تعالیٰ کے راستے کے عمدہ رفیق اور راہ نما اور معاون ومددگار ہیں۔ ان کی امداد اور استعانت کو شرک کا نام دیتے ہیں اور بندگان

خدا کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں۔ یہ روایت نفسانی زبانی عالم اور باطنی علم سے جاہل کے حق میں آئی ہے العلم حجاب اکبر علم بڑا بھاری حجاب ہے

اللہ تعالیٰ نے نفس اور ہوا کی مخالفت میں دنیا کی تمام نیکیاں جن سے انسان دخول جنت کا حق دار بن جاتا ہے۔ اسی ایک آیت میں جمع کر ڈالی ہیں قولہ تعالیٰ واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هى الماوى (ترجمہ) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامت کے روز حساب کے لئے حاضر ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو ہوا و ہوس سے روک لیا۔ پس بہشت ایسے شخص کا ہی ٹھکانا ہے۔

غرض دین اور مذہب میں جس قدر غلط فہمیاں واقع ہوئی ہیں۔ اور جس قدر لوگ گمراہیوں اور غلط اور باطل رستوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ سب نفس کی حقیقت سے جہالت اور بے خبری کے باعث صراط مستقیم سے بھٹک گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کا بت تیار کیا اور بقولہ تعالیٰ فاذا سويته ونفخت فيه من روحى فقعو له سجدين (ترجمہ) جب میں اس میں اپنا روح پھونک کر اسے اپنی خلافت سے سرفراز فرمالوں تو اسے ملائکہ تم اس کے آگے سجدہ کرلو تو سب ملائکہ نے اسے سجدہ کیا۔ لیکن ابلیس نے حسد اور کبر کے سبب سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا انا خير منه میں اس سے بہتر ہوں اور خلافت ارضی کا میں ہی مستحق ہوں تب اللہ تعالیٰ نے اسے راندہ درگاہ اور ملعون کر دیا۔ اس کے بعد اس نے آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی دشمنی اور گمراہی کا بیڑا اٹھایا قال فبعزتک لا غوينهم اجمعين یعنی اے اللہ! تیری عزت کی قسم میں تمام نبی آدم کو گمراہ کر کے اپنے ہمراہ جہنم میں لے جاؤں گا۔ تب ابلیس نے اپنے لشکر سمیت آدم علیہ السلام کے بت کا جائزہ لیا۔ اور اس کے جسم کے اندر داخل ہو کر سر سے لے کر پاؤں تک ہر جگہ کو جانچ کر باہر آیا تو شیطانی لشکر نے اس سے دریافت کیا

کہ تو نے آدم علیہ السلام کو کیسا پایا۔ تو شیطان نے جواب دیا کہ اس خلیفے اور اس کی نسل کو گمراہ کرنا میرے لئے بہت آسان ہے۔ اس کے جسم کے اندر متضاد عناصر مٹی، آگ، پانی اور ہوا ہیں۔ یہ متلون مزاج کبھی کسی بات پر قائم اور برقرار نہیں رہے گا۔ اور اس کا تمام ڈھانچہ بالکل بےکار اور بے حکمت معلوم ہوتا ہے۔ صرف اس کے اندر گاؤدم گنبد کی شکل کا دل بائیں طرف لٹک رہا ہے۔ اس کے اندر داخل ہونے کا مجھے راستہ نہیں مل سکا۔ اس میں شاید اللہ تعالیٰ نے خلافت اور حکمت کا خزانہ رکھا ہو۔ لیکن خیر میں بھی اس میں اپنی جگہ بناتا ہوں۔ تب اس نے نفسانیت کے سبب اس پر تھوکا۔ اور اس کے حسد اور کبر کی تھوک آدمؑ کی ناف کی جگہ پر جا پڑی۔ جس سے آدم علیہ السلام کے جسم میں نفس کا تخم اور بیج پڑا۔ اور آدم علیہ السلام کے وجود میں شیطان کا پہلا مورچہ اور کمین گاہ بنی۔ شیطان نے اپنے لشکر سے کہا کہ میں اس تھوک اور نفس کے سبب آدم اور اس کی نسل کے اندر آیا جایا کروں گا۔ اور اسے گمراہ کروں گا۔ اور اپنی اسی تھوک کی تاثیر سے اس کے اندر اپنے حسد، کبر اور انانیت کی آگ بھڑکاؤں گا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں دعوت اور ہدایت کے لئے انبیاء اور اولیاء مبعوث فرمائے گا۔ میں انہیں اسی نفس کی انانیت، حسد اور کبر کے سبب ان سے بد ظن کر کے ان کی پیروی، رہنمائی اور رہبری سے انہیں روک لوں گا اور صراط مستقیم کا دروازہ ان پر بند اور مسدود کر دوں گا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ایک دن بہشت میں آدم علیہ السلام کی نظر ساق عرش پر پڑی اور وہاں کلمہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لکھا ہوا دیکھا۔ تو اس نے حق تعالےٰ سے سوال کیا کہ اے اللہ تو واحد لاشریک ہے۔ تیرے نام کے ساتھ یہ دوسرا نام محمد الرسول اللہ ﷺ کیسے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! یہ نام محمد الرسول ﷺ میرے نبی آخر الزمان کا ہے جو تیری نسل سے ہوگا۔ اور اے آدم! تجھ سے خطا واقع ہوگی اور تیرے اس فرزند ارجمند کی شفاعت

سے تیری خطا معاف ہوگی۔ جس کی طرف اس حدیث میں آنحضرتؐ نے اشارہ فرمایا کہ میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ اور قیامت کے روز لواء الحمد یعنی شفاعت کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور تمام انبیاء اور مرسلین میرے اس جھنڈے کے تلے ہوں گے۔ آدم علیہ السلام نے جب سنا کہ میری اولاد میں سے ایک شخص میری شفاعت کرے گا۔ تو اس نے کہا کہ تعجب کی بات ہے کہ بیٹے کو باپ کا شفیع بنایا جارہا ہے۔ اور شیطانی تھوک کے اثر سے آدمؑ کے اندر نفسانیت اور انانیت کی آگ بھڑک اٹھی اور نفس کا تخم پھوٹ پڑا۔ اور نفس کی بنیاد پڑی۔ اور حسد، کبر، طمع حوص وغیرہ اوصاف سے نفس کا خمیر بنا۔ حرص کے سبب آدم علیہ السلام نے تقاضائے الانسان حریص علی ما منع شجرۂ ممنوعہ کھالیا۔ اور بہشت بریں سے نکالے گئے۔ پس آدم علیہ السلام کی نسل اور اولاد میں یہی نفسانیت اور انانیت بطور ورثہ چلی آئی اور خدا کے پاک برگزیدہ بندوں کی رفاقت اور راہنمائی سے مانع ہوئی اور شیطانی توحید کا بہانہ بنایا قولہ تعالیٰ

وما منع الناس ان یومنوا باللہ الا ان قالو بعث اللہ بشر رسولاً (ترجمہ) اور انہیں منع کیا۔ انسان کو کبھی کسی چیز نے کہ اللہ پر ایمان لے آویں مگر اس بات نے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے انسان ہمارے لئے رسول بنا کر بھیجے ہیں۔

نفس کافر بد بلائے اہل زشت
نفس آدم رابر آور واز بہشت

پس نفس میں حسد، کبر اور بخل کوٹ کوٹ کر بھر دیا گیا ہے۔ اور وہ کسی بشر کو اپنے سے بہتر اور برتر ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔ الور یہ صفت بخل کی اس کی فطرت میں ودیعت کردی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واحضرت الانفس الشح (ترجمہ) اور نفسوں پر بخل مشلک کیا گیا ہے اور دوسری جگہ آیا ہے ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون (ترجمہ) اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچا

لئے گئے ہیں پس وہ چھٹکارا پانے والوں میں سے ہیں اور اسی نفس کے فطرتی بخل کے سبب آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ علامت انسان کے بخل کے لئے کافی ہے کہ اس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور مجھ پر وہ درود نہ پڑھے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود بھیجنا بھول گیا۔وہ گویا بہشت کا رستہ بھول گیا۔آپ اس حدیث سے اس زمانے کے حاسد، منافقین کے ایمان کا اندازہ لگا سکتے ہیں جن کا دن رات کا مشغلہ ہی انبیاء اور اولیاء کی شان کو گھٹانا بلکہ ان کا الٹا گلہ کرنا بنا ہوا ہے۔

یہی نفس کا فطرتی بخل، حسد اور کینہ ہی تو ہے جو پہلے پہل خود ابلیس کے لئے آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیم و تکریم کرنے سے رکاوٹ بنا۔اور پھر اس کے تھوک کے سبب آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد میں بطور ورثہ چلی آئی۔اور انبیاء اور اولیاء کی ہر قسم کی تعظیم و تکریم کے لئے رکاوٹ بنا۔

ہر انسان کے اندر یہی نفس ابلیس کی طرح انا خیر منہ اور فرعون کی طرح انا ربکم الا علی کہہ کر اپنی بڑائی اور برتری کا نقارہ بجاتا ہے۔اور ہر شخص کے کان میں یہی کہتا ہے کہ ہم چو تو دیگرے نیست کہ تیرے برابر اور کوئی نہیں ہے۔

نفس مارا کمتر از فرعون نیست

لیک اوراعون مارا عون نیست

جب تک اپنے سے کسی برتر ہستی کا اقرار نہ کیا جائے۔اور اس کی راہبری، راہنمائی اور پیشوائی میں اپنے نفس اور ماسوئی ہوا کو چھوڑ کر اور سب سے منہ موڑ کر اپنے مولا کی طرف قدم نہ رکھا جائے اور اس کی طرف سلوک اور طریقت کا راستہ طے نہ کیا جائے خالی زبانی اور شیطانی توحید سے نہ نفس مرتا ہے اور نہ اس کی سرکوبی ہوتی ہے۔اور نہ نفس اور ہوا سے نجات ملتی ہے بلکہ ظاہری علم اور بدنی عبادت کے سبب انانیت اور خودی سے اور زیادہ فربہ اور موٹا ہوتا ہے۔اور جب تک نفس نہ

مرے دل زندہ نہیں ہوتا۔

نفس نتواں کشت الا ظل پیر

دامن ایں نفس کش را سخت گیر

ان آیتوں میں اللہ تعالی نے منافقوں کی علامات بیان فرمائی ہیں

جولوگ صرف زبانی اقرار اور خالی خشک توحید پر اکتفاء کر کے اللہ کی طرف چلنے کی ہمت نہیں رکھتے انہیں اللہ تعالے کے راستے کے راہبروں اور راہ نماؤں سے کیا سروکار ہے۔وہ تو اللہ تعالی کی معرفت،قرب اور وصال سے ناامید اور بیزار ہیں۔ صرف خالی زبانی اقرار تو منافق لوگ بھی کرتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالی نے سورہ منافقون کی ذیل کی آیتوں میں نمبروار ان لوگوں کا خوب نقشہ کھینچا ہے قولہ تعالی

اذ جاء ک المنفقون قالو نشهد انک لرسول الله مرو الله يعلم انک لرسو له و الله يشهد ان المنفقين لكذبون

(ترجمہ)جب آئے تیرے پاس منافق لوگ یہ کہتے ہیۓ کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو سچ مچ اللہ کا رسولؐ ہے اللہ تعالی خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسولؐ ہے بلکہ اللہ تعالی گواہی دیتا ہے کہ منافق اس زبانی اقرار میں جھوٹے ہیں۔

اتخذو ايمانهم جنة فصدو عن سبيل الله انهم ساء ما كانو يعملون

(ترجمہ)انہوں نے اپنا نفاق چھپانے کے لئے زبانی اقرار اور اس پر قسمیں کھانے کو آڑ اور ڈھال بنا رکھا ہے۔دراصل ان کے نفاق کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالے کے راستے سے خود رکے ہوئیہیں اور دوسروں کو روکتے ہیں۔اور یہی سب سے بُرا کام ہے جو وہ کرتے ہیں

ذلک بانهم امنو ثم كفرو فطبع على قلوبهم فهم لا يفقهون

(ترجمہ)یہ اس لئے ہے کہ زبانی طور پر تو وہ ایمان لے آئے ہیں لیکن اندر دل

سے کافر ہیں۔پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دل پر مہر لگا دی ہے لیکن وہ اس بات کو نہیں سمجھتے

واذ رایتهم تعجبک اجسامهم وان یقولو تسمع لقولهم کانهم خشب مسندة

(ترجمہ) جب تو منافقوں کو دیکھتا ہے تو ان کے ظاہری جسمانی اعمال تجھے تعجب میں ڈال دیتے ہیں۔اور جب وہ زبانی اقرار کرتے ہیں تو تو ان کی باتیں سنتا ہے۔ لیکن ان کی مثالیں ایسی ہیں کہ گویا یہ خشک لکڑی کے بت ہیں جو دیوار سے لگا دیئے گئے ہیں

یحسبون کل صیحة علیهم هم العدو فاحذرهم قتلهم الله انی یوفکون

(ترجمہ) لوگ گمان کرتے ہیں کہ ان کا یہ زبانی اقرار اور ظاہری چیخ و پکار صحیح اور درست ہے۔حالاں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے دشمن ہیں۔ان سے دور رہو اور بچو۔اللہ تعالےٰ انہیں ہلاک کرے یہ کدھر بہکے جا رہے ہیں

اذا قیل لهم تعالو یستغفرلکم رسول الله لوو رئوسهم و رایتهم یصدون و هم مستکبرون

(ترجمہ) جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ تعالیٰ کا رسولؐ بارگاہ الٰہی میں تمہاری شفاقت کرے اور تمہارے لئے بخشش مانگے تو وہ اپنا سر موڑتے اور منہ پھیر لیتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے رک جاتے ہیں۔یہ منافق شفاعت کا خالی لفظ سن کر آتش زیر پا ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عادل اور منصف ہے وہاں شفاعت اور سفارش کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اور سفارش عدل کے منافی ہے وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ متکبر ہیں۔

تفسیر

.1 پہلی علامت یہ ہے کہ یہ لوگ زبانی اقرار اور صرف خشک توحید کے دعوے دار ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لئے جھگڑا اور بحث و مباحثہ کرتے بلکہ قسمیں تک کھا جاتے ہیں۔اس خشک توحید اور زبانی اقرار کے سبب یہ لوگ خشک جامد لکڑی کے بت ہیں جن میں ایمان اور تصدیق کی روح نہیں ہے۔

.2 دوسری علامت منافقوں کی یہ ہے کہ یہ لوگ خود بھی اللہ تعالےٰ کے راستے سے رکے ہوتے ہیں۔اور لوگوں کو بھی اس راستے سے روکتے ہیں۔یہ زبانی طور پر اہل اقرار ہیں لیکن دل سے بیزار ہیں۔اور اگر اللہ تعالےٰ کے شمع جمال کے اقرار میں سچے ہوتے تو اس طرف دوڑتے اور پروانہ وار اس پر گرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ففروا الی اللہ کہ اللہ کی طرف دوڑو۔لیکن یہ لوگ الٹا اسے راستے کے منکر اور اس سے رکے ہوئے ہیں۔اور اس راستے کے دوسرے طالبوں اور سالکوں کو روکتے ہیں۔

.3 ان کی اصل حقیقت یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور اس کے دوستوں کے دشمن ہیں۔اور ہر بات میں اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی تحقیر اور تنقیص کرتے ہیں۔اور اپنی اس عداوت کو زبانی توحید کی آڑ میں چھپاتے ہیں۔

.4 اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کور چشم مردہ دل نفسانی لوگوں کی صحبت سے بچنا اور پرہیز کرنا چاہیے اور ان سے دور رہنا چاہیے۔جب یہ اللہ تعالےٰ کے رسولؐ اور اس کے دوستوں کے دشمن ہیں تو اللہ تعالےٰ کے کہاں کے دوست آ گئیں ہیں۔

.5 جب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف کے راستے کے منکر اور اس راستے کے رہبروں اور رہنماؤں سے بدظن اور بدگمان ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے یہ لوگ کدھر بھکے جا رہے ہیں۔

.6 چھٹی علامت ان کی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جب انہیں کہا جائے کہ آؤ تا کہ اللہ تعالیٰ کا رسول تمہاری اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کرے۔یا اس

کے اولیاءتمہارے لئے مغفرت مانگیں۔تو ان کے اندر نفسانیت، انانیت، حسد اور کبر کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اس راستے سے منہ موڑتے اور سر مروڑ لیتے ہیں۔ اور اس راستے سے ان کے رکنے اور باز رہنے کی اصل وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ورایتھم یصدون وھم مستکبرون کہ یہ لوگ اس راستے سے اس واسطے رکے ہوئے ہیں کہ وہ شیطان کی طرح متکبر اور مغرور ہیں سورۃ منافقون میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ہمیں ان منافقوں کی زبانی توحید کی اور رسمی رواجی اور ظاہری عبادت کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو صحیح معنوں میں مانتے تو اس کی طرف ضرور چلتے۔جب یہ اس کی طرف باطنی راستے کے منکر اور اس راستے کے رہبروں اور رہنماؤں کے دشمن اور بدخواہ ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ منافق ہیں اور اپنے نفاق، حسد اور کبر کو توحید کی آڑ میں چھپاتے ہیں۔نیز یہ لوگ اس آیت کی آڑ لیتے ہیں کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین اور بعض لوگوں نے سارے قرآن کریم کو چھوڑ کر صرف اس آیت کو اپنے گھر کے دروازوں پر لکھا ہوتا ہے اور اپنے آپ کو موحد خیال کرتے ہیں اور دوسرے انبیاءعظام اور اولیاءکرام کے پیروؤں اور محبوں کو مشرک خیال کرتے ہیں۔

اب ہم سورۃ فاتحہ کی اس آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین کی خاص تفسیر اور تشریح بیان کرتے ہیں ذرا غور اور فکر فرمایئے اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ اے اللہ ہم خاص تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں یہ فقرہ شرطیہ ہے اور اس کی جزا، مطلب اور مراد اللہ تعالیٰ اگلی آیتوں میں یوں بیان فرماتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم یعنی اے اللہ اس غرض سے ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تیری مدد طلب کرتے ہیں کہ تو ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے جو ہمیں تیری رضامندی قرب اور وصال تک پہنچا دے۔آگے اس راستے کی صفت اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ صراط

الـذیـن انـعـمـت علیھم کہ ان لوگوں کا سیدھا راستہ دکھا جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ اب ان لوگوں کی صفت قرآن کریم میں تلاش کرنی ہے کہ وہ کون سے لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ سو قرآن کریم خود ان برگزیدہ لوگوں کو اس آیت میں واضح طور پر بیان فرماتے ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے

ومـن یـطـع الـلـہ و الرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من الـنبیین و الـصـدیـقیـن و الشھداء و الصلحین وحسن اولئک رفیقا ذلک الفضل من اللہ و کفی باللہ علیما

(ترجمہ) وہ لوگ ہیں ساتھ ان کے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین لوگوں کا گروہ ہے۔ اور آگے بین ہے۔ وحسن اولئک رفیقا اور صراط مستقیم پر چلنے چلانے کے لئے یہ لوگ بہترین رفیق اور راہ نما ہیں اور آخر میں نفس مطمئنہ کو اللہ تعالیٰ یوں خطاب فرما کر قصہ تمام کر دیتے ہیں آیت

یـایھـا النفس المطئمنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبدی وادخلی جنتی

(ترجمہ) کہ اے نفس مطمئنہ اللہ تعالیٰ کی طرف مڑ جا اس حالت میں کہ وہ تجھ سے راضی ہو اور تو اس سے راضی ہو اور میرے خاص بندوں میں شامل ہو کر بہشت میں داخل ہو جا۔ یعنی بہشت میں داخل ہونے کے لئے خدا کے خاص بندوں میں شمولیت لازمی گردانی گئی ہے۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ جس آیت کو سارے قرآن کریم میں سے چن کر یہ حاسد، متکبر لوگ انبیاء اور اولیاء کی مخالفت میں غلط طور پر پیش کرتے ہیں۔ وہی آیت ان مقدس لوگوں کو عین پیروی اور راہنمائی کی تاکید کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جنت قرب وصال میں داخل ہونے کے لئے انعام کئے ہوئے، انبیاء، صدیق شہداء اور صالحین کی پیروی اور راہنمائی کے بغیر اور کوئی چارہ

نہیں ہے اور شیطانی کبر اور شیطانی حسد کے مارے ہوئے اللہ تعالیٰ کے صراط مستقیم سے بہت دور اور گمراہ ہیں۔ اور خالی جھوٹی زبانی توحید کے مدعی حقیقت سے بھٹکے ہوئے شیطان کی طرح راندہ درگاہ اور گمراہ ہیں شیطان کو بھی آدم علیہ السلام کے سجدے سے نفسانی حسد اور کبر مانع ہوئی اور توحید کو آر بنا کر لا اسجد بغیر اللہ (میں غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتا) کہہ دیا

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا
پلنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
نہ مارا نفس امارہ کو گر مارا تو کیا مارا
نہ مارا آپ کو جو خاک سے اکسیر ہو جاتا
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور نفس کی حقیقت بیان کرتے ہیں واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے کے طالب اور سالکوں کو ہر دو آفاق اور انفس میں آیات اور نشانات دکھاتا ہے حتیٰ کہ ان پر حق ثابت ہو جاتا ہے قولہ تعالیٰ

وکذلک سنریھم ایتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق

(ترجمہ) اور اسی طرح ہم دکھاتے جاتے ہیں انہیں (یعنی اپنے طالبوں کو) عالم آفاق اور عالم انفس میں اپنی آیات اور نشانات یہاں تک کہ ان پر حق ثابت اور ظاہر ہو جائے مذکورہ آیات میں ہر دو عالم آفاق اور عالم انفس کا ذکر آیا ہے اور تمام کائنات ان ہر دو عوالم پر مشتمل ہے۔

عالم آفاق کو عالم خلق، عالم ظاہر، عالم شہادت، عالم مادی، عالم کثیف، عالم صورت اور عالم مجاز بھی کہتے ہیں۔ اور یہ وہ عالم ہے جو انسان کو ظاہری پانچ حواس

کے ذریعے معلوم اور محسوس ہوتا ہے۔

دوسرے عالم انفس کو عالم بالا، عالم باطن، عالم غیب، عالم لطیف، عالم معنی اور عالم حقیقی بھی کہتے ہیں۔ اور یہ عالم باطنی اور غیبی حواس سے محسوس اور معلوم ہوتا ہے اور ظاہری حواس سے یہ عالم اوجھل مخفی اور پوشیدہ ہے۔ عالم انفس اصل ہے اور عالم آفاق اس کا فرع، ظل اور عکس ہے۔ ہر دو عالم میں ایک ہی طرح کی زمین، آسمان، سورج، چاند اور ستارے اور باقی تمام اشیاء اور ہر دو طرح کی کثیف مادی اور لطیف روحانی مخلوق آباد ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اکثر عالم غیب کی اصلی حقیقت لطیف جہان اور اس کی مخلوق سے بحث فرماتا ہے۔ کیوں کہ اصل دین کا معاملہ عالم غیب سے متعلق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں

الم ذلک الکتب لا ریب فیه هدی للمتقین الذین یومنون بالغیب

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کے حق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور یہ ہدایت ہے ان پرہیز گار متقی لوگوں کے لئے جو عالم غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ عام طور پر یومنون بالغیب سے بغیر دیکھے ایمان لانا مراد کیا گیا ہے۔ وہ کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ایمان اور یقین دیکھنے سے صحیح، مضبوط اور درست ہوتا ہے۔ جیسا کہ یقین کے تین درجے ہیں۔ اول علم الیقین، دوم عین الیقین، سوم حق الیقین جس سے شناخت دید اور دریافت مراد ہے۔ جس طرح ہر معاملے اور واقعہ کی نسبت کسی شخص کی گواہی اور شہادت تب صحیح ہوتی ہے۔ جب کہ وہ معاملے اور واقعہ کو دیکھے ہوئے ہوتا ہے۔ ورنہ بغیر دیکھے گواہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے رسول کی رسالت کی شہادت میں وہی صاحب عین الیقین والے سالک اور روشن ضمیر عارف لوگ ہی سچے ہوسکتے ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے غیبی واقعات اور باطنی معاملات کو جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھا ہے یعنی ان کا کلمہ

اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ صحیح اور درست ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یقین اور ایمان کو مضبوط کرنے کے لئے انہیں ملکوت السموات والارض دکھائے۔ جیسا کہ فرمایا

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض ولیکون من المو قنین (

ترجمہ) اور جب کہ سوال کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا کہ اے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم کیا تو نہیں مانتا کہ میں مردے زندہ کرلیتا ہوں۔ تب ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ بے شک میں مانتا تو ہوں لیکن میں دیکھنا چاہتا ہوں تا کہ میرا اطمینان قلب ہو جائے تب اللہ تعالیٰ نے مردے زندہ کرنے کا معاملہ ابراہیمؑ کو دکھا دیا۔ اور اگر بغیر دیکھے ایمان لانے کی کوئی وقعت اور حقیقت ہوتی تو اللہ تعالیٰ کیوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السموت والارض دکھا کر ان کا یقین بڑھاتے۔ اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کیوں مردہ جلا کر دیکھنے کی استدعا کرتے۔ سو یقین اور ایمان دیکھنے پر موقوف ہے۔ اور بغیر دیکھے کلمہ شہادت پڑھنے والوں کا کلمہ رسمی رواجی ہے اور ہرگز درست نہیں ہے۔ اور یہ کلمہ تو منافقین کا کلمہ ہے۔ جیسا کہ ہم پچھلی آیتوں میں بیان کر آئے ہیں۔ قولہ تعالیٰ اذا جاک المنفقون قالو نشھد انک الرسول اللہ سو ایمان کا سارا معاملہ غیب میں ہے جیسا کہ ایمان کی شرائط میں مذکور ہے۔

امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر واقدر خیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ والبعث بعد الموت

یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات واسماء اور اس کے ملائکہ اور کتب اور اس کے رسول اور یوم آخرت اور سزا و جزا وغیرہ سب غیب کی مخفی چیزیں ہیں۔ اور جب

تک مومن ان غیبی مخفی چیزوں کو دیکھ نہ پائے اس کا یومنون بالغیب ہونا اور کلمہ شہادت، ایمان صحیح اور درست ہرگز نہیں ہوتا۔ جو منافق کورچشم ازل سے اس غیبی حقیقی دنیا سے اندھا ہے۔اس کا رسمی رواجی تقلیدی ایمان خدا کے نزدیک پرکاہ کے برابر بھی قدر اور قیمت نہیں رکھتا۔ بلکہ الٹا منافقین کی طرح ان کا زبانی کلمہ ان پر وبال جان اور زوال ایمان کا موجب اور باعث بن جاتا ہے۔قولہ تعالیٰ ومن کان فی هذه اعمی فهو فی الاخرة اعمی واضل سبیلا (ترجمہ) جو شخص اس دنیا میں اس غیبی دنیا سے اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور گمراہی میں پڑا ہو گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم میں ایک اور جگہ جو یہ ذکر آیا ہے کہ آپؑ نے ستارے، چاند اور سورج کو یکے بعد دیگرے دیکھ کر کہہ دیا۔ کہ یہ میرا رب ہے۔ ان آیات کی حقیقی تفصیل اور اصلی تفسیر نہایت ضروری ہے۔قولہ تعالیٰ فلما جن علیه الیل راکوکبا قال هذا ربی فلما افل قال لا احب الا فلین یعنی جس وقت ابراہیم علیہ السلام پر رات چھا گئی۔اور آپؑ نے ایک ستارے کو دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ میرا رب ہے۔لیکن جب وہ ستارا غروب ہوگیا۔تو آپؑ نے فرمایا کہ میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پھر آپؑ نے جب چاند کو چمکتے دیکھا تو آپؑ نے کہا کہ یہ میرا رب ہے۔لیکن اس کے غروب ہونے پر آپؑ اس سے بھی بیزار ہو گئے۔ پھر آپؑ نے سورج کو دیکھا تو اسے اپنا رب اور معبود سمجھا۔ لیکن اس کو غروب ہوتے دیکھ کر اس سے بھی بیزاری کا اظہار کر دیا۔ بعدہ، رب کا حقیقی نور دیکھ کر کہہ دیا

انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین

یعنی میں اپنے رب حقیقی کی طرف متوجہ ہو گیا ہوں۔اب میں غیر معبودوں میں

چھٹنے کا نہیں ہوں اور اب میں حقیقی موحد ہوں۔

سو تمام کائنات عالم آفاق اور عالم انفس کے دو عالموں پر مشتمل ہے جس طرح عالم آفاق میں مادی ستارے، چاند اور سورج ہیں۔ اسی طرح عالم انفس میں بھی لطیف ستارے چاند اور سورج ہیں۔ جب سالک اللہ تعالیٰ کی طرف باطن میں منازل سلوک طے کرتا ہے۔ تو سالک کو مختلف باطنی مقامات، منازل اور حالات سے گذرنا پڑتا ہے اور اس پر مختلف تجلیات ہوتے ہیں۔ چنانچہ تجلی نفس مقام ناسوت میں انوار افعال سے کوکب اور ستارے کی صورت میں سالک پر نمودار ہوتی ہے۔ بعض سالکوں پر جب پہلے اس قسم کی تجلی کا ظہور ہوتا ہے تو وہ اسے غلطی سے اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد جب سالک اس مقام سے ترقی کر کے آگے گذر جاتا ہے۔ تو وہ تجلی غائب اور معدوم ہو جاتی ہے۔ اس وقت سالک سمجھ لیتا ہے کہ یہ غائب اور معدوم ہونے والی تجلی عارضی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی اس سے آگے ہے۔ جو لازوال اور دائمی ہے۔ اس کے بعد سالک پر تجلی قلب مقام ملکوت میں انوار اسماء سے چاند کی صورت میں وارد ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ تجلی ذرا پہلی تجلی سے بڑی اور روشن تر ہوتی ہے۔ اس لئے سالک اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلی تصور کرنے لگ جاتا ہے۔ لیکن بعد چندے یہ تجلی بھی زائل ہو جاتی ہے اور سالک سمجھ جاتا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالےٰ کی اصلی تجلی نہیں ہے۔ جب سالک اس سے آگے ترقی کر کے گذر جاتا ہے تو تجلی روح مقام جبروت میں انوار صفات میں سورج کی صورت میں سالک پر ظاہر ہوتی ہے تو سالک خیال کرتا ہے کہ یہ براق اور روشن نور اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور ہوگا۔ لیکن طے مقامات میں جب سالک اس نور کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور وہ نور زائل اور غائب ہو جاتا ہے تو اسے بھی لا احب الافلین کہہ کر ترک کر دیتا ہے۔ اس کے بعد سالک کے اوپر مکان لا ہوت میں اللہ تعالیٰ کی اصلی ذاتی انوار کی تجلی بے کیف اور بے جہت، بے چون اور

بے چگون طور پر نمودار ہوتی ہے جو کسی صورت میں معدوم اور زائل نہیں ہوتی۔ اس وقت سالک معلوم کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالی کی حقیقی اصلی اور ذاتی تجلی ہے۔ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اصلی توحید کے مرتبے پر فائز اور اللہ تعالی کے قرب حقیقی سے ہم کنار ہو کر بول اٹھتا ہے۔

انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین

یعنی میں اللہ تعالی کے ذاتی نور کی طرف متوجہ ہو گیا ہوں۔ اور تمام ماسوائے انور افعال، اسماء اور صفات کے شرک سے چھٹکارا پا کر حقیقی طور پر عارف کامل ہو گیا ہوں۔

مردہ دل نفسانی اور ظاہری زبانی عالموں نے مذکورہ بالا آیت کی جو یوں تفسیر کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان مادی اور آفاقی ستارے چاند اور سورج کو پہلی بار دیکھ کر کہہ دیا تھا کہ یہ میرا معبود اور رب ہے۔ حالاں کہ ایک اولوالعزم پیغمبر کی یہ شان نہیں ہو سکتی کہ وہ اجرام فلکی جنہیں وہ روزمرہ دیکھتا ہے اپنا معبود بنا لیوے۔ انہیں پہلی بار دیکھنے کے لئے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ گھڑ لیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی والدہ نے نمرود کے خوف سے کسی پہاڑ کی غار میں چھپا رکھا تھا۔ اور اس کی وہاں خفیہ طور پر پرورش کیا کرتی تھی۔ حالاں کہ اس نے اپنے باپ اور چچا آذر اور تارخ کے گھر پر پرورش پائی تھی۔ اور یہاں وہ جوان ہوئے تھے۔ اور یہ صورت کبھی ممکن نہیں ہو سکتی۔ کہ انہوں نے آسمان پر ایک ہی ستارہ دیکھا ہو۔ ستارے ہمیشہ بہت دمکتے نظر آتے ہیں۔ دیگر ستارہ چاند اور سورج اگر ان کے دیکھتے ہی غروب ہو گئے تھے تو ان کا صرف ایک دفعہ غروب ہو جانا ہی اس بات کی دلیل کیوں کر ہو گئی کہ وہ پرستش کے قابل نہیں ہیں۔ حالانکہ وہ پھر اپنے وقت پر ظاہر اور نمودار ہو جایا کرتے ہیں۔ اور ان مادی اجرام کے غروب ہو

جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں فوراً اپنا جلوہ کیوں کر دکھا دیا۔ اور اس سے پہلے انہیں کیوں غیر معبودوں میں پھنسائے رکھا۔ حالانکہ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے ہدایت فرمائی ہوتی ہے۔ اور وہ ان آفاقی غیر معبودوں کی طرف ہرگز متوجہ نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کنت نبیا و کان الادم بین الماء والطین کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی کا گارا اور خمیر تھا۔ اور ہر پیغمبر کا دل بچپن سے ہی نور عرفان سے پر اور منور ہوتا ہے۔ اس قسم کی دوراز عقل تاویلیں محض اللہ تعالیٰ کی اصلی حقیقی باطنی غیبی لطیف دنیا سے اندھے پن اور بے خبری کی پیداوار ہیں۔ اور یہ ظاہر بین کور چشم عالم ان تمام اعتراضات اور شکوک وشبہات کے ذمہ دار ہیں۔ جو غیر مذہب والوں نے قرآن کریم پر کیے ہیں۔ مثلاً ان آفاقی چاند اور سورج وغیرہ کی نسبت ظاہر بین علماء کے اس مسئلے پر آج ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ پڑ رہی ہے کہ چاند پہلے آسمان پر ہے اور سورج چوتھے آسمان پر ہے۔ حالاں کہ روس اور امریکہ کے مصنوعی راکٹ سیارے چاند سے گذر کر سورج کی فضا میں جا پہنچے ہیں۔ اور ان کے یہ مصنوعی راکٹ تینوں آسمانوں سے پار ہو گئے ہیں۔ جب ان ظاہر بین علماء کو یہ بات کہی جاتی ہے تو ان سے سوائے اس کے اور کوئی بات بن نہیں آتی۔ کہ یہ بات بالکل جھوٹ اور غلط ہے۔ اور چاند اور سورج تک کوئی مصنوعی سیارہ یا راکٹ نہیں گیا۔ غرض قرآن کریم میں جن ستاروں، چاند اور سورج کا ذکر آتا ہے وہ انفس کے باطنی غیبی لطیف دنیا کے کوکب، چاند اور سورج ہیں۔ اور وہ باطنی حقیقی دنیا میں اپنی صحیح شان سے اپنے اپنے فلک اور آسمانوں پر جلوہ گر ہیں۔ اور ان میں اللہ تعالےٰ کے عالم امر کی لطیف غیبی مخلوق، ملائکہ اور ارواح رہتے ہیں۔ اور وہاں تمام کائنات کے باطنی امور طے پاتے ہیں۔ اگر امریکہ اور روس کے مصنوعی سیارے اور راکٹ فی سیکنڈ پدموں اور سنکھوں میل بلکہ لاتعداد میل کی رفتار سے

فضائے آسمانی کی طرف ابد تک اڑتے رہیں۔ وہ پھر پھرا کر اپنی اسی جگہ گھوم کر آ جائیں گے جہاں سے روانہ ہوئے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے عالم انفس، عالم غیب اور عالم لطیف کے پہلے آسمان کو بھی نہیں چھوسکیں گے۔ چہ جائے کہ وہ اس کے پار چلے جائیں۔ بلکہ ان تک پہنچنا یا ان کے پار ہونا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور سلطان سے ممکن ہوسکتا ہے اور یہ توفیق اللہ تعالےٰ کی طرف سے اللہ تعالےٰ کے برگزیدہ باطنی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذو من اقطار السموت والارض فانفذو الا تنفذون الا بسلطن

(ترجمہ) اے گروہ عالم جن اور انس اگر تمہیں طاقت حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حدود آسمان اور زمین سے نکل جاؤ لیکن تم نہ نکل سکو گے مگر اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی باطنی ہمت اور توفیق سے۔

غرض ان غیبی لطیف لامحدود وسیع اور عریض آسمانوں کی طرف اللہ تعالیٰ کی لطیف غیبی مخلوق ملائکہ اور ارواح ہی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی باطنی روحانی توفیق سے پرواز کرتے اور چڑھتے ہیں۔ اور بعض جن بھی بسبب لطافت ان غیبی آسمانوں کی طرف غیبی امور معلوم کرنے کے لئے چڑھ جاتے ہیں۔ لیکن انہیں فرشتے شہاب ثاقب کی مثل نوری پتھروں سے مار بھگاتے ہیں۔ بھلا اس مادی چاند، سورج اور ستاروں کی فضا میں جو شہاب ثاقب ادھر ادھر چھوٹتے نظر آتے ہیں۔ یہ وہ باطنی شہاب ثاقب نہیں جنہیں فرشتے شیاطین کو مارتے ہیں۔ البتہ یہ ان مادی سائنس دان شیاطین کے لئے رجوم ہوسکتے ہیں۔ جو اپنے مادی راکٹ اور مصنوعی سیارے دنیا کی مادی فضا میں اڑاتے ہیں۔ اور انہیں شہاب ثاقب (Shoting Stars) کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہتا ہے۔ ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے معراج کی نسبت بھی ظاہر بین علماء اور عارفین کاملین اولیاء کے درمیان

اختلاف رائے کی وجہ بھی عالم انفس اور عالم غیب کی حقیقت سے بے خبری ہے۔اس واسطے بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت صلعم کا معراج محض ایک خواب تھا۔بعض نے کہا ہے کہ وہ معراج روحانی تھا۔بعض کہتے ہیں کہ وہ معراج جسمانی تھا۔غرض اس قسم کے تمام اشکال کی وجہ حقیقت حال سے بے خبری ہے۔جن لوگوں نے باطنی طیر سیر نہیں کی وہ زبانی تاویلات یا کتابی روایات یا عقلی توجیہات کے ذریعے کبھی معراج کی حقیقت کو پا نہیں سکتے۔مشتے نمونہ از خروارے درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔صرف صاحب الہام ولی ہی نبی کی وحی کی صحیح حقیقت اور کیفیت معلوم کر سکتے ہیں۔اور صاحب کرامت اولیاء ہی انبیاء کے معجزات کا صحیح پتہ لگا سکتے ہیں۔ورنہ دل کے اندھے نفسانی علماء ان مسائل میں ہمیشہ لغزشیں اور ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں۔اور ان کے لڑائی جھگڑے اور بحث مباحثے کبھی ختم نہیں ہوتے اور ہاتھی اور اندھوں والی مثال ان پر صادق آتی ہے۔بیت

جنگ ھفتا دو دو ملت ھمه را عذر بنه

چون ندید ند حقیقت رہ افسانه زدند

ان دل کے اندھے نفسانی لوگوں کو جب یہ باطنی مراتب حاصل نہیں ہوتے تو ان کے انکار سے اپنی تسلی کرتے ہیں۔اور انبیاء اور اولیاء کو (معاذ اللہ) جھوٹا اور فریبی یا فریب خوردہ خیال کرتے ہیں اور اپنے ظاہری زبانی علم کے پندار میں خیال کرتے ہیں کہ ہم عالم وارث انبیاء ہیں۔اگر یہ باطنی مراتب اور روحانی کمالات ہوتے تو ہمیں ضرور حاصل ہوتے۔

علم دو قسم کا ہے۔ایک علم ظاہری زبانی کتابی، دوم علم باطنی ربانی اور وہبی پہلا علم ظاہر علماء سے بطور درس تدریس کتابوں کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔لیکن علم باطنی بلا واسطہ وہبی اور فضلی طور پر اللہ تعالیٰ سے براہ راست حاصل ہوتا ہے جس کا تھوڑا سا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں خضر علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے

فوجد عبدا من عبادنا اتینه رحمة من عندنا و علمنه من لدنا علما

(ترجمہ) پس موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے ایک خاص بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی خاص رحمت سے نوازا تھا۔ اور اسے اپنی طرف سے باطنی علم عطا کیا تھا۔

ان ہر دو ظاہری اور باطنی کتابی اور وہبی علوم کا ذکر ان آیات میں آیا ہے قولہ تعالیٰ

ھو الذی بعث فی الامین رسولا منھم یتلو علیھم ایته ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمة وان کانو من قبل لفی ضلل مبین واخرین منھم لما یلحقو بھم وھو العزیز الحکیم ذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم مثقل الذین حملو التورھة ثم لم یحملو ھا کمثل الحماد یحمل اسفارا بئس مثل القوم الذین کذبو بایت الله والله لا یھدی القوم الظلمین

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جس نے ان پڑھ لوگوں میں سے اپنا رسول مبعوث فرمایا کہ جو انہیں میری آیات بیان فرماتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اور انہیں میری کتاب قرآن کی تعلیم دیتا ہے اور اس کتاب کے اسرار اور حکمتیں سکھاتا ہے۔ درآں حالیکہ وہ پہلے تھے گمراہی میں اور سب سے پس ماندہ۔ جبکہ وہ آ ملے تھے ان سے اور اللہ بڑے غلبے اور حکمت والا ہے۔ یہ نعمت (باطنی علم) محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ ظاہری کسبی کتابی علم کا بھی ذکر فرماتے ہیں گو نام یہود کا لیا ہے مثال ظاہری بے عمل علماء کی ان علماء یہود کی ہے کہ جنہیں توریت کا ظاہری علم دیا گیا ہے لیکن انہوں نے اسے عملی طور پر دل سے نہ اٹھایا۔ ان کی مثال گدھے کی ہے کہ جس پر کتابیں لدی گئی ہوں۔ یہ بُری مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلایا۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں اور دل کے اندھوں کو ہدایت نہیں

کرتا۔

انبیاء اور اولیاء پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں طور پر باطن میں واردات غیبی اور فتوحات لاریبی کا نزول ہوتا ہے۔ صرف ان میں مراتب اور درجات کا فرق ہوتا ہے۔ ولی کے دل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو باطنی القاء ہوتا ہے اسے الہام کہا جاتا ہے اور نبی کے دل پر باطنی القاء کو وحی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ولی کی خوارق کو کرامت کہتے ہیں لیکن نبی کے خوارق کو معجزات کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی طرح نبی کے اللہ تعالیٰ کی طرف اور اس کے آسمانوں، عرش و کرسی کی طرف باطنی پرواز کو معراج کہا جاتا ہے۔ لیکن ولی کے باطنی صعود اور عروج کو باطنی طیر سیر کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ غرض نبی اور ولی کے باطنی حالات اور روحانی مشاہدات میں ہر طرح کی پوری مماثلت اور تمام مشابہت پائی جاتی ہے۔

نبی اور ولی کے وجود میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور کرم سے باطنی لطائف زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں زندہ اور تابندہ کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

اللہ ولی الذین امنو یخرجھم من الظلمت الی النور

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو اس پر سچے دل سے ایمان لے آئے ہیں انہیں مادے کی کثیف ظلمت سے نکال کر عالم غیب کی لطیف نوری دنیا میں داخل کر دیتا ہے۔ قولہ تعالیٰ

او من کان میتا ناحیینہ و جعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فے الظلمت لیس بخارج منھا

(ترجمہ) آیا وہ شخص جو تھا مردہ پھر ہم نے اسے اپنے نور سے زندہ کر دیا۔ اور اسے ایسا نور عطا کیا کہ جس کے ذریعے وہ لوگوں کے نفوس کے اندر چلتا پھرتا ہے۔ ایسے شخص کی مثل ہو سکتا ہے جو مادے کے اندھیرے میں گرفتار ہے اور اس سے کبھی نکلنے والا نہیں ہے۔ سو جس سعادت مند شخص کو اللہ تعالیٰ خلق خدا کی طرف رہنمائی اور

ہدایت کے لئے منتخب فرماتا ہے۔ تو اس کے باطنی لطائف کو اپنے نور سے زندہ فرما دیت ہے اور ان لطائف سے وہ عالم انفس و عالم غیب میں طیر سیر کرتا ہے اور اسے کئی باطنی نوری وجود عطا کر دیتا ہے جس کے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہوتے ہیں۔ غرض تمام باطنی کمالات اور روحانی کشف و کرامات اور عجیب و غریب خوارق ان غیبی لطیف نوری اجسام کے کرشمے ہوتے ہیں۔ ان باطنی نوری اجسام کی تائید میں ہم یہاں صحیح بخاری کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے آنحضرت صلعم نے

یتقرب العبد الی بالنوافل حتی اکون عینیہ یبصربی و اذنیہ یسمع بی ولسانہ الذی ینطق بی وایدیہ یبطش بی و رجلیہ یمشی بی

(ترجمہ) آں حضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ کثرت نوافل یعنی زائد عبادت کی وجہ سے میری طرف قریب ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے دیکھتا ہے اور میں اس کے کان بن جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے سنتا ہے۔ اور اس کی زبان بن جاتا ہوں۔ میرے ساتھ بولتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے چلتا اور پکڑتا ہے۔

غرض اس قسم کی قرآنی آیات اور احادیث بکثرت ہیں۔ جن سے ایک منصف مزاج، حق جو اور حقیقت شناس انسان کو صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت سے بعض سعادت مند اصحاب کے وجود میں ایسی پاک نوری لطیف شخصیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ باطن کی لطیف غیبی دنیا میں طیر سیر کرتا ہے۔ انسان کے اس کثیف عنصری جسے کے اندر نفس کا ایک لطیف جسہ اس طرح زندہ اور بیدار ہو جاتا ہے۔ جس طرح انڈے کے اندر بچہ اور اس نفس کے جسے کے اندر دل اور قلب کا لطیف جسہ زندہ اور نمودار ہو جاتا ہے۔ اور دل کے لطیف جسے کے اندر روح کا لطیف الطف جسہ پیدا اور ہویدا ہو جاتا ہے۔ اور ہر لطیف جسہ اپنے کثیف

جسے کے اندر اس طرح جاری اور ساری اور مخفی ہوتا ہے جس طرح دودھ کے اندر مکھن اور مکھن کے اندر گھی ہوتا ہے۔ اس طرح کے باطنی سات لطیف جسے ایک دوسرے کے اندر پیدا اور ہویدا ہو جاتے ہیں۔ اور سالک عارف کامل ہر جسے کے ساتھ اس کے مطابق سات لطیف عالموں میں یا سات لطیف غیبی آسمانوں میں طیر سیر کرتا ہے۔ وہ سات لطائف یہ ہیں لطیفہ نفس، لطیفہ قلب، لطیفہ روح، لطیفہ سر، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفی، اور لطیفہ انا، ہر لطیفہ کا اس کے مطابق الگ لطیف الم ہے۔ اور اس کی اپنی نوعیت کی خاص سیر ہے اور خاص حال، مقام، رنگ اور اس کا مخصوص ذکر ہے۔ ان سات لطائف کے مطابق قرآن کریم کے بھی سات بطون ہیں۔ جیسا کہ آیا ہے ان للقران ظھرو بطن ولکل بطن بطن الی سبع بطون (ترجمہ) یعنی قرآن مجید کا ایک ظاہر اور باطن ہے۔ اور ہر باطن کا ایک الگ باطن ہے سات بطون تک۔ ان سات لطائف کا ایک جامع چارٹ یعنی نقشہ ہم نے عرفان حصہ اول کے صفحہ 222 پر دیا ہے۔ وہاں ان کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

عارف کامل جب ان باطنی لطائف کی لطیف زبان سے ذکر اللہ کرتا ہے یا قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو اس لطیف زبان کا ذکر اور دعوت قرآن اس لطیف غیبی دنیا کے دروازہ کھولنے کی کلید اور کنجی بن جاتا ہے اور عارف کامل اس لطیف عالم اور غیبی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے اور وہاں کی طیر سیر کرتا ہے قولہ تعالی

وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الا هو ويعلم ما فى البر و البحر وما تسقط من ورقة الا يعلمها و لا حبة فى ظلمت الارض والا رطب ولا يابس الا فى كتب مبين

(ترجمہ) اور اللہ کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں نہیں جانتا ان کنجیوں کو مگر وہ الخ سو یاد رہے کہ یہ غیب کی کنجیاں اللہ تعالی نے اس لئے اپنے پاس نہیں رکھی ہیں کہ وہ خود ان سے غیب کے دروازے کھولتا ہے اور ان کے بغیر وہ غیب کے دروازے نہیں

کھول سکتا۔ بلکہ عالم غیب اور شہادت ہر وقت اس پر عیاں ہیں قولہ تعالیٰ

لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السموت ولا فی الارض والا اصغر من ذلک والا اکبر الا فی کتب مبین قولہ تعالیٰ لا یخفی علیہ شئی فی الارض ولا فی السماء

بلکہ یہ کنجیاں اس نے اپنے خاص برگزیدہ بندوں کے لئے رکھی ہیں۔ اور جنہیں وہ یہ کنجیاں عطا کرتا ہے۔ وہ ان کنجیوں سے عالم غیب کے مختلف دروازے کھول لیتا ہے اور عالم غیب کا نظارہ اور اس کی سیر کر لیتا ہے۔

جیسا کہ معراج کی رات حضرت رسول اکرم ﷺ پر جبرئیلؑ کی معیت میں عالم غیب کے مختلف دروازے کھلتے رہے۔ اور آپؐ نے سات آسمانوں اور عرش و کرسی، لوح و قلم، جنت و دوزخ وغیرہ کی سیر کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے غیبی مملکت کے تمام خزانے آپ کو دکھائے گئے۔ اب ناظرین کے ازدیاد یقین اور اطمینان قلب کے لئے یہ فقیر اسی قسم کا اپنا ایک ابتدائی مشاہدہ اور تجربہ بیان کرتا ہے۔ جس کے مطالعہ سے انشاء اللہ عالم غیب کی کنجیوں کی نوعیت اور کیفیت ناظرین پر کھل جائے گی۔

ایک دفعہ جب اس فقیر نے سورۂ مزمل کی دعوت پڑھنی شروع کی تو ہر رات حسب معمول سورۂ مزمل مخصوص تعداد میں مزار حضرت سلطان العارفینؒ پر پڑھتا رہا۔ ایک دن اس فقیر نے ترک دنیا اور ایثار نفس کا ایک خاص عملی مظاہرہ کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے حضرت سلطان العارفینؒ کی روح پر فتوح خوش ہوئی۔ اس رات حسب معمول مزار کے پاس کھڑے ہو کر اس فقیر نے سورۃ مزمل کی دعوت پڑھی اور اپنی جگہ پر واپس آ کر سو گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ میرے جسم عنصری سے ایک لطیف جسم باہر نکل آیا۔ باہر نکلتے ہی اس نے اپنی لطیف زبان سے ایک دفعہ درود شریف اور پھر سورہ فاتحہ اور پھر درود شریف ادا کیا۔ اس طرح سورہ فاتحہ پڑھتے ہی مجھ پر عالم غیب کا دروازہ کھل گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ میرا لطیف جسم بقائمی تمام ہوش و

حواس غیب کی دنیا میں داخل ہوگیا۔ اس وت میں نے دیکھا کہ میرے نیچے کوئی سواری ہے۔ اس سواری نے مجھے کہا کہ کہاں جانے کا ارادہ ہے۔ میں نے اسے کہا کہ حضرت سلطان العارفینؒ کو ملنے کا اشتیاق ہے۔ اس پر وہ سواری مجھے اوپر کی طرف اڑا کر لے گئی اور میں مختلف مقامات سے گذر کر ایک بالا خانے پر پہنچا۔ جس کے تین سبز رنگ کے دریچے تھے۔ ان میں سے درمیان والے دریچے کے سامنے مجھے لا کھڑا کر دیا گیا۔ اور خود وہ سواری اس دریچے کے اندر داخل ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں وہ دریچہ کھل گیا۔ اور اس میں سے ایک چاند جیسے نہایت نورانی چہرے والے بزرگ نمودار ہوئے۔ آپؒ مجھے دیکھ کر مسکرائے۔ ان کی مسکراہٹ سے وہ تمام مکان روشن ہوگیا۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ آپؒ نے سلام کا جواب دیا اور اس فقیر کو واپسی کی اجازت فرمائی۔ اس کے بعد وہ باطنی سواری اس فقیر کو وہاں سے اڑا کر لے آئی۔ میں جب وہاں سے اپنے جسم عنصری کے قریب پہنچا۔ تو اسے بدستور بے حس و حرکت محو خواب پایا۔ اس کے بعد میرا باطنی لطیف جسہ اس کے اندر داخل ہوا۔ اور اسے لباس کی طرح پہن لیا۔ عالم غیب کے اس باطنی طیر سیر کے وقت میرے تمام ہوش و حواس بالکل بجا تھے۔ اور میں پوری بیداری کے عالم میں تھا۔ خواب و خیال کا اس میں مطلق شائبہ تک نہ تھا۔ اس طرح مجھے دعوت سورۃ مزمل کی ظاہری اور سورۃ فاتحہ کی باطنی غیبی مفتاح اور کلید گویا حاصل ہوگئی۔

اس نے بعد جب کبھی یہ فقیر کسی روحانی اہل قبور کی قبر پر رات کو جا کر سورۃ مزمل کی دعوت پڑھ کر مراقبہ کرتا یا سو جاتا تو میرا باطنی لطیف جسہ سابق طور پر باطنی زبان سے ایک دفعہ درود شریف بعد سورۃ فاتحہ اور پھر درود شریف پڑھ کر جسہ عنصری سے باہر آجاتا ہے۔ اور بحر عالم غیب میں ڈوب جاتا۔ اور اہل قبر روحانی سے ملاقی، ہم سخن اور ہم کلام ہو جاتا۔ اور اس روحانی سے اپنی مطلب براری میں مدد حاصل کرتا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اپنے باطنی مربی اور روحانی پیشوا حضرت سلطان

العارجینؒ کی جناب سے سورۂ مزمل اور سورۂ فاتحہ کی اس کلید اور مفتاح غیب کے
حصول کے بعد کئی دفعہ مزاروں پر سورۃ مزمل اور فاتحہ یہ فقیر پڑھتا رہا ہے۔اور مختلف
روحانیوں سے اسی طرح عالم برزخ میں ملاقات ہوتی رہی ہے اور غیب کے
دروازے کھلتے رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ شاہد حال ہے کہ جو کچھ اس فقیر نے مفتاح عالم
غیب کی مثال کے طور پر واقعہ ایمان کیا ہے۔اس میں ذرہ بھر جھوٹ، افتراء اور
مبالغے کا دخل نہیں ہے۔اور یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔اور وہم گمان اور خواب و
خیال کی دنیا سے یہ معاملہ بالکل بالا ہے۔اس طرح رسمی رواجی اور ظاہری زبانی طور
پر اگر کوئی شخص تمام عمر کسی روحانی کی قبر پر دعوت قرآن اور فاتحہ پڑھے وہ ہر گز
روحانی کو حاضر نہیں کر سکتا اور نہ ملاقات کر سکتا ہے اور نہ بغیر عطائے کلید دعوت کسی پر
عالم غیب کے دروازے کھل سکتے ہیں۔تمام قرآنی سورتیں اور آیات اور اسمائے حسنیٰ
اور اسم اللہ ذات اور کلمہ طیبہ اور دیگر کلمات طیبات عالم غیب کے لئے مفاتیح اور
کلیدات کا حکم رکھتے ہیں۔لیکن ان کلیدات کے لئے خاص پاک لطیف جسم اور پاک
لطیف زبان کی ضرورت ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے پاک برگزیدہ بندوں یعنی اللہ کے
باطنی خزانچیوں کے قبضے میں یہ عالم غیب کی کنجیاں ہوتی ہیں۔جسے چاہتے ہیں اللہ
تعالیٰ کے امر سے عطا کرتے ہیں۔اور ہر بوالہوس نفسانی آدمی کو یہ نعمت حاصل نہیں
ہوتی۔اور جو اس نعمت عظمےٰ کے اہل ہوتے ہیں۔ان کے لئے بارگاہ رب العزت
سے ان کلیدات کا امر اور لائسنس جاری ہو جاتا ہے۔قولہ تعالیٰ

ولو ان قرانا سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض او کلم بہ
الموتی بل للہ الا مر جمیعا

(ترجمہ) اور اگر قرآن شریف عوام کے لئے ایسا ہوتا کہ اس سے پہاڑ ٹل
جاتے یا زمین کی مسافت طے ہو جاتی یا اس سے مردے اہل قبور ہم کلام ہو جاتے
بلکہ قرآن کریم کی اس خاصیت کی کلید اور امر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔اور وہ خاص

اہل لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ سو عالم لطیف اور عالم غیب کے مختلف دروازے ہیں اور ان کی مختلف کلیدات اور کنجیاں ہیں۔ اور ہر عالم غیب سے بالا اور اس کے اوپر اعلیٰ اور اعلیٰ ایک اور زیادہ لطیف الطف عالم ہے۔ اور اس کے دخول اور طیر سیر کے لئے اس کے مطابق لطیف پاک جسم اور لطیف زبان کی ضرورت ہے۔ اور جب کوئی سالک عارف کامل عالم غیب میں ان باطنی دروازوں میں داخل ہونا چاہتا ہے تو ایک پاک لطیف جسم اور لطیف زبان سے قرآن کریم اور اللہ تعالیٰ کی دعوت پڑھتا ہے تو اللہ تعالےٰ کے امر سے اس پر عالم غیب کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور وہ اس عالم غیب میں داخل ہو کر اس کی سیر اور نظارہ کرتا ہے۔

آج کل امریکہ اور روس جو مصنوعی سیارے اور راکٹ اس مادی دنیا کے عالم آفاق کی فضا میں اڑا رہے ہیں۔ ان کی یہ آفاقی اور مادی تگ و دو اور ظاہری جسمانی پرواز عالم انفس اور عالم غیب میں انبیاء اللہ کے باطنی معراج اور اولیاء اللہ کے روحانی طیر سیر کی ایک بہت ادنیٰ اور معمولی نقل ہے ان ہر دو آفاق اور انفس کی فضا میں پرواز کے لئے چند چیزیں لازمی اور ضروری ہوتی ہیں۔

اول عالم بالا میں پرواز کے لئے ایسی صورت پیدا کی جائے کہ مصنوعی سیارہ یا راکٹ کسی طرح زمین کی کشش سے باہر نکالا جائے۔

دوم اس میں بڑی بھاری الیکٹرک یا ایٹمی پاور اور طاقت بھری ہو جو اسے اوپر لے جائے۔

سوم اسے اجرام فلکی میں سے کسی ستارے یا چاند اور سورج کی کشش لاحق ہو جو اسے خود اپنی طرف کھینچ کر لے جائے۔

چہارم، اس پر مختلف وزنی اور ہلکے خول چڑھے ہوئے ہوں کہ جب اسے زیادہ لطیف فضاء میں پرواز کرنے کی ضرورت پڑے تو وہاں اس سے وزنی خول اتر جائے اور اس سے آگے زیادہ ہلکی جسامت سے پرواز کے قابل ہو۔ چونکہ ظاہری

اور مادی پرواز نقل ہے۔ اور باطنی اور روحانی پرواز اصل ہے۔ لہذا ہر دو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ باطنی پرواز کے عارف سالک کے جسم کے اندر سات قسم کے لطیف الطف جسے ایک دوسرے کے اوپر خول کی طرح چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ روحانی اہل اللہ کے باطنی راکٹ کے اندر اللہ تعالیٰ کے اسم کے نور کی الیکٹرک پاور بھری ہوتی ہے جو اسے پوری سرعت اور تیزی سے اوپر اٹھائے لے جاتی ہے۔ اہل اللہ کے کثیف مادی جسم کو زمین کی کشش ثقل لاحق ہوتی ہے۔ لیکن اس کے لطیف باطنی جسوں کو کشش ثقل لاحق نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ عالم بالا کی طرف اس طرح جاتا ہے جیسا کہ بلندی سے زمین کی طرف کوئی بھاری پتھر وغیرہ گرتا ہے۔ جب سالک عارف عالم بالا کی طرف اللہ تعالیٰ کی نوری پاور سے پرواز کرتا ہے تو وہ اپنے کثیف مادی اور عنصری جسم کو یہاں چھوڑ دیتا ہے اور یہ کثیف وزنی خول اس سے اتر جاتا ہے۔ اور نفس کے لطیف جسم سے عالم ناسوت کی فضا کو طے کرتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ عالم ملکوت کی زیادہ لطیف دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ تو اس وقت وہ نفس کے کثیف خول کو اتار کر قلب کے لطیف تر جسے کے ساتھ عالم ملکوت کی فضا میں پرواز کرتا ہے۔ اس سے آگے جب سالک عالم جبروت کی زیادہ لطیف غیبی فضا میں پرواز شروع کرتا ہے تو اس وقت وہ قلب کے خول کو اتار کر روح کے لطیف تر مرکب اور سواری کو پکڑ لیتا ہے اور عالم جبروت کے روحانی مقام میں پرواز کرتا ہے۔

علی ہذا القیاس لطیفہ سر، لطیفہ خفی، لطیفہ اخفی اور لطیفہ انا کو قیاس کر لینا چاہیے۔ باطنی پرواز کے مذکورہ بالا مضمون کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے سے ناظرین پر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے معراج کی فلاسفی اور حقیقت کسی قدر واضح اور ظاہر ہو جائے گی۔ اور علماء ظاہر اور اولیائے باطن کے درمیان معراج کے روحانی اور جسمانی اختلافات اور جملہ شکوک اور شبہات انشاء اللہ رفع ہو جائیں گے۔

آں حضرت ﷺ کا معراج عالم انفس اور عالم غیب کی طرف باطنی پرواز کا اعلیٰ

ترین اور افضل ترین نمونہ تھا۔ آپ کی باطنی روحانی سواری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ باطنی برق اور اللہ تعالیٰ کے نوری الیکٹرسٹی (Electricity) قسم کی چیز تھی جیسا کہ لفظ براق سے ظاہر ہوتا ہے جس نے آپ کا مرکب بن کر آپ کو عالم بالا کی طرف اڑایا۔

معراج کی رات آپ کے نفس کے لطیفے نے آپ کے جسم عنصری کے کثیف خول کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے اندر یا جس مقام پر با ختلاف روایات اس رات آپ موجود تھے کو اتار لیا تھا۔ اور آپ کا مرکب بن کر آپ کو عالم بالا کی طرف اڑایا۔

معراج کی رات آپ کے نفس کے لطیفے نے آپ کے جسم عنصری کے کثیف خول کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرے کے اندر یا جس مقام پر با ختلاف روایات اس رات آپ موجود تھے کو اتار لیا تھا۔ اور آپ کے نفس کے لطیف جسے نے بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کی طرف جبرائیلؑ کی رفاقت اور براق کی باطنی برقی طاقت اور پاور سے پرواز فرمائی۔ اور وہاں تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ یہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی اس حدیث کا شک اور اشکال رفع ہو جاتا ہے کہ آپ کا جسم مبارک معراج کی رات میرے حجرے کے اندر موجود رہا اور حجرے سے غائب نہیں ہوا۔ (دوم) اگر آپ کثیف عنصری جسم سے ظاہر طور پر بیت المقدس پہنچ کر انبیاء کی امامت فرماتے تو کم از کم بیت المقدس کے مجاورین، زائرین اور وہاں کے راہبین آپ کو اور آپ کی جماعت انبیاء کو ضرور کسی نہ کسی صورت میں دیکھ پاتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ یہ معاملہ باطنی تھا اور ظاہری حواس کی پہنچ سے بالاتر تھا۔ پھر آں حضرت ﷺ نے تمام انبیاء کے نفوس کے لطیف جسموں میں امامت اور جماعت فرمائی اور دیگر لطیف جسوں میں مختلف آسمانوں پر ان سے ملاقات کی۔ جیسا کہ معراج کی حدیثوں میں مذکور ہے۔ اور جب آں حضرت ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر

پہنچے جو جبرائیل علیہ السلام کا آخری مقام ہے۔ اور اس سے آگے پرواز کا ارادہ فرمایا تو جبرائیل علیہ السلام نے آگے رفاقت سے معذرت ظاہر کی اور کہا کہ اگر ایک ذرہ اور آگے تجاوز کروں گا تو میرے پرواز کے پر جل جائیں گے۔ بیت

اگر یک سر موئے بر تر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

یہاں پر آپ ؐ نے اعلی ملکوتی خول اتار لیا اور براق کی برقی طاقت بھی ختم ہوگئی۔ چنانچہ آپ ؐ یہاں سے رفرف کے زیادہ لطیف نوری جسم سے لاہور لا مکان کے بے مثل بے مثال عالم میں داخل ہوئے۔ اور وہاں اور اس سے آگے اللہ تعالےٰ کی آیات کبریٰ کے مشاہدات سے مشرف ہوئے۔ اور وہاں اللہ تعالےٰ کے نہایت مخفی اور پوشیدہ اسرار کی وحی سے بقول فاوحی الی عبدہ ما اوحی سے سرفراز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص برگزیدہ بندے جن کو باطنی اور غیبی دنیا میں طیر سیر حاصل ہوئی ہو وہ بطور مشتے نمونہ از خروار سے معراج کی حقیقت اور کیفیت کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ نفسانی کور چشم دل کے اندھے ان باطنی باتوں کو کیا جانیں۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔اختتام۔۔۔حصہ دوئم۔۔۔۔باقی۔۔۔حصہ سوئم میں۔۔

عرفان

حضرت فقیر محمد سروری قادری کلاچویؒ

حصہ سوئم

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

انبیاءعظام کے معجزات اوراولیاءکرام کے کرامات اورقرآن کریم میں خلاف عقل آیات بینات اورخوارق کے سمجھنے میں نفسانی ظاہربین عالموں کا ظاہری کتابی علم اور سائنس پروردہ مغرب زدہ نیچریوں اورملحدوں کا مادی عقل ہرجگہ لغزشیں اورٹھوکریں کھاتی رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اکثر جگہ قرآنی آیات کے معانی اورتاویلات میں ان کی غلط تفاسیر سے اشکالات پیدا ہوتے رہے ہیں۔انہیں لاکھوں دلائل کے ذریعے عالم غیب کا قائل کرایا جائے اورطرح طرح کے براہین سے سمجھایا جائے۔ یہ مادی عقل والے اورکتابی علم والے بطور اخلد الی الارض مادی زندگی کے دوام کا دم بھرتے ہیں۔اور مادے کے ہی چکر میں پھرتے ہیں۔اور ہرگز غیبی باطنی دنیا کو کسی صورت ماننے میں نہیں آتے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

ان الشر الدواب عندا للہ الصم البکم الذین لا یعقلون

(ترجمہ)اللہ کے نزدیک سب سے برے (انسان نما) حیوان وہ ہیں جو (دل کے) بہرے اورگونگے ہیں۔اورکسی طرح نہیں سمجھائے جاسکتے۔ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ دین کا سارا معاملہ غیب پر قائم اور عالم غیب سے متعلق ہے۔جولوگ عالم غیب سے اندھے ہیں اوراس عالم کی حقیقت سے منکر ہیں اور مادی دنیا کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں۔یا دین کے ہر معاملے کو مادی دنیا اوراپنی مادی عقل پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کا دین بچوں کا کھیل اور مضحکہ خیز بن کر رہ جاتا ہے۔اور جب دین کے منکرین اور مذہب کے مخالفین کی طرف سے ان پر اعتراضات اورشکوک وشبہات کی بوچھاڑ پڑتی ہے تو بغلیں جھانکنے لگ جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ دین کے مقابلے میں عقل کو استعمال کرنا چاہیے۔ بلکہ ہر خلاف عقل بات کو مان لینا چاہیے جس سے مخالفین کی کچھ تسلی تو نہیں ہوتی۔ بلکہ انہیں دینی مسائل کا مضحکہ اڑانے کا موقع مل جاتا ہے۔اور کہتے ہیں کہ اگر دین کا ہر معاملہ

انسانی سمجھ سے باہر اور عقل کے خلاف ہے تو معلوم ہوا کہ دین اور مذہب کی بنیاد جہالت پر ہے۔ اور تمام ادیان اور مذاہب (معاذ اللہ) زمانہ جہالت کی پیداوار ہیں۔ اور ایسی جہالت کی پیروی کی کیا ضرورت ہے۔ حالاں کہ دین اور مذہب کا ہر معاملہ عقل کے عین موافق بلکہ عقل کل کی پیداوار ہے۔ اور دین کا ایک چھوٹا اور ادنیٰ سا مسئلہ بھی عقل کے خلاف نہیں ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ظاہر بین مادی زبانی علماء اپنی خشک توحید کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کے علم بردار تھے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان لوگوں کی طرح صرف زبانی خشک توحید کے دعوے دار نہیں تھے بلکہ وہ اللہ تعالےٰ کی راہ باطن کے سالک اعظم اور سلوک طریقت کے راہوار تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں قال انی ذاھب الی ربی سیھدین (ترجمہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف (باطن میں) چلنے والا ہوں۔ وہ مجھے عنقریب اپنی طرف ہدایت فرمائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں والذین جاھدو فینا لھدینھم سبلنا (ترجمہ) اور جو لوگ ہماری طلب میں کوشش اور مجاہدہ کریں گے ہم انہیں اپنی طرف ہدایت کریں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو عملی طور پر کامل موحد تھے۔ اور اللہ تعالےٰ کے راستے میں غیر معبودوں اور ماسوائے مقصودوں سے بیزار اور روگردان انہیں اپنا جانی اور ایمانی دشمن خیال کرتے تھے۔ اور دنیا کے تمام کاروبار یعنی رزق کی فراخی اور تنگی، بدن کی بیماری اور صحت بلکہ زندگی اور موت کے تمام مراحل اور منازل میں اللہ تعالیٰ کو ہی کفیل اور وکیل سمجھتے تھے

فانھم عدولی الا رب العلمین الذی خلقنی فھو یھدین والذی ھو یطعمنی ویسقین واذا مرضت فھو یشفین والذی یمیتنی ثم یحیین

(ترجمہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ رب العالمین کے ماسوی جملہ

معبود اور مقصود میرے دشمن ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے سامنے حائل ہوں۔ اور میرا معبود وہ ذات ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پس وہ مجھے اپنی طرف ہدایت فرمائے گا۔ اور وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب بیمار ہوتا ہوں وہی مجھے شفا بخشتا ہے۔ اور وہی مجھے مارتا اور جلاتا ہے۔ پس اللہ تعالٰی کے راستے کے باطنی سالک کے لئے ہر وہ شے جو اللہ تعالٰی کے راستے سے اسے روکے وہ اس کے لئے دشمن کا حکم رکھتی ہے۔ خواہ وہ اپنا نفس، مال بال بچے ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں ان من ازواجکم واولادکم عدولکم (ترجمہ) تمہاری بیویوں اور بچوں میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔

کیا یہ زبانی توحید کے مدعی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عملی توحید کو پہنچ سکتے ہیں۔ حالانکہ جب انہیں کوئی دنیاوی مشکل پیش آتی ہے۔ تو ظالم بدکار دنیا داروں، فاسق، فاجر، بے دین اہل کاروں اور کافر مشرک حاکموں کے دروازے پر استمداد کے لئے چکر لگاتے پھرتے ہیں۔ اگر بیمار ہو جائیں تو کافر ڈاکٹروں سے علاج معالجہ کرانے سے ذرہ بھر نہیں شرماتے خواہ وہ انہیں بطور دوا شراب جیسے ام الخبائث اور خنزیر کے معدے کا جوہر ہی پیش کر دیں۔ یہ بصد خوشی اسے پی جاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر ان کی زبانی توحید کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے۔ ان کے حسد اور کبر والی توحید میں اس وقت شیطانی طوفان برپا ہوتا ہے جب کہ کسی خدا کے برگزیدہ بندے اور اس کے نبی یا ولی سے اللہ تعالٰی کے راستے میں راہبری یا رہنمائی کی امداد طلب کی جائے یا کسی معالج القلوب اور طبیب الارواح سے باطنی، قلبی اور روحانی امراض کی تداوی اور علاج حاصل کیا جائے۔ یا کسی باطنی روحانی عالم سے جسے اللہ تعالٰی نے علم من لدنا سے سرفراز فرمایا ہو۔ اس کے دروازے پر علم باطنی حاصل کرنے کے لئے حاضری دی جائے۔ ان کور چشم، منافق، زبانی توحید کے مدعی، نفس کے بندوں کو عملی موحد اور اللہ تعالٰی کے طالب سالک اور اس کی راہ میں نفس اور جان کی قربانی دینے

والے جانباز پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے جو دنیائے دوں کے حریص اور اس کے اقتدار کے طالب اور ہر فعل اور عمل میں ان کا اصلی مقصود اور غرض و غایت دنیوی علو اور ظاہری عزو جاہ ہو۔ وہ اپنی توحید میں کسی طرح بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سچے پیرو نہیں ہوسکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی وہ پیغمبر ہیں جنہوں نے پہلے پہل روئے زمین پر خانہ کعبہ اور بیت اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہ تعمیر کی اور اس کا عکس اور نقشہ بیت المعمور یعنی باطنی اور نوری کعبہ سے لیا گیا۔ اور وہ باطنی کعبہ جان وہ دل اصل ہے۔ اور کعبہ آب وگل اس کی نقل اور عکس ہے۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ان ہر دو میں بڑی مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔ اور بزرگان دین اور سلف صالحین نے اپنے اشعار اور تصانیف میں ان ہر دو صوری اور معنوری، مجازی، حقیقی مادی اور روحانی، ظاہری اور باطنی کعبوں کی طرف اشارے فرمائے ہیں۔ جیسا کہ مولانا روم صاحبؒ اپنی میں فرماتے ہیں۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہ خلیل آذر است
دل گذر گاہ جلیل اکبر است

اور ہر شخص نے اپنی سمجھ اور استعداد کے مطابق اپنا قبلہ اور کعبہ چن لیا ہے۔ اور اس کے حج زیارت، طواف، قربانی اور مناسک کو ذریعہ نجات بنالیا ہے۔ جو لوگ عالم غیب کے حقیقی، باطنی اور روحانی دنیا سے بے بہرہ اور بیگانہ ہیں۔ اور محض مادی حواس اور ظاہری سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ انہوں نے کعبہ آب وگل یعنی نقل کو اختیار کر لیا ہے اور جو لوگ باطنی حواس کے مالک اور عالم غیب کی حقیقی دنیا سے واقف ہیں۔ انہوں نے کعبہ جان و دل یعنی اصلی کعبہ کو چن لیا ہے۔ احادیث اور تفاسیر کی بعض

روایات سے ان ہر دو کعبوں، ان کے حج اور قربانیوں کے بیانات سے حقیقت حال پر روشنی پڑتی ہے۔ اور دینی عقل اور مذہبی فراست رکھنے والے اصحاب اصل اور نقل، حقیقت اور مجاز کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اسلام نے سال میں دو عیدیں مقرر کی ہیں۔ ایک رمضان المبارک کے بعد عید الفطر اور دوم ماہ ذی الحجہ کو عید الضحیٰ اول الذکر چھوٹی عید اور موخر الذکر کو بڑی عید بھی کہتے ہیں۔ عید الفطر کے روز مسلمان اس لئے خوشی مناتے ہیں کہ مسلمانوں نے تیس دن روزے رکھے اللہ کے لئے بھوکے پیاسے رہے۔ نمازیں پڑھیں اور اللہ کا فرمان بجا لائے۔ چنانچہ اللہ تعالے کے حکم کی بجا آوری میں خوشی اور عید منائی عید الضحیٰ دراصل ان لوگوں کی عید ہے جو وطن اور اہل وعیال کو چھوڑ کر اللہ تعالے کے گھر یعنی خانہ کعبہ اور بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے دور دراز سفر کی صعوبتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اور وہاں اللہ کے گھر میں حاضری دیتے ہیں۔ چنانچہ حاجی لوگ اس کامیابی اور سعادت کی خوشی میں عید مناتے ہیں۔ ہر دو عیدوں میں لوگ غسل کرتے ہیں عمدہ نئے کپڑے پہنتے ہیں۔ اور خوشبو وغیرہ لگا کر آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو مبارک دیتے ہیں۔ دراصل گو یہ ہر دو عیدیں اس دنیا میں ایک وقتی تہوار ہیں۔ لیکن ان ہر دو عیدوں کے پیچھے اسلام کا ایک بڑا بھاری فلسفہ کارفرما ہے۔ جو کہ ایک عظیم الشان ٹھوس حقیقت اور اصل ہے۔ اور یہ اس کی مجازی صورت اور نقل ہے۔ چنانچہ رمضان کا مہینہ اور اس کی عید تو ان اہل عقبیٰ، دیندار، زاہد، عابد اور متقی لوگوں کی نقل ہے۔ جنہوں نے تمام عمر اللہ تعالیٰ کی سب نافرمانیوں اور کل مناہی سے مرتے دم تک روزہ رکھ لیا۔ اور ایمان کی سلامتی سے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ چنانچہ وہ موت کے بعد بہشتی لباس اور جنتی حلے پہنے ہوئے بہشت میں اپنے مومن بھائیوں سے ملیں گے۔ ایک دوسرے کو ایمان کی مبارک باد دیں گے۔ اور بہشت کی ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے سنی

ہیں۔اور نہ کسی دل پر ان کا خیال گذرا ہے جیسا کہ آیا ہے الدنیا یوم ولنا فیھا صوم یعنی دنیا کی تمام حیاتی کو ہم نے ایک دن سمجھ لیا ہے۔اور ہم اس میں اللہ تعالیٰ کی تمام مناہی سے روزہ دار ہیں۔اور عید الضحیٰ کی عید جسے عید قربان بھی کہتے ہیں۔ ان سرفروش جانباز عاشقان الٰہی کی نقل ہے جو سر دھڑ اور جان و مال کی بازی لگا کر سر ہتھیلی پر رکھ کر اور محبوب نفس کی قربانی دے کر اللہ تعالیٰ محبوب حقیقی کی طلب میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔اور اسی دنیا میں اس کے دیدار سے مشرف ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت پیر محبوب سبحانی قدس سرہ فرما گئے ہیں۔

شکر للہ کہ نہ مردیم ور سیدیم بدوست
آفریں باد بر ایں ہمت مردانہ ما

اس لئے اسے بڑی عید کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے وصال اور اس کے لقا اور دیدار کے مقابلے میں بہشت اور اس کی نعمتیں ہیچ ہیں من لہ المولی فلہ الکل

دنیا طلبا چہ گوئمت مغروری
عقبیٰ طلبا چہ گوئمت مزدوری
مولیٰ طلبا کہ داغ مولیٰ داری
در ہر دو جہاں مظفر و منصوری

طالب الدنیا جاھل ، طالب العقبیٰ عاقل و طالب المولیٰ کامل

حساب صد ہزار عاقل بمحشر بگذرد یک دم
حساب یک دم عاشق بصد محشر نمے گنجد

اب ہم اس جگہ عید قربان اور حج بیت اللہ کے اصل اور نقل کا تھوڑا سا حال بیان کرتے ہیں۔حج بیت اللہ کی ابتداء یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں پر اپنا بیت المعمور یعنی باطنی قبلۃ القلوب جو اللہ تعالیٰ کی خاص خلوت گاہ ہے دکھا دی کہ اس کے نمونے پر مکہ مکرمہ کی فلاں جگہ میں ہمارا گھر اور

عبادت گاہ تیار کرو۔ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض ولیکون من الموقنین

(ترجمہ) اور اسی طرح دکھا دیئے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کے ملکوت کہ اسے یقین ہو جائے چنانچہ اسی نمونے پر حضرت ابراہیمؑ نے مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ تیار کیا اور وہ لوگوں کے لئے پہلی عبادت گاہ بنی۔ اور مسلمانوں پر اس کا حج اور اس کے مناسک یعنی طواف اور قربانی وغیرہ فرض کر دیئے گئے۔ اور اس کے لئے ذوالحجہ کی دسویں تاریخ مقرر کی گئی۔ اور آج تک اس پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ بیت المعمور آسمانوں میں ایک غیبی لطیف نوری مقام ہے جو فرشتوں کی آماجگاہ ہے ور ان سے معمور ہے۔ اور دن رات فرشتے اس کے گرد طواف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرح طرح کی عبادت اور حمد و ثناء میں مشغول ہیں۔ اور وہ اصل ہے اور بیت اللہ اس کی نقل ہے۔ جہاں حجاج دن رات طواف کرتے ہیں اور حمد و تسبیح پڑھتے ہیں۔ کیوں کہ جس طرح بدن کے ساتھ جان اور روح رواں ہے اسی طرح ہر ظاہر کے ساتھ باطن اور عالم شہادت کے بالمقابل ایک غیبی لطیف جہان ہے۔ اور ہر دینی معاملے کا اصل غیب میں ہے۔ اور شہادت میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کی نقل اور ظل ہے۔

یہاں ہم قربانی کا فلسفہ بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنانا شروع کیا تو ہر دفعہ خانہ کعبہ کی عمارت گر پڑتی تھی اور قائم نہیں رہتی تھی سو آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کیا جواب ملا کہ اس کے لئے قربانی دو چنانچہ بار بار زیادہ سے زیادہ اونٹ بطور قربانی پیش کئے گئے لیکن قربانی کا مطالبہ جاری رہا۔ آخر امر ہوا کہ سب سے محبوب ترین اور عزیز ترین چیز کی قربانی پیش کرو۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے لن تنالو البر

حتی تنفقو مما تحبون (ترجمہ) اے میرے بندو تم نیکی اور میری رضا ہرگز حاصل نہیں کرسکو گے۔ جب تک تم میری راہ میں وہ چیز نہ خرچ کرو گے جو تمہیں محبوب اور پیاری ہے۔ غرض اس بناء پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میری سب سے پیاری متاع میرا محبوب بیٹا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اسے قربان کرنے کا ارادہ کرلیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو محض آزمانا ہی منظور تھا۔ نہ کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرانا اور ہلاک کرانا۔ چنانچہ ان کی بجائے بہشت سے دنبہ لایا گیا۔ اور اسے چھری تلے دے کر حضرت اسمٰعیلؑ کو بچالیا گیا۔ اور آج تک حاجی لوگ مقام منیٰ میں اور اس کی تبع میں باقی مسلمان لوگ اپنے اپنے وطنوں میں بطور سنت ابراہیمی قربانی کے جانور ذبح کرتے ہیں۔ لیکن اس مقابلے میں جو اہل اللہ لوگ بیت المعمور اور دل کا اصلی کعبہ استوار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کے لئے زیادہ محبوب تر چیز اپنے نفس کی قربانی پیش کرتے ہیں۔ اور واقعی نفس بال بچوں، بہن بھائیوں اور ماں باپ غرض تمام خویشوں سے زیادہ محبوب اور عزیز چیز ہے۔ جیسا کہ حضرت سرور کائنات محمد مصطفےٰ ﷺ نے ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے عمرؓ! میں آپؓ کے نزدیک کس قدر محبوب اور پیارا ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ حضرت آپؐ مجھے اپنے بال بچوں، بھائی بہنوں اور ماں باپ سے بھی زیادہ عزیز ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے عمرؓ! کیا میں تجھے اپنے نفس سے جو تیرے بائیں پہلو میں ہے زیادہ محبوب ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یا حضرتؐ! آپؐ بے شک مجھے اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب معلوم ہوتے ہیں اس پر حضور ﷺ نے فرمایا الان کملت ایمانک یا عمر کہ اے عمرؓ اب تیرا ایمان کامل ہوگیا۔

دنیا میں ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ اسی نفس کی خاطر لوگ اپنے ماں باپ، بال بچوں اور بہن بھائیوں وغیرہ کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ نیز ہم پچھلے صفحوں میں بیان کر

آئے ہیں کہ تبوک کی لڑائی سے واپسی پر حضورؐ نے کفار اور مشرکین کے ساتھ لڑنے کو جہاد اصغر قرار دیا لیکن نفس کے ساتھ جنگ کو جہاد اکبر بتایا۔ لہٰذا نفس کی قربانی بڑی بھاری اکبر قربانی ہے۔ غرض اللہ تعالےٰ اپنے طالبوں اور اشقوں سے کعبہ اعظم دل کی استواری کے لئے نفس کی بڑی بھاری قربانی طلب کرتا ہے۔ کیوں کہ نفس ہی بڑا بھاری آذر اور بت گر ہے جو دل کے کعبہ اعظم میں طرح طرح کے کبر، حسد، حرص طمع، شہوت، شرک، کفر اور نفاق وغیرہ کے بت داخل کرتا اور بساتا ہے اور دل کے کعبہ اکبر کو بت خانہ بناتا ہے۔

دل کعبہ اعظم است بکن خالی از بتاں

بیت المقدس است مکن جائے بت گراں

کیوں کہ کافروں کے تراشتے ہوئے پتھروں کے ظاہری اور مادی بتوں سے یہ معنوی بت بہت سخت اور خطرناک ہیں۔ بے چارے پتھر کے بت تو مفت میں بد نام ہیں۔ کبھی انسان کو پتھر کے بت نے گناہ کی ترغیب نہ دی ہوگی۔ لیکن نفس اور ہوا کے بڑے بھاری بت نے جہلا تو کیا بڑے بڑے علماء اور فضلاء کو گمراہ کر کے اپنی پرستش پر لگایا ہوا ہے قولہ تعالیٰ

افریت من اتخذا الھہ ھو ھہ واضلہ اللہ علی علم

(ترجمہ) آیا پس تم نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی ہوا یعنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود بنایا اور باوجود علم کے اللہ تعالےٰ نے اسے گمراہ کر دیا ہے۔

بے شک اللہ کی راہ میں نفس کی قربانی پیش کرنے سے دل کا کعبہ اعظم قائم اور استوار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ رب جلیل کی خاص خلوت گاہ ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی سے ثابت ہے

لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نہ تو آسمانوں میں اور نہ زمین میں سماتا ہوں لیکن

اپنے مومن بندے کے دل میں سما جاتا ہوں۔

لشکر حسنت نہ گنجدر زمین و آسماں

لیک حیرانم کہ اندر سینہ چوں جا کردہ

کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت سرورِ دو جہاں ﷺ اپنے اصحاب کے ہمراہ خانہ کعبہ کے سائے میں بیٹھے تھے۔ اور خانہ کعبہ کی تعظیم اور حرمت کی بات ہو رہی تھی۔ آپ نے اس وقت خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے اور اسے مخاطب کر کے فرمایا کہ اے کعبہ! تو بے شک حرمت اور عزت کا گھر ہے لیکن ایک مومن کا دل تجھ سے ہزار درجہ بہتر ہے جیسا کہ مولانا روم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مثنوی

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگہ خلیل آذر است
دل گذر گاہ جلیل اکبر است

ایک دوسرے حدیث میں یوں آیا ہے۔

قال علیہ الصلوۃ و السلام المومن افضل عنداللہ من الکعبۃ و المومن اطیب واطہر و المومن اکرم صلی اللہ من الملئکۃ

(ترجمہ) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ مومن اللہ تعالےٰ کے نزدیک خانہ کعبہ سے افضل ہے۔ اور مومن اللہ تعالےٰ کے ہاں فرشتے سے بھی پاک صاف اور عزت والا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر آں حضرت ﷺ نے مومن کے دل کی نسبت یوں فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کے غلاف کو جلا دے اور اس کی عمارت کو گرا کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔ اس سے مومن کے دل کو آزار پہنچانا بڑا بھاری گناہ ہے۔ کسی نے اس حدیث کا اردو ترجمہ اس بیت میں خوب کیا ہے۔

مسجد کو کھود ڈالیے مندر کو پھونکیے
دل کو نہ توڑیئے یہ خدا کا مقام ہے۔

مولانا روم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

مثنوی

ابلہاں تعظیم مسجد مے کنند
در جفائے اہل دل جسد مے کنند
آں مجاز است ایں حقیقت اے خراں
نیست مسجد جز درون سروراں

مسجد ے کہ در درون اولیاء است
سجدہ گاہے جملہ است آنجا خدا است

ترجمہ: مادی سوجھ بوجھ والے بے وقوف لوگ مسجد آب وگل ایک مجازی صورت ہے۔ اور مومن اہل اللہ کا دل اس کی حقیقت ہے۔ اصلی مسجد مگر ان اہل اللہ پاک لوگوں کا دل اصلی مسجد جو اولیاء اللہ کے دلوں میں ہے وہ تمام مخلوقات کی سجدہ گاہ کیوں کہ بس میں معبود برحق خلوت نشین ہے۔

یاد رہے کہ دل یہ گوشت کا گاؤدم لوتھڑا نہیں ہے جو بائیں جانب انسانی جوف کے اندر لٹک رہا ہے۔ جو غلیظ گندے خون سے بھرا رہتا ہے۔ بلکہ اصطلاح تصوف میں دل انسانی جسم میں ایک وسیع اور عظیم الشان نوری جوہر اور حق نما آئینہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے نوری اسم ذات سے روشن اور تابندہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ رب جلیل کا جلوہ گاہ بن جاتا ہے۔ اور فرشتوں اور ملائکہ بلکہ تمام مخلوقات کا سجدہ گاہ بن جات ہے۔ آدم علیہ السلام کو خلافت عظمیٰ سے سرفراز مانے اور اس کے اندر اپنا روح پھونکنے اور تمام اسماء سکھانے اور اس کے سر پر تاج ولقد کرمنا بنی ادم رکھنے اورا سے ملائکہ کا مسجود بنانے میں یہی راز مضمر تھا۔ بیت

گر نبودے نور حق اندر وجود
کے ملائک خاک را کر دے سجود

غرض دل جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آئینہ حق نما بن کر اللہ تعالیٰ کے ذاتی نور سے منور ہو جاتا ہے تو اس میں عظیم الشان وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور تمام کائنات اس میں رائی کے دانے کے برابر نظر آتی ہے۔ اسی لحاظ سے بزرگان دین نے ایسے دل کو عرش اللہ، قلزم کے بحر عمیق اور قاف قدس سے تشبیہ دی ہے۔ جیسا کہ ہمارے روحانی مربی حضرت سلطان العارفین قدس سرہ اپنے پنجابی دوہے میں فرما گئے ہیں

دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیاں جانڑے ھو
چوداں طبق دلے دے اندر جتھاں عشق تمبوخ تانڑے ھو

اسی حقیقت کو حضرت پیر محبوب سبحانیؒ نے اپنے قصیدے کے ایک بیت کے اندر یوں ادا فرمایا ہے

نظرت الی بلاد اللہ جمعا
کخر دلۃ علی حکم اتصال

یعنی جب میں نے اللہ تعالیٰ کی تمام کائنات کی طرف نگاہ ڈالی تو وہ تمام مجھے اپنے دل کے آئینہ میں رائی کے ایک دانے کے برابر نظر آئے۔ نہیں دیکھتے کہ آنکھ کی پتلی کس قدر چھوٹی چیز ہے مگر نور بصیرت کی وجہ سے تمام زمین و آسمان اس میں نظر آ جاتے ہیں۔ اسی طرح جب عارف سالک کے دل کا سوداسویدا اللہ تعالیٰ کے نور سے منور اور ہویدا ہو جاتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی غیر مخلوق نور جلوہ نما ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کے سامنے تمام مخلوق یعنی زمین و آسمان بلکہ چودہ طبق کی کیا حقیقت رہ جاتی ہے۔ حضرت صائبؒ نے ان ابیات میں دل کی وسعت کا کیا عمدہ نقشہ کھینچا ہے۔

ابیات

چرخ است حلقہ در دولت سرائے دل
عرش است پردہ حرم کبریائے دل
دل آں چناں کہ ہست اگر جلوہ گر شود
نہ اطلس سپہر بگرد قبائے دل
گر گے کہ زیر پوست بخون تو زتشنہ است
یوسف شود زپر تو نور صفائے دل
ماخود چہ ذرہ یم کہ نہ محمل سپہر

رقص الجمل کنند زبانگ ورائے دل
دست از کتاب خانہ یونانیاں بشو
صد شہر عقل گرد سر روستائے دل

خانہ کعبہ کو بالکل حقیقی قبلہ قلب کے نمونے پر بنایا گیا ہے۔اور حجر اسود کو دل کے سودا سویدا کے طور پر اس میں قائم کیا گیا ہے۔جیسا کہ اس کی نسبت اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حجر اسود بہشت کا ایک نوری پتھر تھا جسے بہشت سے اٹھا کر یہاں لگا دیا گیا ہے۔اور جو حاج اسے بوستہ دیتے ہیں۔ان کے گناہ اس میں دھنس جاتے ہیں جس سے وہ سیاہ ہوگیا ہے۔غرض یہ اس عارف کامل کے دل کی مثال ہے کہ جو اللہ کے نور سے منور ہو جاتا ہے۔اور جب لوگ تعظیم و تکریم کی وجہ سے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہیں تو ان کے گناہوں کو اس کا دل جذب کرتا ہے۔اور اس کے دل کا سودا سویدا ضرور مکدر اور تاریک ہو جاتا ہے۔ظاہر بین نفسانی لوگوں کے حج اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اہل باطن اولیاء اللہ کے حج میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔چھوٹے نادان، کم فہم بچے لکڑی کے گھوڑوں پر سوار ہو کر اور چھڑیوں کے نیزے اٹھا کر نیزہ بازی اور گھوڑ دوڑ کا شوق پورا کرتے ہیں۔چھوٹی بچیاں پرانے چیتھڑوں اور کپڑوں کی گڈیوں اور پٹولوں کی شادی بیاہ رچاتی، سہرے گاتی اور ان سے دل بہلاتی ہیں۔غرض بچیوں اور بچوں کا یہ نقلی کھیل اور مشغلی اصلی گھوڑ دوڑ اور حقیقی شادی کی محض نقل ہے۔

شیر قالیں اور ہے شیر نیستاں اور ہے

اہل باطن سالک اہل اللہ لوگ اللہ کی راہ میں جان اور سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں اور نفس کا سر کٹواتے ہیں۔اور ظاہر بین نفسانی لوگ نفس کے بدلے دنبے، بکرے اور جانوروں کو ذبح کر ڈالتے ہیں، اور سر کے بدلے محض سر کے بال کٹواتے ہیں۔ اس سر کی بازی میں اہل اللہ کی راہ میں جب کبھی شیطان اور ابلیس حائل ہو کر رکاوٹ

ڈالتا ہے تو وہ اصلی ابلیس کو باطنی پتھروں سے سنگسار کر کے راستہ صاف کر لیتے ہیں۔لیکن نفسانی بیچارے مٹی اور پتھر کے فرضی مناروں کی طرف چند کنکریاں پھینکنے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔اور خون کا ٹیکہ لگا کر شہیدوں میں نام لکھوا تے ہیں۔لیکن اصل کجا اور نقل کجا

چراغ مردہ کجا زندہ آفتاب کجا
ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

غرض حاجی حرم اور ہیں اور حاجی کرم اور ہیں اور حاجی بطن اور ہیں اور حاجی باطن اور حاجی ثواب اور ہیں اور حاجی بے حجات اور حاجی ثواب محض خانہ کعبہ آب وگل کا طواف کر کے ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں۔لیکن جس وقت اہل اللہ حاجی بے حجات حج کرنے جاتے ہیں تو وہاں صاحب خانہ الہ تعالی سے ملاقی اور مشرف دیدار ہوتے ہیں اور جب مدینہ منورہ جا کر روضہ پر حاضر ہوتے ہیں تو حضور پر نور نبی اکرم ﷺ اپنے روضہ اور تربت مبارک سے باہر آ کر انہیں مشروحا اپنی زیارہ سے مشرف فرماتے ہیں۔اور مصافحہ اور معانقہ فرما کر دولت باطنی سے مالا مال فرماتے ہیں۔اور حرمین شریفین کا نور دائی طور پر ان کے دل کے اندر ہمیشہ کے لئے جلوہ گر ہو جاتا ہے ان کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسا کہ ہمارے روحانی پیشوا حضرت سلطان العارفین رحمتہ اللہ کے ان فارسی اور ھندی ابیات سے ہویدا ہے۔

ابیات فارسی

کعبہ رادر دل بہ بینم جاں کنم بروے فدا
در مدینہ دائما ہم صحبتم با مصطفٰے

پنجابی ابیات

باہو باغ بہاراں کھڑیا نرگس ناز نرم دا ھو
دل وچہ کعبہ صحیح کیتو سے پاکوں پاک پرم دا ھو

طالب طلب طواف تمامی جب حضور حرم دا ھو

گیا حجاب تھیو سے حاجی حضرت باھو اللہ بخشیا راہ کرم دا ھو

ہم عرفان حصہ اول میں حضرت آدم علیہ السلام کے بیان کے اندر کسی قدر نفس کی حقیقت پر روشنی ڈال آئے ہیں۔ کہ جس وقت آدم علیہ السلام کا بت تیار ہو رہا تھا۔ تو ابلیس لعین نے حسد اور بغض کی وجہ سے آدم علیہ السلام کی لاش پر تھوک دیا تھا۔ اور اس لعین کی تھوک ناف کی جگہ پر جا پڑی تھی۔ جس سے آدم علیہ السلام کے وجود کے اندر نفس کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ اور یہاں سے آدم علیہ السلام اور اس کی نسل میں شیطانی کبر، انانیت اور خودی کا مضبوط مورچہ قائم ہو گیا۔ اور یہی آدم علیہ السلام کے بہشت سے نکلنے کا موجب اور باعث بن گیا تھا۔ بیت

نفس کافر بلائے اہل زشت

نفس آدم رابر آور دا از بہشت

اب اسی نفس و ہوا کی بیخ کنی اور استیصال سے ہی آدم اور آدمی واپس بہشت کے دخول کا مستحق اور حق دار بن سکتا ہے۔ قولہ تعالیٰ

واما من خاف مقام ربہ و نہی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی

(ترجمہ) اور جو شخص اللہ کے سامنے حساب کتاب کے لئے حاضر ہونے سے ڈرا اور نفس کو ہوا سے روکا۔ پس جنت اس کا ٹھکانا بن گیا۔ نفس کی خودی انانیت اور ہستی کو جب تک نہ مٹایا جائے۔ انسان کے لطیفہ قلب کا ملکوتی جسہ زندہ نہیں ہوتا۔ اور اسی پاک ملکوتی جسے کے بغیر انسان بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ نہیں دیکھتے کہ دانہ اور تخم جب تک زمین کے اندر اپنے آپ کو مٹا نہیں دیتا ہرگز سرسبز نہیں ہوتا۔ اور نہ پھلتا پھولتا ہے۔ سو نفس کی فنا میں اس کی بقا ہے۔ اور اسے اپنی خودی کو بلند کرنا اور قائم رکھنا اس کی تباہی کا موجب ہے۔ کیوں کہ اس طرح وہ خدا کا شریک بن جاتا

ہے۔اس لئے حدیث قدسی میں آیا ہے الکبریاء ردائی لا اشرک فیہ غیری (ترجمہ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کبر میری چادر ہے۔میں اس میں کسی غیر کو شریک نہیں کرتا۔اور دوسری حدیث میں آیا ہے ومن کان فی قلبہ ذرۃ من الکبر لا ید خل الجنۃ یعنی جس کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر اور انانیت ہوگی وہ بہشت میں ہرگز داخل نہ ہوگا۔دیکھو یہاں اس حدیث کی پچھلی آیت

وامامن خاف مقام ربہ ونہی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی

سے کیسی عمدہ تطبیق ہو رہی ہے۔اب بھی اگر کوئی نفس کو نہ پہچانے۔اور اس کی خودی کو بلند کرتا پھرے تو یہ اس کی اللہ تعالیٰ سے بیگانگی اور جہالت کی علامت ہے۔ کیوں کہ نفس کی پہچان میں ہی رب کی پہچان ہے۔حدیث شریف من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔اور جس نے اپنے نفس کی اللہ کی راہ میں فنا کے راز کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کی بقا کے راز کو جان لیا۔حدیث من عرف نفسہ بالفناء فقد عرف ربہ بالبقاء یعنی جس شخص نے نفس کو اللہ کی راہ میں فنا کر دیا۔وہ اللہ کے ساتھ زندہ جاوید ہو گیا۔مذکورہ حدیث کی اس حدیث سے پوری تطبیق ہوتی ہے۔حدیث قدسی

من عرفنی فقد احبنی ومن احبنی فقد عشقنی ومن عشقنی فقد قتلتہ ومن قتلتہ فعلی دیتہ وانا دیتہ

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجھے پہچان لیتا ہے وہ میرا محب بن جاتا ہے۔اور میرا محب بعدہ میرا عاشق بن جاتا ہے۔اور جو میرا عاشق بن جاتا ہے۔ میں اسے قتل کر دیتا ہوں اور جسے میں قتل کر دیتا ہوں اس کی دیت اور خون بہا مجھ پر لازم ہو جاتی ہے۔اور اس کی خون بہا کے بدلے میں اس کا ہو جاتا ہوں۔اور اسے اپنے نور سے زندہ جاوید بنا دیتا ہوں۔نفس کے قتل کرنے اور مٹانے سے یہ مراد ہرگز

نہیں ہے کہ اسے ریاضت، مجاہدے اور بھوک پیاس سے ہلاک کر دیا جائے۔ یہ تو ایک قسم کی خودکشی ہے جو حرام ہے۔ بلکہ اس کے مذموم حیوانی خواہشات اور بدنفسانی عادات کے بدلے اسے عمدہ شرعی اخلاق سے متخلق اور پاک روحانی صفات سے متصف کر دیا جائے۔ اور یوں اسے حیوانیت کے درک اسفل السافلین سے نکال کر انسانیت کے اعلیٰ احسن تقویم پر پہنچا دیا جائے۔ اور پھر ناسوت کے سفلی مراتب سے ملکوت کے اعلیٰ مدارج پر چڑھا دیا جائے۔ اور یہ اس کے لئے گویا بطور موتو اقبل ان تموتو معنوی موت اور روحانی زندگی بن جاتی ہے۔ اور سلوک کے باطنی راستے میں سالک کو کئی موقعوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ بقول جامی صاحبؒ

یک بار میرد ہر کسے بے چارہ جامیؒ با رہا

اب نفس کے قتل اور دل کی زندگی کی دلیل قرآن کریم سے پیش کرتے ہیں قولہ تعالےٰ

واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی قال فخذ اربعة من الطیر فصر ھن الیک ثم اجعل علی کل جبل منھن جزء ثم ادعھن یاتینک سعیا واعلم ان اللہ عزیز حکیم

(ترجمہ) اور جب سوال کیا ابراہیم علیہ السلام نے کہ اے میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جواب دیا کہ کیا تو نہیں مانتا کہ میں مردے زندہ کرتا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میرا ایمان تو ہے۔ لیکن اے رب! اس سوال سے میری مراد نفس کا اطمینان اور دل کی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ چار پرندے لے لے اور انہیں اپنے ساتھ سدھا اور ہلا۔ پھر ان میں سے بعض کے ٹکڑے مختلف پہاڑوں پر رکھ دے اور انہیں بلا تو وہ تیری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ اور تو جان لے گا کہ اللہ تعالیٰ غالب

حکمت والا ہے۔یہاں پرندوں سے مراد مختلف انسانی خصائل اور صفات ہیں۔جیسے خروس شہوت، طاؤس، زینت کبوتر ہوا اور زاغ حرص وغیرہ جو اگر وحشی اور جنگلی ہوں تو سرکش اور خودسر ہوتے ہیں۔لیکن اگر انہیں باز کی طرح سدھایا اور سکھایا جائے تو وہ مالک کے اشارے پر کام کرتے ہیں۔اسی طرح ایک غیر شرع فاسق، فاجر یا کافر مشرک آدمی کے خصائل اور عادات وحشی اور سرکش جنگلی جانور کی طرح ہوتے ہیں کہ جدھر منہ آیا شتر بے مہار کی طرح چلا گیا۔لیکن جب کوئی سالک مالک اس کی ناک میں شریعت اور مذہب اسلام کی نکیل ڈال دیتا ہے تو جدھر مالک چاہتا ہے اسے لے جاتا ہے۔اس کے بعد سالک کے لئے طریقت میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت کی روحانی اور باطنی موت کی باری آتی ہے کہ جب سالک اپنے نفس کو اللہ کی محبت اور عشق کی چھری سے ہلاک کر دیتا ہے تو اس وقت یہ خواہشات نفسانی اور جذبات انسانی اس طرح معدوم ہو جاتے ہیں کہ گویا انہیں کچل کر اور ریزہ ریزہ کر کے کہیں دور پہاڑوں پر رکھ دیا گیا ہے۔اس بات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس محبت کی سچی وادی میں قدم رکھا ہو یا کم از کم عشق مجازی میں مبتلا ہوا ہو کہ انسان اپنی اس دھن میں اپنی نفسانی خواہشات تو کیا کھانے پینے سے بھی رہ جاتا ہے جیسا کہ کسی عارف کا شعر ہے۔

شتر چوں مست مے گرد دوبائش از حلف بند ند
اگر تو عاشق حقی چرا میل تو با خاراست

العشق نار یحرق ماسوی المحبوب یعنی عشق ایک آگ ہوتی ہے۔جو محبوب کی محبت کے سوئی باقی تمام جذبات کو جلا دیتی ہے۔اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ جب موسم گرما کے سخت دنوں، میں روزہ دار کو شدت کی پیاس لگی ہو تو اس وقت گو بھوک بھی موجود ہوتی ہے۔لیکن پیاس کی شدت کے سبب وہ معدوم ہو جاتی ہے۔اسی طرح انسانی جذبات اور نفسانی خواہشات کو سمجھ لیا جائے کہ وہ سالک کے

وجود سے محبت کی شدت کے وقت بالکل معدوم ہو جاتے ہیں۔پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کے وصل سے سیراب اور بہرہ یاب ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالی سالک کے تمام فطرتی اور انسانی جذبات کو اپنے امر سے زندہ کرکے بلاتا ہے اور وہ اس غالب حکمت والے کے امر سے پھر سالک کے وجود کی طرف دوڑ کر آجاتے ہیں۔

رباعی

در بند جہاں مباش و آزاد بزی
و زبادہ خراب گردو آباد بزی
تازندہ از مرگ نباشی ایمن
یک بار بمیر تا ابد شاد بزی

جو لوگ نفس کی حقیقت سے بے خبر ہیں وہ بے چاری نفس کے قتل، اس کی قربانی اور دل کے لطیفہ کی زندگی اور قالبہ قلب کی استواری کے راز ہائے سربستہ کو کیا جانیں۔

اب اس نفس کے قتل کی دلیل اور توجیہ بیان کی جاتی ہے۔کیوں کہ ظاہر بین کتابی نفسانی عالم جو نفس کی حقیقت سے بے خبر ہیں وہ ہر بات کے لئے قرآن سے دلیل چاہتے ہیں۔اور اگر قرآنی آیت پیش کی جائے تو وہاں اس کی عجیب وغریب دوراز عقل تاویلیں اور توجیہیں کرتے ہیں۔ان آیتوں میں نفس کے قتل کا صریح حکم ہے قولہ تعالیٰ

ولو انا کتب علیھم ان اقتلو انفسکم او اخرجو من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منھم ولو انھم فعلو ما یوعظون بہ لکان خیرا لھم واشد تثبیتاً واذا لا تینھم من لدنا اجرا عظیما ولھد ینھم صراطا مستقیما

(ترجمہ) اور اگر ہم ان پر یہ بات فرض کردیتے کہ اپنے نفسوں کو اللہ کی راہ میں قتل

کرڈالو یا اس کی طلب میں اپنے وطن سے نکل جاؤ تو نہیں کرسکیں گے۔ یہ اہم کام مگر ان میں سے بہت تھوڑے۔ اگر وہ یہ کام کرلیں جس کی انہیں تلقین کی جاتی ہے تو ان کے لئے یہ کام بڑے خیر اور بھاری ثواب کا کام ہوگا۔ اور ہم اس کے بدلے انہیں اجر عظیم عطا کریں گے۔ اور انہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت کریں گے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو سونے اور چاندی کے بچھڑے کی پرستش کی پاداش میں نفس کے قتل کا امر اور حکم ہوا تھا۔ قولہ تعالیٰ واذ قال

موسیٰ لقومه یقوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذکم العجل فتوبو الی بارئکم فاقتلو انفسکم ذلکم خیر لکم عند بارئکم فتاب علیکم انه هو التواب الرحیم

(ترجمہ) اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ اے میری قوم! تم نے (سونے اور چاندی) کے بچھڑے کو اپنا معبود بنانے سے اپنے اوپر ظلم کیا۔ پس اپنے رب کے سامنے توبہ کرو اور اپنے (سونے چاندی پوجنے والے) نفوس کو قتل کرو۔ یہ بات اللہ تعالےٰ کے نزدیک تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ پس اس طرح اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔ بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

یہاں گو نفس کے قتل کا صریح امر ہے۔ لیکن ظاہر بین اپنے نفس کی حقیقت سے بے خبر لوگ اس کو مادی عقل سے منطبق کرنے کے لئے بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں۔ اور اپنی تاویل میں اپنے نفس کو تو بچاتے ہیں۔ لیکن بنی اسرائیل کے لاکھوں آدمیوں کو معمولی غلطی کی پاداش میں تہ تیغ کر ڈالتے ہیں۔ بھلا یہ کس قدر مضحکہ خیز تاویل ہے۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے واپس آئے۔ اور اپنے بھائی ہارون پر ناراض ہونے کے بعد سامری کو بددعا دی اور اس کے بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہادی۔ اس وقت تمام بنی اسرائیل اپنے کیے پر نادم اور پشیمان ہو گئے تھے اور حدیث میں آیا ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب له یعنی گناہ سے توبہ

کرنے والا ایسا ہوتا ہے۔ کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ پھر انہیں خواہ مخواہ قتل کرانا کس قدر ظلم اور اندھیر ہے۔ حالاں کہ موسیٰ علیہ السلام ایک کافر قبطی کو مکہ مار کر قتل کرنے کو بھاری گناہ سمجھتے ہیں۔ اور بار بار اس کے لئے معافی مانگتے ہیں۔ اور ممکن ہے وہ کافر واجب القتل ہے قولہ تعالیٰ

فاستغاثه الذی من شیعته علی الذی من عدوه فوکزه موسی فقضی علیه قال هذا من عمل الشیطان انه عدو مضل مبین قال رب انی ظلمت نفسی فاغفر لی فغفر له انه هو الغفور الرحیم

یہاں پر موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے آدمی کو چھڑانے کے لئے مکہ مارا۔ حالانکہ اسے قتل کرنے کے ارادے سے نہیں مارا تھا۔ لیکن اتفاقاً وہ مر گیا۔ لیکن موسیٰ نے اس غلطی کو کتنی بھاری اہمیت دی اور اسے شیطانی عمل سے موسوم کیا اور بار بار اس گناہ کی معافی چاہتے رہے۔ سو ظاہر بین لوگوں کی اس قسم کی تاویلیں نفس کی حقیقت سے بے خبری کی پیداوار ہیں۔ اور یہ لوگ قرآنی آیات بینات کی اس طرح کی دور از عقل تاویلیں کر کے حق کا بیڑا غرق کر دیتے ہیں۔ نفس کے قتل کی تاویل میں ان ظاہر بین بے چاروں نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ لیکن نفس کی حقیقت سے بے خبری کے سبب کہاں دور جا پڑے۔ کہ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کے ان لاکھوں انسانوں کو جنہوں نے چند روز غلطی سے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ حکم دیا کہ ان کی مشکیں باندھ دی جائیں اور انہیں اکڑوں بٹھا دیا جائے۔ اور بنی اسرائیل کے ان لوگوں کو جنہوں نے بچھڑا نہیں پوجا تھا۔ حکم دیا کہ اپنے بھائی بندوں کی گردنیں اڑا دو۔ پھر ان پر اسی وقت ایک ایسی تاریک آندھی چل پڑی کہ کسی کو کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ تاکہ کوئی شخص اپنے خویش و اقارب کے قتل میں جھجک محسوس نہ کرے۔ اسی طرح لاکھوں انسانوں کو بے دریغ تہ تیغ کر دیا گیا۔

واضح ہو کہ قرآن کریم ایسی جامع کلام ہے کہ اس سے ہر قسم کا ادنیٰ، اعلیٰ، عام

خاص اور اہل ظاہر و باطن لوگ اپنا اپنا مطلب نکال کر لوگ اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔اور اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق فیض یاب اور بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔جیسا کہ حضور علیہ ﷺ نے فرمایا ہے اوتیت جوامع الکلم یعنی جامع کلام عطا فرمایا گیا ہے۔اس سے ہر دو قرآن وحدیث مقصود ہے۔

اسلام کے معنی تسلیم کرنے کے ہیں۔اور اسلام ہی دراصل تسلیم و رضا کا مذہب ہے۔اور حضرت ابراہیمؑ ہی اس مذہب کے بانی مبانی اور اسے اس نام سے موسوم کرنے والے ہیں قولہ تعالیٰ

و ما جعل علیکم فی الدین من حرج ملة ابیکم ابراھیم ھو سمکم المسلمین

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے اس دین میں تم پر کوئی تکلیف اور حرج نہیں رکھا۔یہ تو تمہارے باپ ابراہیمؑ کا مذہب ہے۔اور اس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔غرض مسلم اس کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے آگے گردن رکھ دے اور اس کے امر میں چوں چرا نہ کرے۔بلکہ اللہ تعالےٰ کے ہر امر کو صبر اور تحمل سے برداشت کرے۔سو یہ مذہب ہر قسم کے حرج اور تکلیف سے پاک ہے۔برخلاف اس کے دیگر ادیان مثلاً عیسوی موسی مذاہب، بدھ مت اور ہندومت وغیرہ کے اندر راہبوں، لاماؤں اور جوگیوں نے اپنی ریاکارانہ اور عیارانہ غیر فطری سخت ناروا مجاہدوں اور ریاضتوں سے حرج اور تکلیف کے مذاہب بنا دیا ہے۔قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خطاب فرمایا ہے۔ہر جگہ آپ کی صفت تسلیم و رضا کو سراہا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے۔قولہ تعالےٰ اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العلمین یعنی جب اللہ تعالےٰ نے انہیں فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! تسلیم و رضا اختیار کر۔تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کے ہر امر کے آگے تسلیم و رضا اختیار کرنے والا ہوں۔اور راہ سلوک باطنی میں تسلیم و رضا بڑا بھاری مقام ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

ومن احسن دیناً ممن اسلم وجهه لله وهو محسن واتبع ملة ابراهیم حنیفا

(ترجمہ) اور ایسے دن سے کون سا دین عمدہ اور بہتر ہو سکتا ہے جس کا پیرو اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف رکھے۔ اور وہ احسان کرنے والا ہو۔ اور ابراہیمؑ کی ملت اسلام اور توحید کا پیروکار بن جائے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے و ان من شیعة لابراهیم اذ جاء ربه بقلب سلیم (ترجمہ) اور تحقیق نوحؑ کے پیرووں میں سے ابراہیمؑ تھے جو آئے اپنے رب کی طرف قلب سلیم کے ساتھ یعنی ایسے دل کے ساتھ جو تسلیم و رضا کی صفت سے موصوف تھا۔ قولہ تعالیٰ ربنا

واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک

(ترجمہ) حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے وقت یہ دعا مانگی۔ اے اللہ! ہمیں مسلمان (یعنی اہل تسلیم و رضا) بنا۔ اور ہماری اولاد کو بھی پیکر تسلیم و رضا بنا۔ اور پھر ارشاد ہے۔

فلما اسلما وتله للجبین ونادینه ان یا براهیم قد صدقت الرء یا

(ترجمہ) اور جب حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ ہر دو نے تسلیم و رضا اختیار کر لیا اور اسے ماتھے کے بل لٹا دیا۔ ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیمؑ! تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا۔ یہاں ماتھے کے بل لٹانے سے صاف تسلیم و رضا کے آگے نفس کی گردن جھکانا اور سربسجود ہونا مراد اور مقصود ہے۔ غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی اللہ تعالیٰ کی ہر آزمائش اور امتحانی امور میں پیکر تسلیم و رضا اور اسی صفت تسلیم و رضا کے سبب آپؑ کو تمام اسلامی ملت کا پیشوا گردانا گیا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

واذا بتلی ابراهیم ربه بکلمت فاتمهن قال انی جاعلک للناس اماما

(ترجمہ) اور جب آزمایا اس کے رب نے ابراہیم علیہ السلام کو چند امور میں۔تو وہ ان آزمائشوں میں پورا اترا۔تب رب نے اسے فرمایا۔کہ اے ابراہیم علیہ السلام اب ہم تمہیں لوگوں کا پیشوا اور امام بناتے ہیں۔سو ان آزمائشی امور میں دو بڑے اہم امور تھے۔ایک تبلیغی امر تھا اور دوم ہجرت کا امر تبلیغی امر نینوا اور بابل کے بڑے جابر اور قاہر فرمان روا نمرود کے خلاف تھا جس نے خدائی کے دعوے کر رکھا تھا۔اور اپنے مختلف مجسمے بنوا کر لوگوں کو ان کے پوجنے اور پرستش پر مجبور اور مامور کیا ہوا تھا۔ایسے متکبر، سرکش، ظالم اور سفاک بادشاہ کی خدائی کا انکار کرنا اور اس کی رعیت کو پرستش سے روکنا اور خدائے وحد پر ایمان لانے کی دعوت اور ترغیب دینا کوئی آسان کام نہیں تھا۔بلکہ اپنے سر کو ہتھیلی پر رکھ کر اپنے نفس کو قربان کرنے کے برابر تھا۔لیکن آپؑ نے بڑے صبر اور استقلال سے اس آزمائش کو نبھایا۔دوسرا امتحان اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور اپنے اکلوتے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کو وادی مکہ کے ایسے بنجر اجاڑ چٹانوں پر محض اللہ تعالےٰ کے توکل اور بے یار و مددگار اکیلے چھوڑنے کا تھا۔جہاں نہ تو کہیں پانی کا نام ونشان تھا اور نہ کھانے کا کوئی سامان تھا۔غرض یہ بھی اپنے نفس کو تسلیم ورضا کی چھری سے ذبح اور قتل کرنے کے مترادف تھا۔غرض سچ مچ حضرت ابراہیمؑ تسلیم و رضا کے مجسم پیکر تھے۔اور خنجر تسلیم و رضا سے اپنے نفس کو قتل کرنے والے اور اس کے بدلے ہر دو کعبہ اصغر آب و گل اور کعبہ اعظم قلب و دل کو زندہ اور قائم کرنے والے تھے۔

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

رجوعات خلق، عزو جاہ اور شہرت ابتدائے حال میں سالک کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔البتہ جب اس کا سلوک ختم ہو جاتا ہے۔اور اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے قرب وصال اور مشاہدے سے مشرف ہو جاتا ہے۔تو پھر

اگر اللہ تعالیٰ اسے بطور و رفعنا لک ذکرک اپنی مخلوق میں معزز اور ممتاز فرمادے اور ہژدہ ہزار عالم علوی اور سفلی کے اندر مشہور اور معروف بنادے تو اس وقت اسے کچھ نقصان نہیں پہنچتا۔ اس لئے طالب کو چاہیے کہ اثنائے سلوک وطلب میں شہرت اور انگشت نمائی سے حتی الوسع پرہیز کرے۔ عارف زندہ دل لوگ ملائکہ اور فرشتوں اور ارواح کو دیکھتے ہیں اور ان سے ملاقی ہو کر ان سے استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایک نوری لطیف غیبی جسہ عطا فرماتا ہے۔ اور اس کے باطنی حواس کھول دیتا ہے۔ ان غیبی لطیف مخلوقات کا دیکھنا ظاہری حواس کا کام ہرگز نہیں ہے۔ اور نہ مادی جزوی عقل والے ان باتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔ اور نہ باور کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ عام نفسانی لوگ اگرچہ ظاہری مادی جسموں سے زندہ ہیں۔ اور ظاہری حواس سے دنیا کی چیزیں دیکھتے ہیں۔ لیکن باطنی دنیا سے بےخبر ہیں۔ کیوں کہ ان کے قلوب عالم غیب میں مادے کے لحاف اوڑھے ہوئے بےخبر سوتے ہیں۔ یا اس مادی دنیا کے رحم میں چھوٹے بچے اور جنین کی طرح پڑتے پھرتے ہیں۔ اور روحانی دنیا کے عالم کبیر میں ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے۔ سو دنیا کے اس وسیع مکان کے اندر جس کا فرش زمین اور چھت آسمان ہے۔ تمام نفسانی لوگ سوئے ہوئے ہیں۔ اور اہل اللہ بیدار ہیں سوئے ہوئے اپنے آپ سے اور غیروں سے بےخبر ہوتے ہیں۔ لیکن بیدار لوگ ظاہری اور باطنی دنیا میں نظار اور اپنے اردگرد کی چیزوں سے آگاہ اور خبردار ہوتے ہیں۔

ملائکہ اور فرشتوں کے ظہور کا مخصوص وقت نصف رات کے بعد طلوع فجر تک ہے۔ اسی وقت میں ان کا ظہور اور حاضرات بہت جلدی اور آسانی سے ہوتا ہے۔ ان کی حاضرات اور آمد کے وقت ایک خاص قسم کی بھینی بھینی خوشبو آنے لگتی ہے۔ عبادت، طاعت، ذکر، فکر اور تلاوت میں لذت اور فرحت آنے لگتی ہے۔ گاہے رقت طاری ہو جاتی ہے۔ وجود بھاری اور ثقیل معلوم ہوتا ہے۔ ملائکہ کی تجلی اور نور

بالکل سفید براق ہوتا ہے۔ ان کی طرف سے تجلیات اور الہامات سر کے اوپر یا دائیں طرف خوشبو کے ہمراہ نمودار ہوتے ہیں۔ لیکن جنات کی تجلی ناری سرخی مائل ہوتی ہے۔ ان کی تجلی اور آواز بائیں طرف سے ظاہر ہوتی ہے اور اس کے ہمراہ بدبو ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اور شیاطین اور ارواح خبیثہ کا شعلہ و آواز پیٹھ پیچھے یا بائیں طرف سے بمعہ تعفن ظاہر ہوتا ہے۔ ملائکہ اور فرشتوں کی حاضرات اور واردات سے عبادت اور اطاعت کی طرف رغبت اور ذکر فکر میں لذت اور یقین و اعتقاد میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے جن شیاطین اور ارواح خبیثہ کی آمد کے وقت بے وجہ دل میں گھبراہٹ، تنگی اور تشویش پیدا ہوتی ہے اور نفسانی و دنیوی خطرات وساوس کا دل پر ہجوم ہوتا ہے۔ فرشتے اور ملائکہ اکثر مثالی صورت لے کر انسان کے پاس آتے ہیں۔ اپنی اصلی صورت میں بہت کم ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کے چہرے انسان کی طرح لیکن بہت گول اور مدور ہوتے ہیں۔ اور ان کے جسم پر مخصوص لطیف نوری پروبال بھی ہوتے ہیں۔ ملائکہ اور فرشتے تعداد میں جنات اور انسانوں سے بہت زیادہ ہیں۔ زمین، سات آسمان، لوح و قلم اور عرش و کرسی غرض اللہ تعالیٰ کی تمام کائنات ان سے معمور اور بھرپور ہے۔ ان کی بے شمار اقسام ہیں۔ اور ہر ایک قسم کے الگ الگ کام ہیں۔ اور ہر کام کے مطابق ان کے مختلف نام ہیں۔ ان کے تمام تفصیلی حالات سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا و ما یعلم جنود ربک الا ھو فرشتوں کی جسمانی طاقت، عقل و فراست اور قوت پرواز عام جنات اور انسانوں سے بہت بڑھ کر ہوتی ہے۔ لیکن خدا کے خاص برگزیدہ بندے عام ملائکہ اور فرشتوں سے مرتبے اور درجے میں بڑھ جاتے ہیں۔ اس فقیر نے جن، ملائکہ اور ارواح کو بہت دفعہ ہوش و حواس اور بیداری کی حالت میں دیکھا بھالا اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ حتیٰ کہ اکثر ملائکہ مقربین بھی دیکھے گئے ہیں۔ اور ان سے دم ملا کر اتحاد حاصل کیا گیا اور ان سے تمتع اور استفادہ کیا گیا ہے۔ اکثر دفعہ جب کبھی

ہمارے شہر کے اندر کسی کی موت واقع ہوتی تو یہ فقیر عزرائیل علیہ السلام کو متوفی کی روح کی شقاوت اور سعادت کے مطابق اپنے مخصوص انداز اور صورت میں اپنے معاونین ملائکہ کے ہمراہ نازل ہوتے دیکھتا جس سے روح کی شقاوت اور سعادت کا پتہ لگ جاتا اور گاہے قبض روح سے پہلے ملک الموت سے ملاقات ہو جایا کرتی۔ چنانچہ ایک دفعہ ہمارے شہر کے اندر ایک معمر سفید ریش شخص جو بہت نیک، صالح اور عابد، زاہد مسکین آدمی تھے۔ وہ بیمار ہو گئے۔ جس رات ان کا انتقال ہونے والا تھا مجھے اس کی روح کے قبض ہونے کی کیفیت یوں نظر آئی کہ میں نے عزرائیل علیہ السلام کو اس رات ایک بڑے سفید بگلے کی صورت میں فضائے آسمانی سے نازل ہوتے دیکھا کہ اس متوفی نیک آدمی کے گھر پر اس طرح منڈلا رہا ہے اور چکر لگا رہا ہے جس طرح عموماً بگلے پانی کے تلاب پر مچھلیاں پکڑنے کے لئے منڈلایا کرتے ہیں۔ چند دفعہ چکر لگانے کے بعد میں نے اسے دیکھا کہ وہ اس گھر پر اس طرح جھپٹا اور نازل ہوا جس طرح بگلا مچھلی پکڑنے کے لئے پانی کے تالاب پر جھپٹتا ہے۔ جب وہ آسمانی پرندہ اس گھر کے تالاب میں سے روح کی مچھلی کو پکڑ کر واپس فضا اور ہوا میں نمودار ہوا تو میں نے دیکھا کہ اس پرندے کا سر اور چہرہ بعینہ اس متوفی بزرگ کا سا بن گیا۔ اور ہوا میں لٹو کبوتر کی طرح پلٹے کھاتا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے گیت گاتا ہوا اوپر آسمان کی طرف اڑتا اور چڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ نظر سے غائب ہو گیا۔ اس وقت اس کا نوری چہرہ اس قدر منور، مزین اور خوش نما تھا۔ اور اس کی حمد و تسبیح کے کلمات اور نغمے اس قدر دل فریب اور دل آویز تھے کہ اس سے بہت دیر تک مجھ پر وجد کی حالت طاری رہی۔ قولہ تعالیٰ

الم تر ان اللہ یسبح لہ من فی السموت و الارض والطیر صفت

اس طرح عزرائیل مختلف حالتوں میں ہر متوفی اور مرنے والے کی حیثیت کے مطابق اور اس کی شقاوت و سعادت کے موافق علیحدہ علیحدہ جلالی و جمالی صورتوں

میں روح کو قبض کرنے کے لئے نازل اور نمودار ہوتے نظر آتے ہیں۔ اور گاہے گاہے قبض روح سے پہلے مصافحہ، ملاقات اور بات چیت ہو ہی جاتی ہے۔

جس وقت سالک دعوت میں منتہی ہو جاتا ہے تو اس کا دم دعوت سے زندہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسے دعوت کے لئے زبان ہلانے اور ہونٹ کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بلکہ نظر، توجہ اور دم سے کام لیتا ہے۔ ایسا زندہ دم عامل ہر فرشتے، ہر ولی اور ہر نبی سے دم ملا کر اتحاد پیدا کر لیتا ہے۔ اور اس فرشتے، ولی اور نبی کے نور سے پاور سے بھر جاتا ہے۔ اور جس قدر اس کے اندر استعداد، وسعت اور توفیق ہوتی ہے۔ اس نور اور پاور سے کام لیتا ہے۔ اور اس طرح استفادہ اور استمداد حاصل کرتا ہے۔ مثلاً اگر کسی زندہ دم عامل کو ضرورت ہے کہ بارش کے لئے دعا کرے تو وہ تصور اسم اللہ ذات کے ذریعے میکائیل فرشتے سے اپنا دم ملا لیتا ہے۔ چونکہ یہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش برسانے پر مامور ہے۔ لہٰذا عامل زندہ دم عارف جس وقت میکائیل فرشتے سے اتحاد پیدا کر کے اس کے نور اور طاقت سے بھر جاتا ہے۔ اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف بارش کی استدعا اور التجا کے لئے متوجہ ہوتا ہے تو اسی وقت بارش کا اہتمام اور انتظام ہو جاتا ہے۔ یا اگر کسی موذی کافر، مرتد، دشمن جان اور عدو ایمان کی ہلاکت اور بربادی کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اپنا دم حضرت عزرائیل علیہ السلام سے ملا کر اس کے نور سے پر اور مملو ہو جاتا ہے۔ اور جب ایسی حالت میں دشمن کی طرف متوجہ ہو کر نظر، جذب اور قبض سے اس کی طرف دیکھتا ہے تو اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے۔ اسی طرح اپنا دم فرشتہ اسرافیل سے ملا کر جس گاؤں، گھر، شہر اور ملک کو جذب قہر و جلال اسرافیلی سے اپنے دم میں پکڑ کر کھینچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ گھر اور شہر ویران ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اپنا دم حضرت جبرائیل علیہ السلام سے ملا کر قوت نور جبریلی سے مملو ہو کر جبرائیلی کام کرتا ہے۔ قرآن کریم کے اصلی شان نزول اور قرآنی آیات اور سورتوں کے اثرات، اسرار اور

معارف سے بہرہ ور ہوتا ہے۔اسی طرح ہر پیغمبر، ولی، نبی، امام، مجتہد، غوث، قطب، شہید اور ہر صاحب نسبت باطنی سے دم ملا کر اس کی روحانیت اور معیت سے جو کام لینا چاہے لے لیتا ہے۔اس سے تعجب نہیں کرنا چاہیے۔کیوں کہ باطن میں ہر نبی، ہر ولی اور ہر فرشتے کو ایک مخصوص صفت، ایک خاص روحانی طاقت اور باطنی کمال عطا فرمایا گیا ہے اور وہ اس میں یکتائے روزگار ہوتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دم میں بیمار، مجنون اور کوڑھی جذامی وغیرہ مریضوں کو اچھا اور تندرست کرنے اور مردوں کو جلانے کی روحانی طاقت بدرجہ اتم رکھی تھی۔حضرت سلیمان علیہ السلام کو جنات کی حاضرات اور تسخیر کا علم اور عمل بدرجہ کمال عطا کیا گیا تھا۔حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب کی تعبیروں میں ید طولیٰ حاصل تھا۔اسی طرح ہر پیغمبر، ہر نبی اور ہر ولی کو اللہ تعالیٰ نے کسی مخصوص کمال اور فن سے نوازا ہے۔اور وہ فن اور کمال اسی کا مخصوص حصہ ہے کہ وہ اس ہنر اور کمال میں دوسرے لوگوں سے ممتاز اور ممیز ہے اللہ تعالیٰ ہر مخلوق کی طرف ایک خاص نئی صفت سے متجلی ہوا ہے۔اس لئے ہر مخلوق میں اختلاف رنگ و بو اور امتیاز خلق وخو واقع ہوا ہے۔سو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جس مخلوق کے کمال اور فن سے استفادہ اور استمداد حاصل کرنا ہو۔عمل حاضرات کے ذریعے اسی سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاؤں تلے بے خبری میں ایک کیڑا کچلا گیا۔مجھے بہت افسوس ہوا کہ اللہ تعالےٰ کی ایک مخلوق بے وجہ میرے ہاتھوں ضائع ہوگئی ہے۔چنانچہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف اس کے دوبارہ احیاء اور پھر زندہ ہونے کی غرض سے ملتجی اور مستدعی ہوا۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کو میری طرف بھیجا۔اللہ تعالےٰ نے ان کے دم سے اس کیڑے کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔اسی طرح ہر کام کا قیاس کر لینا

چاہیے۔ دنیا کی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص میں اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی کمال رکھا ہے جو اس کا حصہ ہوتا ہے مثلاً بڑھئی لکڑی کا کام کرتا ہے۔ لوہار لوہے کی چیزیں بناتا ہے۔ ٹھیرا دھات سے برتن بناتا ہے۔ سنار زیورات گھڑتا اور جوڑتا ہے۔ معمار مکان تعمیر کرتا ہے۔ سو جو کام کرنا ہو اسی کام والے سے کرایا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کا کپڑا پھٹ گیا ہے۔ اب اسے سینا ہے تو ایک دمڑی کی سوئی سے یہ کپڑا سیا جا سکتا ہے اس کے بغیر دنیا کے تمام قیمتی اوزار بیکار ہیں۔ یا کوئی خاص بیماری لاحق ہے تو اس کے واسطے کسی مخصوص دوا کی حاجت ہو گی۔ سو باطنی اور روحانی دنیا میں ہر اہل کمال اور صاحب فن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ عالم غیب و شہادت کی ہر ظاہر و باطن مخلوق خواہ وہ ذی روح ہے یا بے روح۔ اس میں اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت اور حکمت کا کمال ودیعت رکھا ہے۔ لہٰذا یہ ایک سے استفادہ اور استمداد گویا اللہ تعالیٰ ہی سے استمداد ہے۔ اور اس سے انکار یا اعراض کرنا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کی قدرت اور حکمت کا انکار اور بطلان ہے۔ اس موقع پر خشک توحید کی آڑ لینا محض علامت بے نصیبی اور حرمان ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے کہ گھروں میں دروازوں سے داخل ہوو۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اتنا بلند ایوان ہے کہ اسے پھاندنا محال ہے۔ دنیا میں ہر قدرت کے لئے ایک سبب، ہر روح کے لئے ایک جسم اور ہر حقیقت کے لئے ایک لباس مجاز ہے۔ اگر آنے کی آرزو ہے تو آیئے حق کا دروازہ ہر شخص کے لئے کھلا اور باز ہے۔ اور اگر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ اے طالب! اگر تو پیاسا ہے تو پانی طلب کر۔ اس سے تیری پیاس بجھے گی۔ ورنہ خالی ہاتھ پھیلانے اور آرزو کرنے سے تیری پیاس نہیں بجھ سکتی۔

کباسط کفیہ الی الماء لیبلغ فاہ وما ھو ببالغہ وما دعا الکفرین الا فی ضلل

جو شخص ملائکہ کی حاضرات کا ارادہ کرے اور اس کے لئے ریاضت اختیار کرے۔ وہ دوران خلوت میں پاک وصاف اور ستھرا رہے۔ خوشبو لگائے۔ جملہ جلالی و جمالی اشیاء یعنی ترک حیوانات کرے۔ حقہ نوشی اور نشی اشیاء کا تو نام تک نہ لے۔ ہر وقت باوضو رہے۔ کافر، مشرک، منافق، فاسق، فاجر اور بد چلن لوگوں کی صحبت سے کنارہ کرے۔ کم بولنا، کم کھانا، کم سونا اور کم لوگوں سے ملنا اپنا شیوہ بنا لے۔ اپنے دل کو دنیوی خطرات، نفسانی شہوات اور شیطانی خیالات سے پاک وصاف رکھے۔ اور اللہ تعالٰی کے ذکر، فکر، حمد وثناء، تحمید و تہلیل، تلاوت، عبادت اور اطاعت و ریاضت میں دل و جان سے محو اور منہمک ہو جائے۔ اپنی خلوت گاہ کو قبر اور اپنے آپ کو مردہ تصور کرے۔ دنیا اور دنیا والوں سے بالکل قطع تعلق کر لے۔ اور تصور اسم اللہ ذات یا ذکر کلمہ طیب لا الہ الا اللہ نفی اثبات یا تصور اسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرور کائنات یا تصور اور ذکر اسماء الحسنیٰ متبرکات یا نماز نفلات یا تلاوت قرآن آیات یا اللہ تعالٰی کی حمد وثناء اور تسبیح و تہلیل میں سے جو شغل کسی استاد، مربی اور مرشد کی ہدایت سے اپنے لئے مفید اور موافق پائے اس میں مشغول ہو جائے۔ مذکورہ بالا ہدایات پر عمل کرنے سے طالب اللہ کا دل پاک صاف اور نور ذکر اللہ سے زندہ اور تابندہ ہو جاتا ہے۔ اس کا دل بیت اللہ کی طرح جولان گاہ اور آماجگاہ ملائکہ اور طواف گاہ وسجدہ گاہ روحانیین بن جاتا ہے۔ اور فرشتے اس کے مطیع، تابعدار اور فرماں بردار اور اس کے ہر کام میں معاون اور مددگار بن جاتے ہیں۔

اس کے بعد اگر طالب سالک اس منزل اور مقام ملکوت سے ترقی کر کے آگے مقام روح میں قدم رکھتا ہے تو اس کا لطیفہ روح زندہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ زبان روح سے دعوت قرآن پڑھتا ہے۔ روحانی ہر طرف سے کلام اللہ کی نوری غذا حاصل کرنے کے لئے اہل دعوت کے پاس آتے ہیں۔ اور اپنی نوری غذا حاصل کر کے

خوش وقت اور مسرور ہو کر اس کی ہر طرح سے امداد اور اعانت کرتے ہیں۔ ایسا زندہ روح آدمی جب کسی کامل عارف ولی یا شہید کی قبر کے پاس دعوت قرآن کریم شروع کرتا ہے۔ تو روحانی اہل قبر نور قرآن کی بو پا کر اپنے بحر عالم غیب سے اس طرح اہل دعوت کی طرف طیر سیر کرتا آتا ہے۔ جس طرح کوئی مچھلی پانی میں سے آٹے یا کسی خوراک کی بو پا کر آٹا ڈالنے والے کے پاس دوڑتی ہوئی آتی ہے۔

یہاں ایک مردہ دل نفسانی آدمی اعتراض کرسکتا ہے کہ قبر تو مٹی کا ایک ڈھیر ہوتا ہے جس کے اندر مردے کی بوسیدہ ہڈیوں کے سوائے اور کچھ نہیں پایا جاتا۔ روح اگر چیز ہے تو وہ عالم بالا بہشت یا عرش کے کنگروں میں سرسبز پرندوں کی شکل میں قیام رکھتی ہوگی۔ سو یاد رہے کہ قبر کے اندر واقعی مردے کی بوسیدہ ہڈیاں ہی ہوتی ہیں۔ اور روح کا پرندہ جب اپنے جسم عنصری اور مادی پنجر کا پنجرہ ٹوٹا ہوا پاتا ہے تو وہ ہمیشہ عالم بالا اور عالم برزخ کی طرف پرواز کر جاتا ہے لیکن اس کا اپنی قبر اور عنصری جسم کے ساتھ اس قسم کا باطنی تعلق قائم رہتا ہے جس طرح پرندے کو اپنے گھونسلے اور آشیانے سے ہوتا ہے۔ روحانی قبر کے آشیانے کے پاس جس وقت قرآن مجید پڑھا جاتا ہے یا اسے قرآن اور فاتحہ وغیرہ کا ثواب بخشا جاتا ہے تو اسے عالم بالا اور عالم برزخ سے اعلام ہو جاتا ہے۔ اور وہ اسے لینے کے لئے عالم غیب اور عالم برزخ سے اپنی قبر پر حاضر ہو جاتے ہیں۔ روحانی اپنی قبر اور اپنی جسد کے متصل اپنے غیبی برزخ کے اندر اس طرح ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح خواب میں انسان کے وسیع، لطیف دور دراز جہان کے اندر چلا جاتا ہے اور بیدار ہونے پر اس کا باطنی لطیف جسہ واپس اپنے جسم اور چارپائی پر نمودار ہو جاتا ہے۔

اگر انسان خواب سے بیدار ہوتے وقت ذرا ہوش اور شعور سے کام لے تو خواب کی لطف دنیا سے اپنے آپ کو اس طرح نکلتا ہوا پائے گا جس طرح مچھلی پانی سے اوپر آتی ہے۔ اس لئے خواب کو عربی میں اخ الموت یعنی موت کا بھائی کہا گیا ہے۔

اسی کے متعلق کسی کا فارسی شعر ہے۔

اے برادر من ترا از زندگی دادم نشاں
خواب را مرگ سبک داں، مرگ را خواب گراں

نیند کی حالت میں روح کا پرندہ اپنے جسم اور پنجر کے پنجرے سے ایک باطنی رشتے اور لطیف تاگے سے بندھا ہوا ہوتا ہے۔اور نیند کے وقت اس کی ڈور ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔اور وہ خواب کے لطیف عالم میں ڈوب جاتا ہے۔لیکن موت کے وقت روح کی رسی جسم عنصری سے یک دم ٹوٹ جاتی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت و یرسل الاخریٰ الی اجل مسمی

(ترجمہ) اللہ تعالے موت کے وقت نفس کو پورا پورا لے لیتا ہے (اور نفس وہ چیز ہے جو نیند کی حالت میں مر نہیں جاتی بلکہ زندہ رہتی ہے) پس اللہ تعالیٰ اس جسم کو تو پکڑ لیتا ہے۔جس پر موت واقع ہوتی ہے اور دوسری چیز روح کو اپنے معین وقت کے لئے بھیج دیتا ہے سو روح کا تعلق قبر اور لاش کے ساتھ تقریباً اسی طرح رہتا ہے جس طرح پرندے کا تعلق اپنے گھونسلے اور درخت کے ساتھ ہوتا ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ روح زندگی کی حالت میں جسم کے گھونسلے میں انڈے یا چھوٹے بچے کی طرح موجود اور مقیم رہتی ہے۔لیکن موت کے وقت اپنے انڈے اور گھونسلے سے پرواز کر جاتی ہے۔اور پھر اپنے ارادے وراختیار سے جس وقت چاہے اپنے گھونسلے کے اندر آتی جاتی ہے۔

سالک عارف کا جب لطیفہ قلب و روح بیضہ ناسوتی توڑ کر زندہ ہو جاتا ہے یا وہ زندگی ہی میں بطور موتو اقبل ان تموتو معنوی طور پر مر جاتا ہے۔اور اس کی روح اور جسم زندگی ہی میں ایک دوسرے سے جدا اور الگ الگ ہو جاتے ہیں۔اور

وہ مادے کا کثیف عنصری لباس پہلے ہی اتار کر پھینک دیتا ہے اور روح کا لطیف لباس پہن لیتا ہے تو وہ عالم غیب اور عالم برزخ میں اپنے اختیار سے آتا اور جاتا ہے اور مراقبے کی حالت میں عالم غیب کی لطیف مخلوق سے ملتا جلتا ہے۔ خواب اور مراقبے میں صرف یہ فرق ہے کہ اہل خواب نفسانی مردہ دل خواب کی حالت میں بے اختیار، بے شعور اور بے ارادہ ہوتا ہے۔ اور اتنا بھی نہیں جانتا کہ یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں خواب میں ہے یا بیداری میں۔ نفسانی آدم خواب کے اندر اکثر اپنے خیالات کی رو میں بہہ جاتا ہے۔ اور جس خیال کی ہوا آتی ہے اس کے مردہ نفس کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جاتی ہے۔ حتیٰ کہ کبھی انسان اچھے کام اور نیک عمل کر کے سوتا ہے اور بُرے خواب دیکھتا ہے۔ اور گاہے برے کام کر کے سوتا ہے اور اچھے خواب دیکھتا ہے۔ غرض خواب میں انسان کا مردہ نفسانی لطیفہ بے جان لکڑی وغیرہ کی طرح عالم غیب کی آبی سطح لطیف پر ڈانواڈول، بے اختیار اور بے ارادہ ادھر ادھر تیرتا پھرتا ہے کہ جدھر کی رو یا ہوا آتی ہے اسے اسی طرف بہالے جاتی ہے۔ لیکن مراقبے کے اندر عارف زندہ دل سالک کا لطیفہ قلب وروح زندہ مچھلی کی طرح بحر عالم غیب میں اپنے اختیار اور ارادے کے ساتھ چلتا پھرتا ہے اور جس مقام اور منزل کا ارادہ کرتا ہے۔ وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اور جس لطیف غیبی مخلوق سے چاہتا ہے ملاقی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محض زندہ دل عارف سالک ہی اہل قبور پر دعوت پڑھ کر روحانی سے ہم سخن، ہم کلام اور ملاقی ہوسکتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور انہیں فائدہ پہنچاتا ہے۔ نفسانی مردہ دل آدمی اگر ساری عمر کسی اہل قبر بزرگ کی قبر پر قرآن کریم پڑھتے گذاردے وہ روحانی کو نہ حاضر کر سکتا ہے اور نہ اس سے ملاقی ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر روحانی چاہے خواب میں اسے اپنی زیارت کراسکتا ہے۔ اور رمز وکنایہ اور اشارے سے اس کے سوال کا جواب دے دیتا ہے۔ جس کی تعبیر وو تاویل میں اہل خواب عجیب ششں وپنج میں مبتلا رہتا ہے۔ غرض خواب کی دنیا کا کوئی

اعتبار نہیں ہے۔

نیز یاد رہے کہ مردہ دل نفسانی اور زندہ دل روحانی کی موت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ نفسانی کی موت جان کندن یعنی عذاب و آلام کا مجموعہ ہوا کرتی ہے۔ لیکن زندہ دل عارف سالک کی موت نوم العروس، جان دادن ایک گونہ نقل مکانی ہوتی ہے۔ کیونکہ عارف زندہ دل آدمی بطور موتو قبل ان تموتو زندگی میں کئی بار معنوی موت مر چکا ہوتا ہے۔ مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں۔

هم چو سبزه بار ها روئیده ام

سه صد و هفتا د قالب دیده ام

اور حضرت جامی علیہ الرحمۃ کا قول ہے

یک بار میرد ہر کسے بے چارہ جامیؒ بار ہا

اس کی جان اور روح کا مکھن جسم اور نفس کے دودھ اور چھاچھ پہلے الگ ہوا ہوتا ہے۔ سچ پوچھو تو مومن عارف زندہ دل آدمی کے لئے موت عین مراد اور موجب صد راحت و آسائش ہے۔ کیوں کہ مومن عارف کے لئے یہ دنیا دار المحن، قید خانہ اور جائے آزمائش ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے الدنیا سجن المومنین و جنت الکافر یعنی دنیا مومن کے لئے ایک قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔ جیل خانہ میں قیدی کی جملہ حرکات و سکنات اور تمام اعمال و افعال حتیٰ کہ اس کے پاخانہ اور پیشاب پھرنے پر بھی پابندی ہوتی ہے۔ اسی طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ اور بانی اسلام نے از روئے شریعت مومن کی جملہ حرکات و سکنات حتیٰ کہ اس کے پاخانہ اور پیشات پھرنے پر بھی پابندی عائد کی ہے کہ جب وہ پاخانہ اور پیشاپ پھرنے بیٹھے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرے اور نہ پیٹھ کر کے بیٹھے اور استنجا کے لئے تین ڈھیلے استعمال کرے۔ اور بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت فلاں دعا پڑھے بلکہ مومن کے لئے یہ دنیا مادی جیل

خانہ سے بھی سخت تر ہے۔ کیونکہ ظاہری جیل خانہ کے قواعد اور پابندیوں میں قیدیوں کا ظاہری جسم چند خاص معمولی قواعد کا پابند ہوتا ہے لیکن مومن کا ظاہر و باطن یعنی جسم و جان، نفس، قلب اور روح سب کچھ مذہبی اور شرعی قواعد و قوانین میں سر سے پاؤں تک جکڑا ہوا اور اسیر ہوتا ہے۔ لہٰذا موت کے ذریعے مومن عارف ان جملہ قیود اور پابندیوں سے آزاد ہو کر آخرت کے دوام دارالخلد میں ایسی ابدی نعمتوں اور سرمدی راحتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے جس کا قیاس بھی کسی کے دل پر نہیں گذر سکتا۔ بر خلاف اس کے ایک کافر مشرک، فاسق فاجر اور بے دین آدمی دنیا میں جملہ ظاہری و باطنی اور تمام مذہبی و اخلاقی قیود اور ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ ہر طرح کی حلال حرام لذات اور عیش و عشرت سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ نہ دنیا کا غم نہ آخرت کی فکر۔ شتر بے مہار کی طرح جدھر منہ آتا ہے چلا جاتا ہے۔ لیکن موت واقع ہونے سے اس کی جملہ آزادیاں اور خوشیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اور طرح طرح کے ابدی عذابوں اور آلام میں مبتلا ہو جاتا ہے جن کے مقابلے میں دنیا کی زندگی اس کے لئے بہشت کا نمونہ تھی۔ سو موت اس کے لئے ابدی اور سرمدی عذاب اور آلام کا مجموعہ اور ٹھکانا ثابت ہوتی ہے۔ بفرض محال اگر دارالجزاء اور دارالآخرت نہ بھی ہو تب بھی موت مومن مسکین کے لئے باعث صد راحت و سکون اور موجب آسائش و اطمینان ثابت ہوتی ہے۔ اور کافر بے ایمان کے لئے وجہ حزن و اندوہ خاطر اور باعث ملال و حرمان جان واقع ہوتی ہے۔

بقدر هر سکون راحت بود بنگر تفاوت را

دویدن، رفتن، استدان، نشستن، خفتن و مردن

خواب اور موت کی دنیا تقریباً ملتی جلتی ہے۔ جس طرح ہم خواب کے اندر اپنے اردگرد ایک دنیا دیکھتے ہیں جس میں ہمارے اس جہان کی مثل ایک جہان ہوتا ہے جس میں دنیا کی تمام چیزیں مثلاً شہر، جنگل، دریا، پہاڑ، زمین اور آسمان ہوتا ہے۔

خواب میں ہر شخص کا یہ وسیع جہان گویا اس کے خواب وخیال کا ایک لطیف گھر یا مکان ہوتا ہے۔ اور اس میں سوئے خواب دیکھنے والے کے اور کسی غیر کا مطلق دخل نہیں ہوتا۔ اور وہ مکان اس کے جسم اور جان کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب میں جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی سے ملتا ہے تو اس دوسرے آدمی کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ ایسا بہت شاذونادر ہوتا ہے کہ دو شخص ایک خواب میں ایک دوسرے سے ملیں یا کوئی بات یا معاملہ کریں اور بیدار ہونے پر دو کو یکساں طور پر یاد اور معلوم ہو۔ موت کے بعد بھی انسان اپنے اردگرد اسی قسم کا ایک وسیع برزخی لطیف جہان اپنے دینی اعمال کے مطابق اور مذہبی حیثیت کے موافق پاتا ہے۔

نفسانی مردہ دل آدمی نہ تو زندگی میں اپنے خواب وخیال کے ماحول سے اور نہ موت کے بعد اپنے برزخی جہان سے تجاوز کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ زندگی اور ممات میں اپنے نفس کی ظلمت میں مقید اور محبوس رہتا ہے۔ اور عارف زندہ دل لوگ چونکہ اللہ تعالیٰ کے نور سے زندہ ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے باطنی لطیف جسے سے لوگوں کے خواب کی دنیا اور اہل قبور کے برزخی جہان میں جا داخل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

او من کان میتاً فاحیینه وجعلنا له نورا یمشی به فی الناس کمن مثله فی الظلمت لیس بخارج منها

(ترجمہ) آیا وہ شخص جو تھا مردہ پس ہم نے اس کو (اپنے نور) سے زندہ کر دیا اور اس کو ہم نے ایک نوری وجود عطا کیا۔ جس کے ذریعے وہ لوگوں کے لطیف جسوں یعنی برزخی مکانوں میں چلتا ہے۔ اس آدمی کے مثل ہو سکتا ہے جس کے اردگرد ایسا اندھیرا ہے جس سے وہ کسی طرح نکل نہیں سکتا۔ مردہ دل نفسانی آدمی کے لئے اس کا یہ برزخی تنگ وتاریک مکان اس کا دوزخ ہوتا ہے۔ مگر عارف زندہ دل آدمی کے لئے یہ برزخی لطیف جہان اس کی ایک وسیع وعریض جنت ہوتی ہے جسے باطن میں

اپنے ساتھ لئے پھرتا ہے قولہ تعالٰی

سابقو الی مغفرۃ من ربکم و جنۃ عرضھا کعرض السماء والارض اعدت للذین امنو باللہ و رسلہ

(ترجمہ) اللہ تعالٰی اہل بہشت سے خطاب فرمائے گا کہ آگے بڑھو۔ اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کے برابر ہے جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے ہیں۔ یہاں اس بہشت کی محض چوڑائی بیان کی گئی ہے۔ لمبائی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ انسان کی برزخی کائنات دو چیزوں سے مرکب ہوتی ہے۔ ایک مکان دوم زمان انگریزی میں اسے (Space and Time) کہتے ہیں۔ سو باطن میں اس برزخی جہان کی وسعت یعنی (Space) چونکہ معلوم ہوتی ہے اس واسطے اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کی زمانی لامحدود طوالت یعنی (Time) کا پتہ نہیں لگتا۔ اس واسطے یہاں صرف اس کے عرض کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا آسمان اور زمین کے برابر عرض ہے۔ یعنی اس میں ایک ایسا جہان ہے جس میں دنیا کی طرح زمین اور آسمان ہے۔ ہر انسان کی یہ برزخی کائنات یا دار آخرت اس کی اپنی فطرت و استعداد اور نیک و بد اعمال کے مطابق یا تو بہت عمدہ اور خوشگوار بہشت ہوتی ہے یا دوزخ کا گڑھا مطابق اس حدیث کے القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفرات النار یعنی انسان کی قبر یا تو بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جاتا ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔ یہاں متوفی روحانی کے مقام قبر کو اس کی بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بتایا گیا ہے سو اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اہل قبر روحانی کی بہشت کا باغ یا اس کے دوزخ کا گڑھا اس کی قبر اور لاش کے پاس اور اس کے گرد ہوتا ہے۔ یعنی اگر روحی سبز پرندے کی طرح بہشت کے کسی باغ میں اڑتا ہے یا عرش بریں کے

کنگرے یا مقام علیین تک پرواز کرتا ہے پھر بھی اس کا برزخی آشیانہ یا اس کا نوری لطیف پنگھوڑا یا لفٹ (Lift) قبر ہی میں پڑا رہتا ہے۔ اور اگر اس کے دوزخ کا پیند اتحت الثریٰ کی گہرائیوں میں واقع ہو تو بھی اس کے برزخی کنوئیں کا دہانہ اس کی قبر کا غار ہی ہوتا ہے۔ اور قبر اور لاش سے روحانی تعلق بہر حال قائم رہتا ہے۔ اور اس کا ایک برزخی لطیف مکان اس کی قبر کے قریب ضرور موجود ہوتا ہے۔ اور اس کا ایک لطیف جسہ اس جگہ آمد و رفت رکھتا ہے۔ اہل بصیرت باطنی اہل قبور کے ان باطنی برزخی ناری غاروں اور نوری بلند ایوانوں کو قبر کے پاس اپنی باطنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے سینوں میں ایک ایسا باطنی نوری ٹیلی ویژن (Television) لگا ہوا ہوتا ہے۔ جو ہر روحانی اہل قبر کے باطنی برزخی حالات کو اس میں دیکھتا اور معلوم کرتا ہے۔ جسے عرف تصور میں کشف القبور کے نام سے پکارتے ہیں۔

اہل قبور کے برزخی مقامات الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر ایک نیک بخت مومن صالح آدمی کی قبر ایک فاسق فاجر مشرک کافر کی قبر کے بہت قریب اور متصل ہی بنادی گئی ہے۔ یا ان کی لاشیں کہیں اکٹھی ایک ہی جگہ غلط ملط کر دی گئی ہوں تو بھی ان کا برزخی عذاب وثواب، باطنی سکھ دکھ اور روحانی رنج و راحت ایک دوسرے پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ جیسا کہ ایک ہی مکان یا ایک ہی چارپائی یا لحاف کے اندر دو آدمی سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک آدمی ڈراؤنا اور دردناک خواب دیکھ رہا ہوتا ہے اور عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور دوسرہ عمدہ اور خوشگوار خواب دیکھ کر عیش اور لطف اٹھا رہا ہوتا ہے

قولہ تعالیٰ وھو الذی مرج البحرین ھذا عذاب فرات وھذا ملح اجاج وجعل بینھما برزخا وحجرا محجورا

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ کی وہ قادر ذات ہے کہ جس سے دو مختلف دریاؤں کو ایک

دوسرے کے پاس قریب اور بالکل متصل رکھا۔ جن میں ایک کا پانی تو میٹھا اور خوشگوار ہے اور دوسرا کھاری تلخ ہے۔ اور ان کے درمیان اپنی قدرت سے پردہ ڈالا اور ان کو آپس میں ملنے سے الگ اور جدا رکھا۔ قولہ تعالی

فضرب بینهم بسور له باب باطنه فیه الرحمة و ظاهره من قبله العذاب

(ترجمہ) پھر دار آخرت یا عالم برزخ میں مومنوں اور منافقوں کے درمیان ایک اونچی دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں دروازہ ہوگا۔ اور جس کے اندر کی طرف تو اللہ تعالی کی رحمت اور راحت ہوگی۔ اور اس کے باہر کی طرف عذاب اور دکھ ہوگا۔

نیز روحانی اپنی ہڈیوں اور قبر کے ساتھ اضطراری اور مجبوری طور پر معلق اور بندھا ہوا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی قبر کا ڈھانچہ پرندے کے گھونسلے اور آشیانے کی طرح اس کا اختیاری مسکن اور وقتی نشیمن ہوتا ہے۔ چاہے اس میں آئے جائے اور چاہے آنا جانا چھوڑے دے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بزرگان دین کے مزارات ایک زمانہ خوب مرجع خلائق اور منبع فیوضات و برکات رہے ہیں۔ لیکن جب ان پر بدرسومات اور بدعات شروع ہوگئی ہیں تو ان بزرگوں نے اپنے مزاروں پر آنا جانا اور فیض پہنچانا موقوف کر دیا اور وہاں لوگوں کا آنا جانا اور فیض اٹھانا بند ہو گیا۔ ان کی سابق پرانی رونق جاتی رہی۔ اور وہ قبریں اور مزاریں متروک ہوگئی ہیں۔

دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کم و بیش پیغمبر ہو گئے ہیں۔ اور ہر پیغمبر کی امت میں بے شمار اولیاء اللہ ہو گذرے ہیں۔ حالاں کہ آج نہ ان پیغمبروں کے مزارات موجود ہیں اور نہ ان کی امت کے اولیاء اللہ کی قبروں کے اثر اور نشان نظر آتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کی ارواح زمین اور اہل زمین سے اپنا رشتہ اور تعلق توڑ کر مقام علیین اور ملاء الاعلی میں اپنا مسکن اور ٹھکانا بنا لیتے ہیں۔ انہیں اگر کوئی اہل دعوت حاضر کرنا چاہے تو ان کا تعلق بجائے قبر اور جسم کے ان کے نام اور اسم سے ہوتا ہے۔ اور نام

اور اسم کے واسطے اور ذریعے سے ان کی حاضرات کی جاتی ہے۔لہٰذا نام اور اسم کا تعلق قبر اور جسم سے زیادہ مستحکم اور پائیدار ہے۔اور یہی اسم اور مسمّٰی کا بڑا بھاری بھید اور اسرار ہے۔اور تمام کائنات اور مخلوقات کے اسماء اللہ تعالےٰ کے اسم ذات اور ان کی ذوات اس کی ذات میں شامل اور مندرج ہیں۔اور وہی سب کا باعث کون و ایجاد اور مرجع و معاد ہے۔جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی۔

وسخر لکم ما فی السموت و ما فی الارض جمیعا منہ سئل ابن عباسؓ من تفسیر ھذہ الایت فقال فی کل شئی اسم من اسمائہ تعالیٰ و اسم کل شئی من اسمہ تعالیٰ

یعنی ہر ایک چیز میں اللہ تعالی کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔اور ہر شے کے اسم کا ظہور اس کے اسم ذات سے ہے۔

تصور اسم اللہ ذات جس وقت اللہ تعالی کے فضل و کرم اور مرشد کامل کی توجہ سے طالب سالک کے وجود میں قائم ہو جاتا ہے۔اور اس کا لطیفہ قلب و روح نور اسم اللہ ذات سے زندہ ہو جاتا ہے۔تو اس کے اندر اللہ تعالی کے نام اور کلام کا ریڈیو اسٹیشن قائم ہو جاتا ہے۔اور اللہ تعالی کے اسم ذات اور نور کن کی بجلی اس کلام کو ہر زمان اور ہر مکان غیب و شہور میں پہنچانے کا ذریعہ اور واسطہ بن جاتی ہے۔دیکھو ایک شخص ریڈیو سٹیشن یعنی کسی نشر گاہ میں بول رہا ہوتا ہے تو اس کی آواز تمام دنیا میں منتشر ہو جاتی ہے۔اور ہر ریڈیو میں سنائی دیتی ہے۔لیکن اگر بغیر نشر گاہ کے وہی کلام کرے تو اس کا وہ کلام وہیں غائب ہو جاتا ہے۔اسی طرح عامل کامل شخص کا قرآن تمام انس و جان، ملائکہ اور ارواح بلکہ تمام علوی و سفلی کائنات اور جملہ ظاہر و باطنی مخلوقات میں مسموع ہوتا ہے اور اجابت و قبولیت پاتا ہے۔جیسا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ میں تیس سال سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہم سخن اور ہم کلام ہوں۔اور مخلوق جن

وانس، ملائکہ اور ارواح سمجھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ہم سخن اور ہم کلام ہے۔ عارف سالک زندہ دل کامل اہل دعوت جب قرآن صحیح طور پر پڑھتا ہے تو وہ اپنے خالق اور مخلوق کے ساتھ بیک وقت متکلم اور ہم سخن ہوتا ہے۔ اگر قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا پاک قدیم غیر مخلوق کلام ہے تو اس کی تلاوت سے تمام علوی و سفلی، لطیف و کثیف، ظاہری و باطنی اور مادی و روحانی مخلوق کو مطیع و منقاد ہونا چاہیے۔

ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا اوکرھا قالتنا اتینا طائعین

(ترجمہ) پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کا قصد کیا۔ اور وہ ایک دھوئیں کی صورت میں نمودار تھا۔ تب آسمان اور زمین کو حکم دیا کہ میری اطاعت کرو۔ چار و ناچار آسمان اور زمین نے عرض کیا کہ ہم حضور کے حکم کے مطیع اور فرماں بردار ہیں۔ سو قرآن اگر اللہ تعالیٰ کا قدیم کلام ہے۔ تو اس میں بھی وہی قدیم ابدی امر موجود ہے۔ اور تمام اہل آسمان اور اہل زمین اللہ تعالیٰ کے اس حکم جاریہ کے مطیع اور منقاد ہیں۔ اور سب اس کے حکم کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔ اور اس کی اطاعت کے لئے دوڑتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم قدیم اٹل امر ہے۔ قولہ تعالیٰ وکان امر اللہ مفعولا سو قرآن کی تلاوت اللہ تعالیٰ کے امر کن کے مترادف اور اس کا نعم البدل ہے۔ اور ہر ممکن امر اور محال و دشوار کام اس کی دعوت اور تلاوت سے حل اور آسان ہو جاتا ہے۔ سو تمام دعوتوں اور کلاموں سے افضل، اعلیٰ، اتم اور جامع دعوت تلاوت قرآن مجید ہے۔ سو قرآن کی اصلی شان، اس کی غیر مخلوق عظمت اور قدیم ثقالت کا اندازہ اس وقت لگتا ہے۔ جب کہ کوئی عارف کامل پاک طیب طاہر نوری وجود اور نوری زبان سے قرآن کی دعوت شروع کرتا ہے۔ مردہ دل نفسانی لوگ اس کی قدر کیا جانیں۔ جس وقت کوئی زندہ دل عارف عامل کامل کسی بزرگ ولی اللہ کی قبر پر دعوت پڑھتا ہے۔ تو ہر دو اہل قبر روحانی اور اہل دعوت عامل کامل کو بے اندازہ اور

بے قیاس فیوضات اور برکات حاصل ہوتی ہیں۔مثال کے طور پر روحانی اہل قبر اپنے برزخ کے غیبی لطیف دریا کے اندر اس طرح ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔جس طرح مچھلی دریا کے پانی میں ڈوبی رہتی ہے۔ ہمارا مادی جہان اس بحر عالم غیب پر گویا ایک جزیرے کی طرح ہے۔اور اس میں چشموں کی طرح چھوٹے چھوٹے برزخی سوراخ قبروں کے مقام پر بنے ہوئے ہیں۔جس میں روحانی وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ثواب فاتحہ اور نور قرآن حاصل کرنے کے لئے مچھلی کی طرح سر نکالتا ہے۔اور نور قرآن لے کر پھر اپنے غیبی چشمے میں ڈوب کر بحر عالم غیب میں چلا جاتا ہے۔اور گاہے اہل دعوت عامل کامل قرآنی نور کی ثقالت سے وزنی ہو کر روحانی کی قبر کے چشمے میں غوطہ لگا کر روحانی کے برزخی مقام میں اس سے جاملتا ہے۔یہی وہ برزخی مقام ہے جو دار دنیا اور دار آخرت کے درمیان بطور ریل اور اسٹیشن قائم ہے اور آیت مرج البحرین یلتقین بینھما برزخ لا یبغین اسی سے تعبیر ہے۔سالک کا ظاہر مضغہ قلب ایک صخرہ پتھر کی مانند دار دنیا اور عالم شہادت میں قائم ہے۔اس کا لطیفہ قلب مچھلی کی طرح اس کے نیچے آب حیات اسم اللہ ذات سے زندہ ہو کر بحر عالم غیب میں خلاف عقل عجیب چال اختیار کر لیتا ہے۔جیسا کہ سورہ کہف میں ہے

اذ قال موسیٰ لفتہ لا ابرح حتیٰ ابلغ مجمع البحرین او مضی حقبا فلما بلغا مجمع بینھما نسیا حوتھما فاتخذ سبیلہ فی البحر سربا فلما جاوز قال لفتہ اتنا غداء نالقد لقینا من سفر نا حذا نصبا قال ارء یت اذ وینا الی الصخرۃ فانی نسیت الحوت وما انسنیہ الا الشیطن ن اذکرہ واتخذ سبیلہ فی البحر عجبا

(ترجمہ) اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد اور رفیق یوشع سے کہا کہ میں اپنے روحانی رہنما خضرؑ کی تلاش میں دوڑ دھوپ سے باز نہیں آؤں گا۔ جب تک میں اسے عالم غیب اور عالم شہادت کے مجمع البحرین پر بیٹھا ہوا نہ پالوں خواہ اس سفر میں

میری تمام عمر ہی گذر جائے۔ جب وہ اس مجمع البحرین پر پہنچے تو انہیں اپنی مچھلی کا کچھ خیال نہ رہا۔ موسیٰ علیہ السلام سو گئے۔ اور یوشع وضو کرنے لگے اور جب ایک بوند عالم غیب کے پانی کی اس مچھلی پر گری تو وہ زندہ ہو کر عالم غیب کے سمندر میں تیرتی ہوئی دوڑ پڑی۔ جب وہ کچھ آگے چلے گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سے کہا کہ ہمارے پاس چاشت کا کھانا اور مچھلی لاؤ۔ کیوں کہ اس سفر کی محنت سے کھا پی کر ذرا دم لے کر ستا لیں۔ تو اس پر یوشع نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! آپ کو خبر نہیں کہ جب ہم اور تم اس پتھر کے نیچے بیٹھے تھے۔ میں آپ سے اس مچھلی کا حال کہنا بھول گیا اور نہیں بھلایا مگر شیطان نے۔

اب عرض یہ ہے کہ اس مچھلی نے تو زندہ ہو کر بحر عالم غیب میں خلاف عقل عجیب چال اختیار کی۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسی بات کی تو ہمیں تلاش اور ضرورت تھی۔ اور اسی پر سلک باطنی کا سارا معاملہ موقوف ہے۔ کیونکہ مقام قلب جو عام شہادت اور عالم غیب کے درمیان ایک درمیانی مجمع البحرین کا برزخی مقام ہے کہ ایک طرف وہ اپنے سنگین جامد صخرہ کی صورت میں عالم شہادت میں قائم ہے۔ اور جب اس کے اندر سے قلب کا لطیفہ جسہ مچھلی کی طرح عالم غیب کے قطرہ آب حیات سے زندہ ہو جاتا ہے۔ اور عالم غیب میں طیر سیر کرنے لگ جاتا ہے۔ تو سالک عارف خضرؑ کی طرح عارف زندہ جاوید ہو کر صاحب مجمع البحرین بن جاتا ہے۔ اور اجسامھم فی الدنیا و قلوبھم فی الاخرۃ دونوں جہان میں تصرف کرنے لگ جاتا ہے۔

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ ہست

ہمارا یہ مادی جہان عالم غیب کے وسیع جہان کے مقابلے میں اس قدر تنگ و تاریک ہے۔ جتنا بچے کے لئے ماں کا رحم اور پیٹ اس مادی جہان کے مقابلے میں

تنگ اور تاریک ہوتا ہے۔ عالم غیب کا جہان اس قدر وسیع و عریض ہے کہ اس میں تمام مادی جہان رائی کے دانے کے برابر نظر آتا ہے۔

فی تفسیر الشیخ الاکبر ان فی عالم الغیب سماء و ارض و جبال و بحارا و عرش و کرسی و شمس و قمر و بحوم وھذا العالم عند عالم الغیب کقطرۃ عند البحر وردی ان واحدامات وصلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جنازتہ وذھب مع الجنازۃ الی قبرہ فد فن فرجع صلی اللہ علیہ وسلم الی بیتہ فقامت عائشۃ رضی اللہ عنھا ومست بیدھا عمامۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقالت یا عجبا بلت عماتک وثوبک من المطر وفی ذلک الیوم لیس مطر فعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما تغطیت راسک الیوم قالت تغطیت رأسک الیوم قالت تغطیت راسی بردائک ثم قال علیہ السلام یا عائشۃ بذلک الرداء قد رفع عن بصرک الحجاب فرایت مطر عالم الغیب یا عائشۃ فی عالم الغیب شمس و قمر ومطر لا یرھا الا الاولیاء الکاملون

(ترجمہ) شیخ اکبر کی تفسیر میں آیا ہے کہ عالم غیب میں آسمان، زمین، پہاڑ، سمندر، عرش کرسی سورج اور چاند ستارے ہیں۔ اور ہمارا یہ مادی جہان عالم غیب کے سمندر کے مقابلے میں گویا ایک قطرے کے برابر ہے۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک شخص فوت ہو گیا۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی۔ اور اس کے جنازے کے ہمراہ قبر تک تشریف لے گئے۔ پس جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازے سے فارغ ہو کر واپس اپنے گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا آپ کی پیشوائی کے لئے آگے بڑھیں۔ اور اپنے ہاتھ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستار مبارک کو

چھو کر بولیں کہ بہت عجیب بات ہے کہ آپؐ کی پگڑی اور کپڑے بارش کے پانی سے تر ہیں۔ حالاں کہ آج کوئی بارش نہیں ہوئی۔ پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے عائشہؓ! آج تو نے اپنا سر کس چیز سے ڈھانپا ہے؟ حضرت صدیقہؓ نے جواب دیا آج میں نے اپنا سر آپؐ کی چادر مبارک سے ڈھانپا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہؓ! میری اس چادر کے طفیل تیری آنکھوں سے پردے اٹھ گئے ہیں۔ اور اس لئے تجھے بارش غیبی کا پانی میرے کپڑوں پر نظر آنے لگ گیا ہے۔ اے عائشہؓ! عالم غیب میں زمین، آسمان، سورج، چاند ستارے اور بارشیں ہوا کرتی ہیں جسے بجز اولیاء کاملین کے اور کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ عالم غیب اور عالم شہادت آپس میں اس طرح وابستہ اور ملے جلے ہیں جس طرح ہماری جان اور جسم ایک دوسرے کے ساتھ مخلوط اور وابستہ ہیں۔ مردہ دل نفسانی لوگ اسی مادی دنیا اور مادی جسم کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔ دل اور روح کے لطیف غیبی وجود اور اس کے غیبی جہان سے بالکل بے خبر ہیں۔ دل اور روح کا لطیف غیبی جسہ جسم کے اندر اس طرح پوشیدہ اور بالقوۃ موجود ہے۔ جس طرح انڈے کے اندر بچہ اور تخم اور پھل کے اندر پودا اور درخت ہوتا ہے۔ کہ جس وقت انڈے کو بالفعل گرمی پہنچائی جاتی ہے۔ انڈہ سیا جاتا ہے۔ اور اس میں سے بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور تخم اور پھول گو کتنا ہی چھوٹا نظر آتا ہے۔ لیکن جس وقت اسے زمین کے اندر لگا کر پانی دیا جاتا ہے۔ اور اس کی باقاعدہ نشوونما کی جاتی ہے۔ تو اس میں سے بڑا بھاری تن آور درخت نمودار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کا ظاہری جسم اگرچہ ایک چھوٹا جرم صغیر نظر آتا ہے۔ لیکن اس کے ناسوتی اور عنصرے انڈے کے اندر لاہوتی مرغ بالقوۃ موجود ہے۔ اگر اس ناسوتی انڈے کو ذکر اللہ اور تصور اسم اللہ ذات کی حرارت پہنچائی جائے تو اس میں سے مرغ لاہوتی سر نکالتا ہے۔ جس کی جولان گاہ قاف قدس اور لاہوت لامکان ہوتی ہے۔

جس طرح انڈے انڈوں میں گھونسلے کے اندر ایک دوسرے کے ساتھ پڑے رہتے ہیں۔ لیکن بچے بڑے ہو کر پرندے بن جایا کرتے ہیں۔ اور اپنے گھونسلے اور درخت کو چھوڑ کر فضا میں طیر سیر کرتے ہیں۔ اور دوسرے پرندوں کے ہمراہ جہاں چاہتے ہیں اڑتے اور پرواز کر کے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا بیضۂ عنصری دوسرے عنصری لوگوں کے ساتھ اسی مادی جہان کے گھونسلے میں پڑا ہوا ہے۔ اور اپنے مادی جہان کے عنصری گھونسلے سے حرکت اور تجاوز نہیں کر سکتا۔ اس کے جسم کا عنصری انڈہ دوسرے اجسام کے انڈوں کے ساتھ اختلاط رکھ سکتا ہے۔ لیکن بچوں اور زندہ پرندوں کے ہمراہ پرواز کر کے اپنے گھونسلے کو چھوڑ نہیں سکتا۔ اسی طرح جب کوئی نفسانی مردہ دل آدمی کسی بزرگ کی قبر کے پاس جاتا ہے۔ چونکہ وہ خود بھی اربعہ عناصر کی ایک قبر کی طرح ہے۔ جس کے اندر دل گویا لحد ہے اور اس کی روح مردہ لاش ہے۔ لہٰذا اس کے جسم کی مردہ قبر کو اس بزرگ کی مٹی کی قبر کے ساتھ اس طرح اختلاط ہوگا جس طرح انڈے کو انڈے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس نفسانی مردہ دل آدمی کو اس بزرگ کی قبر میں سوائے مٹی کے ڈھیر یا مردہ لاش کے اور کیا نظر آ سکتا ہے۔ ایسی طرح کسی زندہ بزرگ یا ولی یا نبی کو وہ بجز ہڈیوں اور گوشت کے لوتھڑے کے اور کیا سمجھ سکتا ہے۔ لیکن جس آدمی کے عنصری جسم کے اس بیضۂ ناسوتی کے اندر دل اور روح کا لاہوتی مرض زندہ ہو جاتا ہے۔ تو جب ایسا زندہ دل اور زندہ روح آدمی کسی بزرگ کی قبر کے پاس جاتا ہے۔ تو اس کے دل اور روح کا لطیف مرغ اپنے جسم کے کثیف انڈے اور مادی جہان کے گھونسلے سے پرواز کر کے اہل قبر کے لطیف مرغ دل اور روح سے عالم برزخ اور عالم غیب کے لطیف جہان میں جا ملتا ہے۔ اور اس کے برزخی غیبی لطیف باغ جنت میں دوسرے مرغان جنت کے ساتھ پرواز کرتا ہے۔ اور جنت کے غیبی لطیف میووں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تعریف و توصیف کے نغمے گاتا ہے۔ ہر خام ناتمام مردہ دل نفسانی

آدمی گو اپنے آپ کو اس لئے زندہ سمجھتا ہے کہ اس کے اوپر عنصری جسے کا کثیف چھلکا چڑھا ہوا ہے۔ اور اس کے نیچے بھی دل کی سفیدی اور حیوانی روح کی زردی موجود ہے۔ اور وہ ایک ناطق حیوان کی صورت میں زندہ ہے۔ اور حیوان کی طرح کھاتا پیتا اور سوتا جاگتا ہے۔ تو جب تک اس کی اس مردہ سفیدی اور بے جان زردی میں سے قلب کا ملکوتی اور روح کا روحانی مرغ زندہ ہو کر نہیں نکلتا۔ اور اس میں اور حیوان اولئک کالانعام کوئی فرق نہیں ہے۔ اور جب زندہ روح جسے لطیف روح اور زبان روح سے دعوت قرآن پڑھتا ہے۔ تو دعوت زبان قلب کی نسبت ستر ہزار دفعہ زیادہ نور قرآن پیدا ہوت ہے۔ اور وہ نور چونکہ روحانیوں کی غذا ہے۔ روحانی ایسے اہل دعوت کے پاس اپنی مخصوص غذا حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ اور جب ایسی دعوت سے انوار قرآن کی اس قدر باطنی انوار کے ذخیرے اور خزانے اہل قبر کے پاس جمع ہو جاتے ہیں کہ جس سے باطن میں روحانی بڑا بھاری مالدار اور دولت مند ہو جاتا ہے۔ اور اس کا روحانی درجہ بہت بڑھ جاتا ہے۔

اس سے آگے بھی انسان کے اندر سات غیبی الطف اطائف ہیں۔ جن سے دعوت پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن ان باتوں کو آج کل کے سائنس پروردہ مغرب زدہ نئی روشنی والے لوگ نہ باور کر سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں۔ جس طرح آج سے سو سال پہلے زمانے کے لوگوں کے سامنے آج کل کی مادی اور ظاہری ایجادات اور سائنس کے امروزہ رائج الوقت اختراعات کا اگر ذکر کیا جاتا تو وہ ناممکن اور محال سمجھے جاتے۔ اور کوئی شخص باور نہ کرتا۔ حالانکہ ہم اپنی آنکھوں سے مادی سائنس کی محیر العقول اور عجیب اختراعات و ایجادات آج دیکھ رہے ہیں۔ اسی طرح یہ مادہ پرست نفسانی زمانہ بھی اہل سلف روحانیین اور گذشتہ عارفین کاملین کی باطنی اور روحانی سائنس کی محیر العقول اور ہوش ربا کی امات اور خوارق کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ اللہ کی قدرت میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اور بمقتضائے رحمتی وسعت کل شئی اس کی

رحمت کائنات کے ہر زمان و مکان میں پھیلی ہوئی اور پہنچی ہوئی ہے۔لہذا ہم آگے مجمل اور مختصر طریقے پر بعض بہت افضل، اعلی اور منتہی دعوات کا ذکر کرتے ہیں۔

بعض عارف کامل اس قسم کی دعوت منتہی پڑھتے ہیں۔ کہ اس دعوت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دیدار پرانوار سے مشرف ہو جاتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ سے بے کام اور بے زبان ہم کلام صاحب لی مع اللہ مقام لاہوت لا مکان میں بے کیف و بے جہت اور بے چون و بے چگون حالت میں دعوت پڑھتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کے نور قدیم سے ابد الآباد تک زندہ، تابندہ اور پائندہ ہو جاتے ہیں۔ایسے عارف، مکمل، اکمل کا ایک نوری قدیم وجود ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے واصل اور اس دعوت میں شامل رہتا ہے۔اگر چہ اس کا ظاہری وجود اس سے گاہے اپنے دیگر غیر مشاغل کے سبب بے خبر اور غافل ہو جاتا ہے۔لیکن جب فارغ ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس نوری وجود کو اس دعوت میں عامل اور شامل پاتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہیں فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب یعنی میرے حبیب! جس وقت تو دیگر مشاغل سے فراغت پائے تو میری طرف راغب ہو جایا کر اور اس طرح میرے دیدار پر انوار سے لطف اندوز ہو لیا کر۔ایسا منتہی اہل دعوت ہر مشکل اور ہر حاجت اللہ تعالیٰ سے براہ راست بلا واسطہ غیر کے حل کرا لیتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ سے جواب با صواب پاتا ہے۔اس کے علاوہ ایک دعوت نور حضور ہے کہ اہل دعوت اکمل جامع نور الہدیٰ زبان نور سے دعوت پڑھتا ہے۔لاکھوں کروڑوں میں سے کوئی ایک آدھ نہایت نادر الوجود سالک محبوب و محمود فنافی الرسول ظاہر و باطن مقبول معشوق اس اعلیٰ مقام سے مشرف ہوتا ہے۔

جس وقت ایسا خاص الخاص اخص منتہی سالک زبان نور حضور سے دعوت شروع کرتا ہے تو اس سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ چار یار و جملہ اصحاب

کبار و حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ و حضرت شاہ محی الدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تشریف لا کر اہل دعوت نور حضور کو اپنے سینے سے لگاتے ہیں۔ اور اپنے ذاتی نور سے مشرف فرماتے ہیں۔ ایسا عامل کامل اکمل جامع نور الہدیٰ ہمدم و ہم قدم و ہم جان و ہم زبان محمد مصطفیٰ ﷺ ہو کر جب ایک دفعہ زبان نور سے دعوت پڑھتا ہے تو اس کے ایک دفعہ دعوت پڑھنے کا عمل قیامت تک قائم رہتا ہے۔ اور کبھی کم یا زائل نہیں ہوتا۔ ایسا عامل کامل صاحب زبان سیف الرحمن جس وقت کسی بڑی بھاری مہم کے لئے ایسی دعوت پڑھتا ہے تو باطنی روحانی دنیا میں اس دعوت سے ایک تہلکہ مچ جاتا ہے۔ اور باطنی دنیا کی تمام زمین کے اندر اس دعوت سے زلزلہ آ جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا قیامت برپا ہو گئی ہے۔ تمام عالم غیب، جملہ جن ملائکہ اور ارواح ہژدہ ہزار عالم اس کے ہمراہ بارگاہ الٰہی میں بصد آرزو و الحاح ملتجی ہو جاتے ہیں۔ تمام جن و انس جزع فزع کرنے لگ جاتے ہیں۔ تمام خاکیان اہل اسلام خاص و عام ہاتھ اٹھا کر نہایت درد و خلوص اور عجز و انکسار کے ساتھ اس کے لئے دعائیں مانگتے ہیں اور اس کی دعوت میں شریک ہو جاتے ہیں۔ غوث، قطب، اوتاد، ابدال، جملہ صدیقین، شہداء، صالحین اور کل اولیاء حتیٰ کہ جملہ انبیاء اور مرسلین کی پاک روحیں بھی اس کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملتمس اور ملتجی ہو جاتی ہیں۔ اور اس کا کام خواہ کتنا ہی مشکل، دشوار، ناممکن اور محال کیوں نہ ہو، ایک طرفۃ العین میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے حل کو پورا کرا لیتے ہیں۔ ایسی دعوت سے قوموں، ملتوں اور ملکوں کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ بے نصیب اور بے قسمتوں کو با نصیب اور خوش قسمت بنایا جا سکتا ہے۔ گدا گر بے نوا کو بادشاہ اور بادشاہ ہفت اقلیم کو معزول کر کے مفلس کنگال کر دیا جاتا ہے اس دعوت سے لوح محفوظ کا نوشتہ مٹایا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفت یمحو اللہ ما یشاء و یثبت کی شان جلوہ گر کرائی جاتی ہے۔ اور اس کی قدرت ان اللہ علی کل شئی قدیر کو کارفرما اور رونما کیا جاتا ہے۔ ایسی دعوت اگر کسی

خاص فرد کے بخت و اقبال کے لئے پڑھی جائے تو کم از کم سات پشت تک اس دعوت کا اثر قائم رہتا ہے۔ اور اس خاندان کی ثروت و دولت، عزت وشوکت اور حکومت وسلطنت مدت مدید تک بڑھتی اور چڑھتی رہتی ہے کبھی کم نہیں ہوتی۔ اور اگر جلال، غضب اور قہر سے کسی کی مقہوری اور تباہی و ہلاکت کے لئے پڑھی جائے تو سات پشت تک ان کے بخت و اقبال کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے اور بمقتضائے فقطع دابر القوم الذین ظلموا ان ظالموں کی بنیاد مٹا دی جاتی ہے۔ اہل اللہ فقرا کے قہر اور غضب سے ڈرنا اور بچنا چاہیے۔ کیونکہ فقراء کا قہر اللہ تعالیٰ کے قہر کا نمونہ ہوا کرتا ہے۔

جس طرح زندہ دل عارف سالک کی دعوت قرآن سے روحانی اہل قبر نور قرآن سے مالا مال ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی بزرگ ولی اللہ کی قبر پر ایک رات دعوت قرآن پڑھنے سے اہل دعوت کو اس قدر عظیم الشان فوائد پہنچتے ہیں کہ جو سالہا سال کی پے در پے جان توڑ ریاضتوں اور مجاہدوں سے حاصل نہیں ہوتے۔ چنانچہ ہمارے روحانی مربی اور باطنی پیشوا حضرت سلطان العارفین سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتابوں میں فرماتے ہیں کہ اہل دعوت کے لئے کسی کامل بزرگ کی قبر پر ایک رات دعوت پڑھنی چالیس دن رات کے متواتر چالیس چلوں سے بہتر ہے۔ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک رات اہل دعوت کی کسی بزرگ ولی اللہ کی قبر پر دعوت پڑھنی ستر سال کی عبادت اور ریاضت سے بہتر ہے۔ سو یہ اندازے محض ڈھکوسلے اور مبالغے نہیں ہیں بلکہ عین حقیقت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت اتصال اہل دعوت عامل کامل کسی کامل ولی اللہ کی قبر پر دعوت پڑھتا ہے تو اہل دعوت اپنے باطنی قلبی اور روحانی جسے سے روحانی کے باطنی جسے سے اس طرح اتصال اور اتحاد پیدا کر لیتا ہے کہ اس کے ساتھ یک دم، یک جسم اور یک جان ہو جاتا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ روحانی اس کا گھوڑا یا مرکب اور اہل دعوت اس کا سوار بن جاتا ہے۔ اور روحانی

نے جس قدر باطنی مراتب روحانی درجات یا سلوک طریقت کے مقامات اپنی زندگی یا عالم برزخ کے اندر طے کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اہل دعوت اسی ایک رات میں روحانی کی رفاقت سے وہ تمام باطنی منازل طے کر لیتا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اگر ایک ہی اہل قبر روحانی کی قبر پر بار بار دعوت پڑھی جائے تو روحانی اپنے سلسلہ طریقت کے دوسرے روحانی بزرگوں سے اہل دعوت کو جا کر ملاتا ہے۔ اور ان کے باطنی نئی قسم کی انوکھی اور نادر فیوضات اور برکات سے مالا مال کرا دیتا ہے۔ اس طرح اہل دعوت ہر رات ایک نئی اور جدید قسم کے نئے سلوک طریقت کی باطنی نعمتوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے۔ کیوں کہ جس طرح ہر انسان کی صورت اور شکل وشبہات الگ اور مختلف ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر انسان کی طرف مختلف صفت سے متجلی ہوا ہے جس سے اختلاف رنگ وبو واقع ہوا کسی ایک انسان کی طرف نہ تو دو صفتوں کی بیک وقت تجلی فرمائی ہے۔ اور نہ دو انسانوں پر بیک وقت ایک ہی صفت کی تجلی نازل فرمائی ہے۔ اس واسطے آیا ہے کہ الطرق الی اللہ تعالیٰ بعدد انفاس الخلائق یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف انسان کے اس قدر بے شمار راستے ہیں جس قدر انسانوں کے انفاس یعنی سانس ہیں۔ سو محض دعوت کے ذریعے عامل کامل اہل دعوت کسی دوسرے کامل ولی اللہ کے ساتھ اتحاد پیدا کر کے اس کی تمام منازل سلوک کو طے کر لیتا ہے۔ اور ایک نئے اور جدید جادہ سلوک اور راہ طریقت سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ واصل ہوتا ہے۔ حضرت ملا معین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ صاحب اسی آرزو میں فرما گئے ہیں۔

بروز حشر چوں دیدار بنمائی بمشتاقاں
معینؒ را سوز چوں سرمہ بچشم عاشقاں درکش

یعنی اے محبوب حقیقی جس وقت تو میدان حشر کے اندر اپنے عاشقوں اور مشتاقوں کو اپنے جمال لایزال کے دیدار پر انور سے مشرف فرمائے تو مجھ مسکین معینؒ کو جلا

کرسرمہ بنادے۔اور ہر عاشق اور مشتاق دیدار کی آنکھ میں لگادے۔تا کہ ہر عاشق کی آنکھ میں تیرا نیا انوکھا جلوہ دیکھ لوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ

الا له الخلق والامر تبارک الله رب العالمین

یعنی خبردار ہر دو عالم خلق اور عالم امر اللہ تبارک وتعالیٰ رب العالمین کے تصرف میں ہیں۔اور چونکہ تمام امور عالم امر میں طے ہوتے ہیں۔اس واسطے اسے عالم امر یا دفتری حکومت کہتے ہیں۔اس کے بعد ان امور کی تعمیل یا نفاذو اجراء عالم خلق یا ظاہری مادی جہان میں ہوتا ہے۔اور عالم خلق عالم امر کا گویا عکس اور ظل ہے۔روح چونکہ عالم امر سے ہے قولہ تعالیٰ قل الروح من امر ربی (ترجمہ) کہہ دے اے میرے نبی! کہ روح میرے رب کے عالم امر کی چیز ہے سو روحانی اولا الامر کو عالم امر کی باطنی دنیا میں بڑی دسترس حاصل ہوتی ہے۔اور وہاں وہ ہمارے عالم خلق کے مشکل امور کو بہت آسانی سے حل اور طے کرا سکتا ہے۔لیکن روحانی اہل قبر چونکہ موت واقع ہونے کی وجہ سے ہر عمل سے رہ جاتا ہے۔لہذا اسے زندہ لوگوں کے عمل، اطاعت اور ذکر فکر تلاوت قرآن کے نور کی بڑی حاجت ہوتی ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے ان ہر دو عالم خلق اور عالم امر والوں کے درمیان ایک استفادے اور استمداد کی صورت پیدا کردی ہے۔اور ان کے درمیان بیع وشریٰ یعنی خرید وفروخت کا ایک نعم البدل قائم کردیا ہے کہ ہم عالم خلق کے اندر زندہ انسان چونکہ قید حیات میں ہیں۔ اور ہر قسم کی دنیوی آزمائشوں اور نفسانی آلائشوں میں ہر وقت مبتلا اور گرفتار ہیں۔ اس لئے عالم اسباب میں دنیوی مصائب اور مادی تکالیف سے نجات حاصل کرنے اور دنیوی مشکلات پر قابو پانے کے لئے ہمیں اولا الامر روحانیین اور ملائکہ مقربین کی امداد و اعانت کی بڑی ضرورت اور احتیاج لاحق ہوتی ہے۔اور ہم ان کی اور وہ ہماری بڑی امداد کرسکتے ہیں۔اور ہم ایک دوسرے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔لہذا

قدرت نے عالم غیب اور عالم شہادت کی دو مختلف مخلوقات کو ایک دوسرے کا مدد و معاون اور محتاج اور حاجت مند بنا دیا ہے۔اور عالم شہادت اور عالم غیب کے تمام کاروبار اسی احتیاج اور استمداد کے طفیل چل رہے ہیں۔اور اسی سے کائنات کی رونق قائم ہے۔اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ نائب اور جانشین بنایا ہے۔اور دنیا کا ایک ادنیٰ انسان جب حاکم، جج یا بادشاہ بنا دیا جاتا ہے تو اس کے ہونٹوں کی ایک ادنیٰ سی جنبش اور اس کے قلم کی ایک معمولی سی حرکت سے لوگوں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں۔کئی انسان تختہ دار پر لٹکا دیئے جاتے ہیں۔کئی سالہا سال تک قید و بند کی تاریک کال کوٹھڑیوں میں محبوس اور قید ہو کر نہایت سخت عذاب اور نہایت دکھ درد میں مبتلا اور گرفتار رہتے ہیں۔اور کئی ان کی ایک ادنیٰ کرم اور نوازش سے مالا مال اور خوشحال ہو جاتے ہیں۔اور پشتوں تک عیش وعشرت اور لطف و آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں۔حالانکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہے اور اس کے حکم کے بغیر درخت کا ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔اور اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین اور عالم غیب وشہادت ہر دو کا مالک اور مختار بھی ہے وھو الذی فی السماء الہ وفی الارض الہ پس جب دنیا کے نفسانی حاکموں، ججوں اور بادشاہوں کے پاس انصاف، رحم اور دادرسی کی درخواست گذاری جاسکتی ہے۔اور وہ ہماری دادرسی اور انصاف کر کے ہماری حاجت روائی اور مشکلیں حل کر سکتے ہیں۔اور اس میں کوئی شرک لازم نہیں آتا۔تو جب ظاہری زندہ بزرگوں یا باطنی اعلیٰ الامر روحانی اہل قبور یعنی باطنی اور روحانی ججوں، منصفوں اور حاکموں سے کسی کام کی درخواست یا اپیل کی جاتی ہے تو بعض خالی خشک توحید کے زبانی مدعی کیوں آتش زیر پا ہو کر بڑ بڑا اٹھتے ہیں۔کہ یہ نرا شرک اور بدعت ہے۔سو یہ کور چشمی، غفلت اور بزرگان دین کے ساتھ شیطانی حسد اور کبر کی ماریں ہیں۔دراصل یہ لوگ خود اللہ کے دین، مذہب اور روحانیت کے مخالف، بدخواہ اور دشمن ہوتے ہیں۔لہذا وہ بعض دکاندار مشائخ کو

اپنے شکوہ شکایت کا آلہ، آڑ اور بہانہ بنا کر تمام دنیائے مذہب روحانیت کا گلہ اور شکوہ کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے جملہ مقبولوں اور محبوبو کا گلہ اور انکار کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ مانا کہ بعض جاہل، نادان کم فہم لوگ بزرگان دین کی قبروں کو سجدے کرتے ہیں۔ جو شرعاً ایک ناجائز اور ناروا فعل ہے۔ لیکن بعض اس قسم کے یہودی منش منافق کورچشم نام کے مسلمان بھی موجود ہیں جو حضرت سرور کائنات ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کو بدعت اور شرک قرار دیتے ہیں۔

مجھے ایک بزرگ نے بتایا کہ ایک دفعہ ہمارے ساتھ ہندوستان کے چند پڑھے لکھے آدمی حج کے سفر کے ہمارے رفیق بن گئے۔ مکہ معظمہ پہنچے تو وہ ہمارے اچھے رفیق بنے رہے۔ اور بھائیوں اور دوستوں کی طرح سلوک اور برتاؤ کرتے رہے۔ اتفاقاً حج سے پہلے ہم روضہ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ چلے گئے۔ جب ہم وہاں سے واپس آئے تو انہوں نے ہم سے سلام اور کلام کرنا چھوڑ دیا۔ محض اس لئے کہ ہم نے اللہ تعالےٰ کے حبیبؐ کے مزار مقدس اور مسجد نبوی ؐ کی زیارت کی تھی۔ سو اس قسم کے منافق حاسد کورچشم منافقوں کا کیا اسلام اور ایمان ہو گا۔

جس طرح ہمارے مادی اور عنصری جسموں پر ظاہری اور مادی حاکموں کی حکومت ہے کہ جس وقت وہ چاہیں اپنی عدالت میں ہمیں حاضر اور پیش کر سکتے ہیں۔ اور ہم سے ہر قسم کی خدمت اور کام لے سکتے ہیں۔ اسی طرح باطنی اور روحانی جج ہمارے قلوب اور ارواح پر تصرف اور حکومت رکھتے ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ جسم اور بدن دل کے تصرف اور اختیار میں ہے کہ جب دل چاہے کہ انگلی اٹھے تو اٹھ جاتی ہے۔ اور جب چاہے کہ ہاتھ ہلے تو فوراً بلا تامل ہاتھ ہلتا ہے۔ اسی طرح جسم اور بدن کے تمام اعمال اور افعال دل کے ارادے اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں۔ لیکن دل اور روح ایک غیبی امری لطیفہ ہے۔ اس پر عالم امر کے لطیف غیبی اولوالامر حاکموں کا تصرف ہوتا ہے۔

دل کو اس واسطے قلب کہتے ہیں کہ یہ ہر وقت منقلب ہوتا اور لحظہ بہ لحظہ بدلتا رہتا ہے۔ مثلاً جب کبھی کسی حاکم یا منصف کے روبرو کوئی دیوانی یا فوجداری مقدمہ پیش ہوتا ہے تو دوران مقدمہ اس کا دل اور اس کے ارادے کئی طرح بدلتے رہتے ہیں۔ اور کبھی ٹھیک اندازہ نہیں لگا سکتا کہ یہ مقدمہ اس کے ہاتھوں کیونکر فیصلہ ہوگا۔ اور حالات اور کوائف کے اخلاف سے اس کے ارادے اور خیالات بدلتے رہتے ہیں۔ اور مقدمہ کا انجام نتیجہ اور فیصلہ اکثر اس کے ارادوں اور خیالات کے برخلاف ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ انگریزی زبان کی ایک ضرب المثل ہے کہ

"unexcepted often Happens"

یعنی اکثر غیر متوقع باتیں واقع ہوا کرتی ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ جج، منصف اور حاکم کا دل اللہ تعالیٰ کے غیبی لطیف اولی الامر حاکموں کے تصرف اور قبضے میں بعینہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح جج اور حاکم کے ہاتھوں میں قلم ہوتا ہے۔ جج جو چاہتا ہے قلم لکھتا جاتا ہے۔ روحانی اولی الامر جو چاہتے ہیں۔ اس کے دل کے ارادے کو اپنی طرف پھیرتے ہیں۔ حدیث قلب الانسان بین اصبعی الرحمن یعنی انسان کا دل اللہ تعالے کی دو انگلیوں کے درمیان قلم کی طرح ہوتا ہے۔ اب اگر جج کے فیصلہ لکھتے وقت مسل پر ایک مکھی بیٹھی جج کے قلم اور پین کو فیصلہ لکھتے دیکھے تو وہ یہ سمجھے گی کہ یہ قلم فیصلہ لکھ رہا ہے اور اگر زیادہ اوپر انگلیوں کو لکھتے دیکھ کر خیال کرے کہ نہیں انگلیاں لکھ رہی ہیں۔ اور اگر ہاتھ کو لکھنے والا بتائے تو بھی صحیح ہے۔ اور جو حاضرین کمرہ عدالت میں ہوں وہ سمجھتے ہیں کہ فیصلہ لکھنے والا جج اور حاکم ہے اور اگر کوئی باطنی آنکھوں والا موجود ہو اور دیکھ کر کہہ دے کہ اصل فیصلہ کرنے والا وہ باطنی موکل ہے جو حاکم کے دل پر اس وقت متصرف ہے۔ اور اپنی اپنی جگہ پر قلم، انگلیوں، ہاتھ، جج اور باطنی موکل کو فیصلہ کن کہنے والے سب درست اور صحیح ہیں۔ اور سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آخری فیصلہ کرنے والا اللہ تعالے ہے۔ جو غیبی

موکلات، ملائکہ اور ارواح کے سب ارادوں پر قابض، متصرف اور احکم الحاکمین ہے قولہ تعالیٰ وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ غیبی موکلات اور باطنی وروحانی اولا الامر حاکم قلوب اور ارواح کی دنیا میں عجیب تصرف کرتے ہیں۔ اور تمام کاروبار اور کاموں کا انجام ان ہی کے ارادوں اور فیصلوں پر موقوف اور منحصر ہوتا ہے۔ اور دنیا کے تمام کاروبار پہلے عالم امر میں روحانیوں کے ہاتھوں طے ہوتے ہیں۔ غرض رحانی اہل قبور سے ہر قسم کی امداد لی جاسکتی ہے حدیث: اذا تحیرتم فی الامور فاستعینو من اھل القبور جیسا کہ اس روایت میں ہے یعنی جب تم اپنے مشکل امور میں حیران ہو جاؤ تو اہل قبور بزرگان دین سے استعانت اور استمداد کرو۔ لیکن جس طرح کسی ظاہری حاکم اور جج کی عدالت میں استغاثہ اور درخواست پیش کرنے کا خاص طریقہ، قاعدہ اور قانون ہوتا ہے اسی طرح ان باطنی اولا الامر حاکموں سے استمداد اور استعانت کرنے کا قاعدہ اور طریقہ ہے۔ اور وہاں تک آواز اور درخواست پہنچانے کے قابل خاص زندہ دل عارف ہیں جو درگاہ الٰہی کے باطنی ملازم اور روحانی محرر ہیں۔ جو قاعدہ اور قانون کے مطابق سائل کی درخواست پہنچا کران اولوالامر سے منظور کرا سکتے ہیں۔ کسی بزرگ کی قبر اور مزار کو ہاتھ پھیلا پھیلا کر چمٹنے، چومنے، سجدہ کرنے اور شوروغل مچا مچا کرنا جائز غیر شرعی الفاظ میں سوال کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ قاعدے اور قانون کے مطابق قبر کے پاس جا کر پاک جسم، طیب جان اور طاہر زبان سے فاتحہ اور قرآن کی دعوت پڑھنے سے البتہ روحانی کو فائدہ پہنچایا جاسکتا ہے۔ اور اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

ہم یہاں قبر سے استمداد کرنے کی دلیل قرآن سے پیش کرتے ہیں۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں قوم بنی اسرائیل میں سے ایک بڑے آدمی کو قتل کیا گیا۔ لیکن اصلی قاتل کا کوئی پتہ نہیں لگتا تھا۔ اور لوگ ایک دوسرے پر الزام لگاتے تھے۔ چنانچہ قوم کے درمیان نزاع اور فساد کا سخت خطرہ تھا۔ ایسے نازک وقت میں لوگوں نے

اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجو کیا کہ آپؑ ہمارے اس فساد کا کوئی حل تلاش کریں کہ قوم خونریزہ اور لڑائی سے بچ جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک خاص قسم کی گائے تلاش کرنے اور ذبح کرنے کا حکم دیا۔ غرض بڑی تلاش اور تجسس کے بعد اس قسم کی گائے لائی گئی اور اسے ذبح کر ڈالا گیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا کہ اس گائے کے گوشت کا فلاں حصہ مقتول کی لاش پر دے مارو۔ ایسا کرنے سے مقتول ایک لحظہ کے لئے جی اٹھا۔ اور اس نے اپنے قاتل وغیرہ کا نام وغیرہ بتا دیا۔ اور قاتل کو اس کی پاداش میں قتل کر دیا گیا۔ اور قوم کا فتنہ فرو ہوا۔ جب ایک اولا العزم پیغمبر ایک جانور کے مردہ گوشت سے استفادہ، استعانت اور استمداد حاصل کرتا ہے۔ اور اتنے بڑے بھاری نازک وقت میں ایک جانور کی مردہ لاش سے استعانت حاصل کر کے قوم کو خوں ریزی سے بچاتا ہے۔ تو ایک خدا تعالےٰ کے بزرگ، برگزیدہ مقبول اور محبوب ولی اللہ کی قبر اور اس کے جسد یا اس کی روحانیت سے کیوں استفادہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ضرور کیا جا سکتا ہے۔

دیگر معراج کی رات ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنی امت مرحومہ کے لئے دن رات میں پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم لا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملے۔ اور پچاس نمازوں کی فرضیت کا ذکر کیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ آپ کی امت پچاس نمازوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نمازوں کی کمی کی درخواست کریں۔ چنانچہ آپؐ نے تین بار نمازوں میں کمی کی درخواست کی۔ تب یہ پانچ نمازیں مقرر ہوئیں۔ یہاں ہمارے برگزیدہ سید المرسلین خاتم النبین افضل البشر کی ایک دنیا سے گذرے ہوئے پیغمبر کی روح سے استفادہ حاصل کرنے کی بڑی بھاری شان موجود ہے۔ جس کا فائدہ تمام امت قیامت تک اٹھائے گی۔ اور ان کے بعض حاسد کور چشم عالم پھر بھی روحانیوں سے استمداد کرنے کے انکار پر تلے ہوئے ہیں۔ اور اسے شرک کا

نام دیتے ہیں۔

بزرگان دین کی قبروں کی زیارت کے معاملے میں اکثر لوگ افراط اور تفریط میں مبتلا ہو کر راہ استدلال سے دور جا پڑے ہیں۔ ان میں ایک گروہ ان خشک مزاج کور چشم زبانی توحید کے مدعی لوگوں کا ہے کہ جن کو قبر کے نام سے چڑ ہے جن کے سامنے اگر کسی بزرگ ولی یا نبی کی قبر یا مزار کا نام لیا جائے تو وہ فوراً بلا سوچے سمجھے ناک بھوں چڑھا لیتے ہیں۔ اور تمام قبروں کو بت اور زیارت کرنے والوں کو مشرک سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ قبروں سے دعائیں اور حاجات مانگنے والوں اور بت پرستوں میں کیا فرق ہے۔ اگر کسی قبر اور مزار پر فاتحہ، درود اور قرآن پڑھنا شرک ہے تو پھر توحید کس بلا کا نام ہے۔ ان لوگوں کا دہریوں اور نیچریوں کی طرح یہ خیال ہے کہ انسان مر کر نیست و نابود اور عدم محض ہو جاتا ہے۔ پھر اسے کیا یاد کرنا ہے اور اس کے نام پر خیرات وغیرہ دینا یا اس کی روح کو پڑھ کر بخشنا سب بے سود ہے۔ یہ کافروں کی طرح اصحاب القبور سے ناامید ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

یا یھا الذین امنو لا تتولو قوما غضب اللہ علیھم قد یئسو من الاخرۃ کما یئس الکفار من اصحب القبور

(ترجمہ) اے ایمان والو! دوستی نہ کرو ایسے لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کے نیچے آئے ہوئے ہیں کہ دار آخرت سے اس طرح ناامید ہو چکے ہیں جس طرح کفار اہل قبور سے ناامید ہو جاتے ہیں یعنی جن کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان محض اس عنصری جسم کا نام ہے جو مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے اور روح وغیرہ کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ اگر ایسی بات ہے تو شریعت نے مردے پر نماز جنازہ پڑھنا، اس کی تجہیز و تکفین کرنا اور ڈیڑھ گز زمین ضائع کرنے کی بے فائدہ تکالیف اور بے جا اخراجات کیوں نافذ اور عائد کیے ہیں۔ بس ہندوؤں کی طرح مردوں کو آگ کی نذر کر کے جلا دینا یا دریا برد کر دینا ہی بہتر تھا۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اپنے بزرگوں کی قبور کو سجدے کرتے ہیں۔ اور ان کو اپنا مطلق حاجت روا اور قاضی الحاجات سمجھتے ہیں۔ سو ہر کام میں اعتدال کی صراط مستقیم موجود ہے۔ لیکن شیطان لوگوں کو افراط اور تفریط کے غلط ٹیڑھے راستوں پر لگا کر راہ حق سے گمراہ کر دیتا ہے قولہ تعالیٰ وعلی اللہ قصد السبیل و منہا جائر یعنی اللہ کی طرف حق اور اعتدال کا سیدھا راستہ موجود ہے۔ اور اس سے ادھر ادھر افراط و تفریط کے شیطانی ٹیڑھے راستے نکلے ہیں۔ جن سے احتراز لازمی ہے۔ سو راہ اعتدال یہ ہے کہ کسی اپنے خویش، رشتہ دار یا دوست کی قبر پر فاتحہ درود سورۃ اخلاص یا تلاوت قرآن مجید پڑھ کر بخشے یا اس کے نام پر مساکین کو صدقہ خیرات دے دے تو اہل قبر کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور روحانی اس ثواب سے خوش و مسرور اور مفرح الحال اور شاد کام ہوتا ہے۔ اور اس کے عوض زیارت کرنے والے اور ثواب بخشنے والے کے حق میں دعائے خیر کرتا ہے۔ اور اپنی وسعت، استعداد اور توفیق کے مطابق اسے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر زیارت کے وقت کوئی شخص فرط محبت اور جوش عقیدت کے سبب اپنے ماں، باپ استاد یا مرشد کی قبر کو یا اس کے غلاف کو چوم لے اور بوسہ دے دے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور جائز ہے کیوں کہ جس شخص سے محبت اور عقیدت ہو اس کی ہر چیز محبوب ہوتی ہے۔ اور پیاری لگتی ہے۔ اکثر خویش اور دوست ملتے وقت ایک دوسرے کو چومتے ہیں اگر انتظار اور دیر کے بعد ان کا کوئی خط آ نکلے تو اسے فرط محبت سے بوسہ دیتے اور آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ گاہے ان کے کپڑوں اور دیگر یادگار نشانیوں کو سینے سے لگاتے ہیں۔ سو اس قسم کے افعال فرط محبت سے کئے جاتے ہیں۔ اور اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے غرض جو چیز بھی کسی کے محبوب سے منسوب ہو اگر کسی محب کے پاس آ جائے تو محب اسے دیکھ کر اپنی محبت کا بے اختیار مظاہرہ اسے چومنے سے کرتا ہے۔ غرض یہ تو چند روزہ دنیوی محبت کا معاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ محبوب حقیقی کے ساتھ اپنے بندوں اور

محبوں کی محبت بہت سخت ہوا کرتی ہے جیسا کہ آیا ہے والذین امنو اشد حبا لله
مومنوں کی محبت اللہ تعالی کے لئے بہت سخت ہوا کرتی ہے۔ سو مرشد کامل جو محبوب
حقیقی اللہ تعالی کی طرف راہ سلوک باطنی کا رہبر اور رفیق ہوتا ہے۔ اور اس کے قرب
اور وصل کا ذریعہ اور واسطہ ہوتا ہے۔ وہ بھی محبوب حقیقی کی تبع میں محبوب بن جاتا
ہے۔ اور اس کی محبت اور تعظیم عین اللہ تعالی کی محبت اور تعظیم ہو جاتی ہے۔ لہذا کسی
ولی کامل کے مزار کو یا اس کے غلاف کو بوسہ دینا جائز ہے۔ حجر اسود جو کہ ایک پتھر
ہے اسے تعظیماً بوسہ دینا لازم اور واجب گردانا گیا ہے۔ قرآن مجید، خانہ کعبہ کے
غلاف کو اور دیگر متبرک اشیاء کو تعظیماً بوسہ دینا کار خیر و ثواب ہے۔ لہذا کوئی وجہ نہیں
کہ ماں، باپ استاد، مرشد اور کسی ولی یا نبی کی قبر کو یا اس کے غلاف کو بوسہ دینا جائز
نہ ہو۔ کیون کہ ان بزرگواروں کی تعظیم لوجہ اللہ کی جاتی ہے۔ اس لئے یہ شعائر اللہ
میں شامل ہیں قولہ تعالی ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب یعنی
جو شخص اللہ تعالی کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے۔ تو یہ بات قلوب کے تقویٰ کا نتیجہ ہے۔
لیکن سجدہ سوائے اللہ تعالے کے اور کسی کو جائز نہیں ہے۔ لیکن دعوت القبور میں تو
کسی بزرگ یا ولی کی قبر کے پاس محض قرآن پڑھا جاتا ہے۔ وہاں اس قسم کی بدعات
کا شائبہ اور دخل نہیں ہوتا۔ سو دعوت القبور ایک خاص قرآنی عمل ہے۔ جس کے
ذریعے روحانی حاضر ہو کر دعوت پڑھنے والے کے باطن میں امداد اور اعانت کرنے
پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور یہ دعوت صرف عامل کامل شخص پڑھ سکتا ہے۔ اس میں بوسہ
تعظیم و تکریم اور سجدہ وغیرہ میں سے کوئی کام نہیں کیا جاتا۔ اور نہ اس قسم کا کوئی سوال
ہی پیدا ہوتا ہے اور جو ملحد کور چشم یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان جب مر جاتا ہے عدم
محض ہو جاتا ہے اور اس کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارا روئے سخن ایسے دہری مزاج
ملحدوں سے ہرگز نہیں ہے۔ اور یہ نظریہ اب تمام اہل علم منصف مزاج، سلیم العقل،
اہل سلف اور اہل خلف محققین کے نزدیک مسلم ہے کہ موت کے بعد روح زندہ رہتی

ہے۔ اور اسی دنیا میں ارواح ہمارے پاس گاہے گاہے آتی ہیں۔ یورپ کے سپر چولسٹس (Spiritualists) یعنی ماہرین علم روحانیات نے اپنے تجربوں اور مشاہدوں سے اس بات کو پایہ ثبوت تک پہنچا دیا ہے کہ موت کے بعد ارواح زندہ رہتی ہیں۔ اس دنیا میں آ کر زندہ لوگوں سے ملاقات اور بات چیت کرتی ہیں۔ اور زندہ لوگوں کی امداد اور حمایت کرتی ہیں۔ جس کا مفصل ذکر ہم عرفان کے پہلے حصے میں کر آئے ہیں۔ بلکہ ان لوگوں نے اس بات کا بھی پتہ لگا لیا ہے کہ موت کے بعد جانوروں اور حیوانات کی ارواح بھی زندہ رہتی ہیں۔ اور اس بات کے ثبوت میں بہت تجربے اور مشاہد کے بیان کئے جاتے ہیں۔

چنانچہ ایک انگریز لکھتا ہے کہ میں ایک دفعہ شہر سے چالیس میل دور اپنے ایک خویش کے گھر کسی ضروری کام کے لئے جا کر ٹھہر گیا۔ ایک روز شام کے وقت اس خویش کے گھر میں کسی کام کے لئے جھکا تو میں نے دیکھا کہ میرا کتا جسے میں گھر چھوڑ آیا تھا حسب معمول میری پیٹھ پیچھے کندھوں پر چڑھ آیا ہے۔ میں نے جب اسے پیچھے سے ہاتھ ڈالا۔ تو میرا ہاتھ خالی چلا گیا۔ کیونکہ وہ میرا اصلی مادی کتا نہیں تھا۔ بلکہ اس کا وہ لطیف روحانی وجود تھا جو اس وقت غائب ہو گیا۔ میں اس بات سے بہت حیران اور متعجب ہوا۔ چنانچہ میں نے اسی وقت اپنے گھر کو ٹیلیفون کیا کہ میرے کتے کا کیا حال ہے۔ وہاں سے جواب ملا کہ کتا شام کے وقت جب کہ برف پڑ رہی تھی۔ باہر نکل گیا اور برف میں دب کر ہلاک ہو گیا۔ یہ ٹھیک وہی وقت تھا جب کہ میرے کتے کی روح حسب معمول پیار کے سبب میرے کندھوں پر چڑھ آئی تھی۔ اس سے میں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ جانوروں کی ارواح بھی موت کے بعد زندہ رہتی ہیں۔ یورپ میں جانوروں کی ہمدردی اور انہیں ذبح نہ کرنے کی تحریک بڑے زوروں پر ہے اور اب وہاں بہت سے لوگوں نے گوشت خوری کو ترک کر دیا ہے۔ اور سبزی خور بن رہے ہیں۔ یعنی نباتات پر گذارہ کر رہے ہیں۔ جس وقت

حال یہ ہے کہ حیوانوں، جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں تک کی ارواح موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہیں۔ اور انسانوں کو آملتی ہیں تو بھلا انسان اشرف المخلوقات کی روح موت کے بعد کیوں نہ زندہ ہو۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو کہتے ہیں کہ اولیاء اور انبیاء کی قبروں پر جانے سے کیا فائدہ وہ تو مٹی ہو گئے ہیں ان مٹی کے ڈھیروں میں کیا پڑا ہے۔

لہٰذا ارواح حقیقی لطیف صورت میں دنیا میں آنے سے پہلے بھی ازل میں موجود ہوتی ہیں۔ اور اپنے اپنے وقت پر دنیا میں آکر عنصری جسم کو کثیف لباس اختیار کر لیتی ہیں۔ اور جس وقت وہ دنیا میں اپنا مقررہ وقت گذار کر راہی دار عقبےٰ ہو جاتی ہیں تو وہ اس کثیف لباس عنصری کو اتار کر ایک لطیف باطنی جسے کے ساتھ مقام برزخ میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اور وہاں زندہ رہتی ہیں۔ اور وہ اپنے لطیف جسے کے ساتھ ہمارے اس دار دنیا میں آتی ہیں۔ اپنے خویش واقارب اور دوستوں محبوں کی ہر ممکن امداد کرتی ہیں۔ اور جس قدر روح زیادہ ترقی یافتہ اور طاقتور ہوتی ہے۔ اسی قدر زیادہ امداد اور فائدہ پہنچاتی ہیں۔ اور اگر چاہیں تو اپنے اور اپنے اندیشوں اور محبوں کے دشمنوں اور بدخواہوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ چنانچہ کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ دنیا میں جب کبھی کسی شخص کو کوئی سخت، جانکاہ اور صعب واقعہ پیش آجاتا ہے۔ تو ان کے متوفی ماں باپ اور بزرگ مقام برزخ کے اندر سخت پریشانی اور بے قراری محسوس کرتے ہیں۔ اور ان کی ہر قسم کی امداد کرتے ہیں۔ چنانچہ کئی دفعہ اس فقیر کو بعض روحانیوں نے اپنے بچوں اور خویشوں کے لئے دعا کرنے کی استدعا کی ہے۔ بعض روحانی جب مرض الموت کی غشی اور بے ہوشی میں دنیا سے گذر جاتے ہیں جسے سکرات الموت کہتے ہیں تو ان کا ایک جسم ہوش سنبھالنے کے بعد دار دنیا میں داخل ہوتا ہے۔ اور اپنے گھر میں خویش واقارب کو روتے دھوتے دیکھتا ہے اور انہیں کسی کی تجہیز و تکفین میں مشغول پاتا ہے۔ تو وہ خیال کرتا ہے کہ ہمارے گھر میں کوئی

آدی مر گیا ہے۔لیکن جب وہ اپنی لاش کو تختے پر غسل کے وقت یا چارپائی پر دیکھتا ہے تو وہ معلوم کرتا ہے کہ میں مر گیا ہوں۔ نیک صالح، مومن، متقی آدی کو موت کے وقت عزرائیل ایسی محبوب اور مرغوب صورت میں دوچار ہوتا ہے کہ متوفی اس کے نظارے میں محو ہو جاتا ہے۔اور عزرائیل بہت آرام اور آسانی سے اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے۔بعض کو اپنے خویشوں اور دوستوں کی دنیا سے گذاری ہوئی روحیں آملتی ہیں۔اور انہیں ایمان کی مبارک اور نجات پانے کی بشارت دیتی ہیں۔اور وہ روحیں عمدہ بہشتی پوشاک پہنے اس ایمان دار کے لئے جشن مناتی ہیں اور خوشی کے گیت گاتی ہیں۔اس وقت فرشتے اس مبارک روح کو بہشتی حلے اور جنت کے معطر اور معنبر لباس پہنا کر مقام علیین میں بڑے تزک اور احتشام سے لے جاتے ہیں اور اسے بہشت کا ٹھکانہ دکھاتے ہیں۔بعدہ اسے برزخ کے اندر قبر میں لایا جاتا ہے اور اسے سوال وجواب کے لئے بیدا کیا جاتا ہے۔اور جب وہ تمام سوالوں کا جواب دے چکتا ہے اور اپنے امتحان میں پاس اور کامیاب ہو جاتا ہے تو فرشتے اسے کہتے ہیں

یا عبد الصالح نم کنومة العروس جزاک الله فی الدارین خیر ا

یعنی اے نیک بندے اب تو دلہن کی سی خوشگوار نیند سو جا۔ اللہ تعالی تجھے دونوں جہان میں جزائے خیر عطا کرے۔اس وقت اس پر ایک گونہ برزخی نیند طاری کی جاتی ہے۔اور نیند کی حالت میں اس کی روح اپنے بہشت کے مرغزاروں میں طیر سیر کرتی اور لطف اندوز ہوتی ہے۔اور بیداری کی حالت میں وہ اپنی قبر، جسد اور مقام دنیا کی طرف عود کر آتی ہے۔اور اپنے زائرین سے ثواب، خیرات و فاتحہ حاصل کرتی ہے۔اور ان کی امداد کرتی ہے۔جیسا کہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جمعہ کے روز روح کو قبر کے اندر بیداری حاصل ہوتی ہے۔اور وہ وقت جمعہ کی رات سے لے کر نماز جمعہ تک ہے۔اس وقت ارواح قبر میں بیدار ہوتی ہیں۔اور

جس وقت کوئی منافق، مشرک اور فاسق بدکار آدمی دنیا سے گذرتا ہے تو اس کی روح کو عزرائیل علیہ السلام بڑی ڈراونی اور خوفناک صورت میں قبض کرتا ہے۔ جب وہ شقی اور بدبخت روح اپنے جسد سے باہر آتی ہے تو اس پر ہر طرف سے لعنت اور پھٹکار پڑتی ہے۔ اور قہر اور غضب کے فرشتے اسے دوزخی، آتشین اور بدبودار کپڑے پہنا کر مقام سجین کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور اسے اپنے جہنم کا مقام دکھا دیا جاتا ہے۔ اور اسے واپس برزخ کے اندر قبر میں لایا جاتا ہے اور اس سے سوال کیا جاتا ہے کہ من ربک وما دینک ومن نبیک یعنی تیرا رب کون ہے۔ اور تیرا نبی کون ہے۔ وہ اس وقت کوئی جواب نہیں دے سکتا ہے، تو فرشتے اسے خطاب پر عتاب سے مخاطب کرتے ہیں۔ اور اسے طرح طرح کا عذاب دے کر قبر میں ڈال دیتے ہیں۔ اور اسے ایک گونہ غنودگی اور نیند لاحق ہوتی ہے نیند کی حالت میں اس کی طرف اس کے اپنے دوزخ کا روزن کھل جاتا ہے اور وہ طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور قیامت تک اسی حالت میں رہتا ہے۔ ان جہنمی اور معذب روحوں پر ایک ایک لمحہ ایک ایک سال طویل، گراں اور کٹھن گذرتا ہے۔ اور انہیں یوں محسوس ہوتا ہے۔ گویا وہ روز ازل سے اس عذاب، مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہیں۔ اور ابدالآباد تک اس میں مبتلا اور گرفتار رہیں گی۔ اس کے برعکس بہشتی اور پاک ارواح پر ہزارہا سال کا عرصہ ایک لمحے کی طرح سہل، آسان اور خوشگوار گذرتا ہے۔ اور انہیں اس طرح معلوم ہوتا ہے گویا انہوں نے کبھی کوئی تکلیف، عذاب اور مصیبت دیکھی ہی نہیں۔ اور وہ ہمیشہ اس طرح آرام و راحت، لطف و مسرت اور فرحت و انبساط میں زندگی بسر کرتی رہیں گی۔

اسی طرح تمام ارواح اپنے اعمال، افعال اور ایمان کے مطابق مختلف مقامات، درجات آرام و راحت اور عذاب و تکالیف سے دوچار ہوتی ہیں۔ ہر روح کے ساتھ الگ الگ معاملہ ہوتا ہے۔ اور ظاہری دنیا کے انسانوں کے ساتھ ان کے تعلقات،

روابط اور قوت کارکردگی میں بھی ان کی استعداد کے مطابق بڑا فرق ہوتا ہے۔ بعض روحیں بہت آزاد ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ بآسانی رابطہ اور تعلق پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اور بعض روحیں اس سلسلے میں بہت مقید اور پابند واقع ہوتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ تعلقات اور روابط پیدا کرنا بہت دشوار مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔

اب ہم مصر کے تین چار ہزار سال کے مرے ہوئے اہل قبور روحانیوں کے نہایت عجیب وغریب حیرت انگیز کارناموں کے حالات بیان کرتے ہیں جن کی قبریں حال ہی میں کھودی گئی ہیں۔ اور جس وقت یورپ کے ماہرین طبقات الارض اور محققین وسائنس دانوں نے مصر میں تیئس ہزار سال کے متوفی فراعنہ مصر اور دیگر اس زمانے کے مذہبی پیشواؤں کے تحت الارض خانقاہوں اور قبروں کو کھودا ہے اور ان کی پرانی مستعمل اشیاء ان کی ہڈیوں اور صحیح سلامت ممی جسموں کو اپنے عجائب گھروں میں رکھنے کے لئے نکالا ہے۔ تو ان لوگوں نے ان تین چار ہزار سال کی مدفون لاشوں اور ان کی اشیاء کے ساتھ اس قدر عجیب وغریب روحانی کمالات اور سنگین ومہیب خوارق عادات کو وابستہ اور مربوط پایا ہے کہ اس نے تمام اہل یورپ کو حیرت میں ڈال دیا ہے جن کے مقابلے میں سائنس کے موجودہ کرشمے اور کارنامے بالکل ہیچ اور ماند نظر آتے ہیں۔ جس نے بڑے بڑے سائنس دانوں اور فلاسفروں کا ناطقہ بند کردیا ہے۔ نیز ان محققین کو ان پرانی قبروں کے اندر جس قدر پتھروں اور اینٹوں پر اس زمانے کی پرانی تحریریں اور کتبے ملے ہیں۔ انہوں نے وہ کتبے تحریریں اپنے پرانی زبانوں کے ماہرین سے پڑھوا کر اور ترجمہ کرا کر انہیں کتابی شکلوں میں جمع کیا ہے اور انہیں مردوں کی کتابیں یعنی (Books of the Dead) کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس فقیر نے ان تحریروں کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ اور اس کا بے شمار لٹریچر اس فقیر کی نظر سے گذرا ہے۔ یہاں یہ فقیر ان تین چار ہزار سال کے پرانے اہل قبور روحانیوں کے چند نہایت عجیب اور محیر العقول کارنامے بطور مشتے

نمونہ از خروارے ہدیہ ناظرین کرتا ہے۔ جس سے ایک منصف مزاج سلیم العقل انسان اہل قبور کے زبردست باطنی تصرف اور طاقت کا اندازہ آسانی سے لگا سکے گا۔

یورپ میں مسٹر کیرو (Chero) حال ہی میں روحانی کمالات کے شعبہ علم جوتش اور زائچہ بینی یعنی پامسٹری (Palmistry) میں بڑا ماہر ہو گذرا ہے۔ علم جوتش اور رمل میں یورپ کی تاریخ کے اندر اس کا ہم پلہ اور برابر کوئی کم شخص گذرا ہوگا۔ بیس سال تک متواتر یہ شخص اس علم کی تلاش میں ہندوستان، چین ایران اور دیگر ممالک کے اندر گھومتا رہا ہے۔ اور اس علم کے ماہرین سے استفادہ اور تعلیم حاصل کرتا رہا ہے۔ یہ شخص واقعی اس دور کا بڑا کامیاب جوتشی ہو گذرا ہے۔ لنڈن کے شہر میں بیس سال تک یہ شخص علم جوتش کی مشق اور پریکٹس کرتا رہا ہے۔ اس کے مکان پر روزانہ سینکڑوں بڑے بڑے آدمی اس کے پاس ہاتھ دکھانے، زائچہ بنوانے اور اپنے ماضی اور مستقبل کے حالات معلوم کرانے آیا کرتے تھے اور اکثر یہ شخص ٹھیک ٹھیک حالات بتا دیا کرتا تھا۔ مسٹر کیرو کے پاس ایک ایسی کامیاب کلیف علم جوتش تھی کہ جس شخص کے نام پہ یہ شخص زائچہ بناتا تھا تو اس زائچے کے اندر اس شخص کے ماضی اور مستقبل کے حالات اور واقعات اس طرح رونما ہوتے تھے جس طرح سینما کے پردہ سیمیں پر متحریک تصویریں کام کرتی اور بولتی نظر آتی ہیں۔ علاوہ علم جوتش کے علم روشن ضمیری کا اچھا خاصا میوزیم تھا۔ اور یورپ کی بڑی بڑی نامور ہستیوں نے مسٹر کیرو کے علم جوتش میں کمال کو آزمایا تھا۔ منجملہ ان کے اس نے ملکہ کوئن وکٹوریہ (Victoria) کی موت کی پیشن گوئی بالکل صحیح طور پر کئی سال پہلے بیان کی تھی۔ کہ فلاں سال کوئن وکٹوریہ دنیا سے گذر جائے گی۔ اور یہ پیشن گوئی اخباروں میں بھی چھپ چکی تھی۔ جو بعدہ بالکل صحیح اور درست ثابت ہوئی تھی۔ دیگر ایڈورڈ ہفتم کے سال وفات کے ساتھ وہ مہینہ بھی بتا دیا تھا۔ جس میں اس نے گذرنا تھا۔ نیز زار روس کی تباہی اور بربادی کی پیشن گوئی بھی مسٹر کیرو کی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی تھی۔ اٹلی کے بادشاہ

کنگ ہمبرٹ کے قتل کی پیشن گوئی بھی اس نے بالکل درست اور صحیح طور پر کی تھی۔ اور پیرس میں شاہ پر قاتلانہ حملے کا وقوعہ بھی اس نے پہلے بتا دیا تھا۔ آخر میں اس کی سب سے بڑی مشہور پیشن گوئی لارڈ کچز کے حادثہ قتل اور اس کی صحیح کیفیت کی بابت تھی جو اس نے وقوعہ سے بائیس سال پہلے بیان کی تھی۔ جو بالکل درست ثابت ہوئی۔ اور برطانیہ کے جنگی دفتر میں مسٹر کیرو کی یہ پیشن گوئی مفصلہ ذیل عبارت میں آج تک درج ہے۔

لارڈ کچز اپنی عمر کے چھیاسٹھویں سال میں اس جہان سے گذر جائے گا اس کا انجام ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ جیسا کہ عام سپاہی کی موت میدان جنگ میں واقع ہوا کرتی ہے۔ بلکہ اس کی موت پانی میں ہوگی۔ اغلباً ایک طوفان یا کسی سمندری حادثے کے اندر اور ساتھ ہی دشمن کے ہاتھوں گرفتاری کا عمل بھی واقع ہوگا جس سے بچ کر جانبر نہ ہو سکے گا۔

جس وقت مسٹر کیرو نے لارڈ کچز کی بابت یہ پیشن گوئی کی تھی۔ اس وقت لارڈ کچز فوج میں کرنل تھا۔ اور اسی سال یعنی 1894ء میں اس نے مسٹر کیرو کو اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی یادداشت اور رسید اس بارے میں دی تھی جو آج تک انگلستان کے بڑے بڑے اور نامی گرامی سینما گھروں میں بطور ایک عجوبہ روزگار چیز دکھائی جاتی ہے۔ جس پر تصدیق کے طور پر برطانیہ کے جنگی دفتر کی مہر ثبت ہے۔

اسی مسٹر کیرو کی ایک معتبر کتاب بنام سچے روحانی واقعات سے مصر کے اہل قبور روحانیوں کے دو واقعات بطور شہادت پیش کیے جاتے ہیں۔ اصل کتاب تو انگریزی میں ہے۔ اس فقیر نے ناظرین کی آسانی کے لئے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

مسٹر کیرو لکھتا ہے کہ میں ایک دن سہ پہر کو اپنے کمرے کے اندر بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک شخص مسٹر ہنڈری نامی نیویارک کا بڑا مالدار اور متمول تاجر مجھے ملنے آیا۔ اور علم

روحانیت کے بڑے ماہر میرے دوست مسٹر ڈبلیو ٹی سٹیڈ کا سفارشی خط دے کر یوں گویا ہوا کہ میں نے اپنی آخری عمر میں شادی کر لی۔ اور چونکہ مجھے فطرتاً پرانے زمانے کے حالات اور واقعات معلوم کرنے کا شغف اور شوق ابتداء ہی سے لاحق تھا۔ اس لئے پرانی قبروں کی کھدائی اور قدیم زمانے کے عجائبات اور ممیوں کے نکالنے کے خیال سے میں مصر چلا گیا۔ اور وہاں سے ایک مسلسل غیر مختتم اور لازوال مصیبتوں کا سلسلہ گلے کا ہار بنا کر لایا ہوں۔ جس سے جانبر ہو کر بچ نکلنا میرے لئے تقریباً محال ہو گیا ہے۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ایک کپڑے میں لپٹی ہوئی چیز میرے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا کہ اسے دیکھئے یہ کیا چیز ہے۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا تو میں اسے فوراً پہچان گیا کہ وہ ایک پتھر کا پرانا بت تھا۔ جو مصر کی پرانی قبروں سے عموماً برآمد ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ مصر میں ان اشیاء سے مجھے بڑا واسطہ اور تعلق رہا ہے۔ میں نے جب اسے غور سے ٹٹولا اور گہری نظر سے دیکھا تو میں اس کی تہہ کو پہنچ گیا۔ میں نے اسے کہا کہ یہ چمگاڈر کا سنگین سفید بت اغلباً کسی فراعنہ مصر کی ممی لاش پر سے اٹھایا گیا ہے۔ اور اغلباً یہ بت شاہ چیاپ نامی فرعون مصر کی کسی ممی لاش کے کفن کے آخری بند پر بطور مہر رکھا ہوا ہو گا۔ کیونکہ یہ بادشاہ فراعنہ مصر کی چوتھی پشت میں ہوا ہے۔ اور چونکہ عموماً دن کو نظر نہیں آتا تھا۔ اور رات کو نکلا کرتا تھا اس لئے اس زمانے کے لوگ اسے سفید چمگاڈر کے نام سے پکارتے اور یاد کرتے تھے۔ مسٹر ہنڈری میری اس تقریر سے بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ مسٹر کیرو! خدا کے لئے مجھے یہ بات بتائیے کہ کیا مردے بھی زندوں سے بدلہ لے سکتے ہیں۔ اور اس دنیا میں آ کر نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں! بعض حالات کے تحت مردوں کی ارواح یہاں دنیا میں بہت کچھ کر سکتی ہیں اس نے ذرا اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا کہ کیرو! میں اس چیز یعنی سفید چمگاڈر کی بد دعا، لعنت یا آسیب (جو کچھ بھی کہو) کے نیچے بری طرح دبا ہوا ہوں۔ اس نے مجھ

سے میری دنیا میں سب سے عزیز اور پیاری بیوی چھین لی ہے۔ میرے ایک جانی اور وفادار دوست کو خودکشی کا مرتکب کرا کے ہلاک کر دیا ہے۔ میرے تمام دنیوی کاروبار کا ستیاناس کر دیا۔ اور اب وہ میری اپنی عزیز جان کا لاگو بن کر اس کا خاتمہ کرنے کے درپے ہے۔ مسٹر کیرو! برائے خدا مجھے سچ بتاؤ کہ مستقبل میں میرے لئے اور کیا کیا مصیبتیں پڑی ہوئی ہیں جب اس نے یہ آخری فقرہ کہا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ماتھے سے خوف سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ مسٹر ہنڈری! مجھے اپنی اس مصیبت کی کچھ کیفیت سنایئے۔ شاید ممکن ہے میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔ پھر اس نے مجھے اپنی ایک ایسی عجیب اور دردناک داستان سنائی جسے سن کر میں حیران اور ششدر رہ گیا۔

اس نے کہا کہ پچھلے سال میں مصر کے دارالخلافے قاہرہ شہر کے شفرڈ ہوٹل میں مقیم تھا جب کہ میں نے مصر کی ایک پرانی وادی میں جسے انگریز لوگ ویلی آف دی کنگز (Valley of the Kings) کے نام سے پکارتے ہیں۔ ایک نئی اور نامور کھدائی کی خبر سنی۔ جس کا کام ایک جرمن ماہر آثار قدیمہ کے اچانک بلاوجہ فوت ہو جانے کے سبب رک گیا تھا۔ مصری مزدور جو اس کام پر لگے تھے۔ ان کے درمیان اس کھدائی کی بابت بڑا خوف اور عجیب ہراس چھایا ہوا تھا۔ ان کا پختہ یقین تھا کہ اس مقبرے کا بیرونی تہہ خانہ جو ابھی کھودا گیا تھا۔ کسی زبردست روح یا کسی خوفناک اور طاقتور بھوت کے زیر تصرف ہے۔ جس نے جرمن افسر کو فوراً ہلاک کر دیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ اس کے اندرونی اور اصلی تہہ خانہ کے اندر تو خدا جانے کیسا بلا گھسی پڑی ہو گی۔ جو ابھی تک نہیں کھودا گیا تھا۔ میں چونکہ ان باتوں میں بہت بے باک اور نڈر تھا۔ میں نے کچھ افسروں کو رشوت وغیرہ دے کر کھدائی کا ٹھیکہ اپنے نام کرا لیا۔ سابق مزدور تو کسی قیمت پر اجرت کے عوض کام کرنے پر رضامند نہ ہوئے۔ میں نے نئے مزدور تلاش کر کے کام پر لگائے۔ اور کھدائی کا کام شروع کر دیا۔ پے در

پے تین مزید تہہ خانے کھود کر خالی کیے گئے۔ آخری نوبت اس اصلی اور سب سے زیریں تہہ خانے کی پہنچی جہاں شاہی خانقاہ تھی جس میں اس زمانے کی شاہی لاش پڑی ہوئی تھی۔ کیوں کہ اس دروازے پر چی آپس چہارم کی مہر لگی ہوئی تھی۔ تہہ خانہ کھولا گیا۔ اور معمولی بجلی کی روشنی ساتھ لے کر میں اکیلا اس تہہ خانے کے اندر داخل ہو گیا۔ کیونکہ مصری مزدوروں نے خوف کے مارے اندر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ جب میں بتی لے کر آگے بڑھا۔ تو میری نظر سامنے دیوار کے ساتھ بادشاہ کے سنہری تابوت پر پڑی۔ میں نے تابوت کا تختہ اٹھایا۔ اور یوں تین چار ہزار سال کے خفیہ راز اور سربمہر قدیم طلسم کو توڑ خفیہ روحانی کو جگایا۔ یہ لاش اس زمانے کے کسی مذہبی اور روحانی پیشوا کی تھی جو کہ ابھی تک چار ہزار سال سے اپنی لمبی سفید ڈاڑھی تک صحیح سلامت پڑی ہوئی تھی اور یہ خانقاہ چی آپس (Cheops) چہارم نے اس کے اعزاز میں بنوائی تھی۔ مسٹر ہنڈری اپنی داستان جاری رکھتے ہوئے اس وقت ایک خاص متاثر لہجے میں کہنے لگا۔ کہ اس ممی کے سینے پر یہ سفید سنگین چمگادڑ کا بت پڑا ہوا تھا۔ جونہی میں نے فن کے بند کھولنے کی غرض سے اس بت کو لاش پر سے اٹھایا تو یک دم ایک زبردست خوفناک بادل میرے دل پر چھا گیا۔ اور میں حواس باختہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ بجلی کی روشنی بھی بالکل مدھم اور آخری حد تک ماند پڑ گئی۔ اور ایک سر مہیب ہوا نے سائیں سائیں کرتے ہوئے تہہ خانے کو گھیر لیا۔ اور مجھے پرندوں کی طرح کچھ صورتیں ہوا میں پھڑ پھڑاتی اور میرا منہ نوچتی ہوئی معلوم ہوئیں میں سمجھا کہ یہ کوئی مادی اور ظاہری چمگادڑ ہوں گے۔ لیکن میرے دل نے معاً اقرار کیا کہ مجھے کسی خوفناک بلا نے پکڑ لیا ہے۔ اور صرف یہ بت ہاتھ میں لئے ہوئے اس تہہ خانے سے جلدی نکل آیا کہ شاید باہر جا کر کچھ اطمینان کا سانس لے سکوں۔ لیکن جب باہر آ کر میں نے اپنے حواس سنبھالے اور دوبارہ اندر جانے اور کام کو تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ کیا تو میرے تمام جسمانی حواس وقویٰ اور قلبی ہمت و جرات نے

جواب دے دیا۔ میں نے باقی کام کو کل پر ملتوی کر کے مزدوروں کو رخصت کر دیا اور خود ہوٹل یعنی اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ میری بیوی مجھے بہت اداس اور مرجھائے ہوئے چہرے سے ملی۔ کیونکہ وہ ہمیشہ میرے اس قسم کے پرانے مقبروں کی کھدائی کے کام کی سخت مخالف تھی۔ چنانچہ پچھلے پہر اس کے دل پر بے وجہ سخت ہراس اور خوف چھا گیا۔ جس کا اظہار اس نے مجھ سے کر دیا۔ اور مجھ سے وعدہ لے لیا کہ پھر کبھی اس کام کے نزدیک نہیں جاؤں گا۔ میں اپنا دل بہلانے اور غم غلط کرنے کی خاطر دریائے نیل کے کنارے مقام لکسر پر نقل مکانی اور فروکش ہونے کے ارادے سے چلا گیا۔ اور وہاں اپنا خیمہ اور کیمپ لگا دیا۔ اور میری طبیعت وہاں ذرا سکون اور اطمینان پر آ گئی۔ وہ چمگادڑ رکابت میں نے اپنے سامان میں چھپا کر رکھ دیا۔ اور کسی سے اس کا ذکر تک نہ کیا۔ اس کے بعد دھیمی آواز سے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر مسٹر ہنڈری نے اپنے غم کی داستان جاری رکھتے ہوئے بیان کیا کہ ایک رات ایک غیر معمولی مہیب اور بھیانک آواز سے میں چونک پڑا۔ اور ایک سفید چمگادڑ کو اپنے خیمے کے اندر چکر لگاتے ہوئے اور نہایت خوفناک لہجے میں میں نے چیختے چلاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے اٹھ کر اسے تو باہر نکال دیا اور خود سو گیا۔ لیکن میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اس تہہ خانے کے اندر بند کھڑا ہوں۔ اور میرے دل پر ایک ناقابل قیاس خوف اور ہراس چھایا ہوا ہے جس سے میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔ اور ساتھ ہی ایک غیبی طاقت مجھے دبا کر موت کی طرف دھکیل رہی ہے۔ میری بیوی بھی ایک نامعلوم غیبی گرفت میں جکڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ جس کے اظہار سے وہ کتراتی تھی۔ آخر ایک رات وہ صحیح سلامت سوئی اور صبح کو اپنے بستر کے اندر مردہ پائی گئی۔ ڈاکٹروں نے صرف یہ نتیجہ نکالا کہ اس کی موت کسی صدمہ کے سبب دل کے فیل ہو جانے سے واقع ہوئی۔ اس کے بعد تباہی پر تباہی مجھ پر نازل ہونی شروع ہوئی۔ میرا کاروبار بند ہو گیا۔ میرے ایک نہایت معتمد دوست نے میری

چالیس ہزار ڈالر کی رقم نیویارک میں خورد برد کر کے خودکشی اختیار کر لی۔ بعدہ میرا باپ بیمار ہو کر اچانک مر گیا۔ اور میں اکیلا بے یارو مددگار اس خوفناک غیبی دشمن سفید چمگادڑ کا شکار اور اس کے دن رات کے حملوں میں بری طرح گرفتار اور زندگی سے بیزار آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔ آخر میں اس نے چلا کر کہا کہ کیرو! کیا یہ میرا وہم اور پاگل پن تو نہیں ہے۔ اس سے پہلے جب میں اکثر لوگوں سے سنا کرتا تھا کہ جو لوگ مصر کی پرانی قبروں کے اکھیڑنے کا کام کرتے ہیں۔ ان پر کوئی غیبی آفت اچانک نازل ہو جاتی ہے۔ میں عموماً ایسی باتوں پر ہنس دیا کرتا تھا لیکن اب یہاں پر وہ رک کر کانپ گیا۔ اور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر وہ عجیب فکر میں ڈوبا رہا۔ بعدہ ذرا سنبھل کر بولا کہ اکثر راتیں وہ سفید چمگادڑ خواب میں وہ میرے سینے پر سوار ہو جاتا ہے۔ اور میرا گلا گھونٹ کر مجھے موت اور ہلاکت کے دروازے تک پہنچا کر مزید مصائب اور آلام پہنچانے کے لئے واپس زندہ چھوڑ دیتا ہے۔ میرے لئے سونا ایک خوفناک موت کا سامنا بنا ہوا ہے۔ اور خدا جانے میرا چھٹکارا اس خطرناک زندگی سے کب ہوگا۔ میں نے اس سے اس کی تاریخ پیدائش دریافت کی۔ اور اس کا ہاتھ دیکھ کر اس کا زائچہ بنایا۔ تو مجھے معلوم ہوا کہ اس کی موت کا خوفناک انجام اس کے قریب پہنچا ہوا ہے۔ لیکن میں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس مصیبت زدہ بد نصیب آدمی کو اس خوفناک انجام کا حال بتا کر اس مصائب و آلام میں مزید اضافہ نہ کروں۔ میں نے اسے جھوٹی مصنوعی تسلیاں دے کر خوش اور مطمئن کر لیا۔ بعدہ اس نے رخصت ہونے سے پہلے مجھے کہا کہ مسٹر کیرو! کیا تم میرے ساتھ ایک مہربانی کر سکو گے میں نے ایک ضروری کام پر جانا ہے اور کیا تم چند روز کے لئے یہ چیز یعنی سفید چمگادڑ کا بت اپنی تحویل میں رکھ سکو گے۔ اس نے وہ بت میرے ہاتھ پر رکھا۔ اور جونہی میرا ہاتھ اسے لگا ایک خوفناک غیبی بجلی میرے وجود میں گھس آئی اور گو اپنے پیشہ کی حیثیت سے میں ایسی چیزوں کے حصول میں حریص تھا۔ لیکن اس چیز نے

میرے حرص کو خوف میں تبدیل کر دیا۔ میرے مہمان نے تیز نظر سے میرے چہرے کو دیکھ کر کہا کہ مسٹر کیرو! میں امید کرتا ہوں تم اس چیز سے خوف نہیں کھاؤ گے۔ میں نے خودداری اور ظاہر داری کے ور پر اسے جواب دیا کہ ہرگز نہیں گو میں دل سے اسے رکھنے پر رضامند نہیں تھا۔ لیکن میں نے اسے کہا کہ آپ کے آنے تک میں اسے اپنے پاس رکھوں گا۔ جس وقت آپ اپنے کام سے واپس آ جائیں۔ آپ واپس اسے سنبھال لیویں۔ غرض مسٹر ہنڈری مجھ سے رخصت ہو گیا۔ اور وہ بت میرے پاس چھوڑ گیا۔ میں نے اسے اپنی چارپائی کے نزدیک میز پر رکھ چھوڑا۔ رات کو میں سویا۔ تو مجھے نیند جلدی آ گئی۔ لیکن مجھے معا عجیب خوفناک اور مہیب خواب آنے شروع ہو گئے۔ میں نے اپنے آپ کو پہلے ایک بڑے کمرے میں دیکھا۔ جس میں ہر طرف چبوترں پر سنگین بت نصب تھے۔ اس کے بعد میں ایکد وسرے کے نیچے تہہ در تہہ خانوں سے گذرتا ہوا آخر میں ایک سب سے نیچے تہہ خانے میں داخل ہوا، جو لحظہ بہ لحظہ چھوٹا ہوتا گیا جس سے میرا دم گھٹا جاتا تھا۔ آخر مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں گویا زندہ در گور ہو گیا ہوں۔ آخر ایک سخت چیخ کے ساتھ بیدار ہو گیا۔ اس وقت میرا جسم پسینے سے شرابور تھا اور میرے دل پر ایسا خوف چھایا ہوا تھا۔ کہ گویا کوئی خوفناک آفت میرا گلا گونٹ رہی ہے۔ اس کے بعد جب میں نے ہوس سنبھالے اور میں نے اپنے روشن دانوں کی طرف دیکھا جو اس وقت کھلے چھوڑ دیئے گئے تھے تو میں خوف اور دہشت سے کپکپا اٹھا۔ کیونکہ روشن دان کے دریچے پر مجھے ایک بڑا سفید چمگادڑ بیٹھا ہوا نظر آیا جو اپنی تیز اور چمکیلی آنکھوں سے مجھے گھور رہا تھا اور ایک خوفناک درندے کی طرح اس کے کان کھڑے تھے۔ گویا ابھی حملہ کرنا چاہتا ہے۔ پھر وہ چلا گیا اور میں اپنے بستر سے باہر کود پڑا۔ باہر کی کھڑکی سے میں نے اسے دیکھا کہ قریب کے درختوں کے سروں پر چاندنی رات میں تیز تیز چکر لگا رہا ہے۔ صبح کو میرا گلا متورم اور سوجا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کو بلایا وہ حیران ہو گیا اس نے کسی

زہریلے کیڑے سے کاٹے جانے کی وجہ بتائی میں خاموش ہو گیا۔ مسٹری ہنڈری کے واپس لنڈ آنے پر اس نے اپنا بت طلب کیا۔ میں نے اسے واپس کرنے میں بڑی خوشی محسوس کی اور اطمینان کا سانس لیا۔ جاتے وقت اس نے مجھ سے پوچھا کہ اس بت کے متعلق آپ نے کوئی انوکھا معاملہ تو نہیں دیکھا۔ میں نے خاموشی اختیار کی اور اسے صلاح دی کہ اس بت کو جہاں سے اٹھالائے ہو اسے واپس وہاں رکھ دو۔ وہ عجیب حیرت میں مجھے دیکھنے لگا۔ اور مجھ سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ گذر گے۔ اور اس چمگادڑ کے بت کا معاملہ میری یاد سے اتر گیا۔ جب کہ ایک دن اچانک میں اخبار نیویارک ہیرلڈ کا پرچہ پڑھ رہا تھا کہ میری نظر اخبار کے ایک مضمون پر گڑ گئی۔ جس کی سرخی تھی ایک امریکن مسفر کی پراسرا موت نیچے کی تفصیل میں لکھا ہوا تھا کہ مسٹری ہنڈری، رولافٹ کے ہوٹل میں رات کو اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ متصل کے کمرے میں ایک مسافر نے اس کی ایک لمبی خوفناک چیخ سنی تھی۔ لیکن دوبارہ کچھ نہ سن کر وہ سو گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے رائے دی کہ اس کی موت کسی نہ معلوم وجہ سے دل کی حرکت بند ہونے سے واقع ہوئی ہے۔ مادی عقل اس قسم کے واقعات پر ضرور ہنسے گی کہ ہزار ہا سال کی مردہ روحیں کیونکر اس دنیا میں واپس آ کر زندوں کو ہلاک کر سکتی ہیں یا نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو اس قسم کے غیبی واقعات سے واسطہ پڑا ہے وہ اس کی حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں کہ روحیں زندوں سے بدر جہا زیادہ طاقتور ہوتی ہیں۔ اور اگر چاہے ایک طاقتور روحانی ہزار ہا زندہ نفسانی لوگوں کو ایک دم میں ہلاک اور فنا کر سکتا ہے۔ اور اسی طرح ایک دم میں اگر چاہے بے شمار فوائد پہنچا سکت اہے۔ اور اپنے فیوضات اور برکات سے مالا مال کر سکتا ہے۔ مذکورہ بالا حکایت میں تین چار ہزار سلا کے ایک متوفی مذہبی اور روحانی پیشوا کی روح نے اپنی غیبی طاقت سے اپنی قبر پر سے ایک پتھر کی مورتی اٹھائے جانے پر مسٹر ہنڈری اور اس کے متعلقین کتنے زندہ لوگوں کو فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

نفسانی غافل لوگ اس قسم کی حکایتوں کو جھوٹا اور فرضی کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اہل بصیرت زندہ دل عارف لوگوں نے جب اس قسم کے واقعات اور حالات کو ہوش وحواس اور بیداری کی حالت میں بے شمار دفعہ دیکھا بھالا اور معائنہ کیا ہو تو وہ مردہ دل نفسانی کور چشم لوگوں کے نفسانی شبہات اور باطل اعتراضات کو کب خاطر میں لاتے ہیں اور اپنی آنکھوں کانوں اور دل کو کیسے جھٹلا سکتے ہیں۔

ہزار معجزہ بنمود عشق و عقل جہول
ہنوز امت اندیشہائے خویشتن است

اسی قسم کا ایک اور واقعہ مسٹر کیرو نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے جو سابقہ واقعہ سے بھی زیادہ عجیب اور خوفناک ہے۔ ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کرتے ہیں۔ مسٹر کیرو لکھتے ہیں کہ ایک روز سہ پہر کو مسٹر ڈوگلا زمرے (Doglesmiaray) میری ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ہنستے ہوئے میرے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور دونوں ہاتھوں کو میرے سامنے کی میز پر رکھ کر بولا کہ آپ ان میں سے میرا کون سا ہاتھ دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ جونہی میں نے اپنے ملاقاتی کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ تو خوف اور دہشت کا بے قیاس اثر میرے دل پر وارد ہوا۔ میں نے فوراً اس کا ہاتھ جلدی سے میز پر ڈال دیا۔ میرے ملاقاتی نے ہنس کر کہا کہ میرے اس ہاتھ میں کیا خرابی ہے۔ کہ آپ نے اسے ایسے جلدی اور بُری طرح ڈال دیا۔ مسٹر ڈوگلا زمرے ایک نوجوان متمول آدمی تھا۔ اور فی الحال بیکار عیش وعشرت کے دن گذارتا تھا۔ مسٹر کیرو ایک کامیاب جوتشی تھا۔ وہ ایک تو کسی شخص کے نام اور اس کی تاریخ پیدائش وغیرہ سے سائل کا زائچہ بنا کر اور نیز اس کے ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر اس کے ماضی اور مستقبل کے کچھ حالات اور واقعات معلوم کر لیا کرتا تھا دوم وہ کلیرو اینٹ میڈیم یعنی وہ کسی قدر روشن ضمیر میڈیم تھا کہ اس پر گاہے گاہے کوئی روح مسلط ہو جایا کرتی۔ جس کے اثر اور تسلط سے سائل کے آئندہ

کے واقعات اور خیالات کے فوٹو اور نقشے اس کے سامنے نمودار ہو جاتے تھے۔ اس وقت بھی یہی ہوا کہ اس کے آئندہ کے واقعات اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر نمودار ہونے لگے۔ مسٹر کیرو لکھتا ہے کہ جب اس طرح کی روحانی طاقت مجھ پر مستولی اور مسلط ہو جایا کرتی ہے تو سائل کے ہاتھ پر اس کے مستقبل کے حالات اور واقعات کی فلم اور فوٹو ظاہر ہونے لگ جاتی ہیں۔ اور ساتھ ہی میری زبان پر بے ساختہ ان آئندہ واقعات کا اجراء ہو جایا کرتا ہے۔ چنانچہ میں بے اختیار اسے یوں مخاطب ہوا۔ آپ کا یہ دایاں ہاتھ آئندہ آپ کا ہاتھ نہیں رہے گا۔ ایک بندوق مجھے چلتی ہوئی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ اور اس کے بعد یہ ہاتھ مجھے کٹا ہوا نظر آ رہا ہے۔ اس کے بعد ایک اور نظارہ سامنے آ رہا ہے۔ یعنی ایک مستطیل نظر آ رہی ہے۔ جس کے اوپر والے تختے پر ایک تصویر رکھی ہوئی ہے اور ساتھ ہی مجھے اپنے اندر ایک آواز آ رہی ہے۔ کہ اسے مت چھوؤ۔ اگر اسے چھوؤ گے تو تم پر اور ان لوگوں پر جو اسے چھیڑیں گے بڑی بھاری بلائیں اور مصیبتیں نازل ہوں گی۔ میرا ملاقاتی میری باتیں سن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ ہر سمجھ دار آدمی ایسی باتوں پر ہنسے گا۔ میں نے تقریر جاری رکھتے ہوئے مزید کہا کہ تمہارا ہاتھ مجھے بتاتا ہے کہ یہ کسی لاٹری میں انعامی نمبر حاصل کریگا اور وہاں سے آپ پر پے در پے مصائب اور آلام کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اور آپ کی ہلاکت اور موت پر ختم ہوگا۔ میرے ملاقاتی نے ہنستے ہوئے کہا۔ کہ مسٹر کیرو! کہ کیا ہی عجیب اور متضاد اور دور از قیاس باتیں آپ فرما رہے ہیں کہ ایک ہاتھ بیک وقت لاٹری میں انعامی ٹکٹ حاصل کر رہا ہے اور کٹ کر مصائب و آلام کا باعث بن جاتا ہے۔ اگر آپ اپنے گاہکوں سے اس طرح کی دور از عقل باتیں کرتے رہے تو میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ آپ جلدی ایک لمبے تابوت میں ڈال دیئے جائیں گے۔ جس کے اوپر پیتل کی پلیٹ پر آپ کا نام کندہ ہوگا۔ اس پر ہم دونوں خوب ہنسے لیکن جاتے وقت وہ اپنا نام اور ایڈریس بطور یادداشت مجھے دے

گیا۔ چند سال کے بعد مسٹر ڈوگلا زمرے میری ملاقات کے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے دائیں ہاتھ کی آستین خالی تھی۔ اور اوپر کوٹ کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ وہ زردو، نحیف وضعیت اور خستہ حال معلوم ہوتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ مسٹر کیرو! واقعی آپ نے میری نسبت جو پیشن گوئی فرمائی تھی وہ حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ اس نے پھر اپنے غم کی داستان بیان کی کہ مسٹر کیرو! میں آپ سے رخصت ہوکر اپنے دو دوستوں کے ہمراہ محض تفریح اور شکار کے ارادے سے مصر چلا گیا۔ جہاں ہم کبھی کبھار دریائے نیل کے کنارے بندوق سے شکار کیا کرتے تھے۔ ایک روز میرا ایک ترجمان مجھے ایک پرانے مقبرے سے نکلی ہوئی ایک ممی لاش دکھانے لے گیا۔ جو ہزاروں سال سے ابھی تک صحیح وسلامت اور تر تازہ پڑی ہوئی تھی۔ اس ممی کے تابوت کی تحریر سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایمن را (Aimenra) کی مشہور خانقاہ کی بڑی بھاری روحانی عورت کا توبوت ہے۔ جس پر سونے اور بلور سے اس کی خوبصورت تصویر بنی ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ گو میں جانتا تھا کہ اس معاملے میں ہاتھ ڈالنا خطرناک ہے۔ لیکن اس عجوبہ روزگار چیز کی اہمیت اور خوب صورتی نے میری آتش حرص و آز کو بھڑکا دیا۔ اور میں نے اسے خرید کر ہوٹل بھجوا دیا۔ میرے دوستوں نے جب اس عجیب چیز کو دیکھا تو انہوں نے بھی اس میں شرکت اور شمولیت کی خواہش اور آرزو ظاہر کی۔ آخر سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ اس کی تین دفعہ لاٹری ڈالی جائے۔ جا کا نمبر دو دفعہ نکل آئے وہ اس کے لینے کا مستحق قرار پائے۔ چنانچہ ہم نے اس کی لاٹری ڈالی۔ اور میرا نمبر بجائے دو دفعہ کے تین دفعہ نکلا۔ اور میں اس طرح شومئی قسمت سے اس کا مالک قرار پایا۔ اور میں نے اسے اپنے نام کے پتہ لنڈن بھیج دیا۔ اور ہم دوسرے روز دریائے نیل کے کنارے شکار کھیلنے چلے گئے۔ اتنا شکار میں بندوق اٹھائے ہوئے تھا۔ میرے دائیں ہاتھ میں وہ خود بخود چل پڑی جس سے میری بانہہ کی ہڈی بہت بُری طرح ٹوٹ گئی اور میں اس

کے درد سے بے تاب ہو گیا۔ ملاح کو کشتی واپس شہر قاہرہ لے جانے کا حکم دیا۔ لیکن اتفاقاً مخالف سمت سے سخت ہوا چل پڑی۔ جس نے بجائے آگے چلنے کے کشتی کو پیچھے دھکیل دیا۔ اور ہم دس روز کے بعد قاہرہ پہنچے۔ اس وقت میرے ہاتھ کا زخم کافی متورم اور متعفن ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر بلائے گئے۔ اور بہتیرے علاج کرائے گئے۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر ڈاکٹروں کی رائے سے کہنی کے اوپر بازو کاٹ ڈالا گیا۔ مصر سے واپسی پر میرے دونوں دوست اور رفیق جہاز کے اندر فوت ہو گئے۔ اور ان کی لاشیں سمندر کی لہروں کے سپرد کر دی گئیں۔ اثنائے سفر میں ہمارے دو ٹرنک جن میں بڑے قیمتی بت اور دیگر نادر اور عجوبہ روزگار پرانی اشیاء اور تحفے تحائف تھے۔ جو ہم نے مصر میں بڑی کوشش اور کثیر رقم سے خریدے اور حاصل کئے تھے۔ ہر دو چوری ہو گئے۔ اور باوجود سخت تلاش اور تفتیش اور لالچ انعام و اکرام ان کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔ اور میں تباہ اور خستہ حال اور زار و نزار لنڈن پہنچا۔ میں گھر آیا تو اس ممی کے تابوت کا پارسل بغیر کھولے میرے مکان میں پڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ مسٹر کیرو! آپ بمشکل باور کریں گے کہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جب کبھی میں اس روحانی خاتون کے تابوت پر اس کی بیرونی کندہ تصویر کو دیکھتا ہوں تو اس کی آنکھوں میں زندگی کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ اور وہ مجھے سخت غصے اور نفرت سے گھورتی ہے۔ اور اس کی صورت ایسی ڈراؤنی اور ہیبت ناک ہو جاتی ہے کہ اس کے دیکھنے سے میرا خون خشک ہونے لگتا۔ اس نے کہا کہ میرے لنڈن پہنچنے کے دوسرے دن ایک تعلیم یافتہ خاتون اس عجیب ممی کا ذکر سن کر میرے پاس ملاقات کے لئے آئی۔ اور جب اس نے اس کے متعلق گذشتہ مختلف حادثات اور اموات کے قصے مسٹر ڈوگلا زمرے کی زبانی سنے۔ تو وہ اس پر ہنسی۔ اور کہا کہ مجھے ایسے واہمات پر مطلق یقین نہیں ہے۔ اور مجھ پر ایسی چیزوں کا ہرگز کوئی اثر نہ ہوگا۔ غرض اس خاتون نے وہ ممی کیس مسٹر ڈوگلا زے سے اپنے گھر لے جانے کی درخواست کی۔ چنانچہ اس ممی کا تابوت اس

عورت کی تحویل میں دے دیا گیا۔ اور جس روز وہ اس خاتون کے گھر داخل ہوا۔ اسی روز سے مصیبتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ چنانچہ پہلے پہل اس کی ماں جب اسے خوش آمدید کہنے کے لئے بالا خانے سے نیچے اتر رہی تھی تو سیڑھیوں پر سے ایسی بری طرح گری کہ اس کی ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اور کئی مہینوں کے درد اور تکلیف کے بعد بڑے عذاب سے مر گئی۔ دوم ایک آدمی جو اس خاتون سے منسوب تھا اور شادی کرنے والا تھا۔ اس نے بلا وجہ اسے جواب دے دیا۔ اور شادی سے انکار کر دیا۔ چند مہینوں کے اندر اس کے بہت قیمتی اور پیارے کتے جن میں سے چار انعام حاصل کر چکے تھے۔ سب کے سب یکے بعد دیگرے دیوانے ہو گئے اور مار دیئے گئے۔ آخر میں وہ خود ایسے لا علاج مرض میں مبتلا ہو گئی کہ ڈاکٹر اس کی توجیہہ اور علاج سے عاجز آ گئے۔ آخر اس نے اپنے ایک قانونی مشیر کو ٹیلیفون کر کے بلایا کہ اس سے اپنا وصیت نامہ تیار کرائے۔ سب سے پہلے اس قانون پیشہ ہوشیار مشیر نے وہ خطرناک تابوت مسٹر ڈوگلا زمرے کو واپس بھیج دیا۔ مسٹر مذکور نے جس پر اس تابوت کے طفیل اتنی مصیبتیں نازل ہوئی تھیں آئندہ اسے اپنے آپ سے ہمیشہ کے لئے دور اور الگ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ سو اس نے سوچا کہ اس کے لئے سب سے موزوں اور بہترین تجویز یہ ہے کہ اسے برٹش عجائب گھر کے شعبہ مصری عجائبات میں شامل کر دیا جائے۔ برٹس عجائب گھر کے جس ملازم اور کارکن کے ذریعے وہ تابوب عجائب گھر میں داخل ہونے کی تجویز ہوئی وہ چونکہ خود پہلے اس عجوبہ روزگار چیز کے دیکھنے کا بہت مشتاق تھا۔ لہذا وہ اسے بجائے عجائب گھر کے پہلے دیکھنے کے لئے اپنے گھر لے گیا۔ چند روز کے بعد اس کے دوستوں سے معلوم ہوا کہ وہ ایک رات اپنے بستر پر مردہ پایا گیا۔ آخر برٹش عجائب خانہ والوں نے اس تابوت کو قبول کر کے اپنے عجائب گھر میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد برٹش عجائب گھر کے شعبہ مصری عجائبات میں اس تابوت سے عجیب وغریب غیر معمولی واقعات رونما ہونے

لگے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بات تھی کہ جو مصور، آرٹسٹ یا فوٹوگرافر اس تابوت کی تصویر کھینچنے وہاں جاتا تھا۔ اسے ضرور کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آتا تھا۔ چنانچہ ایک آرٹسٹ کی نسبت مجھے خود معلوم ہے کہ اس نے چار دفعہ اس تابوب کی تصویر کھینچنے کی کوشش کی اور چاروں دفعہ ناکام رہا۔ آخر چوتھی بار وہ تصویر کھینچ کر باہر لے جا رہا تھا کہ ایک گھوڑا اس پر چڑھ دوڑا۔ جس سے وہ تصویر بھی ٹوٹ گئی اور وہ خود بھی زخمی ہو گیا۔ عجائب گھر کے افسروں نے اس تابوت کے متعلق اس قدر خطرناک حوادث کو دیکھ کر اسے عجائب گھر کے باہر کسی کوٹھڑی میں رکھ دیا۔ کچھ عرصہ اس تابوت کے متعلق لوگوں کے کانوں میں کوئی خبر نہ آئی۔ لیکن بعد میں سنا گیا کہ وہ تابوت برٹش عجائب گھر سے منتقل ہو کر امریکہ نیویارک کے عجائب گھر کے شعبہ مصری میں شامل ہونے کے لئے ٹائٹنک جہاز پر لے جا رہا تھا۔ کہ اسے اسی سفر کے اندر اپریل 1912ء میں لرزہ فگن اور تباہی خیز حادثہ پیش آیا جس نے ہزاروں مسافروں کو لقمہ اجل بنا دیا۔ اور یوں وہ تابوت خود ہزارہا انسانوں کی جانوں کے ہمراہ لے کر سمندر کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔

یہ فرضی قصے اور جھوٹی مصنوعی کہانیاں نہیں ہیں۔ بلکہ سچے واقعات اور ٹھوس حقائق ہیں۔ مصر کے پرانے مقبروں اور قدیم ممی لاشوں کے متعلق اس قسم کے عجیب و غریب واقعات اور محیر العقول روحانی خوارق عادات کے حالات سے یورپین اقوام کی ہزارہا کتابیں اور رسالے بھرے پڑے ہیں۔ اور انگریزی اخباروں میں اس قسم کے غیر معمولی اور نادر واقعات کا ذکر وقتاً فوقتاً عام طور پر آتا رہتا ہے۔ چنانچہ انگریزی اخبار ڈیلی میل (Daily Mail) کے 5 اگست 1937ء کا پرچہ ایک دفعہ اس فقیر کی نظر سے گذرا جس میں فرعون مصر مسمی ٹٹ انکھ امن (Tutankhamon) کے مقبرے کے متعلق ایک خبر درج تھی۔ جس کی نقل میں نے بطور یادداشت اپنے پاس رکھ لی تھی۔ اور آج اسے ناظرین کے اذدیاد

یقین کے لئے یہاں درج کتاب کر رہا ہوں۔ چنانچہ مفصلہ ذیل بیان اخبار مذکور سے حرف بحرف اردو میں ترجمہ کر کے نقل کر رہا ہوں اخبار کی موٹی سرخی یہ تھی۔

اس نے فرعون کی قبر کو چھوا

ڈیلی میل کے اپنے نامہ نگار کی طرف سے بروز بدھوار

موت اس شخص کی طرف تیز پروں کے ساتھ اڑ کر آئے گی جو فرعون کی قبر کو چھوئے گا قدیم مصر کے آسیب کا خوف اور غیبی آزار کا ہراس پھر لوگوں کے درمیان پھیل گیا۔ جب کہ مسٹر ہربروٹ نلاک (Herbertinlock) میٹراپولی عجائب گھر کا افسر بے وجہ اچانک بیمار ہو گیا جب کہ وہ علاقہ لکسر (Loxur) کے ویلی آف دی کنگز (Valley of the Kings) میں فرعون مسمی ٹٹ انکھ امن (Tutankhamen) کے مقبرے میں سے داخل ہو کر نکلا تھا جو کہ 1922ء میں کھودا گیا تھا۔ یہ مشہور آثار قدیمہ مصر کا ماہر مقبرے سے نکلتے ہی اچانک بیمار ہو گیا۔ اور ڈاکٹر اس کے اس مرض موت کی نہ کوئی شناخت اور نہ کوئی توجیہہ کر سکتے تھے۔ مسٹر ونلاک (Vinlock) مذکور ہمیشہ اس قسم کے باطنی آسیب اور روحانی آزار کی خبروں پر طنزاً ہنسا کرتا تھا۔ اس کے چار روز بعد اس کا ایک اور رفیق اور کارکن ڈاکٹر البرٹ لتھگو (Albertlythgoo) جو اسی مقبرے کے اندر اس کے ہمراہ داخل ہوا تھا۔ اچانک مر گیا۔ اس کے بعد لارڈ کارنواں (Lord Cornawal) جس نے اس مقبرے کو معلوم اور تلاش کیا تھا۔ اس کی اچانک موت پر تو اس غیبی آسیب اور روحانی آزار کی صداقت کا سب کو پورا یقین اور اعتقاد ہو گیا۔ اس کے چند ماہ بعد لارڈ کارنوال کا بھائی آنریبل آبری ہربرٹ (Obrey Herbert) ایک اپریشن کے دوران میں فوت ہو گیا۔ ایک اور شخص مسمی لارڈ ویسٹ بری (West Burys) نے جس کے قبضے میں اس مقبرے سے نکلی ہوئی کچھ پرانی چیزیں تھیں لنڈن میں اپنے محل کے بالا خانے کی کھڑکی سے چھلانگ لگا

کر جان دے دی۔ اور اسی طرح کچھ اور لوگ جن کا اس مقبرے سے نکلے ہوئے پرانے آثار سے تعلق تھا۔ یکے بعد دیگرے بےوجہ ہلاک ہو گئے۔

مذکورہ بالا باتیں تو یورپ کے مادہ پرست اور سائنس پرورده دماغوں سے نکلے ہوئے بیانات ہیں۔ اور ان اہل قبور روحانیوں کے چشم دید خوارق اور باطنی کمالات ہیں۔ جن کو دنیا سے رحلت اور کوچ کئے ہوئے ہزاروں سال کا طویل عرصہ گذر گیا ہے۔ ابھی تک ان مقبروں اور مزاروں کی مٹی کے ساتھ ایسی زبردست روحانی طاقتیں مربوط اور پیوستہ چلی آتی ہیں کہ جس نے یورپ کے من چلے اور نڈر محققین اور روحانیت کے منکر مادیین کے حوصلے پست کر دیئے ہیں اور ان سے اپنی روحانیت کا لوہا منوا لیا ہے۔ ہمارا ایشا نور روحانیت کا گہوارہ اور باطنی علوم کا گھر ہے۔ اور اس قسم کے باطنی خوارق اور روحانی کمالات سے معمور ہے۔ اور اس قسم کے روحانی کرشمے اور باطنی کارنامے یہاں بہت عام ہیں۔ لیکن ہمارے پاس اس قسم کے عجیب اور غیر معمولی حالات کو قلمبند کرنے اور ان کا ریکارڈ رکھنے کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہے اور جہاں اور جس پر واقع ہوتے ہیں وہیں گم ہو کر نسیا منسیا ہو جاتے ہیں۔ اگر اہل قبور روحانیوں کے متعلق یہ فقیر محض اپنے چشم دید واقعات اور غیبی مشاہدات کو تحریر میں لائے۔ تو اس کے لئے ایک الگ بھاری دفتر درکار ہو گا۔ اور اس زمانے کے لوگ اسے مشکل سے باور کریں گے۔ بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ بعض بزرگوں اور اولیاء کے مزاروں کے زیر سایہ لوگ تبرکاً اور تیمناً اپنے عزیزوں اور خویش و اقارب کو مرنے کے بعد دفن کر دیا کرتے ہیں۔ اس طرح ان بزرگوں کے مزاروں کے پاس کچھ عرصہ کے بعد ایک بڑا بھاری گورستان بن جاتا ہے۔ اور جس طرح دنیا کے مادی شہر دنیا داروں اور بادشاہوں کے نام سے موسوم ہوتے ہیں اسی طرح موت کے بعد یہ روحانی آبادیاں یعنی گورستان آخرت کے امیروں اور روحانی بادشاہوں یعنی فقیروں اور بزرگوں کے نام سے موسوم ہوتی ہیں۔ اور گو ان

میں بادشاہوں اور دنیا داروں کی قبریں بھی ہوتی ہیں۔ وہاں ان کا نام کوئی نہیں لیتا۔ اور یہی کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں فقیر اور فلاں بزرگ کا گورستان ہے۔ اور جن بزرگوں کے زیر سایہ اس قسم کے گورستان بن جاتے ہیں۔ اگر اس قسم کے گورستان میں کوئی شخص وہاں کے درخت کی کوئی خشک یا تو لکڑی یا ٹہنی کاٹ کر یا وہاں کی زمین پر سے اٹھا کر لے گیا ہے تو فوراً اس پر کوئی ناگہانی بلا اور آفت نازل ہوگئی ہے۔ بعض پہاڑہ علاقہ کے لوگوں سے سنا گیا ہے کہ وہاں کے بعض بزرگوں کی خانقاہوں کے مال مویشی دن رات پہاڑوں کے اندر چرتے رہتے ہیں وہاں کے جنگلی جانور اور درندے ان کو چھوتے تک نہیں۔ حالانکہ دوسرے لوگوں کے مویشی باوجود سخت پہروں اور نگرانیوں کے ان کے گھروں سے درندے اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ کسی علاقے میں ٹڈی دل آیا ہے اور اس نے سارے علاقے میں درختوں اور کھیتوں کا ستیا ناس کر دیا ہے۔ لیکن بعض بزرگوں کے مزار کے درختوں کو بیچ میں صحیح سلامت چھوڑ دیا ہے اور ان کو چھوا تک نہیں ہے۔

وجہ یہ ہے کہ عارف اولیاءاللہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے نور سے زندہ جاوید ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے

الا ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینتصلون من الدار الی الدار

یعنی اولیاءاللہ مرتے نہیں ہیں۔ بلکہ اس دار فانی سے آخرت کے دار جاودانی کی طرف نقل مکانی اختیار کر لیتے ہیں۔ سو قبروں کے اندر ان کا تصرف قائم رہتا ہے۔ اور دنیا کی نسبت دار آخرت میں ان کی روحانی طاقت بہت بڑھ جاتی ہے۔ کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ بعض بزرگوں اور اولیاء کے مزارات جب کبھی کسی عام شاہراہ یا سڑک یا ریلوے لائن یا نہر وغیرہ یا سرکاری عمارات کی زد میں آ گئے ہیں اور سرکاری افسروں نے اپنی سڑک سیدھی رکھنے کے لئے اس قبر کو مٹانے کا ارادہ کیا ہے تو ان بزرگوں نے اپنے باطنی تصرف اور روحانی طاقت سے ان افسروں کو ایسی ڈانٹ

بتائی ہے کہ وہ فوراً اس کام سے باز آ گئے ہیں۔ ورنہ وہ افسر خود مٹ گئے ہیں۔ چنانچہ ان مزارات کے موقعوں پر بعض نہروں، سڑکوں، بازاروں اور قلعوں کی دیواروں میں ایسے موڑ خم اور کجیاں آج تک موجود ہیں اور قبروں کو صحیح سلامت اور برقرار چھوڑ دیا گیاہ۔ یہ بات صاف طور پر زبان حال سے بتلا رہی ہے کہ ان مادی اور نفسانی حکمرانوں کو باطنی اور روحانی حکمرانوں کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں ہے۔ شہیدوں کی زندگی موت کے بعد نص قرآنی سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آیا ہے کہ

ولا تقولو لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون

یعنی جو لوگ اللہ تعالےٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے قتل ہو جاتے ہیں انہیں تم مردہ ہرگز خیال نہ کرو۔ بلکہ وہ زندہ جاوید ہیں۔ پر تم اس بات کو نہیں جانتے سو جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت دو طرح پر ہے۔ ایک ظاہری جسمانی، دوم باطنی روحانی، حضرت سرور کائنات ﷺ جب اپنی آخری مہم یعنی جنگ تبوک سے فارغ ہو کر واپس آئے تو آپؐ کے اصحاب اپنے دل میں سوچنے لگے کہ اب تمام عرب فتح ہو گیا ہے۔ اور ہمیں اب مزید جنگ اور جہاد کی ضرورت نہیں ہو گی۔ اور ہم اب چین اور آرام کی زندگی بسر کریں گے۔ تو آپؐ نے ان کے خیالات کو معلوم کر کے ارشاد فرمایا کہ

رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر

یعنی ہم اب اصغر اور چھوٹے جہاد سے فارغ ہو گئے ہیں۔ لیکن ہم نے ایک اکبر اور بڑا جہاد لڑنا ہے۔ آپؐ کے اس فرمان سے اصحاب چونک پڑے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی اور بڑا جہاد بھی ہم نے لڑنا ہے۔

آپؐ نے فرمایا ہاں! وہ دنیا اور نفس و شیطان کے ساتھ موت تک بڑا بھاری جہاد ہے۔ جو کفار اور مشرکین کے ظاہری اور مادی جہاد سے بدرجہا سخت، صعب اور مہیب تر ہے۔ کیوں کہ اول تو کفار و مشرکین کو گمراہ کرنے اور انہیں مسلمانوں کے بر

خلاف جنگ اور جدال پر آمادہ کرنے کا باعث دنیا نفس اور شیطان ہی تو ہیں۔ دوم ظاہری، مادی کفار اور مشرکین تو مسلمانوں کے تن اور جسم کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور دنیوی مال و متاع لے لیتے ہیں لیکن نفس و شیطان مسلمانوں کی حیات جاودانی کے سرچشمے یعنی روح و روان اور جان کو ہلاک اور فنا کرتا ہے۔ اور ان کے اصلی اور ابدی سرمایہ ایمان کو لوٹ لیتا ہے۔ پس نفس اور شیطان چونکہ اصلی اور صعب اور اکبر ترین دشمن ہیں۔ لہٰذا ان کے ساتھ جنگ اور پیکار بھی جہاد اکبر ہے۔ جو لوگ جہاد اصغر میں ہلاک اور شہید ہو جاتے ہیں وہ شہید اصغر یعنی ادنیٰ درجے کے شہید ہوں گے۔ اور جو لوگ جہاد اکبر میں شہید ہو جائیں وہ بڑے درجے کے شہید کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ سو حقیقی مقتول فی سبیل اللہ و شہداء اکبر اور اصلی غازی اور بڑے مجاہد اور افضل ابدی زندہ جاوید لوگ اولیاء اللہ اور عارف باللہ ہیں۔ جو تمام عمر نفس دنیا اور شیطان کے ساتھ موت تک برسر پیکار رہ کر اللہ تعالیٰ کے نور اور بقاء حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہداء اصغر کے مزارات اس قدر مشہور اور معروف نہیں ہوتے۔ جس قدر شہداء اکبر یعنی اولیاء اللہ کے مزارات قیامت تک زندہ مرجع خلائق اور منبع و رشد و ہدیت رہتے ہیں۔ دن رات اولیاء اللہ کے مزارات پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔ ان کی خاک اور ان کے آستانے بوسہ گاہ خلائق ہوتے ہیں۔ دنیا کے بادشاہ اور امراء ان کے آستانوں پر جھکنا باعث فخر سمجھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برزخ کے باریک اور لطیف پردے اور خیمے کے اندر زندہ دربار لگائے بیٹھے ہیں۔ ہزارہا زائرین کو خواب اور بیداری میں اپنی اپنی مرادوں کی نسبت بشارتیں اور اشارات بخشتے ہیں۔ اور لوگوں کو طرح طرح کے فیوضات اور برکات پہنچاتے ہیں۔ ان کی باطنی نگاہ اور توجہ سے بے شمار غافل اور خوابیدہ قلوب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بیدار اور اس کی شراب معرفت سے مست اور سرشار ہو جاتے ہیں۔ کئی مردہ دل زندہ جاوید اور کئی لاعلاج قلوب شفایاب ہو جاتے ہیں۔ وہاں جا کر دل بے اختیار اللہ اللہ

کرنے لگ جاتا ہے۔ کئی زائرین کو مزار کے قریب جاتے ہی بے اختیار رقت اور گریہ جاری ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالی کا ذوق وشوق اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ لوگوں کو وہاں دن رات عبادت، تلاوت، ذکر فکر اور اطاعت کرتے گذر جاتے ہیں۔ غرض خدا کے ان مقبول اور محبوب بندوں کی جو عزت اور توقیر موت کے بعد ہوتی ہے۔ دنیا کے بادشاہوں کو زندگی میں اس کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں ہوتا۔ مزارات کیا ہیں۔ گویا اللہ تعالے کے نور کے چراغ اور شمعیں ہیں۔ جن پر لوگ پروانہ وار کرتے ہیں۔ بعض حاسد کور چشم اپنے بے جا شکووں اور شکایتوں کی پھونکوں سے انہیں بجھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ نوری چراغ بجھنے میں نہیں آتے۔ جیسا کہ سعدی علیہ الرحمۃ فرما گئے ہیں۔

اگر گیتی سرا سر باد گیرد
چراغ مقبلاں ہر گز نمیرد
چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آں کس تف زند ریشش بسوزد

یریدون لیطفئو انور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ و لو کرہ الکفرون

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

بعض حاسد لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے مزارات میں کچھ طاقت اور برکت نہیں ہوا کرتی۔ لوگ محض بطور دیکھا دیکھی اور بھیڑ چال کے طور پر وہاں جاتے ہیں۔ بعض دفعہ کہتے ہیں کہ وہاں کے مجاورین چونکہ اپنے بزرگوں کی قبروں پر روضے اور خانقاہیں بنا لیتے ہیں اور انہیں دلہن کی طرح سجائے رکھتے ہیں۔ اور ان پر پھولوں کے سہرے چڑھاتے ہیں۔ عوام سادہ لوح ان باتوں پر فریفتہ ہو کر وہاں

چلے جاتے ہیں۔ وہاں اہل مزار کا کچھ روحانی اور باطنی تصرف نہیں ہوت۔ لیکن یہ ان کورچشموں اور حاسدوں کا باطل خیال ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اپنے مزاروں کو سجانے اور ان پر روضے اور محل چڑھانے میں دنیا داروں اور دنیا کے بادشاہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ آگرہ کا تاج محل شاہ جہاں بادشاہ نے اپنی پیاری بیوی ممتاز بیگم کی قبر پر اس لئے بنوایا تھا کہ موت کے بعد اس کی عزت اور توقیر بحال رہے گی۔ لاہور کے پاس جہانگیر اور نور جہاں کی قبروں پر کیسی عالیشان عمارتیں بنائی ہیں جسے شاہدرہ کہتے ہیں۔ دہلی میں ہمایوں کے مقبرے کی کتنی شاندار عمارت ہے۔ جہاں خاندان مغلیہ کے بہت بادشاہ اور بیگمات مدفون ہیں۔ حیدرآباد دکن میں بہمنی خاندان کے حکمرانوں کے روضے حساب اور شمار سے باہر ہیں۔ غرض دنیا داروں اور دنیا کے حکمرانوں نے دنیا کے بعد اپنی عزت اور توقیر قائم رکھنے کے لئے کروڑوں اربوں روپے کی دولت خرچ کر ڈالی ہے۔ لیکن وہاں جا کر کسی کا دل فاتحہ پڑھنے کو نہیں چاہتا۔ رات کو کتے اور گیدڑ ان پر پیشاب کر جاتے ہیں۔ لوگ محض بطور سیر و تفریح وہاں جاتے ہیں اور عمارت کو دیکھ کر واپس آ جاتے ہیں۔ ہمارے **ملک** میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ بعض زمینداروں اور دنیا داروں کی پچھلی اولاد اور ورثاء بے چاروں نے تو اپنے دادوں کی قبروں پر روضے چڑھا کر اپنی طرف سے انہیں اولیاء بنا دیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بطور ردعمل لوگوں کے دلوں میں الٹا نفرت اور حقارت کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا ہے کہ لوگ ان کی قبروں کو پتھروں سے مارتے ہیں۔ بلکہ ان کی طرح طرح کی **تذلیل** اور تحقیر کرتے ہیں۔ کسی نے اس بارے میں ایک شعر بھی کہا ہے۔

عنایت خاں عجب کار ریا کرو

بزور زر پدر را اولیاء کرو

وجہ یہ ہے کہ اہل دنیا کی عزت اور توقیر اسی دنیوی زندگی تک محدود رہتی ہے اور وہ بھی روبرو اور سامنے لوگ ان کی جھوٹی خوشامد کرتے ہیں۔ اور وہ پھولے نہیں سماتے۔ لیکن پیٹھ پیچھے اپنے نوکر چاکر انہیں گالیاں دیتے ہیں۔ اور جب دنیا سے گذر جاتے ہیں تو وہ اپنے ظلم وستم کے سبب اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب و ذلت کے سزاوار ہو جاتے ہیں۔ اور جب موت کے بعد ان کے ورثاء دار آخرت میں بھی ان پر روضے چڑھا کر ان کی عزت اور توقیر بڑھانے لگتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے قہر اور غضب کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے ہاتھوں ان کی وہ ذلت اور توہین کراتا ہے کہ چوڑھوں اور چماروں کی بھی وہ توہین نہیں ہوتی۔ کیوں کہ یہ فرعون مزاج لوگ اسی لائق ہوتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ

و اتبعنهم فی هذه الدنیا لعنة ویوم القیمة هم من المقبوحین

خلاف اس کے بہت اولیاء اللہ کے مزارات اس طرح بھی دیکھنے میں آئے ہیں جو محض کچی مٹی کے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ کا مزار آج تک موجود ہے۔ لیکن ان کی حرمت اور عزت بڑے بڑے روضوں سے بھی زیادہ کی جاتی ہے۔ سو یہ عزت اور توقیر کسی کے بنائے ہرگز نہیں بنتی۔ بلکہ یہ عزت اللہ تعالیٰ کی بخشش اور عطا ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ وتعز من تشاء و تذل من تشاء ولی کی قبر اور مزار کی عزت اور حرمت محض روضے اور خانقاہ کی عمارت وغیرہ کے باعث نہیں ہوتی۔ بلکہ اس جگہ ولی کی روح موجود رہتی ہے۔ اور وہاں اس کے فیض کا چشمہ جاری رہتا ہے۔ اس واسطے دین اور دنیا کے پیاسوں کی وہاں بھیڑ لگی رہتی ہے۔

ہر کجا چشمہ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

اولیاء اللہ اپنے مزارات پر آمد ورفت رکھتے ہیں۔ لوگوں سے خیرات وصدقات اور فاتحہ وتلاوت کے تحفے وغیرہ وصول کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو اس خدمت اور حسن عقیدت کے عوض فیوضات اور برکات پہنچتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ان کی مشکلیں حل فرماتے ہیں۔ لیکن جس وقت اولیاء اللہ کے مزارات پر متولی اور مجاور رجوعات خلق بڑھانے اور لوگوں سے محض نذرونیاز زیادہ وصول کرنے کی خاطر قبروں پر غیر شرع میلے لگانے لگ جاتے ہیں۔ اور بدعت ومعصیت کے کام شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً رنڈیوں اور طوائف کے ناچ رنگ اور گانا بجانا یا حقے، چرس، بھنگ کی دکان لگانا، بیگانہ مردوں اور عورتوں کا آپس میں اختلاط رکھنا، جوا کھیلنا، کبڈی اور کھیل تماشے کرانا اور غیر شرع قسم کے سازوسرود کی محفلیں گرم کرنا، جوان عورتوں کو بیگانہ اور نامحرم مردوں کے ہمراہ زیارت کے بہانے لے جا کر زنا فواحش کا ارتکاب کرنا شروع کر دیتے ہیں تو اس وقت اولیاء اللہ اپنے مزارات سے تصرف اٹھا لیتے ہیں۔ اور بدفعلی کی مردار جگہوں میں آنا جانا بند کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد وہاں نہ تو باطنی فیض ہوتا ہے اور نہ ہی روحانی تعلیم اور باطنی تلقین کا کوئی سلسلہ جاری رہتا ہے بلکہ روحانی اپنی قبر کو لگوں کی معصیت اور گناہ کی آلائش اور پلیدی سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے زائرین کو الٹا دکھ اور نقصان پہنچانے اور ڈرانے دھمکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اپنی قبر پر رہنے سہنے اور رات گذرانے نہیں دیتے۔ پس ایسے مزارات پر رفتہ رفتہ لوگوں کی آمد ورفت موقوت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آج روئے زمین پر بعض ایسے مزارات موجود ہیں۔ جن پر ایک زمانہ میں لوگوں کی بکثرت آمد و رفت اور باطنی فیوضات اور روحانی برکات کی بڑی گرم بازاری تھی۔ لیکن آج وہ مزارات مجاوروں کے اس قسم کی کرتوتوں کی وجہ سے متروک ہو کر کس مپرسی کی حالت میں پڑے ہیں۔ چنانچہ بیت المقدس سے دو میل کے فاصلے پر آج موسیٰ علیہ السلام کے مزار کی یہودیوں کے ناروا میلوں کے سبب یہی حالت ہے۔ کہ وہاں کوئی

شخص مارے خوف کے رات نہیں بسر کرسکتا۔اوراگر بعض مزارات پر باوجود اس قسم کے ناروا میلوں اور غیر شرع فعلوں کے بھی لوگوں کی آمد و رفت جاری ہے تو وہ خانقاہیں نہیں ہیں بلکہ وہ بت خانے ہیں اور معصیت اور بدعت کے اڈے ہیں۔ ایسی قبروں سے روحانی رخصت ہوجاتے ہیں۔اوران کی جگہ جن شیاطین اور ارواح خبیثہ براجمان ہوجایا کرتی ہیں۔اوراپنی گمراہی کی دکانیں جمالیتی ہیں۔

یا رب زبیل حادثہ طوفاں رسیدہ باد
بت خنہ کہ خانقہ اش نام کردہ اند

ایسی قبروں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللھم لا تجعل قبری وثناء اے اللہ میری قبر کو بت خانہ نہ بنا۔روحانی اگر خود کامل اور زندہ دل عارف نہیں ہے تو اس کی قبر پر روضہ بنانے، غلاف چڑھانے اور میلے لگانے سے اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔اور وہ زبان حال سے پکارتا ہے۔

کیا ہوا گرچہ قبروں پر میلے رہے
ہم تو قبروں میں ویسے اکیلے رہے

سو اس میں شک نہیں کہ موت کے بعد ارواح زندہ رہتی ہیں اس دنیا میں آتی ہیں۔اور اگر چاہیں زندہ لوگوں سے اختلاط پیدا کر کے ملاقات کرلیتی ہیں۔اور زندوں سے استفادہ کرتی اور انہیں فائدہ پہنچاتی ہیں۔چہ جائے کہ اولیاء کاملین، عارفین اور واصلین تو زندگی ہی میں موت اور حیات کے درمیانی پل کو عبور کر چکے ہوتے ہیں۔ایسے کامل لوگ موت کے بعد عالم برزخ سے بہت آسانی سے اس دنیا میں آتے جاتے ہیں۔اور زندوں کو فائدہ پہنچاتے اوران سے استفادہ کرتے ہیں۔ کیونکہ روحانی پرندے جب قفس عنصری سے آزاد ہوجاتے ہیں۔تو ان کی باطنی طاقت،روحانی ادراک اور قوت پرواز بہت تیز ہوجاتی ہے اور عالم امر میں نہایت حیرت انگیز باطنی قوت کے مالک ہوجاتے ہیں اور ہمارے عالم خلق اور مادی دنیا کی

بڑی بھاری مہموں اور مشکل کاموں کو اپنی باطنی ہمت اور توجہ سے بہت آسانی سے حل کر لیتے ہیں۔ ہم نے روحانیوں کے اس قسم کے عجیب وغریب کارناموں کو بہت دفعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا بھالا ہے اور ہوش وحواس اور بیداری کی حالت میں آزمایا ہے۔ عام لوگ قبروں پر جا کر وہاں فاتحہ، درود وغیرہ پڑھ آتے ہیں۔ یا کوئی نذرانہ، خیرات اور صدقہ دے آتے ہیں۔ اگر زائرین کی نیت درست، زبان طاہر اور وجود طیب اور مال از وجہ حلال ہے تو بے شک اس کلام اور طعام کا ثواب روحانی کو پہنچ جاتا ہے۔ اور روحانی اس کے عوض اس کی مراد بر آری اور حاجت روائی کے لئے باطن میں سعی اور کوشش کرتا ہے۔ اور اگر روحانی چاہے عالم نفسانی زائر سے خواب میں جسہ نفس سے ملاقی ہوتا ہے۔ اور خواب میں اس کی مراد کی نسبت اسے بشارت دیتا ہے۔ لیکن عارف کامل زندہ دل فقیر کا کسی بزرگ یا ولی کی قبر پر جانے اور اس سے فیض اور برکت پانے کا طور طریقہ ہی بالکل الگ ہے۔ ایسا کامل اہل دعوت جب کسی ولی، شہید یا غوث قطب کے مزار پر کسی حاجت کے لئے جاتا ہے تو وہ باطنی مراقبہ کے ذریعے عالم برزخ میں غوطہ لگا کر روحانی سے فوراً ملاقی ہو جاتا ہے۔ یا روحانی نور تلاوت قرآن کی بو پا کر بحر عالم برزخ سے نکل کر روحانی کے پاس آ جاتا ہے۔ پس دونوں حالتوں میں اہل دعوت عارف زندہ دل اپنی مراد اور حاجت کی بشارت پاتا ہے۔ بلکہ بعض دفعہ اپنے کام کو عالم امر میں طے اور پورا ہوتا ہوا دیکھ لیتا ہے۔ بعدہ وہ کام عالم شہادت میں ضرور ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور اس میں کبھی خلاف نہیں ہوتا۔

قبرستان اور گورستان کو اگر اہل بصارت باطنی اور عارف زندہ دل آدمی مراقبہ کر کے دیکھتا ہے تو اسے عالم مثال میں ایک آباد بستی اور معمور شہر کی طرح پاتا ہے کہ اس میں ہر سعید مومن روحانی کے لئے حسب مراتب وحیثیت باطنی بلند لطیف ایوان اور عالی شان مکان ہوتے ہیں۔ اور سفلی بد بخت روح کے لئے پست گھرے خطرناک

چاہ سیاہ اور بڑے تاریک اور مہیب زندان ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایک ہی شہر کے اندر لوگوں کے مختلف حیثیت کے موافق جیل، جھونپڑیاں اور ان کے ساتھ عالی شان محل ہوتے ہیں۔ کہ ایک ہی شہر میں بعض لوگ بیک وقت دکھ اٹھا رہے ہوتے ہیں۔ اور بعض عیش و عشرت لطف و نشاط کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے گورستان کو کوئی جگہ قرآن میں قریہ اور بستی سے نسبت اور تشبیہہ دی ہے جیسا کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے حق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا قال انی یحی ھذہ اللہ بعد موتھا

(ترجمہ) یا اس شخص (حضرت عزیرؑ) کی مثال دیکھو کہ جب وہ ایک گاؤں پر گذرے جو چھتوں کے بل گرا ہوا تھا تو آپ نے دل میں خیال کیا کہ اس مردہ بستی کو اللہ تعالیٰ دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا۔ سو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ایک گورستان کو ایسے گاؤں سے تعبیر کیا ہے جس کی چھتیں گر چکی ہوں۔ خواب میں اگر کوئی شخص اپنے مکان یا کسی کے مکان کی چھت گری ہوئی دیکھے۔ تو اس کی تعبیر اغلباً اہل مکان کی موت ہوا کرتی ہے۔ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے جب ایک گورستان کو برزخی حالت میں ایک قریہ اور بستی سے موسوم فرمایا ہے۔ تو ہمیں مزید سمجھانے کے لئے گری ہوئی چھتوں کا حوالہ ساتھ دے دیا ہے تا کہ ظاہر بین کہیں اسے ظاہری بستی اور مادی گاؤں نہ سمجھ لیں۔

واضح ہو کہ عالم تکوین اور عالم امکان میں دو قسم کے جہان اور عالم موجود ہیں۔ ایک عالم شہادت یعنی ظاہری عالم محسوس اور مادی جہان جو حواس خمسہ کے ذریعے معلوم اور محسوس ہوتا ہے۔ دوم عالم امر کا لطیف باطنی اور روحانی جہان جو حواس خمسہ یعنی جسمانی اور مادی حواس کے دائرے سے باہر اور مادی عقل کی پہنچ سے بالاتر ہے۔ اور ہر دو جہان زندگی سے معمور اور آباد ہیں۔ عالم شہادت یعنی مادی جہان

میں مادی کثیف عنصری مخلوق آباد ہے۔ گویہ مادی جہان بہ نسبت غیبی لطیف جہان کے بہت تنگ اور محدود ہے لیکن اس مادی جہان کی وسعت اور پہنائی کا اندازہ لگانا بھی انسانی عقل اور قیاس سے باہر ہے۔ مثلاً ہمارے اس کرہ ارض یعنی زمین پر کتنی مخلوق آباد ہے۔ ہماری مذہبی روایتوں کے مطابق اٹھارہ ہزار مخلوق کا اندازہ ہی اگر فرض کرلیا جائے کہ مخلوق کی چھ ہزار قسمیں اور نوعیں مٹی پر اور چھ ہزار کی تعداد پانی میں اور چھ ہزار ہوا میں آباد ہیں۔ تو یہ کس قدر بے شمار نوعیں اور قسمیں بنتی ہیں۔ ان میں سے مٹی پر رہنے والی مخلوق کی قسموں میں سے انسان ایک قسم اور یونٹ ہے۔ پھر انسانوں کی کس قدر قومیں، نسلیں اور فرقے ہیں۔ جن کے رنگ روپ، شکلیں، طور طریقے، طرز معاشرت، لباس، زبانیں، مذہب، عادات اور خیالات ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہیں۔ ہم اپنے ہم جنس انسانوں کے صرف ایک صورتی اختلاف پر ہی اگر غور کریں تو انسانی عقل اللہ تعالیٰ کے کمال صفت مصوری کو دیکھ کر حیرت سے دنگ رہ جاتی ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک جس قدر انسان مرد، عورت، بوڑھے اور جوان ہوئے ہیں یا ہوتے رہیں گے۔ ان میں ہر انسان کی صورت، شکل وشباہت، خط وحال، سیرت، خواور رنگ وبو دوسرے انسان سے الگ اور مختلف ہے۔ اور تمام دنیا میں دو انسان ایک طرح کے اور یکساں نہیں ملیں گے۔ اور یہ اختلاف صرف انسان کی صورت میں نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کی آواز، طرز طور، خیالات اور قلبی ادراکات میں بھی موجود ہوگا۔ اور یہ اختلاف صرف انسانوں میں نہیں بلکہ اس کرہ ارض کی تمام دیگر مخلوقات کیا خاکی، آبی اور ہوائی میں بھی موجود ہے۔ بلکہ ایک ہی درخت کے پتوں اور ایک ہی خرمن کے دانوں تک میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور یہ اس ذات خالق کی صف لیس کمثلہ شئی کی ایک ہی صفت لامنتہائی کا ایک ادنیٰ جلوہ اور کرشمہ ہے۔ جو اس کی ہر کہ ومہ مخلوق میں ظہور فرما ہے۔ گر بالفرض اللہ تعالیٰ اسی ایک ہی صفت کو بروئے کار لا کر اجراء

دے تو یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہ آئے۔ اور بحر و بر میں اس صفت کی سمائی نہ ہو۔ قولہ تعالٰی

قل لو کان البحر مدادا الکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولو جئنا بمثلہ مددا

اور تخلیق وتصویر کا یہ سلسلہ صرف ہمارے کرہ ارض تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے اوپر عالم بالا میں جس قدر سیاروں اور ستاروں کا ایک لامحدود سلسلہ موجود نظر آرہا ہے۔ وہ بھی آبادی سے خالی نہیں ہے۔ جب وہ حجم، قامت اور جسامت میں ہمارے اس کرہ ارض سے بدرجہا بڑے ہیں۔ تو کیا اللہ تعالٰی نے انہیں اتنی بڑی جسامت اور قامت بے وجہ، عبث اور رائیگاں عطا فرمائی ہے۔ یا وہ اس واسطے معرض وجود میں لائے گئے ہیں کہ ہم زمین والوں کو برقی روشن قمقموں، انڈوں کی طرح چمکتے اور دمکتے نظر آئیں اور ہم انہیں دیکھ دیکھ کر خوش اور حیران ہوا کریں۔ کیا اللہ تعالٰی ان اجرام عظام کے کھلونوں سے بچوں کی طرح ہم زمین والوں کے دل بہلا رہے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ قولہ تعالٰی

وما خلقنا السماء والارض وما بینھما لعبین لو اردنا ان نتخذ لھو لا تخذنہ من لدنا ان کنا فعلین

(ترجمہ) اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے۔ ان سب کو کھیل کے طور پر اگر ہم چاہتے کہ استعمال کرتے اسے بطور کھلونا جو اس سے دل بہلاتے تو ہم اپنے پاس حسب اپنی شان ایسا شغل بنا لیتے۔

بلکہ ان کروں میں سے بعض ہماری زمین کی طرح زندگی سے معمور اور بھرپور ہیں۔ جس طرح ہر کرہ دوسرے کرے سے مختلف ہے۔ پس اس کی مخلوق کی ہیئت ترکیبی اور شکل وصورت وغیرہ بھی مختلف ہونی چاہیے۔ بعض نادان تنگ ظرف لوگ ہمارے اس بیان پر ضرور اعتراض کریں گے۔ اور کہیں گے کہ قرآن اور احادیث

میں ان باتوں کا ذکر نہیں ہے۔ اور سائنس اور علم ہیئت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ سو ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن اور احادیث میں ان باتوں کا ذکر موجود ہے۔ لیکن ہماری کوتاہ عقل ان کے فہم اور سمجھ سے قاصر ہے۔

یہ بات مسلم ہے کہ آگ جب بہت مدت تک ایک جگہ جلتی رہتی ہے۔ تو اس میں بھی ایک قسم کا جانور جسے سمندر کہتے ہیں پیدا ہو جاتا ہے۔ پس جب آگ جیسے عنصر میں زندگی کا امکان ہوسکت ہے۔ اور اسی طرح کا ایک ناری عظیم الشان کرہ اربوں، کھربوں بلکہ بے شمار برسوں تک قائم اور موجود رہے تو اس کا بھی ایک وقت زندگی سے معمور اور آباد ہونا ممکن ہے۔ اور کیا عجب ہے کہ ہمارے اس سورج میں بھی زندگی کا معاملہ جاری ہو تو دوسرے عالم بالا کے کروں پر تو زندگی کے امکان کا یقین بدرجہا آسانی سے پیدا ہوسکتا ہے اور عقل سلیم اسے باور کرنے پر مجبور ہے۔ کیونکہ بعض کروں کے اندر بڑی بڑی دوربینوں سے پہاڑ، دریا، جنگل اور بادل دیکھے گئے ہیں۔ حال ہی میں کیلیفورنیا کی آبزرویٹری میں جو دنیا کی سب سے بڑی دوربین نصب ہے۔ اس کے ذریعے کروڑہا نئے ستارے جو سابق دوربینوں کی پہنچ سے مخفی اور مستور تھے نظر آنے لگ گئے ہیں۔ اس دوربین سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ آسمان پر جو گرد و غبار کی طر ایک سلسلہ نظر آتا ہے جسے فارسی میں کہکشاں کہتے ہیں اور انگریزی مین اسے ملکی وے (Milky Way) کہتے ہیں اور عام جہلاء میں اس کی نسبت طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ سو یہ کہکشاں پدموں، سنکھوں کے بے حد و بے شمار ستاروں کے مسلسل مجموعے ہیں۔ جو دور تک فضا میں ایک دوسرے کے اوپر گرد و غبار اور سفید بادلوں کے طویل سلسلے کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ غرض اس کہکشاں کا ہر ستارہ بجائے خود ایک بڑا بھاری سورج ہے۔ جس کا الگ نظام شمسی ہے یعنی وہ ہمارے اس سورج کی طرح اپنے اردگرد بے شمار ستاروں اور سیاروں کو روشنی پہنچا رہا ہے۔ خدا جانے مادی دنیا کی فضا میں ان

ستاروں، سیاروں، سورجوں اور کیا کیا دیگر اجرام فلکی کے اس لازوال سلسلے کا کہیں خاتمہ بھی ہے یا نہیں۔اس میں شک نہیں کہ ہمارے سر کے اوپر فضا میں چھوٹے چھوٹے انڈوں کی طرح جو ستارے نظر آ رہے ہیں۔وہ اتنے چھوٹے لیمپ یا چراغ نہیں ہیں جتنے کہ ہمیں نظر آ رہے ہیں۔ بلکہ وہ بجائے خود ہماری زمین کی طرح بھاری بھرکم کرے اور زمینیں ہیں۔چونکہ وہ ہم سے کروڑوں، اربوں میل دور واقع ہیں۔اس واسطے چھوٹے نظر آتے ہیں۔اور ان میں سے بعض کروں کے اندر مخلوق آباد ہے۔اور کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ان یشا یذھبکم و یات بخلق جدید و ما ذلک علی اللہ بعزیز

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ زمین والو! اگر اللہ چاہے تم کو مٹا کر رکھ دے اور نئی دنیا تمہاری طرح بنا دے۔اور یہ بات اس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔دوسری جگہ ارشاد ہے

اللہ الذی خلق سبع سموت و من الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلمو ان اللہ علی کل شئی قدیر و ان اللہ قد احاط بکل شئی علما

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے سات آسمان بنائے۔اور ان جیسی اور زمینیں بھی بنائیں تا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔اور وہ از روئے علم ہر چیز پر محیط اور چھایا ہوا ہے۔چنانچہ اس قسم کی متعدد آیتیں قرآن مجید کے اندر موجود ہیں۔جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کی طرح اور زمینیں بناتا ہے۔اور ان کے بنانے میں اسے کچھ تکلیف، تھکاوٹ اور دیر بھی نہیں لگی۔جیسا کہ آیا ہے ما مسنا من لغوب اور دوسری جگہ ہے کہ لم یعی بخلقھن اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ ایسا کر سکتا ہے کرتا ہے اور ہمیشہ کرتا رہے گا۔اور اس کی لامحدود صفت خلاقی میں زوال، رکاوٹ اور بندش نہیں آ سکتی۔

علم ہیئت کے ماہرین نے اپنی ابزرویٹریوں یعنی رصد گاہوں میں بڑی بڑی دوربینوں سے آسمانی فضا میں بعض دفعہ اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ ایک ستارہ یعنی کرہ جس کو بیک وقت وہ اپنی دوربین سے فضا میں دیکھ رہے ہیں۔ان کے دیکھتے دیکھتے آنکھوں کے سامنے اسی جگہ یک دم گم اور غائب ہو گیا ہے۔اور گا ہے ایک نیا کرہ عالم وجود میں آ گیا ہے۔سو اللہ تعالیٰ نے اپنی جس صفت کا ذکر قرآن کریم میں فرما دیا ہے آج کل کے سائنس دان اور ہیئت دان تو اپنے آلات سے اسے ثابت کر کے اس کی تصدیق کر رہے ہیں۔لیکن ہم ہیں کہ چمگادڑ کی طرح اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے جہالت کی پرانی دقیانوسی تاریکی میں گھسے جا رہے ہیں۔اور لکیر کے فقیر کی طرح اپنی اندھی تقلید سے ذرہ بھر ادھر ادھر ہونا کفر سمجھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو صحیح فہم اور سچی سمجھ عطا فرماوے۔

عالم خلق اور عالم شہادت کا لازوال اور غیر محدود سلسلہ زبان حال سے بتا رہا ہے کہ مخلوق میں اس کی لامنتہائی صفت خلقی کا ایک ادنیٰ جلوہ اور کرشمہ ہمیں کارفرما نظر آ رہا ہے۔لیکن عالم غیب اور عالم امر کے لطیف اور اس سے بہت وسیع اور عریض عالم کبیر میں بھی اس کی لازوال صفت خلاقی ظہور فرما ہے۔اگر اللہ تعالیٰ اپنی صفات خالق، باری اور مصور کو اسی طرح کارفرما اور جاری رکھے۔تو ابدالآباد تک اسی طرح نئے جہان اور نئے عالمین معرض وجود میں آتے رہیں۔اور مکان اور زمان کی پہنائیاں اور وسعتیں اور زمین، آسمانوں اور پہاڑوں کی چوڑائیاں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کے تحمل اور برداشت سے تنگ اور عاجز آ کر کپکپا اٹھیں۔اور اس سنگین بھاری امانت کی برداشت سے ڈر کر بیزار اور برسر پیکار ہو کر چلا اٹھیں اور فریاد کرنے لگ جائیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

انا عرضنا الا مانة علی السموت والارض والجبال فابین ان یحملنها و اشفقن منها وحملها الانسان

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت کو آسمان، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ پس سب نے اس کی برداشت سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ مگر انسان نے اس کو اٹھا لے۔

فضا میں بعض ستارے ہیولائی یعنی ہوائی صورت میں بعض آبی صورت میں، بعض آتشی اور بعض خاکی صورت میں موجود ہیں۔ لیکن بعض ستارے ہماری زمین کی طرح مخلوط صورت میں موجود ہیں۔ کہ ان پر چاروں عناصر یعنی پانی، آگ، ہوا اور مٹی موجود ہے۔ ایسے کروں پر آبادی اور سزندگی مخلوق کا امکان بھی بہت یقینی ہے۔ اور آج کل ہیبت دانوں کو بعض ستاروں کے اندر اپنی دوربینوں سے پہاڑ، دریا، بادل اور جنگل نظر آتے ہیں۔ پس جب بعض کروں کے اندر ایسی چیزیں اور خصوصاً پانی جیسا عنصر موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہاں زندگی، آبادی اور مخلوق موجود نہ ہو۔ جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وجعلنا من الماء کل شئی حی یعنی ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ کیا ہے۔ ورنہ اصلاً جہاں کہیں بھی مکان و زمان اور ایتھر و فضا اور مادہ میا مایہ اور میٹر (Mater) ہے۔ وہاں زندگی موجود ہے۔ اور عالم غیب اور عالم شہادت کا چپہ چپہ اور انچ انچ زندگی، آبادی اور حیات سے معمور اور بھرپور ہے۔ کیوں کہ کائنات کی ہر چیز حرکت میں ہے اور جہاں حرکت ہے وہاں زندگی ہے۔

قرآنی آیات اور عقلی دلائل سے ہم اپنے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق میں کافی ثبوت پیش کر چکے ہیں اب ناظرین کے اطمینان خاطر کے لئے معراج کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں۔ معراج کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ جس وقت حضرت رسالت مآبؐ معراج کی رات جبرائیل امینؑ کی رفاقت میں آسمانوں کی طرف عروج اور پرواز فرما رہے تھے تو راستے میں منجملہ دیگر آسمانی عجائبات کے آپؐ کی نگاہ ایک طویل اور لازوال اونٹوں کی ایک قطار پر پڑی۔ جس کا سرا اور آخر اور ابتداء و انتہا معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اور جن پر صندوقوں کی طرح کچھ چیزیں لدی ہوئی تھیں۔

آپؐ نے جبرائیلؑ امین سے دریافت کیا کہ اے بھاری جبرائیل اونٹوں کا یہ کیا قافلہ ہے کہ جس کا سر اور آخر نظر نہیں آتا؟ جبرائیل نے جواب دیا کہ یا حضرتؐ جب سے میں پیدا ہوا ہوں۔ اسی روز سے اس لازوال قافلے کو اسی طرح رواں اور دواں دیکھ رہا ہوں۔ آں حضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ ان اونٹوں پر جو صندوق نما چیزیں لدی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ ان میں کیا چیز ہے؟ جبرائیل نے جواب دیا کہ مجھے اس کا بھی علم نہیں ہے۔ لیکن آج آؤ ایک اونٹ کو کھڑا کر لیتے ہیں۔ اور اس کی پیٹھ سے ایک صندوق اتار کر اسے کھول کر دیکھ لیتے ہیں کہ ان میں کیا بھرا پڑا ہے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب ہم نے ان میں سے ایک اونٹ کو الگ کھڑا کر کے اور بٹھا کر اس کی پیٹھ پر سے ایک صندوق اتار کر کھولا تو ہمیں اس صندوق میں بے شمار انڈے نظر آئے۔ ہم نے ان میں سے ایک انڈے کو جب توڑا تو اس انڈے کے اندر ایک الگ جہان بمع زمین و آسمان اور تمام علوی و سفلی اجرم و ساز و سامان نظر آیا۔ چنانچہ ہم دونوں اس انڈے کی نئی دنیا میں بطور سیر و سیاحت داخل ہوئے۔ تو ہمیں وہ ہماری دنیا کی ایک آباد جہان نظر آیا۔ اور ہم نے اس دنیا کی ایک مسجد کے اندر نماز ادا کی۔ سو اس حدیث کے مفہوم پر غور کرنے سے ایک سلیم العقل سمجھ دار انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ حضورؐ نے اس حدیث میں اپنی امت کے اولاالالباب اور سمجھ دار لوگوں کو مرموز اشارے اور مستور استعارے کے ذریعے آسمان اور فضا کے ان بے شمار ستاروں اور سیاروں کی حقیقت بیان فرمادی ہے تا کہ ہر آدمی اپنی سمجھ کے موافق ان اجرام فلکی یعنی ستاروں کی حقیقت سمجھ لے اور سائنس اور علیم ہیت کے متاخرین ماہرین پیغمبروں کی عقل کل اور علم لدنی کے سامنے دم نہ مار سکیں۔ اور اپنے مادی اور سطحی علوم پر غرہ اور فریفتہ ہو کر دین کی باتوں پر تمسخر اور استہزا نہ کر سکیں۔ سو اس حدیث کے اندر داناؤں اور سمجھ داروں کے لئے آسمانی فضاء کے اندر ستاروں اور سیاروں کی حقیقت پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ اور مخبر صادق شارع ہمیں اشارتے

اور کنائے سے تیرہ سو سال پہلے یہ بات سمجھا چکے ہیں کہ آسمانی فضا کے اندر جو ہمیں سفید انڈوں کی طرح یہ گول گول ستارے چمکتے اور دمکتے نظر آتے ہیں۔ان میں سے ہر انڈا ہماری زمین کی طرح ایک الگ کرہ، ایک علیحدہ دنیا اور دوسرا جہان ہے جس کی الگ زمین اور الگ آسمان ہے۔اور اس میں ہماری طرح ایک مخلوق آبادی ہے۔ان ستاروں کی حقیقت کو اس وقت اس طرح مرموز اشارات میں بیان کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اگر آں حضرت ﷺ اس زمانے کے کم فہم اور علم ہیئت سے ناواقف لوگوں کے سامنے ان ستاروں کی حقیقت کھول کر بیان فرما دیتے۔ت و جب تک ان لوگوں کو آبرویٹریاں اور رصدگاہیں بنا کر اور ان میں بڑی بڑی دوربینیں لگا کر ان ستاروں کا کچھ مشاہدہ نہ کرا دیا جاتا۔تب تک ان سادہ لوح لوگوں کو ہرگز یقین نہ آتا۔اور نیز قبل از وقت اس حقیقت کے کشف سے اس زمانے کے کم فہم لوگوں کے لئے اس علم کے متعلق اعتراضات، سوالات اور اشکالات کا ایک غیر مختتم اور لازوال سلسلہ کھل جاتا۔اور لوگ اسی دھن میں لگ جاتے۔اور یہ بات دینی مشن اور مذہبی مقصد کی اصل غرض میں ایک بڑی بھاری الجھن اور رکاوٹ کا باعث بن جاتا۔اس لئے آں حضرت ﷺ نے اس حقیقت کو ایک پر امن مستور اشارے اور مکنون کنائے کے پردے میں بیان فرما دیا ہے۔تاکہ ہر آنے والا زمانہ اپنے اپنے فہم و فراست کے مطابق اس سے تعلیم حاصل کر سکے جیسا کہ آیا ہے کلمو الناس علی قدر عقولھم یعنی لوگوں کے سامنے ان کی عقل اور فہم کے مطابق کلام کیا کرو۔اور آں حضرت ﷺ فرما چکے ہیں او تیت جوامع الکلم یعنی مجھے جامع کلام عطا فرمایا گیا ہے جس سے ہر ادنیٰ، اعلیٰ اور عام و خاص اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تعلیم حاصل کرتا ہے۔غرض جو کلام اور سخن برمحل، باموقع اور مصلحت وقت کے مطابق نیز حکمت عملی اور موعظہ حسنہ سے آراستہ اور پیراستہ ہو تو بہت موثر اور کارگر ہوا کرتا ہے۔

قول بزرگان خیر الکلام ما قل ودل بہترین کلام وہ ہے جومختصر ہومگر دلالت کثیر پر کرے۔آں حضرتؐ نے اپنی امت کواس قسم کے غیر ضروری آفاقی طول طویل مادی علوم میں الجھنے اور پھنسنے سے روکا ہے۔چنانچہ آپؐ کااس بارے میں ارشادگرامی ہے۔کہ جب کبھی تمہارے سامنے آسمان کے ستاروں کی کیفیت یا میرے صحابہؓ کی شخصیت یاان کے ذاتی جھگڑوں وغیرہ کاذکر یااللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مسائل چھیڑیں تو تم خاموشی اختیار کرو۔اوران میں نہ پڑو۔بلکہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت، ذکرفکر، معرفت،قرب، مشاہدے اوروصال کے حصول کی کوشش کرو۔جو جملہ علوم وفنون کااصل ماخذ اورمعدن ہے جس میں باقی جملہ علوم خودبخود آجاتے ہیں۔خیراس فقیر کااس موقع پران ستاروں کی حقیقت بیان کرنے سے غرض محض یہ ہے کہ اس نادان اورغافل انسان کواللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ذات پاک کی عظمت اور اس کی لازوال شان وشوکت کی کچھ تھوڑی سی جھلک نظر آجائے کہ وہ قدیم، غیر مخلوق،منزہ اورمقدس پاک ذات کس قدرغیرمحدود،لازوال،عظیم الشان قدرتوں اورصفتوں کی مالک ہےاوروہ ذات کبریا انسانی عقل اور مادی سمجھ سے کس قدربالا اورورا ءالورا ءثم وراءالوراء ہے۔قولہ تعالیٰ

یایہا الناس ضرب مثل فاستمعو الہ ان الذین تدعون من دون اللہ لـن یـخلقو اذ بابا ولو اجتمعو لہ وان یسلبھم الںباب شیئا لا یستنقذ وہ منـہ ضـعف الـطـالـب و المطلوب ما قد رو اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز

(ترجمہ)اے لوگو! ایک مثال اورنقل بیان کی جاتی ہے پس تم اس کوغور سے سنو۔ وہ لوگ جواللہ تعالیٰ کے ماسوا دوسرے معبودوں کوپکارتے ہیں۔اگروہ سب جمع ہوکر میری ناچیزمخلوق میں سے ایک مکھی بنانے کی کوشش کریں تو ہرگزنہیں بناسکیں گے۔ اوراگرمکھی ان سے کوئی چیز اٹھا کرلے جائے تواس سے واپس نہیں چھین سکیں گے۔

طالب اور مطلوب دونوں کمزور ہیں۔ افسوس ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر جیسا کہ چاہیے تھی نہیں جانی۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب سے بڑا زبردست اور غالب ہے اور نیز اس فقیر کو اس بیان سے یہ غرض بھی مطلوب ہے کہ انسان اپنی ہیچ، عاجز اور ناچیز ہستی کو جان لے کہ وہ ناپاک پانی کا قطرہ ہے۔ جس میں پندار اور غرور نفس کی ہوا داخل ہوگئی ہے۔ اور بلبلے کی طرح کبر اور انانیت کی ہوا سے پھولا ہوا سطح دنیا پر چند روز کے لئے ادھر ادھر نادانی سے ناز اور نخرے کرتا ہوا یہ سمجھ رہا ہے کہ ہمچو من دیگرے نیست اور ساتھ ہی ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ مادی کائنات جس کو عالم شہادت کہتے ہیں عالم غیب کے باطنی لطیف کائنات کے مقابلے میں اتنا تنگ اور تاریک ہے جتنا کہ جنین یعنی چھوٹے نازائیدہ بچے کے لئے ماں کا رحم اور پیٹ اس مادی دنیا کے مقابلے میں ہے۔ سو انسان کو چاہیے کہ کنوئیں کے اندھے مینڈک کی طرح اس مادی ماحول کو سب کچھ نہ سمجھ لے۔ بلکہ یہ حقیقت اس پر آشکارا ہو جائے کہ ہماری اس وسیع اور فراخ زمین کی طرح اللہ تعالیٰ کی کائنات میں اور بھی بے شمار زمینیں اور کرے موجود ہیں جن کے مقابلے میں ہماری یہ زمین باوجود اپنی وسعت اور پہنائی کے ایک ذرے کے برابر ہے اور پھر اس اپنی زمین کی اس قدر گوناگوں اور گرح گرح کی بے شمار آبادی اور مخلوق میں سے اپنی ناچیز ذرہ برابر ہستی کا اندازہ لگا لے اور زمین پر اکڑ کر اور پھول کر چلنا چھوڑ دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ولا تمش فی الارض مرحا ناک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا

اے انسان ضعیف البنیان! تو زمین پر اکڑ کر نہ چل کیوں کہ تو اپنی چال سے نہ تو زمین کو چیر کر پھاڑ رہا ہے اور نہ پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ رہا ہے۔ سو انسان کو اگر کچھ اصلی حقیقی اور پائیدار قوت اور طاقت حاصل کرنی ہے تو اس عظیم الشان قدرت اور

عشمت والی مقدس غیر مخلوق ذات کے ساتھ اس کے پاک نام کے ذریعے تعلق پیدا
کرے۔ اور اس میں فنا اور بقا حاصل کر کے اس کے ساتھ ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید
ہو رہے۔ اور اس کی پاک منزہ صفات سے متصف اور اس کے اعلیٰ اخلاق سے متخلق
ہو جائے۔ یہ فانی اور خاکی انسان عالم غیب اور عالم لطیف کی عشمت اور وسعت کا
اندازہ تب لگا سکے گا۔ جب وہ اس مادی جہان کے پیٹ سے جنین کی طرح روحانی
لطیف جسم لے کر پیدا ہوگا۔ اور اس وسیع روحانی باطنی اور غیبی جہان میں قدم رکھ کر
آنکھیں کھولے گا اور دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ نے عالم غیب کی لطیف نوری مخلوق کو کیا کیا
روحانی قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ جن کا ذکر ہم پچھلے صفحوں میں مصر کے ہزار ہا سال
کے متوفی اہل قبور کے احوال میں بیان کر آئے ہیں۔ اس مادی جہان میں ہماری اس
ناچیز زمین کے خاکی لوگ اپنے خداداد علم سائنس کے ذریعے اس کثیف مادے سے
کام لے کر کیا کیا حیرت انگیز کام کر رہے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر ہم ششدر اور حیران
رہ جاتے ہیں۔ سو جس قدر انسان عالم کثیف اور عالم لطیف کی طرف جاتا ہے اور
لطیف عناصر سے کام لیتا ہے۔ اسی قدر اس کی طاقت بڑھتی جاتی ہے۔ جس طرح
کہ مٹی اور مٹی کی کثیف چیزوں مثلاً لوہے، لکڑی وغیرہ سے پانی، آگ، بھاپ اور
پٹرول زیادہ لطیف ہیں۔ جس سے بھاپ بنا کر انسان ریل، جہاز، موٹر، ہوائی جہاز
اور دیگر کارخانے چلا کر اپنی جسمانی طاقت سے ہزار گنا بڑھ چڑھ کر کام کر رہا ہے۔

اسی طرح بھاپ سے برق اور بجلی زیادہ لطیف چیز ہے۔ جس سے بھاپ کی نسبت
زیادہ طاقت والے اور بڑھ کے کام کئے جاتے ہیں اور بجلی سے اٹمک انرجی زیادہ
لطیف اور طاقتور ہے۔ اس سے زیادہ طاقت کے کام کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا جوں
جوں انسان کثافت سے لطافت کی طرف جاتا ہے۔ اور لطیف عناصر سے کام لیتا
ہے۔ اسی قدر اس کی طاقت بڑھتی اور زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ سو اگر انسان علم غیب اور
عالم امر کی سب سے زیادہ لطیف اور الطف مخلوق یعنی جن، ملائکہ اور ارواح سے کام

لے تو وہ بھاپ، بجلی اور ایٹمی طاقت سے کہیں ہزار گنا زیادہ طاقت پیدا کر کے نہایت حیرت انگیز اور محیر العقول کام کر سکتا ہے۔ ایک مادی عقل والا نفسانی آدمی روح کی نسبت اس قدر قیاس کر سکتا ہے کہ روح ایک کمزور ہوا کا جھونکا یا غیر مرئی لطیف بادل کا ٹکڑا یا روشنی کا ایک گولا ہو گا۔ پس اس میں اتنی وسعت، قوت اور قدرت کہاں سما سکتی ہے یہ ان کم فہم لوگوں کی روح اور روحانی دنیا کی حقیقت سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ یاد رہے کہ مادی دنیا کی بڑی بھاری، دخانی، برقی، اٹمک انرجی کو اگر اکٹھا کیا جاوے تو ایک ادنی جن میں عفرت کی باطنی طاقت ان سے بدر جہا بڑھ کر ہے۔ اور جن شیاطین سے ملائکہ اور فرشتے زیادہ لطیف ہیں۔ اور ان سے بڑھ کر روحانی طاقت کے مالک ہیں۔ اور ملائکہ، فرشتوں سے روحانی باطنی طور پر طاقتور اور قوی تر ہوتے ہیں۔ بالفرض اگر اللہ تعالی اپنی مخلوق پر سے اپنی ظاہری اور باطنی حفاظت اٹھا لے تو ایک قوی ہیکل جن اور عفریت ستر ہزار کے قریب مادی نفسانی انسانوں کو ایک دم موت کے گھاٹ اتار دے۔ اسی طرح ایک فرشتہ اپنی ملکوتی طاقت سے اس قدر جنات کا ستیا ناس کر دے اور تمام ملائکہ پر ایک کامل روحانی غالب آ جائے۔ سو انسانی جسم کے اندر نفس جنات کے مشابہ اور مماثل غیبی امری لطیفہ ہے۔

اگر وہ اللہ تعالےٰ کے نام اور اس کے کلام کے نور سے زندہ اور تابندہ ہو کر اللہ تعالےٰ کی اطاعت اور اعمال صالح کے باطنی ہتھیاروں سے مسلح ہو جائے۔ تو وہ اسی مخلوق کو نوری امر سے یعنی ہزار ہا اپنے ہم اپنے ہم جنس جنات کو ایک دم میں حاضر کر کے انہیں مسخر اور مطیع اور منقاد کر سکتا ہے۔ اور ان سے ہر قسم کی خدمت لے سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی طرح کے عمل سے جنات کو مطیع اور مسخر کر رکھا تھا۔ اور اسی روحانی طاقت کے ذریعے ملکہ بلقیس، اس کیا مراء، وزراء اور تمام رعیت کو مسلمان کر کے مطیع اور منقاد بنا لیا تھا جس کا ذکر ہم پیچھے بیان کر آئے

ہیں۔

قرآن کریم پیغمبروں کے اس قسم کے حیرت انگیز روحانی کارناموں سے بھرا پڑا ہے۔لیکن افسوس ہے ہمارے بعض نادان کم فہم نفسیاتی مولویوں پر جنہیں روحانی دنیا کی کبھی ہوا بھی نہیں لگی۔ کہ جب وہ قرآن کریم میں اس قسم کی روحانی طاقت اور باطنی قوت کے مظاہروں کا حال پڑھتے ہیں تو انہیں اپنی ناقص مادی وقل پر منطبق کرنے کے لئے ان آیات اور معجزات کوتو ڑمروڑ کر اوران کی عجیب ناروا تاویلیں کرتے ہیں۔اوران کی اصلیت اور حقیقت کومسخ کرکے انہیں مداریوں کے کھیل اور شعبدہ بازوں کے ہتھکنڈے ثابت کرتے ہیں۔

بھلا جولوگ محض مکر اور فریب کی ٹٹی کی آڑلے کر پیغمبری دعوے کر بیٹھے ہوں۔اور جن کے پاس زبردست روحانی طاقتوں اور باطنی قوتوں کے مقابلے میں محض زبانی باتیں اور فرضی جھوٹی پشین گوئیاں ہوں۔اورایک جگہ مداری کے ہتھکنڈوں کا تھیلہ اور یورپ کے سپر چولسٹس میڈیم کے سفلی کرشموں کا ایک ادنی کیبنٹ (Cabinet) پروہ بھی ان کے بناسپتی پیغمبر کے فرضی جھوٹے الہاموں اور پیشن گوئیوں سے زیادہ وقیع اوروزنی ہو۔بھلاوہ اللہ تعالی کے پیغمبروں کے اصلی قدرتی امری معجزات اور خوارق عادات کی ایسی بودی تاویلیں نہ کریں تو اور کیا کریں۔کسی نے خوب کہا ہے۔

جس پاس عصا ہو اسے موسیٰ نہیں کہتے
ہر ہاتھ کو عاقل ید بیضا نہیں کہتے
گو زخرو عیسٰی کے نفس میں ہے بڑا فرق
ہر پھونکنے والے کو مسیحا نہیں کہتے

سوجس وقت عالم شہادت یعنی اس مادی کثیف جہان اوراس کی مخلوق کا اندازہ لگانا مادی عقل اورقیاس سے باہر ہے۔تو عالم غیب کے لطیف جہان اوراس کی مخلوق کو

مادی حیوان کیوں کر معلوم کر سکتے ہیں۔ جس کے محسوس اور معلوم کرنے کے لئے نہ ان کے پاس غیبی لطیف حواس ہیں اور نہ وہاں تک ان کی پہنچ ہے۔ اور نہ اس جہان میں اب تک وہ پیدا ہوئے ہیں۔ بلکہ جنین کی طرح مادر دہر کے باطنی بطن میں پڑے ہوئے ہیں۔

سو جو سالک دنیا میں اللہ کی راہ میں مجاہدے کرتے ہیں تو اللہ تعالےٰ انہیں اپنے راستے دکھا دیتا ہے قولہ تعالیٰ

والذین جاھدو فینا لنھد ینھم سبلنا

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف ففرو الی اللہ اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ ضرور اپنے محبوب حقیقی سے واصل ہو جاتے ہیں بعدہ اللہ تعالیٰ سے اپنی مملکت کے ظاہری اور باطنی خزانے دکھا دیتا ہے۔ اور انہیں اپنی بارگاہ خاص اور بارگاہ اقدس کے ظاہری باطنی ملازم اور کارکن بنالیتا ہے۔ اور جن، ملائکہ اور ارواح کو اس کے تابع اور فرماں بردار بنا دیتا ہے۔ جن سے وہ جس وقت چاہے کام لیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض ولیکون من الموقنین

(ترجمہ) اور اسی طرح دکھاتے رہے ہیں ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمان اور زمین کے ملکوت تاکہ وہ اہل یقین ہو جائے۔ اور حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو معراج کی رات اپنی ساری عظیم الشان سلطنت اور مملکت دکھائی۔ اور اپنے خاص برگزیدہ بندوں کو قیامت تک دکھاتے رہیں گے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

احادیث میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے ہیں۔ لیکن قرآن کریم میں چند پیغمبروں کا ذکر آیا ہے۔ ہمارے اس پچھلے آدم علیہ السلام کو تقریباً سات ہزار سال ہوئے ہیں۔ اور اس قدر بے شمار پیغمبروں کا

سات ہزار سال کے اندر مبعوث ہونا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر ﷺ کے درمیان تقریباً پانچ سو سال کا عرصہ ہوا ہے۔ اور ایک نوح علیہ السلام کی عمر تقریباً نو سو سال بتائی گئی ہے۔ اس حسبا سے اگر سترہ یا اٹھارہ پیغمبر ایک ہی سال میں مبعوث ہوں۔ تب کہیں یہ تعداد پوری ہوگی۔ اور قرآن میں نہ تو حضرت آدم علیہ السلام کی صحیح تاریخ پیدائش مذکور ہے۔ اور نہ کرہ ارض یعنی اس زمین کے معرض وجود میں آنے کی ٹھیک مدت معلوم ہے۔ لہذا ہمیں یا تو اس قدر بے شمار پیغمبرں کی بعثت دیگر کروں پر ماننی پڑے گی یا ہمیں اس حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ کہ جس میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں چندرہ ہزار آدم ہوئے ہیں۔ اور ہمارا جد حضرت آدم علیہ السلام آخری آدم ہے۔ جس سے ہماری نسل چلی ہے۔ جیسا کہ شیخ محی الدین ابن عربی صاحبؒ اپنی کتاب فتوحات مکی میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں مکہ معظمہ کے اندر باطن میں چند روحانیوں سے ملاقی ہوا۔ اثنائے ملاقات میں علاوہ دیگر باتوں کے میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو دنیا سے رحلت فرمائے ہوئے کس قدر عرصہ ہوا ہے تو انہوں نے دس بارہ ہزار سال کا عرصہ بتایا۔ اس پر میں نے ان سے سوال کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تو سات ہزار سال ہو گئے ہیں۔ آپ ان سے پہلے کیوں کر پیدا ہوئے۔ تو نہوں نے جواب دیا کہ آپ کون سے آدم کا ذکر فرمار ہے ہیں۔ اس پر مجھے حدیث یاد آگئی کہ جس میں مذکور ہے کہ چندرہ ہزار آدم دنیا میں ہو گذارے ہیں۔ اس طرح دنیا پر چندرہ ہزار دفعہ قیامت آئی ہے۔ اور بار بار نئی مخلوق پیدا ہوتی رہی ہے۔ اور اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ ہم سے پہلے ایس زمین پر طرح طرح کی مخلوق آباد رہی ہو۔ جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے کہ جن انسانوں سے پہلے دنیا میں پیدا ہوئے اور زمین پر آباد رہے ہیں۔ قولہ تعالیٰ

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حما مسنون والجان خلقنہ

من قبل من نار السموم

(ترجمہ) بے شک پیدا کیا ہم نے آدم علیہ السلام کو بجنے والی سوکھی سڑی مٹی سے اور جان کو اس سے پہلے غیر مرئی آگ سے پیدا کیا۔غرض یہ جان جنات کا بابا آدم معلوم ہوتا ہے۔جس کی پیدائش ہمارے آدم علیہ السلام سے پہلے ہوئی ہے۔اس کی اولاد جن شیاطین ہم سے بہت عرصہ پہلے روئے زمین پر آباد رہی ہے۔اور ابلیس (شیطان) بھی قوم جنات میں سے تھا

کان من الجن ففسق عن امر ربه

یعنی شیطان قوم جنات میں سے تھا پس اللہ تعالیٰ کے مراد سے پھر گیا تھا۔ اور راندہ درگہ ہوگیا فرشتے اور ملائکہ تخلیق آدم سے پہلے ان کی کرتوت، فتنے فساد اور روئے زمین پر خوں ریزیاں دیکھ چکے تھے۔اس واسطے تخلیق آدم کے وقت اعتراض کرنے لگے۔

اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفک الدماء و نحن نسبح بحمدک ونقدس لک

یعنی فرشتے عرض کرنے لگے کہ اے اللہ تو پھر ایسی مخلوق روئے زمین پیدا کرنے لگا ہے۔جو زمین پر فساد برپا کریں گے اور خون ریزی کریں گے۔تیری تسبیح وتقدیس اور تحمید کے لئے ہم کافی ہیں سو تخلیق کائنات اور آفرینش عالم کا مسئلہ بہت مشکل، پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے۔اور اس کی نسبت سائنس دانوں، فلاسفروں اور ہیئت دانوں کے نظریے مختلف ہیں۔لیکن یہ بات قرین قیاس اور تقریباً صحیح ودرست ہے کہ ہماری اس زمین کو معرض وجود میں آئے ہوئے لاکھوں کروڑوں سال ضرور ہو گئے ہیں۔ اور اس پر ہم سے پہلے بھی کئی قسم کی مخلوق آباد ہوتی چلی آئی ہے۔سو اس سے تعجب ہر گز نہیں کرنا چاہیے بلکہ تعجب ان لوگوں کی عقل اور سمجھ پر ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت خلاقی اور مصوری کو اور اس کی لازوال شان کو گھٹاتے اور محدود کرتے ہیں۔ حالانکہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ثقلت فی السموت و الارض یعنی آسمان اور زمین اس کی صفات کے تحمل سے عاجز اور قاصر ہیں۔

کس قدر خوش نصیب اور سعادت مند ہے وہ شخص جسے اس قدر عظیم الشان مقدس ذات اپنی طرف بلائے اور اپنے نام اور کلام کی چاشنی چکھائے۔ اور اپنی معرفت، قرب، مشاہدے، وصال، دیدار اور فنا و بقا کے شرف سے سرفراز فرمائے اے عاجز ناچیز و ہیچ مدان انسان تو کچھ نہیں تھا۔ اس نے تجھے نیست سے ہست کیا۔ تیری ابتداء خاک اور مٹی کا ناپاک قطرہ اور انتہا قبر کا مردار و بدبودار جیچہ اور پھر ناچیز مٹی ہے۔

اور درمیان میں یہ تیری اکڑ، کبر اور غرور۔ اس خام حالت میں تو تیرا انڈہ گندہ اور ضائع ہونے والا ہے۔ ہاں اگر تو اس خام ناسوتی انڈے کو اللہ تعالیٰ کے پاک نام اور مقدس کلام کی حرارت سے زندہ کرے گا۔ تو وہ مرغ لاہوتی اور شہباز لامکان بن کر فضائے اوج قدس میں پرواز کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا عرش اعظم اس کی جولان گاہ بنے گا۔ قولہ تعالےٰ

ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتلیه فجعلنه سمیعا بصیرا انا ھدینه السبیل اما شاکرا و اما کفورا

کیا نہیں آیا انسان پر ایسا زمانہ جب کہ اس کا نہ کوئی نام و نشان اور نہ ذکر مذکور تھا۔ پھر ہم نے اسے ملے جلے نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کی آزمائش کریں۔ لہٰذا ہم نے اسے ایک شنوا اور بینا زندہ انسان کی صورت دی۔ پھر ہم نے اسے اپنی طرف راستہ بتایا۔ تا کہ دیکھیں کہ آیا وہ اس پر چل کر شکر گذاری کرتا ہے یا اس سے منہ موڑ کر کفران نعمت کرتا ہے۔ سو اللہ تعالےٰ کے ذکر سے اس کی طرف جانا اور اس کے نام سے زندہ ہو کر اس کی معرفت، قرب، مشاہدہ، وصال، فنا اور بقا حاصل کر کے اس

سے زندہ ہو جانا اور اس قدر عظیم الشان دولت ابدی پانا بے شک باعث شکر اور جائے شکر ہے۔لیکن اس کے ذکر سے اعراض اندھا پن بلکہ ابدی موت ہے اور کفران نعمت ہے۔حدیث

اذاذ کر تنی شکرتنی و اذا نسیتنی کفرتنی

یعنی جس وقت تو نے اے بندے مجھے یاد کیا تو تو نے میری نعمت ذکر کی قدر جانی اور شکریہ ادا کیا۔لیکن جس وقت تو نے مجھے بھلا دیا اور میری یاد سے غافل ہوا۔تو تو نے میرے نام اور ذکر کی قدر نہ جان کر کفران نعمت کیا۔اور اندھا اور محروم رہا۔قولہ تعالیٰ

من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا و نحشرہ یوم القیمۃ اعمی

جس نے میرے ذکر سے اعراض اور کنارہ اختیار کیا۔اس نے گویا اپنے اوپر باطنی روزی بند کر ڈالی۔اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا کھڑا کریں گے۔انسان کا ناسوتی وجود ایک خام تخم اور ادنیٰ دانہ ہے۔اگر اس کی پرورش اور تربیت نہ ہوئی۔اور اس نے اپنی خام ہستی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مٹی کر کے نیست و نابود نہ کیا۔تو وہ ہر گز زندہ اور سر سبز نہ ہو گا۔وہ پہلے اپنے خام تخم کو مٹی میں ملائے گا۔اور کسی مالی اور باغبان کے ہاتھوں اسے ذکر اسم اللہ ذات کا پانی پلائے گا۔تب وہ ضرور

کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء

وہ شاندار شجر طوبیٰ بنے گا کہ جس کی جڑ گو زمین میں ہو گی۔اس کی شاخیں آسمانوں میں پھیل جائیں گی۔

اے ہیچ انسان! اگر چہ ابتداء میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔لیکن اس کے پاک نام اور مقدس کلام کے نور اور برکت سے تو سب کچھ ہو جائے گا۔

ابیات

یا رب از عرفان مرا پیمانہ سرشار دہ
چشم بینا جان آگاہ و دل بیدار دہ
ہر سر موئے حواس من براہے می رود
ایں پریشاں سیر را در بزم وحدت بار دہ
مدتے گفتارو کرد ارے کہ کردی مرحمت
روزگارے ہم بن کردار بے گفتارو
شیوہ ارباب ہمت نیست جود نا تمام
رخصت دیدار دادی قوت دیدار دہ

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر پھل اپنے درخت کا ماڈل اور نمونہ ہوتا ہے۔ اور ہر پھل کی ڈلیوں کے اندر ایک بہت باریک اور چھوٹا بز را یک بیج در بیج اپنے درخت کے مشابہ ماڈل اور عکس ہوتا ہے۔ جو تربیت سے بڑھ کر درخت بن جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی عنصری جسم بھی تمام کائنات کا خاصہ خلاصہ نمونہ اور ماڈل اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ اگر وہ زندہ ہو جائے تو اس کے تناور شجر کی شاخیں تمام کائنات میں پھیل جاتی ہیں۔ بلکہ وہ تمام کائنات کی روح اور جان جہان بن جاتا ہے۔ اب ہم جسم انسان کی تھوڑی سی تشریح کئے دیتے ہیں۔ کہ وہ کس طرح تمام کائنات کا ماڈل ہے۔

انسانی جسم بے شمار خلیوں سے مرکب ہے۔ جنہیں انگریزی میں سیلز (Cells) کہتے ہیں۔ اور پھر ہر خلیہ بجائے خود ایک انسانی ماڈل اور نمونہ ہے۔ اور ہر خلیہ اگر زندہ ہو جائے۔ تو ہر خلیے کے اندر پانچوں انسانی حواس نمودار ہو جاتے ہیں۔ اور اس قسم کے تجربے اور مشاہدے اب دنیا میں عام طور پر بہت پائے جاتے ہیں۔ کہ بعض لوگوں کی آنکھیں بالکل بند کر کے ان پر پٹی باندھ دی جاتی ہے۔ لیکن وہ جسم کے دوسرے حصے مثلاً ماتھے یا کسی دیگر عضو اور جسم کے دوسرے حصے سے دیکھ سکتے ہیں

اور بیرونی اشیاء کو محسوس اور معلوم کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان تمام کائنات کا ایک مکمل ماڈل، نمونہ اور خلیہ ہے۔ اور تمام کائنات کی اشیاء میں اس قسم کی ایک مناسبت، مجانست اور مماثلت موجود ہے۔ اور یہی توحید کی بنیاد ہے۔

جسم انسان پر جب غور کرتے ہیں تو اس میں مختلف مناظر نظر آتے ہیں مثلاً (1) چار ارکان مٹی، ہوا، پانی اور آگ (2) چار طبائع، یبوست، رطوبت، حرارت اور برودت (3) چار اخلاط، بلغم صفرا، خون اور سودا (4) نو طبقات، سر منہ، گردن، سینہ پیٹھ، کمر، ران ساق اور پاؤں (5) 248 مختلف ہڈیاں مختلف ستون (6) 750 پٹھے رسیاں (7) آٹھ خزانے اور ان کی مختلف تھیلیاں: نخاع، پھیپھڑے، دل، جگر، تلی، معدہ، انتڑیاں اور گردے ہیں (8) 360 راستے اور شارع عام عروق ہیں (9) 390 وریدیں نہریں ہیں (10) سات دروازے آنکھیں، کان، ناک، لپستان، منہ اور دو شرم گاہیں۔

جسم انسانی ایک انوکھا اور عجیب شہر ہے۔ جس میں مختلف عمال اور پیشہ ور کام کرتے ہیں مثلاً (1) معدہ: ایک باورچی ہے جو کھانے پکاتا ہے (2) جگر ایک عطار ہے جو غذا کے جوہر اور عرق بنا رہا ہے (3) پتہ ایک حکیم ہے جو تیزاب ملا رہا ہے (4) انتڑیاں، جلد، گردے اور پھیپھڑے، بھنگی اور جاروب کش ہیں۔ جو جسم کے شہر کی گندگی، اور گندے مواد فضلے، پسینے، پیشاب اور ہوا کی صورت میں نکال رہے ہیں۔ اور جسم کی صفائی کرتے ہیں (5) جسم میں ایک شعبدہ باز ہے جو چیزوں کو آن فان میں تبدیل کرتا ہے خوراک کو خون اور خون کو گوشت میں تبدیل کرتا ہے (6) ایک بھٹا پکانے والا ہے جو ہڈیوں کی اینٹیں پکاتا ہے (7) ایک جولاہا کام کر رہا ہے جو اعصاب اور جھلیاں بن رہا ہے (8) ایک درزی کام کر رہا ہے جو جسم کے لباس کے چاکوں کو سی رہا ہے یعنی جسم کے زخموں کو مندمل کر رہا ہے (9) ایک رنگ ساز مصروف ہے جو دانتوں اور ہڈیوں کو سفید، بالوں کو سیاہ، اور خون کو سرخ اور دیگر

اجزائے جسم کو طرح طرح کے گونا گوں رنگ چڑھا رہا ہے (10) ایک مصور اور فوٹو گرافر ہے جو ماں کے پیٹ کے پردے اور اندھیرے میں بچے کی تصویر بنا رہا ہے (11) ایک بڑھئی، لوہار، موچی، سنار اور کیا کیا کاریگر اور پیشہ ور لگے ہوئے ہیں جو عمارت جسم کو جوڑتے اور اس کی سخت ہڈیوں کے مقام پر چمڑے اور گوشت کے گدیلے سیتے اور اس کو خط و حال اور زیورات حسن و جمال سے آراستہ اور پیراستہ کرتے ہیں وقس علی ذالک

جسم انسانی ایک چھوٹی کائنات ہے جس میں (1) زمین گوشت اور پوست انسانی ہے (2) پہاڑ ہڈیاں ہیں (2) معاون، مخ، جگر، دل، تلی، پتہ اور گردے وغیرہ (4) سورج اور چاند، دل اور دماغ (5) ستارے، حواس، قوئی مختلفہ، عقل، قوت متخیلہ، حافظہ وغیرہ (6) سمندر، پیٹ (7) دریا اور نہریں، رگیں، شریانیں، وریدیں وغیرہ (8) بدرر و انتڑیاں (9) جنگل، بال وغیرہ (10) میدان، ماتھا، پیٹھ وغیرہ (11) ہوا، تنفس (12) صبح کی روشنی، خوشی و مسکراہٹ (13) رات کی تاریکی، غم و اندوہ (14) بارش، رونا آنسو (15) موت، نیند، جہالت (16) حیات، بیداری و علم (17) موسم بہار، بچپن (18) گرما، جوانی (19) خزاں و سرما، بڑھاپا (20) رعد و برق، غصہ

انسان میں جملہ حیوانات کیا چرند اور کیا پرند سب جمع ہیں قولہ تعالی

وما من دابة فی الارض ولا طئر یطیر بجنا حیه الا مم، امثالکم

(ترجمہ) اور نہیں ہے کوئی جانور زمین پر اور نہ پرندہ جو دو پروں سے اڑتا ہو مگر تمہاری ماڈلی صورتیں ہیں (1) شیر بہادری ہے (2) خرگوش، بزدلی (3) لومڑی، مکر (4) بھیڑ، سادہ لوحی (5) ہرن تیز خرامی (6) کچھوا سستی (7) اونٹ، اطاعت (8) چیتا، سرکشی (9) شتر مرغ، گمراہی (10) بلبل، گویا پن (11) گدھا، بد آوازی (12) مرغی، نفع رسانی (13) چوہا، ضرر رسانی (14) گھوڑا،

وفا (15) سانپ، مردم آزادی (16) مور زینت (17) کبوتر، ہوا (18) الوخود فراموشی اسی طرح تمام جانور انسان میں موجود ہیں۔

نیک اعمال و اوصاف حمیدہ کی صورت میں انسان کے اندر تمام ملائکہ جمع ہیں اور بدعملیوں اور اخلاق ذمیمہ کے باعث انسان جملہ شیاطین کا مجموعہ ہے۔

غرض انسان تمام کائنات کا ایک مکمل ماڈل اور نمونہ اور پھل ہے۔ اگر اس کی باقاعدہ پرورش اور تربیت ہو جائے۔ اور کامل امام بین بن جائے۔ تو ساری کائنات اور جو کچھ اس میں ہے۔ سب اس میں ہویدا ہو جاتے ہیں وکل شئی احصینہ فی امام مبین (ترجمہ) اور ہر چیز کو ہم نے ایک کامل انسان کے اندر جمع کر دیا ہے۔

زمین و آسمان و عرش و کرسی
ہمہ در تست تو از کے پرسی

بلکہ خالق کائنات کی زمین، آسمان، عرش و کرسی اور کل کائنات میں سمائی نہیں ہو سکتی۔ لیکن مومن کے دل میں سما جاتا ہے۔ ایک انسان مشکل سے اس بات کا یقین اور تصور کر سکتا ہے کہ انسان کے چھوٹے سے جسم میں اس قدر کائنات کیوں کر آ سکتی ہے۔ لیکن جب ہم آم کی گٹھلی کو دیکھتے ہیں تو بڑی مشکل سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس چھوٹی سی گٹھلی میں سے اس قدر اونچا تناور درخت بمع بڑی بڑی ٹہنیوں، شاخوں، پھل اور پتوں وغیرہ کی پیدا اور ہو سکے گا۔ سو انسان بغیر تربیت باطنی بالکل ہیچ اور ناچیز ہے۔ اور تربیت باطنی اور روحانی پرورش سے بہت بڑی چیز بلکہ سب کچھ بن سکتا ہے۔ اس قیاس اور اندازے سے ہمارے سابق بیان کردہ لطائف یعنی لطیفہ نفس، قلب، روح و سر وغیرہ کے درمیان اتنا بڑا فرق اور امتیاز بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ جب ایک پھل مثلاً آم کی گٹھلی زندہ اور سرسبز ہو جاتی ہے تو اس میں ایک شاندار درخت کے علاوہ ہزاروں اس جیسے پھل نکل آتے ہیں۔ اسی طرح انسان

کے ناسوتی پھل میں سے جب قلب کا ملکوتی شجر سرسبز ہو کر سر نکالتا ہے۔ تو اس میں سے ہزاروں معنوی انسان پھلوں کی صورت میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور اگر نفس کی ایک زبان سے پہلے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کا نام اور کلام پڑھتا تھا۔ تو اب قلب کے ملکوتی جسم سے ستر ہزار زبانوں سے اللہ تعالیٰ کا نام لے گا۔ اور اس کا کلام پڑھ رہا ہو گا۔ اسی طرح لطیفہ روح اور لطیفہ سر وغیرہ کو قیاس کر لینا چاہیے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان رات کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے سو جاتا ہے تو اللہ اس ذاکر کے ذکر سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کے ستر ہزار سر ہوتے ہیں۔ اور ہر سر میں ستر ہزار زبانیں ہوتی ہیں۔ اور وہ ان ساری زبانوں سے ذکر کرتا ہے۔ اور اس کا ثواب اس ذاکر کو ملتا ہے۔ سو اس حدیث میں اس قسم کے پرندے کا اشارہ لطائف قلب اور ارواح کے ملکوتی اور لاہوتی پرندوں کی طرف ہے۔ کہ جب کوئی سالک زندہ دل اور زندہ روح اللہ اللہ کرتے اور کلام پڑھتے سو جاتا ہے۔ تو سوتے وقت اس کا زبانی ذکر لطیفہ قلب اور لطیفہ روح کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اور اس کا قلب اور روح ذکر اللہ سے اس طرح گویا ہو جاتے ہیں۔ کہ اس ذاکر کی باطنی صورت ایسے پرندے اور مرغ کی سی ہو جاتی ہے کہ جس کے ستر ہزار سر ہوتے ہیں۔ اور ہر سر میں ستر ہزار زبانیں ہوتی ہیں اور وہ باطنی مرغ بلبل ہزار داستان بن کر ستر ہزار زبانوں سے اللہ اللہ کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اللہ کا کلام پڑھتا ہے۔ بلکہ عارف سالک جس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سلوک کے انتہائی مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ تو تمام کائنات و ما فیہا اور جن، ملائکہ اور ارواح اس کے ذکر اور دعوت میں اس کے ہمراہ شامل ہو جاتے ہیں۔ اور ان سب کا ثواب اس سالک کو ملتا ہے۔ جیسا کہ داؤد علیہ السلام کی بابت قرآن میں مذکور ہے کہ پہاڑ اور پرندے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح میں شریک اور شامل ہو جاتے تھے۔ قولہ تعالیٰ

یجبال اوبی معه والطیر قوله تعالیٰ و سخرنا مع داود الجبال

یسجن والطیر

(ترجمہ)اور ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حضرت داؤد علیہ السلام کے مسخر کیا ہوا تھا کہ وہ اس کے ساتھ ذکر اور تسبیح میں شریک اور شامل رہتے تھے۔سو یہ شمولیت کوئی ڈھکوسلہ یا گپ نہیں ہے کہ جسے گونج وغیرہ سے تعبیر کیا جا سکے یا پرندوں اور رگ پہاڑوں کی زبان حال سے حمد و تسبیح سمجھ لیا جائے جیسا کہ بعض نفسانی ظاہر بین مفسروں نے اس کی تعبیر اور توجیہہ کی ہے۔یہ گونج اور زبان حال سے حمد و تسبیح تو ہر انسان کے لئے عام ہے اس میں صرف داوے د علیہ السلام کی تخصیص اور امتیاز کی کیا ضرورت تھی۔بلکہ عارف کامل کے ساتھ کائنات کی اشیاء کیا جاندار اور کیا بے جان سب کے ذکر میں شمولیت ایک ٹھوس حقیقت ہے۔استعاروں اور اشاروں کا یہاں کوئی دخل نہیں ہے۔غرض ہر عارف کامل انسان کا جس قدر ظرف وسیع ہوتا ہے اسی قدر اس کے ذکر میں طاقت اور وسعت ہوتی ہے۔اور اس کے ذکر میں اسی قدر زیادہ ذاکرین کی شمولیت ہوتی ہے۔سو داؤد علیہ السلام کے وجود کے ظرف میں اس قدر وسعت تھی کہ اس میں اس کی حمد و تسبیح کے ہمراہ پہاڑ اور پرندے شریک ہو جاتے تھے۔لیکن اس باطنی ذکر حمد و تسبیح اور تلاوت وغیرہ کی نوعیت اور کیفیت وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن پر یہ کیفیت وارد ہوتی ہے۔کور چشم ظاہر بین لوگ اس حقیقت سے بالکل ہی بے خبر ہیں

ذوق ایں بادہ نیابی بخدا تا نہ چشی

اللہ تعالی نے ہر زمانہ سابق کے تمام پیغمبروں کو ان کی وسعت اور استعداد کے موافق دو قسم کی آیات اور معجزات عطا فرمائے تھے۔ایک آیات آفاق، دوم آیات انفس قولہ تعالی

سنریهم ایتنا فی الافاق و فی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق

(ترجمہ)اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں لوگوں کو اپنی آیات اور نشانیاں آفاق اور

انفس میں تا کہ ظاہر ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا معاملہ حق ہے۔ آفاقی آیات ظاہری، مادی اور خارجی ہوا کرتی ہیں جسے انگریزی میں (Objective) کہتے ہیں۔ اور آیات انفس باطنی، ذہنی اور داخلی ہوتی ہیں۔ جن کو سب جیکٹو (Subjective) کہتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمام آیات اور معجزات آفاقی اور خارجی قسم کے تھے۔ اس لئے وہ آپ کے پیروؤں میں منتقل نہ ہو سکے۔ اور آپ کے انتقال فرمانے کے بعد آپ کی وفات کے ساتھ ختم ہو گئے۔ برخلاف اس کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات آیات انفس کی قسم کے تھے۔ اور وہ آپ کے بعد آپ کی امت کے خاص خاص حواریوں میں منتقل ہوتے رہے۔ چنانچہ آپ کے جانشین بھی آپ کی روحانی اور باطنی کرشمے دکھا کر دین عیسوی پھیلاتے رہے۔ اور مجنونوں، لولے لنگڑوں، جذامیوں اور مادر زاد اندھوں کو ہاتھ سے چھو کر اچھا اور تندرست کر لیا کرتے تھے۔ لیکن جس وقت آپ کی امت میں ان آیات انفس اور روحانی کمالات کے سچے وارث اور جانشین باقی نہ رہے۔ تو باطنی استعداد اور روحانی قابلیت عیسائیوں میں مفقود ہو گئی۔ اور دین کا معاملہ ظاہری خشک کور باطن پادریوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ تو انہوں نے لوگوں کو تثلیت اور کفارے کی طفل تسلیوں اور بھول بھلیوں کے فرضی سبز باغوں میں ڈال دیا۔ یہی حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد علمائے یہود کا تھا۔ کہ ان میں بھی جھوٹے مشائخ اور بے عمل علماء طرح طرح کے حیلے حوالوں سے لوگوں کو لوٹتے رہے۔

ہمارے پاس جملہ ظاہری و باطنی علوم وفنون اور تمام اولین و آخرین پیغمبروں کے صوری و معنوی کمالات و خوارق عادات و معجزات اور ہر دو آیات انفس و آفاق کا خزانہ اور معدن قرآن کریم میں موجود ہے۔ اور یہ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کا قیامت تک ایک معجزہ جاریہ ہے۔ اور اس کے ظاہری و باطنی کمالات اور فیوضات و

برکات قیامت تک جاری رہیں گے۔ کیونکہ اس میں سورج کی طرح اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور جلوہ گر ہے۔ جس کو کبھی زوال نہیں آئے گا۔ اور اس میں آفتاب کے سات رنگوں کے مطابق سات مختلف لطائف یعنی لطائف نفس، قلب، روح اور سر وغیرہ کی زندگی اور تابندگی کے لئے سات بطون کا نور ودیعت کیا گیا ہے۔ کہ اس قسم کا شخص عام، خاص الخاص اور اخص وغیرہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق فیض حاصل کرتا ہے اور قیامت تک حاصل کرتا رہے گا۔ خلاف اس کے دیگر پیغمبروں کے معجزات اور آیات صفاتی نور کی حامل تھیں۔ اور وہ دور مدت زمان اور وسعت مکان کے ساتھ رفتہ رفتہ ختم ہو گئیں۔ اور ان کی کتابیں بھی ان کے جھوٹے، بے عمل، ریا کار جانشینوں کے دست برد اور لوٹ کھسوٹ سے بچ نہ سکیں۔ اور ان کی بے جا تحریف اور تصرف کا شکار ہو گئیں۔ دین اور مذہب کا اصلی صورت مسخ ہو گئی۔ چنانچہ وہ ادیان اور ان کی کتابیں قرآن کریم کے نزول کے ساتھ منسوخ ہو گئیں۔ حتیٰ کہ وہ زبانیں بھی جن میں وہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔ صفحۂ ہستی سے محو اور مفقود ہو گئیں۔ آفتاب ذات کے طلوع سے نجوم صفات کا غائب ہونا لازمی اور ضروری تھا۔ جیسا کہ بوصیری شاعر فرماتے ہیں۔

الله اكبر ان دين محمد

وكتابه اقوىٰ و اقوم قيلا

لا تذكرو اكتب السوالف عنده

طلع الصباح فاطفئو اقنديلا

ترجمہ: اللہ اکبر! محمد مصطفیٰ ﷺ کا دین اور آپ کی کتاب سب ادیان اور کتابوں سے زیادہ غالب اور زبردست ذاتی نور کی حامل ہے۔ اس کی موجودگی میں دیگر دینوں اور مذہبوں اور ان کی کتابوں کا نام ہی نہ لو۔ کیونکہ قرآن اور اسلام کے ذاتی نور کا آفتاب افق دنیا پر طالع ہو گیا ہے۔ اب شمعیں بجھا دینی چاہئیں۔ ان کی

ضرورت باقی مطلق نہیں رہی۔

غرض محمد مصطفےٰ ﷺ کا قرآن، دین اور نبوت بذات خود آفتاب کی طرح ثابت اور نمایاں و تاباں ہے اور کسی غیر کے نور اور دلیل کی محتاج نہیں ہے۔
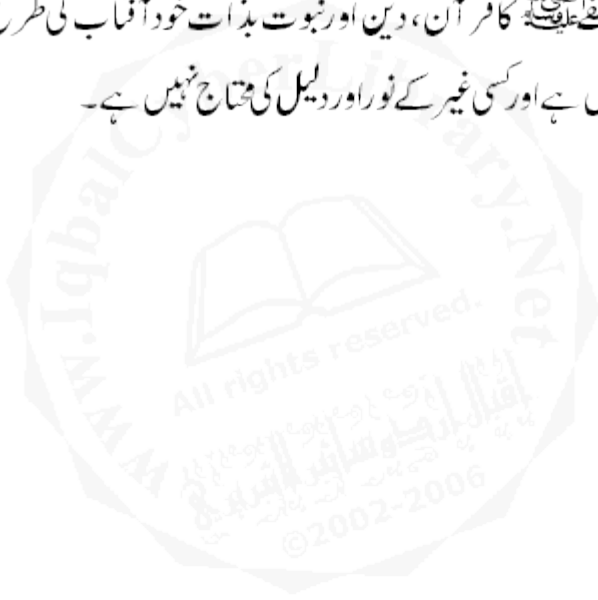
آفتاب آمد دلیل آفتاب

بلکہ دین اسلام اور قرآن کریم کا آفتاب دیگرادیان اور ملل کے چاند اور ستاروں کو بھی روشن اور ثابت کرنے والا ہے۔ چنانچہ پچھلے پیغمبروں کے دین، ان کی کتابیں، ان کے نام اور نشانیاں اور معجزات کسی طرح ثابت ہی نہیں ہو سکتے جب تک حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے دین اور آپؐ کے لائے ہوئے قرآن کو پہلے نہ مان لیا جائے۔ اس علم اور روشنی کے زمانے میں بھی پچھلے زمانے کے نبیوں کے دین، ان کی کتابیں اور معجزات تب ہی ثابت ہو سکتے ہیں کہ قرآن کریم ان کی شہادت دے۔ پس دنیا میں آج صحیح آسمانی کتاب قرآن اور سچا برحق دین اسلام ہے۔ جسے ہر منصف مزاج اور سلیم العقل انسان سمجھ سکتا ہے۔

قرآن اللہ تعالیٰ کی ایک نوری غیر مخلوق اور قدیم کلام ہے۔ جس طرح انسان کے اندر سات مختلف لطائف نفس، قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ اور انا بالقوی لپٹے ہوئے موجود ہیں۔ اسی طرح قرآن کے بھی سات بطون ہیں۔ اور انسان کا ہر لطیفہ قرآن کے ہر بطن سے مراتب استفادہ حاصل کرتا ہے۔ اور اسلام، ایمان، ایقان، عرفان، قرب فنا بقا کے مدارج پر فائز ہوتا ہے۔ اور ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، ہاہوت اور ہویت کے مقامات تک پہنچتا ہے۔ اور اگلا اعلیٰ درجہ، مرتبہ اور مقام اپنے پہلے ادنے درجے اور مقام سے ثواب، برکت، فیض اور سعادت میں ستر ہزار گنا بڑھ کر ہے۔ اور یہ ستر ہزار کی تعداد محض مبالغہ، ڈھکوسلہ اور تخمینہ ہرگز نہیں ہے بلکہ صحیح اندازہ اور ٹھوس حقیقت ہے۔ اور قرآن کے پڑھنے کے مختلف جسم، الگ زبانیں اور علیحدہ طور طریقے ہیں۔ چنانچہ اگر قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانا جائے تو یہ بھی لازم آئے گا۔ کہ قرآن کا ایک پڑھنا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بے کام بے زبان اپنی قدیم قدرت سے پڑھا ہے۔ اور وہ پڑھا جا رہا ہے اور ہمیشہ پڑھا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاذا قرانا فاتبع قرانہ یعنی جب ہم اسے

پڑھیں تو تو اے نبیؐ! اس کی تبع میں قرآن پڑھ۔ دوسری صورت قرات کی وہ ہے جو جبرائیل علیہ السلام نے پڑھ کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے قلب اور دل پر القاء کر کے نازل فرمایا ہے۔ قولہ تعالیٰ

من کان عدو للہ وملئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکل فان اللہ عدو للکفرین

تیسری صورت دعوت قرآن کی وہ ہے۔ جسے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے سات لطائف کے پاک اجسام سے اور سات قسم کی پاک زبانوں سے تلاوت فرمائی ہے۔ اور ہر زبان سے پڑھنے کا ثواب، برکات اور فیوضات الگ الگ ہیں۔ اور یہ فیوضات اور برکات آپؐ کے بعد آپؐ کی امت میں بھی بطور وراثت اور دنیابت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں قولہ تعالیٰ

ولقد اتینک سبعا من المثانی والقرآن العظیم

تحقیق ہم نے دیں آپ کو سات دہری سورتیں اور قرآن عظیم۔

سو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے قرآن پڑھنے کی ایک تلاوت وہ تھی جو آپؐ ظاہری زبان سے وقتاً فوقتاً تیئس سال کے عرصے میں حسب موقع وشان نزول صحابہ کرام کو تھوڑا تھوڑا سناتے رہے ہیں۔ اور کتابی صورت میں لکھواتے رہے ہیں۔ دوسری دعوت قرآن کی وہ صورت ہے جسے آپؐ زبان نفس سے پڑھتے رہے ہیں۔ اور اس کے پڑھنے پر جنات آپؐ کے پاس حاضر ہوئے ہیں۔ اور وہ قرآن سن کر جنات اسلام لائے ہیں۔ اور آپؐ کے مطیع اور منقاد ہوئے ہیں۔ اور ایک خاص الخاص صورت دعوت قرآن کی وہ ہے کہ جو آپؐ نے زبان قلب وزبان روح سے پڑھی ہے۔ اور جس کی دعوت پر ملائکہ اور ارواح کا نزول ہوتا رہا ہے۔ اور قرآنی دعوت کی یہ صورت آپؐ پر ماہ رمضان میں لیلۃ القدر کی رات وارد ہوئی۔ اور قرآن کے پڑھنے کی یہ شان اب بھی موجود ہے۔ لیکن دعوت قرآن کی یہ شان حضرت محمد

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی تام متابعت اور آپؐ کی محبت اور آپؐ کے ہمدم، ہمقدم، ہم جسم، ہم جان و ہم زبان ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ خالی رمضان کے آخری عشرے کی کسی معین اور مخصوص رات کے زمان اور مکان میں منحصر اور مقید نہیں ہے کہ ہر خاص و عام آدمی اس رات خالی جاگنے یا زبانی ذکر کرنے سے اسے پا سکے۔ چنانچہ لیلۃ القدر کے اس ممتاز اور مخصوص برکت اور سعادت کے حصول کے لئے کئی سادہ لوح بیچارے ساری ساری رات جاگتے گذار دیتے ہیں۔ لیکن انہیں اس برکت اور سعادت کی ایک تھوڑی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ اور آخر اسی پر اکتفا کر بیٹھتے ہیں کہ چلو آخرت میں ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ثواب ملے گا۔ اب ہم اس جگہ قرآن کی اس خاص دعوت اور تلاوت اور لیلۃ القدر کی برکت کی صحیح توجیہہ اور فلاسفی بیان کرتے ہیں جو آج تک ایک راز سربستہ کی طرح مخفی چلی آئی ہے۔ اور ہم سے پہلے کسی نے آج تک اسے بیان نہیں کیا۔ دانا سلیم العقل اور حق شناس اسے سن کر خوش وقت اور محظوظ ہوں گے اور اس کی دلی داد دیں گے۔ لیکن حاسد، کورچشم، خشک مزاج اشخاص پھر بھی ناک بھوں چڑھائیں گے۔ اور چون وچرا کریں گے۔ جیسا کہ ہر نئی عجیب بات پر یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ خواہ وہ عین حقیقت اور کمال صحت پر مبنی ہی کیوں نہ ہو۔ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب غار حرا کے اندر پہلی دفعہ جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔ اور آپ کو کہا کہ اقراء یعنی پڑھ۔ تو آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا انا لیس بقاری میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں میں کیا پڑھوں تو اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو تین دفعہ سینے سے لگایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہر دفعہ جبرائیل کے دبانے سے مجھ پر اس قدر سخت ثقیل اور بھاری دباؤ محسوس ہوتا تھا کہ زمین اور آسمان مجھ پر تاریک ہو جاتے تھے۔ آخر جب تیسری دفعہ جبرائیلؑ نے سینے سے لگاتے اور دباتے ہوئے کہا اقراء تو اس وقت جبرائیلؑ کی قرأت کے ساتھ ساتھ میری زبان پر قرآن کی سورۃ اقراء جاری

ہوئی یعنی اقراء باسم ربک الذی خلق پڑھا اے محمدؐ اپنے اس رب کے اسم کی اس برکت سے جس نے مخلوق کو پیدا کیا منی اور منجمد خون سے یہ خاص وقت جبرائیل امین کی تلقین اسم اللہ ذات کا تھا۔ کیوں کہ اسم اللہ ذات شجر قرآن کے لئے بمثل تخم اور پھل کے ہے کہ جس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو سینے سے تین دفعہ لگاتے ہوئے اسم اللہ ذات آپؐ کے سینے میں منتقل کر دیا اور وہ تخم قرآنی شجر بن کر پھوٹنے لگا۔ تو آپؐ کی زبان پر قرآن جاری ہو گیا۔ لیکن قرآن کی عظمت اور ثقالت سے آپ بے تاب ہو گئے۔ اور جس وقت آپؐ اپنے گھر تشریف لائے تو حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ زملونی زملونی یعنی مجھ پر گودڑی ڈال دو۔ کیونکہ ہمیشہ یہ قاعدہ ہے کہ جس وقت نور اور روشنی کی شدت سے انسان کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں تو وہ اس شدت کو روکنے کے لئے کسی حجات اور پردے کی آڑ لیتا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اسی طرح کیا۔ اور اسی گودڑی کے حجاب اور پردے کے سبب آپؐ کو مزمل کے خطاب سے دوسری دفعہ مخاطب فرمایا

یـایها المزمل قم الیل لا قلیلا نصفه او انقص منه قلیلا اوزد علیه ورتل القرآن ترتیلا

یعنی نور قرآن کی شدت اور ثقالت کی گودڑی کے حجات سے ڈھانپنے اور روکنے والے رات کو تھوڑا سا اٹھا کر تقریباً آدھی رات یا اس سے کم یا زیادہ جاگ کر۔ اور سہج سہج قرآن پڑھا کر اور اسی سورت میں آگے آیا ہے کہ فاقرء وما تیسر من القرآن یعنی تھوڑا سا قرآن جس کا پڑھنا تم پر آسان ہو پڑھا کرو۔ یہ تو قرآن کے آسان اور تھوڑا پڑھنے کی تلقین ہے۔ جو انسان اس ناسوتی زبان سے ہر رات تہجد میں حسب توفیق آدھی رات یا اس سے کم یا زیادہ جاگ کر پڑھتا ہے۔ یہ تو عام راتوں کا ذکر ہے لیکن اللہ تعالےٰ نے ایک خاص رات کا ذکر قرآن میں فرمایا ہے جس کا نام لیلۃ القدر ہے کہ جس میں تمام قرآن یکدم نازل ہوا۔ اور وہ عالم ناسوت

کی رات ہے کہ جس میں قلب اور روح کا ملکوتی اور روحانی مزمل نفس اور جسم عنصری کی گودڑی اتار کر زبان قلب اور روح سے قرآن پڑھتا ہے۔تو قرآن کا نور ملکوتی اور روحانی شان سے جلوہ گر ہوتا ہے۔اور وہ نور ملائکہ اور ارواح کی غذا بنتا ہے۔اور ملائکہ اور ارواح اس قرآنی نور سے پر اور مملو قلب پر اس طرح گرتی ہیں جس طرح شہد کے چھتے پر شہد کی مکھیاں گرتی ہیں اور غذا حاصل کرتی ہیں۔یہ وہ شان قرآن ہے کہ جس کے بارے میں آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے قرآن کے نزول کی ایک شان ایسی ہے کہ اس کے نزول کے وقت مجھے ایسی آواز سنائی دیتی ہے جس طرح کہ بے شمار شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز ہوتی ہے۔سو وہ نزول قرآن کریم لیلۃ القدر کی رات کا ہے کہ جس کی دعوت او قرأت پر ملائکہ اور ارواح نازل اور حاضر ہوتی ہیں۔اور اس ایک رات کا رتبہ اور درجہ دوسرے ہزار ماہ سے بڑھ کر ہے قولہ تعالیٰ۔

انا انزلنه فی لیلة القدر وما ادرک ما لیلة القدر لیلة القدر خیر من الف شهر تنزل الملئكة والروح فیها باذن ربهم من كل امر

(ترجمہ) ہم نے تمام قرآن کو اپنے نبیؐ کے دل پر لیلۃ القدر یعنی عزت والی رات کے اندر نازل کیا۔اور اے ظاہر بین کم فہم نفسانی آدمی! تو لیلۃ القدر کی قدر منزلت اور عزت کیا جانے۔لیلۃ القدر تو ہزار مہینوں سے ثواب اور درجے میں بڑھ کر ہے۔کیونکہ اس قرأت اور دعوت قرآن کے وقت آسمان سے ملائکہ اور ارواح اللہ تعالےٰ کے امر سے نازل ہوتی ہیں۔سو قرآن کے عام طور پر ظاہر جسم اور ظاہر زبان سے پڑھنے کا طور طریقہ وہ ہے جس کا ذکر سورہ مزمل میں آیا ہے۔لیکن قرآن کریم کی خاص قرأت اور شان نزول وہ ہے کہ جس کا ذکر سورۃ قدر میں آیا ہے کہ جب عارف سالک نفس اور جسم عنصری کی گودڑی اتار کر زبان قلب اور روح سے قرآن پڑھتا ہے۔اور اس خاص قرات قرآن کا ثواب اور درجہ عام قرت قرآن سے ستر

ہزار گنا ہے۔یعنی اول الذکر عام قرأت میں آدھی رات کا پڑھنا ہے۔اور خاص
رات کا پڑھنا ہزار مہینے سے بڑھ کر ہے۔تو اب ہم اس خاص رات کی عام راتیں بنا
کر دیکھتے ہیں۔ ہر مہینے کی تیس راتیں ہوتی ہیں۔اور ہزار مہینے کی راتیں تیس ہزار
راتیں بن گئیں اور آدھی راتیں ساٹھ ہزار ہوئیں یعنی1000x30x2 =
60000 لیکن عام راتوں میں گا ہے نصف رات سے کچھ کم پڑھنے کا ذکر بھی ہے۔
ساتھ ہی خاص لیلۃ القدر ہزار ماہ سے بڑھ کر ہے تو یہ تعداد ساٹھ ہزار سے بڑھ کر
ستر ہزار ہو جاتی ہے۔اور زبان قلب سے پڑھنے کا درجہ اور ثواب عام ظاہری نفس کی
زبان سے ستر ہزار گنا بن جاتا ہے۔فہم من فہم

رباعی

کوثر چکد از لبم بایں تشنہ لبی
خاور دمد از شبم بایں تیرہ شبی
اے دوست ادب کہ در حریم دل ماست
شاہنشہ انبیاء و رسول عربی

اللہ تعالی کے خاص چیدہ اور برگزیدہ صاحب قدر لوگ جو اللہ تعالی کے پاک نام اور مقدس کلام اور عزیز وقت کی قدر جانتے ہیں ۔ ایسے خوش نصیب عارف خلیل کو اللہ تعالی رب جلیل خلوت کی ایسی خاص قدر کی رات مرحمت فرما دیتا ہے کہ جس میں انہیں اللہ تعالی کے راستے میں تمام جسمانی اور بدنی محنتوں اور ریاضتوں کا پھل مل جاتا ہے ۔ چنانچہ ان کا سینہ اپنے نور سے کھول دیتا ہے ۔ اور ان کا مجاہدہ، مشاہدہ سے اور ریاضت راز سے بدل دیتا ہے یعنی ان کا دل اپنے نور سے زندہ کر دیتا ہے ۔ اور تن بدن اور نفس محنت مشقت کے بیگار سے چھوٹ جاتا ہے ۔ جیسا کہ اللہ تعالی اپنے حبیب محمد مصطفےٰ ﷺ سے فرماتے ہیں

الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک ورفعنا لک ذکرک

(ترجمہ) اے میرے نبیؐ! کیا نہیں کھولا ہم نے آپؐ کا سینہ! اور اٹھالیا ہے آپؐ سے ریاضت اور مجاہدے کا وہ بوجھ جو آپؐ کی پیٹھ اور کمر کو توڑتا تھا ۔ اور آپؐ کا ذکر اور نام ہم نے بلند کر دیا ہے ۔

فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب

پس جب آپؐ دنیوی اور ملکی دھندوں سے فارغ ہولیا کریں تو بس میری طرف متوجہ ہولیا کریں ۔ اور میرے مشاہدے میں مائل اور محو ہولیا کریں ۔ سو ہر عارف سالک کو ضرور اپنی زندگی میں ایسی رحمت کی رات پیش آتی ہے کہ جس میں اللہ تعالی

اس کے پچھلے مجاہدوں اور ریاضتوں کی قدر اور عزت کرتا ہے۔اور محنت اور ریاضت کے اندازے کے موافق اسے اپنے نور سے زندہ اور منور کر کے اسے اپنے انعام اور اکرام سے مالا مال فرما دیتا ہے۔پس وہ خاص رات اس کی لیلۃ القدر ہوتی ہے۔اور اس کی پچھلی ریاضتوں کی عام راتوں سے قدر اور منزلت میں ستر ہزار گنا بڑھ کر ہوتی ہے۔جیسا کہ کسی عارف کا قول ہے۔

اے شیخ چو جوئی شب قدر ار تو بدانی
هر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

عام مردہ دل نفسانی آدمی جسے اللہ تعالےٰ کے نام اور کلام اور عزیز وقت کی قدر و قیمت معلوم نہیں ہے ایسی رات ہرگز نہیں پا سکتے۔ ایسے بے قدر اور مفت خورے لوگ عموماً اپنی کسی نفسانی اور دنیوی حاجت کے لئے ماہ رمضان کی پچھلی دس راتوں کے اندر لیلۃ القدر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔اور ساری رات آنکھیں پھاڑتے اور جمائیاں لیتے گذار دیتے ہیں۔لیکن انہیں نہ تو کچھ نظر آتا ہے اور نہ ان کی حاجت پوری ہوتی ہے۔

یہی حال اسم اعظم کا ہے۔کہ یہی اسم اللہ اسم ذات اور اسم اعظم ہے۔جب کہ وہ طاہر جسم اور پاک اعظم زبان سے ادا ہو۔تو اس سے ہر حاجت پوری ہوتی ہے لیکن نفسانی مردہ دل آدمی جسے اللہ کے نام اور کلام کی عظمت قدر و منزلت معلوم نہیں ہے۔اس کے لئے اسم ذات اور اسم اعظم بے قدر اور بے سود ہے۔

اسم اللہ بس گراں است بے بہا
ایں حقیقت را بدا اند مصطفےٰ

افسوس ہے۔ہم نے اپنی پاک آسمانی کتاب قرآن کریم کی کوئی قدر نہیں کی۔اور نہ اس کی چھپائی پر کوئی کنٹرول اور پابندی رکھی ہے۔غیر مذاہب والے خصوصاً ہمارے دین کے دشمن قرآن کی چھپائی اور خرید و فروخت کے وقت جو بے

ادبی چاہیں اللہ کی اس مقدس پاک کتاب کی ہماری آنکھوں کے سامنے کرتے رہتے ہیں۔لیکن ہم اسے بُرا نہیں مانتے۔قرآن کریم کے اوراق چوراہوں، بازروں گلیوں اور کوچوں کے اندر اپنے پاؤں کے نیچے روندتے اور پامال ہوتے دیکھتے ہیں۔اور ٹٹیوں اور پاخانوں میں پڑے ہوئے پاتے ہیں۔لیکن ہمیں اس بےادبی کے انسداد کا خیال تک نہیں آتا۔اور یونہی آنکھیں پھر کر گذر جاتے ہیں۔دنیا کے ہر کام، ہر محکمے، ہر فن اور ہر شعبے کی حفاظت اور ترقی کے لئے مختلف کمیٹیاں اور یونینیں قائم ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ کی اس پاک مقدس کتاب کی حفاظت، اشاعت اور حمایت کے لئے آج تک کوئی باقاعدہ کمیٹی دیکھنے میں نہیں آئی کہ جو اس کی عزت اور توقیر کو جس طرح کہ اس کا حق ہے۔دشمنان دین کی بےادبیوں اور دست برد سے محفوظ رکھے اور اس کی چھپائی اور خرید و فروخت پر کنٹرول اور پابندی قائم رکھے۔ہم سے تو سکھ لوگ ہزار درجے اچھے ہیں۔جنہوں نے اپنے گورونانک صاحب کی تصنیف گرو گرنتھ کی اس قدر بےحد عزت اور توقیر قائم رکھی ہے۔جب وہ کبھی اپنے گرنتھ صاحب کو بڑی دھوم دھام سے کسی گلی کوچے میں سے اٹھائے ہوئے گذرتے ہیں تو ساتھ ساتھ گھنٹے بجاتے جاتے ہیں۔پرشاد اور خیرات کرتے جاتے ہیں۔اور عام لوگوں، بےادبی کے ناپاک جانوروں اور نجس چیزوں کو راستے سے ہٹاتے اور خوشبوئیں جلاتے جاتے ہیں۔ہم مسلمانوں کو ان گورو کے چیلوں کے سامنے شرم کے مارے ڈوب کر مر جانا چاہیے۔لیکن اس کے برخلاف ہم مسلمان ہیں کہ ہم نے اپنے ہاتھوں قرآن کو ذلیل اور رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے کلام میں ہمارے حق میں فرما چکے ہیں۔

کتب اللہ وراء ظھورھم کانھم لا یعلمون

یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالےٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا کہ وہ اسے جانتے بھی نہیں۔قیامت کے روز اللہ تعالےٰ کے سامنے یہی قرآن ہماری شکایت کر

کے ہژدہ ہزار عالم میں ہمیں ذلیل اور رسوا کرے گا۔ جیسا کہ کسی نے فرمایا ہے۔

نظم

روز محشر از شما قرآں شکایت می کند
من چہ کردم با شما ایں مثل خوارم کردہ اید
پیش ہر لا مذہبے بے اعتبارم کردہ اید
درمیان کوچہ ہا گرد و غبارم کردہ اید
ہیچ کس با مصحف خود ایں اہانت می کند
روز محشر از شما قرآں شکایت می کند
ہیچ توراتے شدہ پیش یہوداں مثل من
ہیچ انجیلے بخاک افتادہ غلطاں مثل من
ہیچ ژندے گشتہ پامال مجوساں مثل من
ہیچ ہندو ایں چنیں ظلم و فضاحت می کند
روز محشر از شما قرآں شکایت می کند
آخر ایں قرآں ہمہ وحی خدائے اکبر است
آخر ایں آیات روشن معجز پیغمبر است
ایں کلام اللہ امانت از رسولؐ اطہر است
ہیچ کا فرہا امانت ایں خیانت می کند
روز محشر از شما قرآں شکایت می کند
من کلام روح بخش کبریائے بودہ ایم
معجز پیغمبر الہام خدائے بودہ ام
من کجا اے قوم اسباب گدائے بودہ ایم
ہر کسے احکام دینی رار عایت می کند
روز محشر از شما قرآں شکایت می کند

مغرب کے اکثر علمائے مستشرقین اور ان کے تبع میں ہمارے مغرب زدہ علمائے مادیین قرآن پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن بے ربط کلام ہے۔ یعنی قرآن میں مضامین ترتیب وار اور تفصیل وار نہیں ہے۔ ایک مضمون ابھی ختم نہیں ہوتا۔ کہ دوسرا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔ جس کا پچھلے مضمون سے کچھ ربط اور تعلق نہیں ہوتا۔ اسی طرح پرانے زمانے کے کفار لوگ قرآن کو اساطیر الاولین یعنی پچھلے لوگوں کے فرضی قصے کہانیاں کہہ کر جھٹلاتے تھے نیز بعض یورپین علماء قرآن پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن میں اکثر دور از عقل اور فوق الفطرت باتیں درج ہیں۔ جنہیں عقل باور نہیں کر سکتی۔ اکثر عقل سے بعید خوارق عادات اور معجزات کا ذکر ہے جن کی کوئی توجیہہ نہیں کی جا سکی۔ بھلا وہ اللہ تعالیٰ کی غیر مخلوق کلام ہی کیا ہے۔ جسے ہر انسان پہلی دفعہ سمجھ لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ قولہ تعالیٰ

ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر

یعنی ہم نے قرآن خالی پڑھنے اور یاد کرنے کے لئے تو آسان کر دیا ہے۔ لیکن کیا کوئی اس کے سمجھنے والا بھی ہے؟ غرض قرآن کریم کے جملہ معارف و اسرار تمام وقائق و نکات کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا و لا یعلم تاویلہ الا اللہ یا جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بے واسطہ کسی کو بذریعہ علم لدنی القاء کرے۔ مادی اور زبانی علم والے اپنی عقل اور فہم کے مطابق سطحی طور پر قرآن کے ظاہری معانی سے بہرہ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جس طرح قرآن کے ایک دوسرے سے بالا سات مختلف بطون ہیں۔ اسی اس کے ہر بطن کے الگ الگ معنی المعنی اور تفسیر التفاسیر ہیں۔ غرض قرآن کریم کے خاص حقیقی معانی کو مادی عقل والے نہیں پہنچ سکتے۔ اس واسطے ایسے لوگوں کو قرآن کے سمجھنے میں دشواریاں، شکوک اور شبہات پیدا ہونے لازمی ہیں اور انہیں قرآن بے ربط، خشک، فرسودہ اور دور از عقل کلام معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مادی دماغ والا نفسانی آدمی قرآن کی تلاوت سے بہت جلدی اکتا

جاتا ہے۔ اوراس کے سمجھنے میں ہر جگہ شکوک اور شبہات کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ نفسانی کور چشم آدمی یا تو قرآن سے بیزار اور بے یقین ہو کر اس کی تلاوت چھوڑ دیتا ہے یا اسے اپنے مادی دماغ سے تطبیق دینے کے لئے اس کی دوراز عقل، ناروا اور کفر انگیز تاویلوں پر اکتفا کرتا ہے۔ ہم اس جگہ قرآن کریم کی چند آیتوں کی تفسیر ناظرین کی دلچسپی کے لئے بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کرتے ہیں۔ جس سے بعض حقیقت شناس اولا الالباب اصحاب کو قرآن کے فوق الفطرت، بہت بلند اور بالا انداز بیان و طرز تحریر اور مخفی، پوشیدہ معنی المعانی اور تفسیر التفاسیر کا کچھ شمہ بھر علم ہو جائے گا۔

ایک دفعہ ایک نامی گرامی ہفتہ وار رسالہ اس فقیر کی نظر سے گذرا۔ جس کے ایڈیٹر ایک بڑے علامہ تھے۔ کسی بزرگ نے ان ایڈیٹر صاحب کو لکھا تھا۔ کہ میں نے قرآن کے متعدد اشکال جمع کئے ہیں۔ اور مختلف تفاسیر میں ان کے حل اور تاویلات تلاش کئے ہیں۔ ان میں اکثر اشکالات کے کسی قدر حل اور تاویلیں حاصل ہو گئی ہیں۔ لیکن ایک اشکال کے حل کے لئے بے شمار تفاسیر چھان ماری ہیں۔ اور بہت علماء اور فضلاء سے بھی اس کا حل دریافت کیا ہے۔ لیکن کہیں سے بھی تسلی اور تشفی نہیں ہوئی۔ اور وہ اشکال ابھی تک اسی طرح لاینحل رہ گیا ہے۔ اس نے اخبار کے ایڈیٹر صاحب کو لکھا تھا۔ کہ آپ مہربانی فرما کر اپنے زور علم اور قوت علم سے اس اشکال پر روشنی ڈال کر اس کو حل فرما دیں تو بڑی نوازش ہو گی۔ چنانچہ علامہ صاحب نے بھی اس اشکال کی تاویل میں ایک طول طویل دور از مطلب تاویل اور مقالہ اپنے اس پرچہ میں سپرد قلم فرمایا۔ جس سے کوئی مطلب نہیں نکلتا تھا۔ کیونکہ وہ اشکال ظاہری کتابی علم کے دائرے سے بالاتر تھا۔ جب اس پرچے کے اندر وہ اشکال اور حل اس فقیر کی نظر سے گذرا۔ واقعی وہ اشکال ایک نہایت پیچیدہ اور ادق معمہ معلوم ہوا۔ چونکہ اس اشکال سے قرآن کی صداقت اور ایک پیغمبر کے علم پر حرف آتا تھا۔ اس واسطے اس اشکال سے اس فقیر کو ایک گونہ ذہنی اور دماغی کوفت اور تکلیف لاحق ہوئی۔

اوراس پر تقریباً آدھ گھنٹہ غور کرتا رہا۔آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور غیبی تائید سے اس اشکال کا حل اس فقیر پر منکشف فرما دیا ہے۔جسے آج اتفاق سے اس کتب کے اندر درج کر رہا ہوں۔

وہ اشکال قرآن کریم میں اس مناظرے کے متعلق ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے درمیان واقع ہوا۔جسے اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں

الم تر الی الذی حاج ابراھم فی ربه ان اته الله الملک اذ قال ابرھم ربی الذی یحی و یمیت قال انا احی و امیت قال ابراھیم فان الله یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر والله لا یھدی القوم الظلمین

(ترجمہ) اے میری نبی! آیا تو نے خیال نہیں کیا اس شخص (نمرود) کی طرف جس نے مناظرہ اور جھگڑا کیا۔ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس کے رب کے متعلق جس پر ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو لوگوں کو پیدا کرتا اور مارتا ہے۔نمرود نے کہا میں بھی لوگوں کو پیدا کرتا اور مارتا ہوں۔اس پر ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب وہ ہے جو مشرق سے سورج نکالتا ہے۔اگر تو رب ہے تو تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا اس پر وہ کافر حیران اور لاجواب ہو گیا۔اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں فرماتا۔یہ نمرود نامی بابل کا بڑا سرکش اور مغرور بادشاہ تھا۔جس نے خدائی دعویٰ کر رکھا تھا۔اور لوگوں کو اس عقیدے اور اپنی پرستش اور عبادت پر مجبور کرتا تھا۔ابراہیم علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے اور لوگوں کو اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور توحید کی تلقین اور تعلیم فرماتے تھے۔جب نمرود مردود کو آپؑ کی اس مخالفانہ دعوت کا پتہ لگا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حاضر ہونے کا فرمان جاری کیا۔جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کے دربار میں حاضر ہوئے۔تو نمرود اور آپؑ کے درمیان اس وقت یہ مکالمہ اور مناظرہ واقع ہوا۔

جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ نمرود نے اپنی طاقت اور بادشاہی کے گھمنڈ میں خدائی کا دعویٰ کیا ہوا تھا۔ جیسا کہ فرعون کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں قال انا ربکم الا علی یعنی فرعون نے لوگوں کو کہا کہ میں تمہارا بڑا خدا ہوں۔ چنانچہ آج بھی اس علم اور روشنی کے زمانے میں بھی بادشاہ پرستی کی رسم چلی آتی ہے۔ جیسا کہ جاپان کے لوگ آج تک اپنے بادشاہ کو اپنا معبود اور خدا تصور کرتے تھے۔ اور ہندو لوگ آج تک اجدھیا کے راجہ جسرتھ کے بیٹے مہاراجہ رام چندر جی کی پرستش کرتے ہیں۔ چہ جائے کہ پرانے جہالت اور تاریکی کے زمانے میں جب کہ اللہ تعالےٰ وحدہ لاشریک کا نام بھی کسی نے نہیں سنا تھا۔ بادشاہ پرستی کا عقیدہ لوگوں میں بہت راسخ تھا۔ اور بادشاہ کے دل میں بھی باوجود اپنی بشری کمزوریوں کے اپنی خدائی کا جنون اور مالیخولیا بسبب لوگوں کی بے جا خوشامد اور کمال تعظیم اور سجدہ سجود پوری طرح جاگزین رہتا تھا۔ اور یہ خیال کرتا تھا کہ میں سچ مچ لوگوں کا رب اور خالق مالک ہوں۔ اور بعض بے وقوفوں کے سر پر یہ بھوت بہر بری طرح سوار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ تھوڑی سی علمی لیاقت اور تحریری سلاست کے گھمنڈ پر پیغمبری اور نبوت کے دعویٰ کر بیٹھتے ہیں۔ چونکہ ہر انسان کے نفس میں خود پسندی کا مادہ فطرتاً کوٹ کوٹ کر بھرا گیا ہے۔ اور تھوڑے سے اقتدار اور اختیار پر فرعون کی طرح کوس انا ربکم الا علی بجانے لگ جاتا ہے۔ جیسے کہ مولانا روم صاحب فرماتے ہیں۔

نفس مارا کمتر از فرعون نیست
لیک اور اعون مارا عون نیست

میں نے خود ایک شخص کو دیکھا جو مطلق جاہل مرکب اور کور باطن تھا۔ وہ اپنے آپ کو امام مہدی اور غوث زماں بتلاتا تھا۔ کیونکہ چند بے وقوف اس کے اس دعوے کو مانتے تھے۔ اور اس کی حد سے زیادہ عزت واحترام کرتے تھے۔ میں نے اس سے

ایک دن پوچھا کہ خدا کے لئے میاں یہ تو بتا کہ آیا تو نے کبھی باطن میں یا بظاہر کوئی جن، فرشتہ، روحانی یا کم از کم کبھی شیطان کو ساری عمر میں دیکھا ہے۔ چونکہ وہ اندھا تھا۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ میں اپنے آپ سے مست اور بے خود ہوں۔ اس لئے اگر چہ مجھے کچھ نظر نہیں آتا۔ لیکن میں سب کچھ ہوں اور مجھے عنقریب سب کچھ نظر آ جائے گا۔ اس قسم کا جنون اور مالیخولیا انسان کا فطرتی مرض ہے اور وہ اندر سے پھوٹ پڑتا ہے۔ اس لئے باطنی طور پر بہت بے نوا اور نکلے آدمی اس قسم کے بےہودہ دعوے کر بیٹھتے ہیں۔ اور دنیا میں چونکہ بیوقوفوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ ان جھوٹے فرضی دعوؤں سے کچھ نہ کچھ بن بیٹھتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسی خود پسندی سے منع فرماتا ہے

قولہ تعالیٰ

فلا تزکو انفسکم ھو اعلم بمن اتقی

(ترجمہ) اپنے آپ کو پاک ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ وہ متقی اور پرہیز گار کو خوب جانتا ہے۔ غرض خود پسندی بڑا بھاری کفر ہے۔ نمرود نے بھی خدائی دعویٰ کیا ہوا تھا۔ اسے سچ مچ یہ وہم ہو گیا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے میرے حکم اور ارادے کے تحت ہو رہا ہے۔ گو میں ان سے بے خبر ہوں۔ لہٰذا نمرود نے اسی گھمنڈ اور غرور کے نشے میں ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ میں تو اپنی تمام مخلوق کا مالک، مربی اور خدا ہوں اور تو میری خدائی کو کیوں نہیں مانتا۔ تو ذرا بتا تو سہی کہ میرے سوا تیرا رب کون ہے۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میرا رب وہ ہے جو لوگوں کو پیدا کرتا اور مارتا ہے۔ اس پر نمرود نے کہا کہ میں ہی تو مارتا اور جلاتا ہوں۔ اس پر تمام اہل تفسیر نے یہ کمزور تاویل پیش کی ہے کہ نمرود نے اپنے لوگوں کو پیدا کرنے اور مارنے کے ثبوت میں یہ حجت پیش کی کہ وہ ایک زندہ آدمی کو مار ڈالتا ہے۔ اور ایک واجب القتل کو چھوڑ کر اسے زندہ ثابت کر دیتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو پیدا کرنے اور مارنے اور نمرود کے حیلہ قتل و احیاء میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور

پھر پیغمبر کا اس کے اس جھوٹے حیلے اور ناقص حجت کو قابل قبول سمجھ کر خاموش ہونا اور ایک دوسری دلیل سورج کی اختیار کرنا ایک اولوالعزم پیغمبر کی صریح شکست اور کمزوری معلوم ہوتی ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس کے پہلے بودے جواب کو قوی اور لاجواب سمجھ کر رہ فرار اختیار کیا۔ اور دوسری دلیل پیش کی کہ میرا رب تو مشرق سے سورج نکالتا ہے۔ اگر تو رب ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھادے۔ اس پر نمرود لاجواب اور ہکا بکا ہو گیا۔ حالاں کہ نمرود کے لاجواب اور خاموش ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ اس کے جواب میں نمرود کم از کم آسانی سے یہ تو کہہ سکتا تھا کہ سورج تو میرے حکم سے مشرق سے نکلتا رہتا ہے۔ اے ابراہیمؑ! اگر تیرا رب اسے مشرق سے نکالتا ہے تو اسے کہہ دے کہ اسے مغرب سے نکال کر دکھادے۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کہا۔ کیونکہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اس پہلی زندہ کرنے اور مارنے والی دلیل پر ہی قائم رہے۔ لیکن یہاں جلانے اور مارنے کی ظاہر سے باطن اور مجاز سے حقیقت کی زبان اور اصطلاح سے مصلحتہً اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ اور مارنے اور جلانے کا معاملہ چونکہ روح اور امر سے متعلق ہے۔ اور عالم اسباب کے بجائے یہ معاملہ عالم قدرت کا ہے۔ اس لئے اسے باطنی رمز اور روحانی رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ اب ہم اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہیں۔

انسان کے وجود میں لطیفہ روح کی غیبی صورت سورج اور آفتاب کی ہے کہ وہ جسم کو زندہ و تابندہ یعنی گرم اور روشن کئے ہوئے ہے۔ موت کے وقت جب انسانی روح کا آفتاب کتم موت دفنا کی تاریکی میں غروب ہو جاتا ہے۔ تو انسانی جسم ٹھنڈا، تاریک اور معطل ہو جاتا ہے۔ اور اس پر ایک گونہ موت اور فنا کی تاریک رات چھا جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موت کے وقت مرنے والے کو عصر کا ایسا آخری وقت معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ سورج عین غروب ہونے کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب مرنے والے

کا آخری وقت ہوتا ہے تو آفتاب اسے غروب ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور وہ اپنی آنکھیں ملتا ہوا کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو تا کہ میں عصر کی نماز ادا کرلوں۔ کیونکہ میری عصر کی نماز قضا ہوئی جاتی ہے۔ اس قسم کی روائتیں اور بھی ہیں۔ اور اسی دلیل سے بعض مفسرین نے عصر کی نماز کو صلوۃ الوسطیٰ کہا ہے اور ہم نے خود بھی بعض نمازی لوگوں کو نزع کے وقت یہ کہتے سنا ہے کہ پانی لاؤ میری عصر کی نماز قضا ہوئی جاتی ہے۔ اور حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی کے موقع پر اصحابؓ کو عصر کے وقت لڑنے میں زیادہ شدت اور جوش اختیار کرنے کی تاکید اس واسطے فرمایا کرتے تھے کہ عصر کا وقت موت کے ساتھ بہت مناسبت اور مشابہت رکھتا ہے۔ اور موت جلدی اور آسانی سے واقع ہوتی ہے۔

اب ہم اپنے اصلی مطلب کی طرف کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کہا تھا کہ میرا رب وہ ہے جو لوگوں کو پیدا کرتا اور مارتا ہے۔ نمرود کے سر پر چونکہ خدائی غرور اور پندار کا بھوت سوار تھا۔ اس نے کہا کہ میں لوگوں کو جلاتا اور مارتا ہوں۔ اور لوگوں کے جینے اور مرنے میں میرا ارادہ کارفرما ہے۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے اس بات کو باطنی پیرائے میں ادا فرما کر کہا کہ میرا رب تو مشرق ازل سے روح کے آفتاب کو ہر ذی روح کے جسم میں طالع کرتا اور مغرب فنا میں غروب فرماتا ہے۔ اگر تو خدا ہے اور روح کا آفتاب اجسام کے اندر تیرے ارادے سے ہی طالع اور غروب ہوتا ہے تو تیری پیاری رعیت کے بے شمار آدمی اور خصوصاً تیرے گھر کے عزیز و اقارب کیوں ہر روز تیری خواہش مرضی اور ارادے کے مخالف دنیا سے گذرتے ہیں۔ اور ان کے جسموں میں روح کا آفتاب کیوں غروب کر جاتا ہے۔ حالانکہ تجھے ان کی موت ہرگز گوارا نہیں۔ اور تو ان پر روتا دھوتا ہے۔ سو اگر تو خدا ہے۔ اور لوگوں کا مرنا اور جینا تیرے اختیار میں ہے۔ یعنی آفتاب روح کا طلوع اور غروب تیرے ہاتھ میں ہے۔ تو بھلا ایک عزیز اور خویش جو تیرے ارادے اور

خواہش کے بالکل برخلاف مر چکا ہے۔ یعنی اس کا آفتاب روح اس کے جسم میں غروب کر چکا ہے۔ تو اس آفتاب کو ذرا واپس مغرب کی طرف سے نکال اور زندہ کر دے۔ لیکن تو ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ اور تو خود بھی اے بد دماغ ایک دن موت کے گھاٹ اترنے والا ہے۔ اور تیرا آفتاب بھی غروب کر جائے گا۔ اور اللہ تعالی حی و قیوم ہی کائنات و مافیہا اور اس آفتاب روح کا حقیقی اور اصلی مالک اور متصرف ہے۔ اور تو محض ایک ناچیز اور لاچار و بے اختیار بندہ ہے۔ اور تمام کام اللہ تعالےٰ کے ارادے سے ہوتے ہیں۔ اور وہی اصلی رب ہے۔ اور تو اے مردود! محض اس کا ایک مجبور، معذور اور مقہور رضا کی فانی بندہ ہے۔ پس اس قوی حجت اور دلیل سے وہ کافر حیران، ششدر اور لاجواب ہو گیا۔ کیونکہ اسے اپنی ناتوانی اور مجبوری ثابت کر کے دکھا دی گئی۔ اور ہر شخص اپنی اس موت کی مقہوری، مجبوری سے ہی اللہ تعالی کو مانتا اور جانتا ہے جیسا کہ کسی کا قول ہے۔

کر دیا موت نے لاچار وگرنہ انساں

ہے وہ ظالم کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا

اور جب انسان دنیا میں اپنے ارادوں اور خواہشوں کو ٹوٹتا اور ناکام ہوتے دیکھتا ہے تو اس سے پتہ اور اندازہ لگاتا ہے کہ دنیا میں کسی اور زبردست ذات یعنی اللہ تعالےٰ کا ارادہ کارفرما ہے۔ اور یہی بات اللہ تعالی کی ہستی کی زبردست دلیل ہے۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے۔ عرفت ربی بفسخ العزائم یعنی میں نے رب کو اپنے ارادوں کے فسخ اور نسخ ہونے سے پہچان لیا ہے۔ کہ میرے ارادے ہمیشہ ٹوٹتے اور ناکام ہوتے ہیں۔ سو ناظرین کو اس تاویل اور تفسیر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے مناظرے میں اسی پہلی دلیل ربی الذی یحیی ویمیت پر قائم رہے۔ صرف عبارت کے اندر اور باطنی رمز کو نہ سمجھنے سے اشکال پیدا ہو گیا۔ ورنہ قرآن کریم ہر قسم کے شبہات اور بے ربطی سے پاک اور مبرا

ہے۔قرآن کریم کے اصلی حقائق و دقائق اور باطنی باریک معارف و اسرار کا سمجھنا ظاہری کتابی اور کسبی علم کا کام نہیں ہے۔ اور نہ مادی جزئی عقل اس کے رموز اور اشارات کو پا سکتی ہے۔

افسوس ہے کہ ہمیں بعض قرآنی حقائق کے ثبوت کے لئے یورپین مسلمات، نظریات اور تجربات کی طرف اس لئے مجبوراً رجوع کرنا پڑتا ہے کہ ہمارا روشن خیال، تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ یورپین مصنفین کے اقوال کو وحی آسمانی سے زیادہ وقیع اور وزنی خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم یہاں ایک چھوٹی قرآنی سورت کے اصلی معنی اور حقیقی تفسیر کو سمجھانے کے لئے آج کل کے یورپین سپر چولسٹس یعنی ماہرین جدید علم روحانیت کے چند واقعات اور تجربات بطور مقدمہ پیش کرتے ہیں۔ جن سے ہماری تفسیر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ سو واضح ہو کہ آج کل کے سپر چولسٹس کے ہاں ایک علم مروج ہے جسے سائکومیٹری (Psychomatry) کہتے ہیں اور یورپ میں بعض ایسے میڈیم یعنی وسیط ہیں کہ جب ان پر کوئی روح مسلط ہو جاتی ہے۔ اور ہماری اصطلاح میں جب انہیں کوئی جن چڑھ جاتا ہے۔ تو ان کے اندر اس روح یا جن کے زیر اثر ایک قسم کی ایسی روحانی یا باطنی روشن ضمیری پیدا ہو جاتی ہے کہ جب وہ اس حالت میں کسی چیز کو ہاتھ میں پکڑتے ہیں۔ تو اس چیز کی گذشتہ تمام تاریخ یا اس کے اندر کی حالت پوشیدہ تمام سنا دیتے ہیں۔ حالاں کہ وہ چیز کسی چمڑے یا کپڑے کے تھیلے یا کاغذ کے لفافے میں بند ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن میڈیم یعنی سپر چولسٹ عامل اسے ہاتھ میں لیتے ہی اس کے اندر کی حالت یا جو واقعات اس چیز سے وابستہ ہوتے ہیں گن گن کر سنا دیتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں پچھلے سال لنڈن کے بڑے گرجے ویسٹ منسٹر ابے (West Minister Abbey) سے ایک تاریخی متبرک پتھر چوری ہو گیا۔ جسے لوگ بخت کا پتھر اور نیز حضرت یعقوب علیہ السلام کا تکیہ گاہ یعنی (Jacobs Pillow) کہتے چلے آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں

کہ یعقوب علیہ السلام اس سے تکیہ لگا کر بیٹھا کرتے تھے اور اس میں یہ برکت ہے کہ جو شخص اس پر بیٹھتا ہے۔ اسے حکومت اور سلطنت ملتی ہے۔ یہ پتھر پہلے سکاٹ لینڈ میں تھا۔ اور جب ایڈورڈ اول انگریزوں کے بادشاہ نے سکاٹ لینڈ کو 1296ء میں فتح کر کے اپنی عملداری میں ملایا۔ تو وہ یہ تاریخی متبرک پتھر بھی بطور مال غنیمت اپنے ساتھ لے آیا۔ اور لنڈن کے ویسٹ منسٹر ابے میں رکھ دیا۔ رسم تاج پوشی کے وقت انگلستان کا ہر نیا بادشاہ اس متبرک پتھر پر کرسی لگا کر بیٹھا کرتا ہے۔ اور تاج پوشی کی رسم اس متبرک پتھر سے ادا کی جاتی ہے۔ تاکہ اس پتھر کی برکت اور یمن سے اس کی بادشاہی اور سلطنت قائم رہے۔ اور اس کا اقبال اور بخت بلند ہو۔ حال ہی میں سکاٹ لینڈ کے چند محبان وطن من چلوں کو خیال آیا کہ اس متبرک پتھر کے کھو جانے اور چلے جانے سے ہماری سلطنت اور حکومت چھن گئی ہے۔ اور ہمارا ملک افلاس اور ناداری کا شکار ہو گیا ہے۔ کیوں نہ ہم اپنا غصب شدہ اور چھینا ہوا متبرک بخت کا پتھر جس سے ملک کا اقبال اور بخت وابستہ ہے واپس لے آویں۔ چنانچہ اس کام کے لئے قوم کے چند سورماؤں نے ایکا کر کے سازش کر لی اور چوری کا پروگرام اور منصوبہ تیار کر لیا۔ اور ایک رات موقع پا کر لنڈن کے اس نامی بڑے گرجے ویسٹ منسٹر ابے کا کواڑ توڑ ڈالا۔ اور اس متبرک پتھر کو نکال کر لے گئے۔ اس تاریخی متبرک پتھر کے چوری ہو جانے سے انگریز قوم میں ایک تہلکہ اور کہرام مچ گیا۔ اور اس کی تلاش اور تعاقب میں بڑی دوڑ دھوپ شروع کر دی گئی۔ پولیس اور سی آئی ڈی والوں نے بڑا زور لگایا۔ اور انگریزی حکومت کی ساری مشینری حرکت میں آئی۔ لیکن اس پتھر کا کوئی پتہ اور کھوج نہ لگا سکی۔ آخر مجبوراً ایک علم سائکومیٹری کے ماہر ڈچ میڈیم کو باہر سے بلایا گیا۔ اور اس کی روحانی خدمات حاصل کی گئیں۔ تاکہ اس پتھر کی تلاش اور تحصیل میں حکومت کی امداد کرے۔ نیز جلدی کے سبب رات کی تاریکی میں ان چوروں سے چند چیزیں رہ گئی تھیں جو بعد میں تفتیش کے وقت پولیس کو اس

گرجے میں پڑی ہوئی ملیں۔ ان میں سے ایک لوہے کا ہتھوڑا تھا۔ جس سے گرجے کا کواڑ توڑا گیا تھا۔ دوم ایک شخص کے رسٹ واچ یعنی کلائی کی گھڑی کا چرمی کیس تھا۔ سوم اس پتھر کا ایک ٹکڑا تھا۔ جو اسے نکالتے اور اٹھاتے وقت کسی جگہ سے ٹوٹ کر اور گر کر رہ گیا تھا۔ اب جس ماہر سائکومیٹری ڈچ میڈیم کو اس پتھر کی تلاش کے لئے بلایا گیا تھا۔ وہ کسی باہر کے علاقے کا اجنبی شخص تھا۔ جس نے پہلے کبھی شہر لنڈن نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس نے اپنے علم سائکومیٹری کے ذریعے ان تینوں چیزوں کو باری باری ہاتھ میں لے کر ان سے پتھر کے متعلق مفصلہ ذیل باتیں صحیح صحیح بتادیں

(1) چور پانچ آدمی ہیں (2) وہ پتھر کو موٹر کار میں رکھ کر لے گئے ہیں (3) اس موٹر کا فلاں نمبر ہے (4) ابھی تک پتھر لنڈن کے شہر میں رکھا ہوا ہے (5) لوہے کا ہتھوڑا لنڈن کے فلاں بازار کے فلاں نمبر کی دکان سے خریدا گیا ہے (6) اور گھڑی بھی فلاں بازار کی فلاں دکان سے خریدی گئی ہے۔

چنانچہ جب بعد میں پولیس نے پتہ لگایا۔ تو واقعی ہتھوڑا اور گھڑی انہی دکانوں سے خریدی گئی تھیں۔ جن کا پتہ اس میڈیم نے دیا تھا۔ اور اس طرح علم سائکومیٹری کے ماہر میڈیم نے اس چوری شدہ متبرک پتھر کا پورا پورا پتہ بتا دیا۔ اس قسم کے واقعات آج کل یورپین سپر چولسٹس کے اندر بہت عام ہیں۔ اور ان کے روحانی علوم کے مختلف شعبے ہیں اور ہر شعبے کے الگ چرچز (Churches) یعنی گرجے ہیں۔ بعض روحانی طور پر امراض کا علاج کرتے ہیں۔ انہیں ہیلنگ چرچز (Healing Churches) کہتے ہیں۔ بعض روشن ضمیری کا عمل کرنے والے میڈیم ہیں۔ جنہیں کلیئر وائنٹ میڈیم (Clair Voyant Medium) کہتے ہیں۔ غرض ہر شعبے کے الگ چرچز ہوتے ہیں۔ ہر چرچ میں اپنے اپنے فن کا ایک مکمل سٹاف ہوتا ہے۔ ایک پریذیڈنٹ، ایک سیکرٹری، ایک مینجر، ایک خزانچی اور ایک یا ایک سے زیادہ میڈیم یعنی وسیط یا روحانی عامل ہوتے

ہیں۔اور جس شخص کو جس قسم کی حاجت اور ضرورت لاحق ہوتی ہے اسی قسم اور شعبے کے چرچ میں جاتا ہے۔اور وہاں اپنی سیٹ اور نشست بک کراتا ہے۔چنانچہ ہر حاجت مند اور ضرورت مند کو اس گرجے میں داخل ہونے کے لئے کچھ فیس ادا کرنی پڑتی ہے۔اور ان سپر چولسٹس نے اس روحانی عمل کو ایک بڑا ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔اور بہت رقمیں جمع کر لیتے ہیں۔بعض بڑے بڑے باکمال میڈیم کے گرجوں میں ایک ایک سال پہلے سیٹیں بک ہو جایا کرتی ہیں۔اور ان نئے امیدواروں کو ان میں نشست اور سیٹ حاصل کرنے کے لئے سال چھ ماہ انتظار کرنا پڑتا ہے۔غرض اس علم کا وہاں بڑا چرچا ہے۔اور گھر گھر اس علم کے حلقے قائم ہیں۔اور یورپ میں یہ ایک روحانی مذہب کی صورت میں بہت وسیع پیانے پر مروج ہے۔اور کروڑوں آدمی اس کے پیرو ہیں۔اور بڑے بڑے سائنس دان، فلاسفر، عالم، فاضل، لارڈ حتی کہ پارلیمنٹ کے ممبران کی سوسائٹیوں اور حلقوں کے ممبر ہیں۔علم سائکومیٹری کے چرچ یعنی روحانی گرجے میں ایک بڑا ہال کمرہ ہوتا ہے۔اور اس میں ایک بڑی گول میز رکھی ہوئی ہوتی ہے۔جس کے حاشیے اور کنارے کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے خانے ہوتے ہیں۔جن پر اپنے اپنے نمبر لگے ہوئے ہوتے ہیں۔جن لوگوں نے اپنی اپنی جن چیزوں کے متعلق کچھ حالات معلوم کرنے ہوتے ہیں۔وہ اپنی اس چیز کو چمڑے یا کپڑے کے تھیلے یا کاغذ کے لفافے میں بند کر کے اور اس پر اپنا نمبر لگا کر اس ہال کمرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔اور اپنی چیز اس گول میز کے کسی خانے میں رکھ کر اس ہال کمرے کے اندر میز کے پاس کرسی پر بیٹھ جاتے ہیں جب تمام لوگ اپنی اپنی چیزیں میز کے خانوں میں رکھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔تو اس کے بعد علم سائکومیٹری کا ماہر میڈیم اس ہال کمرے میں داخل ہوتا ہے۔اس پر کوئی روح مسلط ہوتی ہے۔اور میز کے سامنے کرسی پر بیٹھ جاتا ہے۔اور ایک ایک خانے سے باری باری ایک چیز نکال کر اور اسے ہاتھ میں لے کر حاضرین سے مخاطب ہوتا ہے۔

کہ اس وقت میرے ہاتھ میں فلاں نمبر کے خانے میں رکھی ہوئی چیز ہے۔ جس کا نمبر فلاں ہے۔ اس کے بعد اس کا حال بتانا شروع کر دیتا ہے۔ کہ اس تھیلے کے اندر فلاں چیز ہے۔ اور اس کا لانے والا فلاں شخص ہے۔ اور اس کا مالک فلاں ہے۔ اور یہ چیز رفلاں وقت میں فلاں جگہ سے آئی ہے۔ غرض اس چیز کی تمام پچھلی تاریخ اور گذشتہ ہسٹری اور جس قدر واقعات اس چیز سے وابستہ اور متعلق ہوتے ہیں وہ سب ایک ایک کرکے بیان کرتا جاتا ہے۔ اور اس کا لانے والا اور مالک اس کے اثبات یا نفی میں جواب دیتا جاتا ہے۔

چنانچہ جان ہٹلر صاحب نے اپنی کتاب میں ایک میڈیم مس ایسٹل رابرٹس کے علم سائکومیٹری کے دو چشم دیدہ واقعات کا یوں ذکر کیا ہے۔ کہ اس نے ایک مجمع میں میرے روبرو میز کے ایک خانے سے تھیلے میں بند ایک پتھر اٹھا کر اور معمولی نظر سے دیکھ کر کہا کہ یہ پتھر برٹس میوزیم سے لایا گیا ہے۔ غرض اس پتھر کی تمام پچھلی ہسٹری اور تواریخ بیان کردی اور اس پتھر کے لانے والے نے سب باتوں کے اثبات میں جواب دیا اور اس کی تصدیق کی۔

جان ہٹلر صاحب اسی میڈیم کی نسبت ایک دوسرے واقعے کا ذکر یوں کرتا ہے۔ کہ اس موقع پر جو کچھ میں نے دیکھا اس کے صحیح میں نے شارٹ ہینڈ رائٹنگ میں نے اپنے نوٹ بک میں لکھ لئے تھے۔ اور وہ واقعہ یوں ہے کہ اس نے ایک تھیلہ اٹھا کر کہا کہ میرے ہاتھ میں ایک تھیلہ ہے۔ جس کا نمبر 27 ہے اور یہ تھیلہ ایک عورت کا ہے جسے دنیا سے گذرے ہوئے اتنے برس ہو گئے ہیں۔ وہ سینے کے درد سے فوت ہوئی تھی۔ یہ تھیلہ ایک بڑی الماری سے اٹھا کر لایا گیا ہے۔ اس کے ہمراہ چند خطوط اور بلوربن (Blue Ribbon) یعنی نیلے فیتے کا ٹکڑا بھی ہے۔ مالک نے جواب دیا بالکل ٹھیک ہے پھر میڈیم نے کہا کہ اس تھیلے کے اندر کچھ سکے ہیں۔ مگر کوئی نوٹ نہیں ہے۔ سکے چاندی اور تانبے کے ہیں۔ جن کی قیمت تین شلنگ

اور ساڑھے سات پنس ہے۔ اس میں تین پن ہیں جو بالوں میں لگائے جاتے ہیں۔ نیز اس کے اندر ایک بس کا ٹکٹ بھی ہے (نہیں نہیں ایک منٹ صبر کرو) میں خیال کرتی ہوں کہ وہ ٹریم کا ٹکٹ ہے۔ مالک نے جواب دیا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ اس ٹکٹ کا آخری عدد 81 ہے اس ٹکٹ میں آٹھ فگرز (Figures) میں سے چھ ہندسے دو حروف میں ہیں ایک بڑا اور ایک چھوٹا حرف انلباً Tz معلوم ہوتے ہیں۔ بعدہ کہا کہ اس میں ایک بروچ (Broch) یعنی کلپ ہے۔ مالک نے کہا کہ مسز رابرٹس! آپ نے اس تھیلے کے متعلق جو کچھ کہا وہ سب درست ہے سوائے ایک بات کے کہ اس میں بروچ یعنی کلپ ہے مسز رابرٹس نے جواب دیا کہ ایک منٹ صبر کرو۔ مجھے پھر دیکھنے دو۔ اب کی بار اس نے تھیلے کو اپنے ماتھے سے لگایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ بعدہ آنکھیں کھول کر مالک سے کہا کہ ممکن ہے آپ نے لاتے وقت ان چیزوں کو اچھی طرح نہ دیکھا ہو۔ اس میں ایک پتلا سا کلپ ضرور ہے۔ جو سنہری رنگ کا ہے۔ مگر سونا نہیں ہے۔ مالک نے جواب دیا کہ لانے سے تھوڑی دیر پہلے میں نے سب چیزوں کو اچھی طرح دیکھا تھا۔ اور وہ چیزیں بر زبان یاد ہیں۔ آپ کی باقی سب باتیں بالکل صحیح ہیں سوائے ایک غلطی کے کہ اس میں کوئی بروچ یعنی کلپ نہیں ہے۔ اس پر اس میڈیم مسز رابرٹس نے مالک سے کہا کہ اگر تم برا نہ مانو تو چیئرمین (Chairman) یعنی پریذیڈنٹ تھیلے کو کھول کر حاضرین کے سامنے خالی کر دے۔ مالک نے کہا منظور ہے۔ بے شک اجازت ہے۔ پریذیڈنٹ تھیلے کو کھول کر اس کے اندر کی چیزیں حاضرین کو دکھا دے۔ چنانچہ صدر جلسہ نے تقریباً اسی نوے حاضرین کے روبرو تھیلے کو کھول کر خالی کیا۔ اور حاضرین کو چیزوں کے نام لے لے کر یوں مخاطب ہوئے۔ حاضرین اس تھیلے میں یہ چیزیں نکلی ہیں۔ ایک پنس، ایک نصف پنس، ایک 2 پنس کا سکہ، تین الگ الگ شانگ، ایک ٹریم کا ٹکٹ جس کا نمبر TZ285271 ہے اور تین بالوں والے پن ہیں۔ اور بس اس

کے ماسوا اور کچھ نہیں ہے۔ مسز رابرٹس نے کہا کہ مہربانی کر کے اسے دوبارہ دیکھو۔ ممکن ہے کہ اس تھیلے میں کوئی اندر کی طرف جیب ہو۔ صدر جلسہ نے جب اسے ٹٹول کر دیکھا۔ تو کہا کہ بے شک اس کے اندر کی طرف ایک جیب ہے۔ لیکن وہ بالکل خالی ہے۔ مسز رابرٹس نے کہا کہ مجھے پورا یقین ہے کہ اس میں ایک سنہری بروچ یعنی کلپ ہے۔ صدر جلسہ نے تھیلہ کو الٹا کر اور اس کو خوب جھاڑ کر اور ہلا کر کہا کہ مسز رابرٹس! اس تھیلے میں ممکن ہے پہلے کبھی کوئی کلپ ہو۔ مگر اس میں اس وقت کوئی کلپ نہیں ہے۔ اس پر مسز رابرٹس نے کہا کہ اس میں کلپ ضرور ہے۔ اور میں دوسری کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی۔ جب تک اس تھیلے سے بروچ یعنی کلپ نکلتا ہوا نہ دیکھ لوں۔ صدر جلسہ نے تھیلہ پھاڑ ڈالا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے حاضرین کو دکھاتا رہا۔ آخر جب ایک جگہ چمڑے اور کپڑے کے درمیان کھولی۔ تو اس میں سے ایک پیتل کا باریک بروچ یعنی کلپ نکلا۔ حاضرین جلسہ سے صدائے آفرین بلند ہوئی۔ سپر چولسٹس (Spirituolists) اسے ایکس رے (X-Ray) قسم کی سائکومیٹری کہتے ہیں۔ کس قدر حیرت انگیز کارنامہ ہے۔ کہ تھیلے میں غلطی سے یہ پتلا کلپ سی دیا گیا تھا۔ جس کا علم اور پتہ مالک کو بھی نہیں تھا۔ لیکن میڈیم کی تیز نظری سے نہ چوکا۔ اس قسم کے عجیب روحانی کرشمے یورپین سپر چولسٹس کے درمیان عام ہیں۔ اور صرف ایک شہر لنڈن کے اندر ان روحانی کمالات کے سینکڑوں گرجے موجود ہیں۔ اور ہر گرجے میں ہفتے کے اندر دو دفعہ اس قسم کے روحانی کرشمے دکھائے جاتے ہیں۔

اب ذرا خدارا ناظرین سوچیں کہ ہمارے ملک کے اندر کس قدر بے شمار مذہبی اور روحانی پیشواؤں نے باطنی تعلیم و تلقین کی فرضی دکانیں کھول رکھی ہیں۔ بعض نے صرف ولایت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ نبوت اور پیغمبری کے درجے کو بھی بیک قدم پھاند گئے ہیں ان میں سے کسی نے بھی آج تک اس قسم کا کوئی کمال دکھایا ہے؟

ہمارے ان جھوٹے فرضی ولیوں اور غوثوں کے پاس سوائے اس کہ کہ پدرم سلطان بود یا جھوٹے کشف و کرامات کے قصوں، کہانیوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور بناوٹی بناسپتی پیغمبری خالی جھوٹی پیشنگوئیوں اور نکمے دعوؤں اور بے ہودہ تاویلوں سے اپنی دکان نبوت گرمائے بیٹھے ہیں۔ ممکن ہے بعض لوگ ان واقعات کو جھٹلانے کی کوشش کریں۔ لیکن اس قسم کے جھوٹ ایشیاء اور مشرق میں البتہ فروغ پاتے رہتے ہیں۔ اور انہیں باور کرنے کے لئے ہزاروں بے وقوف تیار ہو جاتے ہیں۔ یورپ کے روشن خیال اور سائنس پرورده لوگ اس قسم کے جھوٹ کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں۔ ساتھ ہی ان خشک مزاج کور چشم حاسد لوگوں کی سمجھ پر بھی افسوس ہے جو کہتے ہیں کہ پیغمبروں کے پاس کوئی باطنی اور غیبی علم نہیں ہوتا۔ اور وہ دیوار کے پار کسی چیز کو نہیں دیکھ سکتے۔ یا ہماری کوئی ندا نہیں سنتے۔ حالانکہ آج نفسانی مادی علم سائنس والے ہزاروں میل دور رہنے والے لوگوں سی فی البدیہہ باتیں کرتے ہیں۔ اگر ہمارے مذہبی پیشوا اور روحانی راہنماؤں سے آج کل کے نفسانی اور مادی علم سائنس والے بھی سبقت لے گئے تو پھر ہمارے اس مذہب اور روحانیت کی کیا حیثیت اور حقیقت ہو سکتی ہے۔ پھر تو ہمارے دین کا خدا حافظ ہے۔

مذکورہ بالا یورپین میڈیم کے یہ چند روحانی کرشمے یہاں اس لئے بیان نہیں کئے گئے کہ ناظرین کو ان کے ان سفلی کمالات کا گرویدہ اور قائل بنایا جائے۔ حالانکہ اس قسم کے سفلی شعبدے اور جنونی کشف اہل اللہ فقراء کے نزدیک بچوں کے کھیل سمجھے جاتے ہیں۔ اور انہیں اسلامی تصوف اور باطنی دنیا میں پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی جاتی اور اس قسم کی باتوں کو بہت ہیچ اور ناچیز سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اس فقیر نے ان واقعات کو ایک قرآنی تفسیر کے لئے بطور پیش لفظ اور تمہید کے پیش کیا ہے تاکہ ناظرین کو میری انوکھی تفسیر اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ لہٰذا مذکورہ سائکومیٹری کے واقعات سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہم انسانوں کے اعمال اور افعال

زمین اور زمین کی چیزوں میں اس طرح داخل، شامل، وابستہ اور پیوستہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ایک فلم کی سٹوری کے حالات اور واقعات ایک فلمی فیتے کے اندر مندرج اور ریزرو (Reserve) ہوتے ہیں۔ جس وقت اسے فلمی مشین کے چکر پر چلا کر فلمی پردے پر معکوس اور منعکس کیا جاتا ہے تو اس قصے کے تمام واقعات اور حالات اور ایکٹروں اور ایکٹرسوں کے جملہ ادا کیے ہوئے کردار اور گفتار ہو بہو اسی پردہ سیمیں پر دوبارا ادا ہوتے دکھائی دیتے ہیں اور منظر عام پر آتے ہیں۔ غرض ہمارے تمام روز مرہ کے اعمال، افعال، کردار اور گفتار کے فلمی ریکارڈ اللہ تعالےٰ کے مکان و زمان کے فیتوں پر منقش اور مرتسم ہوتے رہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے باطنی سٹور ہاؤس میں محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ اور قیامت کے روز انہیں دوبارہ سزا اور جزا کے لئے ہمارے جسموں کے پردہ ہائے سیمیں پر جاری کر کے دکھایا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ونکتب ما قدمو و اثارھم وکل شئی احصینہ فی امام مبین

(ترجمہ) اور ہم لکھتے ہیں جو اعمال لوگ پیش کرتے ہیں اور جو آثار و نقوش وہ چھوڑ جاتے ہیں اور اسی طرح ہر ایک چیز ہمارے ہاں ایک امام مبین میں محفوظ اور جمع ہے۔ قولہ تعالےٰ

وکل انسان الزمنہ طٰرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم الیمۃ کتبا یلقہ منشورا

(ترجمہ) اور اسی طرح ہر انسان کے نیک اور بد اعمال اس کی اپنی گردن میں لٹکائے جاتے ہیں۔ اور قیامت کے روز انہیں پائے گا ایک واضح مرقوم منشور۔ اسی کے مطابق ایک حدیث ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے اور اسے قبر میں دفنا دیا جاتا ہے۔ تو قبر میں اس کے پاس ایک رمان نامی فرشتہ آتا ہے۔ اور وہ فرشتہ اسے قبر میں بیدار کرتا ہے۔ اور اس کے منہ کو دوات اور انگشت شہادت کو قلم اور کفن کو کاغذ بناتا

ہے۔اور اس کے مہد سے لے کر لحد تک کے تمام زندگی کے نیک و بد اور اچھے بُرے حالات کو لکھ کر اور اسے مثل تعویذ بنا کر متوفی کے گلے میں لٹکا دیتا ہے۔اور قیامت کے روز اسے بطور اعمال نامہ پیش کیا جائے گا۔قولہ تعالیٰ

الیوم نختم علی افواھھم وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانو یکسبون

(ترجمہ) قیامت کے روز ہم لوگوں کے منہ پر مہر سکوت ماردیں گے۔تاکہ فضول حجت بازی اور بے ہودہ جھگڑا اور جزع فزع نہ کرنے پائیں۔اور ان کے اپنے ہاتھ پاؤں اپنے کئے ہوئے افعال اور اعمال کی گواہی دیں گے۔یعنی انہیں دوبارہ دہرا کر دکھائیں گے۔جس طرح گراموفون باجے کے ریکارڈ پچھلی گائی غزل اس میں گول گول لکیروں کی صورت میں منقش اور مندرج ہوتی ہے۔اور جب اسے دوبارہ باجے پر چڑھایا جاتا ہے تو وہی غزل اور گانا دوبارہ اسی طرح گایا جاتا ہے۔اسی طرح ہمارے جملہ افعال اور اعمال اور گفتار و کردار اس زمین پر جس پر وہ واقع ہوتے ہیں۔اور ہمارے جسم کو ہر اس عضو پر جس سے وہ سرزد ہوتے ہیں۔اور ہر ذی روح چیز یا ذی روح جانور یا انسان پر جس سے اس کا تعلق ہوتا ہے۔ان سب پر وہ فعل اپنا عکس اور نقش چھوڑ جاتا ہے۔جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت آپس میں زنا کریں تو قیامت کے روز ایسی صورت میں پیش ہوں گے کہ اس زانیہ عورت کا فرج اس زانی مرد کے ماتھے پر کندہ، منقش اور ہویدا ہوگا۔اور مرد کا آلہ تناسل اس عورت کے ماتھے پر لٹک رہا ہوگا۔بلکہ قیامت کے روز برے ارادے، بد خیالات اور ناروا معتقدات کا بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں محاسبہ ہوگا۔

وان تبدو ا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ

یعنی جن ارادوں اور خیالات کو تم اپنے افعال اور اعمال کا جامہ دے کر ظاہر کرو گے یا ان کو پایہ عمل تک نہ لاکر اپنے سینوں کے اندر چھپا چھوڑو گے۔ان سب کا اللہ

تعالیٰ تم سے محاسبہ کرے گا اور حساب کتاب لے گا۔ قولہ تعالیٰ

افلا یعلم اذا بعثر ما فی القبور وحصل ما فی الصدور ان ربھم بھم یومئذ لخبیر

(ترجمہ) آیا انسان نہیں جانتا کہ قیامت کے روز اس کا جسم جو قبر کے اندر دفن کیا گیا تھا۔ حساب کتاب کے لئے کھڑا کیا جائے گ۔ اور جو کچھ سینے کے اندر ہو گا وہ حاصل اور معلوم کیا جائے گا۔ غرض جس طرح علم سائکومیٹری کا ماہر میڈیم اپنی مسلط روح کے زیر اثر جب کسی چیز کو ہاتھ میں لے لیتا ہے تو اس چیز کی روح کا ریکارڈ حرکت میں آجاتا ہے اور اس کی پچھلی تاریخ دہرائی جانی شروع ہو جاتی ہے۔ اور ریکارڈ کی طرح اس چیز کے پچھلے واقعات اور حالات اس میڈیم کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ دنیا و مافیہا کو اپنی قدرت کاملہ سے محاسبے اور سزا جزا کے لئے برانگیختہ فرمائے گا۔ تو اس کی روح کا ریکارڈ اللہ تالیٰ کے دست قدرت پر بجنے لگ جائے گا۔ اور زمین اپنے گذشتہ بھاری حادثات اور سنگین حالات خارج اور ظاہر کرے گی۔ اور انسانوں کے اجسام فلم کے پردہ ہائے سیمین بن کر اپنے کردار اور گفتار کو دہرا کر نمودار اور ظاہر کریں گے۔ اور عمل کا ہر نیک و بد ایٹم اور ذرہ اس دن پیدا اور ہویدا ہو جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اذا زلزلت الارض زلزالھا و اخرجت الارض اثقالھا و قال الانسان مالھا یومئذ تحدث اخبارھا بان ربک اوحی لھا یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیرو اعمالھم فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ

(ترجمہ) جب قیامت کے روز زمین اللہ تعالیٰ کے ید قدرت کے امر سے جنبش میں آئے گی اور زمین اپنے گذشتہ بھارے اور سنگین حادثات اور واقعات خارج اور

ظاہر کردے گی۔ اور انسان کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس روز وہ ناطق اور گویا ہو کر اپنے حالات اور واقعات بیان کرے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے امر اور وحی کیا ہوا ہو گا۔ اس روز ہر انسان کو الگ الگ صدر اور درمیان میں کھڑا کیا جائے گا۔ اور تماش بین لوگ ان کے گرداگرد ہوں گے تا کہ اس کے تمام گذشتہ اعمال یعنی جملہ زندگی کے کردار اور گفتار اس کے پردہ سیمیں پر دکھائے اور دہرائے جائیں۔ پس جس شخص نے ایک ذرہ برابر نیکی کی ہوگی۔ وہ پھر نظر آجائے گی۔ اور اگر ذرہ برابر بُرائی کی ہوگی۔ وہ بھی دیکھ لی جائے گی۔

غرض اللہ تعالیٰ کے پاس تمام لوگوں کے اعمال اور افعال کے زندہ ٹھوس ریکارڈ چلتی ہوئی فلموں کی طرح موجود ہیں۔ چنانچہ قیامت کے روز اسے ہژدہ ہزار عالم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا۔ اور اس کی تمام زندگی کے فلمی فیتے کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی مشین پر اس طرح گھمائے گا اور چلائے گا کہ اس کی تمام زندگی کے کردار اور گفتار اس کے وجود کے پردے میں لوگوں کو دکھائی دیں گے۔ یعنی جو نیک اور بد اور چھوٹا بڑا فعل اس نے زندگی میں کیا ہو گا یعنی اس کی زندگی کا وہی مکان اور وہی وقت ہو گا۔ اور اس کا وجود وہی کام اس طرح دوبارہ کرتا ہوا نظر آئے گا۔ مثلاً کسی شخص نے بیگانی عورت سے زنا کیا ہے تو اس کا جسم اسی وقت اور اسی مکان میں اسی طرح اس عورت کے ساتھ زنا کا فعل کرتا نظر آئے گا۔ سو اے بندگان خدا! اس بڑے دن کی فضیحت، ذلت، رسوائی اور شرمساری سے ڈرو کہ ہژدہ ہزار عالم تماشائی ہو گا۔ اور ابدی رسوائی و شرمساری اور ہمیشہ کی ذلت و خواری اٹھانی پڑے گی۔ اپنے اعمال و افعال اور کردار و گفتار کو شریعت کے معیار کے مطابق سنوارنے کی کوشش کرو۔ اور اپنے ظاہر و باطن کو تقویٰ کے لباس اور اعمال صالحہ کے زیور سے آراستہ اور پیراستہ کرو۔ تا کہ قیامت کے روز ہمیشہ کی سرخروئی اور سرفرازی حاصل ہو۔

اے عزیزو! تم ہر روز لوگوں کے فرضی اور بناوٹی قصوں کی فلم دیکھنے جاتے ہو اور

اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی اور عزیز عمر کا قیمتی وقت ضائع کر آتے ہو۔ اور اس کے عوض آنکھوں کا زنا اور فحش خیالات اور برے ارادے مول لیتے ہو۔ تمہیں یہ خیال کبھی نہ آیا ہوگا کہ ایک دن تمہاری تمام عمر کی سٹوری کے جملہ کردار اور گفتار ہژدہ ہزار عالم کے سامنے تمہارے وجود کے پردے پر دکھائے جائیں گے۔ کیوں نہ عمر عزیز کی اس قیمتی گھڑی کو کسی نیک عمل یا اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں صرف کیا جائے۔ تاکہ تمہارے کردار کے اس عمدہ پارٹ کو قیامت کے روز جن وانس اور فرشتے دیکھ کر عش عش کرتے رہ جائیں اور تمہارے اس نیک کردار پر تحسین وآفرین کے نعرے بلند ہوں اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے عوض وہ نعمتیں عطا کرے جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھی ہیں نہ کانوں نے سنی ہیں۔ اور نہ کسی دل پر ان کا خطرہ اور خیال گذرا ہے۔ ہم جب کبھی اپنے گھر سے باہر نکلتے ہیں تو اپنے چہرے، کپڑوں، بالوں کو بار بار آئینے میں دیکھتے ہیں کہ دیکھئے ہمارے جسم کی زینت کپڑوں، خط وخال اور حسن وجمال کی زیبائش میں کوئی کمی باقی نہ رہ گئی ہوتا کہ لوگوں کی نظروں میں سبکی اور خفت نہ ہو۔ لیکن اس روز کا کبھی خیال نہیں گذرتا جس کی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ یعنی بعض چہرے چودھویں کے چاند کی طرح روشن اور تاباں ہوں گے اور بعض چہرے بالکل سیاہ، تاریک اور قبیح بعض کے لئے وہ بڑی رسوائی اور خواری کا روز ہوگا۔ اور بعض کے لئے بڑی عزت اور سرفرازی کا دن ہوگا۔ قرآن مجید کی یہ چھوٹی سورۃ زلزال جس کی میں نے مذکورہ بالا تفسیر آپ کے سامنے پیش کی ہے۔ کبھی آپ کے سامنے اس شکل میں نہیں آئی ہوگی۔ قرآن کریم تمام اس قسم کے ٹھوس، دلچسپ حقائق اور دقیق وعمیق معارف اور اسرار سے لبریز اور معمور ہے۔ لیکن ہمارے پاس ان پر غور اور خوض کرنے کے لئے فرصت نہیں ہے اور نہ وہ صحیح فہم اور فراست ہے۔

اس فقیر نے یورپ کے سپرچولسٹس کی بہت کتابیں دیکھی ہیں۔ اور ان کے لٹریچر

کا بڑا وسیع مطالعہ محض اس غرض سے کیا ہے تاکہ ان کے ذریعے اپنے قرآنی حقائق ثابت کروں۔ کیوں کہ ہماری مذہبی باتوں اور روحانی روایتوں کو تو آج کل کے روشن خیال مغرب زدہ نوجوان یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کرتے ہیں کہ یہ تو پرانے فرسودہ اور دقیانوسی خیالات ہیں۔ ہمارے روشن دماغوں میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ لہٰذا ہمیں اس لٹریچر کے مطالعہ سے ان کے یورپین پیشواؤں اور لیڈروں کے مغربی دماغوں کے مطابق اظہار خیال اور ان کی زبان اور اصطلاح میں ان سے تخاطب اور کلام کرنے کے مواقع حاصل ہو گئے ہیں۔

یورپ کے سپر چولسٹس میں ایک علم اپورٹس مروج ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کے روحانی حلقوں کے سپرٹس (Spirits) یعنی روحیں باہر کی ٹھوس مجسم چیزیں بند کمروں کے اندر لے آتی ہیں۔ اور بند مقفل کمروں سے اندر کی چیزیں باہر لے جاتی ہیں۔ اس کی صورت یوں ہوتی ہے کہ سپر چولسٹس اپنے کمرے کے اندر حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور کمرے کو اندر سے قفل لگا دیتے ہیں۔ ان میں ایک میڈیم یعنی وسیط ہوتا ہے۔ جس پر روح اور جن یا آسیب مسلط ہوتا ہے۔ تو اس روح کو حاضر کرنے کے لئے عموماً گانا بجانا شروع کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ گانے سے وہ روح جلدی حاضر ہو کر اس میڈیم پر مسلط ہو جاتی ہے۔ اور میڈیم بے خود اور بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اور وہ روح اس کی زبان پر بولنے لگ جاتی ہے۔ اور گاہے وہ روح اس کے سر سے اتر کر اور اس کے جسم سے خارج اور الگ ہو کر اس کمرے کے اندر نمودار ہو جاتی ہے اور میٹریالائزڈ (Materia Lised) یعنی مجسم اور متشکل ہو کر ٹھوس مادی صورت اختیار کر لیتی ہے اور اہل حلقہ سے باتیں کرتی ہے۔ اور ان کے ہر سوال کا جواب دیتی ہے۔ اس وقت جب کبھی اہل مجلس اس سے کسی چیز کی فرمائش کرتے ہیں کہ فلاں چیز ہمیں باہر سے لا دو۔ تو وہ روح ان کی فرمائش کے مطابق وہ چیز فوراً باہر سے اٹھا کر بند مقفل کمروں کے اندر لا دیتی ہے۔ سپر چولسٹس کی اصطلاح میں

اس علم کو اپورٹس (Apports) کہتے ہیں۔ چنانچہ مختلف اشیاء مثلاً تازہ پھول، پھل، میز کرسیاں قیمتی پتھر، سبز پودے، پرندے، جانور حتیٰ کہ زندہ انسان تک بذریعہ اپورٹس بند کمروں کے اندر لادیئے جاتے ہیں۔ اوراسی طرح اندر کی چیزیں اٹھا کر باہر لے جائی جاتی ہیں۔ چنانچہ یہ علم اور عمل یورپ کے سپر چولسٹس میں بہت عام طور پر مروج ہے۔ اوراس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اس فلاسفی کے حل کے متعلق کہ ایک بالکل ہر طرح سے بند مقفل کمرے کے اندر باہر کی ٹھوس چیز کس طرح اندر آجاتی یا اندر سے باہر چلی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر چیز کے تین ڈائمنشن یعنی رخ اور پہلو ہوتے ہیں۔ ایک لمبائی، دوم چوڑائی اور سوم موٹائی سپر چولسٹس کہتے ہیں۔ یہ ہر ٹھوس چیز کا ایک چوتھا ڈائمنشن یعنی رخ اور پہلو ہے۔ کہ ایک ٹھوس چیز دوسری میں سے گذر جاتی ہے۔ جس کی حقیقت انہیں آج تک معلوم نہیں ہوسکی۔ دوسرا نظریہ جو ان سپرٹس یعنی ارواح کا بتایا ہوا ہے جب کہ ان سے سوال کیا گیا کہ تم ان ٹھوس مادی چیزوں کو بند کمرے کی دیواروں اور کواڑوں میں سے کیونکر گذار کر لے آتے ہو۔ حالانکہ یہ سائنس کے اصول کے بالکل مخالف ہے کہ ایک مادی چیز بغیر وزن اور سوراخ کے دوسری مادی چیز میں سے گذر جائے۔ تو ان سپرٹس (Spirits) نے جواب دیا کہ ہم اس چیز کو جسے ایک کمرے کی ٹھوس دیوار میں سے گذارنا چاہتے ہیں۔ اپنی قوت ارادے یعنی ول پاور (Will Power) سے اس چیز کو گیس، ہوا یا اس سے زیادہ لطیف صورت میں لا کر کمرے کی دیوار میں سے گذار لیتے ہیں۔ پھر سپر چولسٹس نے ان سے دریافت کیا۔ ہم نے مانا کہ تم اپنی قوت ارادی سے ایک ٹھوس چیز کو ہوا اور گیس کی لطیف صورت میں تبدیل کرکے کمرے کے اندر لے آتے ہو۔ اور پھر اسے دوبارہ منجمد اور ٹھوس بنا لیتے ہو۔ لیکن جب کبھی تم کسی ترکاری، پھول، پھل یا کسی زندہ چیز کو اندر لانے کے لئے گیس اور ہوا کی لطیف صورت میں لاتے اور پگھلاتے ہو گے۔ تو اس طرح وہ چیز ضائع اور

ہلاک ہو جاتی ہو گی۔ تو اس کے جواب میں ارواح نے کہا کہ ہم اس چیز کے لئے دیوار کی اتنی جگہ کو جس میں سے وہ چیز گذارنی مطلوب ہوتی ہے لطیف بنا لیتے ہیں۔ اور وہ چیز گذار لیتے ہیں۔ غرض ان ہر دو نظریوں میں سے جونسا بھی صحیح ہے۔ یا اس کے علاوہ ارواح کے پاس کوئی اور حکمت ہو۔ یہ بات بالکل مسلم اور ٹھوس حقیقت ہے کہ سپرٹس یعنی ارواح بند کمروں کے اندر باہر کی ٹھوس چیزیں اندر لے آتی ہے اور اندر کی چیزیں باہر لے جاتی ہیں۔ اور اس میں ذرہ برابر جھوٹ اور مبالغہ نہیں ہے۔ اور سپر چولسٹس کے درمیان یہ عمل ایک عام معمول ہے۔ اور ہر روز ہزار وح حلقوں کے اندر یہ عمل علی روس الاشہاد سینکڑوں لوگوں کے روبرو کیا جاتا ہے اور بڑے بڑے فلاسفر، سائنس دان، ڈاکٹر اور انجینئر ان حلقوں میں موجود ہوتے ہیں۔ اور ہر قسم کے فریب اور دھوکے سے بچنے کے لئے اس کمرے میں سائنس کے قسم قسم کے آلات اور اوزار لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہاں کے سائنس دان اور فلاسفروں نے اس عمل کے بیس تیس سال کے متواتر گہرے مطالعے اور بے شمار تجربوں اور مشاہدوں کے بعد قبول اور اختیار کیا ہے۔ اب ہم علم اپورٹس کے ایک دو واقعات اس جگہ بیان کرتے ہیں جسے جان بٹلر صاحب نے اپنی کتاب اکسپورنگ دی سائکک ورلڈ (Psychic World) کے صفحہ 185 میں لکھا ہے۔ جو زندہ انسانوں کو بطور اپورٹس بند کمروں کے اندر لانے اور باہر کے جانے کے واقعات ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

کہ یہ 3 جون 1871ء کا واقعہ ہے۔ اور اس واقعہ کی تصدیق کے لئے دس ایسے معتبر عینی شاہدوں اور گواہوں کے دستخط موجود ہیں جن کی موجودگی میں اور ان کے روبرو یہ واقعہ رونما ہوا ہے۔ یہ حلقہ سر ولیم کروکس کے روبرو جو ایک بڑے بھاری چوٹی کے نامور سائنس دان ہوئے ہیں۔ اور ان کے بھائی ڈاکٹر جان کے گھر قائم ہوا تھا۔ اور ڈاکٹر ابراہام والیس نے دس حاضرین حلقہ کی شہادتیں لے کر اس واقعہ کو

قلمبند کیا ہے۔ اس حلقہ میں میڈیم مس فلورنس کک تھیں۔ اور ان پر جو روح مسلط تھی اس کا نام کیٹی کنگ (Kaity King) تھا۔ ڈاکٹر ابراہام والس لکھتے ہیں کہ نہ کوئی دروازہ اور نہ کوئی کھڑکی کھلی تھی۔ اور کمرے میں اندھیرا تھا۔ کیٹی کنگ کی روح حاضر تھی۔ اور حاضرین حلقہ کی فرمائش پر مختلف اشیاء بطور اپورٹس لا رہی تھی۔ چنانچہ حاضرین میں سے ایک شخص نے کسی چیز کے لانے کی فرمائش کی۔ جس پر ایک دوسرے شخص نے بطور مذاق اور خوش طبعی کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ مسز گوپی (Guppi) کو لے آویں۔ اس پر ایک تیسرا شخص بولا۔ خدا تمہارا بھلا کرے۔ اس بات کی امید کیوں کر ہو سکتی ہے کہ کیتی مس گوپی کو جو لنڈن کی بہت بھاری میڈیم ہے اٹھا کر لاوے۔ اس پر کیٹی کنگ روح نے تین دفعہ کہا آئیدل (I Will) یعنی میں ضرور لاؤں گی۔ پھر جان نے چلا کر کہا ٹھہر جاؤ۔ تم ایسا نہیں کر سکو گی۔ پھر حاضرین حلقہ میں سے کسی کی آواز آئی۔ خدا کی پناہ۔ کوئی چیز میرے سر پر آ رہی ہے۔ تب تو ایک دو چیخوں کے ساتھ میز پر کسی چیز کے دھڑام سے گرنے کی آواز آئی۔ روشنی کی گئی۔ تو ہم تمام حاضرین یہ دیکھ کر دم بخود رہ گئے کہ مسز گوپی ہمارے سامنے میز پر بیٹھی ہوئی موجود ہے۔ اور ہم سب حلقہ وار اس کے ارد گرد جمع ہیں۔

مسز گوپی اس وقت عالم استغراق اور بے ہوشی میں بالکل ساکن اور بے حس معلوم ہوتی تھی۔ تمام اہل حلقہ پر خوف اور ہراس چھایا ہوا تھا کہ خدانخواستہ مسز گوپی کو گزند اور نقصان نہ پہنچا ہو۔ اس وقت اس نے اپنا ایک ہاتھ آنکھوں پر رکھا ہوا تھا۔ اور صبح کا ڈھیلا گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ اور بیڈ روم کے سلیپروں کا ایک جوڑا اس کے پاؤں میں تھا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک پن یعنی قلم تھا۔ جو اس کے ہاتھ کے ساتھ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ کیٹی کنگ کی روح کو اسے اپنے مکان سے اٹھا کر لانے میں بمشکل تین منٹ کا وقفہ گذرا ہوگا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد مسز گوپی ہوش میں آئی۔

اور ہم نے حلقہ کی کارروائی بدستور جاری رکھی۔ اور اس کارروائی میں مسز گوپی کے اور کپڑے کیٹی کنگ کے ذریعے بطور اپوارٹس منگوائے گئے۔ حلقے کے خاتمہ پر حلقہ کے چار ممبر مسز گوپی کے ہمراہ اسے پہنچانے کے لئے اس کے گھر ہائی بری (High Burrey) جو وہاں سے تین چار میل کے فاصلے پر تھا بھیجے گئے۔ جہاں جا کر انہیں مسز گوپی کی رفیق مس نے لینڈ (Nai Land) کی زبانی معلوم ہوا کہ دونوں انگیٹھی کے پاس بیٹھی حساب کر رہی تھیں کہ یک لخت اوپر دیکھنے سے مس نے لینڈ کو معلوم ہوا کہ مسز گوپی ایک دم اوپر چھت کی طرف اڑ کر غائب ہو گئی۔ اور چھت کے ساتھ تھوڑا سا دھواں اور غبار چھوڑ گئی ہے۔

اسی قسم کا ایک دوسرا پچھلے سالوں کا واقعہ مارکوس سنٹورین سکاٹ (Marqus Sentooine Scott) نامی ایک میڈیم کا ہے۔ جو 29 جولائی 1928ء کو مسلمو کاسل (Melsmo Casile) میں واقع ہوا۔ جسے پروفیسر بزانو (Bizzanu) نے یوں قلم بند کیا ہے۔

دوران حلقہ میں میں خود موجود تھا۔ کہ مسٹر سکاٹ میڈیم نے گھبرائی ہوئی آواز میں چلا کر کہا۔ کہ اس وقت میں اپنے پاؤں محسوس نہیں کر رہا۔ گراموفون باجا جو اس وقت بج رہا ہے۔ ٹھہرا لیا گیا۔ اس کے بعد ایک موت کی سی خاموشی حلقے پر ایک لحظہ چھائی رہی۔ میڈیم کو نام لے کر بلایا گیا۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ بعدہ اندھیرے میں اسے ٹٹولا گیا۔ اس کی جگہ خالی پائی گئی۔ ہم نے سرخ روشنی سے کمرے کو روشن کیا۔ دروازے سب اسی طرح بدستور بند تھے۔ اور اس کی چابی اندر ہمارے پاس تھی۔ لیکن میڈیم کمرے سے غائب تھا اس کاسل (Casile) کے تمام کمروں میں میڈیم کو تلاش کیا گیا۔ لیکن تلاش بے سود ثابت ہوئی۔ آخر تین گھنٹے کی سخت تلاش کے بعد میڈیم کو غلے کے ایک کمرے کے اندر جو باہر سے مقفل تھا۔ خشک گھاس کے ڈھیر پر گہری نیند سویا ہوا پایا گیا۔ مصنف کتاب سر جان بٹلر لکھتے ہیں کہ

زندہ انسانی اپورٹس کے پچاس اسی قسم کے واقعات کا ریکارڈ میری لائبریری میں موجود ہے۔ جو حال ہی واقع ہوئے ہیں۔ اس قسم کا معاملہ ہمارے ایک مخلص محمد صادق نامی شخص کے ساتھ واقع ہوا ہے۔ جس کا مفصل ذکر ہم اس کتاب کے پچھلے صفحوں میں کر آئے ہیں۔

اب ناظرین اندازہ لگالیں کہ ایک معمولی روح جسے ہم اپنی اصطلاح میں ایک جن یا آسیب کہہ سکتے ہیں۔ ایک زندہ انسان کو دو تین منٹ کے اندر تین چار میل کے فاصلے پر ایک مکان سے اٹھا کر دوسرے مقفل بند کمرے کے اندر ڈال سکتی ہے۔ تو کیا اللہ تعالی قادر و قوی اور حی و قیوم اور خالق کائنات کو یہ طاقت حاصل نہیں ہے کہ وہ خود اپنی قدرت کاملہ سے یا اپنے زبردست فرشتے کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بند کمرے سے اٹھا کر آسمان پر لے گیا ہو۔ یا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو معراج کی رات بیت المقدس اور وہاں سے آسمان پر لے گیا ہو۔ کہاں ہیں وہ کور چشم مردہ دل نفسانی لوگ جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے جسمانی معراج پر چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ یا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جسمانی طور پر آسمان پر نہیں گئے۔ گو مادی جزئی عقل اس قسم کی خارق عادت معاملے کو باور کرنے سے ہچکچاتی ہے۔ کہ ایک مادی بھاری اور وزنی ٹھوس چیز یا ایک زندہ بھاری بھرکم انسان ایک مکان سے بغیر ظاہری اور مادی اسباب کے ایک طرفۃ العین میں اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لایا جاسکتا ہے۔ لیکن یورپ میں سپرٹس کے ذریعے بطور اپورٹس کے یہ کام عام طور پر سینکڑوں لوگوں کے روبرو آلات سائنس کے ہر قسم کے ٹسٹ اور آزمائش کے وجود دکھائے جاتے ہیں۔ اور یہ معاملات آج کل کے اہل یورپ کے روحانی حلقوں کے اندر اس طرح عام طور پر دیکھے جاتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی نئی ایجادات کے بعید از عقل کارنامے اور زندہ مادی کرامات آئے دن دیکھتے ہیں۔ جن کی بدولت انسان روئے زمین پر ہر طرف لوہے کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔

پرندوں کی طرح ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ بلکہ فرشتوں کی طرح چاند اور مریخ تک پہنچنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ دریاؤں اور سمندروں میں مچھلیوں کی طرح تیر رہے ہیں۔ ہزاروں میل دور مغرب کی باتیں ایک آن میں مشرق کے اندر سنائی دیتی ہیں۔ اور آئندہ اس سے زیادہ بعید از عقل کارناموں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ پہلے زمانے میں جب کہ روحانی سائنس اور باطنی علوم پورے عروج پر تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور اولیاؤں کو لوگوں کے رشد و ہدایت کے لئے یہ باطنی کمالات اور روحانی کرامات عطا فرمائی تھیں۔ کہ وہ غیبی لطیف مخلوق جن، ملائکہ اور ارواح کے ذریعے اس قدر حیرت انگیز بعید از عقل کام کرتے تھے۔ اگر سائنس دان انہیں دیکھ لیں تو انگشت بدنداں رہ جائیں۔ چنانچہ آج کل کے سپر چولسٹس کے ان سفلی ارواح کے کارناموں نے یورپ کے بڑے بڑے سائنس دانوں اور فلاسفروں کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔ چہ جائے کہ اہل سلف کے بڑے علوی روحانی کمالات کے مقابلے میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہوسکتی۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی رات آسمانوں اور عرش و کرسی وغیرہ علوی مقامات کی سیر کرنے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چوتھے آسمان پر چلے جانے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ملکہ بلقیس کے کئی سو من بھاری سونے کے تخت کو سینکڑوں میل سے ایک طرفۃ العین میں اٹھا کر اپنے پاس حاضر کرنے کا معاملہ کیا ارواح کا زبردست کارنامہ نہیں ہے جس کے معمولی نمونے یورپ کے سپر چولسٹس بطور مشتے نمونہ از خروارے علی روس الاشہاد دکھا رہے ہیں۔ اور ہمارے قرآنی حقائق پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔ لیکن ہمارے اپنے عقل کے اندھے پھر بھی ہمارے اہل سلف پیغمبروں کے معجزات، اولیاؤں کی کرامات اور قرآن کریم میں اس قسم کے بعید از عقل واقعات کو جھٹلاتے ہیں یا انہیں توڑ مروڑ کر اپنی ناقص عقل کے ساتھ تطبیق دینے کے لئے نہایت ناروا تاویلیں کر ڈالتے ہیں۔ حالانکہ آج کل یورپ میں ایک بھی ایسا شخص نہ ہوگا جو ان

حقائق پر یقین نہ رکھتا ہو۔ بلکہ باوجود اس کے کہ دنیا میں اب قسم کا ہر بعید از عقل معاملہ ٹھوس حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے اندر صریح الفاظ میں اس بات کو بار بار تاکید ارشاد فرماتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا تھا اور نہ سولی پر چڑھایا تھا بلکہ ہم نے بطور راپورٹس اٹھا کر آسمان پر چڑھا لیا تھا قولہ تعالیٰ

وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم

یعنی انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا تھا اور نہ سولی دی تھی بلکہ انہیں شبہ میں ڈال دیا گیا تھا۔ پھر دوسری جگہ اس سے زیادہ پرزور الفاظ میں ارشاد ہے وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ یعنی انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف چڑھا لیا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ پچھلے زمانے میں ایسے جھوٹے بناوٹی پیغمبر ظاہر ہوں گے۔ جن کے پاس نہ تو کوئی اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی غیبی روحانی طاقت ہوگی اور نہ باطنی علم ہوگا جن کی پیغمبری اور نبوت کی بنیاد محض زبان کی طراری، فرضی پیشن گوئیوں اور جھوٹی تاویلوں پر ہوگی۔ اور سائنس کے مادہ پرست زمانے میں ہر خلاف عقل باطنی اور روحانی معاملے کو سمجھنے والے اور باور کرنے والے بہت تھوڑے آدمی ہوں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر بطور تاکید وما قتلوہ یقینا کے پرزور الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل ہونے اور سولی پر چڑھائے جانے کے واقعہ کا انکار فرما دیا ہے۔ جیسا کہ بعض نے یہاں تک مشہور کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مر گئے ہیں۔ اور کشمیر میں ان کی قبر موجود ہے۔ بے شک کشمیر میں ایک قادری بزرگ کی قبر ہے جس نے اپنی زندگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح مردے زندہ کئے تھے۔ اور لوگوں میں ان کا لقب عیسیٰ ثانی ہو گیا تھا۔ غرض جھوٹی تاویلیں بنانے والوں اور فرضی پیشین گوئیوں کو سچا ثابت کرنے والوں کو ایسے حیلے اور بہانے خدا دے۔ چنانچہ

انہوں نے اس بزرگ عیسیٰ ثانی کو حضرت عیسیٰ ابن مریم ثابت کر دیا۔ اور ہزاروں بے وقوف اس بات کو باور کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ حالانکہ بیت المقدس سے کشمیر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پہنچنے اور یہاں گمنامی میں فوت ہونے اور پھر عیسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ ابن مریم کی بجائے عیسیٰ ثانی مشہور ہونے کی سب باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین سے آسمان پر چڑھائے جانے سے بھی زیادہ خلاف عقل ہیں۔ اور پرانی اور نئی تواریخوں میں کہیں بھی اس کا ذکر تک نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر چڑھائے جانے پر یہ کیا جاتا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھائے گئے ہیں۔ تو وہ وہاں کیا کھاتے پیتے اور دیگر کام کرتے ہیں۔ سو اس کا جواب قرآن کریم نے ہی پہلے سے دے دیا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے روئے زمین پر بطور اپورٹس (Apports) اس قسم کے آسمانی دستر خوان میں آسمانی غذا اتار دی گئی تھی۔ اور معترضین کو دکھا دیا گیا کہ اللہ تعالی قادر قیوم کے ہاں ہر قسم کا انتظام موجود ہے کہ وہ اہل زمین کے لئے آسمانی غذا نازل فرماتا ہے۔ اور جس اہل زمین کو چاہے آسمان پر اٹھاتا اور اسے آسمانی غذا کھلاتا پلاتا ہے۔ اور جب تک چاہے اسے زندہ رکھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں

اذ قال الحواریون یعیسی ابن مریم هل یستطیع ربک ان ینزل علینا مائدة من السماء

(ترجمہ) جب کہ حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ اے عیسےٰ علیہ السلام ابن مریم کیا آپؑ کا رب ایسا کرنے پر قادر ہے کہ وہ ہم پر آسمان سے کھانے کا دستر خوان نازل فرمائے۔ آپؑ نے فرمایا کہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ اور اگر تم ایمان دار ہو تو اللہ تعالی ایسا کر دکھا دے گا۔ حوایوں نے عرض کیا ہم چاہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالی کی آسمانی غیبی غذا زمین پر کھا کر دیکھیں اور دلی اطمینان حاصل کریں۔ اور یہ جانیں کہ تو نے ہم سے جو وعدہ فرمایا ہے تو نے اسے سچ کر کے دکھا دیا ہے تاکہ ہم

تیرے اس معجزے کے گواہ بن جائیں۔ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم نے دعا مانگی کہ اے اللہ! ہم پر آسمان سے کھانے کا دستر خوان نازل فرما۔ تا کہ یہ دن میری امت کے سابقین اور متاخرین لوگوں کے لئے عید اور خوشی کا دن بن جائے۔ اور یہ تیری قدرت کا بڑا کارنامہ اور معجزہ ثابت ہو۔ اور ہمیں اس قسم کا آسمانی غیبی رزق عطا فرما۔ اور تو بہترین رزق پہنچانے والا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ قرآنی شہادت میں ان منکرین اور معترضین کے لئے کافی اور شافی جواب ہے جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اگر آسمان پر زندہ موجود ہیں تو وہ کیا کھاتے پیتے ہیں۔ اور کس طرح زندہ ہیں۔ نیز یاد رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سرشت، خلقت اور پیدائش چونکہ ملکوتی امتزاج اور روحانی اختلاط سے واقع ہوئی تھی۔ اور ان کے جسم عنصری میں روحانی عنصر کا غلبہ تھا۔ اس واسطے ان کا بطور ایولٹس عالم بالا کی طرف اٹھایا جانا بہت اغلب اور آسان تھا۔ ہمارے آقائے نامدار حضرت احمد مختار ﷺ کو دو دفعہ ایک بار عالم انفس اور دوسری بار علام آفاق میں معراج ہوا۔ اور قرآن کریم میں ان کا ذکر دو بار ایک سورۃ اسریٰ میں اور دوم سورۃ والنجم میں آیا ہے۔ اور احادیث معراج میں مذکور ہے کہ معراج سے پہلے آپ کا سینہ چاک کیا گیا۔ اور اسے آب حیات لطف سے دھویا گیا۔ اور نور حضور ذات سے آپؐ کے تمام لطائف کو زندہ اور تابندہ کر دیا گیا۔ بعدہ آپؐ کے جسم اطہر کو کمال لطافت عطا کر کے براق کی باطنی برق اور فرف کی روحانی ایٹمی انرجی کے ذریعے عالم بالا کی طرف چڑھایا گیا۔ قرآن کریم میں ایک معراج کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں مجمل طور پر یوں آیا ہے۔

سبحن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی برکنا حولہ لنریہ من ایتنا انہ ھو السمیع البصیر

(ترجمہ) پاک ہے وہ ذات جو لے گئی رات کے وقت اپنے بندے محمد ﷺ کو مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس کی طرف جس کے اردگرد ہم

نے برکت ڈال رکھی ہے۔ تاکہ اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں۔ اور وہ دانا اور بینا ہے۔ قرآن مجید کے اندر دوسری دفعہ معراج کا ذکر سورۂ والنجم میں ذرا تفصیلاً آیا ہے جس میں ذکر ہے کہ ولقد راہ نزلۃ اخری یعنی آپؐ نے دیکھا اس کو یعنی اللہ تعالیٰ کو دوسری بار چنانچہ حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کو دوبارہ ایک بار عالم انفس اور دوسری بار عالم آفاق میں بڑے بھاری اور اہم معراج ہوئے اور دو دفعہ آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار ہوا ورنہ ویسے تو اللہ تعالیٰ بچپن سے لے کر چالیس سال کی عمر تک آپؐ کو نبوت کے مختلف اعلیٰ مراتب اور ختم رسالت کے بے شمار افضل کمالات سے سرفراز فرماتے رہے ہیں۔ اور کئی دفعہ آپؐ کا سینہ اور صدر چاک کیا گیا۔ اور اسے ہر غیر غل وغش اور غلاظت سے دھویا اور پاک وصاف کیا گیا۔ اور اسے نور حضور سے معمور کر کے لطیف اور منور بنایا گیا۔ اور آپؐ کو نبوت کے اظہار سے پہلے ختم رسالت اور وحی کے بارگراں کے لئے تیار کیا جاتا رہا۔ جیسا کہ آپؐ کے اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب آپؐ دائی حلیمہؓ کے لڑکے کے ہمراہ ایک دفعہ ایک پہاڑی وادی میں بکریاں چرا رہے تھے کہ آپؐ کو چند ملائکہ نے پکڑ کر شق صدر کے لئے ایک پہاڑی کی چوٹی پر اٹھا لیا تھا۔ چنانچہ دائی حلیمہؓ کا لڑکا گھبرایا ہوا اپنی ماں کے پاس جا دوڑا اور یہ ماجرا سنایا کہ محمد ﷺ کو چند سفید پوش آدمی اٹھا کر پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ اور انہیں لٹا کر ان کا سینہ چاک کر دیا۔ جسے سن کر دائی حلیمہؓ وہاں دوڑ کر گئی تو آپؐ کو صحیح سلامت بکریاں چراتے پایا۔ اور جب آپؐ سے اس واقعہ کی بابت پوچھا تو آپؐ نے سب ماجرا کہہ سنایا۔

غرض آپؐ کو چالیس سال تک ولایت اور نبوت کے ابتدائی روحانی مراحل اور باطنی مدارج سے گذرنا پڑا۔ اور آپؐ کمال خاموشی، صبر اور تحمل سے اسے برداشت کرتے رہے۔ افسوس ہے ان کور چشم زبانی خشک عالموں کے عقل پر جو کہتے ہیں کہ حضرت سرور کائنات ﷺ کو اظہار نبوت سے پہلے کسی قسم کی آگاہی نہیں تھی۔ آپؐ

ہماری طرح بے خبر آدمی تھے۔ اور یک لخت آپؐ پر نبوت کا بوجھ ڈال دیا گیا۔ آپؐ محض ہم تک وحی پہنچانے کا خالی واسطہ اور ذریعہ بنے۔ اور معاذ اللہ ہم میں اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے یا وہ ہمارے بڑے بھائی کے برابر ہیں۔

معراج سے واپسی پر آپؐ سے صحابہؓ میں سے عوام اور خواص نے دریافت کیا کہ یا حضرت ﷺ کیا آپؐ اللہ تعالیٰ کو دیکھ آئے ہیں۔ آپؐ نے عوام کو جواب دیا لیس کمثلہ شئی یعنی عوام کے دریافت کا یہ مقصد تھا کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کو کس شکل و صورت میں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے۔ اور وہ ہر قسم کی تشبیہ اور تمثیل سے پاک ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کہ یہ شکل وصورت تھی۔ اور خواص سے خطاب فرمایا کہ معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ نے نور حضور دیدار سے رنگ دیا گیا ہوں۔ اور اس نور قدیم کا عکس اپنے سینے کے آئینے میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ اس لئے آپؐ نے فرمایا

من رانی فقد راء الحق (بخاری مسلم) فان الشیطان لا یتمثل بی صورتی (بخاری مسلم)

یعنی جس شخص نے مجھے (باطن میں) دیکھا اس نے گویا حق کو دیکھ لیا۔ شیطان میری مثل نہیں ہو سکتا۔ سو یہ فقر اور تصوف کا باطنی مسئلہ ہے کہ خواب یا مراقبے میں کوئی سالک حضرت نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو دیکھے۔ تو اس نے برحق آپ کو دیکھا۔ شیطان آپ کی صورت پر متمثل نہیں ہو سکتا ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ

ان الشیطان لا یتمثل بی ولا بالقرآن والا بالکعبۃ

آں حضرت صلعم نے فرمایا کہ شیطان میری صورت قرآن اور کعبہ کی صورت پر متمثل نہیں ہو سکتا۔ یعنی خواب، مراقبے اور عیان کی باطنی دنیا میں شیطان ان ہرسہ مظہر ہدایت اور نور حق کی صورت پر متمثل ہو کر کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا کیونکہ آں

حضرت صلعم اور قرآن اور کعبہ کی حقیقت ایک ہے۔ اور یہ ہر سہ حقیقتیں شیطان کی ضد ہیں۔ اور ہر سہ مظہر ہدایت اور نور حق ہیں۔ اور شیطان مجسم مظہر ضلالت اور ظلمت باطل کا پیکر ہے۔ باطنی دنیا کی جس مجلس میں ان ہر سہ پاک مقدس حقائق کا ظہور ہو وہ مجلس اور واقعہ حق سمجھا جاتا ہے۔ اور شیطان کی باطل کارستانی کو اس میں دخل نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیطان باطن میں ان مقدس صورتوں پر متمثل ہو سکتا ہے۔ انہوں نے بڑی بھاری غلطی کی ہے۔ اگر ایسا ہے تو تمام باطنی اور روحانی دنیا پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ اور حق اور باطل کا کوئی معیار نہیں رہتا۔ اور حق اور باطل کے درمیان تمیز ہی نہیں رہ جاتی۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ ان ہر سہ مظاہر ہدایت میں ان کے مختلف اجزاء ترکیبی اور صور معنوری بھی شامل ہیں۔ یعنی شیطان کو آں حضرت ﷺ کے کسی صورت ذاتی، صفاتی اسمائی اور افعال پر متمثل ہونے کی طاقت نہیں ہے۔ اور خانہ کعبہ کے ہمراہ روئے زمین کی تمام مساجد شامل ہیں۔ اور قرآن کی حقیقت میں اس کی تمام سورتیں، آیتیں اور اسماء وغیرہ داخل ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص باطن میں آں حضرت ﷺ کو کسی صورت پر دیکھے وہ باطنی معاملہ حقیقت پر مبنی ہوگا۔ اگر اس واقعہ کے اندر دیکھنے والا آپ کی پاک صورت میں کوئی نقص دیکھے۔ تو دیکھنے والا سمجھے کہ یہ اس کا اپنا نقص اور عیب ہے جو اسے آئینہ محمدی صلعم میں نظر آ رہا ہے۔ اسے رفع کرنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح اگر دیکھنے والا خواب یا مراقبے کے اندر خانہ کعبہ یا کسی پاک مسجد میں کوئی واقعہ دیکھے تو وہ معاملہ بھی برحق ہوگا۔ خواہ وہ دیکھے کہ اس پاک مسجد میں کتے وغیرہ گھس آئے ہیں۔ یا گندگی وغیرہ پڑی ہے تو سمجھے کہ اس کے دل کے صحن میں حب دنیا کے کتے داخل ہو رہے ہیں۔ اور دنیا کی گندگی پڑی ہوئی ہے۔ اسے پاک کرے۔ اسی طرح جس باطنی مجلس کے اندر قرآن یا اس کی کوئی سورت یا آیت یا اسم الٰہی خود دیکھنے والا یا کوئی اور شخص پڑھ رہا ہو تو سمجھے کہ یہ مجلس برحق ہے۔ اگر کسی باطنی مجلس میں یہ چیزیں ظاہر نہ ہوں تو اس کا کوئی

اعتبار نہیں ہے۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن مجید کی تلاوت اور اس کی دعوت روحانی لطیف مخلوق کے حاضر کرنے اور ان سے ہر قسم کی امداد اور خدمت لینے کا سب سے بڑا بھاری ذریعہ اور بہترین وسیلہ ہے۔ قرآن کی دعوت جب کسی سالک سے جاری اور رواں ہو جاتی ہے۔ تو وہ دنیا اور آخرت میں بے نیاز اور لا یحتاج ہو جاتا ہے۔ اور قرآن کی برکت سے ہر مشکل مہم حل کر لیتا ہے۔ جب اہل دعوت غصے، قہر، غضب اور جلال سے دعوت قرآن شروع کرتا ہے تو باطنی غیبی موکلات بھی اس کی دل کی صفت پر باطنی ہتھیاروں مثلاً تیر کمان، نیزوں، تلواروں اور بندوقوں سے مسلح ہو کر اہل دعوت کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور اہل دعوت کے دشمنوں پر اپنے باطنی ہتھیاروں سے ٹوٹ پڑتے ہیں اور انہیں ایک دم میں ہلاک اور برباد کر دیتے ہیں۔ اور جب کبھی اہل دعوت محبت اور شفقت کے جذبے سے پڑھتا ہے تو عالم غیب سے روحانی موکلات طرح طرح کے تحفے تحائف از قسم مال، نقد و جنس اس کی ضرورت کے مطابق اٹھائے ہوئے حاضر ہوتے ہیں۔ اور اہل دعوت کے آگے پیش کرتے ہیں۔ جو بعد میں بذریعہ تسخیر قلوب لوگوں سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ جس قدر کام مشکل اہم اور دشوار ہوتا ہے۔ اہل دعوت کو اسی قدر زبردست غیبی موکل حاضر کر کے اس سے اس کام کے حل کرنے میں امداد لی جاتی ہے۔ یہ بات ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ جن، ملائکہ اور ارواح غیبی موکلات ہیں۔ اور جن سے ملائکہ کی روحانی طاقت بہت زیادہ ہوا کرتی ہے۔ اور ملائکہ سے ارواح کی باطنی قوت بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ کیونکہ کامل روحانی جس وقت دعوت کے ذریعے حاضر ہوتا ہے۔ تو اس کی تبع میں اس کی زندگی کے مسخر موکلات از قسم جن و ملائکہ بھی ہمراہ خدمت کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ اور اہل دعوت کے کام میں مدد اور معاون ہوتے ہیں۔

جب فقیر کامل عمل دعوت کی انتہائی منزل کو پہنچ جاتا ہے۔ اور علم دعوت میں یکتا ہو

کر زندہ دم ہو جاتا ہے۔ اور دعوت کا نور اس کے اندر متمکن ہو جاتا ہے۔ تو وہ خیال نیت اور ارادے سے کام کرتا ہے۔ اس وقت دعوت پڑھنے کے لئے اسے زبان اور ہونٹ ہلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اللہ تعالی اس کے اندر اس قسم کا کمال پیدا کر دیتا ہے کہ جب کبھی وہ کسی سخت کام یا مشکل مہم یا دشوار امر کے لئے اپنی باطنی ہمت اور توجہ سے متوجہ ہوتا ہے۔ موکلات اس کی نیت اور اشارے پر کام کرتے ہیں۔ اس واسطے کامل فقراء کا مہر اور قہر اللہ تعالی کے مہر اور قہر کا نمونہ ہوتا ہے۔ اس کے برگزیدہ اشخاص اللہ تعالی کے محبوب ہوتے ہیں۔ ان کا دل اللہ تعالی کی نظر گاہ ہوتا ہے۔ اور رر جس وقت وہ کسی کام کے لئے اللہ تعالی کی بارگاہ کی طرف متوجہ اور ملتفت ہوتے ہیں۔ اللہ تعالی ان کے دلی ارادے پر ہی ان کی مراد پوری فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے حضرت رسالت ماب صلعم کو فرمایا کہ

قد نری تقلب وجھک فی السماء فلنو لینک قبلة ترضھا

یعنی ہم نے آپ کو آسمان کی طرف منہ اٹھاتے دیکھا۔ پس ہم آپ کے لئے اپنا بیت الحرام قبلہ مقرر کرتے ہیں۔ جس کی آپ کو خواہش ہے۔ یہاں قبلے کے لئے کہیں سوال یا درخواست وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ صرف اس خواہش اور ارادے کی تکمیل کے لئے آسمان کی طرف منہ پھیرنے اور اللہ تعالی کی بارگاہ کی طرف متوجہ اور ملتفت ہونے کا ذکر ہے۔

ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں۔ کہ کسی بزرگ کی قبر پر دعوت قرآن پڑھنے میں قبر پرستی کا شائبہ اور شمہ تک نہیں ہوتا۔ یہ تو محض عامل اور کامل لوگوں کا عمل دعوت قرآن کے ذریعے روحانی کسی مشکل مہم میں امداد لینے کا ایک باطنی طریقہ ہے۔ اس میں نہ تو بزرگ کی قبر کو سجدہ کرنے یا بوسہ دینے وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ اس عمل دعوت القبور میں کوئی ناچیز غیر شرع الفاظ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اور نہ کوئی اس قسم کی ناروا حرکت یا ناواجب فعل اہل دعوت سے صادر ہوتا ہے کہ جس پر از روئے شرع

شریف کوئی گرفت ہو یا حرف آئے۔ لیکن بعض کم ظرف خشک مزاج لوگ قبر کا نام سن کر آگ بگولا ہو جاتے ہیں اور بڑ بڑا اٹھتے ہیں کہ دیکھو جی یہ تو محض قبر پرستی اور صریح شرک کی تعلیم ہے۔ بھلا اگر کسی بزرگ کے مزار کے پاس بیٹھ کر محض قرآن پڑھنا شرک ہے تو ان لوگوں کے اس بلیسانہ توحید سے ہمارا یہ شرک لاکھوں درجہ بہتر ہے۔ شیطان نے بھی آدم علیہ السلام کے سجدے سے انکار کیا تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں تو لاکھوں برس سجدوں میں سر مارتا رہا تھا۔ اور توحید تو حید اور لا اسجد لغیر اللہ کے دم مارتا رہا تھا۔ سو شیطان کمال توحید سے لعنتی اور راندہ درگاہ رب العالمین ہو گیا۔

گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

سو اس شیطانی توحید سے اللہ تعالیٰ ہر مومن کو امان دیوے۔ غرض اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء اور اولیاء کی تعظیم و تکریم یا ان کی قبروں سے استمداد کے انکار میں برائے نام شیطانی موحدین کا جذبہ حسد اور کبر کارفرما ہے۔ اور یہ نار حسد و کبر ان کے تمام خرمن عمل و طاعت کو ایک دم میں جلا کر راکھ کر دیتا ہے حدیث

فان الحسد یا کل الحسنات کما تاکل النار الحطب

یعنی حسد انسان کی نیکیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ سو دعوت القبور ایک بھاری قرآنی عمل ہے۔ اور صرف زندہ دل عارف عامل کامل لوگ ہی کسی ولی کی قبر پر دعوت قرآن پڑھ کر روحانی کو حاضر کر سکتے ہیں۔ اور روحانی کی رفاقت اور استعانت سے اپنی مشکل مہم حل کر سکتے ہیں۔ عام نفسانی مردہ دل لوگ اگر تمام عمر قبر پر قرآن پڑھتے رہیں۔ نہ روحانی کو حاضر کر سکتے ہیں اور نہ اپنے کام میں ان سے مدد لے سکتے ہیں۔

ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ اہل یورپ اپنے روحانی حلقوں کے اندر گانے

بجانے کے ذریعے ایک میڈیم کی وساطت سے مختلف سفلی روحوں کو حاضر کر سکتے ہیں۔اور ان سے ملاقی اور ہم کلام ہوتے ہیں۔تو اللہ تعالیٰ کا کامل عامل بندہ قرآن پاک کے ذریعے روحانی کو حاضر نہیں کر سکتا؟ سو روحانی اپنی قبر کے غار میں سانپ اور اژدہا کی طرح اپنے باطنی برزخی خزانے پر کنڈ مارے بیٹھا ہوتا ہے۔اگر کوئی مردہ دل نفسانی شخص روحانی کو بے وجہ چھیڑتا ہے یا اس کی باطنی دولت کو چھوتا ہے تو روحانی اسے اس طرح باطنی ڈنگ لگاتا ہے کہ نفسانی فوراً بیمار ہو کر یا دیوانہ اور مجنون ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔لیکن جس وقت اہل دعوت عامل کامل کسی روحانی کی قبر کے غار پر قلندر کی طرح قرآن کی بین بجانی شروع کرتا ہے۔تو روحانی قرآنی بین کی آواز سن کر اپنے غار قبر سے باہر نکل آتا ہے۔اس وقت آواز قرآن سے مست ہو کر قلندر اہل دعوت کا مطیع اور منقاد ہو جاتا ہے۔اور کامل اہل دعوت روحانی کو اپنی گرفت میں پکڑ کر اس کے باطنی برزخی خزانے میں سے اپنی مراد کے موافق اپنا حصہ لے لیتا ہے۔سو کسی ولی اللہ کی قبر پر دعوت پڑھنا اور اپنی مشکل مہم حل کرنا خالہ جی کا گھر نہیں ہے بلکہ بڑا مشکل اور جان جوکھوں کا کام ہے۔اہل دعوت کا باطنی لطیفہ نور قرآن کی ثقالت سے وزنی اور بھاری ہو کر بحر عالم غیب میں ڈوب جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انا سنلقی علیک قولا ثقیلا یعنی ہم تم پر قول ثقیل اتارنے والے ہیں۔اور عامل اہل دعوت کے صخرہ دل کے اندر سے لطیفہ قلب مچھلی کی طرح نور آب حیات قرآن سے زندہ ہو کر بحر عالم غیب میں تیرنے اور چلنے لگ جاتا ہے۔اور عالم غیب اور عالم شہادت کے مجمع البحرین میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ خضر مثال روحانی سے جا کر ملاقی ہوتا ہے۔جیسا کہ ہم پچھلے صفحوں میں بیان کر آئے ہیں قولہ تعالیٰ

اذ قال موسیٰ لفتہ لا ابراج حتی ابلع مجمع البحرین او امضی حقبا الخ فوجد عبدا من عبادنا اتینہ رحمۃ من عندنا وعلمنہ من لدنا

پس موسیٰ علیہ السلام نے پایا ہمارے خاص بندوں میں سے ایک باطنی و روحانی بندے خضرؑ کو جسے ہم نے اپنی خاص رحمت سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ اور اسے اپنی طرف سے خاص باطنی علم عطا فرمایا تھا۔

باطن میں دعوت کے مختلف طور طریقے ہیں۔ بعض اہل دعوت کو اہل قبر سے خواب کے اندر اپنے کام کے سرانجام ہونے کی بشارت مل جاتی ہے۔ بعض کو مراقبے کے اندر بعض کو دل کے اندر غیب سے آگاہی ملتی ہے۔ بعض کو الہام ہوتا ہے بعض کو صحیح وہم سے بعض کو مضغہ قلب لحم سے، بعض کو مطالعہ لوح محفوظ سے اعلام ہو جاتا ہے۔ بعض کو ارواح مقدسہ کے ذریعے اشارات ملتے ہیں بعض کی ظاہری اور باطنی آنکھ ایک ہو جاتی ہے۔ اور خواب و بیداری ایک ہو جاتی ہے۔ اور اپنا باطنی غیبی معاملہ اس طرح علی الاعلان اور عیاں طور پر دیکھتا ہے جس طرح انسان پردہ سیمیں پر فلم کا تماشہ دیکھتا ہے۔ اور اگر روحانی اہل قبر کامل ہے۔ اور اہل دعوت عمل دعوت میں عامل ہے۔ تو جس مشکل کام اور مہم کے لئے ہر دو متحد ہو جاتے ہیں تو وہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل اور قدرت سے ضرور سرانجام ہو جاتا ہے۔ اور وہ جلدی یا بدیر ضرور اسی طرح سرانجام اور ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اہل قبر روحانی کے بھی مختلف منازل اور مدارج ہوتے ہیں۔ بعض اہل قبر روحانی اہل جلال ہوتے ہیں۔ ایسے روحانی اہل قبر کے مزار پر اگر کسی دشمن کی زبونی یا ہلاکت کے لئے دعوت پڑھی جائے۔ تو وہ ایسے کام میں بہت مستعدی ظاہر کرتے ہیں۔ بعض روحانی اہل قبور سخت بیماریوں اور لا علاج امراض کی شفا اور تداوی میں خوب مدد دیتے ہیں۔ بعض کی قبر پر دعوت پڑھنے سے رزق اور روزی میں خوب کشائش ہوتی ہے بعض روحانی کی قبر سے علم کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اور ذہن و فہم میں خوب طاقت اور قوت پیدا ہو جاتی ہے اور حافظہ تیز ہو جاتا ہے۔ بعض اہل قبور سے انسان کا روزینہ مقرر ہو جاتا ہے۔ اور وہ معین روزینہ

بلا ناغہ ضرور ملتا رہتا ہے۔ مذکورہ بالا فوائد آسانی سے جلدی اہل دعوت کو روحانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور اگر اہل دعوت بڑا صاحب کمال ہے۔ اور اہل قبر بھی زبردست روحانیت کا مالک ہے۔ تو ایسی حالت میں قبر پر دعوت پڑھنے سے فریقین کو کمال لازوال فوائد حاصل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بعض کامل عامل اثناء دعوت میں روحانی کو اس طرح اپنے ساتھ باطنی رشتے سے منسلک کر لیتا ہے کہ وہ تمام عمر اہل دعوت کی قید میں رہتا ہے۔ اور جہاں جس وقت چاہے اس سے کام اور خدمت لیتا ہے۔ بعض روحانی سے اہل دعوت عہد و پیمان لے لیتا ہے۔ یعنی روحانی اس سے پکا اور پختہ وعدہ کر لیتا ہے۔ کہ جس جگہ جس وقت اور جس کام کے لئے تم ہم کو طلب کرو گے ہم خدمت کے لئے تیار اور مستعد رہیں گے۔ بعض روحانی کی قبر پر دعوت پڑھنے سے اہل دعوت کی زبان نور کن سے مترشح ہو جاتی ہے۔ اور وہ صاحب لفظ ہو جاتا ہے۔ اور اس کی زبان سیف الرحمٰن بن جاتی ہے۔ اور جس کام کے لئے منہ کھولتا ہے۔ اور جس امر کے لئے زبان ہلاتا ہے کہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے امر سے جلدی یا دیر سے ضرور ہو جاتا ہے۔ اور کبھی خطا نہیں کرتا۔ بعض اہل قبر پر دعوت پڑھنے سے اہل دعوت کو لوح محفوظ کا مطالعہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ماضی، مستقبل اور حال کے احوال پر آگاہی پاتا رہتا ہے۔ بعض اہل قبر پر دعوت پڑھنے سے باطنی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اور زمین کے نیچے پرانے دفینے نظر آ جاتے ہیں۔ اور جو زرہ جواہر زمین کے اندر دبے پڑے ہیں اسے معلوم ہوتے ہیں۔ اور جس قدر چاہے نکال کر خرچ کر سکتا ہے۔ اور اس عمل کے ذریعے دنیا سے مستغنی اور لا یحتاج رہتا ہے۔ بعض اہل قبور پر دعوت پڑھنے سے اہل دعوت کو کیمیا اکسیر کا ہنر حاصل ہو جاتا ہے۔ اور باطن میں موکلات اسے ہنر کیمیا سکھا دیتے ہیں۔ کہ کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ اور وہ تانبے سے سونا اور قلعی سے چاندی بنا لیتا ہے۔ اور لوگوں سے بے نیاز اور لا یحتاج ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے۔ مہوس لوگ تمام عزیز عمر کیمیا کی طلب میں

صرف کر دیتے ہیں۔اور پارہ گندھک اور ہڑتال وغیرہ پھونکنے اور جلانے میں اپنی کمائی خرچ کر دیتے ہیں لیکن انہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔اور جھوٹے، مکاروں اور شعبدہ بازوں کے ہاتھوں دھوکے کھا کر کف افسوس ملتے رہتے ہیں۔غرض یہ عمل بھی روحانیوں اور باطنی غیبی موکلات کے ذریعے حاصل ہو جاتا ہے۔بعض اہل قبر پر دعوت پڑھنے سے موکلات سنگ پارس کی نسبت اشارات اور بشارت دیتے ہیں کہ یہ سنگ پارس پہاڑ کے اندر پڑا ہوا ہے اسے اٹھا لو اور جس قدر چاہو اس سے سونا بنا لو۔بعض روحانی اہل قبور کی قبر پر دعوت پڑھنے سے اہل دعوت کو روحانیوں کی مجالس کھل جاتی ہے۔اور اہل دعوت جہاں کہیں بیٹھے مراقبہ کرتا ہے۔باطن میں طیر سیر کر کے روحانیوں کی باطنی مجلسوں اور محفلوں میں شامل اور داخل ہوتا رہتا ہے۔اور ان سے ملاقی اور ہم صحبت ہو کر ان سے فیض حاصل کرتا رہتا ہے۔اور اس کے علاوہ اور بھی بہت بھاری باطنی نعمتیں اہل دعوت کو روحانیوں سے حاصل ہوتی رہتی ہیں۔جن کا قیاس بھی انسان نہیں کر سکتا۔اور جن کا یقین عوام کیا خواص بھی مشکل سے کر سکتے ہیں۔

ناظرین یقین جانیں کہ یہ مذکورہ بالا باتیں خالی گپیں اور ڈھکو سلے نہیں ہیں بلکہ ٹھوس حقیقتیں ہیں۔لیکن یہ باطنی بھاری عظیم الشان نعمتیں جسے اللہ تعالیٰ چاہے عنایت فرماتا ہے

ذلک فضل الل یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم

لیکن دعوت القبور کی کلید اور کنجی حاصل کرنا ایک امر محال ہے۔جب تک کوئی شخص موت سے پہلے اپنے آپ کو اللہ تعالےٰ کے راستے اور اس کی محبت میں فنا نہ کر ڈالے۔اور اپنی ہستی کو تخم اور بیج کی طرح مٹی کے اندر نیست اور نابود نہ کر دے زندہ پائندہ اور سر سبز ہر گز نہیں ہوت۔اغرض علم تصور اسم اللہ ذات حضور اور عمل دعوت قبر نہایت مشکل اور دشوار کام ہے۔بعض بے وقوف، احمق نادان کسی کتاب میں عمل

دعوت القبور پڑھ لیتے ہیں۔ اور اپنے خام خیال سے قبروں پر دعوت پڑھنے لگ جاتے ہیں اور روحانی اہل قبر سے رجعت کھا کر تمام عمر مرض اور رنج میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یا دیوانہ اور مجنوں ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ غرض نفسانی کو اس عمل میں اپنے خام خیال سے خود بخود ہرگز قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔

کاربور ن نیست بخاری

اب ہم ناظرین کے مزید اطمینان قلب اور ازدیادِ یقین کی خاطر اسی علم دعوت کے متعلق ایک دو مختصر سے اپنے واقعات اور عینی مشاہدے بے کم و کاست بیان کئے دیتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کے واقعات پڑھنے سے دعوت کی اصلی حقیقت اور اس کی نوعیت اہل مطالعہ پر نہایت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دعوت کیا چیز ہے اور کیوں کر رواں ہوتی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ان واقعات کو جھوٹ اور نمائش خیال کریں گے یا یہ قیاس کریں گے کہ یہ فقیروں اور صوفیوں کے محض اپنے خیالات اور واہمات ہوتے ہیں۔ جو انہیں اپنے جوش طبیعت کے سبب متشکل ہو کر نظر آتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ محض اپنے فریب نظر اور قوت واہمہ کی کارستانیاں ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ عالم الغیب دلوں کی نیت اور حقیقت حال سے اچھی طرح واقف اور آگاہ ہے۔ اور اسی کا علم ہمارے لئے کافی ہے۔ کفی علمه بحالی

ایک دفعہ یہ فقیر رات کو اکیلا ایک بزرگ کی قبر پر دعوت پڑھنے کی غرض سے گیا اور جب ظاہر سورۃ مزمل باترتیب پڑھ کر روحانی کی طرف مراقب اور متوجہ ہوا تو میرے باطنی لطیفے نے باہر نکل کر درود، فاتحہ اور پھر درود شریف پڑھا۔ تو یہ فقیر فوراً بحر عالم غیب میں ڈوب گیا۔ اور مچھلی کی طرح روحانی کی برزخی منزل کی طرف سیدھا چلا گیا۔ جب اس منزل کے قریب گیا تو مجھے روحانی کے ذکر جہر نفی اثبات لا الــٰـه لا الـلّـــه کی آواز سنائی دی۔ اور میں اس منزل کے اندر داخل ہوا۔ اس کی سفید گھنی ڈاڑھی، گول چہرہ سر مونڈھا ہوا تھا۔ میں نے جاتے ہی اس کے ساتھ مصافحہ کیا۔

ہاتھ ملانے کے بعد اس نے مجھے کہا کہ وہ آئندہ ہمیشہ ہر جگہ میری امداد کے لئے حاضر ہوا کرے گا۔ چنانچہ اس روحانی کو اپنایا، رفیق اور امدادی پایا۔

ایک دفعہ یہ فقیر ایک بزرگ کی قبر پر دعوت پڑھنے کی غرض سے رات کو گیا۔ جب اس فقیر نے دعوت کی نیت سے قبر کے اردگرد بانگ پڑھی تو روحانی فوراً حاضر ہو گیا۔ اور اس کی قبر شیر کی طرح مہیب اور خوفناک شکل اختیار کر گئی۔ اور اس سے رعب اور جلال ٹپکنے لگا۔ اس کے بعد میں نے قبر کے قریب کئی بار با ترتیب سورۃ مزمل پڑھی اور وہاں سے اٹھ کر قبر کے قریب اپنی خواب گاہ میں لیٹ گیا۔ اور روحانی کی طرف اپنی باطنی ہمت کے ساتھ متوجہ ہوا۔ اور معاً بجلی کی چمک کی طرح ایک نور میری آنکھوں میں چمکا۔ اور اس نور نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور میں اس روحانی کے بڑے وسیع برزخی مقام میں داخل ہو گیا۔ اور گو میں بظاہر حافظ قرآن نہیں ہوں۔ مگر میرے باطنی وجود نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ اور تمام قرآن ابتداء بسم اللہ سے لے کر انتہاء والناس تک ختم کر ڈالا۔ اس کے بعد میری زبان پر سورۃ مزمل جاری ہو گئی۔ اور میں اس برزخی مکان کے اندر روحانی کے ہمراہ پرندے کی طرح اڑتا اور چکر لگاتا رہا۔ اس کے بعد روحانی نے میری دونوں بغلوں میں ہاتھ ڈال کر مجھے بچے کی طرح اوپر کو اٹھا کر عالم بالا میں اڑا لیا۔ اور مجھے ایک ایسے مکان میں جا اتارا جو اللہ تعالیٰ نے نوری اسماء سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ اسی مکان کے اندر میں نے اپنے آپ کو بیدار ہوتے اور آنکھ کھولتے دیکھا۔ اور جب میں اپنی خواب گاہ پر بیدار ہوا۔ تو مجھے ظاہری آنکھوں سے بھی وہ مکان مع نوری اسماء عیاں طور پر نظر آنے لگ گیا۔ اس دعوت سے مجھے کمال فائدہ حاصل ہوا۔ چنانچہ جب کبھی میں تین چار دفعہ سورۃ مزمل پڑھ کر مراقبہ کرتا۔ تو مجھے فوراً غیبت اور استغراق حاصل ہو جاتا۔ اور باطن میں طیر سیر کرنے لگ جاتا۔ اور روئے زمین کے تمام روحانیوں سے باری باری ان کے برزخی مقامات پر ملاقات کرتا۔ اور ان سے فیوضات اور برکات

حاصل کرتا۔اس فقیر نے بہت قبروں پر دعوتیں پڑھی ہیں۔جن کی تفصیل بہت لمبی ہے۔اور یہ چند واقعات بطور مشتے نمونہ از خروارے ہدیہ ناظرین کر دیئے ہیں۔ شاید دنیا میں کبھی کسی سعادت مند اور نیک بخت طالب کا ان واقعات کو پڑھنے کا اتفاق ہو۔اور یہ تجربہ اس کے لئے اطمینان قلب کا موجب اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث بنے۔کیوں کہ دنیا میں طالب تشنہ مستی کے لئے ایسی باتیں آب حیات کا کام دیتی ہیں۔اور کور چشم نا اہل لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات پیدا ہوتے ہیں۔کسی طرح ان باتوں پر یقین نہیں لاتے۔بلکہ الٹا اور بگڑنے لگ جاتے ہیں۔اور یضل به کثیرا کے مصداق ہوتے ہیں۔

قبروں پر دعوت پڑھنے کے لئے سب سے زیادہ آسان اور موزوں دعوت سورۃ مزمل کی ہے۔لیکن جب تک اس دعوت کی کلید اور کنجی کسی کامل عامل سے حاصل نہ ہو۔اور طالب زندہ دل نہ ہو جائے۔یہ دعوت رواں اور جاری نہیں ہوتی۔اور بغیر کلید اور اذن و اجازت دعوت کا پڑھنا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔خواہ تمام عمر کلام پڑھتا رہے۔اور چلے وغیرہ کرتا رہے۔حضرت سلطان العارفین قدس سرہ فرماتے ہیں ہر کہ می خواند مزمل در ہر دو جہان می شود کامل و مکمل یعنی جو شخص سورۂ مزمل با ترتیب پڑھتا ہے وہ دونوں جہان میں کامل اور مکمل ہو جاتا ہے۔اس کے بعد بڑی بھاری اور جامع دعوت سورۃ یسین کی ہے۔کیونکہ احادیث میں آیا ہے کہ یسین قرآن مجید کا دل ہے۔سورۃ یسین کے تمام موکلات علوی ہیں لیکن سورۃ مزمل کے موکلات ہر دو علوی اور سفلی ملے جلے ہیں۔سورۃ یسین دعوت جمالی ہے۔لیکن سورۃ مزمل کی دعوت ہر دو جمالی اور جلالی صفات کی حامل ہے قرآن کا دل سورۃ یسین ہے اور یسین کا دل، مغز اور بزرگ آیت سلام قولا من رب رحیم ہے۔اس آیت کی دعوت میں بہت عجیب وغریب راز اور اسرار ہیں۔افسوس ہے کہ بوالہوس لوگ اسے اپنے نفسانی اغراض اور دنیوی مقاصد میں استعمال کرتے ہیں۔اس واسطے نا لائقوں

اور نا اہلوں کے سامنے اس قسم کے سر بستہ قیمتی رازوں کا افشاء مناسب نہیں ہے۔

اس کے بعد سورۃ ملک تبارک الذی اور سورۃ انا فتحنا دعوت القبور کے لئے بہت موزوں اور مناسب ہے سورہ انا فتحنا کا ہر حرف، لفظ اور آیت نور جلال سے پر اور مملو ہے۔ اور مقہوری اعداء اور دشمنوں کے استیصال کے لئے نہایت تیر بہدف اور کارگر مہلک حربہ ہے۔ اگر کسی موقع پر مسلمان اور کفار و مشرکین کے درمیان لڑائی ٹھن جائے۔ تو عامل کامل اہل دعوت کو چاہیے کہ جنگل بیابان میں جہاں پاک ریت ہو یا دریا کا کنارہ ہو۔ وہاں دو رکعت نفل بہ نیت فتح اسلام و شکست کفار پڑھے۔ اور تین نام نمرود، شداد، قارون ایک کاغذ کے ٹکڑے اپنے دونوں پاؤں کے نیچے رکھ کر دو رکعت نفل پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۃ یسین ختم کرے۔ اور دوسری رکعت میں سورۃ انا فتحنا پڑھے۔ اور جس وقت دوگانہ ختم کرے تو سجدے میں جاوے اور اپنے ہاتھ کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف رکھے۔ اور سجدے کے اندر تین دفعہ یہ دعا پڑھے۔

اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم واجعلنا منھم واخذک من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ولا تجعلنا منھم

بدھ، جمعرات اور جمعہ تین روز کم از کم یا ایک ہفتہ متواتر یہ دعوت پڑھے۔ اگر اہل دعوت عامل اور کامل ہے تو کفار اور مشرکین کو جلدی ہزیمت اور شکست مل جائے گی اور اسلام کو فتح اور غلبہ حاصل ہو گا۔ اگر سورۃ یسین اور انا فتحنا یاد نہ ہو تو آیت

لقد جاء کم رسول من انفسکم (الی) علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم

ان دو سورتوں کا نعم البدل ہو سکتا ہے لیکن تعداد ذرا زیادہ کرنی پڑتی ہے۔ اس سے دوسرے اعداء کو بھی مقہور اور مغلوب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کا طریقہ اور ترتیب

الگ ہے۔

اگر کوئی شخص سورہ یسین کو عمل میں لانا چاہے تو چاہیے کہ جنگل بیابان میں دریا کے کنارے جہاں پاک ریت ہو۔ انگلی کے ذریعے ریت پر حضرت محمد مصطفے ﷺ کی قبر کا نشان بنائے اور اس پر لکھے

قبر محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبر کے اردگرد لکھے

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھسا الذین امنو صلو علیہ وسلمو تسلیما

اور تین دفعہ آیت مذکور پڑھے۔ بعدہ قبر کے سرہانے قبلہ رخ کر کے دوگانہ نفل یوں ادا کرے کہ پہلی رکعت میں سورہ یسین چھ دفعہ اور دوسری رکعت میں سورہ یسین پانچ دفعہ پڑھے۔ بعدہ سورت **ملک** ختم کر کے اس کا ثواب حضرت محمد مصطفے ﷺ اور جملہ انبیاء مرسلین، صدیقین، شہداء اور صالحین اور بزرگان دین اولین وآخرین خصوصاً جملہ اصحاب کبار اور ائمہ مجہدین اور جملہ مومنین اور مسلمین کی ارواح کو بخشے۔ یہ دعوت بھی زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ یا کم از کم بدھ جمعرات اور جمعہ کو تین روز متواتر پڑھے۔ اگر اہل دعوت صاحب استعداد اہل توفیق ہے۔ تو دوران دعوت میں حضرت محمد مصطفے ﷺ کی زیارت فیض بشارت سے خواب یا مراقبے کے اندر یا اعلانیہ طور پر مشرف ہو جائے گا۔ اور آں حضرت ﷺ اہل دعوت کو کلید دعوت عطا فرما دیں گے۔ اور اس سورہ شریفہ کے جملہ موکلات اہل دعوت کے تابع ہو جائیں گے۔ یہ دعوت مستجاب الدعوات کہلاتی ہے۔ ویسے قرآن مجید کی تمام سورتوں اور آیتوں میں دعوت کی تاثیر ہے۔ اور قرآن مجید کے نور پر ہر قسم کے علوی اور سفلی موکلات اس طرح گرتے ہیں جس طرح شہد کے چھتے پر شہد کی مکھیاں گرتی ہیں۔ دعوت پڑھتے وقت حامل کامل اہل دعوت کا دل بعینہ شہد کا چھتہ بن جاتا ہے۔ اور نور قرآن شہد کی طرح اس سے ٹپکتا اور رستا ہے۔ اس کی ابتدائی ادنیٰ علامت یہ ہے کہ قرآن پڑھتے

وقت اہل دعوت کی زبان اس طرح میٹھی ہو جاتی ہے کہ گویا کسی نے منہ میں شہد گھول دیا ہے۔ اور بھینی بھینی خوشبو آنے لگتی ہے اور دل میں رقت، لذت اور سرور پیدا ہوتا ہے۔ اور گا ہے جسم بھاری اور ثقیل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بڑی سورتوں میں یہ چار سورتیں قرآن کے اعضاء رئیسہ میں شمار ہوتی ہیں اور ان کے پڑھنے سے بڑی زبردست دعوت جاری ہوتی ہے۔ اول سورۂ مزمل، دوم سورہ یسین، سوم سورہ **ملک** اور چارہ سورہ انا فتحنا اور چھوٹی سورتوں میں (1) الحمد شریف یعنی سورہ فاتحہ (2) آیت الکرسی (3) سورہ والضحیٰ (4) سورہ الم نشرح (5) سورۃ اخلاص (6) اول رکوع سورہ حدید

سبح للہ ما فی السموت والارض سے لے کر والی اللہ ترجع الامور تک آخری رکوع سورہ حشر یا یھا الذین امنو اتقو اللہ سے لے کر وھو العزیز الحکیم تک آخر رکوع سورہ بقرہ للہ ما فی السموت وما فی الارض سے لے کر فانصرنا علی القوم الکفرین تک

قرآن کے یہ چھوٹے ٹکڑے اور سورتیں دعوت پڑھنے کے لئے بہترین چیزیں ہیں۔ قرآنی آیتوں کے یہ چھوٹے اجزاء قرآن کی بڑی سورتوں بلکہ قرآن کا نعم البدل بن جاتے ہیں۔ جس طرح ایک پھل کے اندر تمام درخت مندرج اور شامل ہوتا ہے۔ اور ہر ڈالی میں کوئی نہ کوئی پھل ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن کی ہر ڈالی کے اندر تمام درخت شامل اور داخل ہے۔ غرض دعوت اور تلاوت قرآن کی یہ ایک نرالی صفت ہے۔ کہ جو چیز تمام قرآن کی دعوت اور تلاوت سے حاصل ہوتی ہے وہ اس کے جز اور ٹکڑے سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ آیا ہے

فاقرء وا ما تیسر من القران

یعنی پڑھو قرآن میں سے ہو جس کا پڑھنا تمہارے لئے آسان ہو اور حدیث میں

آیا ہے کہ سورہ اخلاص یعنی قل شریف کا تین دفعہ پڑھنا ثواب اور برکت میں تمام قرآن کے برابر ہے۔ اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ تمام قرآن سورۃ فاتحہ یعنی الحمد شریف میں شامل اور مندرج ہے۔ اور سورہ فاتحہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اسم اللہ ذات میں بالقوہ اس طرح مندرج اور شامل ہے جس طرح پھل اور گٹھلی کے اندر درخت اور پودا ہوتا ہے۔

ہم عرفان کے پہلے حصے میں اس حقیقت کو پوری طرح بے نقاب کر چکے ہیں کہ اسم اللہ ذات کے اندر قرآن مجید کس طرح شامل اور داخل ہے۔ اور قرآن مجید کیوں کر اسم اللہ ذات سے ظہور پذیر ہوا ہے۔ جب کہ پہلی بار جبرائیل امینؑ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غار حرا میں وحی قرآنی لائے اور آپؐ سے کہا کہ اقراء یعنی پڑھ تو آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ انا لیس بقاری یعنی میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ میں کیا پڑھوں۔ جبرائیلؑ نے آپؐ کو تین بار سینے میں دبایا اور ہر بار کہتے رہے کہ اقراء یعنی پڑھ اور تیسری بار جب تخم اسم اللہ ذات آپؐ کے سینے میں منتقل کر کے فرمایا کہ اقرا تو آپؐ کی زبان حق ترجمان میں سے شجر قرآن کی پہلی شاخ سورہ اقراء کی صورت میں نمودار ہوئی۔ چنانچہ اس پہلی نازل شدہ سورت کا مضمون خود اس بات کا شاہد ہے

اقراء باسم ربک الذی خلق

یعنی اے محمد صلعم تو قرآن اپنے رب کے اسم کی برکت سے پڑھ جس نے مخلوق کو ایک لفظ کن سے پیدا فرمایا۔ سو وہ خالق تمام شجر قرآن کو اسی طرح اپنے اسم کی برکت سے آپؐ کے اندر ظاہر اور ہویدا فرمائے گا۔ اب بھی جس عارف کامل سالک کے اندر اسم اللہ ذات کا تخم اللہ تعالےٰ کے فضل سے قائم ہو جاتا ہے۔ اور فیض کے آب حیات سے سرسبز ہو جاتا ہے تو ایسے عارف کامل کی زبان پر قرآن جاری ہو جاتا ہے۔ سو جس طرح اللہ تعالیٰ کا امر کن تمام کائنات کی تخلیق کا باعث ہوا۔ اسی طرح

اسم اللہ ذات تمام قرآن کے اجراء کا موجب بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسم اللہ ذات اللہ تعالیٰ کے امر کن کا مترادف اور نعم البدل ہے جیسا کہ حضرت پیر محبوب سبحانی قدس سرہ کا ارشادگرامی ہے بسم اللہ من عارف باللہ لکن من اللہ یعنی عارف باللہ کی بسم اللہ حق تعالیٰ کے کن کے برابر ہے یا دوسرے لفظوں میں جو عارف باللہ کسی کام کے لئے اسم اللہ کہہ دیتا ہے وہ کام جلد یا بدیر ضرور ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح اسم اللہ ذات اسم اعظم کا کام دیتا ہے اور تمام کائنات اس اسم کی تسخیر اور تصرف میں ہے قولہ تعالیٰ

وسخر لکم ما فی السموت وما فی الارض جمیعا منہ

(ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سب کچھ جو زمین اور آسمان میں ہے مسخر کردیا ہے اپنے نام کی برکت سے

ہم نے عرفان کے پہلے حصے میں اسم اللہ ذات کے ذاتی اسم ہونے کے ثبوت میں بہت کچھ عقلی اور نقلی دلائل پیش کئے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ذاتی اسم خاص طور پر ہمارے آقائے نامدار خاتم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو عطا کیا گیا تھا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان تک تمام پیغمبروں کو آسمانی کتابوں اور صحیفوں اور جملہ زبانوں اور زمانوں میں یہ اسم کسی نہ کسی صورت اور ہیئت میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے دلوں، دماغوں اور زبانوں پر مسلط اور جاری رہا ہے۔ جس کے ذریعے لوگ اپنے خالق اور مالک کو یاد کرتے تھے۔ اور اپنے معبود حقیقی کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آج بھی دنیا کی پرانی زبانوں اور ملکوں میں اسم کا کھوج ملتا ہے۔ اور یہ اس اسم کی ابتدائی اسلامی اور ذاتی اسم ہونے کی علامت ہے اس اسم کا تلفظ بھی عجیب ہے۔ اگر اس اسم کے حروف ایک ایک کرکے علیحدہ کئے جائیں۔ تب بھی اس کی اسمیت اور ذاتیت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ چنانچہ اسم اللہ کا پہلا حرف اگر حدور کیا جائے تو للہ رہ جاتا ہے۔ اور یہ بھی اس کی ذات پر دلالت کرتا ہے قولہ

تعالیٰ للہ ما فی السموت وما فی الارض اوراگر دوسرا حرف لام دور کریں تو لہ رہ جاتا ہے قولہ تعالیٰ لہ ما فی السموت وما فی الارض اوراگر دوسرام لام دور کیا جائے ھو رہ جاتا ہے۔ اوروہ بھی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اس اسم میں اصلی حرف لام ہے۔ اور الف اور ہا محض بطور حرکت اور حرف علت لگائے گئے ہیں۔ سو جس طرح پھل کے اندر درخت بالقوہ موجود ہوتا ہے اس طرح اس اسم کے اصلی حرف ل کو صور بسیط میں ل ام یا ال م کر کے لکھیں تو جس طرح حرف واحد ل میں تینوں حروف ال م مندرج ہیں اسی طرح اسم اللہ ذات کے اندر تمام قرآن مندرج اور شامل ہے۔ چنانچہ اسی راز کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ابتدائی حروف مقطعات میں اشارہ فرمادیا ہے۔ الم ذلک الکتاب لا ریب فیہ یعنی جس طرح حرف ال م بالقوہ موجود ہیں۔ اسی طرح تمام کتاب اسم اللہ ذات میں مندرج اور داخل و شامل ہے۔ نیز قرآن میں اور دوسری آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مذکر کے صیغے میں ظاہر فرمایا ہے۔ اور کائنات اور مخلوق کو مونث کے صیغے میں ادا فرمایا ہے۔ اور جس طرح پیدائش میں آدم کو حوا پر مقدم کیا ہے۔ اور مرد کو عورت پر فوق، غالب اور افضل ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ آیا ہے۔

الرجال قوامون علی النساء

اسی لئے اپنی ذات کو ہر جگہ مذکر کے صیغے میں ادا فرمایا ہے۔ تاکہ دہریوں کے اس خیال کا بطلان ظاہر ہو کہ مادہ پہلے موجود تھا۔ اور بعدہ اس میں خود بخود ارتقاء نمو اور تخلیق کی صفت پیدا ہوئی جس طرح بعض نادان دہری مزاج لوگ کہہ دیتے ہیں کہ انڈہ پہلے تھا یا مرغی۔ اس سے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مادے یعنی (Matter) پر غالب، قاہر، قادر اور متصرف ہے۔ جب ہم پرانی زبانوں میں لفظ اللہ کا کھوج لگاتے ہیں تو اس کو کسی نہ کسی صورت اور ہیئت میں تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ موجود پاتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ہم پرانی زبانوں کا نقشہ پیش کرتے ہیں

نمبر شمار	نام زبان	لفظ	معنی	نمبر شمار	نام زبان	لفظ	معنی
1	سمارین	لا	بلند	5	اکاڈین	آلو	قادر
2	ـ	لو	اونچا	6	عبرو، یہالی	ال	قوی
3	بربر	ال	اعلیٰ	7	سیرین	ھلا	مضبوط
4	کورین	الا	اوپر	8	ملائی	الو	ازلی

ذیل کی زبانوں میں لفظ اللہ کے اصلی حرف ل کو خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے اظہار میں استعمال کیا گیا ہے۔

نقشہ

نمبر شمار	زبان	لفظ	معنی
1	سیرین Syrian	الوحا	اللہ
2	اکاڈین Accadian	لو	اللہ
3	فینشین Phoenician	الون	اللہ
4	عبرانی Hebrew	ال الیاہ	اللہ
5	ہیٹین Hiatian	لوا	اللہ

6	فنشن Finnish	لویا	اللہ

غرض اللہ تعالیٰ کا نام اور کلام مسلمانوں کا اصلی قدیمہ ورثہ اور روحانی ہتھیار ہے اوراس کی بدولت مذہب اسلام دنیا میں قاہر، غالب اور زندہ وتابندہ رہا ہے۔

پہلے زمانے کے جانباز، پاکباز اور متقی فرزندان اسلام کے پاس محض روحانی ہتھیار اور باطنی اوزار ہی تو تھے۔ جن کی بدولت چند گنتی کے مسلمان تمام دنیا پر چھا گئے تھے۔ ان کے اخلاق اور بلند کردار کو دیکھ کر لوگ ان کے سچے دین کو دل و جان سے قبول کرتے تھے۔ اور جو قومیں محض جہالت، تعصب اور حسد و عناد کی وجہ سے ان کی دعوت اسلام سے برسر انکار اور پیکار ہوتے تھے۔ مسلمان انہیں اپنے ظاہری اور باطنی ہتھیاروں سے کاٹ کر رکھ دیتے تھے۔ اور خلق خدا کو ان اعدائے دین الٰہی کے ظلم وستم، جاہلانہ رسم و رواج اور شرک اور کفر کے باطل بے ہودہ عقائد سے نجات دلا دیتے تھے۔ چونکہ ان مسلمانوں کا ہر فعل اور کام اللہ کے لئے تھا۔ اور اس آیت کے سچے مصداق تھے

قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین

اس لئے اللہ تعالیٰ اور اس کی ظاہری اور باطنی تائید ان کے ہمراہ تھی۔ کوئی اور ملت خواہ وہ تعداد اور ظاہری اور مادی طاقت میں کتنی زبردست اور طاقتور ان کے مقابلے میں آئی۔ پاکباز اور جانباز مسلمانوں کے ہاتھوں انہیں شکست فاش ہوئی۔ مطابق من کان للہ کان اللہ لہ وہ اللہ کے لئے تھے اللہ ان کے لئے تھا۔ اس قسم کے مٹھی بھر انسانوں کا مقابلہ تمام دنیا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ایسے لوگوں سے لڑنا اللہ تعالیٰ سے لڑنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ قادر اور قوی کے مقابلے میں عاجز مخلوق کی کیا طاقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بے سروسامان اور نادر مگر ایمان دار مسلمانوں نے اپنے

شکستہ نیزوں اور کند تلواروں سے قیصر و کسریٰ جیسے زبردست بادشاہوں کے تخت و تاج الٹ دیئے۔ روئے زمین کی عظیم الشان اور مضبوط حکومتوں کو بیخ و بن سے اکھیڑ ڈالا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ سچا ہے۔ کہ وہ مومنوں کو غالب اور حاکم رکھتا ہے۔ کبھی غیروں سے مغلوب اور محکوم نہیں کرتا جیسا کہ ارشاد باری ہے

ولا تھنو ولا تحزنو او انتم الا علون ان کنتم مومنین

اے مومنو! تم نا امید نہ ہو ٔ اور غم نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم اہل ایمان ہو اور اسی کے مطابق حدیث میں ہے کہ الاسلام یعلود والا یعلی علیہ یعنی اسلام ہمیشہ غالب رہے گا اور کبھی مغلوب نہ ہوگا۔ ہم آج غیروں کے ہاتھوں اس لئے ذلیل اور محکوم ہیں کہ ہم میں نہ تو شعائر اسلام ہیں اور نہ نور ایمان، صرف نام کے مسلمان ہیں اور اخلاق و عادات میں کنار اور مشرکین سے بدتر ہیں۔ پھر ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم اللہ تعالی کا شکوہ اور شکایت کریں کہ اس نے کنار اور فساق کو ہم پر کیوں حاکم اور مسلط کیا ہے۔ اللہ تعالی کے ہاں مومن و متقی کا بڑا بھاری درجہ ہے۔ اور اس کی بارگاہ میں ایمان دار آدمی کی بڑی قدر اور عزت ہے۔

اسلام کے اہل سلف متقی مومنوں نے تمام دنیا کو زیر نگین کر لیا تھا۔ ہمارے اسلاف میں علماء عاملین اور اولیاء کاملین کی پاک اور برگزیدہ ہستیاں تھیں۔ جن کی بدولت اسلام چار دانگ عالم میں حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پھیل گیا تھا۔ اسلامی فتوحات کا یہ حیرت انگیز معجزہ ابھی تک دانایان فرنگ کے دماغ کو دنگ اور حیران کئے ہوئے ہے۔ اور یہ عقدہ قیامت تک ان کے دماغوں میں اسی طرح اٹکا رہے گا۔ اور کبھی حل نہ ہوگا جب تک اسلام کی یہ روح و روان یعنی روحانی اور باطنی طاقت کے مالک اولیاء کرام کی پاک ہستیاں اس قوم کی پشت پناہ رہیں۔ ان کے دم قدم سے مسلمان اپنی اصلی صفت الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ کا مصداق بنا رہا۔ اور ہر میدان میں غالب، قاہر اور فاتح بنا رہا۔ ورنہ کہاں عرب کے صحرائی بادیہ نشین

اونٹوں اور بکریوں کے چرواہے اور کہاں قیصر و کسریٰ اور شام و روم اور مصر کے جاہ وحشمت اور دولت و ثروت والی زبردست حکومتیں مگروہ کیا چیز تھی۔ جس نے اس وحشی بادیہ نشین جاہل اور اکھڑ قوم کو علم، ہنر، شرافت، تہذیب تمدن اور عقل و فراست اور تمام ظاہری و باطنی اوصاف حمید اور اخلاق سعیدہ سے آراستہ و پیراستہ کر دیا تھا۔ اور تمام دنیا میں ملکی صفات سے ممتاز اور ملکی فتوحات سے سرفراز فرمادیا تھا۔ وہ محض نور ایمان اور جوہر اسلام تھا۔ اور وہ اس سراج منیر یعنی آفتاب عالم تاب حضرت رسالت مابﷺ کے پاک مقدس وجود کی نوری آفتابی کرنیں اور شعاعیں تھیں۔ جس نے آپؐ کے صحابہ کرامؓ کے ظاہر و باطن، صورت و سیرت، خلق و خلق اور جسم و جان کو نور اسلام و ایمان اور عرفان کو منور کر دیا تھا۔ اور وہ یا تو بمصداق الاعراب اشد کفر او نفاقا نکلے پتھروں کی طرح سنگ دل لوگ تھے۔ یا آپ کی صحبت کیمیا اثر سے بقول اصحابی کالنجوم آسمان کمال کے درخشندہ ستارے بن گئے۔ مسلمان نور ایمان کے ذریعے بمقتضائے

اشداء علی الکفار رحماء بینھم

ایک دوسرے سے متحد و متفق، یک دل و یک جان، رفیق و شفیق اور ایک دوسرے پر رحیم اور مہربان بنے ہوئے تھے۔ اور یہی چیز اس ملت آوارہ کا شیرازہ اور رشتہ تھا۔ جس نے تمام امت کے افراد کو تسبیح کے دانوں کی طرح مربوط اور منسلک کیا ہوا تھا۔ اور اس امر ربی کے مطابق کہ

واعتصمو بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقو

سب اسلام اور ایمان کی مضبوط رسی کو پکڑے ہوئے اور اسی میں ایک دوسرے کے ساتھ جکڑے ہوئے تھے۔ اسی اخوت اسلامی اور اتحاد ایمانی کے جذبے اور سپرٹ کے تحت مسلمان ایک دوسرے پر جان و مال قربان کرتے تھے۔ اور یہی چیز ان کی تمام دنیوی مہمات اور ملکی فتوحات میں کامیابی اور کامرانی کا موجب اور

باعث بنی رہی ہے۔

اسلام میں ہمیشہ روحانی قوت اور باطنی طاقت نے مادی حکومتوں اور ظاہری سلطنتوں کی آستینوں میں ید اللہ (قدرت کا ہاتھ) بن کر دین اور مذہب کی تبلیغ اور توسیع کا کام کیا ہے۔ جملہ انبیاء بنی اسرائیل مثلاً داؤد علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور دیگر تمام انبیاء خصوصاً ہمارے آقائے نامدار سرورِ انبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفائے راشدینؓ کے تمام فاتحانہ کارناموں میں ہمیشہ روحانی طاقت اور آسمانی ہمت کارفرما رہی ہے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر ہمیشہ ملائکہ یعنی آسمانی کمک فوج در فوج امداد کے لئے اترتی رہی ہے۔ اور اسی روحانی و باطنی امداد کی بدولت اسلامی فوجیں اور دیگر موحدین جیوش باوجود بے سروسامانی کے

کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله

کے مطابق اپنے سے دس گنا دشمن پر فتح پا لیتے تھے۔ اس قسم کی لڑائیوں کی مثالیں قرآن کریم میں بہت مذکور ہیں کہ جن میں ملائکہ یعنی فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے آسمان سے نازل ہوتے رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کے دوش بدوش کنار سے لڑتے رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا یہ ہمیشہ اصول اور قاعدہ چلا آیا ہے کہ وہ اپنے دنیوی کاروبار اور ملکی مہمات میں اپنے باطنی تصرف اور روحانی ہمت کو استعمال کرنے سے حتی الوسع احتراز اور اجتناب کرتے رہے ہیں۔ اور اکثر اوقات رضا بقضائے الٰہی کا شیوہ اور صبر و توکل کا طریقہ اختیار کر کے یہ کہتے ہیں کہ

وافوض امری الی الله ان الله بصير بالعباد

یعنی ہم اپنا معاملہ اللہ تعالےٰ کے حوالے کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات کا خود نگہبان اور نگران ہے۔ مگر سخت مجبوری اور اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے باطنی امداد، غیبی تائید اور آسمانی کمک کے طلب گار اور مستدعی ہوئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی دنیا کے اس دارالامتحان اور عالم اسباب میں ہمیشہ اسباب

کے پردے میں اپنے بندوں سے اپنی راہ میں جدوجہد اور سعی و کوشش کی خدمت لیتے رہے ہیں۔ اور اپنی قدرت کے ہاتھ کو اسباب کی آستین میں چھپا کر کام کرتے ہیں۔ اور گاہے گاہے شاذونادر سخت ضرورت کے وقت اپنے خاص برگزیدہ جانباز بندوں کی خاطر قدرت کے ہاتھ پر سے اسباب کی آستین اتار کر ننگے ہاتھوں اپنی قدرت کے معجزات اور کرامات ظاہر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرشتے اکثر مسلمانوں کے دلوں کو لڑائی کے موقع پر تقویت اطمینان اور تسلی پہنچانے کی خاطر آسمان سے نازل ہوتے رہے ہیں۔ جس سے مسلمانوں کے دلوں میں ہمت، جوانمردی اور شوق شہادت کا جذبہ اور ان کے جسموں اور جانوں میں غیر معمولی طاقت اور قوت پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ ورنہ ایک فرشتہ لاکھوں انسانوں کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک حاکم یا سردار اپنے لڑکے کو اپنے نوکر کے بچے سے کشتی لڑنے اور مقابلہ کرنے کا امر کرتا ہے۔ اور سردار کا لڑکا اپنے باپ کے حکم کی فوراً تعمیل کر کے محض اس کی خوشنوری اور رضامندی حاصل کرنے کی خاطر میدان میں کود پڑتا ہے۔ اور اپنے نوکر کے بچے سے کشتی اور مقابلے پر اتر آتا ہے۔ اور اس کے ساتھ کشتی لڑنے لگ جاتا ہے۔ اب باپ اپنے بچے کے جذبہ اطاعت اور جوش فرماں برداری کو پاس کھڑا ہو کر دیکھ رہا ہوتا ہے کہ کس طرح میرا بچہ اپنی ساری ہمت اور پوری طاقت میرے حکم کی تعمیل اور میری خوشنودی کے حصول میں صرف کر رہا ہے۔ اب اگر خدانخواستہ ایسے موقع پر سردار کا اپنا بچہ گرنے لگ جاتا ہے۔ تو باپ خفیہ طور پر اپنے ہاتھ کا سہارا دے کر اپنے بچے کو گرنے سے بچا لیتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کی اپنے برگزیدہ اور فرماں بردار بندوں کے ساتھ آسمانی امداد اور تائید غیبی کی بھی یہی صورت رہی ہے۔ تاکہ دنیا کے دارالحکمت اور دارالامتحان میں اسباب کا پردہ بھی چاک نہ ہو۔ اور ساتھ ہی مسلمان اور موحدین اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد اور غزاء کی جزاء اور ثواب کے مستوجب اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں اپنی جان و

مال قربان کرنے کے عوض آخرت کے ابدی انعام واکرام کے مستحق ہو جائیں ۔قولہ تعالیٰ

اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملئکة مردفین و ما جعله الله الا بشریٰ ولتطمئن به قلوبکم وما النصر الا من عندالله ان الله عزیز حکیم

(ترجمہ) جب تم اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول فرمائی ۔اور ہم نے ایک ہزار فرشتوں کے نزول اور اظہار سے تمہاری امداد فرمائی اور یہ غیبی امداد کا معاملہ اس لئے کیا گیا ۔تاکہ تم کو ایک گونہ بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو اطمینان اور تسلی حاصل ہو ۔ورنہ فتح اور نصرت تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ غلبے اور حکمت والا ہے ۔مذکورہ بالا آسمانی امداد محض مسلمانوں کے دلوں کو اطمینان اور تسلی دینے کے لئے اتاری گئی تھی ۔اس میں فرشتوں کو لڑنے کا حکم نہیں تھا ۔ایک اور جگہ ارشاد ہے

اذ یوحی ربک الی الملئکة انی معکم فثبتو الذین امنو سالقه فی قلوب الذین کفرو الرعب فاضربوا فوق الاعناق واضربو منهم کل بنان

(ترجمہ) اور جب اے نبیؐ! تیرے رب نے وحی کی فرشتوں کہ کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔پس تم ثابت قدم رکھو میدان جنگ میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں ۔ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں خوف اور رعب ڈالنے والے ہیں ۔پس مارو ان کی گردنیں اور ان کو ہر پور اور بند بن میں کاٹو

یہاں قدرت کے ہاتھ پر سے اسباب کی آستین اتار کر امداد فرمائی گئی ۔چنانچہ اصحابؓ فرماتے ہیں کہ ایسے امداد کے موقعوں پر ہم فرشتوں کو اجنبی لوگوں کی صورت میں اپنے دوش بدوش لڑتے دیکھا کرتے تھے ۔اور گا ہے ہم کسی کافر کو مارنے کا ارادہ

کرتے تھے۔تو اس کا سر خود بخود پہلے کٹ جایا کرتا تھا۔چنانچہ اس قسم کے واقعات حضرت سرورکائناتﷺ کے غزوات میں عام ہوا کرتے تھے۔اور بعض صاحب بصیرت باطنی اصحاب بارہا فرشتوں کو ابلق گھوڑوں پر سوار آسمان سے اترتے اور ان کے دوش بدوش کافروں سے لڑتے دیکھا کرتے تھے۔اور بے شمار صحیح روایتوں میں ان کی شہادتیں موجود ہیں۔اور اس قسم کے واقعات سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کے ان برگزیدہ بندوں یعنی انبیاء اور اولیاء نے مشکل مہمات اور لڑائیوں کے موقعوں پر اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کی ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے اپنی غیبی لطیف مخلوق یعنی ملائکہ اور ارواح کی رفاقت سے ان کی امداد فرمائی ہے۔اس امداد کے مختلف طور طریقے اور الگ الگ صورتیں ہوتی رہی ہیں۔بعض دفعہ جب کبھی کچھ لوگ پیغمبروں پر ایمان لاکر ان کے ہمراہ ہو جایا کرتے تھے اور کفار سے لڑتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ مومنوں کی امداد کے لئے آسمانوں سے فرشتے نازل فرماتے۔جن کی مدد سے تھوڑے مسلمان اپنے سے دس گنا کافروں پر غالب آجاتے۔جیسا کہ اوپر کی آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے لیکن جب کبھی ساری قوم کی قوم بگڑ جاتی تھی اور انکار اور پیکار پر اتر آتی تھی تو اس وقت اللہ تعالیٰ عالمگیر آفاقی حادثے سے انہیں ہلاک کر دیتے تھے۔جیسا کہ نوح علیہ السلام کی تمام قوم کو عالمگیر طوفان میں غرق کردیا تھا۔ فرعون بے عون کو اپنے لشکر سمیت دریائے نیل کی لہروں میں بہا کر ہلاک کر ڈالا تھا۔لوط علیہ السلام کی قوم کے تین سو شہروں کو زلزلے اور بھونچال سے تہ و بالا کر دیا تھا۔عاد،ثمود اور صالحؑ کی قوموں کو اس قسم کی عالمگیر آفتوں سے فنا کردیا تھا۔

اب بھی اللہ تعالیٰ کے غیبی سٹور اور آسمانی میگزین میں اس سے بدرجہا زبردست قہرمانی طاقتیں موجود ہیں۔جن کے سامنے ایٹم بموں اور ہائیڈروجن بموں کی کوئی حقیقت نہیں ہوسکتی۔لیکن اب نہ تو روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی ایسی برگزیدہ و محبوب ہستیاں موجود ہیں۔اور نہ اس قسم کے جانباز جاں نثار مومن نظر آتے ہیں۔جن کی

خاطر اللہ تعالیٰ زمین پر اسباب کا پردہ چاک کر کے اپنے دست قدرت کا مظاہرہ فرمانے کی ضرورت محسوس کرے۔آج خود ہمارے خودغرض سیاسی اور ملکی لیڈروں یعنی نام نہاد ناخداؤں کے ہاتھوں اسلام کا بیڑہ غرق ہوتا نظر آرہا ہے۔آج دنیا انسان نما حیوانوں اور درندوں سے بھری پڑی ہے۔کہیں کہیں خال خال کوئی اصلی حقیقی معنوں میں انسان نظر آتا ہے۔

یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا۔بلکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں

ولقد ذرانا لجهنم كثيرا من الجن والانس لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها اولئک کالانعام بل هم اضل اولئک هم الغفلون

(ترجمہ) ہم نے جن وانس میں سے اکثروں کو جہنم کے لئے تیار کیا ہے۔ان کے دل ہیں جن سے وہ نہیں سوچتے ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ نہیں دیکھتے۔ان کے کان ہیں جن سے وہ نہیں سنتے۔وہ نرے حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر وہ لوگ اللہ سے غافل ہیں۔

آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے

سیاتی زمان علی امتی لا یبقی من الاسلام الا رسم ولا یبقی من الایمان الا اسم

یعنی میری امت پر ایسا زمانہ آئے گا کہ نہیں باقی رہے گا اسلام میں سے مگر رسم اور رواج اور نہیں باقی رہے گا ایمان سے مگر خالی نام آج وہی زمانہ ہے کہ اسلامی ارکان بطور رسم و رواج محض نمائش اور دکھلاوے کے لئے ادا کئے جاتے ہیں۔اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا مطلق دخل نہیں ہوتا۔اور صرف نام کے مومن دنیا میں موجود ہیں۔نام سنو تو ابراہیم کہلاتے ہیں۔لیکن نفاق اور رعونت میں نمرود سے بڑھ کر ہیں۔نام موسیٰ ہے اور ظلم اور سرمایہ داری میں قارون اور فرعون

کے کان کتر ڈالے ہیں۔نام کے غلام محمد اور غلام احمد ہیں۔لیکن کئی ابو جہل اور یزید گریبان میں ڈال رکھے ہیں۔غرض اس قسم کے مسلمانوں کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔کیا ہوا کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے اور مسلمان نام رکھ لیا۔ جب کہ اعمال اور افعال میں کفار سے بھی بدتر ہیں۔اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو صحیح راستہ دکھائے۔اور اپنے نام اور کلام کی چاشنی چکھائے۔ورنہ حالت بہت خراب نظر آرہی ہے۔

پہلے زمانے کے مسلمان بادشاہوں کی ملکی فتوحات میں اس زمانے کے برگزیدہ اولیاءکرام کی باطنی ہمت اور روحانی توجہ کارفرما تھی۔جس کی بدولت وہ اپنے سے تعداد اور طاقت میں بہت زیادہ اور زبردست قوموں پر فتح پا لیتے تھے۔وہ مسلمان بادشاہ اولیاءکرام کو اپنا اصلی پشت پناہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے روئے زمین کے حقیقی وارث اور اولوالامر اور مالک سمجھتے تھے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصلحون فی ھذا البلغا لقوم عبدین

(ترجمہ)ہم نے اپنی کتاب زبور میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تعریف کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ میری زمین کے اصلی اور حقیقی وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔سو میرے اس فرمان میں عبادت گذار لوگوں کے لئے بڑی اچھی بشارت ہے۔کہ جو شخص میری زمین کی اصلی اور حقیقی وراثت اور باطنی حکومت کا طلب گار ہو۔وہ اس چیز کو میرے ذکر کی کثرت اور عبادت سے حاصل کرسکتا ہے۔لہذا پہلے زمانے کے مسلمان بادشاہ اولیاءکرام کو روئے زمین کے اصلی وارث اور اولا الامر حاکم سمجھتے تھے۔اور اپنے آپ کو ان کا ظل اور سایہ خیال کرتے تھے۔اور اپنی حکومت کا قیام اور استحکام ان کی روحانی قوت اور باطنی تصرف کے طفیل جانتے تھے۔لہذا وہ دوربین، دانش مند اور دیندار بادشاہ اولیاءکرام کی دل و جان سے زندگی میں اور بعد

ازمرگ پوری قدر اور عزت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اکثر پہلے مسلمان بادشاہ خصوصاً مغلیہ خاندان کے بڑے جلیل القدر بادشاہ یعنی جلال الدین اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب وغیرہ اکثر حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کو پا پیادہ چل کر جایا کرتے تھے۔شاہ جہان بادشاہ حضرت میاں میر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ بگوش غلام تھے۔اور اکثر پا پیادہ چل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔آج کل کے بعض الحاد زدہ اور دہری مزاج لوگ پرانے زمانے کے بادشاہوں کے اس قسم کے عقائد اور اعمال کو ان کی تو ہم پرستی اور سادہ پن پر محمول کرتے ہیں۔کیونکہ مغربی تعلیم نے ہماری قوم کے دلوں اور دماغوں کو مادہ پرستی اور ملحدانہ خیالات سے ماؤف اور مسموم کر دیا ہے۔جس سے اکثر لوگوں کے قلوب مذہبی طور سے مر چکے ہیں۔اور ان کا مذہبی احساس بالکل مفقود ہو چکا ہے۔ اور بعض جو اس تعلیم کے اثر سے کسی طرح بچ گئے ہیں۔اور اس تعلیم کی عام فضا میں وبائی اثر سے متعدی لا علاج امراض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ جب اللہ والوں نے دیکھا کہ راعی اور حاکم ہوس رانی اور جذبات نفسانی کا شکار ہو گئے ہیں۔اور رعایا اور عوام کے قلوب مذہبی لحاظ سے بیمار ہو گئے ہیں۔اور ان طبیب القلوب کو معلوم ہوا کہ ملکی حکومت و سلطنت ظاہری جاہ و حشمت اور نفسانی عیش و عشرت مسلمانوں کے دین و ایمان کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔تو انہوں نے مسلمانوں کی بہتری اسی میں جانی کہ یہ ظاہری دولت و ثروت اور ملکی جاہ و حشمت ان کے ہاتھوں سے چھین لی جائے، گھی اور گوشت اگر چہ بظاہر مرغوب اور عمدہ غذا ہے۔لیکن دانا اور دور اندیش باپ اپنے بیمار بچے کے منہ سے نکال کر اسے کتوں کے آگے ڈالنا پسند کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغو فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء

(ترجمہ) اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رزق فراخ کر دیوے تو البتہ وزمین پر اللہ تعالیٰ سے باغی ہو جائیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے اندازے پر ملکفی رزق فرماتے ہیں۔ جو ان کی بغاوت کا باعث نہ بن سکتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا۔

ربنا انک اتیت فرعون وملاہ زینۃ وامو الا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلو عن سبیلک ربنا اطمس علی امو الھم وشدد علی قلو بھم فلا یو منو حتی یرو العذاب الا الیم

(ترجمہ) کہ اے اللہ تو نے فرعون اور اس قوم کو دنیا کی آسائش و آرائش اور بکثرت مال و دولت عطا کی ہے۔ اور یہ باتیں تیرے راستے سے ان کی گمراہی کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ اے اللہ! ان کے مال و دولت کو مٹا دے اور ان کے دلوں کو سختی سے پکڑ لے۔ یہ لوگ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک یہ بھوک اور افلاس کا درد ناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

ایک دفعہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنی عسرت اور تنگی کی شکایت کی۔ اور عرض کیا کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے رزق کی تنگی اٹھا لے اور ہمیں کشادہ اور وسیع روزی عطا فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے میرے اصحابؓ! میں تمہارے افلاس اور تنگی رزق سے اتنا خائف نہیں ہوں۔ جتنا تمہاری وسعت اور فراخی رزق سے ڈرتا ہوں۔ چنانچہ دنیا کی فراوانی اور ملکوں کی حکمرانی نے بعض اصحاب کو آپس کے خانگی جھگڑوں اور لڑائیوں میں اس طرح مبتلا کر دیا کہ یا تو افلاس اور ناداری کے دنوں میں ان کے اندر

انما المومنون اخوۃ اور رحما بینھم

کا نقشہ نظر آتا تھا۔ اور ایک دوسرے پر جان و مال قربان کرتے تھے یا خلافت اور حکومت کی خانگی لڑائی اور جھگڑوں نے انہیں ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیا۔

غرض دنیوی کشائش اور وسعت اور دنیوی حکومت اور سلطنت اکثر ایمان کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتی ہیں۔ ہمیشہ ایمان اور اسلام افلاس اور ناداری کی فضا میں پھلتے پھولتے رہے ہیں۔ اور پھر شرک اور نفاق کے شجر ملعونہ کے پھلنے پھولنے کے لئے کثرت دنیا کا ماحول بہت موافق اور سازگار رہتا ہے۔ اقبال مرحوم نے اس بارے میں کیا اچھا کہا ہے

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پاس رکھتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
امراء نشہ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضاء غرباء کے دم سے

غرض اگلے بادشاہ خود دیندار اور متقی تھے۔ ان کے دلوں میں دین اور دینداروں کی کافی قدر اور منزلت تھی۔ اور وہ اپنی دنیوی دولت کو اکثر دین اور مذہب کی خدمت میں صرف کرتے تھے۔ لہٰذا دینی پیشوا اور روحانی رہنما یعنی اولیاء کرام ان کی ملکی اور دنیوی مہمات میں ہر جگہ اپنی باطنی ہمت سے ان کے معاون اور مددگار رہا کرتے تھے وہ بادشاہ اپنی رعایا کے سچے ہمدرد اور غم خوار تھے۔ اور رعایا بھی ان کی دل و جان سے فرماں بردار تھی۔ ان بادشاہوں کی حکومت خالی جسموں پر نہیں تھی بلکہ وہ رعایا کے قلوب پر بھی حکمران تھے۔ کیونکہ باطنی اولاالعزم لوگ جن کا تصرف قلوب اور ارواح پر رہتا ہے۔ باطنی طور پر ان کے ہم دم و ہم جسم تھے۔ اور ہر وقت ان کے ہمراہ اور پشت پناہ تھے۔ اگرچہ اس زمانے میں نہ تو آج کل کی طرح آمد و رفت کے لئے کوئی موٹریں، ریلیں اور ہوائی جہاز تھے اور نہ پیغام رسانی کے ایسے تیز ذرائع مثلاً ٹیلی فون، ٹیلی گراف، ریڈیو اور وائرلیس وغیرہ موجود تھے۔ اور بادشاہ ہزاروں

میل دور رہتا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کی حکومت اور سلطنت کا باطنی اثر تمام ملک میں جاری اور ساری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ ہر گھر میں موجود ہے۔ جب تک اولا الامر اہل اللہ اور باطنی متصرفین کا سایہ ان کے سر پر رہتا تھا۔ کسی کو ان کے حکم سے سرتابی اور بغاوت کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ کیوں کہ وہ حکومت اللہ والوں کے دم اور قدم سے دلوں پر قائم تھی۔ خلاف آج کل کی حکومتوں کے جن کی محض جسموں پر حکومت ہے۔ اور دل ان سے سخت متنفر اور بیزار ہیں۔ طرح طرح کے سیاسی مکر اور فریب استعمال کیے جاتے ہیں۔ ضروریات زندگی اور لوازمات حیات پر قبضہ اور کنٹرول جما رکھا ہے۔ گھر گھر خفیہ پولیس اور سی آئی ڈی والے تعینات کر دیئے گئے ہیں۔ ہر شخص کی زبان اور قلم پر مہر لگا رکھی ہے۔ اور خلق خدا کو جکڑنے اور پھانسنے کے لئے نت نئے سیاسی داؤ پیچ اور تازہ ہتھکنڈے ایجاد کئے جاتے ہیں اس کے علاوہ ہر جگہ آناً فاناً میں پہنچنے کے لئے ہوائی جہاز موجود ہیں۔ اور طرفتہ العین میں ہزاروں میل کی خبریں ہر وقت پہنچتی رہتی ہیں۔ اور نہتے بے سروسامان، مفلوک الحال، کمزور اور ناتواں رعایا کی سرکوبی اور ہلاکت کے لئے ہوائی جہاز، ٹینک اور ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تیار کر رکھے ہیں لیکن پھر بھی ہر وقت بغاوت اور سرکشی کا خطرہ اور خدشہ لاحق ہے۔ بھلا ایسے ظلم و جبر اور اکراہ کی حکومتوں سے کیا حاصل اور ایسی عارضی حکومتیں کب تک قائم رہ سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نت نئے انقلابات رونما ہوتے ہیں۔ ہزاروں معصوم اور بے گناہ تختہ دار پر لٹکائے جاتے ہیں۔ یا گولیوں سے اڑائے جاتے ہیں۔ اور بے شمار غریبوں کو محض شک اور شبہ میں جلس دوام کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ لیکن پھر بھی بغاوت اور فتنہ وفساد کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔

کہتے ہیں کہ عالم گیر اورنگ زیب بادشاہ کا ایک شہزادہ کسی بات پر اپنے والد سے ناراض اور منحرف ہو کر ایک راجہ کے پاس چلا گیا تھا۔ اور اس راجہ کے ہمراہ اپنے

والد کے قتل و ہلاکت اور اس کی اسیری و معزولی کے منصوبے اور سازشیں کرنے لگا اورنگ زیب کو جب اس کا پتہ لگا تو چند سپاہی ہمراہ لے کر اس طرف سیر و شکار کے بہانے چلا گیا۔ سپاہیوں کو جنگل میں چھوڑ کر خود ایک نوکر کے ہمراہ اس راجہ کے دار الحکومت میں جا نکلا۔ اور اپنے گھوڑے کو باہر باندھ کر خود ایک مسجد میں جا بیٹھا۔ اور اپنے نوکر کے ہاتھ ایک پروانہ راجہ کے نام اس مضمون کا لکھا کہ میں آج اتفاقاً تیرے دار الحکومت میں آ گیا ہوں۔ اور مجھے ایک ضروری کام کے لئے تجھ سے ملنا ہے۔ فلاں مسجد میں تمہاری ملاقات کا منتظر ہوں۔ غرض اس پروانے پر شاہی مہر ثبت کر کے ایک نوکر کے ہاتھ راجہ مذکور کے ہاں بھیج دیتا۔ نوکر کو حسب دستور اسی وقت راجہ کے پاس حاضر کیا گیا۔ نوکر نے جاتے ہی بادشاہ کا خاص پروانہ پیش کیا۔ مزید زبانی گفتگو سے جب راجہ کو معلوم ہوا کہ بادشاہ اورنگ زیب بہ نفس نفیس اس کے دار الحکومت میں اچانک آ گیا ہے تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اور حیرت سے دم بخود ہو گیا۔ اسی وقت فوراً مع ارکان سلطنت مسجد کی طرف پا پیادہ روانہ ہو گیا۔ جب اس کی نظر بادشاہ کے چہرے پر پڑی تو خوف اور ہراس کی وجہ سے کانپنے لگا۔ مسجد میں داخل ہو کر بصد ادب و احترام بادشاہ کا کورنش بجا لایا۔ اور دست بستہ بادشاہ کے سامنے بمع تمام ارکان سلطنت کھڑا ہو گیا اور حکم کا منتظر رہا۔ بادشاہ نے اسے اپنے قریب بیٹھنے کا حکم دیا۔ اس وقت گرمی کا موسم تھا۔ اور بادشاہ کو پسینہ آیا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اسے اپنی قمیص کے بٹن کھولنے کے لئے کہا۔ راجہ کے ہاتھ مارے خوف کے کانپ رہے تھے۔ اس نے ہر چند کوشش کی لیکن وہ گردن کے ساتھ والے پہلے بٹن کو نہ کھول سکا۔ بادشاہ نے اسے اپنا خنجر جو اس وقت اس کے پاس تھا راجہ کے حوالے کر کے حکم دیا کہ اس خنجر سے بٹن کاٹ ڈالو۔ اب چونکہ معاملہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک اور نازک صورت اختیار کر گیا۔ کہ ادھر تیز خنجر تھا۔ اور ادھر بادشاہ کے نازک گلو کے متصل والا بٹن کاٹنے کا حکم تھا۔ راجہ کے چہرے پر مارے خوف کے

ہوائیاں اڑنے لگیں۔کئی دفعہ کوشش کی لیکن مارے خوف کے خنجر ہاتھ سے گر پڑتا۔ آخر عرض کی کہ جہاں پناہ! یہ غلام حضور کی اس خدمت سے قاصر اور معذور ہے۔ غرض بادشاہ نے وہ خنجر راجہ مذکور کے ہاتھ سے چھین کر اپنے پاس رکھ لیا۔اور اس سے یوں مخاطب ہوا کہ اے نادان بیٹے! اورنگ زیب اس وقت اکیلا بے یارومددگار اور بغیر فوج وسپاہ تیری مملکت میں بیٹھا ہے۔اور اس کا خنجر تیرے ہاتھ میں اور اس کا گلا تیری انگلیوں میں ہے۔اور باوجود اس کے حکم اور فرمائش کے اور اپنی بار بار کوشش کے تو اس کی قمیص کے ایک معمولی بٹن کاٹنے پر قادر نہیں ہو سکا۔تو پھر کس طرح میرے لڑکے کے ہمراہ میرے قتل اور ہلاکت کے منصوبے باندھتا پھرتا ہے۔ اب تجھے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہمارے سر پر ظل الٰہی ہے۔اور ہم اس کے امر سے حکومت کر رہے ہیں۔جب تک وہ ظلم ہمایوں سر پر قائم ہے۔کوئی شخص ہمارا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔اس کے بعد آپ نے اس راجہ کو معزول کر دیا۔اور اس کے بعد اس کے بیٹے کو جانشین کر دیا۔غرض یہ حال تھا ان بادشاہوں کا جو صحیح معنوں میں ظلم الٰہی تھے۔اور جن پر حقیقی وارث الارض اولا الامر اولیاء کرام سایہ فگن تھے۔اور جو ہر حال میں ظاہر باطن ان کے ہمراہ اور پشت پناہ تھے۔افسوس ہے غیر ملکی حکمرانوں نے ہماری درسی تواریخوں میں ہمارے عادل، منصف مزاج، دیندار اور راسخ دین بادشاہوں کو نہایت غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔اور انہیں حد درجہ کے لالچی، متعصب، ظالم اور عیاش ثابت کیا ہے۔اور ان کی بجائے اپنے ملک کے نیم وحشی، جاہل، اکھڑ اور اجڈ بادشاہوں اور اپنے فوجی جرنیلوں کی تعریف اور توصیف کا ہماری تاریخی کتابوں میں ایسے ناروا اور غلط پراپیگنڈے کا ڈھنڈورا پیٹا ہے کہ انہیں ہمارے پیغمبروں سے بھی آگے بڑھا دیا ہے۔چنانچہ جن دنوں یہ فقیر کالج میں پڑھتا تھا تو ان دنوں ایک کتاب الفریڈ دی گریٹ (Alfred the Great) ہمارے انگریزی کورس میں شامل تھی۔کتاب کے مصنف نے اس میں جا بجا الفریڈ

دی گریٹ کے اخلاق، عادات اور اطوار کا ہمارے آقائے نامدار احمد مختار حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے اخلاق اور عادات سے موازنہ اور مقابلہ کیا تھا۔ اور الفریڈ کو ہمارے مجموعہ خلق عظیم اور معدن اوصاف کریم ﷺ کی ذات والا صفات سے بہتر اور برتر ثابت کیا تھا۔ جو بہترین از جملہ انبیاء مرسلین اور محبوب رب العالمین ہیں۔ اور جن کی حمد و توصیف سے دن رات زمین و آسمان گونج رہے ہیں۔ سو اس قسم کی بے ہودہ کتاب کو ہماری نصاب تعلیم میں داخل کرنے سے سوائے اس کے اور کیا غرض ہو سکتی تھی کہ ہمارے صادق و مصدوق اور محبوب خالق و مخلوق پیغمبر کو ہماری نظروں میں ایک ادنیٰ قسم کے ظالم حکمران کی صورت میں پیش کیا جائے۔ اور ہمارے اسلامیہ کالج کے مسلمان پروفیسر اس قسم کی لغو کتاب پڑھانے اور ہم اس کے پڑھنے اور یاد کرنے پر مجبور تھے۔ ایسے موقعہ پر ہم صرف یہی کچھ کہہ سکتے ہیں۔

چراغ مردہ کجا شمع آفتاب کجا
ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

سولہویں اور سترہویں صدی سے پہلے کے یورپین حکمرانوں اور بادشاہوں کے کیا بلکہ ان کے پیشواؤں اور روحانی راہنماؤں یعنی پاپائے اعظموں کے زندگی کے حالات کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان میں بربریت اور سفاکی کے وہ ہولناک نمونے اور خاکے نظر آتے ہیں کہ جن کے سامنے چنگیز اور ہلاکو خاں کے خون ریز کارنامے ماند اور محو پڑ جاتے ہیں۔ مسلمان بادشاہوں میں محمود غزنوی اور عالمگیر اورنگ زیب بڑے عادل نیک اور دین دار بادشاہ ہو گذرے ہیں۔ چنانچہ ان کی قبروں میں بھی آج روحانی زندگی کے آثار اور انوار نظر آتے ہیں۔ اور ان کی تربتوں کی عزت اور توقیر بھی آج تک قائم اور برقرار ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ تواریخ کے اندر ان کو بالکل غلط رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ غرض اسلام میں ہمیشہ روحانی قوت اور باطنی طاقت نے مادی حکومتوں اور ظاہری سلطنتوں کی آستینوں میں ید اللہ اور قدرتی ہاتھ بن کر

حیرت انگیز کشور کشا کام کئے ہیں۔

سلطان محمود غزنوری کے ہندوستان پر تمام حملوں میں کامیابیوں اور حیرت انگیز فاتحانہ کارناموں کا راز محض اس زمانے کے پاکباز کامل فقراء اور روحانی طاقت کے حامل درویشوں کی باطنی توجہ اور روحانی ہمت میں مضمر تھا۔ جو کہ فولادی متحرک قلعوں کی طرح سلطان مذکور کے ہمراہ بطور باطنی اور روحانی پشت پناہ رہا کرتے تھے۔ اور ہر طرح کی امداد کیا کرتے تھے۔

حضرت ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا سلطان محمود کو مشکل مہمات اور ملکی فتوحات کے لئے اپنا خرقہ مبارک تبرکاً عطا کر کے روانہ کرنے کا قصہ عام مشہور اور سلطان محمود کا اپنی بے سروسامان فوج کے ہمراہ اتنے دشوار گذار پہاڑوں اور خشک ریگستانی علاقوں سے گذرنا اور اتنا دور دراز سفر پیدل طے کر کے ہندوستان جیسے زرخیز، دولت مند، گنجان آبادم ہنر مند اور مہذب ملک کے تمام راجوں مہاراجوں کے متفقہ اور متحدہ یعنی مرکزی تیرتھوں اور بڑے مشہور مندروں پر حملے کرنا اور ہزاروں راجوں مہاراجوں کے تیغ ہندی سے مسلح گتکا باز کھتری اور راجپوت سورماؤں اور تیز رفتار گھوڑوں، سانڈنیوں اور قوی ہیکل ہاتھیوں کے سوار رسالوں کو شکست فاش دینا اور ایک ایک سپاہی کا دو دو سو ہندو قیدیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح آگے لگا کر غزنی لے جانا روحانی طاقت کا معجزہ نہیں تھا تو اور کیا تھا؟ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اس زمانے کے ہندو لوگ بزدل اور ڈرپوک تھے۔ اور فنون حرب اور کمالات جنگ و جدل سے بے بہرہ تھے۔ لیکن یہ ان مورخین کا محض باطل خیال ہے۔ بھلا جس قوم کی عورتیں اپنی عزت اور ننگ و ناموس کی خاطر ستی ہو کر اور زندہ جل کر اپنی جانوں پر کھیل سکتی ہوں۔ اس قوم کے مردوں کو کسی طرح بھی بزدل اور ڈرپوک نہیں کہا جا سکتا اور اس زمانے کے فنون حرب میں گتکہ بازی آج تک ہندوستان کی شہرہ آفاق مانی جاتی ہے۔ اور تیغ ہندی ضرب المثل ہے۔ سو بزدلی اور ڈرپوکی کی یہ بے ہودہ تو

جیہیں ان مورخوں نے روحانی طاقت سے کورچشمی اور لاعلمی کے سبب تراشی ہیں۔

کہتے ہیں کہ سومنات کی لڑائی میں جب سلطان کا لشکر لڑتے لڑتے تھک گیا۔ بہادروں کے دل دہل گئے۔تلواریں کند ہو گئیں۔ نیزے ٹوٹ گئے۔ اور تیر ختم ہو گئے۔ظاہری طاقتوں اور مادی سامانوں نے جواب دے دیا۔ اس وقت سلطان محمود نے لاچار اور مجبور ہو کر اس غیبی آسمانی مدد کے منگوانے اور دعوت دینے کا آخری حیلہ اور وسیلہ تلاش کیا۔ جس کے بھروسے اور امید پر سلطان اتنی دور دراز زبردست حکومتوں اور ملکوں پر حملہ آور ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت سلطان نے لشکر سے علیحدہ ہو کر دو رکعت نماز نفل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ادا کئے۔ اور شیخ صاحبؒ کا عطا کردہ خرقہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں بطور وسیلہ پیش کر کے دعا مانگی۔ شیخ صاحبؒ کی ہمت اور توجہ نے جو باطنی بجلی کی طرح اس خرقے کے ساتھ وابستہ اور مربوط تھی۔ سلطان کی دعائیں اجابت اور قبولیت کا مقناطیسی پاور بھر دی۔ پھر کیا تھا ایک طرفۃ العین میں اجابت اور منظوری دوڑتی ہوئی استقبال کے لئے آگے آئی۔ آسمانی امداد پہنچ گئی۔ کفار اور مشرکین کے دلوں سے جرأت اور ہمت یکدم خارج ہو گئی۔ اور ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور مسلمانوں کے دلوں اور جانوں میں شجاعت، مردانگی اور شوق شہادت کی لہر دوڑ گئی۔ غرض ایک باطنی جادو تھا جو یک دم طرفین کے اندر دلوں اور دماغوں پر چل پڑا۔ جس نے کاہ کو کوہ اور کوہ کو کاہ اور رائی کو پہاڑ اور پہاڑ کو رائی کا رنگ دے دیا۔ کفار کے قدم اکھڑ گئے۔ اور لشکر اسلام فتح مند ہو گیا۔ سلطان محمود کے دوگانہ نفل ادا کرنے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کا قصہ مورخوں نے لکھا ہے۔ لیکن چونکہ آج کل کے مادہ پرست مورخین آسمانی بادشاہی اور غیبی امداد کے منکر ہیں۔ اور صرف مادہ یا مادی طاقت کو جانتے اور مانتے ہیں۔ اس واسطے انہوں نے اس قصے کو اس رنگ میں بیان کیا ہے کہ دوگانہ ادا کرنے اور دعا مانگنے کے بعد سلطان محمود نے اپنی فوج کے سرداروں کو جمع کیا اور ان کے آگے ایک پرجوش تقریر کی۔ جس سے ان

کے دلوں پر ایک غیر معمولی اثر ہو گیا۔ اور وہ جوش سے بھر گئے۔ اور یوں ہو گیا اور یاں ہو گیا۔ جیسا کہ ہمیشہ ان مادہ پرستوں کا قاعدہ چلا آیا ہے۔ کہ اس قسم کے ہر غیبی غیر معمولی معاملہ کو الٹ پلٹ کر اپنے مادی شعور اور عقل کے موافق بنانے کے لئے طرح طرح کے حیلے اور بہانے جوڑ لیتے ہیں۔ اور چند من گھڑت باتیں تراش لیا کرتے ہیں۔ سو یہ ان مادہ پرست مورخوں کا اپنا اختراعی اور تراشا ہوا مضمون ہے۔ ورنہ دراصل سومنات کی حیرت انگیز فتح میں اللہ تعالٰی کی غیبی امداد اور آسمانی تائید کار فرما تھی۔ اقبال مرحوم نے ایسے موقع پر کہا ہے۔

نہ گنج و دولت و نے لشکر و سپاہ میں ہے

جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

کہتے ہیں کہ جب سلطان محمود سومنات کی مہم سے فتح یاب اور ظفر مند ہو کر بے شمار زر و جواہر اور غلاموں کو لے کر غزنی پہنچا۔ تو شیخ ابو الحسن خرقانی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ صاحبؒ نے فرمایا کہ اے محمود خرقہ مارا چہ کردی۔ یعنی میرے خرقہ کو آپ نے کیا کیا؟ سلطان نے عرض کی کہ آں را بہ جناب حق تعالٰی بفروختم و بعوض آں فتح سومنات خریدم یعنی میں نے جناب کا خرقہ اللہ تعالٰی کے ہاں فروخت کر ڈالا ہے۔ اور اس کے بدلے میں سومنات کی فتح خرید لی ہے۔ شیخ صاحبؒ نے متبسم ہو کر فرمایا کہ محمود! خرقہ مارا خیلے ارزاں فروختی۔ یعنی اے محمود! تو نے ہمارے خرقہ کو بہت ارزاں اور سستی قیمت پر بیچ ڈالا ہے۔ اسی مقام پر کسی نے فرمایا ہے

حمایت را کہن داماں درویش

بہ از سد سکندر در مدو بیش

حضرت ابو الحسن خرقانی صاحبؒ بڑے جلیل القدر اور کامل ولی اللہ ہو گزرے ہیں۔ آپؒ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے سو سال بعد ہوئے ہیں۔ اور حضرت بایزیدؒ کی روحانیت سے آپؒ کو باطنی اور اویسی طور پر فیض حاصل ہوا ہے

آپؒ خرقان سے پیدل چل کر ہر روز بایزیدؒ کے مزار پر حاضر ہوا کرتے تھے۔ اوران کی روحانیت سے باطنی فیض اور استفادہ حاصل کیا کرتے تھے۔ آپؒ ظاہری علم سے قطعاً عاری، محض امی اور بالکل ان پڑھ تھے۔ لیکن باطنی طور پر بے واسطہ علم لدنی سے پورے طور پر بہرہ مند تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ غائبانہ طور پر ایک ولی اللہ آپؒ کے سامنے نمودار ہوا۔ اور آپؒ کے سامنے فخر سے اپنا پاؤں زمین پر مار کر بولا۔ من بایزیدؒ وقتم ومن جنیدؒ وقتم یعنی میں اپنے زمانے کا بایزیدؒ اور جنیدؒ ثانی ہوں۔ اس پر شیخ صاحبؒ نے اٹھ کر اس کے جواب میں فرمایا کہ من خدائے وقتم ومن رسول وقتم یعنی میں اپنے وقت کا خدا اور رسول ہوں۔ یعنی میں روئے زمین پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا نائب اور جانشین ہوں۔ سلطان محمودؒ کا حضرت شیخ صاحبؒ کے ساتھ پہلی ملاقات کا قصہ مختلف کتابوں میں یوں مذکور ہیکہ جس وقت حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی صاحبؒ کے روحانی کمالات اور بے شمار کشف وکرامات کا شہرہ سلطان محمود غزنویؒ نے سنا تو سلطان کوان کی ملاقات اور زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ اورکئی دفعہ آپؒ کوغزنی آنے کی دعوت دی۔ لیکن شیخ صاحبؒ نے قبول نہ کیا۔ آخر سلطان محمود غزنی سے وانہ ہو کر خرقان پہنچا۔ اورشہر کے باہر شاہی خیمہ گاڑ دیا۔ اورایک قاصد شیخ صاحبؒ کی خدمت میں روانہ کر کے اس کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ بادشاہ وقت آپؒ کی زیارت کے لئے غزنی سے آپؒ کے وطن خرقان آیا ہے۔ آپؒ ذرا قدم رنجہ فرما کر بادشاہ کے خیمے تک اگر تشریف لے چلیں تو بڑی مہربانی ہوگی اور ساتھ ہی قاصد کوسمجھا دیا کہ اگر شیخ صاحبؒ یہاں آنے سے معذوری ظاہر کریں توانہیں یہ آیا سنا دو۔

اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم

یعنی اطاعت کرو اللہ اوراس کے رسولؐ کی اوراولی الامر یعنی بادشاہ وقت کی جس وقت بادشاہ کا قاصد شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بادشاہ کا فرمان سنایا تو شیخ

صاحبؒ نے بادشاہ کے پاس حاضر ہونے سے معذوری ظاہر کی تو اس پر قاصد نے آیت مذکور پڑھ کر کہا کہ اس آیت کی رو سے آپؒ پر بادشاہ وقت کی اطاعت اور اس کے حکم کی تعمیل فرض ہوتی ہے۔ آپؒ نے جواب دیا کہ بادشاہ سے کہہ دو کہ میں تو بھی اطیعو اللہ کے فرمان سے سبکدوش اور عہدہ برآ نہیں ہو سکا ہوں۔ اسی میں مبتلا اور گرفتار ہوں۔ اس کے بعد واطیعو الرسول کے بے شمار فرامین ابھی ادا کرنے باقی ہیں۔ خدا جانے اولا الامر کی اطاعت کی باری کبھی زندگی میں پیش آئے گی بھی یا نہ ابھی تو اطیعو اللہ سے لمحہ بھر فرصت نہیں ہے۔ جب قاصد سلطان کے پاس حضرت شیخ کی طرف سے یہ مسکت اور معقول جواب لایا۔ تو سلطان نے کہا کہ اب شیخ صاحبؒ نے ہمیں لاجواب کر دیا ہے۔ اب ہمیں ان کی خدمت میں ضرور جانا چاہیے۔

چنانچہ سلطان نے شیخ کے باطنی کشف کے امتحان لینے اور آزمانے کے لئے یہ حیلہ بنایا۔ کہ اپنے غلام ایاز کو شاہی لباس پہنا کر شاہی تاج اس کے سر پر رکھا اور خود ایاز کا غلامانہ لباس پہن لیا۔ اور چند لونڈیوں کو مردوں کا لباس پہنا کر اپنے ہمراہ لے لیا۔ اور اس طرح اس الٹے روپ اور بھیس میں شیخ صاحبؒ کی کٹیا کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ جب یہ پر فریب قافلہ ایاز کی سرکردگی میں حضرت شیخ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو شیخ صاحبؒ چونکہ واقف حال اور روشن ضمیر تھے۔ آپؒ نے ایاز کے شاہانہ لباس کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ بلکہ سلطان کی طرف جو اس وقت ایک غلام اور سپاہی کے لباس میں پیچھے کھڑے جھانک رہے تھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ان نامحرم عورتوں کو باہر نکال دو۔ چنانچہ انہیں فوراً باہر نکال دیا گیا۔ بعدہ شیخ صاحبؒ نے سلطان محمودؒ سے کہا کہ بڑا دام فریب اٹھا لائے ہو۔ اس پر سلطان محمود نے عرض کی کہ آپؒ جیسے عنقا کے لئے ہمارا دام فریب ناکارہ اور ہیچ ثابت ہوا۔ سلطان نے اس وقت شیخ صاحبؒ سے اپنا کچھ تبرک طلب کیا۔ شیخ صاحبؒ نے جو کی روٹی کا ایک روکھا سوکھا ٹکڑا پیش کیا۔ سلطان نے بڑے ادب و احترام وہ سے ٹکڑا

لے کر اشرفیوں کی چند تھیلیاں بطور نذرانہ شیخ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیں۔ اور شیخ صاحب کا تبرک منہ میں ڈال کر کھانے لگا۔ اتفاقاً بادشاہ کے نازک گلے میں جو کارو کھا سو کھا ٹکڑا اٹک گیا اور بادشاہ کھانسنے لگا۔ جس پر شیخ صاحبؒ اشرفیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمانے لگے کہ اے محمو! پیغمبروں کی غذا آپ کے گلے سے نیچے نہیں اترتی۔ اور یہ ظلم و ستم کا اندوختہ جو بے شمار مساکین کے خون سے آلودہ ہے اور فراعنہ دہر کی میراث ہے۔ اس فقیر کے گلے سے کیوں کر اترے گی۔ چنانچہ سلطان کی بہت منت و سماجت اور بے شمار تکرار کے باوجود شیخ صاحبؒ نے ان کے لینے سے انکار کیا۔ اور فرمایا کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میں ان کے لینے کا حق دار ہوں۔ جن کا مال ہے وہی اس کے اصلی حق دار ہیں۔ اس پر سلطان شیخ صاحبؒ کا حد سے زیادہ گرویدہ اور معتقد ہو گیا۔ اور اس کے بعد کئی دفعہ شیخ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اور دعا، استمداد اور توجہ کا طالب رہا۔ چنانچہ ملکی مہمات کے لئے شیخ صاحبؒ سے بطور تبرک آپؒ کا خرقہ مبارک ساتھ لے گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت اور توسل سے سلطان کو فتح نصیب فرمائی۔

سلطان محمود کے ہندوستان پر تمام حملوں میں فتح مندی اور کامیابی کی بڑی وجہ اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیوں کی باطنی ہمت اور توجہ تھی۔ اور بعض اولیاء اللہ کو سلطان محمود اپنے لشکر کے ہمراہ بطور روحانی پشت پناہ ہندوستان لے آئے تھے۔ اور انہیں یہاں دعوت اور تبلیغ دین کی خاطر چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ حضرت شیخ علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان مردان خدا میں سے ایک ہیں جن کو سلطان محمود یا ان کے بیٹے اپنے ہمراہ لے آئے تھے اور خلق خدا کی ہدایت کے لئے انہیں یہاں لاہور میں چھوڑ گئے تھے۔

تاتاریوں کا قیامت آفرین فتنہ جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ جس نے تمام روئے زمین میں ظلم و ستم کی ایک عالم گیر اور بے پناہ آگ لگا دی تھی۔ جو کئی سالوں

تک تمام دنیا کے شہروں اور آبادیوں کو خس وخاشاک کی طرح جلاتی رہی۔ جس نے بڑی بڑی حکومتوں اور سلطنتوں کو راکھ اور خاکستر بنا کر رکھ دیا تھا۔ اور یہ آگ کسی بادشاہ اور حکمران سے نہ بجھ سکی۔ آخر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی دو برگزیدہ ہستیوں یعنی حضرت ابو یعقوب اور محمد خواجہ دربندی رحمۃ اللہ علیہما کے چند قدم آگ میں گذرنے کے تصرف اور کرامت کے ایک ادنیٰ کرشمے سے ہمیشہ کے لئے فرو ہوگئی۔ چنانچہ یا تو روزانہ لاکھوں بے گناہ مرد عورتیں اور معصوم بچے اور بوڑھے خاک وخون میں تڑپتے تھے۔ یا تمام روئے زمین کے ستم دیدہ اور جفا رسیدہ مخلوق کو ان پاکبازان اور مقبولان الٰہی کے دم اور قدم سے چین امن اور آرام نصیب ہوا اور ہلاکو جیسا خونخوا سفاک یا تو انسانی خون کا اس قدر پیاسا

یہاں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ہلاکو خان اور اس کے تمام تاتاری سردار اور فوج اور رعایا جنہوں نے ظلم وستم اور کشت وخون کا عظیم الشان طوفان مچا رکھا تھا بالکل بے دین اور لا مذہب تھے۔ جس وقت انہوں نے اپنی حکومت قائم کی تو ان کا ارادہ ہوا کہ وہ کوئی صحیح مذہب اختیار کر لیں۔ جس کی صداقت پہلے آزمائی جائے۔ اس زمانے میں چونکہ کوئی پیغمبر تو موجود نہیں تھا۔ جس کا معجزہ دیکھ کر اس کا دین قبول کیا جاتا۔ آخر اولیاء اللہ ہی تھے جو کہ پیغمبروں کے نعم البدل، نائب اور جانشین ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہلاکو خاں نے اسلام میں اس زمانے کے دو اولیائے کرام، ایک حضرت ابو یعقوب اور دوم حضرت محمد خواجہ دربندی رحمۃ اللہ علیہما کی تعریف سنی، چنانچہ اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر مذہب اسلام کے یہ دو ممتاز فرزند اس کے امتحان کی کسوٹی اور معیار پر پورے اتر پڑیں تو وہ بمعہ تمام فوج ورعایا مذہب اسلام اختیار کر لیں گے۔ چنانچہ ان ہر دو فرزندان توحید کو ہلاکو خان نے اپنے خیمہ گاہ میں حاضر ہونے کی دعوت دی اور ان کی کرامت اور اسلام کی صداقت کے امتحان کے لئے یہ

انتظام کیا کہ اس نے اپنے خیمے کے اردگرد بڑی گہری اور چوڑی خندق کھدوا کر اس میں بڑی بھاری آگ جلانے کا اہتمام کیا۔ اور ان کی تشریف آوری سے تھوڑی دیر پہلے آگ کو اتنا بھڑکایا گیا کہ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے جب وہ ہر دو خاصان خدا آگ کے قریب آئے تو بے تامل بسم اللہ اور کلمہ شریف پڑھ کر اس بھڑکتی ہوئی آگ میں کود پڑے۔ ہلاکو خاں اپنے خیمہ سے یہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ ہر دو غواصان بحر توحید آگ کے دریا اور شعلوں کی موجوں میں سے سمندری جانور کی طرح صحیح سلامت برآمد ہوئے۔ ہلاکو خان یہ ماجرا دیکھ کر محو حیرت ہو گیا۔ اور اپنے خیمہ میں جا کر دوسرے امتحان کی تیاری اور انتظار میں اپنے مسند پر بیٹھ گیا۔ کہ اتنے میں مصاحبوں نے ہر دو بزرگوں کو خیمہ کے اندر حاضر کیا۔ ہلاکو خاں بڑی عزت اور احترام سے پیش آیا۔ اور انہیں اپنی مسند کے قریب بٹھا کر انہیں دو شربت کے جام جن میں ایسی سخت زہر ہلاہل ملا دی گئی تھی کہ جس کا ایک قطرہ ہلاکت کا پیغام تھا یہ کہہ کر پیش کیے گئے کہ آپ آگ میں سے گذر کر آئے ہیں آپ کو پیاس لگی ہو گی یہ شربت نوش جان فرمالیں۔ چنانچہ ہر دو جانبازان راہ الٰہی نے بسم اللہ پڑھ کر ہر دو پیالے پی لئے۔ ہلاکو خاں نے جس وقت ان ہر دو محبوبان الٰہی کو ہر دو امتحانات میں کامیاب پایا تو ان کے ہاتھ بمع جملہ امرو رعایا اور سپاہ اسلام لائے اور دین حق کو قبول کیا۔

اگر سچ پوچھو تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ غیب کے حقیقی کلید بردار یہی اولوالامر لوگ ہیں۔ اور مفاتیح الغیب یعنی ملکوں کے تصرف کی کنجیاں انہی کے ہاتھوں میں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے روئے زمین پر اصلی حقیقی خلیفے، نائب، جانشین یہی رجال الغیب ہیں۔ انہی کے دم اور قدم سے دنیا کا قیام ہے۔ اور انہیں کے ہاتھوں میں دنیا کی زمام ہے۔ اور انہیں کی خاطر دنیا کی تمام کارگذاری اور انہیں کے طفیل یہ ساری رونق اور کل کائنات کا انتظام ہے جس روز کائنات کے کالبد میں یہ روح وروان نہیں رہیں

گے تو دنیا کا ڈھانچہ بگڑ کر ناکارہ اور ضائع ہو جائے گا۔

غرض اسلام دنیا میں اپنی روحانی طاقت، اپنی حقانیت اور فرزندان اسلام کے بلند اخلاق کے طفیل دنیا میں پھیلا، پھلا اور پھولا ہے۔ جب سے اسلام کے یہ اصلی جوہر اور روحانی طاقت مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتی رہی ہے۔ مسلمانوں کے پاس نہ حکومت رہی ہے۔ اور نہ دولت اور حشمت رہی ہے اور نہ عزت۔

اسلام کی سلطنت اور حکومت جہاں قائم ہوتی ہے۔ پہلے روحانی بادشاہ، باطنی متصرفین اور اولا الامر رجال الغیب اپنے باطنی تصرف کا جھنڈا اس سرزمین میں باطنی ہاتھوں سے گاڑ دیتے ہیں۔ اور اپنے روحانی تصرف سے اس کو فتح کر لیتے ہیں۔ اس کے بعد ظاہری اسلامی بادشاہوں کی مادی طاقتیں اور ظاہری فوج کشیاں ان ملکوں کو فتح کرنے میں کامیاب ہوتی ہیں۔ چنانچہ جناب حضرت پیر محبوب سبحانی حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے پہلے پہل جناب سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان کے تصرف اور ولایت کی کنجیاں عطا فرما کر حکم دیا تھا۔ کہ جاؤ اور کشور ہندوستان کو اپنے باطنی تصرف میں لے آؤ اور اس میں اسلام کا باطنی جھنڈا گاڑ دو۔ اس زمانے میں تمام ہندوستان کے اندر کفر شرک اور بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ آپؒ نے تشریف فرما کر ہندوستان کے وسط مقام اجمیر میں اپنے باطنی تصرف کا جھنڈا پہلے پہل نصب فرمایا۔ اس کے بعد ظاہری اسلامی بادشاہوں کی مادی طاقتیں اور ظاہری سلطنتیں ہندوستان میں نمودار اور کامگار ہوئیں۔ کیونکہ باطنی روحانی لوگ اشیاء کی حقیقتوں یعنی ارواح اور مغزوں کو باطنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اور اپنے باطنی روحانی ہاتھوں سے اپنے تصرف اور قبضے میں کر لیتے ہیں۔ بعدہ اس کی مادی صورت اور ظاہری ڈھانچہ خود بخود تبعاً اور طوعاً کرہاً مسخر اور مفتوح ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کو باطنی ہاتھوں اور آنکھوں والا یاد فرمایا

ہے

واذ کر عبدنا ابراھیم واسحق ویعقوب اولی الایدی والابصار

یعنی یاد کر اے نبی! ہمارے خاص بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو جو کہ تھے ہاتھوں والے اور آنکھوں والے۔ یہاں ہاتھوں اور آنکھوں سے مراد روحانی ہاتھ اور باطنی آنکھیں ہوسکتی ہیں۔ ورنہ ظاہری ہاتھ اور مادی آنکھیں تو تمام لوگ رکھتے ہیں۔ خاص طور پر اللہ تعالیٰ کا انہیں ہاتھوں اور آنکھوں والا فرمانے کا اور کیا مطلب ہوسکتا ہے۔ سو یہ حقیقت الامر ہے کہ اسلام دنیا میں اپنی روحانیت سے پھیلا ہے۔ اور جو کور چشم لوگ اسلام کی روحانیت کا انکار کرتے ہیں۔ اور اسلامی فتوحات اور ملک گیری کو محض مسلمان حکمرانوں کی تیغ زنی اور مادی فوج کشی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ مخالفین دین متین اور منکرین اسلام کے اس بڑے اعتراض کی حمایت اور تائید میں پورے طور پر ان کے شریک اور ہم نوا ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ اسلام محض تلوار کے زور سے دنیا میں پھیلا ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کی نظر محض اسباب اور مادے کی آستین کو دیکھتی ہے۔ قدرت کے غیبی ہاتھ سے غافل اور بے خبر ہیں۔ سو انسان بہت ضعیف البنیان اور ناتوان ہے۔ لیکن اگر اسے اللہ تعالیٰ کے نام اور کلام کی روحانی طاقت مل جائے تو وہ طاقت اور قوت میں ملائکہ اور فرشتوں سے بھی سبقت لے جاتا ہے۔

انسان کو چاہیے کہ جس طرح اور جہاں تک بن پڑے اپنی باطنی زندگی کی کوشش کرے۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کے نام کے ذریعے اس کے حی قیوم ذات کے ساتھ زندہ جاوید ہو رہے۔ رزق کا فکر اور اس کا غم ایک شیطانی وسوسہ ہے۔

الشیطن یعدکم الفقر ویا مرکم بالفحشاء

شیطان بے وجہ انسان کو افلاس سے ڈراتا اور اسے بے حیائیوں میں گراتا ہے۔ حالانکہ رزق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہلے طے ہو چکا ہے۔ ہر شخص کو اپنا مقدر اور

مقسوم رزق بہر حال اپنے وقت پر پہنچتا رہتا ہے۔اس کے لئے انسان کی تمام ہرج کاریاں اور پریشانیاں خود ساختہ ہیں۔اور از وقت پیش واز مقدر بیش مے خواہند والا معاملہ ہر کسی کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے۔

رزق دو قسم کا ہے ایک رزق مرزوق دوم رزق مملوک مرزوق رزق تو انسانی زندگی کے ساتھ لازمی گردانا گیا ہے۔وہ کسی حال میں ہم کو نہیں چھوڑتا۔ہاں البتہ جو مملوک رزق ہے۔جس کے اپنی حرص کے سبب ہم لوگ قبل از وقت چند روز کے لئے مالک بن جاتے ہیں اور اس کے قبل از وقت اکتساب سے آخرت کے حساب اور عذاب کا بار اپنے ذمے لے لیتے ہیں۔حالانکہ اس مال میں سے کچھ حصہ ان وارثوں کا ہوتا ہے۔کچھ چوروں چکاروں کا کچھ ڈاکٹروں اور حکیموں کا اور کچھ وکیلوں اور کچھ کچہری کے منشیوں وغیرہ کا حصہ ہوتا ہے۔جو اپنے اپنے وقت پر ان عارضی مالکوں سے طوعا اور کرہا ہتھیا لیتے ہیں اور وہ حسرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہ جاتے ہیں۔اگر وہ حریص یہ پرایا مملوک مال جمع نہ کرتے تو مذکورہ بالا حقدار اور حصہ دار اسے خود کما کر حاصل کرتے۔قرآن کریم میں اکثر جگہ اس عقیدے کا اظہار کیا گیا ہے۔اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔لیکن پھر بھی بعض کور چشم بے دین اور ضعیف الیقین لوگ ہمارے اس بیان کو بیکاری کی تلقین اور رہبانیت کی تعلیم پر محمول کریں گے۔غرض انسان کی گمراہی، بے راہی، حرص و آز، ظلم و ستم اور سرمایہ داری کا سب سے بھاری سرچشمہ اور بڑا باعث اور ذریعہ یہی ایک شیطانی داؤ اور فریب ہے کہ وہ اسے بھوک اور افلاس سے بے وجہ ڈراتا ہے۔اور بے حیائیوں اور رسوائیوں میں گراتا ہے۔اور روزی کا غم اور فکر وہ حد سے زیادہ محسوس کرتا ہے۔اور حرص و آز کی وجہ سے وہ روزی کی طلب اور تلاش میں وہ اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتا ہے۔اور اس کے دل و دماغ پر یہ بھوت ایسی بری طرح سوار ہو جاتا ہے کہ وہ اس جذبے کے تحت ہر قسم کے روا ناروا، جائز و ناجائز افعال کر گزرتا ہے۔اور اسی جوش اور جنون میں وہ

شریعت، رواج اور سماج کی تمام حدود توڑ کر انہیں پھاند جاتا ہے۔ حرص و آز کے اسی سودا اور جنون کے سبب بھائی بھائی سے، باپ بیٹے سے اور دوست و آشنا ایک دوسرے سے دست بگریباں ہیں۔ ملک ملک سے اور قوم قوم کے ساتھ برسر پیکار ہے۔ تجارتی منڈیوں اور تیل کے چشموں کے لئے ایسی خونریز عالمگیر لڑائیاں لڑی جا رہی ہیں کہ ستانے اور دم لینے کے درمیانی وقفے کے چند سال میں ان پہلی تباہیوں اور بربادیوں کی ابھی تلافی نہیں ہونے پاتی کہ پھر جنگ اس سے زیادہ خرزیزیوں اور ہولناکیوں کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔ غرض یہی حرص اور آز کی آگ ہے۔ جو انسانوں اور قوموں کے دلوں اور دماغوں میں لگی ہوئی ہے۔ اور انہیں بے چین اور پریشان اور اللہ تعالیٰ سے روگرداں کیے ہوئے ہے۔ اب اسی روزی اور رزق کے بارے میں ذرا اللہ تعالےٰ کے وعدے اور اس کے احکام پر غور اور فکر کریں قولہ تعالی

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ

(ترجمہ) اور جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے آمدنی کا ایسا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ اور اسے ایسے طریقے سے روزی پہنچاتا ہے کہ جس کا کسی کو وہم اور گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو اللہ تعالیٰ پر تکیہ اور توکل کر لیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی اور کفیل ہو جاتا ہے۔ قولہ تعالی

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ما ارید منھم من رزق وما اریدان یطعمون ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین

(ترجمہ) کہ ہم نے نہیں پیدا کے جن اور انس کو مگر اپنی عبادت کے لئے۔ ان کی پیدائش سے میرا ارادہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ رزق حاصل کریں۔ یعنی حیوانوں کی طرح کھائیں اور پئیں۔ اور یہ ارادہ ہے کہ وہ میرے بندوں کو روزی مہیا کریں۔

بلکہ اللہ تعالیٰ خود اپنے بندوں کو روزی اور رزق پہنچانے والا ہے۔ اور وہ زبردست طاقت والا ہے۔ روزی کے معاملے میں وہ کسی معاون اور مددگار کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے رزق اور روزی پہنچانے پر مامور اور متعین ہیں۔ اور وہ ہر شخص کو اس کا مقدر پہنچاتے ہیں۔

بر سر ہر دانہ بنوشتہ عیاں
کیں خورد ابن فلاں ابن فلاں

یعنی ہر دانے پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ یہ فلاں کے بیٹے فلاں کا حصہ ہے۔ جس طرح ایک شخص کی چٹھی ڈاک والے دوسرے شخص کو نہیں دیتے۔ اس طرح ایک آدمی کا مقدر دوسرے کو نہیں ملتا۔ اور نہ کوئی شخص دوسرے کی روزی کھا سکتا ہے۔ ہر شخص کو اپنا مقسوم، مقدر اور مرزوق ملائکہ متعلقین کے ذریعے اپنے اپنے وقت پر ملتا رہتا ہے۔ ہاں البتہ وقت سے پہلے چند روز کے لئے کوئی شخص اپنے حرص و آز سے دوسروں کے رزق اور مقدر کو اپنے پاس جمع کر کے اس کا عارضی مالک اور محافظ بن جاتا ہے۔ لیکن جس وقت اس رزق اور مقدر کے کھانے اور استعمال کرنے کا وقت آ جاتا ہے تو وہ رزق اس سے چھین لیا جاتا ہے۔ اور اپنے اصلی مالکوں کو پہنچا دیا جاتا ہے۔ بعض سیاسی سرسام زدہ سودائی کہتے ہیں کہ نماز، روزہ، نفل نوافل، تلاوت، ذکر فکر اصل عبادت نہیں ہے۔ بلکہ یہ محض ایک بے سود مشغلہ اور تضیع اوقات ہے۔ اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

میں جس عبادت کی طرف اشارہ میں اس عبادت سے مراد خدمت خلق یعنی لوگوں کی روزی اور معاش میں ان کی امداد کرنا ہے۔ سو اصل عبادت سیاسی علو اور اقتدار حاصل کرنا اور حکومت وقت کا شریک کار اور حصہ دار بن کر عوام نادار لوگوں کی زندگی کا معیار بلند کرنا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کے پچھلے حصے میں اس بات کی

نفی کردی ہے کہ

ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین

یعنی اس عبادت سے میری مراد حصول رزق ہرگز نہیں ہے۔ اور نہ یہ منشاء ہے کہ وہ میرے بندوں کو طعام اور رزق پہنچائیں۔ بلکہ اللہ تعالٰی خود اپنے بندوں کا رزاق مطلق اور کفیل ہے۔ اور وہ زبردست طاقت والا ہے۔ اور رزق کے معاملے میں کسی کی معاونت اور امداد کا محتاج نہیں ہے۔ لیکن یہ سیاسی سودائی ادھر حکومت وقت کے حصہ دار ہوتے ہیں اور ادھر اللہ تعالٰی کے شریک کار اور اس سے بڑھ کر اس کی مخلوق کے مختار اور پروردگار بنتے ہیں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

فرزند بندہ ایست خدارا غمش مخور
تو کیستی کہ بہ زخدا بندہ پروری؟

سو رزق کا معاملہ اللہ تعالٰی کے ذمہ ہے۔ اور اصل عبادت اور جن و انس کی پیدائش کی غرض و غایت اللہ تعالٰی کے نام اور کلام اور ذکر فکر اور اس کے اسماء کے تصورات اور دعوات کے ذریعے اللہ تعالٰی کی طرف ففروا الی اللہ اختیار کر کے اس کی طرف باطنی اور معنوی قدموں سے چلنا اور اس کی معرفت، قرب، وصال، فنا و بقا اور مشاہدہ ولقا حاصل کرنا اور اس کے نور سے اس کے ساتھ ہمیشہ زندہ جاوید ہونا ہے۔ افسوس ہے سیاسی اقتدار کے بھوکے مذہب کا لبادہ اور لباس اوڑھ کر حکومت کی کرسیوں پر قبضہ جمانے کے لئے اس قسم کے حیلے اور بہانے تراشتے رہتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو صالحین اور علمبردار دین متین ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن جس وقت حکومت کا شیطانی نشہ ان کے دماغ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور جیفہ دولت دنیا کی دھونی ان کے مشام میں پہنچتی ہے تو وہ اپنے پیش رووں سے زیادہ ظالم اور سفاک ثابت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

اہل کارواں بو وقت معزولی
شیخ سبلیؒ و با یزیدؒ شوند
چوں بیا ید باز بر سرکار
شمر ذی الجوش و یزید شوند

کیونکہ شراب و دولت دنیا کا یہ مخصوص خاصہ ہے کہ جس کسی کے گلے سے نیچے اترتی ہے۔اسی کومست اور مدہوش کردیتی ہے

بادہ نوشیدن و ہشیار نشستن سہل است
گر بدولت برسی مست نہ گردی مردی

دولت کمانے،حکومت اور علو حاصل کرنے اور مال وزر جمع کرنے کو ہر جگہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کافروں،مشرکوں اور منافقوں کا شیوہ،پیشہ اور طریقہ بیان کیا ہے۔قولہ تعالیٰ

ولو لا ان یکون الناس امة واحدة لجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتھم سقفا من فضة ومعارج علیھا یظھرون ولبیوتھم ابوابا وسررا علیھا یتکئون وزخرفا وان کل ذلک لما متاع الحیوة الدنیا والاخرة عند ربک للمتقین

(ترجمہ)اگر اس بات کا خوف اور خدشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ بن جائیں گے کفر کا ایک گروہ تو البتہ ہم بنا دیتے دنیا میں کافروں کے لئے ایسے گھر جن کی چھتیں چاندی کی ہوتیں اور سیڑھیاں بھی۔جن پر چڑھ کر وہ مظاہرہ اور ان کے گھروں کے دروازے اور ان کے آگے دھرے ہوئے تخت جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے سب جگمگاتے سونے چاندی کے بنا دیتے۔لیکن یہ سب کچھ چند روزہ دنیا کی متاع فانی ہے۔اور آخرت کی ابدی دولت متقی اور پرہیز گار لوگوں کے لئے ہے۔سو اللہ تعالیٰ نے متاع دنیا کی بےقدری کا اس آیت میں پورا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا ہے۔فرماتے

ہیں کہ اگر اس بات کا خوف اور خدشہ نہ ہوتا۔ کہ لوگ کافروں کی دنیوی کروفر، ظاہری زیب و زینت اور مادی عیش وعشرت سے شیفتہ اور فریفتہ ہوکر ان کے گروہ میں شامل اور داخل ہوجاتے۔ اور کفر کی گرم بازاری دیکھ کر دین الٰہی اور اللہ اور اللہ والوں کا مذہب اور راستہ چھوڑ کر سب کفر اختیار کر لیتے۔ اگر یہ خطرہ لاحق نہ ہوتا تو البتہ ہم دار آخرت کے ابدی حرمان کے عوض کافروں کو دنیا میں اتنی دولت دیتے کہ ان کے مکان اور ان کے برتنے کے سامان سب سونے چاندی کے بنا دیتے۔ لیکن پھر بھی اس فانی دنیا میں ان کے دار آخرت سے حرمان کی تلافی نہ ہوسکتی۔ کیونکہ دنیا حادث اور فانی کی کل متاع دار آخرت کی ابدی اور جاودانی دولت کے ایک ادنیٰ ذرے کے برابر نہیں ہوسکتی اور بمقتضائے رحمتی وسعت کل شئی ہماری رحمت تمام مخلوق کو پہنچی ہوئی ہے۔ سو ہر شخص کی سعادت اور شقاوت اس کی اپنی استعداد و ظرف اور حسن وقبح کی طلب و انتخاب پر ہے۔ سو اس آیت کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ جس قدر کوئی شخص مادہ پرستی اور کفر میں ترقی کرتا ہے۔ اسی قدر زیادہ اسے مادی دنیا کی دولت دی جاتی ہے۔ اور جس قدر کوئی شخص اس مادی دنیا میں زیادہ خوش نصیب، بامراد اور کامران ہے۔ اسی قدر زیادہ وہ دار آخرت میں بے نصیب، بد بخت اور اہل حرمان ہے۔ تعجب اس بات کا ہے کہ الٹی عقل والے دل کے اندھے جب کبھی کسی ایسے حرمان نصیب قارون کو دیکھتے ہیں کہ اس کے گھر میں سونے چاندی کی میز کرسیاں اور کھانے پینے کے طلائی برتن ہیں تو بجائے اس کے کہ اس کی اس دنیائے دوں اور آخرت کی زبوں حالی سے پناہ مانگتے۔ الٹا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور کرم ہے اس کے اس خواب وخیال کا چند روزہ عارضی اور فانی دنیا کی آسائش اور آرائش کو دیکھ کر قارون کی قوم کے نادانوں کی طرح دلی تمنا اور آرزو کرتے ہیں کہ

یلیت لنا مثل ما اوتی قارون انہ لذو حظ عظیم

یعنی کاش کہ ہمیں قارون جیسی دولت حاصل ہوتی۔ وہ بڑا خوش قسمت آدمی ہے۔ لیکن جب ان لوگوں نے قارون کا انجام دیکھا کہ اپنی دولت خزانوں سمیت زمین کے اندر دھنسا دیا گیا ہے تو کہنے لگے کہ لو لا ان من اللہ علینا لخسف بنا یعنی یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس دنیائے دوں کی آزمائش اور لعنت سے بچالیا ہے۔ ورنہ اسی طرح زمین میں دھنسا دیئے جاتے۔ غرض ہر دنیا دار حریص کا انجام اسی طرح ہوتا ہے۔ کہ اپنے حرص و آز اور ظلم و ستم کا تمام اندوختہ اور جمع کیے ہوئے دنیوی مال و دولت میں سے اپنا تھوڑا سا مقسوم مقدر اور مرزوق حصہ ہزار غموں اور فکروں سے حاصل کرتا ہے۔ اور باقی ہزاروں لاکھوں انسانوں کے مملوکہ رزق کا پرایا بوجھ اور آخرت کا ابدی عذاب اور طول حساب کا بار گراں قارون کی طرح سر پر اٹھائے ہوئے قبر کی زمین میں گاڑ دیا جاتا ہے۔ اور اسی صورت میں راہی ملک عدم ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں نعماء آخرت کے مقابلے میں متاع دنیا کی قدر و قیمت مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو دنیا میں کسی کافر کو ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوتا۔ یعنی متاع دنیائے فانی دولت آخرت جاودانی کے مقابلے میں مچھر کے ایک پر سے بھی زیادہ ہیچ ہے۔ سو اس دنیائے فانی اور دار آخرت جاودانی کے درمیان کوئی نسبت قائم نہیں ہو سکتی۔ مثلاً دار دنیا کو ایک یونٹ یعنی ایک اکائی خیال کر لیا جائے اور دار آخرت کو اتنا بڑا عدد فرض کر لیں کہ ایک عدد کے ساتھ اتنی بے شمار صفریں یعنی نقطے لگا دیں جتنے تمام کائنات کے ذرے ہیں۔ پھر بھی فانی دنیا اور ابدی آخرت کی صحیح نسبت قائم نہ ہو سکے گی۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو۔ کہ ایک شخص تمام دنیا و مافیہا ہاتھ میں لے کر آیا ہے۔ اور دوسری طرف سے ایک شخص دار آخرت میں سے ایک مچھر کا پر اٹھا لایا ہے۔ اور یہ دو اشخاص ان دو چیزوں کا آپس میں موازنہ اور مقابلہ کریں۔ تو ابدی دار آخرت

کے مچھر کے پر کی قدر اور قیمت تمام دنیائے فانی کی دولت سے زیادہ اور بڑھ کر ہو گی۔ کیونکہ متاع دنیا حادث فانی ہے۔ اور متاع دار آخرت باقی اور جاودانی ہے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان خواب اور بیداری کی مثال بھی صحیح نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ اچھے اور خوشگوار خواب میں بھی کچھ لذت اور وقعت ہوتی ہے۔ لیکن موت کے بعد تمام دنیاوی عیش و کامرانی ایک خواب سے بھی ہیچ معلوم ہو گی۔

لذات جہاں چشیدہ باشی ہمہ عمر
بایار خود آرمیدہ باشی ہمہ عمر
چوں آخر وقت زیں جہاں باید رفت
خوابے باشد کہ دیدہ باشی ہمہ عمر

مثلاً اگر کسی شخص کو یہ کہا جاوے کہ ایک روپیہ دے دو۔ رات کو آپ کو خواب میں بادشاہ بنا دیا جائے گا۔ تو وہ ہرگز یہ سودا قبول نہیں کرے گا۔ لیکن دار دنیا کے خواب میں اگر کوئی شخص بادشاہ بنا دیا جاتا ہے۔ تو موت کی بیداری سے اس سے خالی بادشاہی نہیں چھن جاتی۔ بلکہ اس کے فقدان کی حسرت اور ارمان کے سانپ اس کے سینے پر قیامت تک لوٹتے رہتے ہیں۔ اور دار آخرت میں سخت عذاب اور طویل حساب کا ابدی وبال اس کے گلے کا ہار ہوتا ہے۔ سو جب دولت دنیا کی اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اور دولت دنیا اللہ تعالےٰ کے ہاں ایسی حقیر، مبغوض اور مقہور چیز ہے کہ وہ اسے اپنے دشمنوں، منکروں اور کافروں کے حوالے کرنا پسند کرتا ہے۔ تو ایسی حقیر اور ہیچ چیز کا حصول اور تحصیل کیوں کر عبادت ہوسکتی ہے۔ لیکن دنیا کے گوبر کے گبریلے اپنی معشوقہ اور محبوبہ جیفہ دنیا کی گندگی پر مر مٹنے کو اصل عبادت اور اپنی زندگی کا حقیقی مقصد سمجھتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے نام اور کلام کی مشک اور عنبر سے منہ موڑ کر اس شغل کو بے فائدہ اور تضیع اوقات خیال کرتے ہیں۔ انسان حیوان نہیں ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد سونا، کھانا، پینا اور

ٹی کرنا ہو۔انسان اشرف المخلوقات ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولقد کرمنا بنی ادم ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے۔ونحن اقرب الیه من حبل الورید ہم انسان کے شاہ رگ سے زیادہ نزدیک ہیں۔لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے انسان کو بہت خوب صورت بناوٹ میں پیدا کیا ہے۔انی جاعل فی الارض خلیفة ہم نے اسے زمین میں اپنا خلیفہ اور نائب بنایا ہے۔

یاایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملیقیه

یعنی اے انسان تو اپنے رب کی طرف چلنے اور کوشش کرنے والا اور اسے ملنے والا ہے۔

اس کی زندگی کا مقصد بہت بلند، ارفع اور اعلیٰ ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی طلب، تلاش، معرفت، قرب و وصال اور مشاہدے سے زیادہ اہم اور ضروری گراں قدر اور کوئی غرض، مقصد اور نصب العین انسان کے لئے نہیں ہوسکتا۔ہماری حقیقی اخروی زندگی کا نصب العین کس قدر اہم دلچسپ اور ضروری ہے۔اور ہماری باطنی اور روحانی سفر کی منزل مقصود کس قدر لازوال ابدی نعیم اخروی سے معمور اور بھرپور ہے۔

اے مرد مومن جاگ اٹھ اور دیکھ تو کس عالی شان، بلند غرض اور مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔اپنی حقیقت پہچان۔دولت ابدی اور نعمت سرمدی کا لازوال خزانہ تیرے سامنے ہے۔اور تیرا حقیقی مالک اور خالق اور اس کی رحمت تیری منتظر ہے۔

اتصبرون وکان ربک بصیرا

لیکن تو اپنی نادانی اور کوتاہ بینی کے سبب اپنی ابدی اور سرمدی دولت سے بے خبر ہے۔اور چند روز دنیائے فانی کی گندگی میں پڑا سڑ رہا ہے۔کیا تو حیوان ہے کہ محض کھانا، پینا اور سو جانا تو نے اپنی زندگی کا شغل بنا رکھا ہے۔فانی دنیا کی یہ عارضی ناپائیدار متاع کب تک تیرا ساتھ دے گی۔آخر اس سے ایک نہ ایک روز جدا ہونا پڑے گا۔اور یہ تمام فانی لذتیں اور راحتیں خواب و خیال بن کر گذر جائیں گی۔اور

ابدی دولت سے غفلت اور حرمان کے سبب تو تہی دست اور مفلس کنگال بن کر دار آخرت میں داخل ہوگا۔ اور کف افسوس ملتا رہے گا۔ اور کہے گا

یحسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ و ان کنت لمن السخرین

یعنی ہائے افسوس میں نے اللہ تعالی کے پڑوس اور قرب میں رہتے ہوئے اس کی طلب میں غفلت اور کوتاہی کی اور میں ان باتوں پر ٹھٹھا اور تمسخر کرتا رہا۔

ایک دولت مند کروڑپتی کو ہزار ظلم و ستم اور سالہا سال کی سر دردیوں اور پریشانیوں سے اپنی کمائی ہوئی اور جمع کی ہوئی دولت میں سے صرف روٹی اور کپڑا ہی تو نصیب ہوتا ہے۔ جو ہر شخص کو دنیا میں مل رہا ہے۔ لیکن دنیا کی اس تنگ و تاریک چند روزہ پر خار دار لحن سے نکال کر جب آخرت کی ابدی وسیع دنیا کی طرف راہی ہوتا ہے۔ تو پائی پائی کا حساب اور عذاب سر پر اٹھائے نہایت ذلت اور حسرت کی موت مرتا ہے۔ اس وقت اس کے مصائب اور آلام کا اندازہ لگانا انسانی عقل اور قیاس کے بہت دور اور بعید ہے۔

اے مرد خدا! کچھ ہوش اور عقل سے کام لے۔ دنیا کی اس کمینہ بے کیف شکارگاہ میں سگان دنیا کے مقابلے میں تو کہاں تک دوڑتا رہے گا۔ ذرا غور تو کر۔ ہالی وڈ امریکی کی ایک ایکٹرس یعنی ایک فاحشہ کمینی عورت ایک ہفتے کی تین چار ہزار پونڈ تنخواہ پاتی ہے۔ یعنی ایک ہفتے میں تقریباً ستر اسی ہزار روپیہ کماتی ہے۔ اور ایک دن میں دس ہزار روپیہ حاصل کرتی ہے۔ اے میرے کمزور، ناتواں، بے دست و پا بھائی! تو اس میدان میں کہاں تک دوڑے گا۔ اور تیرے سب بھائی بند اور دوست و آشنا سب مل کر اپنی تمام قوت اور طاقت کے ساتھ دوڑتے رہیں۔ تو پھر بھی ایک عصمت فروش فاحشہ عورت سے اس میدان دنیا میں سبقت نہیں لے سکیں گے۔ اور تم اس فاحشہ کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکو گے۔ افسوس اور ہزار بار افسوس ہے تیری اس احمقانہ دوڑ دھوپ اور جاہلانہ جدوجہد پر کہ جس میں ایک فاحشہ عورت کامیاب اور

کامگار ہوا اور تو نامراد رسوا اور شرمسار ہو۔

اگر ذرا عقل اور ہوش سے کام لے کر آج تو اپنی زندگی کے اصل مقصد اور حقیقی غرض کو پہچان لے۔ اور اپنے محبوب حقیقی اور مطلوب ازلی کی طلب اور تلاش میں صدق دل سے نکل کھڑا ہو۔ اور طلب الٰہی کی مقدس وادی میں ففروا الی اللہ اختیار کر کے طالبان مولیٰ کے ہمراہ دوڑ پڑے۔ تو فرشتے تیری اس انوکھی مقدس چال پر عش عش کریں گے۔ تیرے قدموں کے نیچے اپنے پروں کو بچھائیں گے۔ اور تیرے سر پر اللہ تعالیٰ کے انوار رحمت کے طاق بھر بھر کر تصدق اور نچھاور کریں گے۔ اور آسمانوں میں تیری تعریف اور توصیف کے گیت گائیں گے۔ اور تو اس پہلے قدم میں تمام ایکڑسوں دنیا داروں بلکہ بادشاہوں کو پیچھے چھوڑ دے گا۔ اور سب سے آگے نکل جائے گا۔ اور تو اللہ تعالیٰ سے قیامت کے روز ایسی حالت میں ملے گا۔ کہ وہ تجھ سے رضامند اور تو اس سے خوشنود ہوگا۔ اور وہ تجھے خطاب فرمائے گا۔

یایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبدی وادخلی جنتی

اس وقت دنیا بھی تیری لونڈی اور غلام بن کر تیرے قدموں پر آگرے گی۔ اور تو اس میں سے اپنا ازلی مقدر حصہ بصد عزت و احترام اور ہزار راحت و آرام حاصل کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین، اکرام الاکرمین اور اقرب الاقربین، حی قیوم، سمیع و بصیر اور قریب و مجیب ھے۔

وہ جملہ مطلوبوں کا جامع اور افضل مطلوب اور تمام محبوبوں سے بہترین محبوب اور تمام خلائق کا مقصود مطلق اور معبود برحق تیرے بہت قریب موجود ہے۔ اور ہر وقت تیرا منتظر ہے۔ لیکن تو بچوں کی طرح دنیا کی ٹھیکریوں سے کھیل رہا ہے۔ شیطان نے دنیا کا کھلونا تیرے سامنے ڈال کر تجھے اپنے حقیقی مالک اور خالق سے غافل کر دیا

ہے۔

انا الموجود فاطلبنی تجدنی

وان تطلب سوائی لم تجدنی

اذ للهفان نادنی کظیما

اقل لبیک فاطلبنی تجدنی

انا للعبد ارحم من اخیه

ومن ابویه فاطلبنی تجدنی

تجدنی فی سواد اللیل عبدی

یبا منک فاطلبنی تجدنی

(ابن عباس)

(ترجمہ) اے بندے! میں موجود ہوں اگر تو مجھے تلاش اور طلب کرے گا تو ضرور مجھے پالے گا۔ اگر میری طلب کی آڑ اور بہانے میں کسی غیر ماسویٰ چیز کو طلب کرے گا، تو مجھے ہرگز نہیں پائے گا جب کوئی فریادی بے کسی کی حالت میں مجھے پکارتا ہے تو میں اسے جواب میں آواز دیتا ہوں کہ اے میرے بندے! میں حاضر ہوں اگر تو مجھے تلاش کرے تو ضرور پالے گا میں اپنے بندے پر اس کے بھائیوں، بہنوں، ماں باپ اور سب خویشوں اور دوستوں سے زیادہ مشفق اور مہربان ہوں۔ اگر وہ میری جستجو کرے گا تو مجھے بھی حاصل کرلے گا۔ اے میرے بندے جب تو اندھیرے رات کی تاریکی اور تنہائی میں مجھے پانے اور دیکھنے کی خواہش کرے گا۔ تو تو مجھے اس وقت اپنے آپ سے زیادہ قریب تر پائے گا۔

ہمیشہ سے یہ قاعدہ چلا آیا ہے کہ جب کسی چھوٹے بچے کی ماں اپنے کام کے لئے گھر سے باہر چلی جاتی ہے۔ اور بچہ ماں کو یاد کر کے رونے لگتا ہے۔ تو گھر والے بچے کا دل بہلانے اور اسے چپ کرانے کے لئے اس کے ہاتھ میں کوئی کھلونا دے

دیتے ہیں۔ جس سے نادان بچہ خوش اور خاموش ہو جاتا ہے۔ اور اپنی ماں کو بھلا دیتا ہے۔ لیکن جو بچہ بہت سیانا اور ہوشیار ہوتا ہے۔ وہ کھلونے وغیرہ سے خاموش نہیں ہوتا بلکہ کھلونے کو دور پھینک دیتا ہے۔ اور اتنے تک روتا اور ماں کو یاد کرتا ہے کہ جب تک وہ اپنی ماں کو نہیں دیکھ لیتا اور اس سے بغل گیر نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح گریاں اور نالاں رہتا ہے۔

اسی طرح ہم دارِ دنیا میں تمام انسان اپنی ازلی ماں، اپنے اصلی مالک حقیقی محبوب سے بچھڑے اور جدا ہوئے ہیں۔ اور ہر انسانی دل میں فطرتاً اور جبلتاً اس کی تڑپ، طلب اور امنگ موجود ہے۔ لیکن آزمائشاً اور امتحاناً شیطان نے دنیا کے طرح طرح کے کھلونے ہمارے سامنے ڈال دیئے ہیں۔ اور بعض ذرا سیانے بچوں کے ہاتھ میں کچھ زیادہ دلچسپ قسم کے کھلونے دے دیئے ہیں۔ جنہیں دیکھ کر اور بعض کو ہاتھ میں لے کر ہم خوش اور مطمئن ہو گئے ہیں۔ اور اپنے خالق مالک کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اور اس سے بالکل غافل اور بے خبر ہو گئے ہیں۔

اہلِ یورپ مادی تحقیقات میں عمریں صرف کر رہے ہیں۔ اور بالکل بے فائدہ مہمات کے سر کرنے میں اپنی عزیز جانوں پر کھیل جانے سے ذرا بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ مشکل پسند لوگ اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کرتے کہ ہم اپنا روپیہ گراں مایہ وقت اور عزیز ہستی جس غرض اور مقصد کے حصول میں ضائع کر رہے ہیں۔ کیا اس سے کوئی ٹھوس حقیقی فائدہ بھی ہے یا نہ۔ لیکن محض اس لئے کہ یہ ایک مشکل کام ہے۔ اور آج تک یہ کام پہلے کسی انسان سے پورا اور سرانجام نہیں ہو سکا۔ اور اس مشکل مہم اور دشوار کام کے سرانجام کرنے میں ہمارا نام دنیا میں یاد رہے گا۔ محض اسی نمود، نمائش اور شہرت کی خاطر یہ کوتاہ اندیش اور طفل مزاج لوگ ایک رائیگاں شغل اور بے سود خاک رانی میں اپنی گراں قدر عمریں اور عزیز جانیں ضائع اور تلف کر رہے ہیں۔

پچھلے سالوں کی بات ہے کہ ایک یورپین عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا تھا جس وقت اسے دردزہ شروع ہوا تو اسے نے بچہ پیدا ہونے سے پہلے ایک ہوائی جہاز میں سوار ہونے کا اہتمام کرلیا۔ چنانچہ وہ بچہ زمین کی بجائے ہوائی جہاز کے اندر ہوا میں پیدا ہو گیا۔اس عورت کو یہ انوکھا خیال اس لئے سوجھا اور ہوئی جہاز میں اڑتے وقت بچہ پیدا کرنے کا یہ سارا بکھیڑا اس شہرت کی بھوکی عورت نے اس لئے برداشت کیا تاکہ تاریخ میں اس کا لڑکا وہ پہلا بچہ شمار ہوگا۔ جو سب سے پہلے ہوئی جہاز میں پیدا ہوا۔

مذکورہ بالا مہمات کے علاوہ یورپین محققین کی علمی تحقیقات کا اگر جائزہ لیا جائے تو انسان کو حیرت آجاتی ہے۔مدت سے یورپ کے ڈاکٹر،فلاسفر،اور سائنس دان دنیا کی حقیر ترین چیزوں مثلاً کیڑوں مکوڑوں، چیونٹیوں،مکھیوں،مکڑیوں، چوہوں اور چھچھوندروں وغیرہ کی علمی تحقیقات میں مصروف ہیں۔اور بے شمار اہل علم اپنی عزیز عمریں ان نکمی حقیر چیزوں کے کھوج اور ریسرچ میں وقف کر چکے ہیں۔چنانچہ منجملہ ان کے ایک نامی گرامی ڈاکٹر اور فلاسفر کے اس قسم کے جنون اور سودا کا ایک واقعہ سنیئے اور سن کر سر دھنیئے

تفصیل اس واقعے کی یوں ہے کہ ڈاکٹر ہنٹر جو اس قسم کے حقیر جانوروں کی تحقیقات کا بڑا ماہر فلاسفر ہوا گذرا ہے۔ان کے ایک شاگرد کو کسی عورت سے محبت اور تعشق ہو گیا تھا۔جس نے اس سے منہ موڑ کر کسی اور سے شادی کر لی تھی۔اس پر وہ شاگرد رشید اپنے استاد ڈاکٹر ہنٹر کو لکھتا ہے کہ میری ایک محبوبہ تھی۔ جو میری زندگی کی تمام آرزوؤں اور امیدوں کا مرکز تھی۔اس نے مجھ سے روگردانی کر کے ایک دوسرے شخص سے شادی کر لی ہے اور میری تمام مرادوں کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اب اس کے بغیر دنیا مجھے تنگ اور تاریک ہو گئی ہے۔اور اس کی جدائی میں اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔اور خودکشی کا تہیہ کئے بیٹھا ہوں۔آپ میرے راہبر اور راستاد

ہیں۔کیا آپ جذبات کے اس بے پناہ طوفان میں میری کچھ مدد فرما سکتے ہیں۔اور مجھے کنارہ نجات تک پہنچا سکتے ہیں؟ اس کے جواب میں جلیل القدر استاد اس شاگرد کے لئے جو کارگر علاج تجویز فرماتے ہیں۔اور جو راہ نجات بتاتے ہیں وہ سننے کے قابل ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب اپنے شاگر کو تحریر فرماتے ہیں کہ اے شاگرد رشید! میں آپ کو اس مہیب اور مہلک مصیبت سے نجات کا صحیح راستہ بتاتا ہوں۔اور وہ یہ ہے کہ آپ آج سے جنگلی چوہوں یعنی ہج ہاگز (Hedge Hogs) کی تحقیقات شروع کردیں۔اس میں اس قدر بے شمار دلچسپیاں اور بے اندازہ عجیب و غریب نفسیاتی باریکیاں ہیں کہ آپ اس دلفریب اور دلکش علمی مشغلے میں اپنی ایک محبوبہ لیڈی کی تمام دنیا و ما فیہا کو بھول جائیں گے۔ سبحان اللہ! یورپین محققین اور متجسین کی مادی علمی تحقیقات کے سودا اور جنون کی طرف ذرا غور فرمائیے کہ کس طرح اے بڑے بھاری ڈاکٹر اپنے شاگرد کو موت سے بچانے اور راہ نجات دکھانے کے لئے جنگلی چوہے کی پیٹھ پر کانٹوں کے سبز باغ کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔اب ذرا ہم اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے طالب اور اس راستے کے سالک اور عارف کے لئے باطنی اور روحانی دنیا کا کس قدر لامحدود اور لازوال میدان پڑا ہوا ہے۔اور اس میں کس قدر بے شمار عجیب و غریب نادیدہ و ناشنیدہ معارف و اسرار کے خزانے مخفی پڑے ہیں۔ اور زندگی کے کتنے انوکھے، باریک اور دقیق علمی حقائق اور موت کے بعد ابدی زندگی کے نہایت اہم اور ضروری معلومات کا بڑا بھاری ذخیرہ نا تلاش کردہ اور پوشیدہ پڑا ہوا ہے۔اور عالم غیب کی لطیف مخلوقات یعنی جنات، ملائکہ اور ارواح سے اختلاط اور ملاقات اور ان سے حصول فیوضات اور برکات کے راستے کھلے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ کی معرفت، قرب و صال، مشاہدے اور فنا و بقاء اور لقا کے مکانات موجود ہیں۔لیکن ہم اس طرف سے بالکل اندھے اور بہرے ہیں پس انسان کو چاہیے کہ محض دنیا کی خاک رانی میں عمر

عزیز ضائع نہ کرے۔ بلکہ دار آخرت کا بھی فکر کرے۔ بے شک دنیا کے کام کاج بھی کرے لیکن دنیا کی طلب اور تلاش میں اپنے مالک سے غافل نہ ہو جائے۔

ہمارے اس پچھلے مضمون میں ہے کہ اللہ تعالی رزاق مطلق ہے۔اور رزق روز اول سے مقدر ہو چکا ہے۔بعض مغرب زدہ تعلیم یافتہ لوگ آتش زیر پا ہوں گے۔ اور کہیں گے کہ یہ تو فقط رہبانیت کی تعلیم و تلقین ہے۔اور اس قسم کے مسائل اور عقائد نے مسلمانوں کو بے کار اور سست بنا دیا ہے۔ ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ لوگ کام اور کسب کرنا چھوڑ دیں۔اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر محض اللہ تعالی پر توکل کر کے نکمے اور بے کار ہو کر بیٹھ جائیں۔ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے۔وہ از روئے شرع شریف اصلی اسلامی نظریہ اور عقیدہ ہے۔اب ہم کسب معاش کے مسئلے اور روزی کی تلاش کے معاملے کو یہاں ذرا وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ روزی اور کسب معاش کا معاملہ بہت اہم اور ضروری ہے۔کسب معاش اور روزی کے معاملے میں وہ شتر بے مہار کی طرح بالکل بے راہ رو اور آزاد ہیں۔انہیں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی مطلق کوئی تمیز ہی نہیں ہے جہاں سے اور جس طرح سے پیسہ ہاتھ لگے۔ اس کے حصول سے دریغ نہیں کرتے۔اور ہر طرح کی کمائی کو شیر مادر کی طرح حلال سمجھتے ہیں۔محض لوگوں میں بدنامی اور حکام وقت کے خوف اور دشمنوں کے طعن اور تشنیع کے خوف سے بعض دفعہ یہ لوگ اعلانیہ طور پر ناجائز اور حرام کمائی سے ہچکچاتے اور کتراتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے نزدیک مال جمع کرنے، سرمایہ داری اور ذخیرہ اندوزی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ان کے ہاں شرافت اور تہذیب کا معیار دنیوی مال اور مادی دولت ہے۔جس قدر کوئی شخص قارون کی طرح زیادہ سرمایہ دار اور دنیا دار ہے۔خواہ وہ اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے کتنا ہی بدکردار، نالائق حماقت شعار ہے۔ ان کے ہاں بڑا معزز، شریف، مہذب اور باوقار ہے۔انہی کے حال کے مطابق کسی نے کہا ہے

خوک باش و خرس باش یا سگ مردار باش
ہر چہ باشی باش لیکن اند کے زر دار باش

ایسے لوگ اگر کسی نیک کام میں یا پبلک کے مفاد کی خاطر کبھی اپنا روپیہ خرچ بھی کرتے ہیں۔ تو ان میں ان کا ارادہ محض لوگوں میں شہرت اور عزت اور ناموری حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے کام ھباء منثورا اور گردوغبار بن کر رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں ایسی نیکیوں کی کوئی قدر اور منزلت نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کا ہر کام اور ہر عمل دنیا کی خاطر ہوتا ہے۔ یہ لوگ محض دنیا اور نفس کے بندے ہوتے ہیں۔ ان کی تمام سعی اور کوشش محض دنیا تک محدود ہوتی ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالی اور دار آخرت سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب ہوتے ہیں۔ حیوانوں کی طرح چند روز دنیا میں آئے اور کھا پی کر چلتے بنے۔ دنیا کی تمام اقتصادی بد حالی، معاشی تنگی اور دولت کی ساری غیر مساویانہ تقسیم کا واحد ذمہ دار یہی قارونی گروہ ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم عقل اور ہمت کے مالک ہیں۔ اور ہم جنگل کے شیر کی طرح ہیں۔ ہمارا حق ہے کہ ہم کمزوروں کو شکار کرکے اور چیر پھاڑ کر کھائیں اور غریب، مفلس اور نادار لوگ، بے وقوف، کم ہمت اور بزدل ہونے کے سبب اسی بات کے لائق اور سزاوار ہیں کہ ہم ان کو لوٹیں اور ان کا مال کھائیں پئیں اور عیش کریں۔ یہ لوگ محض انسان نما حیوان اور درندے ہیں۔ اور دوزخ کا ایندھن ہیں۔ ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں

ویوم یعرض الذین کفرو علی النار اذھبتم طیبتکم فی حیاتکم الدنیا واسمتعتم بھا فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبر فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تفسقون

(ترجمہ) اور قیامت کے روز کافروں کو دوزخ کے سامنے لے جاکر انہیں خطاب کیا جائے گا کہ تم نے دنیا کی زندگی میں خوب عیش اڑائے اور نفسانی فائدے

اٹھائے۔ آج اس کے بدلے تم کو خوار اور رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے گا۔ کیونکہ تم نے ناحق اور ناجائز طریقے پر دنیا کما کر اپنے آپ کو بڑا آدمی بنا رکھا تھا۔ اور اس دنیا کے ذریعے طرح طرح کے فسق و فجور اور گناہ کے کام کیا کرتے تھے۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اور دار آخرت پر تو ایمان ہے لیکن روزی اور کسب کے معاملے میں ان لوگوں کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور وہ ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ظاہری اسباب کسب معاش اور ہاتھ پاؤں مار کر روزی کمانے سے چارہ نہیں ہے۔ خالی توکل کرنا اور اسباب اور کسب معاش کو ترک کرنا ایسے لوگوں کے لئے مضر بلکہ مہلک ہے۔ جیسا کہ چھوٹا بچہ اپنی ماں کا اور ماں کے دودھ کا محتاج ہوتا ہے۔ اور گو خارج میں بیرونی دنیا کے اندر طرح طرح کی غذائیں اور ان کے حصول کے بے شمار راستے موجود ہیں۔ پھر بھی جب تک وہ بچہ ہے۔ اسے ماں کی چھاتی سے چمٹنا اور اس سے غذا حاصل کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں کرے گا۔ تو اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ لہٰذا ایسے مبتدی ضعیت الایمان آدمی کے لئے مادر اسباب مادی سے چمٹا رہنا اور اس سے اپنی معاش اور روزی حاصل کرنا لازمی ہے لیکن باوجود ہاتھ پاؤں چلا کر روزی کمانے کے انہیں اس بات پر ایمان اور یقین رکھنا چاہیے کہ اصل روزی اور رزق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسی رزق اور معاش کے لئے ہماری ظاہری جدوجہد اور کوشش اس رزاق مطلق کے ید قدرت پر بطور آستین کے ہے۔ اور معاش اور روزی کے لئے ہماری دوڑ دھوپ اور طلب و تلاش بھی اس کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت صاحبؒ سے کسی نے سوال کیا کہ چوں رزق مقدر است پس گردیدن چیست یعنی جب رزق مقدر ہے تو پھر اس کے لئے پھرنے اور تلاش کرنے کا کیا مطلب ہے۔ اور اس کے لئے پھرانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ چوں رازق مے گرداندپس پرسیدن چیست یعنی جب

خود رزاق انسان کو رزق کے لئے پھرائے تو پھر پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یعنی جس طرح رزق مقدر ہے۔ اس کے لئے پھرنا اور تلاش کرنا بھی رزق کی طرف سے مقدر ہوتا ہے۔ اگر اس کاسب اور روزی کمانے والا اس اعتقاد اور یقین کے ساتھ روزی کمائے اور کسب کرے تو وہ مومن اور مسلمان ہے۔ ورنہ اگر روزی محض اپنے کسب اور کوشش سے جانے اور اللہ تعالیٰ کو رزاق مطلق نہ جانے تو وہ کافر اور بے دین ہے۔ ایسے لوگوں کے حق میں مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں۔

گر توکل مے کنی درکار کن
کارکن پس تکیہ بر جبار کن
گفت پیغمبرؐ بہ آواز بلند
بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

ایسے لوگوں کو اپنی کمائی اور مال میں سے عشر اور زکوۃ وغیرہ نکال کر ایک سال کا ذخیرہ رکھنا جائز ہے۔ اگر ایک سال سے زیادہ کا ذخیرہ جمع رکھے تو حریص اور گنہگار ہو گا۔

تیسری قسم متقی اور پرہیز گار لوگوں کی ہے۔ روزی کے بارے میں ان لوگوں کا معاملہ بہت مشکل اور پیچیدہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ اول تو خالص حلال کمائی کی تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ حلال کی کمائی آج کل بہت مشکل اور دشوار ہے۔ اس لئے حرام اور مشتبہ روزی میں ہاتھ ڈالنے سے متقی لوگ اکثر کتراتے اور جی چراتے ہیں۔ اور خالص حلال کمائی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اگر حسن اتفاق سے انہیں کوئی حلال کی کمائی مل بھی جائے تو اکثر اس کے حصول میں مردہ دل نفسانی لوگوں، فاسق، فاجر، بے دینوں اور دنیا دار متکبر، مغرور اور ظالموں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اور اس قسم کے مردہ دل نفسانی لوگوں کے اختلاط اور ظالم لوگوں کے میل جول اور دنیا دار اور متکبر اور مغروروں کی بے جا آؤ بھگت اور تعظیم و تکریم سے ان کا دینی معاملہ خراب

اور ضائع ہوتا ہے جیسا کہ آیا ہے۔

ولا ترکنو الی الذین ثلمو افتمسکم النار

یعنی ظالموں کے نزدیک نہ جاؤ تمہیں بھی ان کے ظلم کی آگ لگ جائے گی اور ہر بری صحبت کا اثر ہوتا ہے اور حدیث میں آیا ہے

من تکرم غنیا لغنائہ فقد ذھبا ثلثا دینہ

یعنی جو شخص کسی غنی اور دنیا دار آدمی کی محض دنیا کی خاطر عزت اور تواضع کرتا ہے اس کا دو تہائی دین اسی وقت چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض متقی اور پرہیز گار لوگوں کو ابتداء میں نماز تہجد کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ اور انہیں تلاوت، ذکر فکر اور اللہ اللہ کرنے میں بڑی لذت آتی ہے۔ اور ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کا ذوق وشوق حاصل ہوتا ہے۔ لیکن بعض دفعہ یک دم بے وجہ ان کے دل کا باطنی معاملہ بگڑ جاتا ہے۔ نہ وہ پہلا سا ذوق وشوق رہتا ہے۔ اور نہ عبادت اور ذکر فکر میں پہلی سی لذت آتی ہے۔ اس کی وجہ محض برے سیاہ دل اور ظالم لوگوں کی نزدیکی اور ان کی صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ لہذا متقی اور پرہیز گار لوگوں کے لئے رزق کا معاملہ پیچیدہ مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ اور اس معاملے میں بعض تو رجعت اور شکست کھا کر بازی ہار جاتے ہیں۔ اور مبتدی عوام لوگوں کے پہلے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اور بعض جو ثابت قدم اور مستقل مزاج ہوتے ہیں۔ اور اپنے زہد وتقویٰ پر قائم رہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کچھ آزمائش اور امتحان کے بعد ایسے لوگوں پر حلال کی روزی کے آسان غیبی بے حرج راستے کھول دیتا ہے۔ اور ایسی طرف سے روزی پہنچاتا ہے کہ کسی کو وہم اور گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور بعض دفعہ لوگوں کے دلوں میں ان کی نسبت حسن اعتقاد اور یقین ومحبت کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ دل وجان سے اس کی ہر طرح سے خدمت کرتے ہیں۔ اور حکم بجالاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں کسی نہ کسی طرح رزق کے جنجال سے فارغ البال کر دیتا ہے۔ اور پوری یکسوئی و یک جہتی اور

فراغت قلبی سے اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر اور اس کے تصوف میں محو اور منہمک ہو جاتے ہیں۔اور دنیا ان کی لونڈی بن کر ان کی خدمت بجالاتی ہے۔اور ان کا دل اس سے خالی اور فارغ ہوتا ہے جیسا کہ مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں

آب در کشتی ہلاک کشتی است
آب زیر کشتی اور اپشتی است

یعنی جس طرح پانی اگر کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو کشتی کی غرقابی اور ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے۔اور اگر پانی کشتی کے نیچے ہو۔تو اس کی امداد پشتی کا کام دے کر اسے اوپر اٹھاتا ہے۔ اسی طرح اس قسم کے متقی سالک کو دنیا نقصان نہیں پہنچاتی۔ بلکہ اس کی خدمت کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ قول اس قسم کے متقی لوگوں کے حسب حال ہو جاتا ہے۔

ومن یتق الل یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب

(ترجمہ)جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے رزق کے معاملے میں تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی روزی کا کوئی غیبی راستہ اور ذریعہ بنا دیتا ہے۔اور ایسی طرف سے اسے رزق اور روزی پہنچاتا ہے کہ جس کا اسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔یہاں یہ مقولہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ دست بکار و دل بیار یعنی ہاتھ کام میں لگا ہوا اور دل یار میں۔پنجابی میں کہاوت ہے ہتھ کار ول تے دل یار ول لیکن یہ مقولہ اس جگہ غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ جس کام میں ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔اس میں دل بھی مشغول ہو جاتا ہے۔اور جس وقت دل کے گھر میں دنیا کے خیالی کتے گھس جاتے ہیں۔اس وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر فکر اور خیال کا فرشتہ دل کے صحن میں داخل نہیں ہوتا لہٰذا یہ مقولہ اس طرح درست ہے کہ دست بے کار و دل بیار کہ ہاتھ کام سے فارغ ہو تب دل اللہ تعالےٰ سے مشغول ہوتا ہے۔

چوتھا گروہ ایسے برگزیدہ،مقدس،ممتاز،منتہی عارف لوگوں کا ہے جو دنیا میں خال

خال ہیں۔ان کا حال توکل کا ہے اور روزی کے لئے کسب اور طلب وتلاش سے یہ لوگ بالاتر ہیں۔اور یہ آیت ان کے حسب حال ہے

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ

یعنی جو اللہ تعالی پر تکیہ اور توکل کرلیتا ہے وہ اس کے ہر کام کے لئے کافی اور کفیل ہو جاتا ہے ایسے عارف کامل مالک الملکی فقیروں کا تمام جہان پر حق ہوتا ہے۔اور جہاں سے جو چیز بھی ان کی خدمت میں از وجہ ناوجہ بطور تحفہ یا نذرانہ پیش کی جاتی ہے۔ان کے لئے حلال ہوتا ہے۔کیونکہ ان کی برکت سے آسمان سے بارشیں برستی ہیں۔اور زمین پر آبادیں ہوتی ہیں۔ان کے وجود مسعود کے طفیل جہان والوں سے ظاہری اور باطنی آفتیں، حادثے اور مصیبتیں ٹلتی اور رفع دفع ہوتی ہیں۔اس لئے ہر آدمی کی کمائی میں ان کا حق اور حصہ ہوتا ہے۔جیسا کہ کسی سالک نے کہا ہے

ہر کر القمہ بود نور از جلال
آنچہ داند مے خورو بروے حلال
مالک الملکی بود عارف فقیر
حق او بر کل جہاں حاکم امیر

ویسے بھی وہ کسی طرح اسباب اور کسب کے محتاج نہیں ہوتے۔کیوں کہ اول تو وہ اللہ تعالی کے صفت رزاقی کے فعل اور عمل کو باطنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں کہ فرشتے اور ملائکہ ہر شخص کو رزق پہنچانے پر متعین ہیں۔ان کی آنکھوں سے اسباب اور مادے کے پردے اٹھا دیئے جاتے ہیں۔اور وہ قدرت کے ہاتھ کو برہنہ اور اعلانیہ طور پر دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی کا دست قدرت رزق تقسیم کر رہا ہے۔اور اسباب کی آستین محض ایک بہانہ اور عارضی چیز ہے۔دوم وہ ہر چیز میں اپنی خداداد باطنی طاقت سے تصرف کرتے ہیں۔اگر مٹی کو ہاتھ لگاتے ہیں تو اسے سونا بنا دیتے ہیں۔اگر کسی خشک درخت سے میوہ طلب کرتے ہیں تو اسی وقت ہرا بھرا ہو کر بے وقت اور بے

موسم پھل دے دیتا ہے۔غرض دنیا کی مادر اسباب ان کے سامنے لونڈی کی طرح ہاتھ باندھے کھڑی رہتی ہے۔ یہ لوگ سوائے اللہ تعالےٰ کے اور کسی کے محتاج نہیں رہتے ۔ایسے لوگوں کے حق میں مولانا روم صاحبؒ فرماتے ہیں

ہاں تو کل کن مجہاں پاؤ دست
رزق تو بر تو زتو عاشق تر است

جو لوگ اس طرح کے متوکل صاحب حال ہوتے ہیں۔ اس کے سینے باطنی دولتوں سے اوران کے دل روحانی نعمتوں اور لذتوں سے مالا مال ہوتے ہیں ۔وہ دنیوی تنگی اور فقر و فاقہ میں لذت محسوس کرتے ہیں ۔اور فقر پر فخر کرتے ہیں۔جیسا کہ آنحضرتﷺ نے فرمایا الفقر فخری ابن یمین کے یہ ابیات ان کے حال کا پتہ دیتے ہیں

ابیات

نان جویں و خرقہ پشمیں و آب شو ر

سی پارہ کلام و حدیث پیغمبری

ہم نسخہ دو چار زعلمے کہ نافع است

در دیں نہ لغو بو علی وژاژ عنصری

تاریک کلبہ کہ پے روشنی آں

بیہودہ ہیتے نہ برد شمع خاوری

با یک دو آشنا کہ نیر زد بہ نیم جو

در پیش چشم ہمت شاں ملک سنجری

ایں آں سعادت است کہ حسرت برد برآں

جو یائے تخت قیصر و ملک سکندری

بعض لوگوں کے دلوں میں شیطان نے دین کی نسبت عجیب قسم کی بدگمانیاں اور شکوک پیدا کر دیئے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ اہل مغرب کو بے دینی، لامذہبیت، الحاد اور اللہ تعالےٰ کے عقیدے سے انحراف نے آسودہ حال اور مالا مال کر دیا ہے۔اور اہل مشرق کو مذہب، دینداری اور خدا کے عقیدے اور خیال نے مفلس، محکوم اور کنگال بنا دیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ نہ بے دینی، الحاد اور بداخلاقی کسی شخص کو فرداً فرداً یا کسی قوم کو مجموعی طور پر آسودہ حال اور صاحب اقبال بنا سکتی ہے۔اور نہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ اس کی یاد، اطاعت اور خوش خلقی کسی کو مفلس اور کنگال کر سکتی ہے۔بلکہ دنیا اور آخرت کی آسودگی، آسائش ہمیشہ سے دینداری، نیک اطوار اور حسن اخلاق کے ساتھ مربوط اور وابستہ ہے۔جس شخص یا جس قوم کو بھی دیکھو کہ اس نے دنیا میں ترقی کر کے اچھی پوزیشن حاصل کر لی ہے اور آسودہ حال اور مالا مال ہو گئی ہے۔تو اس شخص یا اس قوم کے اندر ابتداء میں رست بازی، دیانت داری، رحم دلی، اتفاق،

حسن اخلاق اور اچھی عادات وصفات میں سے کوئی نہ کوئی ضرور پائی جاتی ہو گی۔
جس کی بدولت اگر انہیں بسبب کفر وشرک دولت آخرت نہ سہی تو دنیا کی راحت،
آسائش، بخت اور اقبال بطور نعم البدل حاصل ہو جاتے ہیں؛ اور یہ چیز انہیں دنیا
میں مرفہ الحال اور مالا مال بنا دیتی ہے۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ بے دینی اور بداخلاقی
کسی شخص یا کسی قوم کی آسودگی، آسائش اور بخت واقبال کا موجب اور باعث بن
جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

ومـمـن خـلقنا امة يهدون بالحق وبه يعدلون والذين كذبو بايتنا
سنستدرجهم من حيث لا يعلمون واملى لهم ان كيدى متين

(ترجمہ) اور ان لوگوں میں سے کہ پیدا کیا ہے ہم نے واسطے بہشت کے ایک
گروہ ہے کہ راہ دکھاتا ہے خلق کو ساتھ حق کے اور عدل اور انصاف کرتے ہیں۔ اور
جنہوں نے باوجود عدل اور انصاف کے نشانیوں کو یعنی ہمارے پیغمبرؐ، اس کی کتاب
اور دعوت حق کو جھٹلایا تو ہم دنیا میں انہیں اس طرح درجے اور ترقی عطا کریں گے کہ
وہ اسے سمجھ نہیں سکیں گے حالاں کہ یہ دنیوی ترقی انہیں زیادہ غافل کرنے کے لئے
ایک ڈھیل اور مہلت ہے۔ اور یہ بات ان کے ساتھ ہماری آزمائش کی ایک
زبردست چال ہے۔ لہٰذا تم اگر کسی شخص یا کسی قوم کو دیکھو کہ باوجود کفر اور شرک یا بے
دینی اور الحاد دنیا میں آسودہ، خوش حال اور صاحب اقبال ہے۔ تو اس کا موجب اور
باعث یا تو اس کی کوئی اپنی پوشیدہ خصلت اور عمدہ عادت ہو گی۔ یا اس کے آباؤ اجداد
کی دینداری اور اللہ تعالی کے راستے میں سعی اور قربانی ہو گی۔ جس کا معاوضہ اس
طرح اسے دنیا میں مل رہا ہے کیونکہ وہ بے چارہ آخرت کا اہل اور حق دار نہیں ہے۔
اس کا معاوضہ اسے چند روزہ فانی دنیا میں مل رہا ہے۔ سو یہ بات بالکل محال اور نا
ممکن ہے کہ کوئی شخص یا قوم صدق دل سے اللہ تعالی پر ایمان رکھے اور عمل صالح
کرے اور دنیا و آخرت میں کسی کا محتاج، دست نگر اور محکوم ہو جائے۔ یہ بات اللہ

تعالیٰ کے شایانِ شان بھی نہیں کہ وہ اپنے خالص، مخلص اور فرماں بردار بندوں کو کافروں، مشرکوں اور نافرمان ظالم اور بے دین لوگوں کا محتاج اور محکوم کرے۔ بے دینی وبداخلاقی اور ظلم وستم کا انجام اور نتیجہ ہمیشہ اور ہر جگہ برا رہتا ہے۔ اور یہ جو بعض لوگ بعض دفعہ نیک، دین دار اور خوش اخلاق نظر آتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کی نیکی اور خوش اخلاقی یا تو محض رسمی رواجی، نمائشی یا محض ریا اور دکھلاوے کی صورت میں ہوتی ہے۔ یا ان کی نیت میں فساد اور بگاڑ ہوتا ہے۔ اس واسطے ایسی نیکی اور خوش خلقی سے کچھ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ انما الاعمال بالنیات یعنی اعمال کا حسن اور قبح نیت پر موقوف ہے۔ اور دوسری حدیث میں آیا ہے۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الی اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم دنیاتکم

یعنی اللہ تعالیٰ نہ تمہاری صورتوں کو دیکھتا ہے اور نہ تمہاری ظاہری اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ تمہارے دلوں ارنیتوں کو دیکھتا ہے۔ ورنہ اگر نیت خالص سے کوئی بھی عمل کیا جائے۔ اس پر اسی وقت فوری نتیجہ مترتب ہوتا ہے۔ سو اعمال میں سے ایک اعمال کا یہاں تھوڑا سا ذکر کیا جاتا ہے۔ جس سے اس کی کیفیت اور نیت کے سبب اس کے حسن و قبح پر روشنی پڑتی ہے۔ اس میں سے ایک نماز ہے جو روزنہ پانچ وقت ادا کی جاتی ہے۔ جس کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ الصلوۃ معراج المومنین یعنی نماز مومن کے لئے معراج کا درجہ رکھتی ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ حی قیوم، اور شاہ رگ سے بندے کے نزدیک ہے۔ کوئی جامد پتھر کا بت نہیں ہے۔ بلکہ سمیع و بصیر اور کلیم ہے کہ بندے اسے پکارے اور جواب نہ دے۔ خدا کے ایسے خاص بندے ہیں کہ جس وقت وہ نماز کے اندر سجدے میں اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کہ سبحان ربی الاعلیٰ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر دفعہ خطاب ہوتا ہے لبیک یا عبدی یعنی اے میرے بندے میں حاضر ہوں۔ مانگ جو کچھ مانگتا ہے۔ اور دو

سجدوں کے درمیان قعدہ میں اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں داخل ہوتا ہے۔اور اس پر خاص تجلی ہوتی ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واسجد واقترب یعنی سجدہ کر اور میرے قریب ہو۔یہ تو اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص چیدہ اور برگزیدہ محبوب بندوں کی نماز کا معاملہ ہے۔لیکن متوسط مومن متقی بھی اگر نماز کو اخلاص، نیک نیتی اور اچھی طرح سے ادا کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نماز کے اندر کچھ اشارتیں اور بشارتیں ملتی ہیں۔ چنانچہ بعض کو نماز کے اندر لذت، حلاوت اور فرحت محسوس ہوتی ہے۔بعض کو رقت اور گریہ جاری ہو جاتا ہے۔کسی کی زبان ایسی میٹھی ہو جاتی ہے کہ گویا کسی نے منہ میں شہد گھول دیا ہے۔کسی کو نماز کے وقت ایک خاص قسم کی ریح اور خوشبو آنے لگتی ہے۔کسی کو رات کو نماز یا تہجد پڑھنے کے بعد اچھے خواب نظر آتے ہیں۔اور خواب میں نیک بشارتیں ملتی ہیں۔سب سے کمتر تاثیر نماز کی یہ ہے کہ نماز پڑھنے سے وجود سے ایک گونہ بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔جسم ہلکا پھلکا اور دل بے وجہ خوشی اور اطمینان حاصل کرتا ہے۔اور اگر رات کو نماز رہ جائے اور پڑھی نہ جائے۔تو دل پریشان اور ملول رہتا ہے۔نیند اچھی نہیں آتی اور ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔اگر ان مذکورہ باتوں میں سے نمازی کو کچھ بھی محسوس اور معلوم نہ ہو تو جانے کہ نماز صحیح اور درست ادا نہ ہوئی۔اور درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتی۔ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو اور سوال والتجا کرے۔اور وہ حی و قیوم اور قریب ومجیب جواب نہ دے۔کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے فاذکرونی اذکرکم تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا قولہ تعالیٰ

قال ربکم ادعونی استجب لکم

تم مجھ سے دعا مانگو اور مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور جواب دوں گا۔

پس نمازی کو چاہیے کہ نماز کو صحیح اور درست کر کے پڑھے۔اور اپنی نیت کو خالص کرے۔اور نماز میں دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف لگائے۔اور اس طرح حضور دل سے

نماز ادا کرے۔ کہ گویا اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہے۔ اور اسے دیکھ رہا ہے۔ یا کم از کم اتنا خیال رکھے کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں اور وہ عظیم الشان سرکار مجھے دیکھ رہی ہے قولہ تعالیٰ

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خشعون

یعنی وہ مومن ضرور چھٹکارا پا گئے جن کے دل پر نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی ہیبت چھا جاتی ہے۔ نماز کی صحت کی چار شرائط ہیں۔ اول دل کا حضور دوم خدا کے آگے عقل وشعور، سوم دل میں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان ذات کی عظمت اور ہیبت چہارم نماز کے ارکان کی حسن ادائیگی اور اس میں عاجزی اور فروتنی چنانچہ بغیر حضور نماز لاہی اور رواہی ہے۔ اور بلا شعور عقل نماز دل کی سیاہی ہے۔ بغیر خشوع نمازی کا دل خاطی یعنی گمراہ ہے۔ اور بغیر خضوع وفروتنی نمازی جانی یعنی جفا کار ہے۔ یعنی نماز اور اپنے نفس پر ظلم کر رہا ہے۔ حدیث میں آیا ہے

ان العبد اذا قام الی الصلوۃ رفع اللہ الحجاب بینہ وبینہ وواجھہ لوجھہ الکریم وقامت الملئکۃ من لدن منکبیہ الی السماء یصلون بصلوتہ ویومنون علی دعائہ ویستنشرون علیہ الا نوار من عنان السماء الی مفرق راسہ

(ترجمہ) جب بندہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے اور اپنے درمیان حجاب اور پردے اٹھا دیتا ہے۔ اور اپنی ذات مقدس سے اس بندے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اور نمازی کے دونوں کندھوں سے لے کر آسمان تک ملائکہ اور فرشتوں کے پرے اور صفیں قائم ہو جاتی ہیں جو بطور اعزاز و تکریم اس کے ارکان نماز میں اس کا تتبع اور موافقت کرتے ہیں۔ اور اس کی دعا کے ساتھ آمین پکارتے ہیں۔ اور عنان آسمان سے اس کے سر پر جواہر انوار رحمت کے طشت نثار اور نچھاور کرتے ہیں۔ حضور دل سے نماز پڑھنے والی کی بعینہ یہی حالت

ہوتی ہے۔ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جلال احدیچ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ جب بندہ نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ اقدس کے فرشتوں کو حکم فرماتا ہے کہ اے ملائکہ! یہ بندہ میری بارگاہ میں آیا ہے۔اور کچھ راز و نیاز اور آرزو و التجا کے اظہار کا ارادہ رکھتا ہے اے ملائکہ اس بندے اور میرے درمیان ذرا پردے اٹھا دو۔فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب پردے اور حجاب اٹھا دیتے ہیں۔لیکن جس وقت بندہ نماز میں خطرات غیر اور خیالات دنیوی کی طرف ملتفت اور متوجہ ہوتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے خیال اور تصول سے اس کا دل خالی ہوتا ہے تو بارگاہ الٰہی سے حکم ہوتا ہے کہ اے ملائکہ پردے واپس ڈال دو اس کا دل میری طرف پیٹھ کیے ہوئے دنیا کی طرف رخ کیے ہوئے ہے۔یہ بندہ میری بارگاہ میں کوئی نماز پڑھنے اور دعا و التجا کرنے نہیں آیا ہے۔ بلکہ میرے ساتھ ٹھٹھا اور مخول کرنے آیا ہے۔اس وقت ایک فرشتہ منادی کے طور پر پکارتا ہے کہ کاش یہ نماز میں غیر کی طرف توجہ اور التفات کرنے والا بندہ اس بات کو جانتا کہ یہ کس مقدس عظیم الشان سرکار کے حضور میں کھڑا ہے تو اس عالی شان شاہنشاہ سے منہ موڑ کر ادھر ادھر کی حقیر اور ناچیز مخلوق کی طرف ہرگز ملتفت اور متوجہ نہ ہوتا۔

کتاب عوارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نمازی جب نماز میں کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہتا ہے تو شیاطین جو اس کے ساتھ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کی آواز سن کر مارے خوف کے اطراف عالم میں ادھر ادھر بھاگ جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس وقت بندے کے دل کی طرف تجلی فرماتا ہے۔اور اس کے دل کی طرف نگاہ کرتا ہے۔جب اس دل میں بغیر اپنی عظمت اور جلال کے کچھ نہیں پاتا۔تو اللہ تعالیٰ خطاب فرماتا ہے۔

یا عبدی صدقت اللہ اکبر کما قلت

یعنی اے بندے! تو اللہ اکبر کہنے میں صادق اور سچا ہے۔جس طرح تو نے زبان

سے ادا کیا ہے۔ کیونکہ اس وقت تیرے دل میں سوائے میری عظمت اور جلال کے اور کچھ نہیں ہے۔ لیکن جب بندہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت غیر اللہ اور ماسوا اللہ کی طرف متوجہ اور ملتفت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف سے اس بندے کی طرف خطاب پر عتاب ہوتا ہے کہ پرے دور ہو۔ تو اللہ اکبر کہنے میں سراسر جھوٹا اور منافق ہے۔ اس وقت شیاطین اطراف عالم سے واپس ہو کر اس کے دل پر دوبارہ اس طرح حملہ اور ہجوم کر کے آن پڑتے ہیں۔ جس طرح مکھیاں گندگی پر گرتی ہیں۔ اس وقت شیاطین اس کے دل کو نوچ نوچ کر کھاتے ہیں اور اپنا لقمہ بنا لیتے ہیں۔ سو نماز کی ادائیگی کے مختلف مرتبے اور درجے ہیں۔ اور نماز کی قبولیت، اجابت اور منظوری میں نیت، اخلاص اور حضوری دل کو خاص دخل ہے۔ اور ہر عمل کا دارومدار انسان کی نیت پر ہے۔

اب ایک نمازی کا ذکر اور حال سنیے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے ایک خراسانی پٹھان کو بازار میں دیکھا۔ جو کپڑا وغیرہ خریدنے آیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے بٹوے کے اندر ہزاروں روپے کے نوٹ ہیں۔ یہ لوگ عموماً مسجدوں میں رات کو سویا کرتے ہیں۔ میں سائے کی طرح اس کے پیچھے ہو لیا۔ رات کو وہ مسجد میں داخل ہوا۔ میں نے بھی اس کے قریب نوٹوں کا بٹوہ اڑانے کی خاطر ڈیرہ جما لیا۔ وہ پٹھان اسی پہلو پر جس کی طرف کی جیب میں بٹوا تھا سو گیا۔ ایسی حالت میں بٹوہ نکالنا اور اڑانا بہت مشکل تھا۔ میں سمجھا کہ کب تک اسی ایک پہلو کے بل لیٹا رہے گا۔ موسم سرما کی لمبی راتیں تھیں۔ اس مسجد میں چند اور مسافر بھی سوئے ہوئے تھے۔ میں نے نیند کے حملے سے بچنے اور اپنی نسبت لوگوں کے دلوں سے چوری چکاری کا خیال دور کرنے کی خاطر اس پٹھان کے پہلو میں نفل پڑھنا شروع کر دیئے۔ اور نماز کی رکعتوں پر رکعتیں پڑھنے لگ گیا۔ کہ جب رات کو کسی وقت وہ پٹھان پہلو بدلے گا تو میں اپنا کام شروع کر دوں گا۔ اور ہزاروں روپے کا بٹوں اڑا

لوں گا۔لیکن خدا کی شان کہ سخت جان پٹھان تمام رات اسی ایک ہی پہلو پر لیٹا رہا۔ اور میں نے بٹوے کی خاطر سینکڑوں رکعتیں پڑھ ڈالیں لیکن بٹوہ اڑانے میں ناکام رہا۔

اب ایک ظاہر بین شخص اس نمازی کو دیکھتا تو وہ دل میں خیال کرتا کہ یہ تو بڑا زاہد عابد بلکہ اپنے وقت کا بایزیدؒ ہے۔جس نے ساری رات نفلوں میں گذار دی ہے۔ لیکن خدا کے نزدیک ایسی رکعتوں اور نمازوں کی کیا قدر ہوگی جو محض بٹوے کی خاطر پڑھی گئی ہوں۔

غرض ہر عمل کا حسن وقبح اور رد وقبول عمل کرنے والے کی دلی نیت پر موقوف ہے۔ ایک دکاندار خوجے کی نسبت مشہور ہے کہ جب کبھی وہ کوئی گاہک بھول جاتا تھا۔یا کسی کے ذمے کوئی رقم یاد سے اتر جاتی تھی تو اسے یاد کرنے کے لئے دو رکعت نفل پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔چونکہ نماز میں شیطان بطور وسوسہ دنیا کی بھولی ہوئی باتیں یاد دلا دیتا ہے۔اس لئے اس خوجے کو وہ گاہک یا وہ رقم فوراً یاد آ جاتی تھی۔سو اس قسم کی نماز کا بدلہ آخرت میں الٹا خدا تعالیٰ کا قہر اور عذاب ہوگا۔سو ہر عمل اور عبادت کا روح و روان اور اس کی جان عمل کرنے والے شخص کے دل کی نیت اور ارادہ ہوا کرتا ہے۔اور اسی سے عمل اور عبادت زندہ اور تابندہ ہوتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درجہ قبولیت کو پہنچتا ہے۔ اگر کوئی عمل، اطاعت اور عبادت محض اللہ تعالےٰ کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے ادا کیا جائے۔تو اس عمل سے دنیوی مرادیں اور آخرت کے درجات بھی خود بخود تبعاً عمل کرنے والے کو حاصل ہو جاتی ہیں۔لیکن دنیوی ارادے کی تبع میں دین حاصل نہیں ہوتا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص ایک مسجد میں آکر معتکف ہوگیا۔اس مسجد کی آمدنی کافی تھی۔اور چونکہ اس مسجد کا سابق امام فوت ہوگیا تھا۔اور وہ عالم فاضل تو تھا ہی۔اس خیال سے مسجد میں قیام پذیر ہوگیا کہ شائد اسے امامت مل جائے۔اور

مزید برآں دن کو روزہ رکھتا۔ اور رات کو ساری رات نفل نوافل اس نیت اور ارادے سے پڑھتا تھا۔ تاکہ اس طرح لوگوں اور خصوصاً مسجد کے متولی اور مقتدیوں کا حسن ظن اور خوش اعتقادی حاصل کر سکے۔ اور وہ لوگ اسے مسجد کا امام بنالیں۔ اس حالت میں پورا ایک سال گذر گیا۔ لیکن کسی نے اس کی طرف التفات نہ کیا۔ اور اس کی امامت کی مراد پوری نہ ہوئی۔ آخر اس نے ایک دن اپنے نفس سے محاسبہ کیا کہ اے نفس تو نے پورا ایک سال ایک دنیوی غرض کے لئے دن کو روزے رکھے اور بھوکا پیاسا رہا۔ اور رات کو نمائشی نفلیں پڑھتا رہا۔ سال کی نیند حرام کی۔ اگر تو یہ کام محض اللہ کے لئے کرتا۔ تو آج کسی درجے کو پہنچ جاتا۔ حیف ہے تیری اس دانش پر اور لعنت ہے تیری اس غلط روی پر پس اسی خالص جذبے کے تحت سامان اٹھا کر مسجد سے نکلنے والا تھا کہ مسجد کا متولی اسے مسجد کے دروازے پر ملا۔ اور اس سے دریافت کیا کہ آپ کہاں جارہے ہیں۔ اس نے کہا کہ اپنے وطن جانے کا ارادہ ہے۔ مسجد کے متولی نے اسے کہا کہ بہتر ہے آپ کہیں نہ جائیں۔ مجھے ابھی گھر بیٹھے خیال گذرا۔ کہ ہمارے مسجد کا پیش امام ڈیڑھ سال سے فوت ہو چکا ہے۔ آپ نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کیوں نہ آپ کو اس مسجد کا پیش امام مقرر کر دیا جائے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ ہماری مسجد کی امامت قبول فرمالیں۔ اس پر وہ معتکف آدمی چونک پڑا۔ اور دل میں خیال کیا۔ کہ مکمل ایک سال کے ریاکارانہ زہد و عبادت نے وہ کام نہ کیا جو ایک لمحہ کے نیک فکر اور خالص ارادے نے کر دکھایا۔ اب میں اللہ تعالی سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ تمام عمر جو نیک عمل اور عبادت کروں گا۔ اس میں کسی دنیوی اور نفسانی ارادے کو دخل نہ دوں گا۔ اور آئندہ ہر فعل اور ہر کام میں اللہ تعالی کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے کروں گا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ شخص خاصان خدا اور مقربان مولا میں سے ہو گیا۔ سو ہر کام میں نیک نیت اور پاک ارادہ کامیابی کی کنجی ہے۔ بلکہ ایک حدیث میں آیا ہے نیت المومن خیر من عملہ یعنی

مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ یعنی جب انسان کسی نیک کام کا ارادہ کرتا ہے تو جب تک وہ عمل نہیں کر چکتا۔ اسے اپنے نیت اور ارادے کا ثواب ملتا ہے۔ اور جب عمل ادا کر لیتا ہے۔ تو دل کا نیک ارادہ اور پاک خیال ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حج ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو ہر وقت اس کا دل خانہ کعبہ کے طواف اور روضہ اقدس کی زیارت کے تصور اور خیال میں محو اور مصروف رہتا ہے۔ اور اسے دم دم میں اس پاک خیال اور نیک تصور کا اجر ملتا ہے۔ لیکن اگر وہ حج کو چلا جائے تو اس کا وہ نیک خیال ختم ہو جاتا ہے۔ بلکہ الٹا خانہ کعبہ میں بیٹھ کر اپنے گھر اور وطن کے خیالات میں محو اور مصروف ہو جاتا ہے جیسا کسی نے کہا ہے۔

در کعبہ اگر دل سوئے غیر است ترا
ہم کعبہ کنشت و قبلہ دیر است ترا
گر دل بخداؤ داخل بتکدہ
خوش باز کہ عاقبت بخیر است ترا

اب ذرا دوسرے بڑے عمل حج کا ذکر سنیئے۔ بہت لوگ اس امید پر حرام کماتے اور طرح طرح کے گناہ کرتے ہیں کہ آخر عمر میں حج ادا کر لیں گے۔ اور اللہ تعالےٰ سے تمام گناہ بخشوا لیں گے۔ ان لوگوں نے اللہ تعالےٰ کی پاک مقدس، عادل اور سچی بارگاہ کو بھی ایک راشی اور ظالم حاکم کی عدالت اور کچہری سمجھ رکھا ہے۔ جہاں رشوت سے سب کام نکل آتے ہیں۔ چنانچہ زمانے کے بڑے بڑے ظالموں اور سرمایہ داروں کو دیکھا جاتا ہے کہ جن کی تمام عمر رشوت خوری، زنا، لہو ولعب، لوٹ کھسوٹ، ظلم وستم اور ہر طرح کے فسق وفجور میں گذر جاتی ہے۔ اور غریبوں اور مسکینوں کا خون چوس چوس کر لاکھوں روپیہ جمع کر لیتے ہیں۔ پھر آخر میں پچھلے گناہ بخشوانے کی خاطر یا رلوگوں میں حاجی صاحب کہلوا کر عزت اور اعتبار پیدا کرنے کے لئے پھولوں کے انبار گلے میں ڈالے ہوئے بڑی دھوم دھام سے ہوائی جہاز پر

چڑھ کر چند روز کے لئے حج کرنے چلے جاتے ہیں۔ اور دل میں اتراتے ہیں کہ بس تمام عمر کے گناہ بخشوا آئے ہیں اور بڑا عمل کما لائے ہیں۔ لیکن اس قسم کے حج کو قیامت کے روز اللہ تعالےٰ گوبر کی طرح ان کے منہ پر مارے گا۔ اوران پر بجائے ثواب کے اللہ تعالیٰ کا قہر اور عذاب نازل ہوگا۔ آخرت کے سچے بازار میں اس قسم کے کھوٹے داموں سے کوئی مال اور متاع تو حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ الٹا عذاب اور وبال مول لیا جاتا ہے۔ اس صراف حقیقی کی بارگاہ میں محض خالص پاک مزکی عمل کام آتا ہے قولہ تعالیٰ

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا اولئک الذین کفرو بایت ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا ذلک جزاؤھم جھنم بما کفرو واتخذو ایتی ورسلی ھزوا

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ہمارے نبیؐ! کیا ہم ایسے لوگوں کا حال آپ کو بتائیں جو عمل کمانے کے باوجود بہت گھاٹے اور خسارے میں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دار آخرت میں اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے اور اپنے اعمال کے حساب کتاب اور سزا و جزا کے منکر رہے۔ پس ان کے سب اعمال ضائع اور برباد ہو گئے۔ اور قیامت کے روز ان کے اعمال کے وزن کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ بلکہ سیدھے جہنم کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے کیونکہ دراصل وہ ہمارے منکر رہے۔ اور ہمارے احکام اور پیغمبروں کا مذاق اڑاتے رہے۔ اللہ تعالےٰ صراف حقیقی کی سچی بارگاہ میں کھوٹے اور جھوٹے اعمال پیش کرنا اور ان کے عوض انعام و اکرام کی امید رکھنا واقعی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ ٹھٹھا اور مخول کرنا ہے کسی شاعر نے اس بارے میں کیا اچھا کہا ہے۔

بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد

کہ مرا خراب کردی تو بسجدہ ریائی
بحریم کعبہ رفتم زدروں ندا برآمد
تو بروں چہ کار کردی کہ درون خانہ آئی

حج بیت اللہ بڑا بھاری عمل ہے۔ اگر جملہ شرائط اور آداب سے ادا کیا جائے۔ حلال کی کمائی اس راستے میں خرچ کی جائے۔ نیت اور ارادہ خالص لوجہ اللہ ہو۔ اور اس سے اللہ تعالٰی کے عائد کردہ فرض کی ادائیگی اور اس کی رضامندی اور خوشنودی اور شعائر اللہ کی تعظیم مقصود ہو۔ اس طرح اگر حج ادا کیا جائے۔ تو واقعی اللہ تعالی کے حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں اس سے واقع ہوئی ہوں وہ معارف ہو جاتی ہیں۔ مثلاً فریضہ نماز اور ماہ رمضان کے روزے وغیرہ قضا اور فوت ہو گئے ہوں۔ تو ان کی تلافی اور معافی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ بیت اللہ کی ایک نماز لاکھ نماز کے برابر اور وہاں کا ایک روزہ لاکھ روزوں کے برابر درجہ رکھتا ہے۔ لیکن حقوق العباد کسی بھی صورت میں حج ادا کرنے سے معاف نہیں ہوتے۔ چاہے تمام عمر ہر سال حج ادا کرتا رہے۔ چنانچہ اگر کسی کے مال میں سے ایک پیسہ یا ایک حبہ ناجائز طریقے سے لیا ہے یا کسی مسلمان کو بے وجہ آزاد یا دکھ پہنچایا ہے۔ یا کسی طرح اس کی بے عزتی اور بے حرمتی کی ہے یہ چیزیں ہرگز معارف نہیں ہوتیں۔ جب تک حق دار کو اس کا مال اور حق واپس نہ کر دیا جائے۔ یا اسے بخشوا نہ لیا جائے چاہے تمام عمر حج ادا کرتا رہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کو جب کسی اصحابی کی نماز جنازہ پڑھانے کا اتفاق ہوتا۔ تو جنازہ پڑھنے سے قبل حضورؐ دریافت فرماتے کہ اس شخص پر کسی کا قرض تو نہیں ہے۔ تو جب تک اس متوفی کے قرض کی ادائیگی نہ ہو جاتی تب تک آپؐ اس کا جنازہ نہ پڑھتے یہاں سے قیاس کر لیا جائے کہ حقوق العباد کی کس قدر بھاری اہمیت ہے۔ دنیا میں بہت لوگ اکثر رسمی رواجی طور پر حج ادا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حج سے واپس آتے ہیں تو ان کے اخلاق اور عادات بد سے بدتر ہو جاتے ہیں۔ اور دنیا

طلبی اور حرص کی آگ ان کے دلوں میں بہت سختی سے بھڑک اٹھتی ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے حج محض رسمی رواجی ہوتے ہیں جو درجہ قبولیت کو نہیں پہنچتے۔ نمائشی حجوں پر ہزاروں روپیہ خرچ کر آتے ہیں۔ لیکن اس کے پڑوس میں ایک مسلمان بھوکا مر رہا ہوتا ہے۔اسے حسبۃ للہ ایک لقمہ یا ایک پائی دینے کی ہمت نہیں پڑتی۔اب ہم یہاں دنیا میں ایک مقبول ترین حج کا واقعہ بیان کر کے اس موضوع کو ختم کرتے ہیں۔

کتاب تذکرۃ الاولیاء میں عبداللہ بن مبارکؒ کا ذکر آیا ہے کہ وہ ایک دفعہ حج کرنے گئے تھے۔ جب حج ہو چکا اور آخری رات ہوئی تو اس بزرگ نے واقعہ میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے نازل ہو کر خانہ کعبہ کی چھت پر آ بیٹھے ہیں۔ایک فرشتے نے دوسرے فرشتے سے پوچھا کہ اس دفعہ کتنے آدمی حج کرنے آئے ہیں۔ پہلے فرشتے نے جو اس کام پر مامور تھا اور حاجیوں کے حج کے ثواب کی پڑتال کرنے پر متعین تھا جواب دیا کہ اس دفعہ اتنے لاکھ اتنے ہزار اتنے سو آدمی حج کرنے آئے ہیں۔ پہلے فرشتے نے دوبارہ سوال کیا کہ اس دفعہ کون شخص حج کرنے میں اول نمبر پر آیا ہے۔اور سب سے زیادہ حج کا ثواب کمایا ہے۔ دوسرے متعین اور متعلق فرشتے نے جواب دیا کہ اس دفعہ شہر دمشق کے علی نامی شخص جس کے والد کا نام موفق ہے اور دمشق کے فلاں محلے کا رہنے والا ہے۔اس دفعہ اس شخص کا حج اس قدر مقبول اور منظور ہوا ہے کہ اگر اس کے حج کا ثواب ان آئے ہوئے تمام حاجیوں پر تقسیم کیا جائے تو یہ تمام حاجی بخشے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ فرشتوں کا یہ مکالمہ سن کر وہ بزرگ خواب سے بیدار ہو گیا اور اس نے اپنے دل میں تہیہ کر لیا کہ ایسے برگزیدہ بزرگ کی زیارت کرنی چاہیے۔اور اس کے حج کی کیفیت معلوم کرنی چاہیے جس کا حج اس قدر مقبول اور منظور ہوا ہے۔غرض وہ بزرگ حج سے سیدھا دمشق روانہ ہوا۔اور دمشق میں جا کر خواب والے پتے پر اس بزرگ علی نامی سے جا ملا۔اور اس سے اس کے حج ادا

کرنے کی کیفیت دریافت کی۔ لیکن جس وقت اس پاک باز مرد خدا علی نے اس بزرگ کو جواب دیا کہ میں تو اس دفعہ حج کرنے نہیں گیا تو اس بزرگ کو انتہائی حیرت ہوئی اور وہ ہکا بکا رہ گیا۔ پھر اس نے خیال کیا کہ میرے خواب کا واقعہ کسی طرح جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ ممکن یہ شخص کسی نفسی کر کے اپنا حال چھپانے کی کوشش کرتا ہو۔ سو اس بزرگ نے اسے اپنے خواب کا واقعہ سنا کر کہا کہ میرے خواب کا واقعہ کبھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ اس پر وہ علی ابن الموافق بزرگ چونک اٹھا۔ اور اس نے اپنے حج کا قصہ یوں بیان کیا کہ میں نے اس دفعہ حج پر جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور تین ہزار درہم بطور زاد راہ اور سفر خرچ جوڑ رکھے تھے۔ حج پر روانہ ہونے سے چند روز پہلے میری بیوی کسی کام کے لئے رات کو ہمارے ہمسائے کی گھر کی دیوار کے پاس جا کھڑی ہوئی تو اسے اس ہمسائے کے گھر سے گوشت پکنے کی بو آئی۔ چونکہ میری بیوی کو حمل تھا۔ لہٰذا گوشت کی اشتہا سے بے چین ہو گئی اور وضع حمل کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ بیوی نے مجھے آ کر کہا کہ ہمسائے کے گھر سے کچھ گوشت منگوا دو ورنہ اسقاط حمل کا خطرہ ہے۔ اور میں اپنے ہمسائے کے دروازے پر گیا اور اسے بلا کر اپنا مدعا ظاہر کیا۔ ہمسایہ بچارا میری بات سن کر کچھ پریشان سا ہو گیا۔ پہلے تو وہ ٹالنے لگا۔ لیکن اس نے میری مجبوری اور معذوری کا حال سنا تو یوں گویا ہوا کہ جناب واقعی ہمارے گھر گوشت پک رہا ہے۔ لیکن وہ آپ لوگوں کے کھانے کا نہیں۔ کیونکہ آج تین روز سے میں اور میرے گھر والے فاقے سے ہیں۔ آج چونکہ ہماری آخری اضطرار کی حالت تھی۔ شہر سے باہر میں ایک مردہ مرغی اٹھا لایا۔ اور اب رات کے اندھیرے میں اسے کھانے کے لئے بھون رہے ہیں۔ ہم چونکہ تین روز سے فاقے سے ہیں۔ اس لئے یہ چیز ہمارے لئے حلال ہے۔ لیکن آپ کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ میں یہ سن کر دم بخود رہ گیا۔ اور واپس آ کر اپنی بیوی کو سارا ماجرا سنایا۔ جس کے سنتے ہی اس کا درد رفع ہو گیا۔ میں نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ کس قدر افسوس

کی بات ہے کہ ہمارا ایک مسلمان ہمسایہ اس قدر مفلسی اور تنگی کے دن گذار رہا ہے۔ اور ہم اس کے حال سے غافل ہیں اور اس کی کچھ مدد نہیں کی۔ اب میری صلاح یہ ہے کہ تین ہزار درہم جو حج کی نیت سے جمع کر رکھے ہیں۔ انہیں اپنے مسکین مسلمان ہمسائے کی امداد میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر آئندہ دیکھا جاوے گا۔ اگر قسمت میں حج ہے تو اس کا انتظام اللہ تعالی فرما دے گا۔ فی الحال تو اس مسلمان مسکین کی دلجوئی اور امداد حج سے زیادہ ضروری ہے۔ چنانچہ میری بیوی بھی اس بات پر رضامند ہو گئی۔ اور میں وہ تین ہزار درہم اٹھا کر اپنے ہمسائے کے پاس لے گیا اور اس کے حوالے کر دیئے کہ انہیں اپنی ضروریات میں خرچ کریں۔ شائد اللہ تعالی صراف حقیقی کو میرا یہ حقیر عمل پسند آ گیا ہے۔ اور اسے قبولیت اور منظوری کا شرف بخش دیا ہے۔ اور آپ کے ذریعے مجھے اپنے پوشیدہ انعام و اکرام کی نوید اور بشارت سے سرفراز فرمایا دیا ہے۔ چنانچہ میرے اس بیان سے اس بزرگ حاجی کی تسلی ہو گئی۔ اور اس احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین ذات مقدس کے انوکھے کاموں سے ہم ہر دو حیران اور انگشت بدنداں رہ گئے۔

انسان کو چاہیے کہ عمل صالح اختیار کرے۔ اور عمل میں اخلاص اور نیت محض لوجہ اللہ رکھے۔ اور اللہ تعالی کی عبادت میں کسی دنیوی غرض، عز و جاہ اور شہرت وغیرہ اور شامل نہ کرے۔ بلکہ محض اللہ تعالی کی رضامندی اور اس کا قرب، اپنی غرض و غایت رکھے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

فمن کان یوجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا

پس جس شخص کو اپنے رب کے دیدار کی امید ہو وہ نیک عمل اختیار کرے۔ اور اپنے رب کی عبادت میں کسی غیر مقصد کو شریک نہ کرے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اثنائے جہاد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی ایک کافر سے

لڑائی ٹھن گئی۔ چنانچہ لڑتے لڑتے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کافر کو زمین پر گرا دیا۔ اور اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اور اسے قتل کرنے کے لئے خنجر نکالا۔ جب کافر نے حضرت علیؓ کو خنجر نکالتے دیکھ لیا۔ اور دل میں سوچا کہ اب خاتمہ ہو رہا ہے۔ تو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے اس سے اور تو کچھ نہ ہو سکا۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا جس سے حضرت علیؓ کو طیش آ گیا۔ اور آپؓ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ فوراً اس کافر کے سینے سے اتر کر الگ ہو گئے۔ اور کافر اپنی تھوک کی اس خلاف توقع اثر سے حیران ہو کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن حضرت علیؓ اس نفسانی غصے سے اصلی حالت پر آئے تو اس کافر کو دوبارہ جب پکڑنے لگے۔ تو کافر نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت ہوئی کہ ایک تھوک سے ڈر کر مجھے چھوڑ دیا۔ اور اب دوبارہ پکڑنے لگے ہو۔ اس پر حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ ہم مسلمان محض اللہ اور اس کے دین کی خاطر تم لوگوں سے جنگ اور جہاد کرتے ہیں۔ اور اسی خالص غصے اور جذبے کے تحت میں تم سے لڑ رہا تھا۔ اور تمہیں گرا کر قتل کرنے لگا تھا۔ لیکن جس وقت تو نے میرے منہ پر تھوکا۔ تو مجھے اپنی عزت اور نفس کی خاطر غصہ آ گیا۔ اور یہ نفسانی غصہ اس ربانی غصے میں شریک ہو گیا۔ اور میرے عمل جہاد میں وہ سابق اخلاص اور صالحیت نہ رہی اس لئے تمہیں چھوڑ دیا۔ اب جب کہ میرا نفسانی غصہ فرو ہو کر زائل ہو گیا۔ اور از سر نو جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ عود کر آیا۔ لہٰذا تجھے دوبارہ پکڑ لیا۔ اس پر وہ کافر حیرت سے دم بخود رہ گیا۔ اور کہا کہ اے بندہ خدا اگر تم راہ خدا میں اس طرح کے خالص مخلص اور صادق ہو تو تمہارا دین سچا ہے۔ مجھے اپنا دین پیش کرو۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ چنانچہ وہ کافر مسلمان ہو گیا۔ یہ سابق مسلمانوں کے خالص مخلص، بے ریا اور بے غرض عمل صالح کی ایک مثال ہے۔

غرض انسان کو ظاہری و باطنی، مادی و روحانی اور دینی و دنیوی جو بھی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ اس کا اصل باعث اور حقیقی موجب اللہ تعالیٰ کی عبادت، طاعت، نیک

اخلاق اور اس کے پاک نام اور مقدس کلام کی برکات اور فیوضات ہوتی ہیں۔ اور اس کے بغیر اور کوئی چیز باعث خیر نہیں اللہ تعالےٰ کے مقدس نام اور پاک کلام میں بڑے بھاری برکات اور عجیب تاثیرات ودیعت کر دی گئی ہیں۔ بشرطیکہ یہ کلمات طیبات پاک، لطیف جسم و جان اور باطنی لطیف زبان سے ادا کئے جائیں۔ چنانچہ ظاہری عنصری زبان سے ادا کرنے میں ظاہری بدن کے لئے اور باطنی قلبی زبان سے ادا کرنے سے باطنی لطیف اجسام یعنی نفس، قلب روح، سر وغیرہ کے لئے باعث شفا اور رحمت ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔ قولہ تعالیٰ

و ننزل من القران ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین

(ترجمہ) ہم قرآن میں جو آیتیں نازل کرتے ہیں۔ وہ مومنوں کے لئے ظاہری اور باطنی شفاء اور رحمت کا باعث ہوتی ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ کا تمام قرآن بمعہ جملہ مختلف اسماء و آیات ایک بڑا بھاری شفاخانہ ہے۔ جن میں طرح طرح کی ظاہری اور باطنی امراض کے لئے تیر بہدف اور کارگر دوائیاں موجود ہیں۔ بشرطیکہ وہ پاک زبان اور طاہر جسم سے اس طرح ادا ہوں کہ ان میں وہ حقیقی اور اصلی نور یعنی وہ ازلی اور فضلی امر جو اس کا مبداء فیض ہے جلوہ گر ہو۔ سو دنیا کی تمام جمادی، نباتی، معدنی اور حیوانی دوائیوں میں اصل شفاء اور ازالہ مرض کا موجب اس کا لطیف بخار، جوہر اور روح ہوتا ہے۔ جو اس میں قدرت نے روز ازل سے ودیعت کر رکھی ہے۔ اور وہ اس اسم اور تسبیح کا نور ہوتا ہے جو روز اول اور یوم ازل سے اس چیز کا ظاہری اور باطنی ورد ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

یسبح للہ ما فی السموت وما فی الارض الملک القدوس العزیز الحکیم

یعنی جو کچھ زمین اور آسمانوں کے اندر ہے سب اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح پڑھتے ہیں۔ اور دوسری جگہ آیا ہے

وان من شئی الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم

اورکوئی ایسی چیز دنیا میں نہیں ہے جواس کی تسبیح نہ پڑھتی ہو۔لیکن تم اس کی تسبیح کو معلوم اورمحسوس نہیں کرتے۔غرض ہردوائی میں گرمی وسردی اوررطوبت و خشکی اور جملہ مفید تر قیاتی تاثیرات کاباعث اورموجب وہ کلمات طیبات اوراسماءالٰہی ہوتے ہیں جوان اشیاء کاباطنی اوردائمہ ورد ہوتا ہے۔اوروہ اس دوائی کی جان اوررواح رواں ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب مرورزمانہ سے یعنی کچھ عرصہ پڑارہنے سے اس کا لطیف بخاراورجوہراوکسائڈ ہوکراڑجاتا ہےاس کے بعد اس دوائی کے استعمال سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔غرض یہی کلمات طیبات اوراسماءالٰہی جن کانوردواؤں کی روح رواں اورباعث شفاء امراض جسم و جاں ہے۔اگر پاک زبان سے براہ راست اوربلاواسطہ طورپرپڑھی جائیں۔تووہ ان دواؤں کی روح کی صورت اختیار کرکے باعث شفاءامراض ہوجاتے ہیں۔

علاج ہومیوپیتھی کے موجد جرمنی کے مایہ ناز ڈاکٹرسموئیل ہانمین اپنے علاج کے اصول مے لکھتے ہیں کہ مرض شروع میں اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے تمام جسم یا اس کے کسی عضوکی روحانی قوت کسی بیرونی زہریلی برقی قوت سے جو ہمارے چاروں طرف موجود ہے۔ماوف ہوجاتی ہے۔اوررفتہ رفتہ یہ اثر ہمارے جسم کثیف میں بھی کسی خاص تبدیلی کی صورت میں ظاہر ہونے لگتا ہے۔اورہماراجسم اس سے متاثر ہوکر بیمار ہوجاتا ہے۔سو ہرمرض کا آغاز روحانی ہوتا ہےاوردوائی کاروحانی اثر سے زائل بھی کرسکتا ہے۔اس لئے وہ خاص مفید ادویہ کوکثیف سے لطیف تر بنا بنا کر اورہومیوپیتھی کے بنیادی اصول کے مطابق چھانٹ چھانٹ کردینے سے مرض کا ازالہ کرتے ہیں۔چنانچہ دوا کی بہت تھوڑی اورلطیف تر مقدار دی جاتی ہے۔اور سیال دواکوالکحل میں ملاکر ہلانے اورخشک دواکوباربارکھرل کرنے سے لطیف تر بنا بنا کراس کی روحانی لطیف طاقت کوبڑھایا جاتا ہے۔اس طرح اس کالطیف جوہر

موجب شفاء امراض بن جاتا ہے۔

مغربی طب اور ڈاکٹری کو بھی علم سائنس کی موشگافیوں اور دقیق آرائیوں پر بہت ناز ہے کہ سائنس اور کیمسٹری کے ذریعے طب اور ڈاکٹری کو بڑا فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ اور طرح طرح کے لمبے چوڑے دعوے پیش کئے جاتے ہیں کہ سائنس اور ڈاکٹری ایک دن دنیا سے تمام امراض کا قلع قمع کر دے گی اور مغرب کے بہت ڈاکٹر دن رات طول حیات اور بقائے شباب کے مسئلے پر سر کھپا رہے ہیں۔ اور غدود کی تبدیلی اور ہارمون (Hormone) کے اجراء سے دوام حیات کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور مادے کے بحر ظلمات میں آب حیات کی تلاش اور جستجو میں اندھوں کی طرح بے فائدہ ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ غدود کی تبدیلی سے ہم انسان کو کبھی مرنے نہیں دیں گے۔ اور اسے خضر کی طرح دائمی زندگی عطا کریں گے۔ لیکن ان کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ ابھی تک تو ان بچاروں نے کئی مہلک امراض مثلاً طاعون، ہیضہ، دق، سل، استسقاء، جذام، سرطان، دمہ اور ذیابیطس کے لئے بھی کوئی کارگر اور تیر بہدف دوا یا علاج پیش نہیں کیا۔ جب ہم یورپین بادشاہوں کو پچاس ساٹھ برس کی چھوٹی عمر میں دنیا کے تمام بڑے بڑے نامور ڈاکٹروں کے علاج معالجے اور سعی و کوشش کے باوجود معمولی امراض سے چند دنوں میں راہی ملک عدم ہوتے دیکھتے ہیں تو اس الحادی دور جدید کی تمام باطل آرائی اور ہرزہ سرائی کا پول کھل جاتا ہے۔ حالانکہ بادشاہوں کی صحت اور بقاء زیست کی نگرانی کے لئے ماں کے پیٹ سے لے کر بڑھاپے تک ہر وقت اور ہر آن بڑے بڑے ماہر ڈاکٹر تعینات رہتے ہیں۔ اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی جاتی۔ لیکن پھر بھی ڈاکٹروں کی آنکھوں کے سامنے چند دنوں کے اندر معمولی امراض سے مر جاتے ہیں۔ اور دنیا کے تمام بڑے بڑے ڈاکٹر اور معالج بے بسی کی حالت میں دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ اور وہ نہایت بے کسی کی حالت میں گذر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

کے قویٰ، قاہر قدرتی ہاتھ کو جو کام کرنا منظور ہوتا ہے مادے کی ضعیف آستین اسے روک نہیں سکتی۔ روح کا لطیف پرندہ قفس عنصری سے پرواز کر کے فضائے آسمانی میں پرواز کر رہا ہوتا ہے۔ اور بچارے ڈاکٹر اور حکیم اس کے سائے کو زمین پر پکڑ نے کی بے سود کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔

اس کے خلاف روحانی طب کے ماہرین یعنی انبیاء اور اولیاء نے اپنے زمانے میں روحانی حکمت اور باطنی طب کے وہ محیر العقوم کارنامے اور حیرت انگیز کرشمے دکھائے ہیں کہ اگر ڈاکٹر اور اہل سائنس انہیں دیکھ پائیں تو انگشت بدنداں رہ جائیں چنانچہ روحانی حکمت کے ذریعے پیغمبروں نے مردے جلائے۔ کوڑھی، جذامی، اندھوں، اپاہجوں، لولوں، لنگڑوں اور مجنونوں کو ہاتھ لگانے سے ایک دم میں اچھا اور تندرست کیا۔ تخلیق حیات کے نہایت پیچیدہ اور دقیق مسئلے کے حل میں دانایان فرنگ کی عقلیں دنگ ہیں۔ لیکن حضرت عیسٰی علیہ السلام نے مٹی اور کیچڑ کے پرندے اپنے روحانی دم سے فضا میں اڑا کر آج سے دو ہزار سال پہلے تخلیق حیات کا حل پیش کر دیا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمام جن اور انس جمع ہو جائیں۔ اور میری سب سے ناچیز اور حقیر مخلوق مکھی کی مثل چیز بنانے کی کوشش کریں تو وہ ہرگز ایک مکھی نہیں بنا سکیں گے۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز اڑا لے جائے تو تمام جن وانس اس سے وہ چیز واپس نہیں لے سکیں گے۔ طالب اور مطلوب ہر دو میری قدرت کے سامنے عاجز و ناتواں ہیں۔ افسوس! کہ نادان انسان نے اللہ تعالیٰ کی قدر جیسا کہ چاہئے تھی نہیں جانی۔ اور اپنی تھوڑی سی مادی عقل اور حکمت پر اس قدر فریفتہ اور نازاں ہے کہ اپنے خالق اور مالک کو بھلا بیٹھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا صحیح پتہ اور نشان کچھ اللہ والوں سے ہی ملتا ہے۔ اور ان خاصان خدا ہی کو کچھ اس پاک مقدس ذات کی شان اور قدر معلوم ہو سکتی ہے۔ اقبال مرحوم نے کیا اچھا کہا ہے۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی

الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں
تمنا ورد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
کسی ایسے شرر سے پھونک اپنے خرمن دل کو
کہ خورشید قیامت بھی ہو تیرے خوشہ چینوں میں

آج کل کا مغرب زدہ کلام الٰہی کی شفائی اثرات کا قائل نہیں اور نہ ہی وہ بزرگوں کے دم اور تعویذ کی معالجاتی افادیت کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ لوگ دوائی علاج اور ڈاکٹروں کی فیسوں پر ہزاروں روپیہ خرچ کر دیتے ہیں۔ لیکن روحانیوں کی دعا اور دم پر ایک پائی خرچ کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ بعض نادان دم، تعویذ اور کلام الٰہی کی شفائی افادیت کو نفسیاتی اثرات سے تعبیر کر کے اپنی کور باطنی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

میں نے ایک زمیندار کا ذکر سنا کہ اس کے ایک تازی کتے کی انگلی کی موہ خرگوش کے پیچھے دوڑنے سے نکل گئی۔ یہاں کے ایک سلوتری کے ذریعے علاج کرایا گیا۔ لیکن کارگر ثابت نہ ہوا۔ آخر کتے کو ہوائی جہاز کے ذریعے علاج کے لئے ولایت بھیج دیا گیا۔ چنانچہ دو ہزار روپیہ آنے جانے کا خرچ آیا اور پانچ ہزار روپیہ وہاں کے ڈاکٹر کی فیس ادا کی گئی۔ تب جا کر ملک صاحب کے کتے کی انگلی درست ہوئی۔

اگر کوئی خدا کا بندہ ان کو اللہ تعالٰے کے کلام یا دعا یا خیرات صدقات وغیرہ کی طرف دلالت کرتا تو جھٹ بڑبڑا اٹھتے کہ یہ تو نرا شرک اور توہم ہے۔ ان دل کے اندھوں کو پتہ نہیں کہ جب ظاہری دوائیوں سے تمتع اور فائدہ اٹھانا جائز ہے تو باطنی روحانی دوائیوں اور علاج سے فائدہ اٹھانا تو بدرجہا بہتر اور انسب ہے۔ لیکن جن لوگوں کی کمائی حرام اور ظلم کی ہو۔ وہاں کیوں نہ کتے کی ایک انگلی کے علاج پر سات ہزار

روپیہ خرچ کریں۔ خدا جانے اپنی جان کے علاج پر کس قدر روپیہ ضائع کرتے ہوں گے۔ لیکن اللہ کی راہ میں ایک پائی تک خرچ کرنا گوارا نہیں کر سکتے۔

تو نگراں صلائے احساں نہ دہند
جز حالت تب ناں بہ فقیراں نہ دہند
ایں طائفہ و سختی ہچوں تنور
تا گرم نہ گردند بہ کس ناں نہ دہند

دنیا کے تمام علم الآفاق والانفس میں سے مذہب بہت بڑا راز ہے۔ اور مذہب کے تمام معارف اور اسرار ایک موت کے سربستہ راز میں مخفی اور پنہاں ہیں۔ جس نے موت کے سرِ عظیم کو کھول لیا۔ اس نے گویا مذہب اور روحانیت کے تمام حقائق کو پالیا۔

موت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک موت ظاہری و جسمانی، دوم موت باطنی و روحانی جسے سرخ موت بھی کہتے ہیں۔ جب عارف سالک نور اسم اللہ ذات کے ذریعے سے اسی زندگی ہی میں نفس کے حیوانی اور شیطانی اخلاق ذمیمہ سے باہر آ کر ملکوتی صفات حمیدہ سے متصف ہو جاتا ہے۔ تو اس کا جسہ **قلب** مرغ لاہوتی کی طرح نفس کے بیضہ ناسوتی کو توڑ کر صحیح سلامت طفل معنوی کی طرح باہر آ جاتا ہے تو گویا بمقتضائے موتو اقبال ان تموتو موت سے پہلے معنوی طور پر مر جاتا ہے۔ ایسی موت مطلق مراد اور کامل حیات ہے۔ ایسا عارف کامل زندہ دل آدمی جان کندن، مقام برزخ، قبر، حشر نشر، **پلصراط** اور دخول جنت کے تمام برزخی اور اخروی حالات اور مقامات کو زندگی میں طے کر لیتا ہے۔ ایسا عارف کامل اس روحانی جسے کے ذریعے روحانی اہل القبور اور جن ملائکہ تمام غیبی لطیف مخلوق سے ہم سخن اور ہم کلام ہو سکتا ہے۔ اور جب چاہے باطن میں روحانیوں سے ملاقات کر کے ان سے حاصل کر سکتا ہے۔ اور چونکہ عارف کامل موت کے درمیانی برزخی پل کو زندگی میں عبور

کیے ہوئے ہوتا ہے۔لہٰذا ایسا عارف کامل موت کے بعد بھی اس مادی دنیا میں آ کر زندہ لوگوں سے جب چاہے ملاقات کرسکتا ہے۔اور فیض و برکت پہنچا سکتا ہے۔ غرض عارف کامل ظاہری موت سے نجات پا کر اللہ تعالیٰ کے نور سے ابدالآباد تک زندہ جاوید ہوکر رہتا ہے۔

ہم پچھلے صفحوں میں قرآنی سورتوں کے ساتھ دعوت پڑھنے کے کچھ طور طریقے بیان کر آئے ہیں۔اب یہاں کچھ تصورات اور علم دعوت کے مزید طریقے بیان کرتے ہیں۔چونکہ نفسانی صاحب غرض لوگ ان دعوتوں کو اپنی نفسانی اور دنیوی اغراض و مقاصد میں استعمال کرتے ہیں۔اس لئے ان باطنی کارگر ہتھیاروں پر باطنی افسروں پر پر کنٹرول رہتا ہے۔جب تک ان باطنی افسروں سے کسی کے لئے کلام کے عمل کے بارے میں پرمٹ اور لائسنس جاری نہ ہو جائے اس کلام کا عمل جاری اور رواں نہیں ہوتا۔اس طرح نا اہل نفسانی لوگوں سے یہ ہتھیار محفوظ رکھے جاتے ہیں۔تمام دعوتوں اور عملوں کی کلید اور کنجی تصور اسم اللہ ذات اور تصور اسم محمدؐ سرور کائنات ﷺ ہے۔جب تک کسی طالب کا وجود اسم اللہ ذات اور اسم محمدؐ سرور کائنات صلعم میں طے نہ ہو جائے۔اور اسمین کے نور سے طالب کا دل زندہ نہ ہو جائے۔طالب سے کوئی عمل اور دعوت جاری نہیں ہوتی۔پس طالب کو چاہیے کہ ابتدائی خام ناتمام حالت میں دعوت پڑھنے کی جرأت نہ کرے۔ جب تک وجود کو پہلے تصورات کے ذریعے پختہ زندہ اور تابندہ نہ کرلے، پس طالب کے وجود میں سات باطنی لطائف ہیں۔اور ان کے زندہ اور تابندہ بیدار کرنے کے لئے یہ سات اسماء بمنزلہ کلیدات اور کنجیوں کے ہیں۔اسماء یہ ہیں

اللہ ، للہ، لہ ، ھو ، محمدؐ، فقر

اور ان چھ اسماء کے حروف اٹھارہ ہیں۔اور اٹھارہ ہزار مخلوقات ان اٹھارہ حروف کی قید و تسخیر اور تصرف میں ہے۔انا سماء کی آبیری کلمہ طیب کے پڑھنے سے ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اسی کے مطابق حضرت سلطان العارفینؒ کا پنجابی بیت ہے

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیس ہر رگیں ہر جائی ہو
ہر جا بوٹی مشک مچایا جاں پھلن تے آئی ہو
مرشد کامل ہر دم جیوے باہوؒ جیں ایہہ بوٹی لوئی ہو

اور مرشد کامل بمنزلہ مالی اور باغبان کے ہے۔ اور آخرت میں جب سالک عارف مقام منتہی کو پہنچ جاتا ہے تو کلمہ طیب بھی نوری حروف سے اس کے اندر مرقوم اور منقش ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ساتوں لطائف ان ساتوں کلمات کے انوار سے جگمگا اٹھتے ہیں۔ ان کلمات کا نقش مرقوم وجود یہ ہے۔

اللہ	للہ	لہ
ھو	محمد صلی اللہ علیہ وسلم	فقر

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پس طالب کو چاہیے کہ پہلے پہل ان چھ اسماء کا تصور کرے یعنی فکر اور خیال کی انگلی سے ان اسماء کو باری باری سے مرشد کی ہدایت اور تلقین کے مطابق اپنے اندر تحریر کرے۔ اور ساتھ ساتھ دل سے کلمہ طیب پڑھتا رہے۔ کلمہ طیب پڑھنے کے بھی طالب کی استعداد کے مطابق مختلف طریقے ہیں۔ اور مذکورہ بالا اسماء میں سے بعض اسماء بعض طالبوں کے مزاج اور استعداد کے موافق ہوتے ہیں۔ اور طالب کے جسم میں بھی بعض خاص مقامات ہیں۔ جہاں ان کا تصور آسان اور سہل ہوتا ہے۔ سو ان اسماء کا انتخاب مرشد مربی کا کام ہے یا طالب صادق اپنی فراست اور بار بار مشق کے تجربے سے تصور کا کوئی آسان طریقہ اپنے لئے نکال لیتا ہے۔ ایسے کامل طالب کے معاملے میں مرشد کو بہت تردد نہیں کرتا۔ سو تصور کے لئے طالب ان چھ اسماء کو

اختیار کرے۔

اللہ، للہ، لہ، ھو ، محمدؐ، فقر

یعنی اپنے خیال میں شہادت کی انگلی کو قلم بنائے۔اور اسماءمذکورہ بالا میں کسی اسم کو اپنے اندر مرقوم اور تحریر کرے۔اور ساتھ ہی دل سے کلمہ طیب پڑھتا جائے۔اور اگر ساتھ ہی ذکر کملہ طیب میں پاس انفاس کا طریقہ اختیار کرے تو اور بہتر ہے یعنی جب سانس اندر لے جائے تو لا الــہ الا الـلــہ کہےاور جب سانس باہر نکالے تو محـمـد رسول الـلـہ کہے یا ابتداء میں صرف نفی اثبات پر اکتفا کرے یعنی جب سانس اندر لے جائے تو لا الہ کہے اور جب سانس باہر نکالے تو الا اللہ کہے۔اس میں پہلے کی نسبت آسانی ہوتی ہے اور اگر اس سے ذکر میں اور زیادہ آسانی چاہیے تو سانس اندر لے جانے کے وقت صرف اللہ کہے اور سانس باہر نکالتے وقت ھو کہے اور اللہ ھو کے ذکر سے پاس انفاس کرے۔اس طرح کا پاس انفاس بہت آسان رہتا ہے۔سو اس طرح کے مشق تصور اور ذکر پاس انفاس سے جس وقت طالب کا باطن زندہ ہو جاتا ہے۔اس کے بعد طالب دعوت پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔اور دعوت کا عمل اس سے جاری اور روان ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ تصور کرتے وقت حبس دم بھی بہت مفید پڑتا ہے۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب آلتی پالتی مار کر مربع ہو کر قبلہ رخ بیٹھے۔جب کہ معدہ طعام سے اور دل غیر ماسوئی خیالات اور تفکرات سے خالی ہو۔اور اسم اللہ ذات اور اسم حضرت سرور کائنات صلعم کا تصور اور مشق کرے۔ اور سانس اور دم کو بند کرے۔اور دیک دم میں جتنی دفعہ اسم پر تفکر کی انگلی پھر جائے۔ اتنی دفعہ کلمہ طیب یا کلمہ اللہ ھو دل سے ادا کرے۔اثناءذکر میں نہ زبان اور ہونٹوں کو حرکت دے اور نہ سانس نکالے اور ہر بار وہ انگلیوں سے مشق اور تصور اور ذکر کی تعداد شمار کر کے اسے بڑھاتا جائے اس سے طالب بہت جلدی کامیاب ہو جاتا ہے۔اور یہ ذکر اور تصور کا بہترین طریقہ ہے۔اس کے بعد اسماءصفات یعنی نو دو نہ

نام باری تعالیٰ کے تصورات اور دعوات کی نوبت آتی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے ننانوے اسماء صفات سالک سے جاری اور روان ہوتے ہیں۔ جس وقت سالک کا وجود اسم اللہ ذات میں طے ہو جاتا ہے۔ چونکہ تمام اسماء صفات اسم اللہ ذات کی شاخیں اور اسی ذاتی اسم کا عکس ہیں۔ لہٰذا طالب کا وجود ہر اسم صفاتی میں باری باری طے ہو جاتا ہے۔ اور ہر اسم کے نورے سے زندہ اور سیراب ہوتا ہے۔ اور ہر اسم کا نور اس کے باطنی طفل معنوی کی غذا بن جاتا ہے۔ اور سالک کے اندر تمام اسماء صفات نوری حروف سے مرقوم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ تمام اسماء صفات کا عامل بن جاتا ہے۔ اور ہر اسم کا عمل سالک سے جاری اور روان ہو جاتا ہے۔ کہنے کو تو یہ بات آسان معلوم ہوتی ہے۔ لیکن عملاً یہ کام بہت مشکل اور دشوار بلکہ محال ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے ہر اسم کے عمل کے تحت ایک لازوال باطنی ولایت موجود ہے۔ اور اس ولایت میں بے شمار موکلات متعین ہیں جو اس اسم کے خادم ہیں۔ اور وہ سب اس عامل کی خدمت پر مامور ہو جاتے ہیں اور اس کا حکم بجالاتے ہیں۔ ان اسماء کو اگر زبانی طور پر پڑھا جائے یعنی ان کی دعوت دی جائے تو دعوت شروع کرنے سے پہلے هو الله الذی لا اله الا هو ضرور ایک دفعہ پڑھا جائے

يا الله يا رحمن، يا رحيم، يا مالک، يا قدوس الخ

اور اگر ان اسماء کا تصور کیا جائے تو پھر حرف نداء یا لگانے کی ضرورنہیں ہے۔ ذیل میں ہم ان اسماء الحسنیٰ کا نقشہ دیتے ہیں۔ اور ان میں سے بعض خاص خاص اسماء کی مختصر خاصیب اور ان کے پڑھنے کا طریقہ بیان کرتے ہیں۔

هو الله الذی لا اله الا هو

الله	رحمن	رحيم	ملک	قدوس	سلام	مومن
مهيمن	عزيز	جبار	متکبر	خالق	باری	مصور
غفار	قهار	وهاب	رزاق	فتاح	عليم	قابض

باسط	خافض	رافع	معز	مذل	سمیع	بصیر
حکم	عدل	لطیف	خبیر	حلیم	عظیم	شکور
علی	کبیر	حافظ	مقیت	حسیب	جلیل	کریم
رقیب	مجیب	واسع	حکیم	ودود	مجید	باعث
شهید	حق	وکیل	قوی	متین	ولی	حمید
محصی	مبدی	معید	محیی	ممیت	حی	قیوم
واحد	احد	صمد	واجد	جواد	قادر	مقتدر
مقدم	موخر	اول	اخر	ظاهر	باطن	والی
متعالی	تواب	منتقم	عفو	روف	ملک الملک	ذوالجا والاکر
مقسط	جامع	غنی	مغنی	مانع	ضار	نافع
نور	هادی	باقی	وارث	رشید	صبور	صادق الوعد

بعض عامل پڑھتے وقت ہر اسم پر ال تعریف کر بڑھا دیتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ حشر کے آخری رکوع میں قرآن کے اندر اللہ تعالیٰ نے اسماء الحسنیٰ کو بیان فرمایا ہے

قولہ تعالیٰ

هو الله الذی لا اله الا هو عالم الغیب والشهادة هو الرحمن الرحیم هو الله الذی لا اله الا هو الملک القدوس السلم المومن المهیمن العزیز الجبار المتکبر

یعنی ہر اسم پر ال بڑھا کر اور سب کو ملا کر اس طرح پڑھتے ہیں

الله الرحمن الرحیم الملک القدوس السلام الخ

ان اسماء کے پڑھنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ ہر اسم صفات کے ساتھ بطور امدادی اسم ذات ملا کر پڑھتے ہیں۔اس سے اسم صفات کو اسم ذات کی مدد ملتی ہے۔ اور اس کا عمل جلدی جاری ہو جاتا ہے مثلاً

یـا اللہ یا رحمن، یا اللہ یا رحیم یا الل یا ملک یعنی ھذا القیاس قـولـہ تـعـالیٰ قل ادعـو اللہ او دعو الرحمن ایاما تدعو فلہ الاسماء الحسنی

ان اسماء صفات کے پڑھنے کے مختلف طور طریقے ہیں۔اور ہر اسم کی الگ خاصیت ہے۔اور ان کے پڑھنے کے الگ اعداد ہیں۔ان میں بعض اسماء جلالی ہیں۔ایسے اسماء عداوت اور مقہوری و ہلاکت اعداء کے لئے بہت موثر ہیں۔اور بعض اسماء جمالی ہیں۔جو الفت اور محبت اور تسخیر کے کام میں بہت کارگر ثابت ہوتے ہیں۔بعض اسماء کمالی ہیں۔ان سے دوسرے متفرق کام نکلتے ہیں۔جن کی تفصیل بہت لمبی ہے۔بعض لوگ اس قسم کے قیمتی اسرار کے اظہار میں بخل سے کام لیتے ہیں۔واقعی نا اہل اور نالائقوں کے ہاتھ میں تلوار دینا یا انہیں خزانہ سونپنا خطرناک کام ہے۔لیکن ہم نے یہاں جو کچھ بیان کیا ہے وہ دنیا میں نہایت قیمتی معلومات اور بیش بہا عملیات میں ہر اسم کے الگ الگ حروفی اور عددی نقوش ہوتے ہیں۔اگر وہ علم جفر کے قانون اور قاعدے کے موافق لکھے جائیں تو ان میں عجیب وغریب تاثیرات پائی جاتی ہیں اور ان سے مشکلات میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے مزاج جس طرح مختلف ہیں۔اسی طرح پڑھنے والوں کے مزاج بھی الگ ہیں۔سو اگر کسی شخص کو مزاج کے موافق اسماء مل جائیں۔اور ان اسماء کا عمل اس سے جاری ہو جائے تو گویا اس شخص کو سعادت دارین اور کلید گنج کونین حاصل ہوگئی ہے۔کسی شخص نے بایزید بسطامیؒ سے سوال کیا کہ مہربانی کر کے مجھے اللہ تعالےٰ کا اسم اعظم یعنی بڑا اسم بتادو۔آپؒ نے فرمایا کہ تم مجھے اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم

اصغر یعنی چھوٹا اسم بتا دو تو میں تمہیں اسم اعظم بتا دوں گا۔ غرض اللہ تعالٰی کے تمام اسماء بڑی شان والے اور اعظم ہیں۔ بشرطیکہ پڑھنے والے کا وجود اور اس کی زبان پاک اور اعظم ہو تب اس اسم کا عمل جاری ہوتا ہے۔

ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں کہ تمام قرآن کریم ایک شجر طیبہ کی طرح ہے۔ اور اس میں مختلف سورتیں اور آئتیں شاخوں اور ڈالیوں کی طرح ہیں۔ اور ان میں اسماء الحسنیٰ پھلوں کی طرح ہیں۔ اور اس تمام شاخ اور ٹہنی کی قدر و قیمت اس پھل کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس میں لگا ہوا ہوتا ہے۔ اور جو کچھ اس تمام درخت سے حاصل ہوتا ہے اس ایک پھل اور شاخ سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ تمام قرآن سورۃ فاتحہ یعنی الحمد شریف میں مندرج ہے اور الحمد شریف بسم اللہ الرحیم الرحیم میں اور بسم اللہ اسم اللہ میں مندرج داخل اور شامل ہے۔ اور نیز سورۃ فاتحہ اور آیت الکرسی کی فضیلت سے احادیث کی کتابیں معمور ہیں۔

منجملہ ان کے ایک یہ حدیث ہے کہ ملائکہ اور فرشتے جہاں کہیں آیت الکرسی لکھی ہوئی دیکھتے ہیں تو ادب اور تعظیم کی وجہ سے اس جگہ ہاتھ باندھ کر صف در صف کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سو دین کے دانشمندوں اور داناؤں نے ان احادیث سے یہ راز منکشف کیا ہے کہ الحمد شریف اور بسم اللہ شریف کو شرافت اور کرامت ان تین اسمائے عظام اللہ رحمٰن اور رحیم سے ہے۔ اور آیت الکرسی کو فضیلت ان دو اسماء یعنی اسم حی اور قیوم سے ہے۔ سو اگر ان اسماء خمسہ کو یکجا کر کے ورد کیا جائے تو تمام قرآن کے فضائل اور تمام اسماء الحسنیٰ کی برکات اور فیوضات اس سے حاصل ہو جاتی ہیں سو وہ اسماء خمسہ یہ ہیں

یا اللہ ، یا رحمن، یا رحیم، یا حی ، یا قیوم

ان اسماء کے پڑھنے میں عجیب و غریب برکات دیکھنے میں آئی ہیں۔ اگر طالب

صدق دل اور ادب و احترام سے ان اسماء عظام کو پڑھے گا۔تو یہ ورد اسے دنیا و آخرت میں بے نیاز اور لا یحتاج بنادے گا۔اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے روزانہ عشاء کی نماز کے بعد پانچ سو دفعہ پڑھے اور پچھلے اسم یا حی میں یا کی تشدید کی دل میں حبس دم کے ساتھ ضرب لگائے اور اسم یا قیوم کو دماغ کے گنبد میں پوری گونج کے ساتھ ادا کرے اس طرح کرنے سے ابتداء ہی میں ذاکر کے دل اور دماغ میں عجیب سرور اور لذت پیدا ہوتی ہے۔اور رقت جاری ہوتی ہے۔اس ورد کو پڑھنے سے ابتداء میں موکلات خواب کے اندر ذاکر کو اس کے کاروبار کے متعلق طرح طرح کی بشارتیں دیتے ہیں۔ بعدہ نیم خواب وہ نیم بیداری میں اور آخر میں علانیہ بیداری کی حالت میں صاحب ورد کو مستقبل کے حالات سے کئی طریقوں میں آگاہی بخشتے ہیں۔اور اس کے ہر کام میں امداد اور معاونت کرتے ہیں۔گاہے کسی کام کی کامیابی کا نقش پیش کرتے ہیں۔کبھی آواز اور الہام کے ذریعے اطلاع دیتے ہیں۔اور کسی وقت دل میں صحیح وہم اور خیال کے ذریعے اطمینان اور تسلی بخشتے ہیں۔ غرض اس ورد پر مواظبت کرنے والا دین اور دنیا میں کامیاب رہتا ہے۔اور اس کی تمام حاجتیں اللہ تعالی کے فضل وکرم سے پوری ہوتی رہتی ہیں۔

بعض بزرگان دین نے اسم یا حی یا قیوم کو اسم اعظم بتایا ہے اور خالی اسے روزانہ ورد کرنے سے دارین میں کامیاب و کامران ہو گئے ہیں۔اسی طرح اسم یا وھاب میں عجیب تاثیرات اور برکات دیکھی گئی ہیں۔اس اسم کا ورد کرنے والا بخت اور تخت سلیمانی میں حصہ دار ہوتا ہے۔اس کی دعوت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی

رب اغفرلی وھب لی ملکا لا ینبغی لا حد من بعدی انک انت الوھاب

مذکورہ بالا ہر دو اسم سعادت دارین کے لئے نہایت موثر اور کارگر ہیں۔ان کے

پڑھنے کی تعداد ایک ہزار ہے۔ اور عشاء کی نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ مذکورہ بالا اسماء کی نسبت حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز اپنے ایک قصیدے کے اندر ارشاد فرماتے ہیں

الطلب ان تکون کثیر مال
ویسمع منک دم فی کل قال
ومن کل النساء تری وراء
تسربه ومن کل الرجال
ویاتیک الغنی وتری سعیدا
مهابا مکرما من کل وال
وتکفی کل حادثة وضررا
وتبقی امنا فی کل حال
فقل یا حی یا قیوم الفا
مکملة علی عدد اللیال
بلیل او نهار قال فیها
ذکرته یرخص کل غال
وفی ذکرک یا وهاب سر
ینبیک ما ترید من السئوال
وتکبر عند کل الناس طرا
وتقبض بالیمین و بالشمال
فلازم ما ذکرته ولا تدعه
تفقضل تبلغ الرتب العوال

ان ابیات کا مختصر ترجمہ یہ ہے کہ اگر تو چاہے کہ تو بڑا مالدار بن جائے۔ اور تمام

لوگ مرد و زن اور چھوٹے بڑے تیری عزت اور تعظیم کریں۔ اور تجھ سے پیار اور محبت کریں۔ اور تو زمانے کے ہر بڑے حادثے اور آفتوں سے محفوظ اور مامون رہے۔ تو تو یہ دو اسماء یا حی یا قیوم ہر روز ہزار دفعہ ورد کیا کر۔ اور اگر اسی طرح تو اسم یا وھاب کا ورد کرے گا۔ تو تو اس اسم کی برکت سے لوگوں میں بڑا معظم اور مکرم بن جاوے گا۔ اور تمام لوگ تیری خدمت پر مامور ہو جائیں گے۔ اور تو ان سے دائیں بائیں ہر قسم کے نذرانے اور تحفے تحائف وصول کرے گا۔ اور لا یحتاج ہو جائے گا۔

اسم بدوح کا ذکر اکثر کتابوں میں آیا ہے اور حضرت سلطان العارفینؒ نے بھی اپنی کتابوں میں جا بجا اس اسم کا ذکر کیا ہے۔ اس اسم کی تاثیر بھی عجب دیکھی گئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ علم جفر والوں کا اختراعی اسم ہے۔ یہ اسم اعدو دزوج درزوج یعنی جوڑے دار ہے۔ اور اس کے حروف کے عدد ب دو ح کل بیس عدد ہوتے ہیں اور اس اسم ودود کے حروف کی تعداد بھی بیس ہے۔ اور یہ اسم محبت اور تسخیر کے واسطے بہت موثر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم توریت کا اسم اعظم ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سامری کے فتنے کے بعد جو بھگوڑے مصر سے بھاگ کر ہندوستان آ گئے تھے۔ انہوں نے یہاں گوسالہ پرستی کو رواج دیا تھا۔ اور یہ اسم بھی اس زمانے کے عامل اپنے ہمراہ مصر سے ہندوستان لے آئے تھے۔ اور بدھ مذہب کے بانی مہانی ساکی منی گوتم بدھ نے اس اسم بدوح کے عمل کا طریقہ اس زمانے کے کسی عامل سے سیکھ لیا تھا۔ اور اس اسم کی دعوت کو جنگل میں پایہ تکمیل تک پہنچایا تھا۔ جس سے ان پر اس اسم کا نور متجلی ہو گیا تھا۔ اور اسم اسم کے نور سے اس کا وجود منور ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے اسی نام کے مطابق اپنا نام بدھ رکھ لیا تھا۔ اور اس کے ذریعے بہت خوارق ان سے ظاہر ہوئے۔ اور اس کا طریقہ دین اور مذہب اس زمانے میں خوب پھلا اور پھولا۔ اور چین، جاپان، برما، لنکا، تبت اور جنوبی ہندوستان میں اس دین کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

اس کے پڑھنے کے بے شمار طریقے ہیں اوراس کے روزانہ پڑھنے کی دو ہزار چار سو اڑسٹھ ہے۔اس کے مثلث نقش بست در بست کو حب کے شائقین کیمیا کی طرح تلاش کرتے رہتے ہیں۔ہم نے اپنی کتاب حق نماء اردو میں اس اسم کا کچھ ذکر کردیا ہے۔اوراس کے چند مثلث بست در بست نقوش بھی درج کردیئے ہیں۔جب کسی عامل سے اسم بدوح کا عمل جاری ہو جائے تو اس سے عجیب وغریب کرامات اور خوارق جاری ہو جاتے ہیں۔اوروہ تمام جہان کو گرویدہ بنالیتا ہے۔لیکن جائے کہ گنج است آنجا مار است اس کا عمل جان جوکھوں کا کام ہے۔اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر کوئی جانباز طالب اس عمل میں کامیاب ہوتا ہے۔

نیز ظاہری اور باطنی غنا اور کشائش رزق کے واسطے اسم یاغنی یامغنی بھی بہت موثر اور کارگر دیکھا گیا ہے۔اسے بھی ہزار دفعہ پڑھا جاتا ہے۔اس کے پڑھنے سے انسان جلدی مستغنی اور لایحتاج ہو جاتا ہے۔عمل تسخیر کے لئے اسم یاسطیع بھی کیمیا اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

قرآنی سورتوں کے عمل کے بارے میں ہم پچھلے صفحوں کے اندر بہت کچھ لکھ آئے ہیں۔یہاں بھی کچھ درج کیے دیتے ہیں۔لیکن سوائے کسی عامل کامل کی اجازت اور نگرانی کے بغیر کوئی عمل جاری نہیں ہوتا۔بلکہ الٹا پڑھنے والا رنج اور رجعت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔استغنا اور کشائش رزق کے معاملے میں سورہ لایلف قریش کا روزانہ ایک سو دفعہ پڑھنا بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔سورہ مزمل کی سب سے آسان زکوۃ یہ ہے کہ عروج ماہ میں خمیس کی رات یادن کو مکمل خلوت کے اندر جلالی اور جمالی پرہیز کے ساتھ دوسو دفعہ روزانہ پڑھنا شروع کرے۔اور ہر روز پڑھنے سے پہلے غسل کرے۔پاک لباس پہنے اور خوشبو لگائے۔اور پانچ روز خلوت کے اندر ایک ہزار کی تعداد پوری کرے اور ہر بار سورہ مزمل شروع کرتے وقت اس سے پہلے اللہ لا الہ الا ھو پڑھے تا کہ رجعت سے محفوظ رہے۔اس زکوۃ کے بعد کم از کم گیارہ دفعہ

متوسط اکیس دفعہ زیادہ سے زیادہ اکتالیس دفعہ روزانہ وِرد رکھے۔ اور اگر تہجد کے وقت پڑھے تو سونا ہے۔ طلوع آفتاب سے پہلے چاندی ہے۔ اور بعد طلوع آفتاب تانبے کی قیمت رکھتا ہے۔ بعض لوگ تہجد کی ہر رکعت میں سورہ مزمل ایک بار پڑھتے ہیں۔ اس سے بھی بہت فائدہ ہوتا ہے۔ بعض باہمت جوانمرد اور جفاکش طالب ایسے بھی دیکھے گئے ہیں۔ جو تہجد کی گیارہ رکعتوں کے اندر ہر رکعت میں سورہ یٰسین ایک بار اور آخری بارھویں رکعت میں سورہ مزمل ایک بار پڑھ کر بعدہ بیٹھ کر اکتالیس دفعہ سورہ مزمل پڑھتے ہیں۔

تہجد پڑھنے کا سب سے آسان، سہل لیکن بہت مفید طریقہ یہ ہے کہ ہر رکعت میں الحمد شریف کے بعد آیت الکرسی ایک دفعہ اور قل شریف یعنی سورہ اخلاص تین بار پڑھے۔

اگر کوئی شخص قرآن کا حافظ ہے۔ اور اسے کوئی بڑی بھاری مہم پیش آ گئی ہے کہ وہ کس طرح حل نہیں ہوتی تو چاہیے کہ بدھ، جمعرات اور جمعہ کی رات عروج ماہ میں ہر رات نفلوں کے اندر تمام قرآن ختم کرے۔ اس کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے غسل کرے اور دو رکعت نفل پڑھے ہر دوگانے میں ایک پارہ قرآن پڑھے۔ یعنی ہر رکعت میں آدھ پارہ قرآن پڑھے۔ جب بیس رکعتیں اور دس پارے ختم کر ڈالے۔ تو پھر دوسرا غسل کرے اور اسی طرح بیس رکعتوں میں دس پارے پڑھے۔ بعدہ تیسرا غسل کر کے باقی دس پارے پڑھ کر تمام قرآن ختم کر ڈالے۔ اسی طرح تین راتیں متواتر یہ عمل کرے۔ اس کی مشکل حل ہو جائے گی۔ لیکن ناجائز غیر شرعی فعل کے لئے یہ عمل ہرگز نہ کرے۔

سورۃ مزمل کا ایک نادر عمل اور دعوت اعظم ہے جس شخص سے کسی طرح دعوت جاری اور روان نہ ہو۔ تو اسے چاہیے کہ آدھی رات کو جنگل میں جائے اور طہارت و غسل کرے اور دس بار درود شریف پڑھے۔ بعدہ ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر

اکتالیس دفعہ سورہ مزمل شریف پڑھے اور سو دفعہ یا اللہ کہے اور سو دفعہ استغفر اللہ کہے۔ اور سو دفعہ یا محمد فرمایادرس کہے۔ یہ عمل سات رات متواتر کرے۔ انشاء اللہ اس کی ہر مشکل آسان ہو گی اور اس کا دل زندہ ہو جائے گا اور اس کی دعوت کا عمل جاری اور روان ہو جائے گا۔ ایک پاؤں پر کھڑے ہونے کی ترکیب یہ ہے کہ جنگل میں کسی درخت کی شاخ سے رسی باندھ لے اور اسے پکڑ کر ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جائے۔ یا اگر کوئی مکان ہو تو اس کی دیوار میں کیل گاڑ کر اور اس سے ڈوری لٹکا کر اسے ایک ہاتھ سے پکڑ لے اور ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جائے۔ اور اگر کچھ بھی پاس نہ ہو تو ایک نیزہ باہر لے جا کر اسے زمین میں گاڑ دے اور اس کے سہارے ایک ٹانگ پر کھڑا ہو جائے۔ بعض لوگ ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھ کر ایسا عمل کر لیتے ہیں۔ ایک پاؤں پر کھڑا ہو کر قرآن پڑھنے میں اللہ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ متمثؒ اور یکتا ہونے میں تائید اور مدد ملتی ہے۔ اگر چہ حضرت سرور کائنات صلعم یا صحابہ کبارؓ سے اس قسم کے عمل کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور اسے بدعت حسنہ کا درجہ دے سکتے ہیں لیکن پچھلے بزرگان دین سے یہ عمل ثابت ہوتا ہے چنانچہ حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ میں اپنے حجرے کا کنڈا رات کو پکڑ لیتا تھا۔ اور ایک ٹانگ سے کھڑے ہو کر ایک رات میں تمام قرآن شریف ختم کر لیتا تھا۔ یہ عمل متواتر بارہ سال تک کرتا رہا ہوں اور حضرت امام اعظم صاحبؒ کی نسبت مشہور ہے کہ آپؒ نے بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر دو رکعت نفل یوں ادا کئے کہ پہلی رکعت میں بائیں ٹانگ پر دائیں ٹانگ رکھ کر آدھا قرآن ختم کر ڈالا اور دوسری میں دائیں ٹانگ پر بائیں ٹانگ رکھ کر آدھا قرآن ختم کر ڈالا۔ اور سجدے میں روتے ہوئے عرض کیا کہ

یا رب ما عبدناک حق عبادتک

یہ عمل اور اس قسم کے دوسرے کٹھن عمل پچھلے اولیاء کرام سے ثابت ہیں اور اللہ

تعالیٰ کے راستے میں مجاہدے، ریاضت اور سعی کی کوئی حد نہیں۔

اسماء الٰہی میں اسم یا سطیع کو تسخیر قلوب کے لئے مثل اکثیر شمار کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس اسم کے ہمراہ کچھ ملا کر پڑھتے ہیں جس سے عمل تسخیر میں بہت فائدہ ہوتا ہے۔ پہلے عاملوں نے بعض اسماء اور کلاموں کے ہمراہ موکلات کے نام لکھے ہیں۔ جن کے ملانے سے کلام کافی لمبا ہوتا ہے۔ اور موکلات بعض قیاسی بعض سماعی اور بعض علم جفر والوں کے اختراعی ہوتے ہیں۔ اور اکثر پرانی عبرانی سریانی زبانوں میں وضع کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی صحت کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ ایسے موکلات کے ملانے سے کلام کا اپنا اثر بھی کم ہو جاتا ہے لہٰذا موکلات کے بغیر کلام کا پڑھنا بہتر ہے۔ بعض جنتر منتر اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ اسماء الٰہی یا بسم اللہ شریف یا سورۃ فاتحہ یا کسی کلام طیبہ کو الٹا کیا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے کلاموں کے پڑھنے سے گو فوری فائدہ مترتب ہوتا ہے۔ اور جن شیاطین اور سفلی ارواح کی حاضرات ہوتی ہے۔ مگر ان کا پڑھنے والا ایمان سے خالی ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیا ہے

من قرء القران معکوسا وقع فی النار معکوسا

یعنی جس نے قرآن کو الٹا پڑھا وہ دوزخ کی آگ میں سر کے بل گرا۔ اسی قسم کا ایک کلام تبت کے جوگیوں اور لاماؤں میں بہت مشہور اور مروج ہے اور وہاں کا ہر سفلی عامل اس کی دعوت ضرور دیتا ہے۔ میں نے جب اس کا تجزیہ کر کے دیکھا تو وہ محمد بن آمنہ کی معکوس اور الٹی صورت ثابت ہوئی ایسے الٹے کلاموں سے احتراز کرنا چاہیئے۔

عربی میں حضرت رسول مقبول ﷺ کا بارگاہ الٰہ میں منظور و مقبول شدہ مجرب اور پیٹنٹ دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ جیسے دعائے سیفی اور حرز یمانی یا حرز الصحابہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے پڑھنے میں بھی عجیب تاثیرات اور انوکھے برکات دیکھے گئے ہیں۔ حضرت سلطان العارفین اس دعا کے حق میں فرماتے ہیں ہرگز زبان عامل سیف نہ

گرودتا آنکہ عامل دعا سیفی نزد قبر اولیاء اللہ نخواند یعنی جب تک کوئی عامل دعائے سیفی کسی وولی کی قبر کے پاس نہ پڑھے۔اس کی زبان ہرگز سیف الرحمٰن یعنی اللہ کی تلوار نہیں بنتی۔ حضرت محبوب سبحانی جناب پیر دستگیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے اس دعا کو بہت پڑھا ہے۔اور انہی سے اس کا عمل قادری خاندان میں چلا آتا ہے۔ یہ دعا سیفی ہم نے اپنی کتاب مخزن الاسرار میں درج کی ہے۔

ہم نے حال ہی میں ایک کتاب بنام مخزن الاسرار و سلطان الاوراد لکھ کر شائع کی ہے۔اس میں چند نہایت چیدہ اور مجرب اوراد درج کیے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول تک بہترین وسائل ہیں۔ان کے پڑھنے سے طالب جلدی عارف زندہ دل اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقرب، منظور نظر اور اس سے واصل ہو جاتا ہے۔اس میں ایک فارسی کا رسالہ روحی ہے جو ہمارے روحانی مربی حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باہو قدس اللہ سرہ العزیز کی زبان حق ترجمان پر مجوبیت کے انتہائی مقام ناز میں جاری ہوا ہے جس میں اس رسالے کے پڑھنے والے کے لئے بہت محکم مواعید اور پختہ مواثیق فرمائے ہیں۔ چنانچہ من جملہ ان مواعید کے ایک یہ ہے کہ الحق اگر ولی واصل کہ از رجعت عالم روحانی ویا عالم قدس شہود از درجہ خود افتادہ باشد اگر توسل بایں کتاب متطاب جوید آں را مرشدیست کامل، اگر او توسل نہ گرفت اور اقسم و اگر ما او راز ساینم ما را قسم و اگر طالب سلک سلوک معتصم و متمسک شود بمجر واعتصام عارف زندہ دل و روشن ضمیر سازم (ترجمہ) خدا کی قسم اگر کوئی واصل ولی جو عالم روحانی یا عالم قدس شہود سے رجعت کھا کر گر گیا ہو۔اگر وہ اس کتاب مستطاب کو اپنا وسیلہ بنائے تو اس کے لئے یہ کتاب مرشد کامل ثابت ہو گی۔اور اگر وہ توسل نہ پکڑے تو اسے قسم اگر ہم اسے اپنے مقام پر نہ پہنچائیں تو ہمیں قسم ہے۔اور اگر سلک سالک باطنی کا طالب اس رسالہ کے پڑھنے پر ہمیشہ قائم

رہے گا۔تو اس کے محض پڑھنے سے انشاءاللہ زندہ دل اور روشن ضمیر ہو جائے گا۔یہ تین چار ورق کا چھوٹا سا رسالہ ہے۔یہ رسالہ طالب مولیٰ کے لئے ایک بہترین اور آسان ترین وسیلہ ہے۔

دوم: اس میں صلوٰۃ الکبریٰ ایک افضل اور اعلیٰ ترین درود شریف کا بہت چیدہ اور عمدہ مجموعہ ہے جسے حضرت محبوب سبحانی حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ العزیز نے مرتب فرمایا ہے۔جو حضرت رسول کریم ﷺ کی ذات والا صفات کے ساتھ واصل ہونے اور آپؐ کے حضور میں داخل ہونے کے لئے ایک نہایت سہل اور آسان ترین وسیلہ ہے۔یہ درود گنج سعادت دارین کی ایک نہایت کارگر کلید اور کامیاب کنجی ہے۔

سوم: کتاب مذکورہ میں حضرت پیر محبوب سبحانی قدس اللہ سرہ العزیز کے صحیح اور درست قصیدہ غوثیہ اور قصیدہ باز اشہب کو شامل کیا گیا ہے۔اور کتاب مذکور مخزن الاسرار و سلطان الاوراد میں ان قصائد کا مکمل حال، ان کا ترجمہ اور شرح دی گئی ہے۔اور ان کے پڑھنے کا طریقہ بھی دیا گیا ہے۔جو طالب مرید قادری کے لئے ایک غیر مترقبہ نعمت ہے۔اور ساتھ ہی سلوک باطنی کے بے شمار نئے اچھوتے معارف و اسرار اور کامل اکمل بزرگان دین کے حالات درج کئے ہیں۔جس کا مطالعہ طالب تشنہ کے لئے آب حیات کا حکم رکھتا ہے۔

اب ہم اخیر میں دعوت القبور کا طریقہ بیان کرتے ہیں۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ رات کو کسی بزرگ، ولی کامل یا شہید یا غوث وقطب کی قبر پر جاوے۔اور روحانی اہل قبر پر مسنون طریقے سے سلام کہے۔اس کے بعد اہل قبر کے حق میں فاتحہ درود پڑھے۔اس کی ترتیب یہ ہے کہ اول درود شریف پھر فاتحہ یعنی الحمد شریف اور پھر درود شریف ایک ایک بار پڑھے۔اس کے بعد اخلاص یعنی قل شریف تین بار پڑھ کر اس کا ثواب روحانی کو بخشے اس کے بعد قبر کے اردگرد اذان یعنی بانگ پڑھے۔جس

طرح نماز کی بانگ پڑھی جاتی ہے۔اور قبر کے سرہانے قبلہ کی طرف پھرتا ہوا بانگ پڑھے اور پھر سرہانے آکر بانگ ختم کرے بعدہ روحانی کو مخاطب کر کے کہے

یا عبد اللہ قم باذن اللہ امددنی فی سبیل اللہ

روحانی فوراً حاضر ہوئے اس کے حاضر ہونے کی علامت یہ ہے کہ قبر میں جنبش پیدا ہوگی اور وہ ہلتی ہوئی معلوم ہوگی اور اس سے رعب وجلال ٹپکے گا۔اور اس کے دیکھنے سے دہشت آنے لگے گی۔بعدہ اہل دعوت کو چاہیے کہ قبر کے پاس بیٹھ کر دعوت قرآن شروع کرے۔اور جو کچھ قرآن میں سے یاد ہو پڑھے۔قبر پر پڑھنے کے لئے سب سے بہتر دعوت سورہ مزمل، سورہ یسین سورہ **ملک** اور سورہ انا فتحنا کی ہے۔سب سے موزوں تر سورہ مزمل کی دعوت ہے۔چنانچہ قبر کے قریب بیٹھ کر سورہ مزمل شریف گیارہ دفعہ پڑھے۔اور جس وقت روحانی کے متوجہ اور حاضر ہونے کی علامات اور آثار ظاہر ہوں تو اہل دعوت کو چاہیے کہ مراقبہ کر کے روحانی کی طرف متوجہ ہو۔یا وہاں قریب ہی لیٹ جائے۔روحانی فوراً حاضر ہو کر اسے مشکل کام کے حل ہونے کی بشارت اور اشارت فرمائے گا۔روحانی کے حاضر ہونے کی علامات اور آثار یہ ہیں۔کہ یا تو پڑھنے والے کے دل میں رقت پیدا ہو جائے گی اور بے اختیار گریہ جاری ہو جائے گی۔ایا دائیں اور بائیں کان سے تن تن کی آواز آئے گی۔یا آنکھوں میں اہل دعوت کو نور کی چمک دے گی۔ایا روحانی اپنی خوشبو بخشے گا۔یا الہام اور آواز دے گا یا دلیل، خیال اور وہم صریح سے دل کو آگاہی دے گا۔یا اہل دعوت کو اپنا وجود بڑا بھاری اور وسیع اور وزنی معلوم ہوگا۔ان علامات مذکورہ میں سے جو بھی علامت ظاہر ہو تو جانے کہ روحانی حاضر ہو گیا ہے اس وقت روحانی سے ملنے اور ملاقی ہونے کے لئے مراقبہ کرے یا وہاں قبر کے پاس لیٹ جائے۔اگر ایک طرف دعوت قرآن پڑھنے سے روحانی حاضر نہ ہو تو دوسری طرف قبر کے پاس بیٹھ کر سورہ مزمل گیارہ بار پڑھے۔اگر پھر بھی حاضر نہ ہو تو قبر کی تیسری طرف سورہ مزمل

پڑھے اور آخر بار قبر کے پاؤں کی طرف گیارہ دفعہ سورہ مزمل پڑھے۔ پاؤں کی طرف دعوت پڑھنے سے روحانی تنگ ہوتا ہے۔ اگر اہل دعوت عامل کامل ہے۔ اور اسے کوئی اپنی یا اپنے خویش و اقارب کی بڑی سخت مشکل آن پڑی ہے تو ایسے وقت اہل دعوت قبر پر چڑھ کر دعوت پڑھے۔ اس وقت روحانی ایس برق براق سے تیز بزم نبویؐ میں حاضر کردے گا۔ اور وہاں سے اس کی مشکل مہم اللہ تعالیٰ کے امر سے حل کرا دے گا لیکن قبر پر چڑھ کر دعوت پڑھنا سخت خطرناک اور جان جوکھوں کا کام ہے۔ اگر ایک طرف آگ کی بھڑکتی ہوئی بھٹی ہے اور دوسری طرف قبر ہے تو بہتر ہے کہ آگ میں کود پڑے۔ لیکن قبر پر قدم نہ رکھے۔ کیوں کہ آگ کا جلا ہوا ممکن ہیت اچھا ہو جائے لیکن قہر کا جلا ہوا کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ اس کا آزار لا زوال ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کو دنیا میں مرشد کامل نہ ملے تو کسی عارف کامل کی قبر اور روحانیت سے تعلق پیدا کرے اس کی قبر کے پاس بار بار قرآن پڑھنے سے روحانی کے ساتھ باطنی رشتہ اور رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور طالب سالک عارف زندہ دل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں۔

ہر کہ مرتشد را نیا بد در جہاں

از قبر عارف شود صاحب عیاں

روحانی اہل قبر دو طرح پر اہل دعوت کی مدد کرتا ہے۔ اول اپنے برزخی مقام سے باہر آ کر اہل دعوت سے ملاقی ہوتا ہے اور اسے اپنے کام میں کامیابی کی بشارت پہنچاتا ہے دوم روحانی اہل دعوت سے اتحاد پیدا کر کے اسے باطن میں اپنے برزخی مقام میں پہنچا دیتا ہے اور اسے اس کا کام حل ہوتا ہوا دکھا دیتا ہے۔ گاہے اہل دعوت کا کام روحانی حل کر دیتا ہے لیکن اہل دعوت کو معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا فرما ہوتی ہے۔ اور عالم امر میں ایک ادنیٰ روحانی کو بڑ روحانی طاقت اور باطنی قوت حاصل ہوتی ہے

ذلک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذو الفضل العظیم

یا رب تو کریمہ و رسولؐ تو کریم

صدر شکر کہ ہستیم میان دو کریم

منقبت

حضرت قبلہ فقیر نور محمد صاحب سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ

جو نام ہے عزت کے قابل وہ نام ہے نور محمد کا

جو کام ہے پسند ہے مولا کو وہ کام ہے نور محمد کا

جس نے بھی لگایا ہونٹوں سے سرمست عشق رسول ہوا

کیا بادہ ہے نور محمد کا، کیا جام ہے نور محمد کا

جن کو بھی عقیدت ہے، ان سے اللہ کی قسم ان لوگوں پر

انعام ہے نور محمد کا، اکرام ہے نور محمد کا

اللہ کا ہاتھ کہیں جس کو وہ دست مبارک ہے ان کا

جو عرش بریں پہ پہنچتا ہے وہ گام ہے نور محمد کا

دنیا میں بھی خوشحال تھے وہ عقبیٰ میں بھی خوشحال ہیں وہ

کتنا اچھا، کتنا اعلیٰ انجام ہے نور محمد کا

جو کچھ بھی لکھا جو کچھ بھی کہا احکام حق کے مطابق تھا

ہر حرف ہر ایک نقطہ کامل الہام ہے نور محمد کا

صاحبزادہ فقیر عبدالحمید سروری قادری کلاچی شریف، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

ابیات مصنف

مکن اے یاد عیب پروازم

بچہ پاک باز شہبازم

مے بود ولد خاص سرائی

بوئے باھُوؒ شنوز آوازم

بے سرم سر ہو ہے جوہَم

در پے در یار سر بازم

سر ہو یا قسم من از باھُوؒ

نیست جز یار محرم رازم

سر ہُوؒ بر سرم سوار شدہ

اسپ تازی مثال می تازم

شہسوار است بر سرم باھُوؒ

زیر آں شہر یار می نازم

گشت نور محمدؐ انجامم

بود نور محمدؐ آغازم

----------اختتام---تمام شد----------